

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ (آل عمران: ۵۸)

”اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا تو وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسار پانے والوں میں سے ہوگا“

إِسْلَام

یا

مسلكِ پرستی

مع ترجمیم و اضافہ

رابطے کے لیے

مسجدِ توحید

توحید روڈ، پوسٹ بکس نمبر 7028، بہاولپور، کراچی

فون: 32854484, 32850510

<http://www.EmaneKhalissMsClub.comeze.com>

OR

<http://www.EKsMsClub.net16.net>



فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۔	اہانتِ باری تعالیٰ	۵
۲۔	نورِ نبوی ﷺ	۱۶
۳۔	نبی ﷺ کا علم	۴۲
۴۔	وسیلہ	۵۱
۵۔	شفاعت	۶۷
۶۔	قبر میں نبی ﷺ کی حیات	۷۹
۷۔	قبروں سے فیض	۹۷
۸۔	عرض اعمال	۱۱۵
۹۔	تعویذ گنڈے	۱۲۷
۱۰۔	اللہ کے سوا دوسروں سے مدد مانگنا	۱۴۰
۱۱۔	عباد اللہ یا عباد الرسول ﷺ	۱۵۳
۱۲۔	حرام کو حلال کر لینا	۱۶۱
۱۳۔	تصوف کی دنیا	۱۶۷
۱۴۔	سبز گنبد	۲۳۳
۱۵۔	حبِ رسول ﷺ میں غلو	۲۴۶
۱۶۔	اللہ تعالیٰ کو دیکھنا	۲۹۵
۱۷۔	نبی ﷺ کی زیارت	۳۱۲

۳۳۸	۱۸۔ ختم نبوت پر ضرب
۳۴۳	۱۹۔ اللہ اور خدا
۳۴۷	۲۰۔ علماء کو مولانا کہنا
۳۵۹	۲۱۔ توہین رسالت
۳۷۳	۲۲۔ مہدی کا ظہور
۳۸۶	۲۳۔ مخصوص مسلک کی پیروی
۴۰۶	۲۴۔ صحابہ کرام اور مغفور تابعی کی تذلیل
۴۲۳	۲۵۔ علیین و سنجین میں عالم برزخ کی تقسیم
۴۳۰	۲۶۔ حق کو چھپانا
۴۳۴	۲۷۔ دین کو پیشہ بنانا
۴۵۴	۲۸۔ قرآن کو مشکل بنانا
۴۶۵	۲۹۔ آیات قرآنی میں تبدیلی
۴۶۷	۳۰۔ تخلیق کائنات کس لیے؟
۴۸۳	۳۱۔ ایصال ثواب
۵۱۰	۳۲۔ دعاء میں ہاتھ اٹھانا
۵۲۰	۳۳۔ مردوں اور عورتوں کی صلوٰۃ میں فرق
۵۲۶	۳۴۔ قضائے عمری
۵۳۲	۳۵۔ اکابر پرستی
۵۴۶	۳۶۔ اکابرین کا دفاع (مخالفانہ تحاریر کا جواب)
۶۲۳	۳۷۔ ”وہ دھوکہ دیتے ہیں“

کتابیات

(کتاب ہذا میں دیے گئے حوالے درج ذیل کتب سے لیے گئے ہیں)

- ۱۔ آب حیات موکلفہ قاسم نانوتوی، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان
- ۲۔ آپ بیتی موکلفہ ذکریا کاندھلوی، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور
- ۳۔ آسمانی جنت اور دوزخ جہنم موکلفہ امیر حمزہ، مطبوعہ مرکز الدعوة والارشاد، لاہور
- ۴۔ آئینہ سلوک موکلفہ نثار احمد خان، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، لسیلہ چوک، کراچی
- ۵۔ احکام شریعت موکلفہ رضا خاں بریلوی، مطبوعہ شبیر پراورڈ، اردو بازار، لاہور
- ۶۔ اخبار الاختیار موکلفہ عبدالحق دہلوی (مترجم)، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ۷۔ اختلاف امت اور صراط مستقیم موکلفہ محمد یوسف لدھیانوی، مطبوعہ مکتبہ مدینہ، اردو بازار، لاہور
- ۸۔ اشرف الجواب موکلفہ اشرف علی تھانوی، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور
- ۹۔ اشرف الحکایات مطبوعہ خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ غفوریہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی
- ۱۰۔ اصول شاشی (مترجم)، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، اردو بازار، لاہور
- ۱۱۔ اصول الفقہ موکلفہ عبید اللہ اسعدی، مطبوعہ مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی
- ۱۲۔ اعمال قرآنی موکلفہ اشرف علی تھانوی، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی / کتب خانہ شان اسلام، اردو بازار، لاہور / تاج کمپنی لیمیٹڈ، لاہور
- ۱۳۔ افکار صوفیہ موکلفہ عبد الرحمن عبدالحق، مطبوعہ ضیاء السنۃ ادارۃ الترجمة والتالیف، رحمت آباد، فیصل آباد
- ۱۴۔ اقتضاء الصراط المستقیم موکلفہ ابن تیمیہ (مترجم)، مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ، شیش محل روڈ، لاہور
- ۱۵۔ اکمال الشیم (مترجم)، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، اردو بازار، لاہور
- ۱۶۔ الاستمداد موکلفہ رضا خاں بریلوی، مطبوعہ مظہر فیض رضا، برج منڈی، لاکپور (فیصل آباد)
- ۱۷۔ الاقتصاد لسنۃ سید الابرار، مطبوعہ انجمن اشاعت التوحید والسنۃ، شیخ پیر، صوابی
- ۱۸۔ البراہین القاطعہ موکلفہ خلیل احمد سہارنپوری، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ۱۹۔ التحقیق الحسن فی نفی دعاء الاجتماع بعد الفراق والسنن، مطبوعہ قریشی دواخانہ، شربت خان روڈ، ٹوبہ، بلوچستان
- ۲۰۔ الجواب الباہر موکلفہ ابن تیمیہ (مترجم)، مطبوعہ مکتبۃ الدعوة، فیصل آباد

- ۲۱۔ الجواب الکافی مؤلفہ ابن قیم، مطبوعہ دارالکتب، بیروت، لبنان
- ۲۲۔ الجواب الکافی مؤلفہ ابن قیم (مترجم)، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور
- ۲۳۔ الرسالۃ القوشیہ مؤلفہ عبدالقادر جیلانی (مترجم)، مطبوعہ غلام دستگیر اکادمی، جھنگ
- ۲۴۔ الشفاء مؤلفہ قاضی عیاض (مترجم)، مطبوعہ انجمن اصلاح المسلمین، پنڈی بھٹیاں، گوجرانوالہ
- ۲۵۔ الفرقان بین اولیاء الرحمن واولیاء الشیطان مؤلفہ ابن تیمیہ (مترجم)، مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ، لاہور
- ۲۶۔ القصیدۃ النونیہ مؤلفہ ابن قیم، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور
- ۲۷۔ القول الجلیل مؤلفہ شاہ ولی اللہ (اردو ترجمہ ”شفاء العلیل“ از خرم علی)، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور
- ۲۸۔ الموضوعات الکبیر مرتبہ ملا علی قاری، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی
- ۲۹۔ المنقذ من الضلال مؤلفہ امام غزالی (اردو ترجمہ ”روشنی کی طرف“ از خلیل خان برکاتی)، مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی، اردو بازار، لاہور
- ۳۰۔ امام صحیح العقیدہ ہونا چاہیے مؤلفہ بدیع الدین راشدی، مطبوعہ جمعیت الہادیث، سندھ
- ۳۱۔ امداد السلوک مؤلفہ رشید احمد گنگوہی، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور
- ۳۲۔ امداد الفتاویٰ از اشرف علی تھانوی، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی
- ۳۳۔ امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق مؤلفہ اشرف علی تھانوی، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، بلال گنج، لاہور
- ۳۴۔ انفاس العارفین مؤلفہ شاہ ولی اللہ دہلوی (مترجم)، مطبوعہ نوری بک ڈپو، لاہور
- ۳۵۔ انوار المصابیح مؤلفہ نذیر احمد رحمانی، مطبوعہ ادارہ اشاعت قرآن وحدیث، کورٹ روڈ، کراچی
- ۳۶۔ اہل حدیث کا مذہب مؤلفہ ثناء اللہ امرتسری، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی
- ۳۷۔ اہل حدیث کے چار مدرکز مؤلفہ عبدالرشید عراقی، مطبوعہ مکتبۃ السنۃ، سوہجہ بازار، کراچی
- ۳۸۔ اہل سنت و اہل بدعت کی پہچان، مصنفہ سعید قادری، مطبوعہ مدنی کتب خانہ، نور مارکیٹ، اردو بازار، گوجرانوالہ
- ۳۹۔ بدعات مروجہ مؤلفہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز (مترجم)، مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ، لاہور
- ۴۰۔ بریلوی علماء و مشائخ کے لیے لمحہ فکریہ مؤلفہ عاشق الہی بلند شہری، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ۴۱۔ بریلوی فتنہ کانیا روپ مؤلفہ عارف سنہلی، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، اردو بازار، لاہور
- ۴۲۔ بریلویت مؤلفہ احسان الہی ظہیر (مترجم)، مطبوعہ ادارہ ترجمان السنۃ، اردو بازار، لاہور
- ۴۳۔ بلبلستان مصطفیٰ ﷺ، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی

- ۴۴۔ **بودار الوار** مؤلفہ اشرف علی تھانوی، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، اردو بازار، لاہور
- ۴۵۔ **بہار شریعت** مؤلفہ امجد علی اعظمی، مطبوعہ شبیر برادرزہ، اردو بازار، لاہور
- ۴۶۔ **بہشتی زیور** مؤلفہ اشرف علی تھانوی، مطبوعہ ادارہ نشریات اسلام، اردو بازار، لاہور
- ۴۷۔ **حبیبہ القلوب** مؤلفہ محمد اقبال، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، اردو بازار، لاہور
- ۴۸۔ **بیاض الاولیاء**، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور
- ۴۹۔ **بیان الفوائد فی حل شرح العقائد** (مترجم)، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی
- ۵۰۔ **پہلا زینہ** مؤلفہ خلیل الرحمن جاوید، مطبوعہ جامعۃ الاحسان الاسلامیہ، منظور کالونی، کراچی
- ۵۱۔ **تاریخ اسلام** مؤلفہ اکبر نجیب آبادی، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی
- ۵۲۔ **تاریخ اسلام** مؤلفہ معین الدین ندوی، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور
- ۵۳۔ **تاریخ خلفاء** مؤلفہ جلال الدین سیوطی (مترجم)، مطبوعہ مکہ پبلیشنگ کمپنی، لاہور
- ۵۴۔ **تاریخ ترکان عثمان** مؤلفہ علی محمد شاہین، مطبوعہ مکتبہ فریدی، اردو کالج، کراچی
- ۵۵۔ **تاریخ تصوف** مؤلفہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، مطبوعہ دارالکتب، اردو بازار، لاہور
- ۵۶۔ **تاریخ طبری** (مترجم)، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی
- ۵۷۔ **تاریخ فقہ اسلامی** مؤلفہ محمد حفصی بک (مترجم)، مطبوعہ فیصل بک فاؤنڈیشن، لاہور / دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ۵۸۔ **تاریخ مشائخ چشت** مؤلفہ ذکریا کاندھلوی، مطبوعہ مکتبۃ الشیخ، بہادر آباد، کراچی
- ۵۹۔ **تاریخ میلاد** مؤلفہ حکیم عبدالغفور، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ۶۰۔ **تبرکات کی شرعی حیثیت** مؤلفہ عبد المتین اچکزئی، مطبوعہ مکتبہ اسماعیلیہ، بلوچستان
- ۶۱۔ **تبلیغی نصاب** مرتبہ خالد سلفی گرجا کھی، مطبوعہ المحدث ٹرسٹ، کراچی
- ۶۲۔ **تبلیغی نصاب - ایک مطالعہ** مؤلفہ تابش مہدی، مطبوعہ البدر بک کارپوریشن، ریگل چوک، کراچی
- ۶۳۔ **تذخیر الناس** مؤلفہ قاسم نانوتوی، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ۶۴۔ **تحفۃ الشیوخ**، مطبوعہ کتب خانہ مظہری، ناظم آباد، کراچی
- ۶۵۔ **تذکرۃ تحلیل** مؤلفہ عاشق الہی میرٹھی، مطبوعہ مکتبۃ الشیخ، بہادر آباد، کراچی
- ۶۶۔ **تذکرۃ الاولیاء**، مطبوعہ جہانگیر بکڈپو، اردو بازار، لاہور
- ۶۷۔ **تذکرہ اولیائے پاک و ہند** مؤلفہ ظہور الحسن شارب، مطبوعہ الفیصل، اردو بازار، لاہور
- ۶۸۔ **تذکرہ شاہ ولی اللہ** مؤلفہ مناظر احسن گیلانی، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی

- ۶۹۔ تذکرہ غوثیہ موکلفہ شاہ گل حسن، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ۷۰۔ ترتیب الموضوعات، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان
- ۷۱۔ تسکین الخاطر لذكر اعمال مرشدی مولانا محمد طاہر موکلفہ خان بادشاہ، مطبوعہ دارالتوحید والسنتہ، منڈیالہ تیفہ، گوجرانوالہ
- ۷۲۔ تسکین الصدور موکلفہ سرفراز صفدر، مطبوعہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ
- ۷۳۔ تفسیر عثمانی موکلفہ شبیر احمد عثمانی، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی، پاکستان چوک، کراچی / دارالاشاعت، اردو بازار کراچی
- ۷۴۔ تفسیر معارف القرآن موکلفہ شفیع عثمانی، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی
- ۷۵۔ تقلید کی شرعی حیثیت موکلفہ تقی عثمانی، مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم، کورنگی، کراچی
- ۷۶۔ تقویۃ الایمان موکلفہ شاہ اسماعیل دہلوی (مترجم)، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی
- ۷۷۔ توحید الرحمن موکلفہ عبداللہ روپڑی، مطبوعہ روپڑی اکیڈمی، لاہور
- ۷۸۔ توحید کے مسائل موکلفہ محمد اقبال کیلانی، مطبوعہ حدیث پبلی کیشنز، شیش محل روڈ، لاہور
- ۷۹۔ تیسر الباری شرح صحیح بخاری موکلفہ وحید الزماں، مطبوعہ تاج کمپنی، لاہور
- ۸۰۔ جامع الفتاویٰ انوار شریعت، مطبوعہ سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ، ڈچکوت، فیصل آباد
- ۸۱۔ جامع ترمذی (مترجم)، مطبوعہ محمد علی کارخانہ اسلامی کتب، اردو بازار، کراچی
- ۸۲۔ جاء الحق موکلفہ احمد یار خان، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ اردو بازار، لاہور
- ۸۳۔ جمال الاولیاء موکلفہ اشرف علی تھانوی، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، اردو بازار لاہور
- ۸۴۔ جمعیت اشاعت التوحید والسنت کا تعارف اور اس کی دعوت، مطبوعہ جمعیت اشاعت التوحید والسنت، کراچی
- ۸۵۔ جواہر التوحید موکلفہ غلام اللہ خان، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، مدینہ مارکیٹ، راولپنڈی
- ۸۶۔ جواہر القرآن موکلفہ غلام اللہ خان، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، مدینہ مارکیٹ، راولپنڈی
- ۸۷۔ چودہویں صدی ہجری کی ایک عظیم شخصیت موکلفہ محمد یوسف صابر، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور
- ۸۸۔ حجتہ اللہ البالغہ موکلفہ شاہ ولی اللہ دہلوی (مترجم)، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ۸۹۔ حدیث اور الحمد حدیث موکلفہ انوار خورشید، مطبوعہ جمعیت اہل السنۃ، لاہور

- ۹۰۔ حدیث اور غیر الٰہی حدیث مؤلفہ خواجہ محمد قاسم، مطبوعہ ادارہ اشاعت القرآن والحديث پاکستان، کورٹ روڈ، کراچی
- ۹۱۔ حدائق بخشش مؤلفہ رضا خاں بریلوی، مطبوعہ فرید بک سٹال اردو بازار، لاہور
- ۹۲۔ حدیقتہ الاولیاء مؤلفہ غلام سرور لاہوری، مطبوعہ تصوف فاؤنڈیشن، لاہور
- ۹۳۔ حضرت امام مہدی مؤلفہ ضیاء الرحمن فاروقی، مطبوعہ اشاعت المعارف، ریلوے روڈ، فیصل آباد
- ۹۴۔ حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت، مطبوعہ مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی
- ۹۵۔ حقیقت گیر ہوں شریف مؤلفہ ملک محمد اشرف نقشبندی، مطبوعہ شہباز پبلشرز، شاہدرہ، لاہور
- ۹۶۔ حقیقت و وسیلہ مؤلفہ مقصود الحسن فیضی، مطبوعہ نور اسلام اکیڈمی، لاہور
- ۹۷۔ حکایات اولیاء مؤلفہ اشرف علی تھانوی، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ۹۸۔ حقیقت اور مرزائیت مؤلفہ عبدالغفور اثری، مطبوعہ الٰہی حدیث یوتھ فورس، سیالکوٹ
- ۹۹۔ حیات الموات (روحوں کی دنیا) مؤلفہ رضا خاں بریلوی، مطبوعہ فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور
- ۱۰۰۔ حیات النبی ﷺ مؤلفہ اسماعیل سافعی، مطبوعہ اسلامک پبلیشنگ ہاؤس، لاہور
- ۱۰۱۔ خزائن السمن، مطبوعہ مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ
- ۱۰۲۔ خزینۃ الاصفیاء مؤلفہ غلام سرور لاہوری مطبوعہ مکتبہ نبویہ، لاہور
- ۱۰۳۔ مختصر کبریٰ مؤلفہ جلال الدین سیوطی (مترجم)، مطبوعہ حامد اینڈ سکینی، اردو بازار، لاہور
- ۱۰۴۔ محاسن نبوی ﷺ بشرح شامل ترمذی مؤلفہ ذکریا کاندھلوی، مطبوعہ ثقافت اسلامیا پبلی کیشنز، لاہور
- ۱۰۵۔ خطبہ الجمعہ مؤلفہ حسین احمد دینی، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، کراچی
- ۱۰۶۔ خصوص الکلم فی فصوص الحکم (یعنی فصوص الحکم کی شرح) مؤلفہ اشرف علی تھانوی، مطبوعہ تصوف فاؤنڈیشن، سمن آباد، لاہور
- ۱۰۷۔ خوابوں میں دیدار رسول ﷺ کی حقیقت مؤلفہ سعید یوسف زئی، مطبوعہ پاک اکیڈمی، آرام باغ کراچی
- ۱۰۸۔ خیر کثیر مؤلفہ شاہ ولی اللہ (مترجم)، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، قرآن محل، مولوی مسافر خانہ، کراچی
- ۱۰۹۔ درود شریف کے مسائل مؤلفہ اقبال کیلانی، مطبوعہ حدیث پبلی کیشنز، شیش محل روڈ، لاہور
- ۱۱۰۔ دستور التمسکی فی احکام النبی ﷺ مؤلفہ محمد یونس قریشی، مطبوعہ جمعیت الٰہی حدیث، کراچی
- ۱۱۱۔ وعائیں مؤلفہ بدر الزماں شفیع نیپالی، مطبوعہ مکتبہ السنۃ، سولجر بازار، کراچی
- ۱۱۲۔ دین تصوف مؤلفہ بیگم گوندلوی، مطبوعہ جامع تعلیم القرآن، سیالکوٹ
- ۱۱۳۔ دیوبند سے بریلی تک مؤلفہ ابوالاوصاف ربوی، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور

- ۱۱۴۔ ویوندیت مؤلفہ عبدالستار خان نیازی البحدیث، مطبوعہ ادارہ ترجمان البحدیث، مسلم بازار، سرگودھا
- ۱۱۵۔ رسا کل شاہ ولی اللہ دہلوی (مترجم)، مطبوعہ تصوف فاؤنڈیشن، سمن آباد، لاہور
- ۱۱۶۔ رضا خانی مذہب مؤلفہ سعید قادری، مطبوعہ مدنی کتب خانہ، اردو بازار گوجرانوالہ
- ۱۱۷۔ روح، عذاب قبر اور سماع موتی مؤلفہ عبدالرحمن کیلانی، مطبوعہ مکتبۃ الاسلام، وسن پورہ، لاہور
- ۱۱۸۔ زاد السعید مؤلفہ اشرف علی تھانوی، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ۱۱۹۔ زاد المعاد مؤلفہ محمد ابن قیم حنبلی (مترجم)، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی
- ۱۲۰۔ زلزلہ و زلزلہ مؤلفہ نجم الدین چغتائی، مطبوعہ کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- ۱۲۱۔ سفینۃ الاولیاء مؤلفہ شہزادہ وارہ شکوہ قادری (مترجم)، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی
- ۱۲۲۔ سکینۃ الاولیاء مؤلفہ شہزادہ وارہ شکوہ قادری (مترجم)، مطبوعہ الفیصل، اردو بازار، لاہور
- ۱۲۳۔ سلاسل طیبہ مؤلفہ حسین احمد مدنی، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، اردو بازار، لاہور
- ۱۲۴۔ سلطنت مصطفیٰ ﷺ مؤلفہ احمد یار خان، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور
- ۱۲۵۔ سماع موتی مؤلفہ عبداللہ روپڑی، مطبوعہ محدث روپڑی اکیڈمی، لاہور
- ۱۲۶۔ سنن ابن ماجہ (مترجم)، مطبوعہ اسلامی اکادمی، اردو بازار، لاہور
- ۱۲۷۔ سنن ابی داؤد (مترجم)، مطبوعہ اسلامی اکادمی، اردو بازار، لاہور
- ۱۲۸۔ سنن دارمی (مترجم)، مطبوعہ قرآن محل، اردو بازار، کراچی
- ۱۲۹۔ سنن نسائی (مترجم)، مطبوعہ اسلامی اکادمی، اردو بازار، لاہور
- ۱۳۰۔ سوانح قاسمی مؤلفہ منظر احسن گیلانی، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور
- ۱۳۱۔ سیرت احمد مجتبیٰ ﷺ مؤلفہ مصباح الدین گنیل، مطبوعہ پاکستان اسٹیٹ آئل کمپنی، کراچی
- ۱۳۲۔ سیرت البم، مطبوعہ پاکستان اسٹیٹ آئل کمپنی، کراچی
- ۱۳۳۔ شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ مؤلفہ عبید اللہ سندھی، مطبوعہ المحمود اکیڈمی، اردو بازار، لاہور
- ۱۳۴۔ شجرہ بدعت مؤلفہ عنایت اللہ بخاری، مطبوعہ المکتبۃ الحسینیہ، سرگودھا
- ۱۳۵۔ شرح فقہ اکبر مؤلفہ ملا علی قاری، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، مولوی مسافر خانہ، کراچی
- ۱۳۶۔ شرح کشف المحجوب مؤلفہ صوفی واحد بخش سیال، مطبوعہ الفیصل، اردو بازار، لاہور
- ۱۳۷۔ شریعت و طریقت مؤلفہ عبدالرحمن کیلانی، مطبوعہ مکتبۃ الاسلام، وسن پورہ، لاہور
- ۱۳۸۔ شفاء الصدور مؤلفہ محمد حسین نیلوی، مطبوعہ المکتبۃ الحسینیہ، سرگودھا
- ۱۳۹۔ شمع محمدی مؤلفہ محمد جونا گڑھی، مطبوعہ مکتبہ محمدیہ، چیچہ وطنی، ساہیوال

- ۱۴۰۔ صحیح بخاری (مترجم)، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور
- ۱۴۱۔ صحیح مسلم (مترجم)، مطبوعہ خالد، احسان پبلشر، لاہور
- ۱۴۲۔ صراط مستقیم مؤلفہ شاہ اسماعیل دہلوی (مترجم)، مطبوعہ ادارہ نشریات اسلام، اردو بازار، لاہور
- ۱۴۳۔ صراط مستقیم اور اختلاف امت مؤلفہ صغیر بہاری، مطبوعہ مکتبہ الہدایت ٹرسٹ، کورٹ روڈ، کراچی
- ۱۴۴۔ صلوٰۃ الرسول ﷺ مؤلفہ صادق سیالکوٹی، مطبوعہ نعمانی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور
- ۱۴۵۔ صلوٰۃ النبی ﷺ مؤلفہ ابراہیم سیالکوٹی، مطبوعہ طارق اکیڈمی، فیصل آباد
- ۱۴۶۔ ضحفاء الکبیر للعقلی، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان
- ۱۴۷۔ عقیقات مؤلفہ ڈاکٹر خالد محمود، مطبوعہ دارالمعارف اردو بازار، لاہور
- ۱۴۸۔ عذاب قبر کی حقیقت مؤلفہ بدیع الدین راشدی، مطبوعہ جمعیت الہدایت، موسیٰ لین، کراچی
- ۱۴۹۔ عقائد الاسلام مؤلفہ عبدالحق حقانی، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور
- ۱۵۰۔ عقائد علمائے دیوبند اور حسام الحرمین، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ۱۵۱۔ عقائد علمائے دیوبند اور مسئلہ حیات الانبیاء، مطبوعہ جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ، کراچی
- ۱۵۲۔ عقد الجحد مؤلفہ شاہ ولی اللہ (مترجم)، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، قرآن محل، اردو بازار، کراچی
- ۱۵۳۔ عملیات و تعویذات (اشرف علی تھانوی کے ملفوظات مرتبہ زید ندوی)، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان
- ۱۵۴۔ عوارف المعارف مؤلفہ شہاب الدین سہروردی (مترجم)، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور
- ۱۵۵۔ فقیہ المالکین مؤلفہ عبدالقادر جیلانی (مترجم)، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی
- ۱۵۶۔ غیر مقلدین سے لاجواب سوالات مؤلفہ محمود حسین، مطبوعہ طیب اکیڈمی، ملتان
- ۱۵۷۔ فاتحہ خلف الامام مؤلفہ خالد گر جاکھی، مطبوعہ مکتبہ الہدایت ٹرسٹ، کراچی
- ۱۵۸۔ فاضل بریلوی کا حافظہ مؤلفہ انوار احمد، مطبوعہ انجمن ارشاد المسلمین، شاداب کالونی، لاہور
- ۱۵۹۔ فتاویٰ ثنائیہ مؤلفہ ثناء اللہ امرتسری، مطبوعہ مکتبہ ثنائیہ، النور اکیڈمی، سرگودھا
- ۱۶۰۔ فتاویٰ رشیدیہ از رشید احمد گنگوہی، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور
- ۱۶۱۔ فتاویٰ محمودیہ از محمود حسن گنگوہی، مطبوعہ کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- ۱۶۲۔ فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا مؤلفہ محمد عبدالمعود، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور
- ۱۶۳۔ فصوص الحکم (مترجم) مؤلفہ ابن عربی، مطبوعہ پروگریسو بکس، اردو بازار، لاہور /
- تصوف فاؤنڈیشن، سمن آباد، لاہور
- ۱۶۴۔ فضائل اعمال مؤلفہ ذکریا کاندھلوی، مطبوعہ کتب خانہ فیضی، لاہور

- ۱۶۵۔ فضائل حج مؤلفہ ذکریا کاندھلوی، مطبوعہ کتب خانہ فیضی، لاہور
- ۱۶۶۔ فضائل دروہ مؤلفہ ذکریا کاندھلوی، مطبوعہ کتب خانہ فیضی، لاہور
- ۱۶۷۔ فضائل صدقات مؤلفہ ذکریا کاندھلوی، مطبوعہ کتب خانہ فیضی، لاہور
- ۱۶۸۔ فقہ اور تصوف مؤلفہ رفیع عثمانی، مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی
- ۱۶۹۔ فیضان سنت مؤلفہ الیاس قادری، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کھارادر، کراچی
- ۱۷۰۔ فیوض الحرمین مؤلفہ شاہ ولی اللہ دہلوی (مترجم)، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی /
محمد سعید اینڈ سنز، مولوی مسافر خانہ، کراچی
- ۱۷۱۔ قاعدۃ جلیلیہ مؤلفہ ابن تیمیہ، مطبوعہ مکتبۃ الفرقان، عجمان، متحدہ عرب امارات
- ۱۷۲۔ قبر اور عذاب قبر مؤلفہ رانا اسحاق، مطبوعہ ادارہ اشاعت اسلام، اقبال ٹاؤن، لاہور
- ۱۷۳۔ قبر پرستی مؤلفہ صلاح الدین یوسف، مطبوعہ مکتبۃ ضیاء الحدیث، لاہور
- ۱۷۴۔ قبر کا بیان مؤلفہ اقبال کیلانی، مطبوعہ حدیث پبلیکیشنز، لاہور
- ۱۷۵۔ قبہ اور مزارات کی تعمیر مؤلفہ صفی الرحمن مبارکپوری، مطبوعہ دارالسلام، لاہور
- ۱۷۶۔ قصص الاولیاء مؤلفہ اشرف علی تھانوی مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ۱۷۷۔ قصص الاولیاء مؤلفہ عالم فقری، مطبوعہ شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور
- ۱۷۸۔ کتاب التوحید مؤلفہ محمد بن عبد الوہاب نجدی (مترجم)، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی
- ۱۷۹۔ کتاب الروح مؤلفہ ابن تیمیہ (مترجم)، مطبوعہ شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور
- ۱۸۰۔ کتاب الضعفاء والمتروکین للنساء، مطبوعہ موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت، لبنان
- ۱۸۱۔ کتاب الموضوعات مؤلفہ عبد الرحمن الجوزی، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان
- ۱۸۲۔ کتاب الوسیلۃ مؤلفہ ابن تیمیہ (مترجم)، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی
- ۱۸۳۔ کراچی کا عثمانی مذہب مؤلفہ قاسم گر جاکھی، مطبوعہ ادارہ اشاعت قرآن وحدیث، کورٹ روڈ، کراچی
- ۱۸۴۔ کرامات غوث الاعظم مؤلفہ محمد شریف نقشبندی، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور
- ۱۸۵۔ کشف المحجوب مؤلفہ علی ہجویری (مترجم)، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور
- ۱۸۶۔ سکنول مؤلفہ شفیع عثمانی، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ۱۸۷۔ کلیات اداویہ مؤلفہ امداد اللہ مہاجر کی، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ۱۸۸۔ کیا مروے سنتے ہیں؟ مؤلفہ خلیل الرحمن جاوید، مطبوعہ جامعۃ الاحسان الاسلامیہ، منظور کالونی، کراچی
- ۱۸۹۔ کیا مروے سنتے ہیں؟ مؤلفہ عبد اللہ بہاولپوری، مطبوعہ المحدث ٹرسٹ، کراچی

- ۱۹۰۔ کیا نبی ﷺ نور تھے؟ مؤلفہ طالب الرحمن، مطبوعہ المعهد الاسلامی، اسلام آباد
- ۱۹۱۔ کیسے سعادت مؤلفہ امام غزالی (مترجم)، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ۱۹۲۔ گنبد خضریٰ مؤلفہ معراج عالم، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
- ۱۹۳۔ مجلس صوفیہ مؤلفہ معین الدین وادائی، مطبوعہ نقیص اکیڈمی، اردو بازار، کراچی
- ۱۹۴۔ مجلہ ”الاشرف“ جامعہ اشرفیہ، کراچی
- ۱۹۵۔ مجلہ ”البلاغ“ دارالعلوم، کورنگی، کراچی
- ۱۹۶۔ مجلہ ”الخیر“ جامع خیر المدارس، ملتان
- ۱۹۷۔ مجلہ ”بینات“ جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی
- ۱۹۸۔ مجلہ ”گلستان“، جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ، سرگودھا
- ۱۹۹۔ مجلہ ”عارفین“، جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ، سرگودھا
- ۲۰۰۔ مجلہ ”نغمہ توحید“ جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ، گجرات
- ۲۰۱۔ مجموعہ رسائل امام غزالی (مترجم) مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ۲۰۲۔ مدارج النبوت مؤلفہ عبدالحق دہلوی (مترجم)، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار، لاہور
- ۲۰۳۔ مرزائیت اور اسلام مؤلفہ احسان الہی ظہیر، مطبوعہ ادارہ ترجمان السنۃ، لاہور
- ۲۰۴۔ مرشد جیلانی کے ارشادات حقانی مؤلفہ حنیف یزدانی، مطبوعہ مکتبہ نذیریہ، لاہور
- ۲۰۵۔ مسعودی ایسی سی کی جماعت المسلمین پر ایک نظر۔ ایک محقق کے قلم سے، مطبوعہ مکتبہ الہدیت ٹرسٹ، کراچی
- ۲۰۶۔ مسلک الہدیت پر ایک نظر، مطبوعہ الہدیت ٹرسٹ، کراچی
- ۲۰۷۔ مسند ابی داؤد طرابلسی (مترجم)، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی
- ۲۰۸۔ مسند احمد، مطبوعہ دار احیاء تراث العربی، بیروت
- ۲۰۹۔ مسنون نماز مؤلفہ صلاح الدین یوسف، مطبوعہ دارالسلام، لاہور
- ۲۱۰۔ مشکوٰۃ المصابیح (مترجم)، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور
- ۲۱۱۔ مطالعہ تصوف مؤلفہ غلام قادر لون، مطبوعہ دوست الہوسی اٹش، اردو بازار، لاہور
- ۲۱۲۔ معارف الاکابر مؤلفہ اشرف علی تھانوی، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، اردو بازار، لاہور
- ۲۱۳۔ معارف خمس تبریز مؤلفہ حکیم محمد اختر، مطبوعہ کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- ۲۱۴۔ معین الارواح مؤلفہ محمد خادم حسین زبیری، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی

- ۲۱۵۔ مفتاح المقلعات مؤلفہ میرزا احتیار حسین، مطبوعہ جماعت سالکین آغا تہ مرتضیہ، فیڈرل بی ایریا، کراچی
- ۲۱۶۔ مقدمہ ابن خلدون (مترجم)، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی
- ۲۱۷۔ مقیاس و ہدایت مؤلفہ عمر اچھری، مطبوعہ المقیاس پبلشرز، دربار مارکیٹ، لاہور
- ۲۱۸۔ مکتوبات امام ربانی مؤلفہ احمد سرہندی (ملحقہ: مبداء و معاد و جواہر مجد دیہ) (مترجم)، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، اردو بازار، لاہور
- ۲۱۹۔ ملفوظات مجددیہ حاضریہ مؤلفہ ابن رضا خاں بریلوی، مطبوعہ مدینہ پیشنگ کمپنی، ایم اے جنل روڈ، کراچی
- ۲۲۰۔ مواظبات مالک (مترجم)، مطبوعہ ادارہ نشریات اسلام، اردو بازار، لاہور
- ۲۲۱۔ میزان الاعتدال، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان
- ۲۲۲۔ نادر مجموعہ رسائل قاسم نانوتوی، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی
- ۲۲۳۔ نشر الطیب فی ذکر الحبيب مؤلفہ اشرف علی تھانوی، مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی
- ۲۲۴۔ نماز کے بعد اجتماعی دعا کی شرعی حیثیت مؤلفہ رانا اسحاق، مطبوعہ ادارہ اشاعت اسلام، لاہور
- ۲۲۵۔ نور محمدی مؤلفہ عبداللہ روپڑی، مطبوعہ روپڑی اکیڈمی، لاہور
- ۲۲۶۔ نیل الایمانی مؤلفہ محب اللہ راشدی، مطبوعہ ادارہ تحقیقات سلفیہ، کراچی
- ۲۲۷۔ وصایا شریف مؤلفہ حسین رضا خاں، مطبوعہ رضائے مصطفیٰ بریلی، انڈیا
- ۲۲۸۔ ہشت بہشت (تصوف کی درج ذیل آٹھ کتابوں کا مجموعہ: مطبوعہ مکتبہ جام نور، دہلی انیس الارواح (ملفوظات خواجہ عثمان ہارونی) مؤلفہ معین الدین چشتی اجیری۔
- وکیل العارفین (ملفوظات معین الدین چشتی اجیری) مؤلفہ قطب الدین بختیار کاکی۔
- فوائد السالکین (ملفوظات قطب الدین بختیار کاکی) مؤلفہ فرید الدین گنج شکر۔
- راحۃ القلوب (ملفوظات فرید الدین گنج شکر) مؤلفہ نظام الدین اولیاء۔
- اسرار الاولیاء (ملفوظات فرید الدین گنج شکر) مؤلفہ بدر اسحاق۔
- افضل الفوائد (ملفوظات نظام الدین اولیاء) مؤلفہ امیر خسرو۔
- فوائد الفوائد (ملفوظات نظام الدین اولیاء) مؤلفہ امیر حسن سنجر۔
- مفتاح العاشقین (ملفوظات نصیر الدین چراغ دہلوی) مؤلفہ محب اللہ
- ۲۲۹۔ جماعت مؤلفہ شاہ ولی اللہ (مترجم) مطبوعہ سندھ ساگر اکادمی، اردو بازار، لاہور



اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّنَ

مُقَدِّمَةٌ

صد ہزار شکر اس کریم ذات کا جو اس کائنات کی ہر شے کی بلا شرکتِ غیرے خالق و مالک ہے۔ جس نے جن و انس کو فقط اپنی بندگی کے لیے پیدا کرنے کے بعد ان کی رہنمائی کے لیے بے شمار انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے جو سب کے سب ایک ہی بات کی طرف بلانے والے تھے کہ:

اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ ط (الم اسجد: ۱۳)

”کسی کی بندگی نہ کرو سوائے اللہ کے۔“

يَقُوْمُوْا عِبَادُ اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ ط (ص: ۵۰)

”اے میری قوم! بندگی کرو اللہ کی جس کے سوا تمہارا کوئی الہ نہیں۔“

الہ یعنی معبود ایک و سبع المعنی لفظ ہے، یعنی ہر قسم کی جسمانی (قولی و فعلی) اور مالی عبادت کا اکیلا مستحق، تمام مخلوقات کی ضرورتوں کا اکیلا پورا کرنے والا، سب کے بگڑے کام بنانے والا، سب کی مرادیں پوری کرنے والا، سب کی جھولیاں بھرنے والا، فریاد رسی کرنے والا، سب کا دانا، دستگیر، وغیرہ، وغیرہ۔ نیک و سعید لوگ ان انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول کر کے انعام کے مستحق ٹھہرتے اور شقی و بد بخت لوگ ان کی بات کو ٹھکرا دیتے اور انہیں تکلیف دیتے یا ان کے بعد ایسے اقدامات کرتے کہ صرف اپنے ذاتی مفاد کے تحفظ کے لیے ان نبیوں کے لائے ہوئے دین کی شکل ہی بدل ڈالتے۔ یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں تحریف کرتے اور اس کی ایسی تاویل کرتے جو اس دعوت حق کی ضد ہوتی۔ اس کے لیے وہ مختلف گروہ اور ٹولے بنا لیتے جس سے ملتی وحدت

پارہ پارہ ہو جاتی۔ لوگ توحید کی شکل میں کفر و شرک کرنے لگتے۔ دین حق کو اس حالت تک پہنچانے والے یہی علماء و مشائخ، قوم کے رہنما اور دینی ٹھیکیدار بن جاتے، بے وقوف لوگوں کو انگلیوں پر نچاتے اور انکا مال لوٹتے۔ تقریباً ہر نبی کی امت کے ساتھ یہی ہوا۔ چنانچہ صالح کی قوم میں نو گروہ تھے (۱) اور بنی اسرائیل میں بہتر۔ (۲) اللہ نے اپنے آخری نبی ﷺ پر نازل ہونے والی سچی کتب قرآن مجید میں واضح طور پر فرمادیا تھا کہ:

وَاَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران: ۱۰۳)

”اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور تفرقے میں نہ پڑو۔“

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱﴾ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا (آل عمران: ۳۱-۳۲)

”اور مشرکوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور گروہ گروہ ہو گئے۔“

اور ایسا کرنے والوں کو عذاب عظیم کی وعید سنائی:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۵﴾ (آل عمران: ۱۰۵)

”اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے تفرقہ ڈالا اور واضح احکام آجانے کے بعد اختلاف کیا اور انہی

لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

نیز اپنے رسول ﷺ کو تنبیہ کی کہ:

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتُ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۖ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ

يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۱۵۹﴾ (الأنعام: ۱۵۹)

”جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور گروہ گروہ ہو گئے آپ کو ان سے کوئی سروکار نہیں، ان کا

معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے، پھر جو کچھ وہ کرتے رہے وہ ان کو (سب) بتائے گا۔“

لیکن افسوس کہ اس آخری نبی کی امت بھی اس فتنے سے نہ بچ سکی اور فتنہ پردازوں (یعنی نام نہاد علماء اور پیروں) نے اسے بھی بے شمار فرقوں اور مسلکوں میں تقسیم کر دیا۔ چنانچہ خود کو مسلمان

کہلانے والا، خالص ایمان کا حامل، قرآن و حدیث کا سچا پیرو تو آج کم ملے گا البتہ خود کو دیوبندی، بریلوی، وہابی، شیعہ، سنی، اشری، سلفی، ذکری، بوہری، نصیری، اسماعیلی، قادیانی، پرویزی، بہائی، بابی، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، ظاہری، باطنی، دُرُوز، نام نہاد اہل حدیث، اہل قرآن، جماعت المسلمین اور حزب اللہ وغیرہ کہنے والے بہت مل جائیں گے۔ ان میں سے ہر ایک گروہ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فِرَاقُونُ (اروم: ۳۲) کے مصداق خود کو ہدایت یافتہ اور نجاتی تصور کرتا ہے اور باقیوں کو گمراہ و تاری گردانتا ہے اور ان پر کفر کے فتوے لگاتا ہے۔

مالک کائنات کا بے حد شکر ہے کہ اس نے ہمیں ان تمام فرقوں سے بچایا اور اس بات کی توفیق دی کہ اس موضوع پر کچھ لکھیں۔ یوں تو اہل حق نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے اور ان فرقوں کے باطل عقائد و نظریات پوری شرح و بسط کے ساتھ عوام کے سامنے پیش کر دیئے ہیں اور بتا دیا کہ فَأَعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْبَصَارِ۔ چنانچہ اس پر مزید قلم اٹھانے کی ضرورت نہ تھی مگر تبلیغی جماعت والے جو کہ دیوبندی عقائد و نظریات کے حامل ہیں، ہمارے اُن ساتھیوں سے جو لاعلمی میں کبھی ان کے ساتھ ہوتے تھے لیکن اللہ کی توفیق سے حق کو پہچان کر یکسو اور ان سے لاتعلق ہو گئے ہیں، اکثر سوالات کرتے ہیں کہ انہوں نے تبلیغی جماعت کیوں چھوڑی؟ ان کے استفسار پر خود کو سب سے زیادہ مومن و مسلم سمجھنے والے، توحید کے پیرو ہونے کے دعویدار دیوبندیوں، جن کے متبعین کا دعویٰ ہے کہ ان کے اکابرین ہی کا تو صدقہ ہے کہ برصغیر میں ”اسلام“ نظر آ رہا ہے، کے وہ عقائد و نظریات و اعمال جو قرآن و حدیث کے مطالعے کے دوران ہمیں خلاف شریعت نظر آئے، سپرد قلم کیے جا رہے ہیں تاکہ لوگوں پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ ان کے ہاتھوں دین میں کیسا بگاڑ آیا ہے۔ آئندہ صفحات میں اس کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

یہ تو ہے اس کتاب کی وجہ تالیف کہ دیوبندی عقائد رکھنے والی جماعت کے کارکنوں کے پوچھنے پر ان کے عقائد کی خرابیوں کو ضبط تحریر میں لایا جا رہا ہے۔ لیکن یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ یہ خرابیاں صرف دیوبندی مسلک میں ہی نہیں بلکہ تقریباً ہر مسلک اور فرقے کے عقائد میں پائی جاتی ہیں جو ”اسلام“ کا سابقہ لاحقہ لگا کر خوشناتاموں کے ساتھ رائج الوقت ہیں۔ کتب کے بعض مقامات پر اس کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ یہ بات خارج از امکان نہیں کہ مسلک پرستی

کے شکار لوگ اس کتاب کا عنوان اور فہرست مضامین دیکھ کر ہی اس کا مطالعہ نہ کریں، لیکن اکابر پرستی سے پاک ان مختلف مسالک و فرقوں کا کوئی فرد کھلے دل سے اگر اس کا مطالعہ کرے تو کچھ بعید نہیں کہ وہ فرقہ و مسلک پرستی سے توبہ کر کے یکسو ہو جائے، جیسے مالک الملک نے ہمارے بہت سے ساتھیوں کو توفیق بخشی۔ یہی اس تحریر کا مطلوب ہے جو اللہ کرے حاصل ہو۔ آمین

یہاں ایک اہم بات اور واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ کوئی شخص توہین رسالت کا ارتکاب کر کے مسلمان نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح اللہ کے اولیاء کرام کی تحقیر بھی اللہ سے جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ یہ بہت نازک مسئلہ ہے جو مسکی دکاندار مولویوں کے پیشہ ورانہ ہتھکنڈوں کے ہاتھوں سنگین صورت اختیار کر گیا ہے۔ اس کا اطلاق قرآن و حدیث کے مسلمات کے دائرے میں رہتے ہوئے ہی ہونا چاہیے۔ یاد رہے کہ اس تحریر سے کسی کی دل آزاری قطعاً مقصود نہیں بلکہ صرف اور صرف حق کے متلاشیوں کو چراغ دکھانے کی ایک مخلصانہ کوشش ہے۔ مالک سے دعا ہے کہ وہ اس ادنیٰ سی کوشش کو شرف قبولیت بخشے اور اسے لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

اس کتابچے میں اگر کہیں قرآن و حدیث کے متن یا ترجمے یا کوئی حوالہ نقل کرنے میں کسی بھی قسم کی غلطی ہوئی ہو تو قارئین سے گزارش ہے کہ نشاندہی فرمائیں۔ تصحیح و تنقید برائے اصلاح کو خوش آمدید کہا جائے گا۔

نقطہ والسلام

بارِ اول: جمعہ ۲۷ شوال ۱۴۱۳ھ

بارِ دوم: جمعہ ۱۶ رجب ۱۴۱۹ھ

بارِ سوم: جمعہ ۲۶ صفر ۱۴۲۰ھ

بارِ چہارم: جمعہ ۳۰ جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ

بارِ پنجم و ششم: ماقبل و بعد ۱۴۲۹ھ

بارِ ہفتم: جمعہ ۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

ابانت باری تعالیٰ

دیوبندی مسلک کا یہ عقیدہ ہے کہ

”وہ حصہ زمین جو جناب رسول اللہ ﷺ کے اعضاء مبارکہ کو مس کیے ہوئے ہے علی الاطلاق افضل ہے۔ یہاں تک کہ کعبہ اور عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔“ (1)

یہ عقیدہ ان کی کتاب ”الْمُهَنْدُ عَلَى الْمُفَنِّدِ“ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو احمد رضا خاں بریلوی کی کتاب ”حُصَامُ الْخَرَمَيْنِ عَلَى مَنَعْرِ الْكُفْرِ وَالْمِيزَانِ“ کے جواب میں لکھی گئی، جس میں دیوبندی عقائد لکھے گئے ہیں، اور ان پر اس وقت کے بڑے بڑے تمام دیوبندی علماء مثلاً خلیل احمد سہارنپوری (مصنف کتاب)، اشرف علی تھانوی، مفتی کفایت اللہ، وغیرہ نے مہر تصدیق ثبت کی ہے۔

جس کسی کے دل میں اللہ کا ذرہ برابر بھی وقار ہو گا وہ اس باطل عقیدے کا فوراً رد کر دے گا، لیکن توحید کے بلند بانگ دعوے کرنے والے ان مسلک پرستوں کے دل میں اللہ کا کوئی وقار نہیں۔ کیا یہ لوگ اللہ کے اس فرمان سے نا آشنا ہیں:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا (نوح: ۱۳) ”تمہیں کیا ہو گیا ہے، تمہارے نزدیک اللہ کا کوئی وقار نہیں“

اس عقیدے میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کی تنقیص کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو فوقیت دی گئی ہے۔ عبد کو معبود سے، مخلوق کو خالق سے بڑھا کر پیش کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے منسوب چیزوں کے مقابلے میں رسول ﷺ سے منسوب چیز کو افضل قرار دیا گیا ہے، حالانکہ جس طرح اللہ سے افضل تو کیا اس کے برابر بھی کوئی چیز نہیں، اسی طرح دوسروں سے منسوب کوئی شے بھی منسوب الی اللہ سے افضل و اعلیٰ بلکہ برابر بھی نہیں ہو سکتی کہ یہی توحید باری تعالیٰ کا تقاضہ ہے:

(1) عقائد علمائے دیوبند اور حمام الحرمین، صفحہ ۲۱۹۔ یہ بات تو تحریراً موجود ہے ورنہ تبلیغی جماعت والے تو اپنے بیانات میں عرش الہی کو نبی ﷺ کی جوتی کے برابر بھی نہیں سمجھتے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی جوتی اللہ کے عرش سے بھی افضل ہے! (معاذ اللہ) ان کے ایک ایسے کفریہ بیان کا راقم خود گواہ ہے۔

لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (الزمر: ۶۰)
”جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کی مثال بہت بری ہے اور اللہ کی مثال بہت بلند ہے اور وہ بہت زیروست، حکمت والا ہے۔“

لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (الاعراف: ۴۰) ”اس کا کوئی کفو (برابر و ہمسر) نہیں“

هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا (مریم: ۶۵) ”کیا تو جانتا ہے کسی کو اس کے نام کا (اس کے جیسا)“

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشوریٰ: ۱۱) ”اس کے جیسی کوئی چیز نہیں“

عرش وہ جگہ ہے جس پر تمام کائنات کا خالق و مالک مستوی* ہے :

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ

اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ (الاعراف: ۵۴/ یونس: ۳)

”بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے چھ دن میں آسمانوں اور زمین کو بنایا، پھر عرش پر مستوی ہو گیا“

اسی طرح کا مضمون قرآن میں دوسری جگہوں پر بھی ہے :

الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ (طہ: ۵) ”وہ بڑا مہربان عرش پر مستوی ہوا۔“

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ (الہجہ: ۱۲۹) ”وہ بڑی عظمت والے عرش کا مالک ہے۔“

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ (المومن: ۱۶۴) ”اس بڑی عزت والے عرش کے مالک کے سوا کوئی الہ نہیں“

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۖ فَسُبْحَنَ اللَّهُ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا

يَصِفُونَ (الانعام: ۲۲)

”اگر ان دونوں (زمین و آسمان) میں اللہ کے علاوہ کوئی اور الہ ہوتا تو ضرور فساد

ہو جاتا، سو اللہ جو عرش کا مالک ہے پاک ہے اُن باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔“

★ ”مستوی“ ہونے کی کیا کیفیت ہے؟ اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اسے مثلاً بہات میں سے سمجھنا چاہیے جن کے معنی اللہ نے کسی کو نہیں بتائے۔ قرار پکڑنا، قائم و متمکن ہونا وغیرہ جیسے الفاظ سے بھی اس کیفیت کو نہیں ظاہر کیا جاسکتا۔ گزشتہ ایڈیشن میں یہ الفاظ سہواً استعمال ہو گئے تھے۔ قرآن کے مولہ مقامات کے علاوہ سورۃ الفرقان آیت ۵۹ / السجۃ ۴: ۴ / الحدید: ۴ میں بھی کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ یہ بات بیان کی گئی ہے۔

ان کے علاوہ بھی قرآن میں متعدد مقامات پر عرش الہی کی عظمت، بزرگی، عزت، تشریف، تعظیم، تکریم، تعجید، تمکنت و توقیر کا ذکر ہے۔ عرش الہی کی فضیلت بخاری کی اس روایت سے بھی واضح ہوتی ہے کہ جس دن اللہ کے (عرش کے) سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا تو سات قسم کے اشخاص اس کے نیچے ہوں گے۔ (۱) زمین کے کسی ٹکڑے کی خواہ وہ قبر نبوی ﷺ ہی کیوں نہ ہو، اللہ کے عرش سے کوئی نسبت ہو ہی نہیں سکتی چہ جائیکہ اس کو افضل قرار دیا جائے! اسی طرح نبی ﷺ کی جوتی کو عرش عظیم و کریم سے افضل سمجھنے کی حقیقت جانی جاسکتی ہے خواہ وہ جوتی تبلیغ اسلام کے لیے کتنی ہی استعمال کیوں نہ ہوئی ہو اور عرش الہی اپنی جگہ پر ساکت و جامد ہی کیوں نہ ہو (جس سے تبلیغی جماعت والے استدلال کرتے ہیں)! * اب آئیے کرسی کی طرف جس کا ذکر آیت الکرسی میں ہے:

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۖ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ (البقرہ ۲۵۵)

”تمام زمین اور آسمانوں پر اللہ کی کرسی چھائی ہوئی ہے جن کی حفاظت اسے ذرا بھی دشوار نہیں“

کرسی سے مراد چارپایوں والی کوئی نشست ہرگز نہیں کیونکہ نعوذ باللہ اللہ کا کوئی محدود مادی جسم نہیں جو ایک محدود جگہ پر متمکن ہو۔ ہم تو اس کی کرسی اور اس پر مستوی ہونے کا تصور و ادراک بھی نہیں کر سکتے۔ ”کرسی“ سے مراد کرسی استوی کے ساتھ تمام کائنات کا کنٹرول، قابو، اختیار، اقتدار اور نظم حکومت وغیرہ سب ہی کچھ ہے، کیونکہ زمین اور آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب پر اس اکیلے اللہ کی

(1) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الزکوٰۃ، باب الصدقة باليمين، صفحہ ۱۵ / جامع ترمذی باب

البيوع، باب ما جاء في انظار المعسر والرفق به، صفحہ ۴۸۹

★ ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ نبی ﷺ اپنی جوتیوں سمیت عرش الہی پر معراج کی رات گئے جبکہ موسیٰ علیہ السلام کی وادی طوی میں جوتیاں اتروائی گئیں۔ اول تو یہ بات ہی محتاج ثبوت ہے کہ نبی ﷺ عرش الہی پر چڑھے، اور پھر جوتیوں سمیت! دوسرے اگر بالفرض ایسا ہوا بھی تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ وہ جوتی اس عرش سے افضل ہو گئی جس کی تعریف خود اللہ نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہے جیسا کہ ابھی آیات پیش کی گئیں؟ تیسرے یہ کہ موانع میں موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ پیش کرنا بھی بے جوڑ ہے کیونکہ وہ عرش پر نہیں بلکہ ارض فلسطین تشریف لے گئے تھے۔

حکومت ہے۔ (۱) وہی اکیلا ان کا نظام چلا رہا ہے، اس کے امر کے سامنے ہر شے اور مخلوق عاجز ہے، بیچ ہے مگر ان مسلک پرستوں کے نزدیک قبر نبوی اللہ کے اس لامحدود اختیار (یعنی کرسی) سے افضل ہے۔ اس طرح غیر اللہ کی منسوبات کو اللہ تعالیٰ کی منسوبات سے افضل قرار دے کر انہوں نے مخلوق کو خالق سے اور بندے کو آقا سے بڑھا دیا ہے۔

اور اب کعبۃ اللہ کی عظمت بھی دیکھئے :

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ (آل عمران: ۹۶)
 ”بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے (بغرض عبادت) بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے، بابرکت ہے اور جہانوں کے لیے موجب ہدایت ہے۔“

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْغُرَبَاءِ الْقِبْلَةَ لِنَاسٍ (المائدة: ۹۷)
 ”اللہ نے لوگوں کے قیام کے واسطے کعبہ کو حرمت والا گھر بنایا۔“

یہی وہ عز و شرف والا گھر ہے جسے آدم علیہ السلام نے بنایا، پھر نبی ﷺ کے جد امجد ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر کیا۔ یہی وہ گھر ہے جس کی طرف منہ کر کے فریضہ صلوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا (۲) اور اس کا استقبال ادائیگی صلوٰۃ کی شرط لازم قرار دیا گیا۔ یہی وہ مقام ہے جس کے طواف کے بغیر حج جیسی افضل ترین عبادت نہیں ہوتی۔ نبی ﷺ اور ان سے پہلے انبیاء علیہم السلام نے اس کا طواف کیا، جہاں ادا کی جانے والی صلوٰۃ (اجر و ثواب میں) مسجد نبوی کی سو نمازوں اور دوسری مساجد کی ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔ (۳) اس عظمت و کرامت والے گھر کا دیکھنا بھی ثواب ہے۔ لیکن مسلک پرستوں کی نظر میں شاید اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ کعبہ شعائر اللہ میں سے ہے جس کی توہین کفر اور تعظیم تقویٰ ہے:

(۱) سورة المائدة: ۱۲ / الشوری: ۲۹، وغیرہ

(۲) سورة البقرة: آیت ۱۲۴ تا ۱۵۰

(۳) صحیح مسلم: جلد ۳، کتاب الحج، باب فضل الصلوٰۃ بمسجدی مکة والمدينة، صفحہ ۲۰۲ / سنن نسائی: جلد ۱، کتاب المساجد، باب ۴۰۰ فضل الصلوٰۃ فی المسجد الحرام، صفحہ ۲۳۵ / سنن ابن ماجہ: جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۹۵ ماجاء فی فضل الصلاة فی المسجد الحرام ومسجد النبی، صفحہ ۶۹

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْلُوا شَعَائِرَ اللَّهِ (المائدہ: ۲)
 ”مومنو! شعائر اللہ کو حلال نہ سمجھو (ان کی بے حرمتی نہ کرو)۔“

وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (الحج: ۳۲)
 ”اور جو شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دل کے تقویٰ کی بات ہے“

اوپر دی گئی آیات و احادیث کی روشنی میں قبر نبوی کو اللہ کے عرش و کرسی اور کعبہ سے افضل جاننے کا عقیدہ، کیا عرش الہی اور کعبے کی تنقیص و توہین نہیں کرتا؟ درج ذیل اشعار بھی ذرا ملاحظہ کر لیں:

۔ سداں اظہل جہاں کرتے ہیں کعبے کا طواف کعبہ کرتا ہے طواف در ولا تیرا
 ۔ اور پروانے ہیں جو ہوتے ہیں کعبے پہ نڈر شمع اک تو ہے پر فانی ہے کعبہ تیرا
 (حدائق بخشش: حصہ اول، وصل سوم در حسن مفارقت از سرکار قادریہ)

(یعنی عبدالقادر جیلانی کو حاصل قابل فخر خوبیوں کا بیان، صفحہ ۷)
 ۔ حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو
 ۔ غور سے سنو تو رضا کعبے سے آتی ہے صدا میری آنکھوں سے میرے پیارے کا روضہ دیکھو
 (ایضاً: صفحہ ۴۶، ۴۷)

۔ کعبے کا نام تک نہ لیا طیبہ ہی کہا پوچھا تھا ہم سے جس نے کہ نہنت کدھر کی ہے
 ۔ کعبہ بھی ہے انہی کی تجلی کا ایک نل روشن انہی کے عکس سے پتلی حجر کی ہے
 ۔ ہوتے کہاں غلیل و بناہ کعبہ و منی لولاک والے صاجی سب تیرے گھر کی ہے
 (ایضاً: صفحہ ۷۲)

اسی نعتیہ مجموعے کے ایک دوسرے شعر میں دیکھیں کس طرح واضح طور پر کعبہ و کرسی کی تحقیر کی گئی ہے:

۔ معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے نازو کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک گھر کی ہے
 ۔ عشاق روضہ سجدہ میں سوئے حرم بھٹکے اللہ جانتا ہے کہ نیت کدھر کی ہے
 جس پر کس جرأت سے یہ حاشیہ آرائی بھی کی گئی ہے کہ

”عاشقانِ روضہ کا سجدہ اگرچہ صورتہ سوئے حرم ہے مگر نیت کا حل خدا جانتا ہے کہ وہ کسی وقت اس کے محبوب ﷺ سے جدا نہ ہوئے وہ خوب جانتے ہیں کہ

ع کعبہ بھی انہیں کی گجلی کا ایک نل

کعبہ بھی انہیں کے نور سے بنا۔ انہیں کے جلوہ نے کعبہ کو کعبہ بنا دیا۔ تو حقیقت کعبہ وہ جلوہ محمدیہ ہے جو اس میں تجلی فرما ہے۔ وہی روح قبلہ اور اسی کی طرف حقیقت سجدہ ہے۔ اتنا یاد رہے کہ حقیقت محمدیہ ہماری شریعت میں مسجود ایسا ہے اور اگلی شریعتوں میں سجدہ تعظیمی کی مسجود لہا تھی۔ ملائکہ و یعقوب و ابنائے یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اسی کو سجدہ کیا۔ آدم و یوسف علیہم الصلوٰۃ والسلام قبلہ تھے۔“

(ایضاً، صفحہ ۸۱، ۸۲)



کتاب ہذا کے رد میں لکھی جانے والی تحریروں، تقریروں اور فتاویٰ میں یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ چونکہ عرش و کرسی اور کعبہ سب مخلوق ہیں اور نبی ﷺ تمام مخلوق سے افضل ہیں اس لیے قبر نبوی بھی ان سے افضل ہوئی! یہ مغالطہ آرائی سراسر باطل ہے۔ یہاں عرش و کرسی اور کعبے کا موازنہ نبی ﷺ سے نہیں کیا گیا بلکہ قبر کی مٹی ہی سے کیا گیا ہے جو کہ رب ذوالجلال کے قہر و غضب کو بھڑکانے کا انداز ہے۔ ذرا غور کریں کہ موازنہ و مقابلہ تو نبی ﷺ کے جسم سے لگنے والی مٹی کا عرش و کرسی و کعبے سے ہے اور فی الحقیقت یہ مقابلہ نسبتوں کا ہے: ایک وہ چیز جس کی نسبت نبی ﷺ سے ہے یعنی قبر نبوی کی مٹی اور اس کے مقابل وہ چیزیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے یعنی عرش و کرسی اور کعبہ۔ یہ تو بالکل بدیہی بات ہے کہ جو فرق مخلوق و خالق میں ہے، عبد و معبود میں ہے، بندے اور رب میں ہے، وہی فرق نبی کی نسبت اور اللہ کی نسبت میں ہے۔ جس طرح اول الذکر کا کسی طرح بھی موخر الذکر سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا اسی طرح ان کے منسوبات کا بھی آپس میں کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا کجایہ کہ اسے افضل قرار دیا جائے!

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی قبروں کی مٹی کی فضیلت بیان کرنے کے لیے قرآن و حدیث سے دلیل چاہیے، اور اگر موازنہ کرنا ہی ہے تو نبی ﷺ کی قبر کی مٹی کا موازنہ دیگر انبیاء کی قبر کی مٹی تک ہی محدود رہنا چاہیے نہ کہ حدود سے تجاوز کر کے عرش الہی تک پہنچنے کی جسارت کرنے لگیں! نیز اس موازنے میں بھی منسوب شے کی فضیلت دکھانے کے لیے منسوب الیہ کا لحاظ لازمی رکھنا ہو گا ورنہ پھر مفضول

کی توہین لازم آئے گی۔ عرش الہی کی فضیلت قرآن سے ثابت ہے جس کا بیان سابقہ صفحات میں کیا جا چکا ہے یہ شعائر اللہ میں سے ہے جس کے لیے ”عظیم و کریم“ کے الفاظ آئے ہیں؛ کعبہ مبارکہ و کرسی الہی کی فضیلت بھی پیچھے بیان کی جا چکی ہے جو کہ تمام اشیاء پر ان کی علی الاطلاق فضیلت ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس کے باوجود قبر نبوی کی مٹی کو ان سے افضل قرار دینا اور اس کے لیے حجت کرنا کیا رب ذوالجلال کے قہر و غضب کو بھڑکانا نہیں؟ العیاذ باللہ! کیا ان لوگوں کی اکابر پرستی نے ان کے قلب و ذہن پر مہر لگا دی ہے کہ قرآن وحدیث پر غور و فکر کی صلاحیت مفقود ہو کر رہ گئی ہے؟

ترنڈہ، ضلع رحیم یار خان کے ایک ملاّ تونسوی نے سو قیانہ زبان میں ہوا پرستی نام کتاب لکھ کر بڑی دریدہ دہنی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کا کچھ جواب تو ہم نے اپنے رسالے حبل اللہ کے شمارہ ۲۵ میں مِّنْ اَفْكَ ذَا ب کے تحت دے دیا ہے۔ اس کتاب میں ملاّ موصوف نے زیر بحث مسئلے کے بارے میں دعویٰ کیا ہے کہ

یہ ”صرف دیوبندیوں کا نہیں بلکہ پوری امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا یہی عقیدہ ہے کیونکہ اسی عقیدہ پر اجماع امت ہے۔“ (صفحہ ۲۸۹)

یہ مسلک پرست اپنے مفروضہ مسائل میں اسی طرح اجماع امت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک لطیفہ ہے کہ ہر مسلک اپنے حریف مسلک کے خلاف اسی طرح کسی فرضی اجماع کا دعویٰ کرے۔ ملاّ تونسوی نے تو اپنے مسلک کے تقریباً ہر مسئلے پر کسی نہ کسی مزعومہ اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ شاید کچھ ہم خیال لوگوں کے کسی مخصوص مسئلے پر اتفاق رائے کو یہ لوگ ”اجماع“ قرار دے لیتے ہیں جو کہ محض ایک خام خیالی ہے اور کنوئیں کے مینڈکوں کے ٹرانے کے مترادف ہے کیونکہ ہمارا ایمان ہے، امت محمدیہ کبھی بھی باطل پر مجتمع و متفق نہیں ہو سکتی۔ ایک دوسری کتاب ملتان سے ملاّ مجیب الرحمن کی شائع ہوئی ہے جس کا نام ”راہ حق“ رکھا گیا ہے حالانکہ اس میں سراسر ناحق بیان ہوا ہے۔ کتاب کی ابتداء میں کسی اوکاڑوی مولوی نے اپنے ”کلمات متبرکہ“ میں کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ کے مصنف پر الزام لگایا ہے کہ اس کا ”اکثر مواد کیپٹن مسعود عثمانی سے چوری کیا ہے۔“ چوروں کو ہر شخص چور ہی

نظر آتا ہے۔ اسلام کے دین حق میں مسلک پرستی کی راہزنی کرنے اور اپنے اکابرین کے کفریہ شرکیہ عقائد و نظریات کی دراندازی کرنے والوں سے بھلا اور کیا توقع کی جاسکتی ہے!

چوری کا الزام لگانے والے کو شاید یہ نظر نہیں آیا کہ مذکورہ کتابیں سرفراز صفدر، امین صفدر وغیرہ کی مناظراتی کتابوں کے بلاحوالہ مواد سے پڑیں۔ اگر کسی کی تحریر سے استفادہ کرتے ہوئے کچھ تحریر کرنا چوری کے زمرے میں آتا ہے تو پھر یہ دونوں مولوی بلکہ تقریباً ہر مصنف و مؤلف چور ٹھہرے گا جس نے اپنی تحریر کسی نہ کسی کی تحریر سے استفادہ کرتے ہوئے لکھی۔ ان مسلک پرستوں کا تو یہ حال ہے کہ اپنی تحریروں میں اپنے اکابرین کے بیان کردہ جملے اور پورے پورے پیرا گراف نقل کر کے ایک نئے نام سے تحریر کر دیتے ہیں جس کا مشاہدہ قرآن کے تراجم اور دیگر تحریروں میں کیا جاسکتا ہے۔ زیر تبصرہ عقیدہ اشرف علی تھانوی کی ”اشرف الجواب“ اور زکریا کاندھلوی کی کتاب ”فضائل اعمال“ میں بغیر رد و بدل کے انہی الفاظ میں منقول ہے جس سے بخوبی پتہ چل جاتا ہے کہ سارق کون ہے؟

کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ کے مصنف کو ڈاکٹر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریریں پڑھ کر ہی دیوبندیت سے توبہ کرنے کی توفیق ہوئی اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و عنایت سے مسلک پرستوں کے عقائد و اعمال کی خرابیوں کو اس کتاب میں مرتب کیا۔ الحمد للہ اس تحریر کو ملک کے طول و عرض سے بڑی پذیرائی ملی جس کے چھ ایڈیشن چھپ چکے ہیں اور اب یہ ساتواں ایڈیشن کچھ ترمیم و اضافے کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر عثمانی کی تحریروں سے کچھ چر کر نہیں نقل کیا گیا بلکہ قرآن و احادیث صحیحہ پر مبنی ان کی پیش کردہ دعوت کو ہی اپنے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

قرآن و حدیث کے معیار پر پوری اتزنی ہوئی بات اپنی تائید میں پیش کرنا چوری ہے تو لامحالہ اپنے بزرگوں کے غلط عقائد پر مبنی تحریریں پیش کرنا اور بلاحوالہ طویل عبارتوں کا اقتباس کر لینا تو بدرجہ اولیٰ چوری ہے جس کے لیے اردو میں محاورہ استعمال ہوتا ہے ”مکھی پر مکھی مارنا“۔ ذالک مبلغہم من العلم!

ملائتوسوی اور ملا مجیب نے اپنی کتابوں میں اس بات پر بھی صفحات کالے کیے ہیں کہ جو تعلق عرش اور کعبہ کا اللہ سے ہے، وہی تعلق اللہ کے نبی کا اللہ سے ہے، عرش و کرسی اور کعبہ اللہ کے ہیں تو نبی ﷺ بھی تو اللہ ہی کے نبی ہیں۔ اور پھر گھما پھر کر بات وہیں لے آئے کہ چونکہ عرش و کرسی اور کعبہ مخلوق ہیں اور نبی ﷺ افضل المخلوق اس لیے زیر بحث عقیدہ بالکل درست ہے۔ یہاں ان مولویوں کی اس منطق کو سامنے رکھتے ہوئے اس مسئلے پر مزید غور و خوض کیا جائے تو پھر بات یوں سامنے آئے گی کہ ابھی تو صرف نبی ﷺ کی قبر کی مٹی ہی عرش و کرسی اور کعبہ سے افضل ٹھہری ہے تو پھر خود منسوب الیہ نبی ﷺ کی ذات کس ذات سے افضل ٹھہرے گی؟ اگر اس کا جواب مسلک پرست یہ دیں کہ اللہ کے نبی تمام انسانوں، انبیاء و اولیاء، تمام مخلوقات سے افضل ہیں تو پھر ذہن میں سوال اٹھتا ہے کہ پھر نبی ﷺ کی قبر کی مٹی کا موازنہ اللہ کے عرش و کرسی اور کعبہ سے ہی کیوں کیا گیا؟ کیا مخلوقات میں صرف یہی چیزیں رہ گئی تھیں جن سے موازنہ مقصود تھا؟ کیا یہ چیزیں تمام مخلوق سے افضل تھیں یا نبی ﷺ کے ہم پلہ تھیں کہ ان سے موازنہ کیا جاتا؟ ملا مجیب اپنی کتاب میں یہ لکھ چکے ہیں کہ ہم انسانوں میں سب سے افضل نبی ﷺ کو اور اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کو سمجھتے ہیں۔ دوسری بات جو اس تعلق سے ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ آخر کسی ایک صحابی کے ذہن میں بھی یہ بات نہ آئی اور کسی صحابی نے بھی یہ انوکھا عقیدہ نہ رکھا! پورے سرمایہ حدیث میں کوئی ایک بھی روایت ایسی موجود نہیں جو ملا مجیب کے انوکھے اور نرالے اصولوں کے مطابق قابل استدلال ٹھہرے حالانکہ وہ اپنے ان اصولوں کی نکال پر ہر طرح کی ضعیف اور موضوع روایت بھی درست ثابت کر دکھاتے ہیں جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔ لے دے کے دیوبندی امت کے کسی مزعومہ اجماع کا ڈھکوسلہ اور شیخ سعدی کا یہ مقولہ ہی ان کے تہی دالان کی زینت بنا نظر آتا ہے کہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ یہ ان کی فریب کاری ہے جو نبی ﷺ کی قبر کی مٹی کو اللہ کے عرش و کرسی اور کعبہ سے افضل ثابت کرنے کے لیے ان چیزوں کو مخلوق اور

نبی ﷺ کو افضل الخلائق کہتے ہیں کیونکہ ان چیزوں کا موازنہ نبی ﷺ سے نہیں بلکہ ایک دوسری مخلوق یعنی قبر کی مٹی سے ہے یعنی یہ نہیں کہا گیا کہ اللہ کے نبی اللہ کے عرش و کرسی اور کعبے سے افضل ہیں بلکہ اللہ کے نبی کے جسم سے مَس ہونے والی زمین کو جو کہ قبر نبوی کی مٹی ہی ہے، اللہ کے عرش و کرسی اور کعبے سے افضل گردانا گیا ہے۔ اس لیے ان کا یہ کہنا بیکار جاتا ہے کہ اللہ کی نسبت جیسے عرش و کرسی اور کعبے سے ہے اسی طرح نبی ﷺ سے بھی ہے۔

اور اسی تعلق سے ملا مجیب کے اُن عجائب و غرائب کا جواب بھی مطلوب ہے جن میں انہوں نے زیر بحث عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے قرآنی آیت: وَرَفَعْنَا ذِكْرَكَ سے استدلال کرتے ہوئے خامہ فرسائی فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر ایسا بلند کیا کہ عرش و کرسی کے ذکر سے بھی آپ کا ذکر بلند ہے؛ کلمہ، نماز، اذان وغیرہ میں نبی کریم ﷺ کا ذکر ہے جبکہ ان میں کعبہ کا ذکر نہیں صرف نیت نماز کے وقت ذکر کیا جاتا ہے (یہ بھی ان کی غلط بیانی ہے ورنہ استقبال قبلہ قبولیت صلوٰۃ کی شرط تو ہے مگر صلوٰۃ کے وقت اس کا ذکر کرنے کے بارے میں نبی ﷺ نے اُمت کو کوئی تعلیم نہیں دی لہذا ایسا کہنا خالص بدعت کے زمرے میں آئے گا) جبکہ عرش و کرسی کا کسی عبادت میں ذکر نہیں کیا جاتا تو آپ کا ذکر ان کے ذکر سے بلند ہوا، آپ کی ذات ان چیزوں کی ذات سے بلند ہوئی بلکہ بلندی ذکر ذات کی بلندی کا اشارہ دیتی ہے (راوی: صفحہ ۳۲۵)

ملا جی کی اس خامہ فرسائی پر رضا خاں بریلوی کا یہ شعر یاد آگیا:

حاجیو آؤ شہنشاہ کاروضہ دیکھو کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو

اس سے پہلے اگر کسی کی سمجھ میں خان صاحب کا یہ شعر سمجھ میں نہ آتا ہو تو اب سمجھ لینا چاہیے کہ اب تو تمام پہلو ملا جی نے روشن کر دیئے!

کیا اب بھی ملا تونسوی یہ کہتے نظر آئیں گے کہ ہم پر جھوٹے الزامات لگائے گئے ہیں جن سے ہمارا دامن پاک ہے! شاید متقدمین نے تو یہیں تک اکتفا کیا کہ نبی ﷺ کی قبر کی مٹی کو اللہ کے کریم و عظیم عرش، کعبے و کرسی سے افضل قرار دیا ورنہ ملا تونسوی اور ملا مجیب جیسے متاخرین کی زیر نظر کتابوں میں نبی ﷺ کی قبر کی فضیلت جتانے والی زیر نظر عبارات سے سے

لگتا ہے کہ یہ کسی اور ہی طرف جا رہے ہیں.....! نہیں معلوم کہ کب حج کے مقامات کی جگہ تبدیل ہو اور کب مدینے میں حج ہونے لگے کیونکہ بزمِ خولیش حج کے محور کعبۃ اللہ سے افضل جگہ تو مدینے میں موجود ہے! پچھلے صفحے پر لکھا رضا خاں بریلوی کا شعر ذہن میں دہرایا جائے

ملاؤ نوسوی اور ملا عجیب نے اپنی مذکورہ کتابوں میں جو سرفراز صغدر، امین صغدر، اشرف علی تھانوی، شفیق عثمانی، زکریا کاندھلوی وغیرہ مسلکی اکابرین کی تحریروں کے طویل اقتباسات سے پُر ہیں، ان میں صفحات کے صفحات سیاہ کرتے ہوئے بڑی کرتب بازی اور فنکارانہ مہارت کے داؤ پیچ کا مظاہرہ کرتے ہوئے قبرِ نبوی کو اللہ کے عرش و کرسی و کعبے سے افضل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور مختلف مسالک کے اقوال بھی اپنی تائید میں پیش کیے ہیں لیکن ایک بھی آیت اور ایک حدیث بھی اس بارے میں پیش نہیں کی جو ثابت کرے کہ نبی ﷺ کی قبر کی مٹی اللہ تعالیٰ کے عرش کریم و عظیم، وسیع کرسی اور کعبہ مبارکہ سے افضل ہو! بالکل اسی طرح کے دلائل ہیں جو بریلوی مسلک والے اپنے شرکیہ عقائد اور بدعی اعمال کو صحیح ثابت کرنے کے لیے دیتے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مولوی اس سے پہلے ضرور بریلوی رہے ہونگے اور یہ بھی کہ یہ لوگ ذہنی طور پر ایک ہی ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں! اس پر ہم صرف مشرکین کی ہرزہ سرائی پر منزلہ یہ فرمانِ الہی ہی نقل کر سکتے ہیں کہ

ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهَوْنَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلِ قَاتِلِهِمْ
 اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ (التوبة: ۳۰)

نور نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا (Encyclopedia Britanica, 1997)، انسائیکلو پیڈیا امریکانا

(Encyclopedia Americana, 1998)، انسائیکلو پیڈیا انکارٹا (Encyclopedia Encarta, 1998)

اور انسائیکلو پیڈیا گرو لیٹر (Encyclopedia Grolier, 1998) کے مطابق نصاریٰ کے اپنے پیغمبر عیسیٰ ﷺ سے متعلق جو عقائد ہیں انہیں نائسین کریڈ (Nicene Creed) کا نام دیا گیا ہے جو اٹلی کے شہر نائسیا (Nicea) میں اُس وقت کے تمام عیسائی فرقوں کے رہنماؤں کی مجلس منعقدہ ۳۲۵ء میں متفقہ طور پر طے پائے۔ اس نائسین کریڈ میں ان کا عقیدہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

We believe in one God, the Father almighty, maker of all things visible and invisible; and in one Lord Jesus Christ, the Son of God, begotten from the Father, only-begotten, that is, from the substance of the Father, God from God, **Light from Light**, true God from true God, begotten not made, of one substance with the Father, through whom all things came into being, things in heaven and things on earth, Who because of us men and because of our salvation came down and became incarnate, becoming man, suffered and rose again on the third day, ascended to the heavens, and will come to judge the living and the dead; and in the Holy Spirit.^[2]

”ہم ایک خدا پر ایمان لاتے ہیں جو باپ ہے اور قادر مطلق ہے، تمام دیدہ و نادیدہ چیزوں کا خالق ہے؛ اور ایک خداوند یسوع مسیح پر ایمان لاتے ہیں، جو خدا کا بیٹا ہے، خدا کا (جناہوا) اکلوتا یعنی باپ ہی کے جوہر سے، خدا سے خدا، نور سے نور، عین خدا سے عین خدا، جناہوا، بنایا ہوا نہیں، باپ ہی کے جوہر سے جس کے ذریعے سے آسمانوں اور زمین میں تمام چیزوں کو وجود ملا، جو ہم انسانوں کے لیے اور ہماری نجات کے لیے بطور اوتار مجسم بشکل انسانی اترا، اس نے تکلیف اٹھائی اور تیسرے دن، جی اٹھا اور آسمان پر چڑھ گیا، مڑوں اور زندوں کے فیصلے کے لیے پھر آئے گا؛ اور ہم روح القدس پر بھی ایمان لاتے ہیں۔“

[1] [2] Bibliography: Athanasius, Saint, History of the Arians (1993); Gregg, Robert, ed., Arianism (1987); Gwatkin, H. M., Studies of Arianism, 2d ed. (1900); Kannengiesser, Charles, Arius and Athanasius: Two Alexandrian Theologians (1991); Newman, John Henry, The Arians of the Fourth Century (1833, repr. 1968); Sumnuld, William, Augustine and the Arians (1994); Williams, Daniel, Ambrose of Milan and the End of the Arian-Nicene Conflicts (1995) (c) 1997 Grolier, Inc.

۱۵۴ء کی منعقدہ The Council of Chalcedon میں ان عقائد کی توثیق کرتے ہوئے ان میں مزید اضافہ کیا گیا کہ:

We believe in one God, the Father, the Almighty, maker of heaven and earth, of all that is, seen and unseen. We believe in one Lord, Jesus Christ, the only Son of God, eternally begotten of the Father, God from God, **Light from Light**, true God from true God, begotten, not made, of one Being with the Father. Through him all things were made. For us and for our salvation he came down from heaven: by the power of the Holy Spirit he became incarnate from the Virgin Mary, and was made man. For our sake he was crucified under Pontius Pilate; he suffered death and was buried. On the third day he rose again in accordance with the Scriptures; he ascended into heaven and is seated at the right hand of the Father. He will come again in glory to judge the living and the dead, and his kingdom will have no end. We believe in the Holy Spirit, the Lord, the giver of life, who proceeds from the Father and the Son. With the Father and the Son he is worshiped and glorified. He has spoken through the Prophets. We believe in one holy catholic and apostolic Church. We acknowledge one baptism for the forgiveness of sins. We look for the resurrection of the dead, and the life of the world to come. [2]

”ہم ایک خدا پر ایمان لاتے ہیں جو باپ ہے اور قادر مطلق ہے، زمین اور آسمان کا خالق ہے، اور ہر اس چیز کا بھی جو نظر آتی ہے اور جو نظر نہیں آتی۔ اور ہم ایک خداوند یسوع مسیح پر ایمان لاتے ہیں، جو خدا کا اکلوتا بیٹا ہے، باپ سے ابد الابد سے جنا ہوا، خدا سے خدا، نور سے نور، عین خدا سے عین خدا، جنا ہوا، بنایا ہوا نہیں، باپ کے ساتھ ایک جنس۔ اسی سے تمام چیزیں پیدا کی گئیں۔ ہمارے لیے اور ہماری نجات کے لیے وہ آسمان سے نیچے آیا: روح القدس کے اختیار سے وہ کنواری مریم کے ذریعے مجسم بشکل انسان ہوا۔ ہمارے لیے پیلاطس (Pontius Pilat) کے دور میں اسے صلیب پر چڑھایا گیا۔ وہ موت میں مبتلا ہوا اور دفن کیا گیا۔ تیسرے دن مقدس کتاب کے مطابق وہ دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ آسمان پر چڑھ گیا اور باپ کے ساتھ دائیں ہاتھ تختِ نفیس ہوا۔ زندوں اور مړوؤں کی عدالت کے لیے وہ بڑی شان سے دوبارہ آئے گا اور اس کی بادشاہت کا خاتمہ نہ ہو گا۔ اور ہم روح القدس، خداوند خدا، زندگی دینے والے پر بھی ایمان لاتے ہیں جو باپ سے بیٹے تک آتا ہے اور جس کی باپ اور بیٹے کے ساتھ بندگی اور عبادت کی جاتی ہے اور جو رسولوں کے ذریعے سے کلام کرتا رہا۔ ہم صرف ایک مقدس کیتھولک اور رسولی چرچ پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم گناہوں کی معافی کے لئے ایک پیتسمہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ مړوؤں کے دوبارہ جی اٹھنے اور اس دنیا کے بعد کی آنے والی زندگی کے ہم منتظر ہیں۔“

یہود و نصاریٰ نے شرک کی انتہا کر دی کہ عزیر و عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا بیٹا گردانا:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عَزِيرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهَوْنَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ أَنْ يَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ (التوبہ: ۳۰)
 ”اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے۔ یہ بھی ان ہی کی باتیں کرنے لگے ہیں۔ اللہ انہیں غارت کرے۔ یہ کہاں بچکے پھرتے ہیں۔“

اللہ نے ذات کے اس شرک کے متعلق ارشاد فرمایا کہ

تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (سورہ مریم: ۹۰)
 ”(یہ ایسی سنگین بات ہے کہ) قریب ہے اگر آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ڈھسے جاکیں تو بعید نہیں۔“

یہود و نصاریٰ کے جب یہ کارنامے ہوں تو یہ نام نہاد امت مسلمہ ان سے کیوں پیچھے رہتی کیونکہ مشہور حدیث ہے:

لَتَتَّبِعَنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا مِشْرًا وَ ذِرَاعًا مِذْرَاعًا حَتَّىٰ تَوَدَّعُوا حَتَّىٰ تَخْلُوعُوا أَجْحُرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوهُمْ فَلَنِيَا زُشُومًا اللَّهُ إِلَيْهِمُ اللَّهُ النَّصَارَى قَالَ فَمَنْ
 ”نبی ﷺ نے فرمایا تم لوگ ضرور بالضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے راستے پر چلو گے، بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ۔ یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کے بل میں داخل ہوا ہو گا تو تم بھی اس میں داخل ہو گے۔ صحابہ نے پوچھا کہ پہلے لوگوں سے کیا یہود و نصاریٰ مروا ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر اور کون؟“ (۱)

چنانچہ اس امت نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور نبی ﷺ کو اللہ کی ذات کا ہی حصہ قرار دے ڈالا۔ اوپر بیان کردہ عیسائیوں کے عقائد سے کتنی مماثلت ہے ان مسلک پرستوں کے عقائد میں اس مسئلے پر مسلک پرست مختلف الرائے ہیں۔ کچھ مسلک پرست اللہ کو نور کہتے ہیں اور نبی ﷺ کو اس نور الہی کا ایک حصہ قرار دیتے ہیں چنانچہ ان کی عبادت گاہوں سے یہ صد بلند ہوتی ہے کہ

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ..... وَعَلَىٰ آلِكَ وَأَصْحَابِكَ يَا نُورًا مِّنْ نُورِ اللَّهِ

یعنی اے اللہ کے رسول اور اے اللہ کے نور میں سے ایک نور! آپ پر اور آپ کی آل اور آپ کے

اصحاب پر سلامتی ہو۔ اور ان کے وظائف و عملیات کے مجموعوں میں اس ندا سے متعلق مشکل کشائی وغیرہ کے بڑے حیرت انگیز فضائل بیان کیے جاتے ہیں۔ ان کے ”اعلیٰ حضرت“ تو یہاں تک کہہ گئے کہ

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا تو ہے عین نور، تیرا سب گھرانہ نور کا (1)
ان کے ایک شعر
مقصود یہ ہیں آدم و نوح و غلیل سے ختم کرم میں ساری کرامت شمر کی ہے
پر حاشیہ لکھا گیا ہے کہ

”علمائے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تمام عالم کے پدر معنوی ہیں کہ سب کچھ انہیں کے نور سے پیدا ہوا“ (2)
کتاب ہذا کے عنوان میں اس نعتیہ مجموعے کا یہ شعر
معراج کا سماں ہے کہاں پہنچے زائر تو کرسی سے اونچی کرسی اسی پاک گھر کی ہے
عشاقِ روضہ سجدہ میں سوئے حرم جھکے اللہ جانتا ہے کہ نیت کدھر کی ہے
اور اس کا درج ذیل حاشیہ نقل کیا گیا تھا کہ

”... عاشقانِ روضہ کا سجدہ اگرچہ صورتِ سوئے حرم ہے مگر نیت کا حال خدا جانتا ہے کہ وہ کسی وقت اس کے محبوب ﷺ سے جدا نہ ہوئے وہ خوب جانتے ہیں کہ کعبہ بھی انہیں کی تجلی کا ایک ظلّ

کعبہ بھی انہیں کے نور سے بنا۔ انہیں کے جلوہ نے کعبہ کو کعبہ بنا دیا۔ تو حقیقت کعبہ وہ جلوہ محمدیہ ہے جو اس میں تجلی فرما ہے۔ وہی روح قبلہ اور اسی کی طرف حقیقت سجدہ ہے۔ اتنا یاد رہے کہ حقیقت محمدیہ ہماری شریعت میں مسجودِ الیہا ہے اور اگلی شریعتوں میں سجدہ تعظیمی کی مسجودِ لہا تھی۔ ملائکہ و یعقوب و ابنائے یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اسی کو سجدہ کیا۔ آدم و یوسف علیہما الصلوٰۃ والسلام قبلہ تھے“ (3)

اس سے یہ عقدہ کشائی ہوتی ہے کہ ان ”اعلیٰ حضرت“ کے معتقدین حج و عمرے میں خانہ کعبہ کا نہیں بلکہ حقیقت میں سبز گنبد کا طواف کرتے ہیں اور اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے بھی قبلہ ان کا بیت اللہ نہیں بلکہ یہی سبز گنبد ہوتا ہے! صورتاً وہ کعبہ رخ ہوتے ہیں لیکن در حقیقت وہ ”روضہ رسول“ کا استقبال کرتے ہیں! ان کے پیچھے نمازیں پڑھنے والوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے

(1) حقائق بخشش: حصہ دوم، صفحہ ۴

(2) حقائق بخشش: حصہ اول، صفحہ ۵۵

(3) حقائق بخشش: حصہ اول، صفحات ۸۱، ۸۲

کیونکہ نبی ﷺ نے قبر کی طرف رخ کر کے صلوٰۃ ادا کرنے سے منع فرمایا ہے (جامع ترمذی: کتاب الجنائز) اور اس سبز گنبد کے نیچے تین قبریں ہیں۔

”شیخ الحدیث“ زکریا کاندھلوی صاحب نے بھی اس میں حصہ ڈال کر اپنی حدیث دانی کا ثبوت عنایت فرمایا:

”حضور اقدس ﷺ کے بدن یا کپڑوں میں جوں نہیں ہوتی تھی۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جوں بدن کے میل سے پیدا ہوتی ہے اور پسینہ سے بڑھتی ہے اور حضور اقدس ﷺ سراسر نور تھے وہاں میل کچیل کہاں تھا؟ اسی طرح آپ کا پسینہ سراسر گلاب تھا جو خوشبو میں استعمال کیا جاتا تھا۔ بھلا عرق گلاب میں جوں کا کہل گذر ہو سکتا ہے۔“ (1)

کچھ مسلک پرستوں نے اس مسئلے میں یہ انداز اپنایا کہ

”میرے عقیدے میں آپ ﷺ ایک وقت نور بھی ہیں اور بشر بھی۔ اور میرے نزدیک نور و بشر کو وہ خاںوں میں بانٹ کر ایک کی نفی اور دوسرے کا اثبات غلط ہے۔“ (2)

اور کچھ یہاں تک گئے کہ نور محمدی کو کائنات کی سب سے پہلی تخلیق قرار دیا حالانکہ صحیح روایت میں نبی ﷺ کا اپنا ارشاد منقول ہے کہ

(1) خصائل نبوی شرح شاکل ترمذی از زکریا کاندھلوی: صفحہ ۳۴۸۔ ایسا کہنا حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث آگے آرہی ہے کہ نبی ﷺ اپنے کپڑوں سے جوئیں خور ہی نکال لیتے تھے۔ اگر یہ نکتہ تراشا جائے کہ کپڑوں میں جوئیں پڑتی تھیں، جسم میں نہیں، تو حدیث میں اس کو بھی واضح کر دیا گیا ہے: ام حرام بنت ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی ﷺ کے سر میں جوئیں دیکھتی تھیں (صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب الجہاد، باب ۴۸، الدعاء بالجہاد للرجال والنساء، صفحہ ۶۹) اگر یہ فرمائیں کہ وہ ڈھونڈتی تھیں، ملتی نہ تھیں، تو عرض ہے کہ جب پیدا ہی نہیں ہوتی تھیں تو ڈھونڈنے کا کیا سوال، وجود رکھنے والی چیز کو ہی تلاش کیا جاتا ہے، نہ کہ ناپید کو! دوران گفتگو یہ مسلک پرست اس طرح کی باتیں بناتے ہیں، اس لیے بطور وضاحت یہاں اس کا تذکرہ کر دیا گیا ہے۔

(2) اختلاف امت اور صراط مستقیم از یوسف لدھیانوی، حصہ اول، صفحہ ۳۳

(3) سنن ابی داؤد: جلد ۳، کتاب السنۃ، باب ۴۰۳ فی القدر، صفحہ ۴۹۱/جامع ترمذی: جلد ۲، ابواب تفسیر القرآن، باب و من سورۃ فون والقلم، صفحہ ۶۰۲/مسند احمد: (۵/۳۱۷) حدیث عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۲۲۱۹، جلد ۶، صفحہ ۴۳۲

أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ... ”اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا۔“ (3)

موصوف لکھتے ہیں:

”عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں مجھ کو خبر دیجیے کہ سب اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز پیدا کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے جابر اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے، نہ بایں معنی کہ نور الہی اس کا مادہ تھا، بلکہ اپنے نور کے فیض سے پیدا کیا۔ پھر وہ نور قدرت الہیہ سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا اور اس وقت نہ لوح تھی، نہ قلم تھا، نہ بہشت تھی، نہ دوزخ تھی، نہ فرشتے تھے، نہ آسمان، نہ زمین، نہ سورج، نہ چاند، نہ جن، نہ انسان۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کیے اور ایک حصے سے قلم پیدا کیا اور دوسرے سے لوح، اور تیسرے سے عرش۔ اس حدیث سے نور محمدی ﷺ کا اول الخلق ہونا باؤلیت حقیقہ ثابت ہوا کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایت میں اولیت کا حکم آیا ہے ان اشیاء کا نور محمدی ﷺ سے متاخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے۔“ (1) *

یہاں ہم قارئین سے درخواست کریں گے کہ وہ گزشتہ صفحات میں بیان کردہ مسیحی عقائد Nicene Creed پر ایک دفعہ پھر نظر ڈال لیں اور اوپر بیان کردہ ان مسلک پرستوں کے عقائد سے موازنہ کر کے مماثلت کا اندازہ خود کر لیں۔ کیا یہ ان کے قدم بقدم چل کر مذکورہ صدر حدیث رسول ﷺ کی تصدیق کر رہے ہیں!

ذرا ان مسلک پرستوں کے متفق علیہ بزرگ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کئی کی اس ”نورانی“ شاعری پر بھی ایک نظر عنایت فرمائیں:

سب دیکھو نور محمد ﷺ کا سب بیچ ظہور محمد ﷺ کا

(1) نشر الطیب فی ذکر الحبيب الاشراف علی تھاوی: صفحات ۵، ۶

★ نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے منسوب ایسا کوئی ارشاد صحیح احادیث میں نہیں ملتا۔ مُصَنَّف عبدالرزاق اگرچہ حدیث کی ابتدائی تالیفات میں سے ہے لیکن التزام صحت کی کمی اور رطب ویابس کی وجہ سے محدثین اسے چوتھے درجے کی کتب حدیث میں شمار کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے، جو مسلک پرستوں کی متفق علیہ شخصیت ہیں، مصنف عبدالرزاق کو تیسرے طبقے میں شمار کیا ہے اور اس کی وجہ اس میں ان ہی ضعیف، منکر، منقلب، شاذ وغیرہ روایات کا بکثرت پایا جانا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ: طبقات کتب حدیث، صفحہ ۴۱۲)

سب جا مشہور محمد ﷺ کا	جبریل ﷺ مقرب خادم ہے
تو ہے مذکور محمد ﷺ کا	جس مسجد میں میں سنا ہوں
سب دیکھو نور محمد ﷺ کا	وہ سر ظہور و خفا کا ہے
کہیں جسم میں جا سایا ہے	کہیں روح مثال کھایا ہے
سب دیکھو نور محمد ﷺ کا	کہیں حسن و جمال دکھایا ہے
کہیں یوسف وہ محبوب ہوا	کہیں عاشق وہ یعقوب ﷺ ہوا
سب دیکھو نور محمد ﷺ کا	کہیں صابر وہ ایوب ﷺ ہوا
کہیں راز قدیم علیم ہوا	کہیں موسیٰ ﷺ وہ کلیم ہوا
سب دیکھو نور محمد ﷺ کا	کہیں ہارون ﷺ وہ ندیم ہوا
عن راز قدیم علیل ہوا	کہیں ابراہیم ﷺ خلیل ہوا
سب دیکھو نور محمد ﷺ کا	کہیں صادق اسماعیل ﷺ ہوا
کہیں شمع کہیں پروانہ ہے	کہیں یار کہیں بیگانہ ہے
سب دیکھو نور محمد ﷺ کا	کہیں نہ کہیں دیوانہ ہے
کہیں قطب بھی نام دھرایا ہے	کہیں غوث ابدال کھایا ہے
(1) سب دیکھو نور محمد ﷺ کا	کہیں دین امام کھایا ہے

نہ پیدا اگر ہوتا احمد کا نور (2) نہ ہوتا دو عالم کا ہرگز ظہور

(3) شمع بزم عالم کون و مکمل	روشنی عرش نور لا مکمل
ہر جگہ نور محمد ﷺ جلوہ گر	دیکھ لے ہے چشم دل کی کھول کر
(4) سایہ نور محمد ﷺ میں تو آ	چاہیے تجھ کو اگر وصل خدا
دیکھتے ہو مہ و خورشید کی تنویر عبث	نور احمد ﷺ سے منور ہے دو عالم دیکھو
(5) شمع و مصباح کی اس گھر میں ہے تنویر عبث	دل میں کافی ہے خیال رخ انوار تیرا

(1) کلیات امدادیہ (نالہ امداد غریب): صفحہ ۹

(2) کلیات امدادیہ (جہاد اکبر): صفحہ ۱۰۸

(3) کلیات امدادیہ (مثنوی تحفۃ العشاق): صفحہ ۱۳۱

(4) کلیات امدادیہ (غذاۃ روح): صفحہ ۱۵۸ - یہاں ایک لطیفہ بھی ہے کہ یہ ”نورانی“ اشعار انہوں نے اپنے پیر صاحب میاں جی ”نور محمد“ صاحب کے نام معنون فرمائے ہیں جو انہی کی طرح ایک غیر عالم شخص تھے۔

(5) کلیات امدادیہ (گلزار معرفت): صفحہ ۲۰۹

ان کے اسلاف میں سے یہ باتیں احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی نے بھی اپنے مکتوبات میں لکھی ہیں۔ (1)

اور عبدالحق صاحب نے اپنے ”محدث دہلوی“ ہونے کا ثبوت یہ لکھ کر دیا:

”آپ ﷺ اول اس لیے ہیں کہ عالم وجود میں سب سے پہلی تخلیق آپ ﷺ ہیں (کہ حدیث میں آیا ہے) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِی (ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا فرمایا)۔ آپ ﷺ نبوت میں بھی سب سے اول ہیں (کیونکہ حدیث میں ہے) کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اَدَمَ لَمْ یَجْعَلْ فِی طَیْنِهِ (میں اس وقت نبی تھا جب آدم اپنے خمیر میں تھے)۔“ (2)

”آپ ﷺ کے انوار نے تمام عالم کو گھیرا ہوا ہے اور تمام عالم کو روشن کیا ہے اور آپ ﷺ کے ظہور کی مثل کسی کا ظہور نہیں اور آپ ﷺ کے نور کی مثل کوئی نور نہیں اور آپ کے اسرار باطن ہیں۔ کسی شخص کو آپ ﷺ کے حال کی حقیقت کا ادراک نہیں۔ دور و نزدیک کی ہر شے حضور علیہ السلام کے مکمل اور جمل کے نظارہ میں حیراں و متحیر ہے۔“ (3)

”اور انبیا میں آیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کا نور مبارک پیدا ہوا اور پھر اس نور سے دیگر انبیاء علیہم السلام کے انوار ظاہر ہوئے تو پروردگار تعالیٰ نے نور آنحضرت کو فرمایا کہ ان کے انوار پر نظر ڈالو۔ پس آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف نظر کی تو آپ کے نور مقدس نے سب انبیاء کے انوار کو ڈھانپ لیا اور سب پر غالب آگیا تو ان سب نے عرض کیا اے ہمارے پروردگار! یہ کون ہے جس کے نور نے ہم سب کے انوار کو ڈھانپ لیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ محمد بن عبد اللہ ﷺ کا نور ہے۔ اگر تم اس پر ایمان لاتے ہو تو میں تم سب کو انبیاء بناؤں گا۔ سب نے کہا اے پروردگار ہم سب اس پر ایمان لاتے ہیں، اس کی نبوت میں۔ پس رب العزت جل جلالہ نے فرمایا پس میں تم پر گواہ بن گیا ہوں۔“ (4)

عبدالحق صاحب کے فہم حدیث کے بعد، ذرا قاضی عیاض صاحب کی قرآن وانی بھی ملاحظہ فرمائیے:

”اللّٰهُ نُورٌ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ (انور: ۳۵) یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ حضرت کعب احبارؓ اور حضرت سعید بن جبیرؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ”یہاں نور سے مراد حضرت محمدؐ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قول: مَثَلُ نُورٍ (اس کے نور کی مثل) سے مراد بھی حضور ﷺ کا نور ہے۔“

اور اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کے علاوہ قرآن کریم کے دوسرے مقامات پر آپ کو نُور اور نورِ اجا شہیدؐ کے نام سے پلو کیا ہے چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے:

(1) مکتوبات امام ربانی: دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱، جلد ۲، صفحہ ۵۹۹

(2) مدارج النبوت، جلد ۱، صفحہ ۱

(3) ایضاً: جلد ۱، صفحہ ۲

(4) ایضاً: جلد ۲، صفحہ ۲

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ (المائدہ: ۱۵)

”بے شک آیا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک کھلی ہوئی کتاب“

ایک مقام پر ارشاد ہے:

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۖ وَذَاعِيَماً إِلَى اللَّهِ بِأَخْبِهِ وَبِرَاجَائِمْزِ ۖ

(سورۃ الاحزاب: ۴۶)

”اور ہم نے آپ کو گواہ، خوش خبری سنانے والا، اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا اور اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔“ (۱)

علمائے دیوبند کے سرخیل رشید احمد گنگوہی صاحب، اپنی تصوف کی کتاب ”امداد السلوک“ میں سورۃ المائدہ کی محولہ بالا آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ

”..... سیر کی وجہ سے انسان کا نفس نورانی ہو جاتا ہے اور یہی بات ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی شان میں فرمایا ہے:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ... ”بے شک آیا تمہارے پاس حق تعالیٰ کی طرف سے نور اور واضح کتاب۔“ نور سے مراد حبیب خدا ﷺ کی ذات ہے۔ نیز حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۖ وَذَاعِيَماً إِلَى اللَّهِ بِأَخْبِهِ وَبِرَاجَائِمْزِ ۖ

”اے نبی ﷺ ہم نے تم کو نور اور مژدہ سنانے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف بلانے والا اور چراغ منیر بنا کر بھیجا ہے۔“

منیر روشن کرنے والے اور دوسروں کو نور دینے والے کو کہتے ہیں۔ پس اگر کسی دوسرے کو روشن کرنا انسان کے لئے محال ہوتا تو ذات پاک ﷺ کو بھی یہ کمال حاصل نہ ہوتا کیونکہ آنحضرت ﷺ بھی تو بھلا اور آدمی ہی میں ہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ذات کو اتنا مطہر بنا لیا کہ نور خاص بن گئے اور حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نور فرمایا اور شہرت سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سایہ نہ تھا ہر ظاہر ہے کہ نور کے علاوہ ہر جسم کے سایہ ضرور ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے اپنے متبعین کو اس قدر تزکیہ اور تصفیہ بخشا کہ وہ بھی نور بن گئے۔ چنانچہ ان کی کلمات وغیرہ کی حکایتوں سے کتابیں پُر اور اتنی مشہور ہیں کہ نقل کی حاجت نہیں۔ نیز حق تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ

”جو لوگ ہمارے حبیب ﷺ پر ایمان لائے ہیں ان کا نور ان کے آگے اور واپسی جانب دوڑتا ہو گا۔“

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے:

يَوْمَ تَزِي الْوُجُوهُ وَالْمُؤْمِنُونَ يَسْئَلُونَ نُورَهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ
”یاد کر اس دن کو جب مؤمنین کا نور ان کے آگے اور واپسی طرف دوڑتا ہو گا اور منافقین کہیں گے کہ
ذرا ٹھہر جاؤ تاکہ ہم بھی تمہارے نور سے کچھ اخذ کریں۔“

ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی متابعت سے ایمان اور نور دونوں حاصل ہوتے ہیں۔ حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھ کو اپنے نور سے پیدا فرمایا اور مؤمنین کو میرے نور سے پیدا فرمایا۔ نیز آپ ﷺ نے اس طرح دعا کی ہے کہ اے میرے اللہ! میرے سب سے بڑا اور بھرپور قلب کو نور بنا دے۔ بلکہ یوں عرض کیا کہ خود مجھ کو نور بنا دے۔

پس اگر انسان کے نفس کا روشن ہونا محال ہوتا تو آنحضرت ﷺ یہ دعا کبھی نہ کرتے۔ کیونکہ محال بات کی دعا کرنا بالاتفاق ممنوع ہے۔ کہتے ہیں کہ ابوالحسن نوری کو نوری کہتے ہیں اس لئے کہ بارہا ان سے نور دیکھا گیا تھا اور بہتیرے خواص و عوام صلحا و شہداء کی قبرستانوں سے نور اٹھتا ہوا دیکھتے ہیں اور یہ نور ان کے نفس زاکیہ ہی کا نور ہے کہ جب نفس کا کام عالی ہو جاتا ہے تو اس کا نور بدن میں سرایت کر جاتا ہے اور بدن کا مزاج و طبیعت بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اگر نفس بدن سے جدا بھی ہو جاتا ہے تب بھی وہ بدن نور کی آمد و رفت کا ایسا ہی منبع و منفذ بنا رہتا ہے جس طرح زندگی اور نفس کے باقی رہنے کے وقت بنا ہوا تھا۔“ (صفحات ۲۰۲، ۲۰۳)

اپنے اکابرین کی اتباع میں شبیر احمد عثمانی صاحب نے بھی ”تفسیر عثمانی“ میں سورۃ المائدہ کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں نبی کو ہی نور بتایا ہے۔ (صفحہ ۴۳۲، حاشیہ ۱۰۱) اور آج کے متبعین بھی اس سے یہی مراد لیتے ہیں۔ (شامل کبریٰ، جلد ۱، صفحہ ۳۶)

محولہ بالا قرآنی آیت اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ”اللہ زمین و آسمان کا نور ہے“، اس سے یہ لوگ یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ اللہ ایک نور ہے۔ حالانکہ نور تو خود ایک مخلوق ہے، اللہ اس کا خالق ہے جیسا کہ فرمایا:

اَتَحْمَدُ لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ
ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱﴾ (الانعام: ۱)

”تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیرے اور نور کو بنایا، پھر بھی یہ کافر لوگ (اور چیزوں کو) اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔“

مگر ان مسلک پرستوں کا فیصلہ ہے کہ

”اللہ تبارک و تعالیٰ جو مجرد نور ہے، ماوریت کا سایہ بھی اس کے پاس نہیں۔ اس نور ہی نور سے سیدنا حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضور اقدس ﷺ کو ہم کلامی کا شرف حاصل رہا ہے۔“ (1)

یہ لوگ اللہ کو نور قرار دیتے ہیں اور رسول ﷺ کو اس کا ایک کلمہ ابتلاتے ہیں حالانکہ اللہ کی کوئی مثل ہی نہیں (2) اس کے برابر تو ہر گز کوئی نہیں، (3) اس کی ذات کے سوا تو سب کچھ فنا ہو جانے والا ہے۔ (4) تو پھر اللہ کو ایک فانی چیز بنانا کیا اس کے ساتھ ظلم نہیں؟ افتر آپر دازی نہیں؟ مالک کا ارشاد ہے:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا (الصافات: ۷)

”اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے“

ان مسلک پرستوں نے قرآن کی اس آیت کو اپنے استدلال کی خرد پر چڑھایا ہوا ہے:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ﴿١٥﴾

”پیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے“

اور اس سے وہ کچھ ثابت کرتے ہیں جو پیچھے بیان کیا گیا۔ یہ چیز خود نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن کے ذریعے کی جائے* جیسا کہ سورۃ الانعام کی درج ذیل آیت کی تشریح میں کیا گیا:

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿٢٨﴾

”جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان میں ظلم کی ملاوٹ نہیں کی، ان کے لیے ہی امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔“

صحابہ رضی اللہ عنہم پر یہ بات بہت شاق گزری اور انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ایسا کون ہے جس نے اپنی جان پر ظلم نہ کیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب نہیں جو تم

(1) بریلوی فتنہ کا نیاروپ: صفحہ ۱۶۲ (2) سورۃ الشوریٰ ۱۱ (3) سورۃ الاخلاص: ۴ (4) سورۃ القصص: ۸۸ / الرحمن: ۲۶، ۲۷

★ ہمارے لیے یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر پہلے قرآن سے کی جائے، اگر وہاں نہ ملے تو پھر صحیح احادیث میں تلاش کی جائے۔

سمجھے ہو بلکہ اس سے مراد وہ ہے جو لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا یعنی یہاں ظلم سے مراد عام ظلم نہیں بلکہ شرک کا ظلم عظیم ہے۔ پھر آپ ﷺ نے سورہ لقمان کی آیت پڑھی:

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان ۱۳) ... ”بیشک شرک تو بڑا بھاری ظلم ہے۔“ (۱)

اسی لیے اہل علم میں یہ مقولہ مشہور ہے کہ الْقُرْآنُ يُقَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا یعنی قرآن کی آیات خود ایک دوسرے کی تشریح کرتی ہیں۔ زیر نظر آیت کی تشریح سورۃ التغابن میں ملتی ہے:

فَأَمْسُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا (التغابن: ۸)
”تو تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے“

پس واضح ہو گیا کہ سورۃ المائدہ کی آیت میں جو ”نور“ ہے وہ سورۃ التغابن کے مطابق ہدایت دینے والی کتاب قرآن مجید ہی ہے جو اللہ نے نازل کی ہے۔

قرآن عربی ادب کا ایسا لاثانی شاہکار ہے جس نے بڑے بڑے فصحا کو گنگ کر دیا تھا اور وہ اس کلام کے کھلے چیلنج فَاْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ کے آگے قطعاً بے بس تھے۔ ادبی انداز میں کسی چیز کی اہمیت کو زیادہ کرنے کے لیے مترادف الفاظ کی تکرار کی جاتی ہے جس کی قرآن میں متعدد مثالیں موجود ہیں مثلاً اَلَمْ نَحْمِمْ اَللّٰہَ حَمْنِ دُونوں ہم معنی الفاظ ہیں، اگرچہ ان میں باہم ایک لطیف فرق ضرور ہے جو اس طرح کے تمام مترادف الفاظ میں ہوتا ہے۔ اللہ کی مہربانی، رحم، عفو و کرم کی زیادتی کو ظاہر کرنے کے لیے یہ انتہائی فصیح و بلیغ اور متنوع الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اسی طرح سورۃ المائدہ کی آیت میں ”نور“ اور ”کتاب مبین“ دونوں ہم معنی اور مترادف الفاظ ہیں جن کا یکجا استعمال کلام میں زور پیدا کرتا ہے۔ اور دونوں کا تعلق ایک ہی اسم سے ہے جس کی شہادت اس سے اگلی آیت

يَهْدِيْ بِهٖ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶۰﴾ (المائدہ: ۱۶۰)

(۱) متفق علیہ، بحوالہ مشکوٰۃ، جلد ۲، کتاب الآداب، باب الظلم، صفحہ ۴۷۷/ صحیح بخاری: کتاب الانبیاء، باب ۳۴۲ قول اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ اَتَيْنَا اٰلَکُنٰنَ الْحِکْمَةَ صفحہ ۳۴۲

”جس کے ذریعے اللہ اپنی رضا پر چلنے والوں کو نجات کے رستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے اندھیرے میں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور ان کو سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔“

اس آیت کے لفظ ”یہ“ (جس کے ذریعے) کی واحد مذکر غائب کی ضمیر متصل ہے جو ایک ہی اسم کو راجع ہے ورنہ اگر ”نور“ اور ”کتاب مبین“ سے دو جدا جدا مراجع مراد ہوتے تو ضمیر میں تثنیہ کا صیغہ ”بہما“ (جن کے ذریعے) ہوتا۔ مزید برآں اگر ”نور“ اور ”کتاب مبین“ کو غیر مترادف گردانتے ہوئے دو مختلف ذوات مراد لی جائیں اور مذکورہ ضمیر واحد کے لیے یہ کہا جائے کہ یہ متصل اور قریبی اسم ”کتاب مبین“ کو راجع ہے تو پھر اس بات کی نفی لازم آئے گی کہ آیت بالا میں بیان کردہ راہ نجات اور سلامتی کے راستے کی طرف رہنمائی کا کام اسم بعید ”نور“ کے ذریعے نہیں ہو سکتا جبکہ یہ حقیقت کے منافی ہے تو پھر قواعد کی رو سے صیغہ تثنیہ ”بہما“ آنا چاہیے تھا تاکہ دو مختلف ذوات کی طرف نسبت ہو جاتی۔ لیکن چونکہ صیغہ واحد ہی آیا ہے اس لیے یہ اس بات کو مستلزم ہے کہ یہاں ”نور“ اور ”کتاب مبین“ سے مترادف فقط ایک ہی ذلت مقصود بیان ہو۔ اس تشریح کی تائید قرآن کی دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ﴿١٥٦﴾
 ”لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل (روشن) آچکی ہے اور ہم نے (کفر اور ضلالت کا اندھیرا دور کرنے کو) تمہاری طرف چمکتا ہوا نور بھیجا ہے۔“

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمُ فِي التَّوْرَةِ
 وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ
 عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ
 وَعَزَوْا لَهُمُ الصَّرَصَ وَهُمْ أَتَّبَعُوا التَّوْرَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٥٧﴾
 (الاعراف: ۱۵۷)

”وہ جو (محمد) رسول (اللہ) کی جو آئی نبی ہیں، پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے یہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان (کے سر پر) اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں، تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور انکی رفاقت کی اور انہیں مدد دی، اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی، وہی مراد پانے والے ہیں۔“

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ قَدَرٌ مِّمَّا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ
وَلَكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَإِنَّكَ لَتَشْهَدِي إِلَى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٣﴾ (الشوریٰ: ۵۳)

”اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے سے پیغام (قرآن) بھیجا ہے۔ تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔“

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ﴿٢٣٠﴾ (المائدہ: ۲۳۰)

”بیشک ہم نے توراۃ نازل کی جس میں ہدایت ہے اور نور ہے۔“

وَأَتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ ﴿٢٣١﴾ (المائدہ: ۲۳۱)

”اور ہم نے ان (عیسیٰ) کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت ہے اور نور ہے“

يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ أَن يُمِرَ نُورُهُ وَنُورُ الْكُفْرِ وَنُورٌ (توبہ: ۳۱)

”یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی نور ہدایت جو اسلام کے ذریعے نبی ﷺ پھیلا رہے تھے) کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں (یعنی اس کو شش کو با آسانی ختم کریں)۔ اور اللہ اپنے نور کو پورا کیے بغیر رہنے کا نہیں خواہ کافروں کو برا ہی کیوں نہ لگے۔“

قرآن کی آیت اللہ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ سے پتہ چلتا ہے کہ کائنات کا نور اللہ کی ذات سے ہے۔ ایمان و ایقان اور رشد و ہدایت کا مرکز و منبع، مہبط و منفجر، سرچشمہ و سرسوت اُسی کی ذات ہے۔ اس نور کو اس نے اپنے پیغمبروں اور کتابوں کی تعلیمات میں رکھ دیا ہے جس کی طرف وہ جسے چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے:

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ مِثْلُ نُورِهِ كَمِثْلُ سِرْجٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۚ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ ۚ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِن شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ ۚ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ ۖ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۚ نُورٌ عَلَى نُورٍ ۚ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٣٥﴾ (النور: ۳۵)

”اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے جس میں ایک چراغ رکھا ہو جو شیشے کی ایک قندیل میں ہو اور شیشہ ایک چمکدار ستارے کی مانند ہو؛ اس میں زیتون کے ایک

بابرکت درخت کا تیل جلا یا جاتا ہے۔ یہ درخت مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف۔ (ایسا لگتا ہے کہ) اس کا تیل بنا آگ چھوئے جلنے کو تیار ہے۔ نور پر نور ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف راہ نمائی فرماتا ہے۔ اللہ یہ مثالیں لوگوں کو سمجھانے کے لیے بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شے کا جاننے والا ہے۔“

سورۃ ابراہیم آیت ۵، الاحزاب ۴۳، الحديد ۹، الرعد ۱۶، الطلاق ۱۱، وغیرہ متعدد آیات قرآنی میں اس نورِ ہدایت کو بیان کیا گیا ہے۔

أَمَّنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ ۖ فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۖ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۲۲﴾ (النور: ۲۲)

”تو کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے (اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا دل سخت ہے)۔ تب ہی ہے ان کے لیے جن کے دل یا بوجہ الہی سے (اثر نہیں لیتے بلکہ اور) سخت ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔“

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَاِنَّهُ مِن نُّورٍ (النور: ۳۰)
”جسے اللہ تعالیٰ ہی نور نہ دے اس کے لیے کہیں نور نہیں۔“

یہی نورِ ہدایت مومنوں کی آخرت میں رہنمائی کرے گا جس کی روشنی میں وہ آخرت کی منازل طے کریں گے۔ اس نورِ ہدایت سے دوری کے سبب دشمنانِ دین آخرت میں بھی نور سے محروم رہیں گے اور مومنین سے اس نور میں سے کچھ نور دینے کی التجائیں کریں گے مگر انہیں یہ نور نہیں ملے گا اور دنیا میں اس نور سے دور رہ کر گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکنے کے سبب آخرت میں بھی ان کے لیے جہنم کے اندھیرے ہی اندھیرے ہوں گے۔ (التحریم: ۸ / الحديد: ۱۳، ۱۹، ۲۸)

اب دوسرے پہلو یعنی نبی ﷺ کی نوری تخلیق کے بارے میں غور کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے ساتھ کعبے کی تعمیر کے بعد اللہ سے دعا کی: *

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (البقرہ: ۱۲۹)

★ ابراہیم علیہ السلام کے علم میں ایسی کوئی بات نہ تھی کہ ان سے بلکہ آدم علیہ السلام سے بھی صدیوں پہلے نبی ﷺ پیدا کر دیئے گئے تھے (جیسا کہ اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنی کتاب نشر الطیب کے صفحہ ۶ پر اس کے برخلاف دعویٰ کیا ہے) ورنہ ابراہیم علیہ السلام ایسی دعا کیوں مانگتے؟

”اے ہمارے رب ان (لوگوں) میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیج جو انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنایا کرے، اور کتاب اور دلائل سکھایا کرے اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے۔“

مالک نے یہ دعا قبول کی:

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (البقرہ: ۱۲۹)

”جس طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا اور تمہیں پاک کرتا اور کتاب (یعنی قرآن) اور حکمت سکھاتا ہے اور ایسی باتیں بتاتا ہے جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔“

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (آل عمران: ۱۶۴)

”اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا اور (اللہ کی) کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔“

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (البقرہ: ۲)

”وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے (محمد کو) رسول (بنا کر) بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتا اور ان کو پاک کرتا اور (اللہ کی) کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔“

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ (البقرہ: ۱۲۸) ... ”(لوگو!) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں۔“

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ (النحل: ۱۱۳)

”اور ان کے پاس انہی میں سے ایک رسول آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا سو ان کو عذاب نے آچکڑا اور وہ لوگ ظالم تھے“

مندرجہ بالا آیات میں مِنْهُمْ (ان ہی میں سے) اور مِنْكُمْ (تم ہی میں سے) کی تکرار اس بات کی شہادت دے رہی ہے کہ نبی ﷺ جن لوگوں میں مبعوث ہوئے، ان ہی سے تعلق رکھتے تھے، ان ہی کی نوع اور جنس میں سے تھے، ان ہی جیسے گوشت پوست کے چلتے پھرتے انسان تھے، اور ان سے جدا کوئی نورانی مخلوق نہ تھے۔ چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ کو اس بات کو واضح کرنے کا حکم دیا گیا کہ

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (کہف: ۱۱۰ / حم السجدة: ۶) ”کہدو کہ میں محض تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہوں“

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا (بنی اسرائیل: ۹۳)
 ”کہدو کہ میرا رب پاک ہے، میں تو صرف پیغام پہنچانے والا ایک انسان ہوں“

اور مزید فرمایا کہ

وَلَا أَقُولُ نَعْمًا إِنَّي مُلْكٌ (الانعام: ۵۰) ”اور میں نہیں کہتا کہ میں کوئی فرشتہ (اورانی مخلوق) ہوں۔“
 اگر نبی ﷺ انور سے بنے ہوئے تھے تو کیا جن لوگوں میں بھیجے گئے اور خود کو جن کی مانند کہنے کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا وہ بھی نور سے بنے ہوئے تھے؟

یہاں اس بحث کا ایک عقلی پہلو بھی دیکھیے۔ ”نور“ تو ایک ایسی غیر مادی شے ہوتی ہے جسے چھو کر محسوس نہیں کیا جاسکتا، جس کا کوئی وزن نہیں ہوتا اور جو جگہ بھی نہیں گھیرتی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مصافحے و معاملے میں نبی ﷺ کا جسم محسوس کرتے تھے، (۱) وحی کے وقت نبی ﷺ کے وزن سے آپ ﷺ کی سواری بیٹھ جاتی تھی۔ (۲) کیا ”نور“ کو پسینہ بھی آتا ہے؟ (۳) کیا ”نور“ کو پچھو ڈنک بھی مارتا ہے؟ (۴) اور اس پر زہر بھی اثر کرتا ہے؟ (۵) کیا ”نور“ کے باپ دادا بھی ہوتے ہیں اور اس کی آل اولاد بھی ہوا کرتی ہے، اور ”نور“ بھی شادی کیا کرتا ہے؟ اور کیا ”نور“ بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے دور سے گزرتا ہے اور کیا ”نور“ کو بھوک لگا کرتی ہے؟ (۶) کیا ”نور“ کے دانت بھی ٹوٹتے ہیں؟ (۷) اور زخمی ہونے کے بعد ”نور“ سے لہو کی دھاریں بہا کرتی

(۱) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب المنقب، باب ۳۷۶، صفة النبی، ص ۳۸۹

(۲) مسند احمد: (۶/۴۵۸) حدیث اسماء بنت یزید، حدیث نمبر ۴۶۴، جلد ۲، ص ۶۳

(۳) نبی ﷺ کو بہت پسینہ آتا تھا (صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب الفضائل، باب طیب عرقہ، ص ۲۰)

(۴) نبی ﷺ کو ایک دفعہ پچھوئے ڈنک مار دیا تھا۔ (مشکوٰۃ: جلد ۲، کتاب الطب والرقی، فصل ثالث، حدیث نمبر ۴۳۹۲، ص ۳۶)

(۵) نبی ﷺ کو خیبر میں ایک یہودیہ نے بکری کے گوشت میں زہر کھلادیا تھا جس کو آپ نے تھوک دیا تھا مگر اس کا اثر نبی ﷺ کو وفات کے وقت بھی محسوس ہوا۔ (صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب المغازی، باب ۵۵۳، مرض النبی ﷺ ووفاته ص ۵۸)

(۶) نبی ﷺ کو بھوک بھی لگا کرتی تھی۔ (صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب المنقب، باب ۳۷۸، علامات

النبوۃ فی الاسلام، ص ۳۹۵)

(۷) نبی ﷺ کے غزوہ احد میں دانت بھی ٹوٹ گئے تھے۔ (ایضاً: کتاب المغازی، باب ۴۹۲، ما صاب النبی ﷺ

من الجراح یوم احد، ص ۶۰۰ / جلد ۳، کتاب الطب، باب ۴۱۸، حرق العصیر لیسد بہا الدم، ص ۳۲۲)

ہیں؟ (۱) کیا ”نور“ کو بیماریاں بھی لگ جاتی ہیں؟ (۲) اور ”نور“ کو وفات پانے کے بعد کیا پانی سے غسل بھی دیا کرتے ہیں، کفن بھی پہناتے ہیں؟ (۳) اور کیا ”نور“ کی قبر بھی بنا کرتی ہے؟ اور ”نور“ کی موجودگی میں اندھیرا بھی ہو سکتا ہے (۴) اور چراغ جلانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے؟ نبی ﷺ اور ازواج مطہرات کے گھروں میں، جہاں نبی ﷺ قیام فرماتے تھے، اور مسجد نبوی، جہاں آپ رات کی صلوٰۃ (مغرب، عشاء اور فجر) بھی پڑھاتے تھے، سب جگہ اندھیرا دور کرنے کے لیے کیا چراغ نہیں جلا یا جاتا تھا؟ جس وقت نبی ﷺ فجر کی صلوٰۃ پڑھاتے تو اتنا اندھیرا ہوتا تھا کہ کوئی صلوٰۃ ادا کر کے جانے والی خواتین کو پہچان بھی نہیں سکتا تھا۔ (۵) ایک دفعہ عائشہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی باری کی رات میں نبی ﷺ القبع میں دفن مؤمنین کے لیے دعائے مغفرت کرنے تشریف لے گئے، عائشہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا بھی پیچھے ہو لیں اور واپسی پر نبی ﷺ کے آگے آگے چلتی ہوئی نبی ﷺ سے پہلے آکر لیٹ گئیں۔ نبی ﷺ نے ان کے پھولے سانس کے بارے میں پوچھا تو اس دوڑ بھاگ کی خبر ہوئی۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو کالا کالا میرے آگے نظر آتا تھا وہ تم ہی تھیں۔ یعنی نبی ﷺ نے اپنے آگے ایک سیاہ ہیولا سا دیکھا اور اندھیرے کی وجہ سے عائشہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو پہچان نہ سکے۔ (۶)

احادیث میں نبی ﷺ کی رات کی دعا کے یہ الفاظ بھی روایت کیے گئے ہیں:

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ..... اَنْتَ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ

(۱) غزوہ احد میں واپس لوٹنے پر نبی ﷺ کا کافی خون بہا۔ (ایضاً، جلد ۲، کتاب المغازی، باب ۴۹۳ صفحہ ۶۰۰) اسی طرح بطور علاج سیگی لگو کر فصد کھلوانے سے بھی نبی ﷺ کا خون بہ نکلا (ایضاً، جلد ۳، کتاب الطب، باب ۲۱۸ حرق الصبیر لیسد بہا الدم، صفحہ ۳۲۲) سفر طائف میں اشرار کے پتھر اُسے نبی ﷺ کے خون بہنے کا واقعہ تو اسکو لوں کی کتابوں تک میں بچوں کو پڑھایا جاتا ہے۔

(۲) نبی ﷺ کبھی کبھی بیمار بھی ہو جاتے تھے جس میں علاج معالجہ بھی فرماتے تھے۔

(۳) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الطب، باب ۴۰۷، الجحیم من الشقیقۃ والصداع، صفحہ ۳۱۵ (۴) نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ کو پانی سے غسل بھی دیا گیا اور کفن بھی پہنایا گیا۔

(۵) سنن ابی داؤد: جلد ۲، کتاب الجنائز، باب ۵۷۳ فی ستر المیت عند غسلہ، صفحہ ۵۵۳ (۶) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الجنائز، باب ۸۸۰ ماجاء فی قبری النبی ﷺ صفحہ ۶۰۰

(۷) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب ۳۷، وقت الفجر، صفحہ ۳۱۶

(۸) صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب الجنائز، باب ما یقال عند دخول القبر والدعاء لاهلہا، صفحہ ۴۰۰

”اے اللہ سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔ تو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے، سب کا نور ہے۔“ (1)

اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا وَفِي بَصِيرَتِي نُورًا وَفِي سَمْعِي نُورًا وَعَنْ يَمِينِي نُورًا وَ
عَنْ شِمَائِلِي نُورًا وَفَوْقِي نُورًا وَتَحْتِي نُورًا وَأَمَامِي نُورًا وَخَلْفِي نُورًا وَاجْعَلْ
لِي نُورًا. اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي نُورًا. فذكر عَصْبِي وَعِيُونِي وَأَذْنِي وَفَمِي وَلِسَانِي وَ
كَلْبِي وَدَمِي وَشَعْرِي وَبَشَرِي

”اے اللہ میرے دل میں نور کروے اور میری آنکھوں میں نور، اور میرے کانوں میں نور، اور میرے
دائیں نور، اور میرے بائیں نور، اور میرے اوپر نور، اور میرے نیچے نور، میرے آگے نور، میرے پیچھے
نور، (غرض) میرے لیے (ہر طرف نور ہی) نور کروے۔ اے اللہ مجھے نور بنا دے (دوسرے راویوں
نے پٹھوں، آنکھوں، کانوں، منہ، زبان، گوشت پوست، خون، بال، کھال وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔) (2)

اگر اللہ کے رسول ﷺ ہذا ذات خود نور تھے، نورِ مجسم تھے، تو پھر یہ کون سے نور کے لیے دعا کی جاتی
تھی؟ ایک دفعہ نبی ﷺ نے بھولے سے ایک رکعت زیادہ یا کم پڑھا دی۔ صحابہؓ نے یاد دلایا تو فرمایا:

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَذُكُّوْكُمْ كَمَا تَذْكُرُونَ وَأَنْتَ أَلَسْتَ كَمَا تَنْسَوْنَ فَإِذَا نَسِيتُ فَذْكُرُونِي

”بیٹیک میں بھی تمہاری ہی طرح کا ایک بشر ہوں۔ میں یاد رکھتا ہوں جیسے تم یاد رکھتے ہو اور میں بھول
جاتا ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو۔“ (3)

بعض افراد کے لیے بددعا یہ کلمات کہنے کا سبب بتایا کہ

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَذِي كَمَا يَذِي الْبَشَرُ وَأَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ

”میں ایک بشر ہوں، خوش ہوتا ہوں جیسے بشر خوش ہوتا ہے اور غصہ ہوتا ہوں جیسے بشر غصہ ہوتا ہے“ (4)

اور نبی ﷺ کا اپنا یہ قول تو احادیثِ کثیرہ میں روایت کیا گیا ہے کہ: إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ ”میں تو ایک بشر
ہوں۔“ (5) اللہ کے رسول ﷺ کو بشر نہ ماننے والے فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ بطور تواضع کے ہے،

(1) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الدعوات، باب ۴۳، الدعاء اذ انتبه بالليل، صفحہ ۵۲۱

(2) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الدعوات، باب ۴۳، الدعاء اذ انتبه بالليل، صفحہ ۵۲۱

(3) صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب المساجد والسجود، باب السهو في الصلوة، صفحہ ۱۲۲

(4) صحیح مسلم: جلد ۵، کتاب البر والصلة والآداب، باب من لعنه النبي ﷺ، صفحہ ۲۲۹

(5) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الاحکام، باب ۱۱۷ من قضی له بحق اخيه، صفحہ ۸۷۴ / کتاب الحیل، باب ۱۲۲، صفحہ ۷۹

نبی ﷺ کہہ سکتے تھے، ہمیں ایسا کہنا جائز نہیں..... یہ تو اضع کا معاملہ نہیں تھا بلکہ ان مذکورہ احادیث میں فصل خصومات کے بارے میں نبی ﷺ نے اپنی بشریت بتائی تھی کہ

أَقْضِيْ لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ.....

”میں جو سنتا ہوں، اس پر فیصلہ کروں گا۔ اگر کوئی چرب زبان، باتوں شخص مجھ سے اپنے بھائی کے خلاف فیصلہ کر رہا ہے تو وہ جان لے کہ اس نے ہنم کا کلڑا لیا ہے، چاہے تو لے لے یا چاہے چھوڑ دے۔“

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کوئی تو اضع و انکساری کا معاملہ نہیں تھا کیونکہ قضا جیسے اہم اور نازک معاملات میں ان چیزوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ خود کو بشر کہہ سکتے تھے، دوسروں کے لیے اس طرح کہنا جائز نہیں۔ تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی نبی ﷺ کو بشر ہی سمجھتے اور کہتے تھے جیسا کہ درج ذیل احادیث سے ثابت ہوتا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَقَالَ كُنْتُ أَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ أَسْمَعُهُ، مِنْ رَسُولِ اللَّهِ أَرِيدُ حِفْظَهُ

فَتَهْتَمُّنِي فَرِيْشٌ وَقَالُوْا أَتَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهُ، وَرَسُولُ اللَّهِ ابْتِشَرُ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا...

”عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں جو کچھ نبی ﷺ سے سنتا، اسے یاد کرنے کی غرض سے لکھ لیتا۔ تو قریش نے مجھے منع کیا کہ تم جو کچھ سنتے ہو لکھ لیتے ہو حالانکہ نبی ﷺ ایک بشر ہیں اور غصے اور خوشی دونوں میں کلام کرتے ہیں..“ (1)

عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ

كَانَ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ يَفْقِي ثَوْبَهُ وَيَحْدُبُ شَاتَهُ وَيَخْدُمُ نَفْسَهُ

”(نبی ﷺ اور دیگر) بشروں میں سے ایک بشر تھے، اپنے کپڑوں میں خود ہی جوں تلاش کر لیتے، خود ہی بکری کا دودھ نکال لیتے، اپنے کام خود ہی کر لیتے۔“ (2)

نبی ﷺ کی وفات پر جب عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ

”واللہ! جب تک رسول اللہ بہت سی قوموں کے ہاتھ اور زبان نہ کاٹ ڈالیں گے، انہیں موت نہ آئے گی“

تو عباس رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدْ مَاتَ وَإِنَّهُ بَشَرٌ..... ”رسول اللہ کو بیشک موت آگئی کیونکہ وہ بشر ہی تو تھے“ (1)

(1) سنن ابی داؤد: جلد ۳، کتاب العلم، باب ۹۷ کتابۃ العلم، صفحہ ۱۱۶

(2) مسند احمد: (۶/۲۶۵) حدیث السیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا، حدیث نمبر ۲۵۲۲۲، جلد ۶، صفحہ ۳۶۵

نبی ﷺ کا ارشاد ہے :

خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ مَّارٍ مِنْ نَارٍ وَخُلِقَ أَدَمُ مِمَّا وَصَفَ نَصْفُهُ
”فرشتے نور سے پیدا کیے گئے اور جن آگ کی لپٹ سے اور آدم جس چیز سے پیدا کیے گئے ہیں *
وہ تمہیں بیان کر دی گئی ہے۔“ (2)

اس طرح نبی ﷺ کے اپنے ارشاد کے مطابق نورانی مخلوق تو فرشتے ہوئے۔ نورانی فرشتوں نے خاکی بشر کو سجدہ کیا۔ جو لوگ نبی ﷺ کو نورانی مخلوق کہتے ہیں وہ نادانگی میں ایک طرح سے ان کا درجہ بھی گھٹاتے ہیں، اور یہی اصل میں گستاخی رسول ہے، ان کو بشر کہنا گستاخی نہیں، بلکہ یہ تو قرآن و حدیث پر ایمان لانا ہے اور اس کے علاوہ کچھ کہنا قرآن و حدیث کا انکار کرنا ہے۔ لیکن بعض مسلک پرستوں کا طرز عمل دیکھیے کہ جب تک وہ بشر کو نور نہ مانیں انہیں بشر میں کوئی فضیلت ہی نظر نہیں آتی:

۔ شکل بشر میں نور الہی اگر نہ ہو کیا قدر اس خمیرہٴ ماؤ و پدر کی ہے
۔ نورِ اللہ کیا ہے محبت حبیب کی جس دل میں یہ نہ ہو وہ جگہ خوک و خرکی ہے
(حدائق بخشش، حصہ اول، صفحہ ۷۴)

یعنی بشر کی شکل میں اللہ کا نور آیا ہے وگرنہ ایسا نہ ہو تو پانی اور مٹی سے اٹھنے والے اس خمیر کی کوئی قدر باقی نہیں رہتی اور یہ نور تو درکنار، اگر اللہ کے محبوب کی محبت دل میں نہیں تو سمجھ لو کہ وہ جگہ سوزوں گدھوں کے رہنے کی ہے!

مشرکین مکہ کو دعوتِ اسلام قبول کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ ان کے خیال میں نبی مافوق الفطرت ہوتا، ان کی طرح کھانے پینے، اور تلاشِ معاش کرنے والا نہ ہوتا:

وَقَالُوا مَتَىٰ هَٰذَا الْمَرْسُولُ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ (الفرقان: ۷)
”اور وہ کہا کرتے کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔“

(1) سنن دارمی: صفحہ ۶۸

★ یعنی مٹی جیسا کہ سورۃ ص / آیت ۷۱، الرحمن / ۱۴، الحجر: ۲۶، وغیرہ میں آیا ہے۔

(2) صحیح مسلم: جلد ۶، کتاب الزہد والرقائق، باب فی احادیث متفرقة، صفحہ ۴۹۷

وہ اپنے جیسے چلتے پھرتے، گوشت پوست کے انسان کو رسول ماننے کو تیار نہ تھے۔ تمام قوموں کا یہی طرزِ عمل رہا ہے، ہر قوم نے اپنے نبی پر یہ اعتراض کیا ہے کہ تم تو ہمارے جیسے بشر ہو، رسول کیسے ہو سکتے ہو! سورۃ یاسین میں یہی صورتحال بیان کی گئی ہے:

قَالُوا مَا آتَانَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا أَنزَلَ الرَّحْمَنُ مِن شَيْءٍ إِلَّا إِنَّا نَمُوتُ لَا تَعْلَمُونَ (طہ: ۱۵)

”انہوں نے (رسولوں سے) کہا کہ تم تو کچھ نہیں سوائے ہماری طرح کے بشر، اور رحمن نے کوئی چیز تم پر نازل نہیں کی، تم تو بس جھوٹ بولتے ہو۔“

دوسری جگہ فرمایا کہ

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا (نہی اسرائیل: ۹۳)

”اور جب لوگوں کے پاس ہدایت پہنچی تو انہیں ایمان لانے سے سوائے اس چیز کے کسی نے نہیں روکا کہ وہ کہنے لگے کہ کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔“

ان کے اس تعجب کو مالک نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَّتَشَكَّرُونَ لَفَنَزَلْنَا عَلَيْهِمُ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا (نہی اسرائیل: ۹۵)

”اگر زمین پر فرشتے (یعنی نورانی مخلوق) بستے اور اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم آسمان سے ضرور کسی فرشتے (یعنی نورانی مخلوق) کو رسول بنا کر بھیجتے۔“

زمین پر چونکہ گوشت پوست کے انسان ہی بستے ہیں اس لیے اللہ نے ان ہی میں سے ایک گوشت پوست کا رسول بنا کر بھیجا:

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ط (الفرقان: ۲۰)

”اور ہم نے آپ سے پہلے بھی جنے رسول بھیجے سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔“

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوْحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى ط (یوسف: ۱۰۹)

”اور ہم نے تم سے پہلے بستیوں کے رہنے والوں میں سے مروی (رسول بنا کر) بھیجے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔“

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوْحِي إِلَيْهِمْ فَسَعَوْا أَهْلَ الدِّثَارِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (الاحقاف: ۳۴)

”اور ہم نے تم سے پہلے مرد ہی پیغمبر (بنا کر) بھیجے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔ اگر تم نہیں جانتے تو جو یاد رکھتے ہیں ان سے پوچھ لو۔“

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوْحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸﴾
وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ﴿۹﴾ (النمل: ۸)

”اور ہم نے تم سے پہلے بھی مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا، جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔ (اے لوگو!) اگر تم نہیں جانتے تو جو یاد رکھتے ہیں ان سے پوچھ لو۔ اور ہم نے ان رسولوں کے جسم ایسے نہیں بنائے تھے کہ کھانا نہ کھائیں، اور نہ ہی ہمیشہ رہنے والے تھے۔“

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَنِ الطَّعَامَ ط أَنْظُرْ كَيْفَ نَبِّدُنْ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ أَنْظِرْ أَنِّي يُؤْفَكُونَ (المائدہ: ۷۵)

”مریم کے بیٹے مسیح صرف (اللہ کے) رسول (ہی تو) تھے، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے، اور ان کی والدہ (مریم اللہ کی ولیہ اور) سچی فرمانبردار تھیں۔ وہ دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم ان لوگوں کے لیے اپنی آیتیں کس طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں، پھر (بھی) دیکھو کہ یہ کدھر سے بہکائے جا رہے ہیں۔“

اللہ اگر کسی انسان کو رسول بنا کر نہ بھیجتا تو لوگوں کے لیے یہ بہانہ کرنا آسان ہو جاتا کہ احکام شریعت کی پابندی اور ارکان دین کی بجا آوری ایک نبی کے لیے آسان ہے کیونکہ وہ ان کے جیسا نہیں جبکہ وہ لوگ ان کو اس لیے ادا نہیں کر سکتے کیونکہ وہ نبی کی طرح نہیں، بلکہ بشر ہیں، کمزور مخلوق ہیں، نفسانی تقاضے ساتھ لگے ہوئے ہیں، وغیرہ، وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں ان ہی جیسے ایک انسان کو رسول مبعوث کر کے ایسے کسی ممکنہ بہانے کی گنجائش ہی باقی نہیں رکھی۔ اور اس رسول کو رہتی دنیا تک کے لیے ایک قابل تقلید نمونہ و مثال بنایا۔ اور یہ بات توجہ طلب ہے کہ نمونہ و مثال اپنی نوع سے ہی ہو سکتا ہے، کسی دوسری نوع سے نہیں۔

یہاں ایک بات واضح رہے کہ جو شخص یہ کہے کہ رسول تو ہمارے ہی جیسا ہے، اس میں اور عام انسانوں میں کچھ فرق نہیں تو وہ شخص بلاشبہ کافر ہے کیونکہ صرف تخلیقی و نوعی اعتبار سے ایک نبی عام انسانوں جیسا ہوتا ہے ورنہ عام انسانوں کا اس سے کوئی مقابلہ

اور موازنہ نہیں۔ عام انسانوں کے اخلاق و کردار کا نبی کے عزم و صبر، اعلیٰ اخلاق و اوصاف سے بھلا کیا مقابلہ، وہ تو بلاشبہ اعلیٰ اخلاق و کردار کا اکمل ترین نمونہ ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ حامل وحی ہوتا ہے۔ مشابہت صرف نوعیت، تخلیق اور بناوٹ میں ہے؛ رتبے اور حیثیت، مقام و مرتبے، قدر و منزلت میں ہرگز کوئی مماثلت نہیں۔ ماسوا نوع کے، باقی اور کسی چیز میں ایک عام انسان کو کسی نبی سے کوئی مناسبت نہیں۔



ذیرہ اسماعیل خان کے ملامت مجیب الرحمن نے گزشتہ صفحات میں بیان کئے گئے اپنے اکابرین کے باطل نظریات کا دفاع کرتے ہوئے یہاں بھی وہی دیرینہ فن کاری کا مظاہرہ کیا ہے اور جو حوالے ہم نے ان کے مذکورہ عقائد کے بطلان کو ظاہر کرنے کے لیے پیش کیے ہیں، انہی کو پیش کر کے ان باطل تصورات کے درست ہونے پر اصرار کیا ہے۔ دعویٰ کرتے ہیں کہ ”نورانیت اور بشریت ایک دوسرے کے متضاد نہیں جس سے دو متضاد کا اجتماع لازم آئے“ اور پھر اس دعوے کے خلاف فرماتے ہیں کہ ”آپ ذات و جنس کے لحاظ سے بشر یعنی انسان ہیں اور آپ کی صفت میں سے ایک صفت اور صفاتی نام نور بھی ہے اور یہ قرآن و سنت کے ہرگز خلاف نہیں ہے۔“ اصل مسئلہ تو ہے ہی ذات کا جس کو ان کے اکابرین نے **أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِیْ**، وغیرہ کہہ کر ثابت کیا کہ ذاتی طور پر ہی نور بنایا تھا، صفاتی طور پر نور بنایا جاتا تو ان کا اپنا ایک حیلہ ہے اور اپنے اکابرین کے باطل نظریات کا دفاع کرنے کی ناکام کوشش کیونکہ کوئی صفت ذات میں ہی پیدا کی جاتی ہے یعنی پہلے ذات بنتی ہے پھر صفت؛ کوئی ذات موجود ہی نہ ہو اور اس کی صفت پیدا کر دی جائے! ذات انسانی ماڈے سے وجود میں آتی ہے جسے چھو کر محسوس کیا جاسکتا ہے جبکہ اوصاف غیر مادی ہوتے ہیں جن کا وجود حسی نہیں ہوتا بلکہ پہلے سے موجود کسی وجود میں پیدا ہوتے ہیں۔ ایک طرف روایت: **أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِیْ** کو پیش کرنا جو کہ جنس کا تعین کرتی ہے اور دوسری طرف نور کو صفت بتانا، اس بات کی چغلی کھاتا ہے کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ حیرت ہے کہ قرآن و حدیث کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ”یہ قرآن و سنت کے ہرگز خلاف نہیں ہے!“ جیسا کہ پہلے بخاری سے مروی فرمان رسول ﷺ نقل کیا گیا کہ

أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا؛ اب یہ کہنا کہ ”اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نبی ﷺ کا نور پیدا کیا“، کیا اس صریح حدیث کی خلاف ورزی نہیں؟ پہلے مذکور بخاری سے ہی مروی حدیث میں نبی ﷺ کے پانچ نام بتائے گئے: محمد، احمد، حاشر، عاقب، ماجی۔ قارئین دیکھ سکتے ہیں کہ ان پانچ ناموں میں ”نور“ نامی کوئی نام موجود نہیں، تو اس مزرعہ نام کا دعویٰ بخاری کی اس حدیث کے خلاف نہیں؟ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے اس طرح کی باتیں ثابت ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس بارے میں عقیدہ تو پچھلے صفحات میں بتا دیا گیا کہ وہ نبی ﷺ کو بشر ہی سمجھتے تھے، کیونکہ ان کے سامنے قرآن و حدیث کے دلائل تھے جن میں نبی ﷺ کو بشر ہی کہا گیا ہے۔ ذاتی اور صفاتی کی تقسیم بھی ان مولویوں کی اسی طرح کی ایک کرتب بازی ہے جس طرح بریلوی مولوی، عطائی اور وہابی کی تقسیم کے ذریعے نبی ﷺ کو عالم الغیب ثابت کرتے ہیں۔

ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَنَّهُمْ يُضَاهَوْنَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ

ملاجیب نے کنز العمال کے حوالے سے نبی ﷺ سے منسوب یہ فرمان نقل کیا ہے میں پیدا ایش میں سب انبیاء سے پہلے ہوں اور بعثت میں سب سے آخر۔ اور پھر خامہ فرسائی فرمائی ہے کہ ”روحیں پیدا کی گئیں تو سب سے پہلے حضور ﷺ کی روح پیدا کی گئی اور جو جسم عنصری سب سے پہلے پیدا کیا گیا وہ حضرت آدم علیہ السلام کا تھا۔“ اس من گھڑت روایت کا مسئلہ نور و بشر سے تو کوئی تعلق نہیں البتہ بریلویوں کو نبی ﷺ کو ساری انسانیت کا باپ بنانے کے لیے دلیل ہاتھ آگئی۔ اسی بنیاد پر بریلوی مجدد احمد رضا خاں صاحب نے اپنے محولہ ماقبل درج ذیل اشعار میں آدم علیہ السلام کو نبی ﷺ کا بیٹا اور حوا کو بہو بنادیا یعنی ماں باپ کو بہو بیٹا بنادیا! پڑھیے اور داد دیجیے:

۔ مقصود یہ ہیں آدم و نوح و خلیل سے تخم کرم میں ساری کرامت شمر کی ہے
۔ ان کی نبوت ان کی ابوت ہے سب کو عالم ام البشر عروس انہیں کے پسر کی ہے

ان اشعار پر اس طرح حاشیہ آرائی کی گئی ہے کہ

”علماء فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے پدر معنوی ہیں کہ سب کچھ انہیں کے نور سے پیدا ہوا۔ اسی لیے حضور پاک کا نام ابو الارواح ہے۔ تو آدم علیہ السلام اگرچہ

صورت میں حضور کے باپ ہیں مگر حقیقت میں وہ بھی حضور کے بیٹے ہیں۔ تو ام البشر یعنی حضرت حوا حضور کے پسر آدم علیہ السلام کی عروس ہیں۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔
 آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جب حضور کو یاد کرتے تو یوں فرماتے: یا ابنى صورة و ابائى معنى
 ”اے ظاہر میں میرے بیٹے اور حقیقت میں میرے باپ“۔ (حدائق بخشش: حصہ اول صفحہ ۵۷)

ملا مجیب اور ملا تونسوی کا قرآنی آیت: قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ سے یہ اخذ کرنا کہ یہاں نور سے مراد نبی ﷺ ہیں، بریلویوں کا انداز ہے جس پر ان کے ہم مسلک کل تک شدید تنقید کرتے تھے؛ دورِ حاضر کے نام نہاد مفسر و محدث سرفراز صفدر کی کتاب نور و بشر اس پر شاہد ہے۔ مگر آج اپنے بزرگوں کی تحریروں کے دفاع میں یہ حال ہو گیا ہے کہ کل کا کفر آج عین اسلام ٹھہرا ہے افاغیتروا یا اولی الابصار

نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا علم

مسلک پرستوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ:

”نبی ﷺ کو بیشک اولین و آخرین کا علم عطا ہوا“ (1)

بریلوی مسلک کے ”حضرت“ نے حسب روایت اس میں بھی اپنے ”اعلیٰ“ ہونے کا ثبوت دیا بلکہ یہ کہنا شاید غلط نہ ہو کہ ان کے مذہب کا مدار المہام بھی یہی ایک نکتہ ہے جس سے باقی سارے سوتے پھوٹتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

”بیشک حضرت عظیمہ، نے اپنے حبیب اکرم ﷺ کو تمام اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا، شرق سے غرب، عرش سے فرش سب انہیں دکھایا، ملکوت السموات والارض کا شاہد بنایا، روز اول سے روز آخر تک مَا کَانَ وَمَا یَکُونُ انہیں بتایا، اشیائے مذکورہ سے کوئی ذرہ حضور ﷺ کے علم سے باہر نہ رہا، علم عظیم حبیب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم ان سب کو محیط ہوا، نہ صرف اجمالاً بلکہ ہر صغیر و کبیر، ہر رطب و یابس، جو پتہ گرتا ہے زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ کہیں پڑا ہے، سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا بلکہ یہ جو کچھ بیان ہوا ہر گز ہر گز محمد رسول اللہ کا پورا علم نہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم و علی آلہ و سلمہ اجمعین و کرم۔“ (2)

”نبی ﷺ تمام اشیاء کو جانتے ہیں۔ اللہ کے کام، احکام اور صفات اور اسماء اور افعال اور آثار تمام علوم ظاہر و باطن و اول و آخر کا احاطہ فرمایا۔“ (3)

”رسول اللہ ﷺ کو تو تعیین وقت قیامت کا بھی علم ملا۔ حضور ﷺ کو بلا استثناء جمیع جزئیات خمس کا علم ہے، جملہ کمونات قلم و مکتوبات لوح محفوظ اور روز اول سے روز آخر تک تمام مَا کَانَ

(1) عتقاد علمائے دیوبند اور حسام الحرمین، صفحہ ۲۳۸ (2) مجموعہ رسائل: حصہ اول، صفحات ۱۲۶، ۱۲۷ (3) الدولۃ المکیۃ: صفحہ ۲۶۹
★ یعنی وہ پانچ مغیبات جن کا ذکر سورۃ لقمان کی آخری آیت میں ہے، جن کے متعلق یہ فرمان رسول ﷺ حدیث کی تقریباً ہر اس کتاب میں ملے گا جس میں ایمانیات کو بیان کیا گیا ہے کہ ان پانچ باتوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ (۱) قیامت کب آئے گی، (۲) وہی جانتا ہے کہ پانی کب برسے گا، (۳) اور وہی جانتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے، (۴) اور یہ کہ کوئی شخص کُل کیا حاصل کرے گا، (۵) اور کوئی شخص کس زمین میں موت پائے گا۔ (صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الایمان، باب ۳۷ سوال جبریل، صفحہ ۱۲۷ / جلد ۲، کتاب التفسیر باب سورۃ لقمان، صفحہ ۷۴ / جلد ۳، کتاب التوحید، باب ۱۳۹ قول اللہ تعالیٰ عَلَیْمُ الْغُیْبِ فَلَا یُظْہِرُ عَلَیْ غَیْبِہٖ اَحَدًا، صفحہ ۹۶۱)

وَمَا يَكُونُ، مندرجہ لوح محفوظ اور اس سے بہت زیادہ کا علم ہے جس میں ماورائے قیامت تو جملہ افرادِ خمس داخل اور دوبارہ قیامت اگر ثابت ہو کہ اس کی تعیین وقت بھی درجِ لوح ہے تو اسے بھی شامل ہے ورنہ احتمال حاصل، حضور پر نور ﷺ کو حقیقتِ روح کا بھی علم ہے۔“ (خالص الاعتقاد: صفحہ ۷۷)
ان کے اسلاف میں عبدالحقؒ ”دہلوی صاحب نے بھی اس طرح کی باتیں لکھی ہیں:

”حضور ﷺ ہر شے کے جاننے والے ہیں: وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے) اور حضور ﷺ تمام شیونات الہی، احکام، صفات حق، تمام اسماء و افعال اور آثار اور جملہ علوم، ظاہر و باطن، اول و آخر جاننے ہیں اور ان پر محیط ہیں جو اس کے مصداق ہے فوق کلی ذی علم علیم (ہر علم والے کے اوپر علم والا ہے) علیہ من الصلوٰۃ افضلہا ومن التحیات اتمہا و اکملہا۔“ (مدارج النبوۃ: جلد ۱، صفحہ ۲)

قرآن و حدیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو صرف اتنا ہی علم تھا جتنا رب نے بذریعہ وحی انہیں موقع بموقع عطا فرمایا۔ اولین و آخرین کا علم تو صرف باری تعالیٰ کو ہے، جس میں اس کا کوئی شریک نہیں:

★ یہ چیز غیب کے ذمرے میں آتی ہے جس کے متعلق قرآن میں اعلان کروادیا گیا کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، حتیٰ کہ اللہ کا تغیر بھی نہیں:

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّٰنَ يَبْعَثُوْنَ (النمل: ۶۵)
”(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے کہ زمین اور آسمان میں غیب کا جاننے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں اور (جنہیں اللہ کے سوا ایسا سمجھا جاتا ہے) انہیں تو یہ بھی شعور نہیں کہ انہیں کب دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔“

قُلْ لَا اَقُوْلُ نَعْمَ عِنْدِيْ خَزَاۤئِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا اَقُوْلُ نَعْمَ اِنِّيْ مَلَكٌ (الانعام: ۵۰)
”(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کا جاننے والا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں۔“

ہو سکتا ہے کہ یہ آیات ان موصوف کے علم میں نہ ہوں کہ صوفیوں کو قرآن سے کم ہی تعلق ہوتا ہے لیکن یہ تو ”محدث“ بھی مشہور ہیں۔ پھر تو کم از کم بخاری و مسلم کی یہ احادیث ان کے علم میں ضرور ہونی چاہیں کہ:

مَنْ حَدَّثَكَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰ اٰمِي رَبِّهٖ فَقَدْ كَذَبَ..... وَمَنْ حَدَّثَكَ اَنَّهُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ كَذَبَ (صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب التوحید، باب ۱۳۹ قول اللہ تعالیٰ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰی غَيْبِهٖ اَحَدًا، صفحہ ۹۶)
جو تم سے یہ کہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تو بیشک اس نے جھوٹ کہا۔ اور جو تم سے یہ کہے کہ وہ غیب جانتے تھے، تو بیشک اس نے جھوٹ کہا۔“

وَمَنْ زَعَمَ اَنَّهُ مُخْبِرٌ مِّمَّا يَكُوْنُ فِيْ غَيْبٍ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلٰی اللّٰهِ الْفُرْيَةَ

(صحیح مسلم: جلد ۱، کتاب الایمان، باب معنی قول اللہ عزوجل وَلَقَدْ رَاٰ نَزْلَةَ اٰخِرٰی، صفحہ ۲۹۷)
”جو تم سے یہ کہے کہ نبی ﷺ کو خبر تھی کہ کل کیا ہونے والا ہے تو بیشک اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔“

وَمَا أَوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (نہی اسرائیل: ۸۵) ”اور نہیں دیا گیا تمہیں علم میں سے، مگر تھوڑا سا“
نبی ﷺ کو تشابہ آیات کی تاویلات کا علم نہیں دیا گیا :

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ (آل عمران: ۷) ”ان کی تاویل سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔“
ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَقُولُونَ أَقْلَامَهُمْ
أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿۱۳۱﴾ (آل عمران: ۴۳)
”(اے نبی!) یہ باتیں غیب کی خبروں میں سے ہیں جو ہم تمہارے پاس بھیجتے ہیں۔ اور جب وہ
لوگ اپنے قلم (بطور قرعہ) ڈال رہے تھے کہ مریم کی کفالت کون کرے تو تم ان کے پاس
نہیں تھے، اور نہ اس وقت ہی ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔“

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَٰذَا (صافات: ۲۶)
”یہ باتیں غیب کی خبروں میں سے ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں، جنہیں اس سے پہلے
تم نہیں جانتے تھے، اور نہ ہی تمہاری قوم۔“

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنُ ﴿۱﴾
وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الْغَفْلِينَ ﴿۲﴾ (یوسف: ۳)
”(اے نبی!) ہم اس قرآن کے ذریعے سے جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے، تمہیں ایک
نہایت اچھا قصہ سناتے ہیں، اور تم اس سے پہلے بے خبر تھے۔“

ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذَا جُمِعُوا لِمَنْهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ﴿۱۰۲﴾
”(اے نبی!) یہ باتیں غیب کی خبروں میں سے ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں، اور جب
بر اور ان یوسف نے اپنی بات پر اتفاق کیا تھا اور وہ فریب کر رہے تھے تو تم ان کے پاس نہ تھے۔“

وَاعْدُوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ
وَعَدُوَّهُمْ وَالْآخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ﴿۶۰﴾ (الأنفال: ۶۰)

”اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے اور تیار بندھے ہوئے گھوڑوں سے ان
کے (مقابلے) کے لیے مستعد رہو تاکہ اس سے خوف زدہ کرو اور اللہ کے دشمنوں اور تمہارے
دشمنوں کو اور ان کے سوا اور لوگوں کو جن کو تم نہیں جانتے، اللہ جانتا ہے۔“

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودٌ
وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ أَتَىٰ يَاعْلَمُهُمُ ۖ إِلَّا اللَّهُ ۚ (ابراہیم: ۵۰)

”کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے یعنی قوم نوح اور عاد و ثمود، اور جو ان کے بعد ہوئے جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

وَمَنْ حَوَّلَكُمْ مِنَ الْآعْرَابِ مُنْفِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُّوْا عَلَىٰ الْبِغَاقِ ۖ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۖ (التوبہ: ۱۰۱)

”اور تمہارے ارد گرد بددوؤں میں ایسے منافق ہیں، اور مدینے والوں میں بھی، جو نفاق پراڑے ہوئے ہیں، تم انہیں نہیں جانتے، ان کو ہم جانتے ہیں۔“

وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ ۚ (القصص: ۸۶)

”اور تمہیں (اے پیغمبر!) امید نہ تھی کہ تم پر یہ کتاب نازل کی جائے گی مگر تمہارے رب کی مہربانی سے (نازل ہوئی)۔“

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۚ (القصص: ۴۳)

”اور جب ہم نے موسیٰ کی طرف حکم بھیجا تو تم (طور کے) مغرب میں نہیں تھے، اور نہ اس واقعے کے دیکھنے والوں میں تھے۔“

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا ۚ (القصص: ۴۶)

”اور نہ تم اس وقت طور کے کنارے پر تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) آواز دی۔“ *

قُلْ هُوَ نَبُؤُا عَظِيمٌ ۖ أَنْتُمْ عَنْهُ مَغْرُضُونَ ۚ ﴿١﴾ مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَأِ
الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۚ ﴿٢﴾ إِنْ يُؤْخَذِ إِلَىٰ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۚ ﴿٣﴾ (ص: ۶۷-۷۰)

”(اے نبی!) کہہ دو کہ یہ ایک بڑی (ہولناک چیز کی) خبر ہے جس کو تم وصیان میں نہیں لاتے، مجھ کو اوپر کی مجلس والوں کا جب وہ جھگڑتے تھے کچھ بھی علم نہ تھا۔ میری طرف تو یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔“

★ اس آیت اور اوپر بیان کردہ سورہ آل عمران آیت ۴۴ اور سورہ یوسف آیت ۱۰۲ سے بعض مسلک پرستوں کے اس شرکیہ عقیدے کا بھی رد ہو جاتا ہے کہ نبی ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں، کائنات کا ایک ایک ذرہ آپ کے مشاہدے میں ہے اور تمام مخلوق کے تمام اعمال سے آپ بخوبی واقف اور آگاہ ہیں جیسا کہ جلاء الحق، احکام شریعت، ملفوظات، وغیرہ جیسی کتب میں بیان کیا گیا ہے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنَّا تَابِعُ إِلَّا مَا يُؤْتَىٰ إِلَىٰ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٥﴾ (الاحقاف: ۵)

”(اے نبی!) کھدو کہ میں کوئی نرال رسول تو نہیں ہوں، اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا، میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی آتی ہے اور میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں۔“

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْمَكْتُوبُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ﴿٥٦﴾ (الاحقاف: ۵۶)

”اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے سے پیغام (قرآن) بھیجا ہے۔ تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔“

قُلْ إِن أَدْرِي أَقْرَبُ مِمَّا تُوْعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَدًا ﴿٥٧﴾ (الحج: ۵۷)

”(اے نبی!) کھدو کہ جس (دن) کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے میں نہیں جانتا کہ وہ عنقریب آنے والا ہے یا میرے رب نے اس کی مدت وراز کر دی ہے۔“

يَسْأَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ﴿٥٨﴾

”(اے نبی!) لوگ تم سے قیامت کی نسبت دریافت کرتے ہیں (کہ کب آنے گی)، کھدو کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ اور تمہیں کیا معلوم ہے شاید قیامت قریب ہی آگئی ہو۔“ ★ (الاحقاف: ۵۸)

ان کے علاوہ بھی متعدد آیات ایسی پیش کی جاسکتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سوائے اس علم کے جس سے ان کے مالک نے وحی کے ذریعے ان کو آگاہ کر دیا، اولین و آخرین کے عالم نہ تھے۔ مذکورہ بالا آیتوں میں بیان کردہ باتوں کے علاوہ بھی اور باتیں ایسی ہیں جن کا علم نبی ﷺ کو نہیں دیا گیا مثلاً آپ کو اصحاب کھف کی تعداد معلوم نہ تھی، (۱) حشر کا علم نہ تھا، (۲) وغیرہ، ان آیات سے جہاں نبی ﷺ کے علم کا نزول وحی تک محدود ہونا ثابت ہوتا ہے وہیں اس من گھڑت روایت کی بھی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ

★ یہ مضمون سورۃ الاعراف آیت: ۱۸۷ / قلن: ۳۴ / تم السجدة: ۷۷ / المرطت: ۴۲، ۴۳، ۴۴ وغیرہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۱) سورۃ الکھف: ۲۲

(۲) سورۃ الملک: ۲۶، وغیرہ

كُنْتُ نَبِيًّا وَأَمْرُهُ كَانَ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ ”میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم اپنی پانی اور مٹی ہی کے درمیان تھے۔“

اب احادیث کی طرف آئیے: ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک موقع پر کچھ بچیاں دف بجاکر شہداء بدر کی تعریف کر رہی تھیں۔ ایک بچی نے یہ بھی کہنا شروع کر دیا کہ ہمارے درمیان ایک ایسا نبی ہے جو جانتا ہے کہ کل کیا ہو گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: یہ نہ کہو، اور جو پہلے کہہ رہی تھیں وہی کہو۔⁽¹⁾ بخاری روایت کرتے ہیں کہ جب ام علاء رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے عثمان بن مظعون رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی وفات پر یہ کہا کہ اللہ نے انہیں عزت دی تو نبی ﷺ نے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم؟ اللہ کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں، مگر مجھے یہ نہیں معلوم کہ میرے ساتھ کیا ہو گا۔⁽²⁾

ایک روایت میں نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ تَبَّع لعنت زدہ ہے یا نہیں اور میں نہیں جانتا کہ عزیر نبی تھے یا نہیں؛ مستدرک حاکم کی روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ ذوالقرنین پیغمبر تھے یا نہیں اور حدود کا نفاذ گناہ کا کفارہ ہوتے ہیں یا نہیں۔⁽³⁾ مشرکین کی وفات پانے والی کسمن اولاد کے انجام کے متعلق پوچھے جانے پر نبی ﷺ نے بتایا کہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ بڑے ہو کر کیسے اعمال کرتے۔⁽⁴⁾

قرآن و حدیث سے ہی پتہ چلتا ہے کہ صحابہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کا بھی نبی ﷺ کے متعلق یہی عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے اپنے رسول کو ہر چیز کا علم نہیں دے رکھا (جس کے برعکس مندرجہ بالا اقتباسات میں مسلک پرستوں نے عقیدہ بنایا ہوا ہے)، اور یہ کہ آپ غیب داں نہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے پوشیدہ امور کی خبر نہ دے، اس وقت تک پیش آمدہ صورت حال کی حقیقت سے لاعلمی رہتی تھی نیز آپ کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات نے بھی یہی ثابت کیا، مثلاً ۵ ہجری میں غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر منافقین نے عائشہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا پر تہمت لگا دی۔ اس واقعہ اقل میں ایک مہینے سے زیادہ عرصے تک نبی ﷺ

(1) صحیح بخاری: جلد ۲ کتاب المغازی، باب ۹، ۴ (شہود الملائکہ بدر کے بعد کا بلا عنوان باب) صفحہ ۵۳۳

(2) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب التبیین، باب ۶۴، ۱۰۶۴ رَوَّیَ النَّسَاءُ، صفحہ ۹۹

(3) سنن ابی داؤد: جلد ۲ کتاب السنۃ باب ۴۰۰ فی التخییر بین الانبیاء علیہم السلام، صفحہ ۴۵

(4) سنن ابی داؤد: جلد ۲ کتاب السنۃ: باب ۴۰۴ فی ذراری المشرکین، صفحہ ۹۵

اور جاٹار صحابہ رضی اللہ عنہ قلبی رنج سے سخت ملول و آزرده رہے۔ یہاں تک کہ سورۃ النور کی ابتدائی آیات کے ذریعے اللہ تبارک و تعالیٰ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت نازل فرمائی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا جو اس دوران سخت تکلیف میں رہیں، فرماتی تھیں کہ مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ میری بریت ظاہر فرمائے گا کیونکہ میں پاک دامن تھی، لیکن مجھے یہ گمان ہرگز نہ تھا کہ میری برأت میں اللہ اپنا کلام نازل فرمائے گا جو (قیامت تک) پڑھا جاتا رہے گا، البتہ مجھے یہ امید تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی خواب دکھائی دے گا جس کے ذریعے اللہ میری پاک دامنی ظاہر فرمادے گا۔^(۱)

اسی طرح سورۃ تحریم کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ محترمہ کو دیگر ازواج سے چھپا کر کوئی بات بتائی جو انہوں نے کسی دوسری کو بھی بتادی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اپنے نبی کو اس پر مطلع کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان زوجہ محترمہ سے باز پرس کی تو انہوں نے یہی پوچھا کہ آپ کو کس نے بتایا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے علیم و خبیر رب نے خبر دی ہے۔^(۲) یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ام المؤمنین کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا خود سے علم ہو جاتا ہے ورنہ یہ سوال ہی نہ کیا جاتا کہ آپ کو کس نے بتایا؟ نیز اگلے صفحات میں ”عرض اعمال“ کی بحث میں احادیث بیان کی جا رہی ہیں جن کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے اعمال کی خبر نہیں ہے۔

فقہ حنفی کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے صاحبان، فقہ حنفی کا فیصلہ بھی پڑھ لیں:

ذکر الحنفیۃ تصریحاً بالتکفیر باعتقاد ان النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یعلم الغیب لمعارضۃ قوله تعالیٰ قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ

”حنفی فقہانے اس بات کی تصریح کی ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے، وہ کافر ہے کیونکہ یہ عقیدہ اس فرمان الہی کے خلاف ہے کہ: کہدو کہ آسمانوں اور زمین میں غیب کا جاننے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں۔“^(۳)

(۱) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب التفسیر، باب ۷۷، سورۃ النور، قوله وَلَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوہُ... صفحہ ۹۳۳

(۲) سورۃ التحریم: آیت ۳

(۳) شرح فقہ اکبر، صفحہ ۷۱

کتاب ہذا کے رد میں لکھی جانے والی تحریروں میں پیشہ ور مولویوں کی جانب سے اپنے مسلکی اکابرین کے منجملہ دیگر عقائد، اس عقیدے کا بھی دفاع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ علامہ عجیب نے حسب سابق یہاں بھی اسی طرح تیسرے چوتھے درجے کی غیر مستند کتابوں کے حوالے سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نبی ﷺ کو اولین و آخرین کا علم عطا ہوا اور المہند علی المفند کی محولہ بالا عبارت کے لیے بتایا کہ اس کا یہ مطلب لینا درست نہیں کہ پہلے انسان سے لے کر قیامت تک کے آخری انسان تک سب کے حالات، کلیات، جزئیات، کا آپ کو علم عطا ہوا اور اپنی دانست میں یہ نتیجہ بھی اخذ کر لیا کہ کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ کے مصنف نے مذکورہ عبارت کا یہی غلط مطلب لیا ہے۔ قارئین! یہاں اُن عبارتوں کو دہرانا باعث طوالت ہو گا جو ہم نے اس باب کے پہلے دو صفحات پر نقل کی ہیں۔ وہاں دیکھا جاسکتا ہے کہ اُن میں مسلک پرستوں نے کوئی استثنیٰ باقی نہیں رکھا اور اللہ کے رسول ﷺ کو ایک ایک ذرے، ہر چیز، لوح محفوظ میں لکھی جانے والی ہر بات، قلم قدرت سے لکھا گیا ہر لفظ، ہر ظاہر و باطن کا جاننے والا دکھایا ہے! اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں، اللہ کے نبی ﷺ کو تو اس سے بھی بہت زیادہ علم عطا کیا گیا! اب بتائیے کہ ہم نے کون سا غلط مطلب اخذ کیا ہے، جو کچھ یہ مسلک پرست قولا و تحریر آتاتے ہیں، ہم نے وہی تو نقل کیا ہے۔ یہ مسلک پرست مولوی پہلے قرآن و حدیث کے خلاف ایک عقیدہ گھڑتے ہیں پھر جب گرفت کی جاتی ہے تو اس میں اس طرح سے ”عطائی اور وہبی“، ”ذاتی اور صفاتی“، ”عارضی اور مستقل“ وغیرہ کے خود ساختہ تفریقی استثنیٰ داخل کر دیتے ہیں جن کی حقیقت کا ان کے اندھے معتقدین کو کوئی علم نہیں ہوتا اور وہ بلا کسی استثنیٰ کے مطلقاً ایسا عقیدہ رکھتے ہوئے، اسی کی تبلیغ کرتے ہوئے، اس پر لڑتے مرتے ہوئے اس دنیا سے اپنے ابدی مقام کی طرف کوچ کر جاتے ہیں! یا اسفی!

دیوبندیوں کے ایک معتبر اور معروف ادارے کے رسالے ”السعد“ بابت مارچ / اپریل ۱۰۸۵ء کے ہیک ٹائٹل پر ”عقائد اہلسنت والجماعت“ کے عنوان سے علوم نبوت کی عظمت کی سرخی کے تحت لکھا ہے:

”آنحضرت ﷺ کو تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ علوم عطاء ہوئے ہیں۔ مخلوق میں سے کوئی مقرب فرشتہ اور نبی و رسول بھی آپ کے علمی مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ آپ ﷺ کو اولین و آخرین کا علم عطاء ہوا لیکن اس سے لازم نہیں آتا کہ آپ کو ہر وقت ہر چیز کا علم ہو۔“

اور یہی بات ملا مجیب نے بھی بیان کی ہے اور پھر بریلویوں کے ہی انداز میں ”عطائی اور وہی“، ”ذاتی اور صفاتی“، ”عارضی اور مستقل“ وغیرہ کے حیلوں کا سہارا لے کر نبی ﷺ کے علوم سے متعلق وہی کچھ ثابت کیا ہے جو کچھ نبی ﷺ کو عالم الغیب ثابت کرنے کے لیے بریلوی کرتے ہیں۔ یہی وہ بنیادی مسئلہ ہے جس کی وجہ سے رضا خاں بریلوی نے ”حسام الحرمین“ لکھی جس کو آج بھی ان کے تبعین پیش کرتے رہتے ہیں۔ خاں صاحب بریلوی کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان کے مخالفین بعد میں کتنے بدل جائیں گے ورنہ انہیں حسام الحرمین لکھنے کی ضرورت ہی نہ پیش آتی۔ بہر حال دیوبندیت اور بریلویت میں ایک فرق ضرور ہے وہ یہ کہ ان میں سے ایک بغیر لاگ ولپٹ کے ڈنکے کی چوٹ پر اپنا عقیدہ بیان کرتا ہے جبکہ ایک کا حال یہ ہے کہ

صا رند کے رندر ہے، ہاتھ سے جنت نہ گئی

وسیلہ

مسلک پرستوں کے نزدیک دعاؤں میں وسیلہ و واسطہ دینا جائز ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

”دعاؤں میں انبیاء علیہم السلام اور صلحاء و اولیاء، شہداء و صدیقین کا توسل جائز ہے، انکی حیات میں بھی اور انکی وفات کے بعد بھی“ (1)

حیات تک تو اس ”توسل“ کا معاملہ اس حد تک درست تھا کہ ان سے دعا کروائی جاتی جیسا کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عمرے پر روانگی کے وقت نبی ﷺ نے ان سے کہا کہ:

يَا اَبِي اَنْثَرُ كُنَّا فِي دُعَاءِكَ اَوْ لَا تَنْسِنَا مِنْ دُعَاءِكَ
 ”اے میرے بھائی! ہمیں اپنی دعا میں شریک کرنا یا (فرمایا) اپنی دعاؤں میں ہمیں نہ بھولنا۔“ (2)

اور یہ دعا ہر زندہ مومن سے کروائی جاسکتی ہے۔ لیکن مرنے کے بعد ان کا وسیلہ پکڑنا تو وہی شرک ہے جو مشرکین مکہ بھی کرتے تھے۔

اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنی کتاب نشر الطیب میں توسل کی ایک مستقل فصل قائم کی ہے اور اس کے صفحہ ۷۴ پر لکھا ہے کہ

”پہلی روایت سنن ابن ماجہ صلوٰۃ الحاجہ میں عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ دعا کیجیے اللہ تعالیٰ مجھ کو عافیت دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو چاہے اس کو ملتوی رکھوں اور یہ زیادہ بہتر ہے اور اگر تو چاہے تو دعا کر دوں۔ اس نے عرض کیا کہ دعا ہی کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو

(1) عقائد علمائے دیوبند اور حسام الحرمین: صفحہ ۲۲۰ اختلاف امت اور صراط مستقیم: حصہ اول، صفحہ ۴۷

(2) مسند ابی داؤد طیالسی: جلد ۲، کتاب الاذکار والدعوات والاستغفار، حدیث ۲، صفحہ ۱۳۲

(ڈاکٹر عثمانی رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کا حوالہ ”وسیلے کا شرک“ نامی کتابچے میں مسند طیالسی سے دیا تھا مگر کتاب ہذا کے راقم نے پچھلے ایڈیشن میں جامع ترمذی کا حوالہ دیا تھا کہ اس وقت راقم کے پاس مسند طیالسی موجود نہ تھی مگر معترضین کے اس حوالے پر اعتراض کی وجہ سے اب اصل حوالہ نقل کیا جاتا ہے)

کرے اور دو رکعت پڑھے اور یہ دعا کرے، اے اللہ! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں بوسیہ (محمد ﷺ) نبی رحمت کے، اے محمد ﷺ! میں آپ ﷺ کے وسیلہ سے اپنی اس دعا کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ وہ پوری ہووے، اے اللہ! آپ ﷺ کی شفاعت میرے حق میں قبول کیجیے۔ یعنی اس سے توسل صراحۃً ثابت ہو اور چونکہ آپ ﷺ کا اس کے لیے دعا فرمانا کہیں منقول نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ توسل کی دعا جائز ہے۔ اسی طرح توسل وعاء میں کسی کی ذات کا بھی جائز ہے.....“

تھانوی صاحب کی بیان کردہ روایت درست نہیں ہے۔ تفصیل ہمارے کتابچے ”یہ مزار یہ میلے“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

بعض لوگ توسل کو لازم قرار دیتے ہیں اور اس کے جواز میں مثالیں دیتے ہیں کہ جس طرح بادشاہ سے ملنے کے لیے دربان، افسر سے ملنے کے لیے چہر اسی، چھت پر چڑھنے کے لیے سیڑھی کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے اللہ تک پہنچنے کے لیے بھی کوئی وسیلہ ضرور ہونا چاہیے کیونکہ اللہ کی طرف سے دین و قرآن سمیت ہر چیز ہمیں کسی وسیلے سے ملی ہے۔ ان لوگوں کو اللہ کی کتاب جواب دیتی ہے کہ

فَلَا تَضْرِبُوا إِلَهَ الْأَمْثَانِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل: ۷۴)

”پس تم اللہ کے بارے میں مثالیں نہ بناؤ (اس لیے کہ) اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

ان دنیاوی شخصیات بادشاہ وغیرہ تک رسائی کے لیے دوسروں کو اس لیے واسطہ بنایا جاتا ہے کہ ان شخصیات کو علم نہیں ہوتا کہ ان کے پاس آنے والے کے کیا مسائل ہیں، کیا حاجات و ضروریات ہیں، وغیرہ۔ اور جب تک یہ درمیان واسطے انہیں نہ بتائیں تو وہ لاعلم و بے خبر ہی رہتے ہیں۔ لیکن جو ذات دلوں کے بھید سے بھی واقف ہے تو کیا اسے بھی بتانے کے لیے اس طرح درمیانی واسطوں کی ضرورت ہے؟

بعض مسلک پرست اس قسم کی جاہلانہ مثالیں تو نہیں دیتے لیکن دعا کی قبولیت کے لیے وسیلے کے زود اثر ہونے پر ان کا ایمان ہے۔ یہ لوگ قرآنی آیت

وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (المائدہ: ۳۵) ”اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو“

کی توضیح و تشریح تو ٹھیک کرتے ہیں کہ یہاں وسیلہ سے مراد تقرب ہے جو حدیث کی رو سے اعمالِ صالحہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ اسی آیت کے اگلے حصے

وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ ”اور اس کی راہ میں جہاد کرو“

سے ثابت ہے، مگر ساتھ ہی ان مردہ ہستیوں کو، جو ان کی دعاؤں سے غافل ہیں^(۱)، مقرب الی اللہ سمجھ کر وسیلہ یعنی دعاؤں کی قبولیت کا ذریعہ بھی بناتے ہیں۔ یہی کام تو مشرکین مکہ بھی کیا کرتے تھے اور اپنے اس فعل کی یہ توجیہ کرتے تھے کہ:

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ ط (الزمر: ۳)

”ہم (اللہ کے سوا) ان کی بندگی صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرادیں“

وہ یہ بھی کہتے تھے کہ

هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ (یونس: ۱۸) ”یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں“

ان کے اس فعل کے رد میں مالک نے فرمایا کہ:

قُلْ أَتَنْتَبُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ (یونس: ۱۸)

”کہہ دو کیا تم اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جس کا وجود اسے نہ آسمانوں میں معلوم ہوتا ہے اور نہ زمین میں؟“

نیز یہ بھی کہ وسیلہ ڈھونڈ کر یہ کیا اللہ کو وہ کچھ بتانا چاہتے ہیں جو وہ نہیں جانتا:

أَمْ تَنْتَبُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ بظَاهِرٍ مِنَ الْقَوْلِ ط (الرعد: ۳۳)

”کیا تم اسے ایسی چیزیں بتاتے ہو جس کو وہ زمین میں (کہیں بھی) نہیں جانتا یا (یہ محض)

ظاہری (باطل اور جھوٹی) بات ہے۔“

مالک ان کے اس شرک سے پاک ہے، چنانچہ فرمایا:

سُبْحَنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ (یونس: ۱۸) ”وہ پاک اور اعلیٰ ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں“

(۱) قرآن میں اللہ فرماتا ہے: اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو قیامت تک اسے

جواب نہ دے سکے، اور جو ان کی پکاروں ہی سے غافل ہوں۔ (سورۃ الاحقاف: ۵)

یہ اس مالک کی بارگاہ میں سفارشی ڈھونڈتے ہیں جو جلی، خفی، سڑی، جہری سب سنتا ہے، سب جانتا ہے:

وَأَيُّرُوا قَوْلَكُمْ وَأَوْجَهَرُوا بِهِ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (الملك: ۱۳)
 ”اور تم بات پوشیدہ کہو یا ظاہر، وہ سینوں کی ہر بات جاننے والا ہے۔“

إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَى (الاعلى: ۷) ”وہ کھلی بات بھی جانتا ہے اور چھپی بھی۔“
 وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسُّوْسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ
 إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿۱۶﴾ (ق: ۱۶)

”اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو خیال بھی اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے ہم اسے جانتے ہیں، اور ہم تو اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ اس سے نزدیک ہیں۔“

پیچھے بیان کردہ کئی سورتوں کی آیات سے پتہ چلتا ہے کہ وسیلے کا شرک ایک مدت سے چلا آ رہا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا* تو اس کا جواب اس طرح دیا گیا کہ:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (البقرہ: ۱۸۶)

”(اے نبی!) جب میرے بندے تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتا دو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں جواب دیتا ہوں، لہذا انہیں چاہیے کہ وہ میری حکم مانیں اور مجھ پر ہی ایمان لائیں تاکہ راہ راست پالیں۔“

ایک مقام پر زور دے کر اس بات کو واضح کیا گیا کہ:

★ ایک مخالفانہ تحریر میں یہ جاہلانہ اعتراض اٹھایا گیا ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے یہ مسئلہ ”کون لایا، کب لایا اور کس کتاب میں نقل ہے؟“ اگر مولوی صاحب اپنی آنکھوں سے مسلک پرستی کی عینک اتار لیں تو نظر آجائے گا کہ اس طرح کے سوالوں کا جواب خود قرآن میں ہی موجود ہے۔ قرآن میں آئے سَأَلْتُكَ اور يَسْأَلُونَكَ کے الفاظ ثابت کرتے ہیں کہ مذکورہ آیات کے تحت دیا جانے والا جواب اس سوال کا ہے جو اُسی دور کے لوگوں نے پوچھا تھا۔

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۖ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دُخْرِينَ ﴿٦٠﴾ (المومن: ۶۰)

”اور تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا (اور یہ) جو لوگ میری بندگی سے تکبر کرتے ہیں وہ ضرور رسوا ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے“

جو مالک اتنا نزدیک ہو، اتنا سننے والا ہو، جواب دینے والا ہو، اتنا شفیق اور مہربان ہو کہ اپنے فرمانبردار اور باغی سب کی سزا ہو اور اپنے سے مانگنے کا حکم بھی دیتا ہو تو یہ انتہائی ظلم ہے کہ پھر بھی اس تک پہنچنے کے لیے خود ساختہ ذرائع کا سہارا لیا جائے۔ اور جن کا یہ سہارا لیتے ہیں اگر وہ زندہ ہوں تو بھی وہ کچھ نہیں دے سکتے، وہ تو خود ہی کسی سہارے کے متلاشی رہتے ہیں :

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ رَزَعْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ﴿٦١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۖ (بنی اسرائیل: ۵۷-۵۷)

”کہو (کہ مشرکوں!) اللہ کے سوا جن لوگوں کی نسبت تمہیں گمان ہے (کہ وہ تمہارے کارساز ہیں) ان کو پکار دیکھو۔ وہ تم سے تکلیف دور کرنے یا اس کو بدل دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔ یہ لوگ جن کو (اللہ کے سوا) پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کی طرف قربت تلاش کرتے رہتے ہیں کہ کون ان میں (اللہ کا) زیادہ مقرب (ہوتا) ہے، اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب کا خوف رکھتے ہیں۔“

اس سے کوئی ہرگز یہ نہ سمجھے کہ وہ لوگ بھی تقرب الی اللہ کے لیے کوئی شخص یا اصنامی سہارے ڈھونڈتے ہیں جیسا کہ بعض لوگ اس آیت سے بھی یہ شرکیہ مطلب اخذ کرتے ہیں۔ بلکہ غیر اللہ کی پکار کے بے فائدہ اور بے کار ہونے کے اعلان سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ایماندار بندے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے سورۃ المائدہ کی مذکورہ بالا آیت کے بموجب اچھے سے اچھے اعمال کو ذریعہ توسل و تقرب بناتے ہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آیت بالا کی تفسیر میں فرمایا کہ ان سے مراد وہ جن تھے جنہیں مشرکین پوجا کرتے تھے اور وہ جن مسلمان ہو گئے لیکن مشرکین بے خبری میں پھر بھی انہیں

پوچتے رہے۔^(۱) یہ بات واضح رہے کہ وہ جن زندہ و موجود تھے نہ کہ بے جان مردے۔ کیا اب بھی مروجہ وسیلے کی کسی بھی شکل میں کوئی گنجائش باقی رہتی ہے؟ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ ذَٰلِكَ يُؤْمِنُونَ؟ قرآن و حدیث کے دلائل سے تو یہ شرکیہ وسیلہ ناجائز ٹھہرتا ہے۔ مزید برآں ان مسلک پرستوں کی مسلمہ کتابوں میں بھی اسے ناجائز اور حرام قرار دیا گیا ہے۔

علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی جلد ۶، صفحہ ۲۵ پر لکھتے ہیں :

”کسی شخص سے درخواست کرنا اور اس کو اس معنی میں وسیلہ بنانا کہ وہ دعا کرے، اس کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں بشرطیکہ جس سے درخواست کی جارہی ہو وہ زندہ ہو۔ دوسری طرف میت یا غائب شخص سے دعا کرانے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو بھی شک نہیں ہے، اور یہ ایک ایسی بدعت ہے جس کا ارتکاب سلف میں کسی نے نہیں کیا۔ صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر نیکی اور ثواب کا کون حریص ہوا ہے، لیکن کسی ایک صحابیؓ سے بھی منقول نہیں کہ انہوں نے صاحب قبر سے کبھی کچھ طلب کیا ہو۔“

قدوری شرح کرخی باب الکراہت میں لکھتے ہیں :

”بشر بن ولید کہتے ہیں کہ مجھ سے امام ابو یوسف نے بیان کیا کہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ کسی کے لیے اللہ تعالیٰ سے بجز اس کی ذات اور صفات کے حوالے دے کر دعا کرنا جائز نہیں اور میں ناجائز سمجھتا ہوں کہ کوئی یوں کہے کہ بحق تیری مخلوق کے۔ اور یہی قول امام ابو یوسف کا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں ناجائز سمجھتا ہوں کہ کوئی یوں کہے کہ بحق تیرے نبیوں کے یا بحق تیرے رسولوں کے یا بحق بیت الحرام یا بحق مشعر الحرام۔ (قول قدوری) اللہ تعالیٰ سے اسکی مخلوق کا واسطہ دے کر سوال کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ کسی بھی مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اسے ادا کرے۔“

حنفی مسلک کی معتبر ترین کتاب ہدایہ (جلد ۴، صفحہ ۴۵۹) میں درج ہے :

”اور جائز نہیں کہ کوئی اپنی دعائیں یوں کہے کہ بحق فلاں یا اپنے انبیاء علیہم السلام اور رسولوں کے حق کے طفیل یا صدقے میں، کیونکہ خالق پر کسی مخلوق کا کوئی حق نہیں۔“

(۱) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ بنی اسرائیل، باب ۴۴، صفحہ ۹۰۶/

صحیح مسلم: جلد ۶، کتاب التفسیر، صفحہ ۵۲۳

حنفی مسلک کے دو بڑے اماموں کا فیصلہ تو اوپر آگیا، اب تیسرے امام یعنی محمد بن حسن شیبانی کا فیصلہ بھی سنئے جو صیائۃ الانسان میں (صفحہ ۲۰۱) اس طرح درج کیا گیا ہے:

”یہ کہنا کہ اے اللہ میں تجھ سے فلاں بندے کے حق کے واسطے سے سوال کرتا ہوں یا یوں کہنا کہ اس کی جاہ کے واسطے یا اس کی حرمت کے واسطے سوال کرتا ہوں، مکروہ تحریمی (یعنی حرام) ہے اور یہ بات احناف کی ساری کتابوں کے منتوں میں لکھی ہوئی ہے۔ امام محمد کے نزدیک یہ کہنا ایسا حرام ہے کہ اس پر آگ کا عذاب ہوگا۔“

اپنے ”مذہب“ کے تینوں اماموں کا فیصلہ سامنے ہوتے ہوئے بھی، خود کو فقہ حنفی کا پیروگر داننے والے اشافعتیوں اور پنج پیرویوں کے ”شیخ القرآن“ غلام اللہ خان صاحب اپنی تفسیر ”جواہر القرآن“ میں سورۃ بنی اسرائیل کی آیتؑ کے لفظ ”وسیلہ“ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ

”البتہ بحر مت فلاں دعا مانگنے میں کوئی کلام نہیں، یہ سب کے نزدیک جائز ہے۔ مگر اس میں بھی تفصیل ہے جو حسب ذیل ہے:

اگر بحر مت فلاں کہنے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ اولیاء کرام یا انبیاء علیہم السلام پکاریں سنتے ہیں اور حاجت روائی کر سکتے ہیں تو اس عقیدے والے کا یہ کہنا شرک ہے، جائز نہیں۔ اور اگر اس کا عقیدہ شرکیہ نہ ہو اور اس کی تمام کتابیں تروید شرک و بدعت سے پُر ہوں اور اس کی کسی کتاب میں یہ کلمات آگئے ہوں تو ان کی توجیہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق کرنا ضروری ہے۔ بعض لوگ یہ توجیہ کرتے ہیں اے اللہ میں گنہگار ہوں فلاں پیغمبر یا ولی تیرا پیارا ہے۔ مجھے اس کی وجہ سے معاف کر دے۔ یہ بالکل بے معنی ہے کیونکہ فلاں پیغمبر یا ولی تو اللہ کے مقبول ہیں خدا مجرم کو کیوں معاف کر دے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی قاتل سیشن جج سے کہہ دے میں مجرم ہوں اور یہ آپ کا پیارا بیٹا ہے مجھے آپ معاف کر دیں۔ یہ توجیہ بالکل لغو ہے۔ اس کی توجیہ صحیح یہ ہے۔ اے اللہ مجھے فلاں پیغمبر یا ولی سے محبت ہے اور میں اس کی اتباع کرتا ہوں۔ یہ محبت فعل قلبی ہے اور اتباع فعل جوارح ہے۔ گویا اپنے فعل قلب یا فعل اعضاء کو اللہ تعالیٰ کے آگے بطور وسیلہ پیش کرنا اپنے اعمال صالحہ کا وسیلہ ہونا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے صاف ثابت ہے۔ سورۃ آل عمران میں واتبعنا الرسول فاکتبنا مع

الشاہدین اور سورہ انعام میں پارہ ساتواں پہلے صفحے میں ہے یقولون ربنا امنّا فاکتبنّا مع الشاہدین ان دونوں آیتوں میں اتباع اور ایمان کو وسیلہ بنایا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ اتباع پیغمبر وسیلہ ہے اور اس طرح غاروالی حدیث صحیح سے اعمال صالحہ کا وسیلہ بنانا معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ قائل اس کا توحید و سنت پر پختہ ہو، شرک اور بدعت سے بیزار ہو جیسا کہ شاہ ولی اللہ اور مولانا اسماعیل شہید اور مجدد الف ثانی وغیرہ۔ پس ایسے بزرگان دین سے جو ایسے کلمات منقول ہیں ان کی توجیہ کر دی گئی ہے۔ لہذا ان بزرگوں پر جو طعن دیتے ہیں کہ انہوں نے یہ کیوں لکھا ہے بالکل غلط ہے۔ جب ان کی عبارت کی توجیہ قرآن و سنت صحیحہ کے مطابق ہو سکتی ہے تو طعن کرنا بے معنی ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ عوام الناس کو اس قسم کی عبارت کا سبق دینا بہتر نہیں ہے کیونکہ یہ دور عام شرک و بدعت کا ہے۔ اس سے لوگ غلط فائدہ اٹھاتے ہیں نیز قرآن مجید کی تمام دعائیں اور احادیث صحیحہ کی دعائیں ایسی عبارت سے خالی ہیں۔ لہذا تحقیق شیخی و سندی مولانا حسنین علی مرحوم“ (جواہر القرآن: جلد ۲، صفحہ ۶۲۰)

اسی طرح الاحادیث اور دیوبندی مسلک کے متفق علیہ شاہ اسماعیل دہلوی نے بھی اپنی کتاب ”تقویۃ الایمان“ میں (جس کے توحیدی مضامین کی یہ لوگ بڑی تعریفیں کرتے ہیں) اس توسل کو جائز قرار دیا۔ ملاحظہ فرمائیے:

”یہ جو لوگوں میں ایک ختم مشہور ہے کہ اس میں یوں پڑھتے ہیں یا عبد القادر شیعاً ۛ ۛ یعنی اے شیخ عبد القادر دو تم اللہ کے واسطے، یہ لفظ نہ کہنا چاہیے ہاں اگر یوں کہے کہ یا اللہ سمجھ دے شیخ عبد القادر کے واسطے تو بجا ہے۔“ (۱)

”نصیحۃ المسلمین“ کے نام سے منسلک اس کتاب کی دوسری قسط (فصل دوم: صفحہ ۵۳۶) میں اس طرح وضاحت فرمائی گئی کہ

(۱) تقویۃ الایمان، مطبوعہ مرکنتائل پرنٹنگ پریس، بازار فتحپوری، دہلی (۱۳۴۱ھ) حسب فرمائش آل انڈیا الاحادیث کانفرنس، دہلی / مطبوعہ ملک سراج الدین اینڈ سنز، لاہور (۱۹۵۶ء) / مطبوعہ المکتبۃ السلفیۃ، لاہور، صفحہ ۸۱ / مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، صفحہ ۵۴ / مطبوعہ اسلامی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، صفحہ ۸۰ / مطبوعہ مکتبہ ثنائیہ، سرگودھا، صفحہ ۹۳

(۲) اتنے حوالے اس لیے دیئے ہیں کہ یہ دونوں مسلک اس کتاب کو اب اس عبارت کے بغیر شائع کرتے ہیں جس کے ثبوت کے لیے دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی اور نعمانی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور کی مطبوعہ تقویۃ الایمان ملاحظہ فرمائیے

”یہ بھی جانا چاہیے کہ اولیاء انبیاء سے بس اس طرح وسیلہ پکڑنا درست ہے کہ خدا کی بارگاہ میں یوں عرض کیا جائے: ”الہی محمد مصطفیٰ ﷺ کے طفیل سے یا حضرت علی مرتضیٰؑ کے تصدق سے میری فلاں حاجت روا کر“ یہ صورت جائز ہے اور اس کے علاوہ جو اور صورتیں اختیار کی جاتی ہیں وہ ناجائز ہیں۔“

اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ سطور سابقہ میں فقہ حنفی کی کتابوں اور ان مسلک پرستوں کے لٹریچر کے حوالے صرف انہی کو چہرہ دکھانے کے لیے نقل کیے گئے ہیں ورنہ ان کا کہا اور لکھا، قرآن و حدیث کے فرمان کے مقابلے میں کوئی حجت نہیں رکھتا۔

ایک اور قابل غور بات دیکھیے کہ اس وسیلے کو اپنے حنفی اماموں کے حرام قرار دیئے جانے کے باوجود اسی فقہ حنفی کے پیرو ہونے کے دعویدار یہ مسلک پرست ”ختم چشتیہ“ میں ”شجرہ شریف“ پڑھ کر اللہ کو ڈھیروں شخصیات کا واسطہ دے کر دعا مانگتے ہیں۔ بریلوی و دیوبندی مسلک کے متفق علیہ ”امام الطائفہ“ امداد اللہ مہاجر کی صاحب نے ”شجرہ پیران چشت اہل بہشت رضی اللہ عنہم“ میں مناجات کرتے ہوئے اسی طرح چالیس ہستیوں کا واسطہ دیا ہے۔ اس شجرے کی ایک مثلث اس طرح ہے: (1)

دور کر دل سے حجاب جہل و غفلت میرے رب
کھول دے دل میں در علم حقیقت میرے اب
ہادی عالم علی مشکل کشا* کے واسطے

اور ”شجرہ قادریہ قمیسیہ منظومہ“ میں بھی اسی طرح تینتیس ہستیوں کا نام بنام واسطہ دے کر مناجات کی گئی ہے ملاحظہ کیجیے کہ درج ذیل اشعار میں کس قدر واسطے دیئے گئے ہیں: (2)

★ بریلوی مصنف بھی انہیں ”حضرت حاجی امداد اللہ رضی اللہ عنہ“ لکھتے ہیں (گنبد خضریٰ: صفحہ ۴۳۶)
اور اسی طرح دیوبندی مصنف بھی انہیں ”حضرت رضی اللہ عنہ“ لکھتے ہیں (کلیات امدادیہ: صفحہ آخر)

(1) کلیات امدادیہ (ارشاد مرشد): صفحہ ۱۰۳

* قرآن میں فرمان الہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشکل کشا نہیں ہے۔ (الانعام ۱۰۱/ یونس ۱۰۷) علیؑ کو مشکل کشا کہنے پر شیعوں کو کافر کہنے سے پہلے سپاہ صحابہ والوں کو اپنے امام صاحب کا یہ شعر ذہن میں رکھنا چاہیے۔

(2) کلیات امدادیہ (مشنوی گلزار معرفت): صفحہ ۲۱۷

ۛ بقیٰ حضرت نور محمد ﷺ منور کن ولم از نور بیحد
 ۛ خداوند بقیٰ جملہ پیراں مراہم در طریق شاں بمیراں
 ۛ بقیٰ آل و ازواج و صحابہ کجملہ اولیا ابدال و اختطاب
 ۛ بغوث و فرد و ابرار و باوتابو عشاق و بعباد و بزہاد

اسی طرح اپنی ایک دوسری مثنوی ”جہاد اکبر“ کے آخر میں، اپنے فقہ کے مذکورہ بالا فیصلے کے علی الرغم ”بقیٰ نبی ﷺ اور آل رسول ﷺ، بقیٰ ابو بکرؓ، بقیٰ عمرؓ، بقیٰ علیؓ اور عثمانؓ“ بھی کہہ کر دعا مانگی گئی ہے۔⁽¹⁾

بریلوی مسلک کا اس سلسلے میں عقیدہ کسی تبصرے کا محتاج نہیں۔ ان کے مجدد صاحب نے ایک شعر میں تو یہاں تک کہہ دیا کہ:

ۛ بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
 ۛ حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

جس پر یہ حاشیہ لکھا گیا:

”ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ دنیا میں اور آخرت میں، ظاہر میں اور باطن میں، جسم میں اور روح میں جو نعمت جو برکت جو خوبی روز ازل سے ابد الابد تک جسے ملی اور ملتی ہے اور ملے گی، اس سب میں واسطہ و قاسم محمد رسول اللہ ﷺ سے ہیں۔ حضور کے ہاتھ سے ملیں اور ملتی ہیں اور ملتی رہیں گی۔“⁽²⁾

دیکھیے اپنی ایک مستقل نظم کے ان دو اشعار میں انہوں نے کیا کچھ نہیں کہہ دیا:⁽³⁾

ۛ وہی نور رب وہی ظل رب، ہے انہیں سے سب، ہے انہیں کا سب
 ۛ نہیں انکی ملک میں آسمان کہ زمیں نہیں کہ نماں نہیں
 ۛ بخدا خدا کا یہی ہے در، نہیں اور کوئی مفر مقرر
 ۛ جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

(1) کلیات امدادیہ (جہاد اکبر): صفحہ ۱۲۷

(2) حدائق بخشش، حصہ اول: صفحہ ۷۵

(3) الاستمداد: صفحہ ۱۳۶/ نیز حدائق بخشش: حصہ اول، صفحات ۳۸، ۳۹

مذکورہ بالا مثنوی کے درج ذیل اشعار میں پیر امداد اللہ صاحب نے بھی کچھ اسی طرح کی خامہ فرسائی فرمائی ہے: (1)

محمد ہے ممدوح ذات خدا محمد کا ہو وصف کس سے ادا
محمد سا مخلوق میں کون ہے اسی کا طفیل ہے یہاں جون ہے
نہ پیدا اگر ہوتا احمد کا نور نہ ہوتا دو عالم کا ہرگز ظہور
محمد خلاصہ ہے کونین کا محمد وسیلہ ہے دارین کا

اور ایک دوسری مثنوی میں وہ اس طرح گویا ہوئے ہیں: (2)

لی جیو خدا کے واسطے اُسدن مری خبر عصیل کا میرے جب کھلے انبیا رسول
دونوں جہان میں مجھ کو وسیلہ ہے آپ کا کیا غم ہے گرچہ ہو غمیں بہت خوار یا رسول

اور ایک تیسری مثنوی میں وہ یہاں تک گئے:

کر وسیلہ اس کو اے امداد تو وصل سے حق کے ہوتا دلشاو تو
جو کہ اے امداد اللہ کا وصال بے وسیلہ اس کے چاہے ہے محال
ختم کر کے یہ مناجات نکو کر وسیلہ ذات پیغمبر ﷺ کو تو
بے وسیلوں کا وسیلہ ہے وہی بلکہ ساروں کا وسیلہ ہے وہی

(کلیات امدادیہ (جہاد اکبر): صفحہ ۱۰۸)

ان اشعار کی طوالت شاید بعض طبائع پر گراں گزری ہو (حالانکہ یہ صرف چند نمونے ہیں، اور ایسے نمونے آگے بھی آئیں گے)، لیکن اس سے کم از کم یہ تو ثابت ہو گیا کہ جنہیں توحید پرست سمجھ کر، بلند و بالا مقام دیئے جاتے ہیں اور جن کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں، وسیلے کے اس شرک میں وہ کسی سے بھی پیچھے نہیں۔



(1) کلیات امدادیہ (گلزار معرفت): صفحہ ۲۰۵

(2) کلیات امدادیہ (مثنوی تحفۃ العشاق): صفحہ ۱۳۱

کتاب ہذا کے رد میں لکھی جانے والی تحریروں، تقریروں اور فتاویٰ میں ویسے کے اس شرکیہ عقیدے کا دفاع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس طرح کی قدیم و جدید مساعی نامسعود کی بنیاد عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے منسوب نابینا والی روایت ہوتی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ کے حسب ارشاد اس شخص نے دور رکعت پڑھ کر نبی ﷺ کے ویسے سے دعا کی تو اس کی پینائی لوٹ آئی۔ ہمارے کتابچے ”یہ مزار یہ میلے“ میں مذکورہ روایت کے ایک راوی ابو جعفر مدنی پر محدثین کی جرح نقل کر کے اسے وضاع یعنی حدیثیں گھڑنے والا بتایا گیا۔ ویسے کا دفاع کرنے والوں نے دعویٰ کیا کہ یہ مجرد ابو جعفر مدنی نہیں بلکہ دوسرا ابو جعفر الخطمی ہے جو بالکل ثقہ راوی ہے۔ ملا تونسوی نے حسب معمول اس پر بھی ایک طومار باندھتے ہوئے اپنی دیرینہ بازاری زبان میں خوب لعن طعن کی اور اپنے زعم باطل میں اسے ثقہ ابو جعفر ثابت کیا ہے جس کی توثیق و ترجمے کے لیے ابن حجر کی تہذیب التہذیب کا حوالہ دیا ہے۔ مولوی صاحب کی عیاری ملاحظہ فرمائیے کہ جامع ترمذی مطبوعہ بیروت کے حوالے سے اس ابو جعفر کے بارے میں دعویٰ کر دیا کہ وہ ثقہ راوی ابو جعفر الخطمی ہے لیکن برصغیر کے مطبوعہ نسخوں میں اس کے خطمی نہ ہونے کی تصریح کو کتابت کی غلطی ٹھہرا دیا۔ چہ خوب! اسی کو کہتے ہیں میٹھا میٹھا ہپ ہپ کڑوا کڑوا تھو تھو۔ اور ایسے ہی دو غلے پن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بربادی کی وعید سنائی ہے:

وَيَنْهَىٰ الْمُطَفِّفِينَ ﴿١٠٠﴾ إِذَا كُنْتُمْ تَوَاعَىٰ عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ﴿١٠١﴾ وَإِذَا كَانُوا مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ فَخَسِرُوا بِهِمْ ﴿١٠٢﴾

قارئین! جاننا چاہیے کہ یہ راوی ابو جعفر متنازعہ ہے کیونکہ اسی روایت کی کسی سند میں اسے المدنی، کسی میں المدینی، کسی میں الخطمی المدنی اور کسی میں اسے غیر الخطمی کہا گیا ہے:

☆ البدایہ والنہایہ اور مسند احمد میں روح بن عبادہ نے شعبہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ ابو جعفر المدینی ہے (جلد ۲، صفحہ ۱۶۱)۔

- ☆ مستدرک حاکم میں محمد بن یعقوب نے عثمان بن عمر سے اور انہوں نے شعبہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں بھی یہ ابو جعفر المدنی ہے (جلد ۱، صفحہ ۳۱۳)؛
- ☆ مستدرک حاکم کی دوسری سند میں احمد بن سلیمان نے حسن بن مکرم سے اور انہوں نے عثمان بن عمر سے اور انہوں نے شعبہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ ابو جعفر المدنی ہے (جلد ۱، صفحہ ۶۲۵)؛
- ☆ مستدرک حاکم کی تیسری سند میں احمد بن جعفر نے عبد اللہ بن احمد سے، انہوں نے احمد بن حنبل سے، انہوں محمد بن جعفر سے، انہوں نے شعبہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں بھی یہ ابو جعفر المدنی ہے (جلد ۱، صفحہ ۵۱۹)؛
- ☆ مستدرک حاکم کی چوتھی روایت حمزہ بن عباس سے ہے جو عباس بن محمد سے، وہ عوفی بن عمارہ سے، وہ روح بن القاسم سے اور وہ ابو جعفر الخطمی المدنی سے روایت کرتے ہیں (جلد ۱، صفحہ ۱۲۶)؛
- ☆ طبرانی کی معجم الصغیر کی روایت طاہر بن عیسیٰ سے ہے، وہ اصبح بن فرج سے، وہ عبد اللہ بن وہب سے، وہ احمد بن شیب سے، وہ روح بن القاسم سے روایت کرتے ہیں اور اس میں بھی ابو جعفر الخطمی المدنی ہے (جلد ۱، صفحہ ۱۸۳)؛
- ☆ عمل الیوم واللیلۃ میں ابن السنی نے ابو عروبہ سے، انہوں نے عباس بن فرج سے، انہوں نے احمد بن شیب سے، انہوں نے روح بن القاسم سے جو روایت نقل کی ہے اس میں بھی ابو جعفر الخطمی المدنی ہے (صفحہ ۳۰۲)؛
- ☆ البدایہ والنہایہ میں ابن ماجہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں احمد بن منصور، عثمان بن عمر اور شعبہ ہیں اور اس میں صراحت ہے کہ یہ ابو جعفر الخطمی نہیں ہے (جلد ۲، صفحہ ۱۶۱)؛
- ☆ البدایہ والنہایہ میں ترمذی کی جو روایت محمود بن غیلان عن عثمان بن عمر عن شعبہ سے مروی ہے اس میں بھی صراحت ہے کہ یہ ابو جعفر غیر الخطمی ہے (جلد ۲، صفحہ ۱۶۱)؛ اس کے بارے میں ابن حجر کہتے ہیں کہ ترمذی نے کہا ہے کہ وہ الخطمی نہیں ہے۔ (التهذیب: جلد ۱۲، صفحہ ۵۸ / التقریب: صفحہ ۳۹۹)

مندرجہ بالا شواہد اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ یہ روایت مضطرب اور ساقط الاعتبار ہے اور ایک ایسی روایت پر کوئی عقیدہ قائم نہیں ہو سکتا جس کے کسی راوی کی ثقاہت کے بارے میں متیقن حاصل نہ ہو کیونکہ علماء کی صراحت ہے کہ ظنی دلائل پر ایمان و عقیدے کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ اور ویسے بھی اس سے زیادہ سے زیادہ دعاء کرانا ہی ثابت ہوتا ہے جو نبی ﷺ نے اس نابینا صحابی کے لیے کر دی تھی۔ (مزید تفصیل جاننے کے لیے ملاحظہ فرمائیے البصائر از علاطاہر، صفحات ۳۳۱ تا ۳۳۹)

اس عنوان پر مزید رہنمائی کے لیے کتب الوسیلہ کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیے: صحابی کا فعل کب حجت ہوتا ہے؟

جو علما کہتے ہیں کہ صحابی کا قول حجت ہے وہ بھی یہ شرط لگاتے ہیں کہ دوسرے صحابہ اُس کے مخالف نہ ہوں اور کوئی نص اُس کے خلاف موجود نہ ہو۔ صحابہ کی خاموشی بھی اس بارے میں معتبر بنائی جاتی ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی فعل یا قول شہرت پا گیا اور صحابہ ﷺ نے اُس پر اعتراض کی بجائے سکوت کیا تو سمجھا جائیگا کہ انہوں نے مخالفت نہیں کی، اور اُسے "اجماع اقراری" کہا جاسکتا ہے، کیونکہ صحابہ کسی باطل فعل کو بغیر اعتراض کئے چھوڑ نہیں سکتے لیکن اگر وہ مشہور نہیں ہوا اور اُس کے خلاف کوئی قول موجود نہیں ہے تو اُسے حجت قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن اگر معلوم ہو جائے کہ مخالفت ہوئی ہے تو پھر وہ بالاتفاق حجت نہیں ہو سکتا اور جب یہ نہ معلوم ہو سکے کہ اُس کی مخالفت ہوئی ہے یا موافقت تو اُسے اسی حال میں معلق چھوڑ دیا جائیگا، کسی پہلو پر بھی جزم نہ کیا جائیگا۔ لیکن اگر سنت نبوی اُس کے خلاف پر دلالت کرے تو بالاتفاق اہل علم، حجت، رسول اللہ کی سنت میں ہوگی نہ کہ اُس کے قول و عمل میں۔

عثمان بن حنیف کا قول حجت نہیں

اگر یہ مسلم ہے تو پھر عثمان بن حنیف وغیرہ بعض صحابہ ﷺ سے اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ انہوں نے وفات کے بعد نبی صلعم کو وسیلہ بنانا (بغیر اس کے کہ آپ ﷺ نفع یا شفاعت کریں) مشروع و مستحب قرار دیا ہے، تو چونکہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے اکابر صحابہ کی یہ رائے نہ تھی بلکہ وہ اسے وفات کے بعد ناجائز سمجھتے تھے، اس لئے اُن کا (عثمان بن حنیف وغیرہ کا) قول ہرگز حجت نہیں ہو سکتا۔

اجماع اقراری کی واضح مثالیں

اس بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہ تھا کہ استسقاء کے موقع پر آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی دُعا کو وسیلہ بناتے تھے، لیکن جب وفات ہو گئی تو پھر انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باقی اہل علم اپنی صحیح و مشہور و ثابت دُعا میں جو عام الرُماہ کے ہولناک قحط میں مہاجرین و انصار کے روبرو مانگی تھی، کہا تھا:

اللھم انا کنّا اذا اجذبنا نتوسل الیک بنبیننا فاستقینا، وانا نتوسل الیک
بعمر بنینا فاستقنا

”اے خدا جب ہم قحط میں مبتلا ہوتے تھے تو اپنے نبی ﷺ کا وسیلہ تیرے سامنے پیش کرتے تھے اور تو ہمیں سیراب کر دیتا تھا، (اب) ہم اپنے نبی ﷺ کے چچا کا وسیلہ تیرے حضور لاتے ہیں، ہمیں سیراب کر دے۔“

اس دُعا پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے سکوت کیا اور باوجود شہرت کے کسی نے بھی اسکی مخالفت نہ کی۔ بنا بریں یہ دُعا اجماع اقراری کی ایک نہایت واضح مثال ہے۔

اسی قسم کی دُعا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہدِ خلافت میں استسقاء کے موقع پر مانگی تھی۔ حالانکہ اگر وفات کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وسیلہ لینا درست ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم ضرور کہتے کہ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور یزید بن الاسود رضی اللہ عنہ وغیرہ کو ہم کیوں وسیلہ بنائیں، حالانکہ آپ ﷺ افضل خلق ہیں اور آپ ﷺ کا وسیلہ خدا کی جناب میں سب سے افضل و اعظم وسیلہ ہے؟

دُعا کا وسیلہ تھانہ کہ ذاتِ خاص کا

لیکن چونکہ اُن میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا اور دوسری طرف ہمیں معلوم ہے کہ زندگی میں وہ صرف آپ ﷺ کی دُعا و شفاعت کو وسیلہ بناتے اور وفات کے بعد دُوسروں کی دُعا و شفاعت سے وسیلہ چاہتے تھے تو ثابت ہو گیا کہ جو وسیلہ اُن کے نزدیک مشروع تھا وہ دُعا کا وسیلہ تھانہ کہ کسی کی ذاتِ خاص کا۔

حدیثِ اعلیٰ کیوں حجت ہے

رہی حدیثِ اعلیٰ تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے حجت ہے کیونکہ اندھے سے یہی کہا گیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا و شفاعت کو وسیلہ بنائے نہ کہ آپ ﷺ کی ذات کو۔ لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ کسی صحابی نے آپ ﷺ کی شفاعت کے بجائے آپ ﷺ کی ذات

کو وسیلہ بنانے کے لئے کہا، پوری مشروع دعا کے بجائے اُس کے صرف بعض حصوں کی تلقین کی، تو اس صورت میں بھی یہی کہا جائیگا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فعل موافق سنت نبوی ﷺ ہے اور اُس صحابی کا فعل مخالف سنت ہے اور یہ کہ جو حدیث اُس نے روایت کی ہے خود اُسی پر حجت ہے

واللہ اعلم بالصواب! ﴿کتاب الوسیلہ: صفحات ۷۲۲ تا ۹۲۲﴾

راوی ابو جعفر کی مندرجہ بالا بحث کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس کے استاد عمارۃ بن خزیمہ بن ثابت جس سے اس نے یہ روایت نقل کی ہے، اس کے بارے میں امام ابن حزم کہتے ہیں کہ: مجھوں، لا ادری من ہو یعنی مجھوں راوی ہے، نہیں معلوم کہ وہ کون ہے۔ بہر حال ایسی منفرد و مجروح روایت قرآن و حدیث کے نصوص کے خلاف دلیل نہیں بن سکتی۔

شفاعت

مسلک پرستوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبور کے پاس حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کرنا اور یہ کہنا بھی جائز ہے کہ ”حضرت میری مغفرت کی شفاعت فرمائیں۔“ پھر آپ کے وسیلے سے دعا کرے اور شفاعت چاہے^(۱) وسیلے کا شرک ہونا پچھلے عنوان کے تحت بیان ہو چکا ہے۔ رہا معاملہ شفاعت کا تو اس سلسلے میں پھر آیت الکرسی کا حوالہ دیا جاتا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ط (البقرة: ۲۵۵)
 ”کون ہے جو اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے۔“

اللہ نے اس کا کسی کو اختیار نہیں دیا کیونکہ

قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا ط (الزمر: ۲۴)

”(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے کہ شفاعت تو ساری اللہ کے اختیار میں ہے“

یہ تو اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ اپنے مخلص بندوں میں سے جس کی چاہے عزت افزائی فرمائے اور میدان محشر میں اس کو حکم دے کہ وہ کسی مومن گنہگار کے لیے نپے تلے الفاظ میں اللہ سے سفارش کرے کہ مالک اس کے ساتھ رحمت کا معاملہ فرمادے، اور یہ صرف اللہ کی اجازت سے ہی ہو گا، کسی کے ذاتی اختیار سے ہرگز نہیں، کیونکہ ارشادِ باری ہے:

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْعًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ ط (البقرة: ۴۸)

”اور اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ کسی سے سفارش منظور کی جائے گی“

يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ط (الاحقاف: ۱۰)

(۱) فتاویٰ رشیدیہ: صفحہ ۷۲/ فضائل حج: صفحات ۷۰ تا ۱۵۰/ مولوی ادریس میرٹھی:
 روزنامہ جنگ کراچی، اقراء صفحہ، مؤرخہ ۲۹ مئی ۱۹۹۲ء/ مفتی محمد جمیل نعیمی:
 روزنامہ جنگ کراچی، ۲۰ مارچ ۱۹۹۸ء

”اس دن کسی کی سفارش کچھ فائدہ نہ دے گی مگر اس شخص کی جسے رحمن اجازت دے اور اس کی بات کو پسند کرے“

إِلَّا لِمَنْ أِذْنُهُ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ﴿٢٨﴾ (النبا: ۲۸)
 ”اور وہ کسی کی سفارش نہیں کر سکتے مگر اس کی جس سے اللہ راضی ہو، اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔“

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ﴿٢٩﴾ (النبا: ۲۹)
 ”اور کسی کی بھی سفارش اس کے نزدیک فائدہ نہ دے گی مگر جس کے لیے وہ اجازت دے۔“

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۚ لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ
 الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٠﴾ (النبا: ۳۰)
 ”جس دن روح (جبرئیل) اور سارے فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے تو کوئی بول نہ سکے گا مگر جس کو رحمن اجازت بخشے اور اس نے بات بھی درست کہی ہو۔“

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ
 هُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٣١﴾ (الزخرف: ۸۶)
 ”اور اللہ کو چھوڑ کر جن کو یہ پکارتے ہیں، وہ شفاعت کی قدرت نہیں رکھتے، مگر جو گواہی دیں حق کے ساتھ اور جو جانتے ہوں“

وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْعًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ
 يَّأْذِنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُزِيْۤى ﴿٣٢﴾ (الحج: ۲۶)
 ”اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی مگر اس وقت کہ اللہ جس کے لیے چاہے اجازت دے اور پسند کرے“

یعنی کوئی کسی کافر، مشرک، بدعتی کی سفارش نہیں کر سکے گا، اور سفارش کی اجازت محض اس کی عزت افزائی کے لیے دی جائے گی۔ وہ نہ تو اللہ کی مرضی کے خلاف سفارش کریں گے نہ اللہ ان کی سفارش کا پابند ہو گا کہ ضرور ہی قبول کی جائے۔ خالص ایمان کے حامل مومنوں کی تقصیر پر اللہ کے رسول ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام اور صالحین رحمۃ اللہ علیہم بے شک ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ لیکن اس کے لیے ان کی قبروں پر جا کر ان کو پکارنا،

شفاعت کی دعا کرنا، یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ ہماری دعا سن رہے ہیں، کفر و شرک اور قرآن کا انکار ہے۔ باقی زکریا کا ندھلوی صاحب وغیرہ نے مذکورہ حوالہ جات میں جو روایتیں زیارت قبر پر حلت شفاعت سے متعلق نقل کی ہیں، وہ تمام کی تمام متکلم فیہ، موضوعہ، مختصرہ، منکر اور ضعیف روایتیں ہیں۔

”کتاب الوسیلہ“ جو ابن تیمیہ کی کتاب ”قاعدة جلیلة فی التوسل والوسیلة“ کا ترجمہ ہے، اس میں کئی مقامات پر مذکورہ روایات پر تفصیلی تبصرہ کرتے ہوئے انہیں ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

احادیث متعلقہ زیارت قبر اور فضیلت صحابہ: یہیں قبر انور کی زیارت کی حدیثیں، تو سب کی سب ضعیف اور ناقابل التفات ہیں، اسی لیے اصحاب صحاح و سنن نے اُن میں سے کوئی ایک روایت بھی نہیں لی۔ اُن میں سب سے قوی حدیث عبد اللہ بن عمر العریؓ کی ہے، مگر وہ بھی فی نفسہ ضعیف اور جھوٹ کی سیاحتی سے کالی ہو رہی ہے۔ مثلاً بقول راوی فرمایا:

من زارنی من بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی

”جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی، گویا زندگی ہی میں میری زیارت کی۔“
 اِس کا باطل اور مخالف ہونا بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ جس نے ایمان کے ساتھ آپؐ کی زندگی میں زیارت کی، صحابی ہے، اور اگر آپؐ کی طرف ہجرت کی یا آپؐ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا تو اور بھی بڑے درجے کا مستحق ہے۔ اور معلوم ہے کہ بعد کا کوئی مسلمان کتنا ہی بڑھ جائے صحابہؓ کی فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

لا تسبوا اصحابی فوالذی نفسی بیدہ لو انفق احدکم مثل أحد ذهباً ما بلغ مد احدہم ولا نصیفہ

”میرے اصحاب کو بُرا نہ کہو، کیونکہ قسم ہے اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرو تو بھی اُن کی ایک ٹھٹی کو نہ پہنچو گے۔“

سفر زیارت اور صحابہؓ کا درجہ: پس اگر بعد کا کوئی مُسلمان فرض و واجب اعمال و عبادات مثلاً حج، جہاد، صوم، صلوٰۃ کے ذریعہ سے بھی صحابہؓ کے برابر نہیں ہو سکتا تو ایک ایسے فعل (زیارت قبر نبویؐ) کے ذریعہ سے کیونکر اُن کا ہم رتبہ یا اُن جیسا ہو سکتا ہے، جو باثفاق جملہ اہل اسلام فرض و واجب نہیں بلکہ اس کے ارادے سے سفر کا حکم بھی نہیں دیا گیا، حکم کیا معنی، اِس

قسم کے سفر ہی سے منع کر دیا گیا ہے! ہاں مسجد نبویؐ اور مسجد اقصیٰ میں نماز کے لئے سفر مستحب اور حج کے لئے کعبہ کا سفر فرض ہے، مگر اس مستحب و فرض سفر سے بھی کوئی شخص صحابہؓ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا، کجا ایسے سفر سے جس کی ممانعت ثابت ہے۔

زیارت قبور اور نذر و منت: تمام ائمہ متفق ہیں کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے انبیاء و صالحین کی قبروں کی زیارت کے لئے منت مانی گئی تو اسے پورا کرنا روا نہیں، اس کے خلاف مسجد نبویؐ اور مسجد اقصیٰ میں نماز کی منت کا پورا کرنا ضروری ہے۔

اس بارے میں امام شافعیؒ سے دو قول مروی ہیں: ایک یہ کہ اس منت کا پورا کرنا واجب ہے اور یہی امام احمدؒ اور امام مالکؒ کا مذہب ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ واجب نہیں اور یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے جن کا اصول ہی یہ ہے کہ نذر اسی فعل کی واجب ہوگی جو شرعاً و عوداً واجب ہے اور چونکہ ان دونوں مسجدوں کا سفر شرعاً واجب نہیں، اس لئے ان کے نزدیک اس سفر کی نذر بھی واجب نہیں۔ لیکن اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ عبادات و طاعات کی نذر پوری کرنی چاہئے کیونکہ صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا:

”من نذر ان یطعم الله فلیطعه و من نذر ان یعصى الله فلیعصه
”جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی، چاہئے کہ اطاعت کرے اور جس نے نافرمانی کی نذر مانی، چاہئے کہ نافرمانی نہ کرے۔“

نا واجب کا عامل اور صحابہؓ کا ہم پلہ؟ رہا قبور انبیاء و صالحین کی زیارت کے لئے سفر، تو وہ نذر ماننے کی وجہ سے کسی امام کے نزدیک بھی واجب نہیں ہوتا۔ پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ جو ایسا کریگا، صحابہؓ کا ہم درجہ ہو جائیگا؟ خصوصاً ایسی حالت میں کہ امام مالکؒ اس قول تک کو بُرا اور مکروہ قرار دیتے ہیں کہ ”میں نے قبر نبویؐ کی زیارت کی۔“ اور یہ اس لئے کہ لفظ ”زیارت“ مجمل ہے جس میں بدعی زیارت بھی داخل ہے جو شرک کی قسم سے ہے۔

شرعی و بدعی زیارت: قبور انبیاء و مومنین کی زیارت، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا، دو قسم کی ہے: شرعی زیارت اور بدعی زیارت۔ شرعی زیارت سے مقصود نماز جنازہ کی طرح صاحب قبر پر سلام اور اُس کے حق میں دُعا ہوتی ہے۔ بدعی زیارت مُشرکین و مُبتدعین کی زیارت ہے، جو مُردوں سے دُعائیں کرنے اور متین ماننے جاتے ہیں، یا یہ سمجھتے ہیں کہ کسی بزرگ کی قبر کے پاس دُعا مانگنا، مسجدوں اور گھروں میں دُعا مانگنے سے افضل ہے، یا یہ کہ خدا کو ان کی قسم دلانا، یا

اُن کی ذات کے حوالہ سے سوال کرنا، مشروع اور قبولیتِ دُعا کا ذریعہ ہے۔ یہ بدعتی زیارت ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے۔

پس چونکہ لفظ ”زیارت“ مشتبہ و مجمل اور حق و باطل دونوں کو محتمل تھا اس لئے امام مالکؒ نے اسے ناپسند کیا اور ایسے الفاظ اختیار کئے جن میں اس طرح کا اشتباہ نہیں، مثلاً نمی صلعم پر سلام وغیرہ۔ امام مالکؒ کی اس رائے پر قبر نبویؐ کی زیارت والی حدیثوں سے اعتراض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ سب کی سب ضعیف بلکہ موضوع ہیں جن سے دین میں کوئی کام نہیں لیا جاسکتا۔

مَا بَيْنَ قَبْرِي وَمَنْبَرِي رَوْضَةٌ الحدیث: حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمَنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ

”میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے چمنوں میں سے ایک چمن ہے۔“ یہ نہایت صحیح و ثابت حدیث ہے لیکن بعضوں نے اسے بالمعنی روایت کر دیا ہے کہ ”ما بین قبری و منبری الخ“ (میری قبر اور میرے منبر کے درمیان) حالانکہ آپؐ نے یہ اُس وقت فرمایا تھا جب آپؐ زندہ موجود تھے اور قبر کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اسی لئے جب صحابہؓ میں آپؐ کی جائے دفن کے بارے میں اختلاف ہوا تو کسی نے بھی اس حدیث سے استدلال نہیں کیا، ورنہ اگر یہ حدیث لفظ ”قبری“ کے ساتھ اُن کے سامنے ہوتی تو نص شرعی کا کام دیتی اور کوئی جھگڑا پیدا نہ ہوتا۔ آپؐ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں دفن کئے گئے۔ پھر جب ولید بن عبد الملکؒ کی خلافت اور مدینہ پر عمر بن عبد العزیزؒ کی امارت کے زمانہ میں مسجد نبویؐ میں توسیع کی گئی تو ازواجِ مطہرات کے حجرے جو مشرق میں قبلہ کی طرف تھے خرید کر اُس میں ملا دئے گئے، حضرت عائشہؓ کا حجرہ بھی اُسی وقت سے مسجد میں داخل ہو گیا اور بیرونی دیوار ترچھی بنا دی گئی کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ

لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ وَلَا تَتَصَلَّوْا إِلَيْهَا

”نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ اُنکی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھو۔“

قبروں کو مسجد بنانا! اسی طرح قبروں کو مسجد قرار دینے یعنی قصد اُن کے قریب جاکر نماز پڑھنے سے منع کیا ہے، اگرچہ مصلیٰ خُدا ہی کے لئے نماز کیوں نہ پڑھ رہا ہو۔ پس جو لوگ انبیاء و صالحین کی قبروں پر جاتے ہیں تاکہ وہاں نماز پڑھیں یا دُعا کریں تو وہ بعینہ اُس حرام کے مرتکب ہوتے ہیں جس کی راہیں اللہ اور اس کے رسولؐ نے بند کر دی ہیں۔ ہاں مشروع سلام اور متوفی کے حق میں دُعا کے لئے جانا درست ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔

قبر شریف کے پاس جا کر دُعا طلب کرنا: پھر یہ کہ وفات کے بعد اور قبر شریف کے پاس آپؐ سے شفاعت و دُعا و استغفار کی درخواست کسی امام کے نزدیک بھی مشروع نہیں۔ ائمہ اربعہؒ اور اُن کے قدیم اصحاب نے اس کا کہیں ذکر نہیں کیا البتہ بعض متأخرین نے اس طرح کی بات کہی ہے اور ایک حکایت بھی بیان کی ہے کہ ایک بڑا قبر نبویؐ پر حاضر ہوا اور آیت **وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ لَعَتَوْا** پڑھی، پھر اُس نے خواب میں دیکھا کہ خدا نے اُسے بخش دیا۔

لیکن مجتہدین اصحاب مذاہب میں سے کسی ایک نے بھی اس طرح کی کوئی چیز بیان نہیں کی اور یہ لوگ بھی جو کچھ بیان کرتے ہیں، بلا کسی شرعی دلیل کے ہے، جس کا کوئی وزن نہیں۔ اور ظاہر ہے قبر کے پاس آپؐ سے دُعا و شفاعت و استغفار کی التجا اگر جائز ہوتی تو صحابہؓ اور تابعینؒ اسے سب سے پہلے جانتے اور اس پر سب سے پہلے کاربند ہوتے۔ نیز ائمہ اسلام اسے نقل و روایت کرتے۔

سلف صالح کا رویہ: امام مالکؒ نے کیا ہی خوب فرمایا: **لَا يَصِلُ آخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صِلَ أَوَّلُهَا** (اس اُمت کا آخر بھی اُسی سے درست ہو گا جس سے اس کا اوّل درست ہوا ہے) اور کہا ”اس اُمت کے اوائل سے مجھے یہ بات نہیں پچھنی۔“ پس ایسا امام جس کا یہ قول ہے کیا ایسا دین ایسا دیکھا کریگا جو سلف میں سے کسی سے بھی منقول نہیں اور اُمت کو حکم دے گا کہ انبیاء و صالحین سے اُن کی قبروں کے پاس دُعا و شفاعت و استغفار طلب کریں، ایک ایسی بات جو سلف صالح میں سے کسی نے بھی نہیں کی اور نہ کہی؟

(کتاب الوسیلہ: صفحات ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰)

مندرجہ بالا اقتباس میں علاوہ سرخیوں کے خط کشیدہ اور گہرے الفاظ میں جو بات بیان کی گئی ہے وہ درست نہیں۔ اگرچہ صحیح احادیث میں قبرستان میں پڑھنے کی جو مسنون دُعا بتائی گئی ہے اس میں مُردوں کے لیے سلام اور استغفار کے الفاظ منقول ہیں لیکن اس کے لیے خصوصی طور سے کسی قبر کی زیارت کے لیے جانا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اور یہ عقیدہ رکھنا کہ مردہ ہمیں دیکھ رہا ہے، ہمارا سلام سن رہا ہے، یہ تو قرآن کا انکار ہے اور قبر پرستی کی بنیاد۔ اسی طرح سے مذکورہ اقتباس کے بعد ابن تیمیہ نے نبی ﷺ کا سلام سننے، جواب دینے کے لیے روح لوٹا دینے جانے، فرشتوں کا سلام پہنچانے، درود پیش ہونے، وغیرہ کے بارے جو روایات نقل کی ہیں وہ سب کی سب قرآن کی مخالفت پر مبنی ہیں۔ یہ وہی روایات ہیں جن سے ابن تیمیہ کے امام مسلک احمد بن حنبل اور شاگرد رشید ابن قیم وغیرہ

نے استدلال کرتے ہوئے عودِ روح، عرضِ اعمال اور سماعِ موتی کے کفریہ و شرکیہ عقائد تعلیم کیے ہیں جن سے ہم قطعاً بری و بیزار ہیں۔ ان کی جو باتیں شریعت اسلامی کے مطابق ہیں، انہیں ہم تسلیم کرتے ہیں اور جو بات اس کے مخالف اور متضاد ہے اس سے ہم برأت کا اظہار کرتے ہیں۔

ہمارے موقف کی مخالفت میں لکھی جانے والی تحریروں میں اعتراض اٹھایا جاتا ہے کہ ایک طرف تو ابن تیمیہ اور ان کے امام کو کفریہ عقائد کا حامل قرار دیا جاتا ہے دوسری طرف انہی کی کتابوں سے حوالے بھی دیئے جاتے ہیں۔ واضح ہو کہ ایک ابن تیمیہ یا ان کے امام کیا، ہم تو ہر کسی کی تحریر و تقریر میں موجود حق کو تسلیم کرتے ہیں لیکن جس کسی نے بھی باطل کی ترویج و اشاعت کی، مسلک پرستوں کی طرح ہم آنکھ بند کر کے اس کو قبول نہیں کر لیتے بلکہ زبان و قلم سے اُس کی تردید و نفی کرتے ہیں اور اس کے باطل ہونے کا کھل کر اظہار کرتے ہیں کہ یہ ایمان کا تقاضا ہے اور رحمن کے بندوں کی شان ہے، کما قال:

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخُذُوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا (الفرقان: ۷۷)
”اور وہ لوگ کہ جب انہیں ان کے رب کی آیات سے نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے۔“

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ
فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿١﴾ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ
الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أَالْأَبَابِ ﴿٢﴾ (الزمر: ۱۸، ۱۷)

”اور جنہوں نے طاغوت کی بندگی سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف انابت اختیار کی، ان کے لیے بشارت ہے، پس میرے بندوں کو بشارت سناؤ جو بات کو سنتے ہیں اور ان میں سے احسن کی اتباع کرتے ہیں؛ یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی سمجھ دار ہیں۔“

کتاب ہذا کے رد میں لکھی جانے والی تحریروں میں مسلک پرست اپنے اکابرین کے اس باطل عقیدے کا دفاع کرتے ہوئے ان مذکورہ احادیث کے درست ہونے پر اصرار کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے یہاں بھی حسبِ معمول تیسرے چوتھے درجے کی ناقابلِ استدلال

روایات سے قبر نبوی کی زیارت کی فضیلت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور ان روایات کے ضعف کو دور کرنے کے لیے فنکارانہ چابکدستی دکھاتے ہوئے بڑے داؤ پیچ لگائے ہیں۔ محدثین نے اگر ان روایات کے راویوں پر جرح کی ہے تو اسے غیر وزنی، مبہم اور غیر مفسر قرار دے دیا ہے؛ لطیفہ یہ کہ اگر اشرف علی تھانوی صاحب کے بھانجے ظفر احمد عثمانی صاحب نے اگر ان میں سے کسی روایت کو درست قرار دے دیا تو اسے بھی لے لیا لیکن امام جوزی نے اگر اُسے صدیوں پہلے غلط کہا تو رد کر دیا! ان روایات کا ارسال اور راویوں کا منفرد و مجہول ہونا بھی انہیں کوئی ضرر نہیں دیتا!

علمائو نسوی نے بھی اپنی پیشہ ورانہ مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسی طرح چوتھے درجے کی روایات اور تفسیری اقوال کی بنیاد پر اس باطل کو حق ثابت کرنے کی سعی نامراد کی ہے۔ تمہید میں عرض کرتے ہیں کہ

”حضور اکرم ﷺ اپنی قبر مبارک میں بہ تعلق روح مجسّمہ زندہ ہیں..... اور قبر شریف میں روح اور جسد کے تعلق کی وجہ سے آپ ﷺ زائرین کا سلام سنتے ہیں اور جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ قبر کی یہ زندگی حق و سچ مسلمہ حقیقت ہے اور اسی زندگی کی وجہ سے بعد از سلام آپ ﷺ کی خدمت میں یہ درخواست کرنا بھی جائز ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ آپ ہمارے لئے وعاء مغفرت فرمائیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش فرمائیں کہ ہماری غلاں حاجت کو اللہ تعالیٰ پورا فرمائے وغیرہ وغیرہ اسی طرح اگر کسی شخص نے زائر کو کہا کہ بوقت زیارت حاضری میری طرف سے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرنا تو اس کی طرف سے سلام بھی پیش کرے اور یہ سب باتیں کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہیں چنانچہ چند دلائل ملاحظہ فرمائیں“ (صفحہ ۳۳۰)

اور اس کے بعد ”کتاب و سنت“ کے ان دلائل میں تفسیری اقوال پیش کیے جن میں سورۃ نساء کی آیت ۶۴ سے متعلق مفتی شفیع عثمانی کا یہ قول بھی ہے:

”یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لئے دعائے مغفرت کر دیں اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے (تفسیر معارف القرآن: ص ۵۹ ج ۲)۔“

ملاّ مجیب کی بھی فذکاری ملاحظہ فرمائیے! ان موصوف نے اپنے مسلکی بھائی کی مکھی پر مکھی مارتے ہوئے آیت مذکورہ سے یہی استدلال کرتے ہوئے پہلے راہ ہموار کی کہ ”جو کام دنیاوی زندگی میں جائز تھا وہ قبر کی زندگی میں بھی درست ہے ہر گز شرک نہیں شرک ہو تو دونوں زندگیوں میں ہو“ اور پھر اپنا مطلب کشید کرنے کے لیے اس آیت کو اپنے باطل استدلال کی خراپ پر چڑھا دیا کہ:-

”اگرچہ یہ آیت خاص واقعہ میں نازل ہوئی لیکن الفاظ میں عموم معتبر ہوتا ہے کیونکہ قرآن مجید قیامت تک عمل کے لیے آیا ہے تو اگر منافق مغفرت کی دعا آپ ﷺ سے کراتے تو اللہ قبول فرما کر مغفرت فرما دیتے اور ایمان بھی نصیب فرما دیتے تو مسلمان دعاء مغفرت کرائیں تو بھی یقیناً اللہ قبول فرما کر مغفرت فرما دیں گے اور جب آپ سے دعاء مغفرت کرانا دنیاوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور ذریعہ مغفرت ہے تو روضہ مبارک پر حاضر ہو کر دعاء مغفرت کی درخواست کرنا بھی ضرور ذریعہ مغفرت ہو گا کیونکہ آپ ﷺ قبر اطہر میں زندہ ہیں اور نزدیک سے سنتے ہیں۔“ (صفحہ ۶۰)

مقام حیرت ہے کہ مدرسوں میں برسوں اصول فقہ پڑھنے پڑھانے اور زندگی فقہی گتھیاں سلجھانے اور موٹا گفایاں کرنے میں بتانے والوں نے کس طرح بلا دلیل ایک ”خاص“ کو ”عام“ کر لیا اور لوگوں کو قبر پرستی کا لائسنس جاری کر دیا! ہم سے شرک کی تعریف کرنے کے طلبگاروں کو یہ بات شرک ہی نظر نہیں آتی کہ کوئی اللہ کی طرح حی لایموت رہے اور سمعی اسباب کے بغیر ہر ایک کی ہر وقت سنے!

ملاّ مجیب نے قبر نبوی کی زیارت سے متعلق زیر نظر غیر مستند روایات کے لیے ہمارے دیئے گئے ابن تیمیہ کے مذکورہ بالا حوالے پر اور ملاّ تونسوی نے عمومی اعتبار سے ہر اس

ضعیف روایت کے حوالے سے جس کے بارے میں ہمارے لٹریچر میں محدثین کی جرح نقل کی گئی ہیں، یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ ایک طرف تو ان لوگوں کو ”مشرک اور خلاف قرآن عقیدہ رکھنے والا کہتے ہیں“، دوسری طرف ان کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی کتابوں کے حوالے بھی دیتے ہیں!..... جیسا کہ ہم نے اپنے رسالے ”جل اللہ“ کے شمارہ ۵۲ میں ملاؤ نسوی کی مذکورہ کتاب کے ایک حصے کا تفصیلی جواب دیتے ہوئے بتایا، ملاؤ صوف نے یہ انداز اپنی کتاب میں ہر اس جگہ اختیار کیا ہے جہاں انہوں نے اپنے ان عقائد و نظریات کا دفاع کیا ہے جن کی تائید میں ان کی پیش کی جانے والی روایات کو ہم نے اسماء الرجال کے فن کے تحت جرح و تعدیل کی بنیاد پر ناقابل قبول ثابت کیا ہے۔ دین کو پیشہ بنا کر اس کی حرام کمائی کو جائز ٹھہرانے والی روایات ہوں یا تعویذ گنڈے کے شرک کو ثواب بتانے والی روایات، نبی ﷺ کی قبر کی زیارت پر شفاعت نبوی لازم بتانے والی جھوٹی روایات ہوں یا نبی ﷺ کو تخلیق کائنات کا سبب بتانے والی موضوع روایات، ویسے کے شرک کو جائز کرنے والی من گھڑت روایات ہوں یا قبر پرستی کے شرک کو فروغ دینے والی مختصرہ روایات، جہاں اور جس مقام پر ملائی کو اپنی پیش کردہ روایات کی صحت اس فن کے تحت متاثر ہوتی نظر آئی، وہیں انہوں نے اپنے اس حربے کو آزمایا اور یہ فنکاری دکھائی ہے! ہمارے لٹریچر میں مسلک پرستوں پر یہ بات پہلے ہی واضح کر دی گئی ہے کہ

”جن جرح و تعدیل کی کتابوں کے حوالے پیش کیے گئے ہیں وہ ان ”حضرات“ کی اپنی کتابیں نہیں ہیں بلکہ انہوں نے سلف کی کتابوں کا، جو کمیاب اور طویل تھیں، صرف اختصار پیش کیا ہے اور بس؛ باقی جہاں وہ قُلْتُ (میں کہتا ہوں) کہہ کر عبارت لاتے ہیں، وہ سلف کی جرح کی شدت کو کم کرنے یا ختم کرنے اور اپنے عقیدے کی حفاظت ہی کے لیے ہوتی ہے!“

(ایمان خالص: قسط دوم، صفحہ ۳۰)

اور ویسے بھی یہ اصول ہم صرف ان مسلک پرستوں کے باطل کو واضح کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں تاکہ انہیں بتائیں کہ دیکھو تمہارا باطل تو خود تمہارے ہی اصولوں پر پورا نہیں اترتا۔ اور ان اصولوں بلکہ تمام کتب ہائے فنون، شروح و تفاسیر، قرآن و حدیث، جو

انہی مسلک پرستوں کے ذریعے شائع ہوتے ہوئے ہم تک پہنچے ہیں، ان کو اگر ہم دینی امور میں مدد اور معاون سمجھ کر استعمال کرتے بھی ہیں تو نبی ﷺ کے اس فرمان کے تحت کہ:

”إِنَّ اللَّهَ يُؤَيِّدُ هَٰذَا الدِّينَ بِأَنزِلِ الْفَاجِرِ“^۷
 ”بیشک اللہ تعالیٰ فاجر آدمی کے ذریعے بھی اس دین کی مدد کرتا ہے۔“

مُلاحی نے اسی مذکورہ فنکاری میں یہ ایک نیا اصول بھی وضع کیا جس کی بنیاد پر ہر باطل حق اور ہر غلط صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔ مُلاحی نے قبر نبوی پر آکر سلام کرنے، گناہوں کی معافی چاہنے اور دعا کی درخواست کرنے سے متعلق ایک حکایت بیان کی اور اس کے بارے میں لکھا کہ

”قارئین کرام! یہ حکایت مشہور ہے، اس کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے اور جس روایت کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو جائے اس کی سند دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی وہ روایت خود بخود قابل قبول بن جاتی ہے۔“ (صفحہ ۳۳۳)
 ایک دوسرے مقام پر اس طرح گوہر افشانی فرمائی:

”ہو اپرست لوگ خواہ مخواہ فرق بیان کرنے والی احادیث کو ناقابل قبول بناتے ہیں ورنہ جن علماء اصول حدیث نے پہچان کے اصول وضع کئے ہیں مجملہ اصول یہ بھی ہے کہ جس حدیث کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو جائے، جس حدیث سے کوئی فقہ استدلال کرے اور جو حدیث مختلف سندوں سے مروی ہو تو وہ حدیث مقبول کے درجہ میں شمار ہو جاتی ہے خواہ وہ سند کے لحاظ سے ضعیف بھی ہو“ (صفحہ ۴۱۷)

مُلاحی موصوف نے اپنے اس نادر اصول کا کوئی حوالہ نہیں دیا، بہر حال اپنے اس خود ساختہ اصول کے تحت انہوں نے اپنے کفریہ شریک باطل عقائد و نظریات کے لیے پیش کی جانے والی ہر ضعیف، مردود و موضوع روایت کو مقبول بنا دیا ہے! مسلکی ہٹ دھرمی کی حد تو یہ ہے کہ ”لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ“ والی روایت جس کو ان کے اپنے ہم مسلک مُلاحی قاری نے ”موضوعات کبیر“ یعنی بڑی گھڑی ہوئی روایات میں بیان کیا ہے، مُلاحی تونسوی نے اپنی کتاب (صفحہ ۴۰۲) میں اپنے اسی مذکورہ اصول کے تحت اسے بالکل صحیح ثابت کر دیا!

اصول حدیث پر ابن حجر کی نخبۃ الفکر، محمود الطحان کی مصطلح الحدیث، صبحی صالحی کی علوم الحدیث وغیرہ کئی کتابیں دیکھیں مگر ملاً تونسوی کا تعلق بالقبول والا انوکھا اصول کہیں نہیں مل سکا۔ اگر یہ اصول اسی طرح ہے جس طرح ملاً تونسوی نے بیان کیا ہے تو پھر یاد رکھیے کوئی کفر بھی کفر نہ رہے گا، کوئی شرک شرک نہ رہے گا، کسی بدعت کی پھر کبھی نشاندہی نہیں کی جاسکے گی کیونکہ ہر وہ جھوٹی اور من گھڑت روایت جو یہ مسلک پرست، خواہ شیعہ ہوں یا وہابی، بریلوی ہوں یا دیوبندی، صوفی پیر ہوں یا مست مانگ، یا کوئی اور، اپنے باطل عقائد و اعمال کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں، ان کے نزدیک اس تعلق بالقبول کے مروجہ اصول کے تحت مقبول ہوتی ہے۔ مثلاً نظریہ امامت، تقیہ، متعہ، فضیلت علی والہدیت ﷺ، واقعات کربلا و حترہ، افک و فدک، وغیرہ سے متعلق پیش کی جانے والی شیعہ کی من گھڑت تمام روایات تعلق بالقبول کے اصول کے تحت مقبول ہیں اور ان کی سند معلوم کرنے ضرورت نہیں؛ اب دیوبندیوں کی ذیلی تنظیم سپاہ صحابہ کی ان کے خلاف محاذ آرائی بیکار ٹھہری..... الحمد للہ ان کے تقلید کے حرام بلکہ شرک ہونے، فاتح خلف الامام، آمین بالجہر، ممانعت ترک رفع الیدین، پیر پھیلا کر کھڑے ہونے، سینے پر ہاتھ باندھنے، وغیرہ جیسے ان کے مخصوص مسائل پر پیش کیا جانے ان کا موقف تعلق بالقبول کے اصول کے تحت مقبول ہے اور ان کے خلاف بریلویوں اور دیوبندیوں کی محاذ آرائی بیکار ٹھہری..... بریلوی مسلک کا انبیاء و اولیاء کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر ماننے، زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی مشکل کشائی اور تصرف فی الامور کی قدرت رکھنے، ان کی پیدائش اور وفات کے دنوں میں جشن منانے، عرس و میلے کرنے، مردوں کو ایصال ثواب کے لیے سوئم و چہلم وغیرہ کی تقریبیں منعقد کر کے دعوتیں اڑانے، وغیرہ جیسے عقائد و اعمال سے متعلق ان کا فرمانا اس تعلق بالقبول کے اصول کے تحت سب کچھ قابل تسلیم ٹھہرا اور ان کے خلاف محاذ آرائی بیکار ٹھہری..... یہ خود ساختہ اصول و ضوابط ہی ان کے بطلان کو واضح کرتے ہیں اور انہی کے ذریعے ان کی صحت کو جانچا اور پرکھا جاسکتا ہے۔

قبر میں نبی ﷺ کی حیات

علمائے دیوبند کے عقائد پر مبنی ان کی کتاب ”المہند علی المفند“ میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

”ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک نبی ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے، بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے نبی ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، یہ برزخی نہیں ہے، جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو۔“ (صفحہ ۲۲۱)

مولوی قاسم نانوتوی صاحب تو اس میں اتنا اضافہ اور کرتے ہیں کہ:

”رسول اللہ ﷺ کی حیات و نبوی علی الاتصال اب تک برابر مستمر ہے، اس میں انقطاع یا تبدل و تغیر جیسے حیات و نبوی کا حیات برزخی ہو جانا واقع نہیں ہوا۔“ (۱)

”بالجملہ مابین موت و حیات تقابل تضاد ہو یا تقابل عدم و ملکہ بہر حال ہرچہ باواہر رسول اللہ ﷺ اور مومنین کی موت میں بھی مثل حیات فرق ہے۔ ہاں فرق ذاتیت و عرضیت متصور نہیں۔ وجہ اس فرق کی وہی تفاوت حیات ہے یعنی حیات نبوی بوجہ ذاتیت قابل زوال نہیں اور حیات مومنین بوجہ عرضیت قابل زوال ہے، اس لیے وقت موت حیات نبوی از ازل نہ ہوگی ہاں مستور ہو جائے گی اور حیات مومنین ساری یا آؤھی زائل ہو جائے گی۔“ (۲)

”حیات و بدن نبوی صلعم قابل انفکاک نہیں.....“ (۳) *

”ارواح انبیاء کو بدن کے ساتھ علاقہ بدستور رہتا ہے پر اطراف و جوانب سے سمٹ آتی ہے اور اس لیے حیات جسمانی کو بہ نسبت سابق ایسی طرح قوت ہو جاتی ہے جیسے ظرف مذکور کو رکھ دینے کے بعد چراغ کے شعلہ میں نورانیت بڑھ جاتی اور سکتہ میں ایسا ہو جاتا ہے جیسے فرض کیجیے چراغ ٹٹیمانے لگے اور گل ہونے کو ہو۔ بہر حال ارواح انبیاء کرام کو بدستور اپنے ابدان کے

(۱) آب حیات: صفحہ ۳۲

(۲) ایضاً: صفحہ ۱۸۳، ۱۸۵

★ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ نبی ﷺ کو تو موت ہی نہیں آئی بلکہ روح گویا سینے میں ہی اٹکی رہی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے معاذ اللہ اسی طرح زندہ دفن کر دیا۔ استغفر اللہ

(۳) ایضاً: صفحہ ۱۹۲

ساتھ تعلق رہتا ہے بلکہ کیفیت حیات بعد بوجہ اجتماع مدت اور ہی قوت آجاتی ہے اور مثل نور چراغ و ظلمت ظرف محیط حیات و موت و دونوں مجتمع ہو جاتے ہیں۔“ (1)

اشرف علی تھانوی صاحب نے اس میں مزید اضافہ فرمایا:

”نبی ﷺ کی قبر مبارک کے لیے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ خود روح سمیت موجود ہیں۔ صحابہ کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ حدیث میں بھی ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہیں اور رزق پہنچتا ہے۔“ (2) ★

اور ایک دوسری جگہ اس طرح لکھا:

”حضور ﷺ کی قبر مبارک کے لیے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود یعنی جسد مع تلبس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں۔“ (3)

دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین حسین احمد مدنی، جمعہ کے خطبہ ثانیہ میں لکھتے ہیں کہ

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَهُوَ فِي قَبْرِهِ سَيُّدُ الْبَغِيَّةِ مَنْ ذُكِرَتْ عِنْدَهُ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَى

”اور فرمایا انہوں نے جن پر صلوٰۃ و سلام ہو اور جو اپنی قبر میں زندہ ہیں، کہ جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر صلوٰۃ نہ پڑھے تو وہ بخیل ہے۔“ (4)

دیوبندی مسلک کے ایک ترجمان کا فتویٰ ملاحظہ ہو جو نام نہاد ”اشاعت التوحید والسنۃ“ والوں کے بانی حسین علی الوانی کے سند یافتہ ”خلیفہ“ ہیں:

”قرون اولیٰ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے لیکر آج تک جمیع علماء کرام کا اجماعی طور پر حیات النبی ﷺ کے متعلق جو عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت اقدس نبی کریم ﷺ اور سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں اور جسد غضری کیساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات و نبوی کے مماثل ہے۔ صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں۔ روضہ اقدس پر جو درود شریف پڑھے وہ

(1) نادر مجموعہ رسائل قاسم نانوتوی: (جمال قاسمی) صفحہ ۱۱، ۱۲

(2) بحوالہ ”الخير“، ستمبر ۱۹۹۱ء، صفحہ ۱۱

★ خط کشیدہ الفاظ صحابہ کرام ﷺ پر صریح بہتان ہیں۔ صحابہ کرام ﷺ کا تو اس کے برعکس وفات النبی ﷺ پر اجماع ہے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے اور یہ مذکورہ حدیث بھی درست نہیں، تفصیل آگے آرہی ہے۔

(3) اشرف الجواب: صفحہ ۲۵۸ (4) خطبہ الجمعة، صفحہ ۲۱، ۲۲

حیۃ النبی

صلی اللہ علیہ وسلم

کے متعلق

جمعیت اشاعتہ التوحید والسنہ پاکستان
کا

عقیدہ

نتیجہ فکر

استاذ العلماء شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طیب صاحب بی بی

شائع کردہ

(مولوی عصمت اللہ بن مولوی احمد سعید چتروڑی)

کبیروالا ضلع خانیوال

ذیل میں مسلک دیوبند کی ترجمانی کرنے والی تنظیم ”اشاعت التوحید والسنۃ“ کے اکابرین کے کچھ فتاویٰ کا عکس دیا جا رہا ہے جن میں نبی ﷺ کی حیات سے متعلق اپنے اکابرین کے موقف کو بیان کیا گیا ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

السوال

بخدمت اقدس شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طیب صاحب شیخ جری امیر جمعیت

اشاعت التوحید والسنۃ پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد خیریت طرفین من اللہ مطلوب۔ گزارش ہے کہ مولوی احمد سعید چترورتی اور مولوی محمد یونس نعمانی مولوی عبد الرحیم نظامی وغیرہ نے آج تک ہر جگہ جلسہ عام میں سماع درود و سلام عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائلین پر کفر کا فتویٰ دینا شروع کر دیا ہے یہ فتویٰ کفران کا انفرادی فعل اور فتویٰ ہے یا اشاعت التوحید والسنۃ کا بھی یہی عقیدہ ہے اور یہ فتویٰ کفر دینے والے اشخاص کون ہیں اور اشاعت التوحید والسنۃ میں ان کا کیا مقام ہے! سائل غصبت اللہ چترورتی کتبہ والاختیار (۱۰-۹-۷۷)

الجواب

مولوی احمد سعید چترورتی اور مولوی محمد یونس نعمانی اور مولوی عبد الرحیم نظامی وغیرہ کا جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ سے کوئی تعلق نہیں اور ان کا یہ فتویٰ انفرادی فعل ہے یہ اشخاص معتزلی مسلک ہیں جس سے جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ مولوی احمد سعید اور مولوی محمد یونس نعمانی اور عبد الرحیم نظامی وغیرہ کا قائلین سماع درود و سلام عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم و حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فتوٰ کفر دینے کی وجہ سے خود

کفر دہنچے ہیں اس لئے ایسے گمراہ اشخاص کی تقریریں سننا گمراہی کا سبب بنتی ہیں۔ ہم مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ایسے اشخاص کی مجلسوں سے احتراز کریں۔

بیعت اشاعت التوحید والسنہ کے دستور کی مطابق جو لوگ سماع درود و سلام عند القیوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل ہیں وہ مسلمان ہیں جس دستور پر جو طریقہ سید منائت اللہ شاہ صاحب بخاری گجرات اور مولانا قاضی غس الدین صاحب گو جراتوالہ "سید سجاد حسین بخاری حافظ آباد" مولانا عبد الغنی جاجروی رحیم یار خان "مولوی محمد امیر میاں لاوی" مولوی محمد حسین نیلوی سرگودھا "مولوی عبدالرزاق" و اس کے بعد "اس" مولوی احسان الحق ابن شیخ القرآن سید ضیاء اللہ شاہ بخاری خود مولوی احمد سعید چتروری وغیرہ کے دستخط موجود ہیں دیکھ لیں اس دستور میں یہ بھی فیصلہ موجود ہے کہ ہم سماع عند القیوم کے قائلین کو بھی کافر نہیں کہتے جو ان کو کافر کہے اس کا ہماری جماعت اشاعت التوحید والسنہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

سنہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم و سماع النبی میں بیعت اشاعت التوحید والسنہ کا وہی عقیدہ ہے جس کو اس جماعت کے بانی شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ صاحب اور مولانا قاضی نور محمد صاحب نے لکھا ہے۔ اور لکھ کر اس پر دستخط بھی کر دیئے ہیں۔ وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر شریف کو بزرخ (قبر شریف) میں یہ تعلق روشن حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا صلوة و اسلام آپ خود سنتے ہیں۔ (تعلیم القرآن ۲۲۲ جون ۱۹۶۲ء)

اس کے علاوہ دارعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی کے مفتی عبدالرشید صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں جس کی تصدیق و توثیق کے لئے حضرت شیخ القرآن کے دستخط بھی ملتے ہیں۔ اکابر علماء دیوبند نے اپنی تحریروں میں تصریح کی ہے کہ عند القیوم انبیاء علیہم السلام کا سماع بلاشبہ ثابت ہے خصوصاً "سید الانبیاء کا مقام بہت بلند ہے اور آپ کے سماع میں تو کچھ شبہ ہی نہیں۔

مفتی عبدالرشید ۷ صفر ۱۳۷۷ھ

الجواب صحیح

واقفی اکابر علماء دیوبند سماع درود و سلام عند القیوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فاکر ہیں یہی ہمارا عقیدہ ہے۔

لاشعنی غلام اللہ ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳

احقر محمد طیب عن اللہ عنہ شیخ پوری

امیر بیعت اشاعت التوحید والسنہ پاکستان

دار معین الہدایہ ک ۷۷۹ھ



باسمہ تعالیٰ! مجھ کو بہت محترم حضرت شیخ القرآن صاحب مصلحہ تعالیٰ
 السلام علیکم رحمہ اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وہ دعویٰ ہوں کہ شیخ سرگرمیوں میں حضرت مولانا احمد سعید صاحب بقیام کو اپنی شان تقریری کر رہا ہے اور وہ
 اشاعت تقریریں اس لئے کر رہا ہے کہ اس کے پیروں میں بڑی نفرت اور کشمکش پیدا ہوئی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ایک
 ایک ہے اور ایک دوسرے کے پیروں میں کھلم کھلا جھگڑا ہے اس لئے کہ مخالف ہیں۔ لہذا حضرت والا سے درخواست ہے کہ آپ کے فتویٰ پر ایک کتاب لکھی کہ قرآنی
 تحفہ ہے۔ آپ میری فکر کو مزید ذہن سواں پر کشی فرمائی تاکہ تاریکی دور ہو سکے اور میری دعا ہے کہ وہ قرآنی اور حقیقت اعلیٰ اس
 دُعا کے حق رکھتے ہیں اور کئی آدمی اشاعت تقریر کی حمایت کرتے ہیں۔

سوال ۱۔ خوشنصیب کتب کو بیچے یا کھلائے یا خود کرے اور اس سے جائز ہے وہ بالکل کافر ہے جیسے مرثاوی کافر ہیں۔

۲۔ جو شخص ایک کتب کو بیچے یا کھلائے یا خود کرے یا شہر سے باہر بیچے یا قید تیار کرے یا اللہ تعالیٰ کو دقت اور غم پہنچا دے تو

وہ دوسرا کتب سے جسے اس مقصد والا بھی کافر ہے

۳۔ جو شخص دوسرا کتب سے جسے خرید کر فروخت کرے یا بیچا جائے۔

بھلا حضرت والا سے دعا ہے کہ اور اتفاق کرنا نہ آئے اور اگر کسی کو ایسا کرنا ہو تو قرآنی کتب کے حوالی سے بازار مال خود سے ہے

بہار مہکتہ کی صفحہ سلیم چاکر نیرا شوال، لٹرال ایک نیرا چھوٹا لٹرا

الجواب للہ الموفق للصواب

۱۔ سادات و بزرگش کے قائل ہیں حضرت مولانا رشید احمد گیلانی اور حضرت تھانی اور دیگر علماء و بزرگش کے قائل ہیں کہ ان کے نزدیک

۲۔ ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ اس کا انکار نہیں ہے اور قائل کہ اگر ان کو قرآنی جہالت ہے

۳۔ نہایت اہل علم و عارف کے وقت پر غیر اہل علم و عارف سے خود کتب خریدنا درست ہے اور سادات و بزرگش کے قائل ہیں کہ اس کا

۴۔ بھی جہالت ہے۔ تاکہ اگر کوئی قرآنی بازار نہ ملے تو کتب

۵۔ یہ بھی جہالت ہے۔ اور اگر کوئی کتب نہیں ہے ایسے شخص کی تقریر نہ سمجھنا۔ ہے اور اگر ان پر لازم ہے کہ انہیں ان کے بزرگوں اور

صحت سے چہیز کریں۔ خدا و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

جلد ۱۲ شیعہ تحفہ قرآن دارالعلوم تحفہ قرآن بازار راولپنڈی

۳۰ جمادی الاول ۱۳۹۵ھ

التألیف
 عبد اللہ بن عبد الرحمن

منہاج نبی شیعہ تحفہ قرآن دارالعلوم تحفہ قرآن بازار راولپنڈی

بریلوی مسلک کے ”مجدد“ نے تو یہاں تک کہدیا کہ:

”انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات حقیقی، حسی، دنیاوی ہے۔ ان پر تصدیق وعدۃ الہیہ کے لیے محض ایک آن کو موت طاری ہوتی ہے پھر فوراً ان کو ویسے ہی حیات عطا فرمادی جاتی ہے۔ اس حیات پر وہی احکام و بیویہ ہیں: ان کا ترک نہ بانٹا جائے گا، ان کی ازواج کو نکاح حرام، نیز ازواج مطہرات پر عدت نہیں۔ وہ اپنی قبور میں کھاتے پیتے، نماز پڑھتے ہیں، بلکہ سیدی محمد بن عبدالباقی زرقانی فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں، وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔“ (1)

یہی وجہ ہے کہ یہ فرقہ و مسلک پرست لوگ جو درجہ مدینے میں قبر نبوی پر اپنی اور دوسروں کی جانب سے درود و سلام کے نذرانے پیش کرتے ہیں، شفاعت کی دعا کرتے ہیں، مبالغے کی حد تک ادب کرتے ہیں، کچھ لوگ مصافحے کے لیے مصر ہوتے ہیں اور بعض تو ان کے بقول کر بھی لیتے ہیں مثلاً جامی و رفاعی صاحبان، (2) بعض کو سلام کا جواب بھی ملتا ہے، (3) بعض لوگ وہاں سے علم کے ”خزانے“ لے کر آتے ہیں جیسے شاہ ولی اللہ صاحب، (4) اور بعضوں کو کوئی اور چیز مل جاتی ہے مثلاً دودھ، روٹی، چاول، وغیرہ! (5) قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو حقیقت اس کے برعکس نظر آتی ہے۔

تران

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ﴿۳۰﴾ (الزمر: ۳۰)

”اے نبی آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں۔“

وَمَا جَعَلْنَا لِيَشْرِيَنَّ قَبْلَكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمْ الْخَالِدُونَ ﴿۳۱﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (الانبیاء: ۳۴)

(1) ملفوظات مجدد مائتہ حاضرة: حصہ سوم، صفحہ ۳۲

(2) فضائل درود: صفحہ ۱۲۶/ فضائل حج: صفحات ۱۶۶، ۱۶۷

(3) فضائل درود: صفحہ ۱۲/ ”البلاغ“ بابت صفر ۱۳۹۷ ہجری: صفحہ ۱۰۱

(4) تذکرہ شاہ ولی اللہ: صفحہ ۱۲۸ نیز شاہ ولی اللہ کی تصنیفات فیوض الحرمین، حجة اللہ البالغہ، وغیرہ

(5) فضائل درود: صفحہ ۱۲۱/ فضائل حج: صفحات ۱۶۴، ۱۶۵/ شاہ ولی اللہ کی تصنیف درثمین (انیسویں حدیث)، وغیرہ

”(اے نبی!) ہم نے تم سے پہلے بھی کسی بشر کو پیشگی نہیں دی۔ اگر تم کو موت آگئی تو کیا یہ لوگ ہمیشہ جیتے رہیں گے؟ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔“

كُلُّ شَيْءٍ عَالِمٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص: ۸۵) ”ہر شے ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس (اللہ) کی ذات کے“
 كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿١٦﴾ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿١٧﴾ (الرحمن: ۲۷، ۲۸)
 ”جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکات) جو صاحب جلال و عظمت ہے باقی رہے گی۔“

ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ ﴿١٨﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ تُبْعَثُونَ ﴿١٩﴾ (المومن: ۱۵، ۱۶)
 ”پھر اس زندگی کے بعد تم کو موت آکر رہے گی، پھر اس کے بعد قیامت کے دن (دوبارہ) اٹھائے جاؤ گے“
 وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٢٠﴾ (المومن: ۱۰۰)

”اور ان سب (مرنے والوں) کے پیچھے دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک برزخ حائل ہے۔“
 وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٢١﴾
 أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٢﴾ أَتَىٰانَ يُبْعَثُونَ ﴿٢٣﴾ (النحل: ۲۰، ۲۱)
 ”اللہ کے علاوہ جن دوسری ہستیوں (انبیاء اور اولیاء) کو وہ لوگ (حاجت روائی) کے لیے پکارتے ہیں، کسی چیز کی بھی خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں۔ وہ مردہ ہیں، زندہ نہیں (ان میں جان کی رت تک باقی نہیں) اور انہیں تو یہ تک نہیں معلوم کہ انہیں دوبارہ کب اٹھایا جائے گا۔“

مندرجہ بالا آیات واضح کر رہی ہیں کہ ہر وہ چیز جس کے اندر جان ہے اس کے لیے موت بھی ہے، اور اس میں کسی کا کوئی استثنیٰ نہیں، نہ انبیاء کا نہ اولیاء کا، کیونکہ خلقی و نوعی اعتبار سے وہ دوسرے انسانوں ہی کی طرح ہوتے ہیں۔^(۱)

سورہ نحل کی مذکورہ بالا آیات کے متعلق لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ تو بتوں کے متعلق ہیں، حالانکہ یہ انسانوں ہی کے متعلق ہیں کیونکہ انہی کو دوبارہ اٹھایا جائے گا اور انہی کا حساب کتاب ہو گا ورنہ کیا بتوں کو بھی زندہ کیا جائے گا اور ان سے ان کے اعمال کا حساب لیا جائے گا

(۱) سورۃ یوسف: ۱۰۹/ النحل: ۲۳/ بنی اسرائیل: ۹۳/ الانبیاء: ۷۰/ الفرقان: ۲۰/ الکہف: ۱۱۰/ حم السجدة: ۶

جبکہ وہ تو کچھ کر ہی نہیں سکتے؟ زندہ وہی شے کی جائے گی جو اس سے پہلے بھی زندہ تھی۔ موت و حیات تو جن وانس و حیوان کے لیے ہی ہے، بے جان بتوں کو زندہ کرنا چہ معنی دارد؟ مزید یہ کہ سورۃ الاعراف میں فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادًا أَمْثَلُكُمْ (الاعراف: ۱۹۳)

”وہ ہستیاں جن کو تم اللہ کے سوا (حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے) پکارتے ہو وہ تو تمہاری طرح اللہ کے بندے ہیں (یعنی انسان)۔“

اس شرکیہ عقیدے کے حاملین فوراً یہ آیت پیش کر دیتے ہیں کہ:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ (البقرہ: ۱۵۳)

”اور انہیں مردہ نہ کہو جو اللہ کی راہ میں قتل کیے جائیں، وہ زندہ ہیں، مگر تمہیں اس کا شعور نہیں۔“

اور اس سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کا درجہ چونکہ شہید سے کہیں زیادہ ہے اس لیے وہ بھی زندہ ہیں۔ اللہ کا فرمان سر آکھوں پر۔ قرآن کے ایک حرف کا بھی منکر کا فر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ (اپنی دنیاوی حیات پر ان کو قیاس نہ کیا جائے) ان کو ایک خاص حیات دی گئی ہے جس کا تمہیں شعور نہیں ہے (کیونکہ اگر یہ دنیاوی حیات ہوتی تو شعور لازماً ہوتا اور نفی کی ضرورت ہی نہ پڑتی)۔ ثابت ہوا کہ یہ حیات برزخی ہے، دنیاوی نہیں (جبکہ مسلک پرستوں کی مندرجہ بالا تحریروں میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ حیات دنیاوی ہے، برزخی نہیں)۔ دوسری جگہ فرمایا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ (آل عمران: ۱۶۹)

”اور انہیں مردہ نہ خیال کرو جو اللہ کی راہ میں قتل کیے جائیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں“

مسلم کی روایت کے مطابق شہداء کو اڑنے والے سبز جسم عطا کیے جاتے ہیں اور وہ عرش الہی کے نیچے معلق قدیلوں میں قیام کرتے ہیں۔^(۱) ورنہ شہید اگر دنیا میں زندہ ہوتے تو ان کی بیواؤں کی شادیاں کیونکر جائز ہوتیں اور ان کی میراث کیسے تقسیم ہوتی۔ فرقہ پرست

(۱) صحیح مسلم جلد ۵، کتاب الامارات، باب فی بیان ان ارواح الشهداء فی الجنة احياء عند ربهم يرزقون، صفحہ ۱۶۲

لوگ یہی باتیں فوراً نبی ﷺ کے متعلق کہنا شروع کر دیتے کہ نبی ﷺ زندہ ہیں اسی لیے تو ان کی میراث تقسیم نہیں ہوئی اور ان کی ازواج مطہرات رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ کا نکاح ثانی بھی نہیں ہوا، جیسا کہ قاسم نانوتوی وغیرہ صاحبان نے لکھا:

”انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ کو بعد مرگ بھی وہی تعلق اپنے اجسام سے رہتا ہے جو قبل مرگ تھا یہی وجہ ہے کہ اُن کے اجساد مثل اجسام احياء پھوٹے پھٹتے نہیں چنانچہ احادیث میں موجود ہے اور یہی وجہ ہے کہ اُن کے ازواج مثل ازواج احياء اوروں سے نکاح کرنا اختیار نہیں رکھتے اور یہی وجہ ہے کہ اُن کے اموال کو مثل اموال احياء اُن کے وارث تقسیم نہیں کر سکتے۔“ (1)

”بقاء اجساد کا انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے ضروری ہونا اور سوا اُن کے اوروں کے لیے ضروری نہ ہونا اور ازواج انبیاء کرام علیہم السلام کو نکاح ثانی کی اجازت کا نہ ہونا اور اوروں کی ازواج کے لیے اس اجازت کا ہونا اور اموال انبیاء کرام علیہم السلام میں میراث کا جاری ہونا اور اوروں کے اموال میں جاری ہونا اس پر شاہد ہے کہ ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا فقط مثل نور چراغ اطراف و جوانب سے قبض کر لیتے ہیں یعنی سمیٹ لیتے ہیں اور سوا اُن کے اوروں کی ارواح کو خارج کر دیتے ہیں اور اس لیے سماع انبیاء کرام علیہم السلام بعد وفات زیادہ تر قرین قیاس ہے اور اسی لیے اُن کی زیارت بعد وفات بھی ایسی ہی ہے جیسے ایام حیات میں احياء کی زیارت ہوا کرتی ہے اور اس وجہ سے یوں نہیں کہہ سکتے کہ زیارت نبوی ﷺ مثل زیارت مسجد زیارت مکان ہے اور اسی وجہ سے بحکم لَا تَشْدُوْا الْمَيِّتَیْنِ وہاں اس اہتمام سے جانا ممنوع ہے بلکہ وہ زیارت مکان نہیں زیارت ملیں ہے۔“ (2)

”بعد انقطاع علاقہ جسمانی ازواج و اموال کے ساتھ جو علاقہ تھا، بدرجہ اولیٰ منقطع ہو جائے گا، اور باوجود حیات شہداء ان کی ازواج کو مثل ازواج دیگر مومنین امت بعد انقضائے عدت اختیار نکاح ہوگا، اور ان کے اموال متروکہ میں میراث بدستور معلوم جاری کی جائے گی۔ ہاں علاقہ حیات انبیاء علیہم السلام منقطع نہیں ہوتا۔ اس لیے ازواج نبوی صلعم اور نیز اموال نبوی صلعم بدستور آپ کے نکاح اور آپ ہی کی ملک میں باقی ہیں۔ اور اغیار کو اختیار نکاح ازواج اور ورثہ کو اختیار تقسیم اموال نہیں۔“ (3)

(1) جمال قاسمی، صفحہ ۱۰

(2) جمال قاسمی: ۱۵، ۱۴

(3) آبِ حیات: صفحہ ۱۹۴

”انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں لہذا ان کی ملک باقی رہتی ہے۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ کی بیبیوں سے کسی کے نکاح کرنے کی قرآن پاک میں صاف لفظوں میں ممانعت وارہے۔“ (1)

حالانکہ اس کا جواب تو خود قرآن میں اللہ نے اور حدیث میں رسول ﷺ نے دے دیا:

اَلنَّبِيُّ اَوَّلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهُ اَمْهَاتُهُمْ (الاحزاب: ۶۰)
 ”پیغمبر مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں، اور پیغمبر کی بیویاں انکی مائیں ہیں“

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهَا
 اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا (الاحزاب: ۵۳)

”اور تم کو زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے رسول کو اذیت دو اور نہ ہی یہ کہ اس کی بیویوں سے اس کے بعد کبھی نکاح کرو۔ اللہ کے نزدیک یہ گناہ عظیم ہے۔“

نبی ﷺ کا ترکہ اس لیے تقسیم نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے:

لَا نُوْرَثُهُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةً

”ہم کسی کو وارث نہیں بناتے، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔“ (2)

لہذا ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کے نکاح ثانی کے ناجائز ہونے اور نبی ﷺ کی وراثت کی عدم تقسیم سے نبی ﷺ کی حیات فی القبر کا استدلال کرنا باطل ہے۔ نبی ﷺ جنت الفردوس کے اعلیٰ ترین مقام پر ہیں۔

حدیث

بخاری کی ایک طویل روایت کے مطابق نبی ﷺ کو خواب میں جبرئیل و میکائیل علیہما السلام نے آسمان میں مختلف مقاتل کی سیر کرائی۔ وہاں آپ نے اپنے سر کے اوپر معلق ایک بادل کے

(1) خصائص نبویہ بشرح شمائل ترمذی، صفحہ ۴۳۲

(2) صحیح بخاری، جلد ۳، کتاب الفرائض، باب ۸۵، فی الحوض، صفحہ ۶۲۸/موطا امام مالک: کتاب

الجامع، باب ۸۱ ماجاء فی تركة النبی ﷺ صفحہ ۶۹۴

مثلاً چیز کے متعلق پوچھا تو بتلایا گیا کہ یہ آپ کا مقام ہے۔ آپ نے اس میں جانا چاہا تو بتایا گیا کہ آپ کی عمر کا کچھ حصہ ابھی باقی ہے جسے پورا کر کے آپ اس میں آجائیں گے۔^(۱) اور نبی ﷺ وہ باقی حصہ پورا کر کے جنت الفردوس کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچ کر اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے ہیں (اس دنیاوی قبر میں نہیں ہیں)۔^(۲) بخاری ہی کی دوسری روایت کے مطابق وفات رسول ﷺ پر صحابہؓ میں مختلف آراء پائی جاتی تھیں۔ عمرؓ نے تلوار نکال لی اور کہا کہ جو کہے گا کہ رسول ﷺ فوت ہو گئے، میں اس کی گردن مار دوں گا۔ اس اثناء میں ابو بکرؓ پہنچ گئے، آپ نے پیشانی رسول کو بوسہ دیا اور کہا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَذِيقُكَ اللَّهُ الْمَوْتَيْنِ أَبَدًا

”اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ آپ کو کبھی بھی دو موتوں کا مزہ نہ چکھائے گا۔“^(۳) ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں :

وَاللَّهِ لَا يَجْمَعُ اللَّهُ عَلَيْكَ مَوْتَيْنِ أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِي كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مَتَّهَا

”اللہ کی قسم! اللہ آپ پر دو موتیں جمع نہ کرے گا، جو موت آپ کے لیے لکھ دی گئی تھی بے شک وہ ہو چکی۔“ *

پھر آپ باہر نکلے اور خطبہ ارشاد فرمایا:

أَلَا مَنْ كَانَ (مِنْكُمْ) يَعْبُدُ مُحَمَّدًا أَصَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ مُحَمَّدًا

قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ (مِنْكُمْ) يَعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ

”سن لو! (تم میں سے) جو محمد ﷺ کی بندگی کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد ﷺ کو موت آگئی اور (تم

میں سے) جو اللہ ﷻ کی بندگی کرتا تھا تو اللہ ﷻ زندہ ہے، اسے موت نہیں۔“

پھر آپ نے سورۃ الزمر کی آیت^{۳۰} تلاوت کی:

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ”(اے نبی!) تم کو بھی موت آئے گی اور ان سب کو بھی موت آئے گی۔“

(۱) صحیح بخاری، جلد ۳، کتاب التعییر، باب ۱۰۹۹، تعییر الرؤیاء بعد صلوٰۃ الصبح، صفحہ ۸۱۹/۸۱۹، کتاب الجنائز، باب ۸۷، صفحہ ۵۹۷

(۲) ایضاً، کتاب الدعوات، باب ۶۲، دعاء النبیؐ، صفحہ ۵۳۳/۵۳۳، کتاب المغازی، باب ۵۵۲، آخر ما تکلم النبیؐ، صفحہ ۷۱

(۳) صحیح بخاری، جلد ۲، کتاب المناقب، باب ۳۸۷، صفحہ ۴۲

★ یعنی ایسا نہیں ہو گا کہ آپ ﷺ قبر میں جا کر دوبارہ زندہ ہو جائیں اور پھر قیامت میں تیسری دفعہ زندگی ملے!

پھر سورۃ آل عمران کی آیت^{۱۲۲} تلاوت کی :

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ
”محمد (ﷺ) اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول
گزرے ہیں، تو کیا اگر یہ مر جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو تم الٹے پیروں پھر جاؤ گے؟“

اس پر عمر رضی اللہ عنہ گھٹنوں کے بل گر گئے اور سارے صحابہ رضی اللہ عنہم رونے لگے۔^(۱)

اس طرح اس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا کہ واقعی اللہ کے رسول ﷺ فوت ہو کر اپنے رب
سے جا ملے ہیں اور اللہ کے قانون* کے مطابق قیامت سے پہلے دنیا میں زندہ نہیں کیے جائیں گے۔

کسی صحابی سے بھی بعد از وفات، حیات النبی کا عقیدہ ثابت نہیں۔ جو کوئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
سے عقیدہ حیات النبی بعد الموت وابستہ کرتا ہے وہ ان مبارک و عظیم ہستیوں پر تہمت لگاتا
ہے۔ حدیث کی کسی کتاب میں اس قسم کا کوئی باب موجود نہیں۔ آثار صحابہ بھی یہی ثابت
کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ اپنے رب کے پاس چلے گئے، ورنہ اگر کسی صحابی کا یہ عقیدہ ہوتا
کہ نبی ﷺ کو موت نہیں آئی تو وہ ہر گز نبی ﷺ کو دفن نہ کرتے۔ مردہ ہی دفن کیا جاتا ہے،
زندہ کو کوئی دفن نہیں کرتا۔ عام انسان بھی کسی زندہ مخلوق کو زمین میں نہیں دباتے تو افضل
البشر نبی ﷺ کو جان نثار کرنے والے صحابہ کیسے دفن کر سکتے تھے، جنہیں نبی ﷺ سے اتنی
محبت تھی کہ انہیں اتنا بھی گوارا نہ تھا کہ نبی کے ایک کانٹا بھی چبے۔ نہ ہی ان کا یہ عقیدہ تھا
کہ نبی ﷺ قبر میں جا کر زندہ ہو جائیں گے، ورنہ وہ کبھی بھی کسی کو آپ ﷺ کا غلیفہ نہ بناتے،
آپ ﷺ کے منبر اور مصلے پر قدم رکھنے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی، ہر مسئلے کا حل آپ ﷺ سے
دریافت کر لیتے، ہر مشکل میں آپ ﷺ سے رہنمائی حاصل کی جاتی، مثلاً اللہ کے رسول ﷺ کی
وفات کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ کو فتنہ ارتداد، ادنیٰ زکوٰۃ سے انکار اور نبوت کے جھوٹے
دعویداروں سے نپٹنا پڑا۔ بڑا کٹھن مرحلہ تھا، لیکن وہ، یا کوئی اور صحابی رہنمائی کے لیے

(۱) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الجنائز، باب ۸، الدخول علی المیت بعد الموت، صفحہ ۵۴۶

/ صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب المغازی، باب ۵۵۳، مرض النبی ﷺ ووفاته، صفحہ ۶۸

* ”اس زندگی کے بعد تم کو موت آکر رہے گی اور پھر قیامت کے دن ہی دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے۔“ (المومنون: ۱۶)

قبر نبوی پر کبھی بھی نہ آئے، کچھ بھی نہ پوچھا۔ جنگ جمل اور صفین میں پہلی دفعہ مسلمانوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا، امت کا اتحاد باقی نہ رہا، آپ ﷺ نے انہیں نہیں روکا۔ آپ ﷺ کے ذوالنورین صحابی مظلوم عثمان رضی اللہ عنہ بھوک پیاس کی حالت میں باغیوں کے ہاتھوں بے دردی سے شہید کر دیئے گئے، قاتلوں کو سزا بھی نہ دی گئی، آپ ﷺ نے کچھ بھی نہ کیا، کسی کو خواب میں بھی کوئی حکم یا مشورہ نہ دیا۔ محدثین کو فتنہ وضع حدیث سے سابقہ پڑا، اور صحیح احادیث کی چھان بین اور تلاش و جستجو میں انہوں نے خود کو ہلکا کر دیا۔ اگر نبی ﷺ زندہ ہوتے تو اس جانکاہی کی ضرورت ہی نہ پڑتی، قبر نبوی پر جا کر دریافت کر لیا کرتے کہ آیا یہ حدیث واقعی آپ ﷺ ہی کا ارشاد ہے یا من گھڑت ہے۔ غرض ایک سے ایک بڑے فتنے اور آزمائش سے یہ امت مسلمہ دوچار ہوئی لیکن کوئی ایک صحیح روایت بھی نہیں ملتی کہ کوئی صحابی یا تابعی وغیرہ رہنمائی کے لیے کبھی قبر نبوی پر آیا ہو۔

مسلک پرست لوگ اس سلسلے میں مؤطا امام مالک کی روایت پیش کر دیتے ہیں، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قبر نبوی پر آکر نبی ﷺ، ابو بکر رضی اللہ عنہ اور اپنے والد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر درود پڑھتے۔^(۱) اس سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس روایت میں راوی عبداللہ بن دینار کہتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان قبور پر سلام پڑھتے ہوئے دیکھا، پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اپنا انفرادی عمل تھا، دوسرے یہ کہ یہ سلام خطاب کے الفاظ سے نہیں دعائیہ تھا جو ہر مومن کو کیا جاسکتا ہے لہذا اس روایت سے استدلال درست نہیں، ویسے خطاب یہ الفاظ والی روایات درست بھی نہیں۔ آئندہ صفحات میں بیان کر دہ اَنَّا لَكَ لَا تَدْرِي مَا آخِذُتُوا بِغَدَلِكِ والی بخاری کی روایت بھی اس پر دال ہے کہ نبی ﷺ اس دنیاوی قبر میں زندہ نہیں بلکہ جنت الفردوس کے اعلیٰ ترین مقام الوسیلہ پر زندہ ہیں، ہمارے اور ان کے درمیان ایک برزخ حائل ہے،^(۲) اور ہمارا ان سے کوئی رابطہ نہیں، نہ خواب میں نہ بیداری میں، اور نہ اُن کو ہمارے حالات کا علم ہے۔

(۱) مؤطا امام مالک: کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ علی النبی، صفحہ ۳۴

(۲) المؤمنون: ۱۰۰

عقلی طور پر بھی اگر دیکھیں تو حیات فی القبر ثابت نہیں کیونکہ ہوا لازمہ حیات ہے، جس کے بغیر زندگی ممکن نہیں۔ منوں مٹی کے نیچے سانس کا عمل کس طرح جاری ہے اور اگر وہ زندہ بھی ہیں تو انہیں زندہ درگور کیوں کیا ہوا ہے؟ کیا یہ گستاخی رسول ﷺ کی انتہا نہیں؟ انہیں اُس انتہائی عزت و احترام کے ساتھ باہر نکالیں جو کہ نبی آخر الزماں ﷺ کے شایان شان ہے، تاکہ اس پر فتن دور میں امت کی رہنمائی ہو، اسلام اور مسلمانوں کا کھویا ہوا قار بحال ہو، گر اہی و ضلالت ختم ہو، آپس کے اختلافات دور ہوں، ہر طرف پھیلی ہوئی عداوت، کدورت و نفرت کی جگہ اخوت، موڈت و محبت لے لیں۔

غرض نقلی و عقلی، دونوں دلائل سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ وفات پا کر جنت الفردوس کے اعلیٰ ترین مقام میں پہنچ گئے ہیں اور مدینے کی قبر میں نہیں ہیں، اور جو انہیں قبر میں ”زندہ“ مانے اور ”مردہ“ کہنے کو گستاخی رسول شمار کرے تو وہ خود ہی گستاخی رسول کا مرتکب ہے! اس سے زیادہ گستاخی کیا ہوگی کہ آپ ﷺ کو جنت الفردوس کے اعلیٰ و ارفع مقام سے اتار کر دنیوی گڑھے میں ”زندہ درگور“ متصور کیا جائے؟ نہ صرف یہ بلکہ وہ نبی ﷺ کو اللہ کی دائمی صفت ”الحی“ میں شریک بھی کرتا ہے۔ اصل میں قبر میں حیات النبی ﷺ کا عقیدہ ہی قبر پرستی کے شرک کی جڑ ہے، جس کو بنیاد بنا کر لوگوں نے ہر مردے کو قبر میں زندہ تصور کر لیا ہے، پھر ان کی دہائی ہے، ان کے نام کے نذرانے ہیں، ان کی پکاریں ہیں، نیازیں ہیں، اور توحید کے دعویدار اس طرح اللہ وحدہ لا شریک کے ساتھ اس کے مردہ بندوں کو شریک کرتے ہیں۔

پیچھے دیئے گئے مجملہ الخیر کے اقتباس میں اشرف علی تھانوی صاحب نے جس حدیث کا ذکر کیا کہ ”آپ قبر میں زندہ ہیں اور رزق پہنچتا ہے“ وہ سنن ابن ماجہ کی مرسل روایت ہے کہ:

فَقَبْرِي اللَّهُ سَحَى يُرْزَقُ ”اللہ کا نبی زندہ ہے اور رزق دیا جاتا ہے۔“

مرسل ہونے کے علاوہ اس کے ایک راوی سعید بن ابی ہلال کو ابن حزم نے ضعیف کہا ہے اور ابو بکر ابن العربی المالکی کے نزدیک یہ روایت ثابت بھی نہیں ہے۔^(۱) اسی طرح بیہقی اور ابویعلیٰ کی

اس سلسلے میں پیش کی جانے والی روایت بھی درست نہیں اور ان کے راویوں پر سخت جرح کی گئی ہے۔ (۱) مسلم کی اس حدیث سے بھی جس میں نبی ﷺ کا سفر معراج میں موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھنا روایت کیا گیا ہے، قبر میں حیات النبی ﷺ کی دلیل لانا باطل ہے کیونکہ یہ واقعہ معراج کا ہے جو کہ ایک معجزہ تھا، اور معجزے کے ایک غیر معمولی فعل ہونے کی وجہ سے اسے بطور دلیل پیش نہیں کیا جاسکتا کیونکہ معجزہ عام قانون سے ہٹ کر ایک خارق عادت فعل ہوتا ہے۔ اسی سفر معراج میں نبی ﷺ نے جہاں موسیٰ علیہ السلام کو زمین پر قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں وہیں آسمان پر ان سے ملاقات کے وقت انہیں پہچان نہ سکے اور جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: مَنْ هَذَا يَا جِبْرِئِيلُ (اے جبرئیل! یہ کون ہیں؟) حالانکہ اس سے پہلے بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کراتے وقت بھی ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ (۲)

اور زمین کے لیے انبیاء علیہم السلام کے جسم کو کھانا حرام ہونے کی مسند احمد اور سنن ابو داؤد وغیرہ کی روایت سے حیات النبی ﷺ ثابت کرنا بھی درست نہیں کیونکہ یہ معلل روایت ہے، اس کے راوی حسین بن علی الجعفی نے اس میں تلبیس کرتے ہوئے ضعیف اور مجروح راوی عبد الرحمن بن یزید بن تمیم کی جگہ ثقہ راوی عبد الرحمن بن یزید بن جابر کا نام لے کر روایت کی ہے۔ اور عبد الرحمن بن یزید بن تمیم پر محدثین نے سخت جرح کی ہے۔ (۳)

نوٹ:- جس طرح حیات النبی ﷺ کا موضوع انتہائی حساس ہونے کی وجہ سے خاص اہمیت کا حامل ہے کہ فانی انسان کو غیر فانی رب کی طرح زندہ اور قائم و دائم سمجھنا شرک کا سبب بن کر قبر پرستی کا دروازہ کھولتا ہے، اسی طرح نبی ﷺ کو قبر میں زندہ ماننے والوں نے

(۱) میزان الاعتدال: جلد ۱، صفحہ ۲۴۱/ ابن حجر لسان المیزان: جلد ۲، صفحہ ۲۴۶/ تہذیب التہذیب:

صفحہ ۴۸۸/ تہذیب التہذیب: جلد ۱۰، صفحہ ۱۶۴/ لسان المیزان: جلد ۲، صفحہ ۱۷۵

(۲) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ کی پہلی حدیث، صفحہ ۳۳۸/ صحیح مسلم: جلد ۱، کتاب الفضائل، باب فضائل موسیٰ علیہ السلام، صفحہ ۱۷۱

(۳) التاريخ الكبير للبخاري: جلد ۳، صفحہ ۳۶۵/ التاريخ الصغير للبخاري: صفحہ ۱۷۵/ تہذیب

التہذیب: جلد ۶، صفحات ۲۹۵، ۲۹۶/ علل الحديث: جلد ۱، صفحہ ۱۹۷/ کتاب الجرح

والتعديل: جلد ۵، صفحات ۳۰۰، ۳۰۱

اپنے اس باطل عقیدے کے دفاع میں داؤ پیچ بھی زیادہ لگائے ہیں۔ چنانچہ ملا مجیب اور ملا تونسوی نے اس سلسلے میں وہ فنکاری دکھائی ہے کہ سخت حیرت ہوتی ہے اور مولویوں کے بارے میں مشہور اس مقولے پر یقین واثق ہو جاتا ہے کہ ٹلوں سے کوئی نہیں جیت سکتا کیونکہ یہ لوگ جب چاہیں حرام کو حلال کر دکھائیں اور جب چاہیں حلال کو حرام! لہذا ایسے جری اور نڈر لوگوں سے کیا کہا جاتا ہے جنہیں سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کہنے میں کوئی باک نہیں؛ جن کے لینے کے باٹ اور ہوتے ہیں اور دینے کے اور! ان مولویوں کی جرأت و بے باکی دیکھ کر ایک حکایت یاد آگئی: ایک کھٹو آدمی نے یہ شرط بدھ لی کہ اونٹ کی دُم نہیں ہوتی، اور گھر آکر بیوی کو بتایا۔ بیوی نے سر پیٹ لیا کہ ایک تو پہلے ہی کسی کام کے نہیں اوپر سے شرط بھی لگائی تو ایسی جس میں ہار تو بدیہی ہے۔ وہ شخص کہنے لگا کہ میں مانوں گا ہی نہیں کہ اونٹ کی دُم ہوتی ہے۔ بیوی نے کہا کہ اگر انہوں نے اونٹ کی دُم تمہارے ہاتھ میں دے دی تب کیا کرو گے۔ کہنے لگا کہ میں کہدوں گا کہ یہ دُم نہیں کچھ اور ہے! یہی حال ان مولویوں کا ہے۔

قبروں سے فیض

دیوبندی مسلک کا عقیدہ ہے کہ:

”مشائخ کی روحانیت سے استفادہ اور ان کے سینوں اور قبروں سے باطنی فیوض کا پہنچنا سوبے شک صحیح ہے، مگر اس طریقے سے جو اس کے اہل اور خواص کو معلوم ہے، نہ کہ اس طرز سے جو عوام میں رائج ہے۔“ (1)

بریلوی مسلک والوں کا کہنا ہے کہ:

”اولیاء کی کرامتیں اولیاء کے تصرف بعد وصال بھی بدستور ہیں ... الحمد للہ برزخ میں بھی ان کا فیض جاری اور غلاموں کے ساتھ وہی شان امداد و یاری ہے۔“ (2)

تمام علمائے دیوبند کے سرخیل حاجی امداد اللہ مہاجر کی صاحب، جن کی درج ذیل قسم کی باتوں کی وجہ سے بریلوی بھی انہیں اپنا ہم مسلک مانتے ہیں، اپنے پیر صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

”عمر نے وفات کی۔ جب حضرت نے یہ کلمہ فرمایا میں پٹی (میانہ کی) پکڑ کر رونے لگا۔ حضرت نے تشفی دی اور فرمایا کہ فقیر مرنا نہیں ہے۔ صرف ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال کرتا ہے۔ فقیر کی قبر سے وہی فائدہ حاصل ہوگا جو زندگی ظاہری میں میری ذات سے ہوتا تھا۔“

پھر خود اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ

”میں نے حضرت کی قبر مقدس سے وہی فائدہ اٹھایا جو حالت حیات میں اٹھایا تھا۔“ (3)

اور جب پیر صاحب کے ”مزار مقدس“ کی از سر نو درنگی کے متعلق ان سے پوچھا گیا تو فرمایا:

”کیا مضائقہ ہے بعض فقہا جائز لکھتے ہیں۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ میں کیسے منع کر دیتا۔ جس مزار سراپا انوار سے میں نے فیض حاصل کیا ہو، میرے نزدیک اس کی درستی و اصلاح تو فرض ہے۔“ (4)

شائد اسی لیے انہوں نے اپنی مثنوی ”غذائے روح“ کے اسی اشعار میں اپنے پیر نور محمد صاحب کے ”نور“ کی تعریفوں کے پل باندھتے ہوئے ان کے اس ”مزار سراپا انوار“ کی

(1) عقائد علمائے دیوبند اور حسام الحرمین : صفحہ ۲۲۷ (2) حیاۃ الموات : صفحات ۱۰۹، ۱۱۱

(3) امداد المشتاق : صفحہ ۱۱۳ (4) ایضاً : صفحہ ۱۱۸

شان میں اس طرح مدح سرائی فرمائی ہے (۱) (قارئین! اس سے پہلے آپ عنوان ۲ کے تحت حاجی صاحب کی اس ”نورانی شاعری“ کے ذریعے اس ”نور محمد“ کے مقام سے واقف ہو چکے ہیں):

ۛ جسکو ہووے شوق دیدار خدا اُنکے مرقد کی کرے زیارت وہ جا
ۛ اُس جگہ ہے مرقدِ پاکِ جناب سر جھکاتے ہیں جہاں سب شیخ و شاب
ۛ اعتقادِ دل سے جو جاوے وہاں اُسے سب اسرارِ باطن ہوں عیاں
ۛ دیکھتے ہی اُس کے مجھ کو ہے یقیں اُسکو ہو دیدارِ رب العالمین
ۛ کرتے ہی زیارت مزارِ پاک کی ہوویں ظاہر اُسے اسرارِ خفی
ۛ کیوں پھرے ہے جا بجا سر ملتا سایہ نور محمد میں تو آ

اسی لیے اپنی دوسری تصنیف میں اپنے مریدوں کو نصیحت کی کہ

”اولیاء اور مشائخ کی قبروں کی زیارت سے مشرف ہوا کرے اور فرصت کے وقت ان کی قبروں پر آکر روحانیت سے ان کی طرف متوجہ ہو اور ان کی حقیقت کو مرشد کی صورت میں خیال کر کے فیض حاصل کرے۔“ (۲)

ان سے پہلے شاہ ولی اللہ صاحب تو قبروں سے ”فیض“ کے حصول کا طریقہ بھی بتا گئے! ”فرمایا کہ جب قبرستان میں داخل ہو تو اِنَّا فَتَحْنَا دُور کَعْت میں پڑھے ★ پھر میت کی طرف سامنے ہو کر کعبہ معظمہ کو پشت دے کر بیٹھے پھر سورہ ملک پڑھے اور اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہے اور گیارہ بار سورۃ فاتحہ پڑھے پھر میت سے قریب ہو جاوے پھر کہے یارب یارب اکیس بار پھر کہے یاروح اور اس کو آسمان میں ضرب کرے اور یاروح الروح کی دل میں ضرب کرے یہاں تک کہ کشائش اور نور پاوے پھر منتظر رہے اس کا جس کا فیضان صاحبِ قبر سے ہو سکے دل پر۔“ (۳)

(۱) کلیات امدادیہ: صفحہ ۱۵۸

(۲) کلیات امدادیہ (ضیاء القلوب): صفحہ ۷۲

★ نبی ﷺ نے تو قبرستان میں صلوٰۃ ادا کرنے سے منع فرمایا ہے (جامع ترمذی: جلد ۱، ابواب الصلوٰۃ، باب ما جاء عن الارض کلھا مسجد الا المقبرۃ والحمام، صفحہ ۱۵۶/ابوداؤد: جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۷۳ فی المواضع التي لا تجوز فيها الصلوٰۃ، صفحہ ۲۹)

(۳) القول الجمیل: صفحہ ۸۵

ایک دوسری جگہ اس کو ذرا تفصیل سے بیان کیا: (1)

”جو نبی قبر پر آئے پہلے ایک دو گانہ اس بزرگ کی روح کے لیے ادا کرے * اگر سورہ فتح یاد ہو تو پہلی رکعت میں پڑھے اور دوسری رکعت میں قل هو اللہ پڑھے۔ اگر سورہ فتح یاد نہ ہو تو دونوں رکعتوں میں فاتحہ کے بعد پانچ پانچ دفعہ قل هو اللہ پڑھے۔ نماز کے بعد قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھ جائے اور آیت الکرسی ایک دفعہ اور کچھ ایسی سورتیں جو زیارت وغیرہ کے موقع پر پڑھی جاتی ہیں جیسے سورہ ملک وغیرہ پڑھے۔ اس کے بعد قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس پڑھے اس کے بعد فاتحہ کے بعد گیارہ دفعہ سورہ اخلاص پڑھے اور ختم کرے اور تکبیر پڑھے یعنی اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد پڑھے۔ تکبیر کے بعد سات دفعہ طواف کرے * اور اس میں تکبیر پڑھے۔ طواف دائیں طرف سے شروع کرے۔ پاؤں کی طرف اپنا رخسار رکھے اور میت کے منہ کے قریب آجائے۔ اکیس دفعہ یارب کہے۔ اس کے بعد پہلے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر یاروح کہے اس کے بعد دل میں ضرب کرے یاروح الروح۔“

تصوف کے مسائل پر مشتمل ”ہمععات“ نامی کتاب میں اس طرح نصیحت فرمائی:

”باروں طیبہ مشائخ متوجہ شو و برائے ایشان فاتحہ خواند ی زیارت قبر ایشان رود و از انجا بخند در یونہ

جس کا ترجمہ شاہ ولی اللہ پراٹھارٹی سمجھے جانے والے پروفیسر سرور صاحب نے اس طرح کیا کہ ”مشائخ کی پاک روحوں کی طرف توجہ کرے۔ ان پر فاتحہ پڑھے۔ ان کی قبروں کی زیارت کرے۔ اور ان بزرگوں کی ارواح سے جذب و شوق کی توفیق چاہے۔“ (2)

(”در یونہ“ کے معنی بھیک مانگنا ہیں، جسے مترجم نے اپنے تصرف سے ”توفیق چاہنا“ کر دیا جس میں وہ جذبہ نہیں رہتا جو مصنف موصوف نے تلقین کیا ہے)

غور فرمائیے، اللہ تو اپنے نبی ﷺ کو حکم دے کہ:

(1) الانتباه فی سلاسل اولیاء: صفحہ ۲۰۷

* جانتا چاہیے کہ ہر عبادت صرف اللہ کے لیے ہی ہو سکتی ہے (جیسا کہ سورۃ الفاتحہ اور اقیات میں اس کی تصریح کی گئی ہے) اور غیر اللہ کے لیے عبادت کی کوئی بھی شکل بجا لانا شرک کے ذمے میں آئے گا۔

★ یاد رہے کہ طواف بھی ایک عبادت ہے اور یہ بھی صرف اللہ کے لیے ہی کیا جاسکتا ہے۔ قبروں کے پھیرے لگانا مذہب اسلام کی تعلیم نہیں، نہ تو اللہ تعالیٰ نے اس کا کہیں حکم دیا اور نہ اس کے رسول ﷺ نے کبھی ایسا کیا۔

(2) ہمععات: صفحہ ۷۴

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا (الاعراف: ۱۸۸)
 ”کہدو کہ میں تو اپنی جان کے لیے بھی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔“

قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا (الحج: ۲۱)
 ”کہدو کہ میں تمہارے برے اور بھلے کا اختیار نہیں رکھتا۔“

مگر ان مسلک پرستوں کے نزدیک اللہ کے رسول ﷺ کی ذات تو درکنار، اپنے صوفی بزرگوں کی روحانیت سے ان کی حیات ہر بعد از موت ان کی قبروں سے بھی ”فیض“ پہنچنا درست ہے! حالانکہ یہ لوگ تو مر کر مٹی ہو گئے، * کسی کو کیا دے سکتے ہیں :

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادًا أَمْثَلُكُمْ (الاعراف: ۱۹۳)
 ”اللہ کو چھوڑ کر جن ہستیوں کو تم پکارتے ہو وہ تمہارے ہی جیسے بندے ہیں۔“

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٢٤﴾
 أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٢٥﴾ (الحج: ۲۰، ۲۱)
 ”اور وہ لوگ اللہ کے علاوہ جن دوسری ہستیوں (انبیاء و صلحاء وغیرہ) کو حاجت روائی کے لیے پکارتے ہیں (وہ تو) کسی چیز کی بھی خالق نہیں، بلکہ وہ تو خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں، زندہ نہیں (ان میں جان کی رمت بھی نہیں بلکہ) انہیں تو اتنا بھی شعور نہیں کہ انہیں (زندہ کر کے) دوبارہ کب اٹھایا جائے گا۔“
 قبروں میں پڑے ہوئے تو سن بھی نہیں سکتے:

وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنَ فِي الْقُبُورِ (فاطر: ۲۲)
 ”اور تم انہیں نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں۔“

کسی کو کیا دے سکتے ہیں، اور ان کے پاس ہے بھی کیا جو دے سکیں :

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ (فاطر: ۱۳)
 ”اللہ کو چھوڑ کر جن ہستیوں کو تم پکارتے ہو، وہ کھجور کی تھیلی کے چھلکے کی بھی مالک نہیں۔“

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍَ وَمَا لَهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ (۲۳۰)

”کہدو کہ پکارو ان ہستیوں کو جن کو تم نے اللہ کے بجائے کچھ سمجھ رکھا ہے، وہ تو آسمانوں اور زمین میں ایک ذرہ کی بھی مالک نہیں، اور نہ ان میں ان کی کچھ شراکت ہے، اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہی ہے۔“

ان کی حقیقت تو یہ ہے کہ

لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ وَإِنْ يَسْأَلْهُمْ الذُّبَابُ شَيْعًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ۖ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ (الحج: ۳۰)

”اگر یہ سارے جمع ہو جائیں تو ایک مکھی بھی ہرگز نہ بنا سکیں گے، اور (مکھی پیدا کرنا تو دور کی بات) اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو یہ اس سے اس کو چھڑا نہیں سکتے۔ کتنے کمزور ہیں یہ مانگنے والے اور وہ جن سے مانگا جا رہا ہے!“

مالک نے ایسی بے اختیار ہستیوں سے امیدیں رکھنے اور ان کو پکارنے کو بہت بڑی گمراہی کہا ہے:

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ
الْقِيَمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَفِلُونَ (الاحقاف: ۵)

”اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے، اور جو ان کی پکاروں سے بھی غافل ہوں۔“

اسی لیے مالک نے اس فعل سے سختی سے منع فرمایا:

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا
مِنَ الظَّالِمِينَ (یونس: ۱۰۶)

”اور اللہ کے علاوہ تم کسی ایسی ہستی کو نہ پکارو جو نہ تم کو نفع دے سکے نہ نقصان، پھر اگر تم نے ایسا کیا تو اسی وقت ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔“

اور تاکید کی حکم دیا کہ:

فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (المومن: ۱۳)

”پس تم اللہ ہی کو پکارو، دین کو اس کے لیے خالص کر کے، چاہے کافروں کو برا ہی کیوں نہ لگے“

کیونکہ نفع ہو یا نقصان ہر چیز کا دینے والا یعنی داتا صرف اللہ کی ذات ہے:

ہا یا رب تو ہے سب کا آقا سب کا مالک سب کا داتا

وہی سب کو سب کچھ دیتا ہے، اس کے سوا کوئی کسی کو کچھ نہیں دے سکتا۔ اس لیے صرف اسی سے سب کچھ مانگنا چاہیے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا بھی یہی فرمان ہے کہ:

لَيْسَ عَالٍ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ كُلَّهَا حَتَّى يَسْأَلَ شَيْعًا نَعْلُهُ إِذَا انْقَطَعَ...
...حَتَّى يَسْأَلَ الْإِلَهَ

”تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اپنے رب سے ہی اپنی تمام حاجتوں کا سوال کرے، یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اسی سے مانگے۔ یہاں تک کہ نمک بھی اسی سے مانگے۔“ (1)

إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَاعْلَمْ أَنَّ
الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ
كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ وَإِنْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ
قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجُفَّتِ الصُّحُفُ

”جب بھی تم سوال کرو تو اللہ ہی سے کرو، اور جب بھی مدد مانگو تو اللہ ہی سے مدد مانگو اور جان لو کہ اگر ساری امت تمہیں نفع دینے کے لیے جمع ہو جائے تو ہرگز کوئی نفع نہیں دے سکتی مگر جو اللہ نے لکھ دیا اور اگر جمع ہو جائیں تمہیں تکلیف دینے پر تو تمہیں کوئی تکلیف بھی نہیں دے سکتے مگر جو اللہ نے لکھ دی۔ (تقدیر لکھنے والے) قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور (اس کے) نوشتے سوکھ گئے ہیں۔“ (2)

یہی بات ہم روزانہ ہر صلوٰۃ میں دہراتے ہیں کہ

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (الفاتحہ: ۴)

”اے اللہ! ہم صرف اور صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔“
حدیث میں رکوع کے بعد اور ذکر بعد الصلوٰۃ میں نبی ﷺ کی دعا آئی ہے کہ:

اللَّهُمَّ لَا مَنَاعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطَى لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا جَبَدٍ
مِنْكَ الْجُدُ

(1) جامع ترمذی: جلد ۲، ابواب الدعوات کی آخری روایت، صفحہ ۲۰

(2) جامع ترمذی: جلد ۲، ابواب صفة القيامة، صفحہ ۱۲۵

”اے اللہ! جسے تو دے اسے کوئی روک نہیں سکتا، اور جسے تو نہ دے اس کو کوئی دے نہیں سکتا، اور کسی کی بھی کوشش تیرے آگے نہیں چلتی۔“ (1)

لیکن ان مسلک پرستوں کے نزدیک غیر اللہ سے فیض پہنچنا درست ہے، خواہ زندہ ہو یا قبر کا بے جان مردہ۔ یہیں سے قبر پرستی کی ابتدا ہوتی ہے۔ لوگ قبر والوں سے حصول فیض کی تمنائیں قبر پر مجاور بن کر بیٹھ جاتے ہیں، چلے کھینچتے ہیں، اور وہ حرکتیں کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات اور احکامات الہی کی دھجیاں بکھیر دیتے ہیں، الہ واحد کو چھوڑ کر ہزاروں الہ بنا لیتے ہیں، اولاد، وسعت رزق، ذریعہ معاش، زوج، وغیرہ اللہ سے مانگنے کے بجائے بے جان مردوں سے مانگ کر اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ ہر ”بزرگ“ کی قبر سے ان لوگوں کو تو حسب خواہش اولاد، رزق اور دو جہاں کی ”دولت“ مل جاتی ہے، مراد بر آتی ہے، جھولی بھر جاتی ہے، مگر وہاں پر ہر وقت قطار لگائے فقیروں اور بھکاریوں کو کچھ نہیں ملتا، اور وہ صاحب قبر سے مانگنے والوں ہی کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں، پیسے دو پیسے کا سوال کرتے ہیں، ان کی جھولی ہمیشہ خالی ہی رہتی ہے، اور وہ بھکاری کے بھکاری ہی رہتے ہیں، یہاں کا گدا کہیں کا بھی ”امام“ نہیں بنتا! *

مسلک پرستوں کو قرآن وحدیث کا فیصلہ منظور نہ ہو تو اپنے ہی مسلک کے ایک امام کا فیصلہ ملاحظہ کریں :

”امام ابو حنیفہؒ نے ایک شخص کو کچھ نیک لوگوں کی قبروں کے پاس آکر سلام کر کے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے قبر والو! تم کو کچھ خبر بھی ہے اور کیا تم پر اس کا کچھ اثر بھی ہے کہ میں تمہارے پاس مہینوں سے آرہا ہوں اور تم سے میرا سوال یہ ہے کہ میرے حق میں دعا کرو۔ بتاؤ تمہیں میرے حال کی کچھ خبر بھی ہے یا تم بالکل غافل ہو۔ ابو حنیفہؒ نے اس کا یہ قول سن کر اس سے دریافت کیا کہ قبر والوں نے کچھ جواب دیا۔ وہ بولا کہ نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے یہ سن کر کہا تجھ پر پھنکار! تیرے دونوں ہاتھ گرد آلود ہو جائیں! تو ایسے جسموں سے کلام کرتا ہے جو نہ

(1) صحیح مسلم : جلد ۲، کتاب الصلوٰۃ، باب ما یقول اذا رفع رأسه من الركوع، صفحہ ۷۵ / نیز کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ و بیان صفتہ، صفحہ ۱۳۹
* اشارہ اس شعر کی طرف ہے جو مسلک پرست اپنی نعتوں میں اکثر دہراتے ہیں:
ع دینے کے گدا دیکھے دنیا کے امام اکثر ... بدل دیتے ہیں تقدیریں محمد کے غلام اکثر

جواب ہی دے سکتے ہیں اور نہ وہ کسی چیز کے مالک ہی ہیں اور نہ آواز ہی سن سکتے ہیں۔ پھر ابوحنیفہؒ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی: وَمَا آتَا بِمُسْلِمٍ مِّنْ فِي الْقُبُورِ (فاطر: ۲۲) ”(اے نبی!) تم ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں کچھ نہیں سنا سکتے۔“ (تفہیم المسائل: صفحہ ۱۷۶)

لیکن قرآن وحدیث وفقہ سب کے فیصلے کے باوجود آپ دیکھیے کہ یہ لوگ مدد کے لیے کیسے غیر اللہ کی دہائیاں دیتے ہیں:

ط	یا معین الدین چشتی	پار لگاوے کشتی
ط	بگرداب بلا افتاد کشتی	مدد کن یا معین الدین چشتی
ط	یا بہاء الحق	بیرا دھک
ط	اے بابا شاہ کمال	پتر دیویں رتا لال
ط	ساڈا تے عبدالقادر ہے	سانوں ہو ر قادر دی لوڑ نہیں
۔	امداد کن امداد کن		ہر رنج و غم آزاد کن
۔	ور دین و دنیا شاد کن		یا غوث اعظم دستگیر
۔	شرک کہا کریں کہنے والے		کام نہیں مجھ کو ان سے
۔	جب مشکل پڑی میں نے پکارا		بابا شرف الدین پیر
۔	جو کچھ بھی مانگا آپ سے		اللہ سے وہ مل گیا
۔	باب اجابت آپ ہیں		حضرت اجالا شاہ ولی
۔	محروم اس در سے کوئی		زائر کبھی جاتا نہیں
۔	کانِ مروت آپ ہیں		حضرت اجالا شاہ ولی

.....

۔	کیوں نہ قاسم ہو کہ تو ابن القاسم ہے		کیوں نہ قادر ہو کہ مختار ہے بابا تیرا
۔	تیری قدرت تو فطریات سے ہے		کہ قادر نام میں داخل ہے یا غوث
۔	تصرف والے سب مظہر ہیں تیرے		تو ہی اس پر دے میں فاعل ہے یا غوث
۔	رضا کے کام اور رک جائیں حاشا		ترا ساکل ہے تو باؤل ہے یا غوث
۔	گدلے آمدے سلطان بامید کرم نلاں		تہی داماں مگر دانم اشقی یا رسول اللہ
۔	آہ یا غوثاہ یا غوثاہ یا امداد کن		یا حیوۃ الجود یا روح المناو امداد کن
۔	بیٹھتے اٹھتے حضور پاک سے		التجا و استعانت کیجیے

۱۔ یا رسول اللہ دہائی آپ کی گوشاہ اہل بدعت کیجیے
۲۔ غوث اعظم آپ سے فریاد ہے زندہ پھر یہ پاک ملت کیجیے

بریلوی مسلک کے لاتعداد شعراء کی کتابیں ایسی تحریروں سے بھری پڑی ہیں۔ صرف ان کے مجدد صاحب کے ہی ایک مجموعہ کلام ”حدا لفق بخشش“ میں ایسے سینکڑوں اشعار موجود ہیں، جن میں سے صرف چند اوپر نقل کیے گئے ہیں، جنہیں پڑھ کر ایک مومن کی زبان پر بے ساختہ وہ آیت آ جاتی ہے جو مشرکین کی طرف سے ایک معبود برحق و برتر کو چھوڑ کر خود ساختہ سینکڑوں جھوٹے الہوں کو پکارنے اور ان سے امیدیں اور آرزوئیں وابستہ کرنے پر شکوہ کرتے ہوئے اللہ رب العالمین نے قرآن میں بیان کی ہے کہ:

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ط (الزمر: ۳۶)

”کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے۔“

اور قرآن ہی میں بیان کر دہ وہ جوہری قول یاد آ جاتا ہے جو اللہ کے برگزیدہ پیغمبر یوسف علیہ السلام نے ان لوگوں کے سامنے پیش کیا تھا جو ایک اللہ کو چھوڑ کر بہت سے معبودانِ باطلہ کی بندگی میں لگے ہوئے تھے، اُس بے ہمتا ذات کے بجائے دوسروں پر بھروسہ کر کے انہیں مدد کے لیے پکارتے تھے:

ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرًا اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (یوسف: ۳۹)

”کیا (یہ بہت سارے) متفرق رب بہتر ہیں یا (وہ) ایک زبردست اللہ؟“

اللہ کو چھوڑ کر دوسری ہستیوں سے فیض کی تمنا رکھنے والوں کو مالک کا یہ ارشاد بھی پڑھ لینا چاہیے کہ

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ اَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ ط اتَّخَذَتْ

بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (الحکمت: ۳۱)

”ان لوگوں کا مثال جنہوں نے اللہ کے سوا (اوروں کو) کارساز بنا رکھا ہے، مکڑی کی طرح ہے،

کہ وہ بھی ایک گھر بناتی ہے اور کچھ شک نہیں کہ تمام گھروں سے کمزور مکڑی کا گھر ہے، کاش یہ

لوگ (اس بات کو) جانتے۔“

یہ بھی یاد رہے کہ الہند کی محولہ بالا عبارت میں مذکور مشائخ، روحانیت، استفادہ، باطنی فیوض، خواص، عوام، وغیرہ بھی ان کی لپٹی وضع کردہ اصطلاحات و اختراعات ہیں ورنہ قرآن و حدیث

میں ان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، بلکہ یہ قرآن و حدیث کے خلاف اور شریعت کی ضد دین طریقت کی انوکھی اور ملحدانہ تراکیب ہیں، اور صوفیاء کی محض فسوں کاریاں۔ قرآن و حدیث تو ایمان اور عمل پر زور دیتے ہیں جو شریعت اسلامی کے عین مطابق ہو، باقی اس کے سوا سب کچھ باطل ہے:

إِنَّ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا

”سب سے اچھا کلام اللہ کی کتاب ہے اور سب طریقوں میں عمدہ محمد اکا طریقہ ہے اور سب کاموں میں برا وہ کام جو نیا نکالا جائے۔“ (1)

وَكُلُّ مُحَدَّثَةٍ بَدْعَةٌ وَكُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ

”اور ہر نئی پیدا کردہ بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جہنم کی آگ میں لے جانے والی ہے۔“ (2)

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ

”جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات نکالی جو اس میں نہ تھی، وہ قاتل رو ہے۔“ (3)

مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ

”جو کوئی ایسا کام کرے جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ قاتل رو ہے۔“ (4)

مَنْ أَحْدَثَ حَدَّثًا فَعَلَيْهِ لعنةُ اللَّهِ وَالمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

”جس نے کوئی نئی بات نکالی تو اس پر لعنت اللہ کی، سارے فرشتوں اور انسانوں کی۔“ (5)

(1) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الاعتصام، باب ۱۲۰۹ الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ، صفحہ ۹۱۶

(2) سنن نسائی: جلد ۱، کتاب صلوة العیدین، باب ۹۴۸ کیف الخطبة، صفحہ ۵۲۸

(3) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الصلح، باب ۱۶۷۸، صفحہ ۱۰۷۸/صحیح مسلم: جلد ۵، کتاب

الاقضية، باب نقض الاحکام الباطلة، صفحہ ۳۴۸

(4) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب البيوع، باب ۱۳۳۶ النجش، صفحہ ۸۵۱/

صحیح مسلم: جلد ۵، کتاب الاقضية، باب نقض الاحکام الباطلة، صفحہ ۳۴۸

(5) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الحج، باب ۱۱۷۲ حرم المدينة، صفحہ ۷۱

وَمَنْ ابْتَدَعَ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٍ لَا يَرْضَاهَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ
الْإِثْمِ مِثْلُ اثْمِ مَنْ عَمِلَ بِهَا

”اور جس نے کوئی بدعت ایجاد کی تو اللہ اور اس کا رسول اس سے راضی نہ ہوں گے اور اس پر
ان سب لوگوں کا گناہ ہو گا جو اس بدعت پر عمل کریں گے۔“ (1)

در اصل قبروں سے فیض حاصل ہونے کی بنیاد حیات فی القبر کا شرکیہ عقیدہ ہے جس کے
موجود کے مطابق مردہ قبر میں جا کر زندہ ہو جاتا ہے۔ یہ قرآن کا سراسر انکار ہے، کیونکہ
مالک کا ارشاد ہے:

ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ تُبْعَثُونَ ﴿١٧﴾

(المومن: ۱۵، ۱۶)

”پھر اس زندگی کے بعد تم کو موت آ کر رہے گی پھر اس کے بعد تم قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے جاؤ گے“

لیکن مسلک پرست لوگ قرآن کے خلاف یہ عقیدہ اپنائے ہوئے ہیں اور مُصر ہیں کہ اسی
دنیاوی قبر میں مردے کی روح لوٹا دی جاتی ہے، یہیں سوال و جواب کا سلسلہ ہوتا ہے، اور
اسی گڑھے میں عذاب و ثواب، اذیت و راحت کے مراحل طے پاتے ہیں۔ ان کی کتابیں
پڑھیں، کتاب اللہ کا کیسا مذاق اڑاتی نظر آتی ہیں:

”شیخ نجم الدین اصفہانی مکہ مکرمہ میں ایک بزرگ کے جنازے میں شریک ہوئے۔ جب
لوگ ان کو دفن کر چکے تو تلقین کرنے والے نے قبر کے پاس بیٹھ کر تلقین کی۔ شیخ نجم الدین
ہنسنے لگے اور ان کی عادت ہنسنے کی بالکل نہ تھی۔ بعض خدام نے ہنسی کی وجہ پوچھی تو شیخ نے
جھڑک دیا۔ کئی دن بعد فرمایا کہ میں اس لیے ہنسا تھا کہ جب تلقین کرنے والا قبر پر تلقین کے
لیے بیٹھا تو میں نے ان بزرگ کو جو دفن کیے گئے تھے، یہ کہتے ہوئے سنا کہ دیکھو جی حیرت کی
بات ہے کہ ایک مردہ زندے کو تلقین کر رہا ہے۔“ (فضائل حج: صفحہ ۲۳۶)

”عرب کی ایک جماعت ایک مشہور سخی کریم کی قبر کی زیارت کو گئی۔ دُور کا سفر تھا۔
رات کو وہاں ٹھہرے۔ ان میں سے ایک شخص نے اس قبر والے کو خواب میں دیکھا۔ وہ اس

سے کہہ رہا ہے کہ تو اپنے اونٹ کو میرے بختی اونٹ کے بدلے میں فروخت کرتا ہے۔ (بختی اونٹ اعلیٰ قسم کے اونٹوں میں شمار ہوتا ہے، جو اس میت نے ترکہ میں چھوڑا تھا) خواب دیکھنے والے نے خواب ہی میں معاملہ کر لیا۔ وہ صاحب قبر اٹھا اور اس کے اونٹ کو ذبح کر دیا۔ جب یہ اونٹ والا نیند سے اٹھا تو اس کے اونٹ کے خون جاری تھا۔ اس نے اٹھ کر ذبح کر دیا (کہ اس کی زندگی کی امید نہ رہی تھی) اور گوشت تقسیم کر دیا۔ سب نے پکایا، کھایا۔ یہ لوگ وہاں سے واپس ہو گئے۔ جب اگلی منزل پر پہنچے تو ایک شخص بختی اونٹ پر سوار ملا جو یہ تحقیق کر رہا تھا کہ فلاں نام کا شخص تم میں کوئی ہے۔ اس خواب والے شخص نے کہا کہ یہ میرا نام ہے۔ اس نے پوچھا کہ تو نے فلاں قبر والے کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی ہے۔ خواب دیکھنے والے نے اپنا خواب کا قصہ سنایا۔ جو شخص بختی اونٹ پر سوار تھا، اس نے کہا کہ وہ میرے باپ کی قبر تھی۔ یہ اس کا بختی اونٹ ہے۔ اس نے مجھے خواب میں کہا ہے کہ اگر تو میری اولاد ہے تو میرا بختی اونٹ فلاں شخص کو دیدے، تیرا نام لیا تھا۔ یہ بختی اونٹ تیرے حوالے ہے۔ یہ کہہ کر وہ اونٹ دے کر چلا گیا۔ (اتحاف) یہ سخاوت کی حد ہے کہ مرنے کے بعد بھی اپنی قبر پر آنے والوں کی مہمانی میں اپنے اصل اونٹ کو فروخت کر کے آنے والوں کی مہمانی کی۔ باقی یہ بات کہ مرنے کے بعد اس قسم کا واقعہ کیوں کر ہو گیا، اس میں کوئی محال چیز نہیں ہے، عالم ارواح میں اس قسم کے واقعات ممکن ہیں۔“ (فضائل صدقات: صفحہ ۱۷۱)

غور فرمائیے: علم غیب اور تصرف فی الامور کی کیا شان ہے!

”شاہ ولی اللہ صاحب جب بطن ماور میں تھے کہ ان کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب ایک دن خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے اور مراقب ہوئے اور اوراک بہت تیز تھا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ تمہاری زوجہ حاملہ ہے اور اس کے پیٹ میں قطب الاقطاب ہے، اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ اقرار و تسلیم فرمایا اور آکر بھول گئے۔ ایک روز شاہ صاحب کی زوجہ نماز میں تھیں، جب انہوں نے دعا مانگی تو انکے ہاتھوں میں دو چھوٹے چھوٹے ہاتھ نمودار ہو گئے۔ وہ ڈر گئیں اور گھبرا کر شاہ صاحب سے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے؟ فرمایا ڈرو مت، تمہارے پیٹ میں ولی اللہ ہے۔ پس اسی لیے اصل نام تو قطب الدین احمد رکھا گیا، اور اکثر تحریرات میں اس نام کو خود شاہ صاحب لکھتے بھی تھے، اور مشہور ولی اللہ ہوا۔“ (حکایات اولیاء: صفحہ ۷۱)

”ایک صاحب کشف حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (حافظ محمد ضامن تھانوی) کے مزار پر فاتحہ پڑھنے لگے۔ بعد فاتحہ کہنے لگے کہ بھائی یہ کون بزرگ ہیں، بڑے دل لگی باز ہیں، جب میں فاتحہ پڑھنے لگا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ جاؤ کسی مردہ پر فاتحہ پڑھیو، یہاں زندوں پر فاتحہ پڑھنے آئے ہو۔ یہ کیا بات ہے۔ جب لوگوں نے بتایا کہ یہ شہید ہیں۔“
(حکایات اولیاء: صفحہ ۱۸۸)

”مولوی معین الدین صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ وہ حضرت مولانا کی ایک کرامت (جو بعد وفات واقع ہوئی) بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہمارے نانوتہ میں جاڑہ بخار کی بہت کثرت ہوئی۔ سو جو شخص مولانا کی قبر سے مٹی لے جا کر باندھ لیتا اسے ہی آرام ہو جاتا۔ پس اس کثرت سے مٹی لے گئے کہ جب ہی قبر پر مٹی ڈلو اوں تب ہی ختم۔ کئی مرتبہ ڈال چکا۔ پریشان ہو کر ایک دفعہ میں نے مولانا کی قبر پر جا کر کہا (یہ صاحبزادہ بہت تیز مزاج تھے) کہ آپ کی تو کرامت ہوئی اور ہماری مصیبت ہو گئی۔ یاد رکھو کہ اگر اب کے کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے۔ ایسے ہی پڑے رہیو، لوگ جو تا پہنچے تمہارے اوپر ایسے ہی چلیں گے۔ بس اسی دن سے پھر کسی کو آرام نہ ہوا۔ جیسے شہرت آرام کی ہوئی تھی ویسے ہی یہ شہرت ہو گئی کہ اب آرام نہیں ہوتا۔ پھر لوگوں نے مٹی لیجانا بند کر دیا۔“ (حکایات اولیاء: صفحہ ۲۹۵)

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ ان کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب

”فرماتے تھے حضرت بایزید گونے زیارت حرمین کا ارادہ کیا۔ ان کے ساتھ بہت سے کمزور، بچے اور عورتیں بھی نکل کھڑے ہوئے۔ سواری اور زوراء کا کوئی انتظام نہ تھا۔ میں نے اور مخدومی بھائی صاحب نے متفق ہو کر ارادہ کیا کہ واپس لائیں۔ جب ہم تغلق آباد کے قریب پہنچے، دھوپ بہت تیز ہو گئی تھی۔ ہم ایک سایہ دار درخت کے نیچے اترے۔ تمام احباب سو گئے۔ میں ان کے کپڑوں کی حفاظت کے لیے جاگتا رہا۔ اسی اثناء میں میں نے چند سورتیں تلاوت کیں۔ وہاں چند قبریں تھیں۔ صاحب قبر باتیں کرنے لگا۔ اس نے کہا عرصہ ہوا قرآن نہیں سنا اور میں اس کے سننے کا بڑا مشتاق ہوں اگر کچھ اور تلاوت کریں تو بڑا احسان ہوگا۔ میں نے کچھ اور پڑھا۔ جب میں خاموش ہوا اس نے پھر درخواست کی۔ تیسری بار بھی پڑھا۔ پھر وہ مخدومی برادر گرامی جو پاس سو رہے تھے کو خواب میں ظاہر ہوا اور کہا میں نے انھیں بار بار تلاوت کے لیے کہا، انہوں نے قبول کیا۔ اب مجھے کہتے ہوئے شرم آتی ہے اور میرا شوق باقی ہے۔ آپ ان سے کہیں کہ کچھ زیادہ پڑھیں۔ وہ بیدار ہوئے اور مجھے کہا۔ میں نے زیادہ تلاوت

کیا۔ یہاں تک کہ اس صاحب قبر کو بہت خوش پایا۔ اس نے کہا جزاک اللہ عنی خیر الجزاء، پھر میں نے اس سے عالم برزخ کے حالات پوچھے۔“ (انفاس العارفین: صفحہ ۸۱، ۸۲)

”حضرت والد ماجد جب مخدومی شیخ محمد قدس سرہ کی قبر کے نزدیک بیٹھتے تو فرماتے کہ انکی روح نماز میں میری اقتدا کرتی ہے اور مجھ سے علوم و معارف سنتی ہے۔ ایک مرتبہ اس فقیر کی طرف متوجہ ہوئے اور بعض معارف بیان فرمائے۔ اسکے بعد فرمایا کہ انکی روح نے کہا کہ فلاں کو معرفت کی کچھ تعلیم دو۔ لا محالہ یہ بیان کیا گیا۔“ (انفاس العارفین: صفحہ ۸۳)

نہ جانے یہ کون لوگ ہوتے ہیں جو قبر میں جا کر نہ صرف سن سکتے ہیں بلکہ بولتے بھی ہیں اور دوسرے بھی ان کا کہان سن لیتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے:

وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ (فاطر: ۲۲) ”اور آپ قبر والوں کو نہیں سنا سکتے۔“

یہ لوگ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر مردہ قبر میں جا کر زندہ ہو جاتا ہے حالانکہ لاکھوں ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کو یہ دنیاوی قبر ملتی بھی نہیں: ہندو اپنے مردے جلا دیتے ہیں، مجوسی گوشت خور پرندوں کی نذر کر دیتے ہیں، ہزاروں لوگ آگ میں جل کر خاک ہو جاتے ہیں، جنگوں اور دیگر ہولناک حادثات میں ہلاک ہو جانے والوں کی بوٹی بھی نہیں ملتی، وغیرہ، وغیرہ۔ فرعون کی لاش مصر کے عجائب گھر میں رکھی ہوئی ہے اور قرآن میں ہے کہ:

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا (الہومن: ۴۶)

”انہیں صبح و شام آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔“

اور قوم نوح کا یہ انجام ہوا کہ:

مِمَّا حَطَّيْنَاهُمْ أَغْرَقُوا فَأَدْخِلُونَا زَاوَاهُ (نوح: ۲۵)

”اپنے گناہوں کے سبب ہی غرقاب کر دیئے گئے پھر آگ میں ڈال دیئے گئے۔“

ان کی لاشیں تو پانی میں ڈوبی ہیں اور اللہ فرما رہا ہے کہ جہنم کی آگ میں ڈال دیئے گئے۔ تو پھر وہ کون سی آگ ہے جو پانی میں جلتی ہے؟ وہ کون سی قبر ہے جہاں یہ لوگ دنیاوی قبر نہ ملنے کے باوجود بھی حساب کتاب اور عذاب و راحت کے مراحل سے گزرتے ہیں؟ ظاہر

ہے کہ وہ یہ دنیاوی قبر ہر گز نہیں کیونکہ اس دنیاوی قبر سے تو ہمیشہ مردہ ہی برآمد ہوتا ہے زندہ کبھی نہیں۔ بعض دفعہ فوجداری مقدمات میں موت کی وجوہات جاننے کے لیے مردے کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے اور موت کے کئی کئی دن بعد قبر کھود کر لاش باہر نکالی جاتی ہے لیکن لاش ہمیشہ بے جان ہی نکلتی ہے، سٹنا، بولتا، جیتا جاتا، زندہ جسم کبھی برآمد نہیں ہوتا، گلا سڑا بدن ہی نکلتا ہے جس کا تعفن سارے قبرستان میں پھیل جاتا ہے کیونکہ ہمیشہ رہنے والے جسم اللہ نے کسی کو بھی نہیں دیئے :

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ (الانبیاء: ۸)
 ”اور ہم نے ان کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے“

البتہ بعض دفعہ کسی کا جسم یا اس کا کچھ حصہ تا دیر سلامت رہتا ہے جس کی وجوہات زندگی ہر گز نہیں بلکہ کچھ اور ہو سکتی ہیں مثلاً آب و ہوا یا زمین کی اپنی اندرونی کوئی خاصیت وغیرہ۔ ورنہ قانون یہی ہے کہ

لَيْسَ مِنَ الْإِنْسَانِ شَيْءٌ إِلَّا يَئِسُ إِلَّا عَظْمًا وَاحِدًا وَهُوَ عَجْبُ الذَّنْبِ
 وَمِنْهُ يُرْكَبُ الْمَخْلُقُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

”انسان کے جسم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو برباد نہ ہو جائے سوائے ایک ہڈی عجب الذنب کے، اور اسی سے روز قیامت جسم انسانی دوبارہ بنایا جائیگا۔“ (1)

كُلُّ ابْنِ آدَمَ يَأْكُلُ التُّرَابَ إِلَّا عَجْبُ الذَّنْبِ مِنْهُ خُلِقَ وَفِيهِ يُرْكَبُ

”ہر آدمی کے بدن کو مٹی کھا جاتی ہے، سوائے عجب الذنب کے، اسی سے آدمی پہلے بنایا گیا اور دوبارہ بھی اسی سے بنایا جائے گا۔“ (1)

بخاری کی ایک روایت کے مطابق جب ولید بن عبد الملک کے زمانے (۶۸ تا ۶۹ھ) میں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کی دیوار گر گئی اور وہاں موجود تین قبروں میں سے ایک قبر کھل گئی اور ایک پیر نظر آیا تو اسے عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیر کی حیثیت سے پہچان لیا جو ۶۰ / ۶۵ سال گزرنے پر بھی صحیح سلامت تھا۔ (2) بخاری ہی کی ایک دوسری روایت کے مطابق جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد عبد اللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے۔ اس جنگ میں زخمیوں کی کثرت کی وجہ سے ہر شہید کے لیے علیحدہ قبر نہیں کھودی گئی اور ستر شہداء مختلف قبروں میں دو دو تین تین کر کے ایک ساتھ دفنائے گئے۔ عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے داماد کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے۔ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو پسند نہ فرمایا اور مجھے مہینے بعد قبر کھود کر ان کو علیحدہ کیا تو لاش صحیح و سالم تھی سوائے کان کی لو کے۔ (3)

تاریخ میں بھی ایسے استثنائی واقعات ملتے ہیں کہ زمین نے میت کو کافی عرصے تک خراب نہ کیا۔ بنو عباس نے برسر اقتدار آکر جوش انتقام میں اپنے حریف بنو امیہ کی قبریں کھود ڈالیں۔ عبد الملک کی قبر سے اس کی کھوپڑی برآمد ہوئی، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر سے کچھ نہ نکلا، بعض قبروں سے بعض اعضاء برآمد ہوئے، باقی سب مٹی بن چکے تھے۔ ہشام بن عبد الملک کی صرف ناک کی اونچائی جاتی رہی تھی، باقی تمام لاش صحیح سالم نکلی۔ ہشام نے ۵۲ھ میں وفات پائی اور بنو عباس نے سات سال بعد اس کی قبر کھودی تھی۔ (4)

(1) صحیح مسلم: جلد ۶، کتاب الفتن و اشراط الساعة، باب ما بین الفختین، صفحہ ۵۸۲

(2) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الجنائز، باب ۸۸۰ ماجاء فی قبر النبی ﷺ، صفحہ ۶۱

(3) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الجنائز، باب ۸۱۶، هل ینخرج المیت من القبر واللحد للعلی، صفحہ ۵۲۲

(4) تاریخ اسلام: از اکبر نجیب آبادی، جلد ۲، صفحہ ۲۹۲

بعض دفعہ قتل کی ہوئی لاشیں کئی کئی دن بعد گندے نالوں، نہروں، گڑھوں، غیر آباد مکانوں اور سنان مقامات سے برآمد ہوتی ہیں، کسی میں جان کی رمت تک باقی نہیں ہوتی۔ جب یہ سب لوگ بے جان مردے تھے تو پھر ان مسلک پرستوں کے عقیدے کے مطابق روح کہاں اور کس جسم میں لوٹائی گئی؟

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کا گزر ایک یہودیہ پر ہوا جو مر گئی تھی۔ اس کے گھر والے اس پر رورہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّهُمْ لَيَبْكُونَ عَلَيْهَا وَأَنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِي قَبْرِهَا

”یہ اس پر رورہے ہیں اور اس کو اس کی قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے۔“ (1)

اور صحیح مسلم میں ہے کہ ایک یہودی کا جنازہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے گزرا اور لوگ اس پر رورہے تھے۔ فرمایا:

أَنْتُمْ تَبْكُونَ وَإِنَّهُ لَيُعَذَّبُ ”تم اس پر رورہے ہو اور اس کو عذاب ہو رہا ہے۔“ (2)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی قبر تھی جہاں یہودی عورت اور مرد کو عذاب ہو رہا تھا جبکہ ان کی لاشیں ابھی دنیاوی قبر کے گڑھے میں اتاری بھی نہ گئی تھیں؟

مندرجہ بالا سوالوں کا جواب یہ ہے کہ وہ دنیاوی قبر ہرگز نہ تھی جو کہ لوگ مردوں کو دیں یا نہ دیں، بلکہ وہ برزخی قبر ہوتی ہے، جو اللہ دیتا ہے اور وہ مرنے کے فوراً بعد مل جاتی ہے، جیسا کہ فرمایا:

قُبِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ﴿١﴾ مِنْ أَمْرِ شَيْءٍ خَلَقَهُ ﴿٢﴾ مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَرَهُ ﴿٣﴾ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ﴿٤﴾ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ﴿٥﴾ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ ﴿٦﴾

(ص: ۲۳۱۷)

(1) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الجنائز باب ۸۱۶ قول النبی ﷺ يعذب الميت ببعض بكاؤه (اھلہ علیہ، صفحہ ۵۴)

(2) صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب الجنائز صفحہ ۳۷۵

”ہلاک ہو جائے انسان، کیسا ناشکرا ہے! کس چیز سے اس کو بنایا؟ اس کو نطفہ سے بنایا، پھر اس کو صحیح انداز پر رکھا، پھر اس کا راستہ آسان کر دیا، پھر اسے موت دی اور قبر دی، پھر جب چاہے گا اسے زندہ کر دے گا۔“

ورنہ اگر ایسا نہ ہو اور دنیاوی قبر میں موجود لاش ہی میں روح لوٹ آتی ہو تو

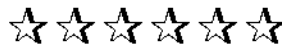
وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ (الحج: ۷) ”اور اللہ قبر والوں کو دوبارہ زندہ کرے گا“

کے کیا معنی ہوں گے؟ اور

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَى (یس: ۱۶) ”بے شک ہم مردوں کو زندہ کریں گے“

وَالْمَوْتَى يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ (الانعام: ۳۶) ”مردوں کو اللہ دوبارہ زندہ کرے گا“

اور بعث بعد الموت، جس کے مشرکین مکہ انکاری تھے، کی دوسری متعدد آیات کیا بے معنی و بے اثر نہ ہو جائیں گی کیونکہ زندہ کو زندہ کرنے کا کیا مطلب؟ یہ تو قرآن و حدیث سے ثابتہ ”خلق جدید“ کا صریح انکار ہو گا!



نوٹ:- کتاب ہذا کے اس باب کے رد میں ملا مجیب اور ملا تونسوی نے اپنی کتابوں میں جو دلائل دے کر اللہ کے بندوں کو قبر پرستی کی دعوت دی ہے، ان کا تفصیلی پوسٹ مارٹم ہم نے اپنے رسالے ”جہل اللہ“ کے شمارہ ۲۵ میں بعنوان ”مَنِ انْكَذَّبُ“ اچھی طرح سے کر دیا ہے۔ من شاء فلیرجع الیہ

عزِ اعمال

بریلوی مسلک کے مقلدین کے عقیدے کے مطابق نبی ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور دنیا میں ہونے والا ہر کام آپ کے مشاہدے اور علم میں ہے۔ جب ہر جگہ پہلے سے موجود مانتے ہیں تو ربیع الاول کے مہینے میں یہ نجانے کیوں پکارتے پھرتے ہیں کہ

سُرکاری آمد مر حبا، نور کی آمد مر حبا

اسی طرح جب ہر عمل کو پہلے ہی سے دیکھ اور سن رہے ہیں تو پھر ان لوگوں کا اپنی دعا میں یہ کہنا اور اپنی عبادت گاہوں وغیرہ میں لکھنا کیا معنی رکھتا ہے کہ

يَا رَسُولَ اللَّهِ اِسْمِعْ قَالِنَا
يَا رَسُولَ اللَّهِ اُنْظُرْ حَالِنَا
اِنْنِي فِي بَحْرٍ هَمٍّ مُغْرَقٌ
خُذْ يَدَيَّ سَهْلًا لَّنَا اِسْكَا لِنَا

”اے اللہ کے رسول! ہماری بات سنے، اے اللہ کے رسول! ہمارا حال دیکھیے، میں تو غموں کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہوں، میری دستگیری فرمائیے اور ہماری مشکل حل کیجیے۔“

تبلیغ والے مشکل کشائی کے لیے نبی ﷺ کو پکارنے کی ضرورت نہیں سمجھتے بلکہ دور سے ہی مشکل کا علم ہو جانے پر بادل میں بٹھا کر مشکل کشائی کے لیے حاضر و ناظر کر دیتے ہیں۔ مکمل واقعہ عنوان ۱۲۱ کے ذیل میں پڑھیے۔

مجلس تحفظ ختم نبوت والے دنیا میں حاضر نہیں کراتے البتہ گنبد خضراء میں زندہ اور اس کے اندر سے ہی تمام حالات سے باخبر، دیکھنے اور سننے والا ضرور مانتے ہیں تبھی تو قادیانیوں کا معاشرتی بائیکاٹ کرنے کے لیے اس شعر کے اسکرز لگاتے پھرتے ہیں کہ:

اے مسلمان جب تو کسی قادیانی سے ملتا ہے
تو گنبد خضراء میں دلِ مصطفیٰ ﷺ دکھتا ہے

اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ

”کوئی دن نہیں کہ نبی ﷺ پر آپ ﷺ کی امت کے اعمال صبح و شام پیش نہ کیے جاتے ہوں۔“ (1)

”..... مجموعی روایات سے خلاصہ علاوہ فضیلت حیات و اکرام ملائکہ کے، برزخ میں آپ ﷺ کے یہ مشاغل ثابت ہوتے ہیں: اعمال امت کا ملاحظہ فرمانا، نماز پڑھنا، غذا مناسب اس عالم کے نوش فرمانا، سلام سنانا نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ سلام کا جواب دینا یہ تو دائم ثابت ہیں اور بعض اوقات خواص امت سے حالت بیداری میں آپ ﷺ کا کلام اور ہدایت فرمانا بھی آثار و اخبار میں مذکور ہے اور حالت رویا و کشف میں تو ایسے واقعات احاطہ و شمار سے باہر ہیں اور ان تمام مشاغل کے ایک ہی وقت میں اجتماع سے تراحم کا وسوسہ نہ کیا جائے کیونکہ برزخ میں روح کو پھر خصوصاً روح مبارک کو بہت وسعت ہوتی ہے۔“ (2)

کچھ مسلک پرست اس میں کچھ کمی کر دیتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ:

”اگر کوئی شخص قبر نبوی ﷺ کے پاس صلوٰۃ و سلام پڑھے تو اس کو آپ ﷺ بنفس نفیس سنتے ہیں اور دور سے پڑھے ہوئے صلوٰۃ و سلام کو فرشتے آپ ﷺ تک پہنچا دیتے ہیں جس کا آپ ﷺ جواب بھی دیتے ہیں۔“ (3)

”نبی ﷺ حیات ہیں اور ایسی (بلند) آواز سے سلام عرض کرنا بے ادبی اور آپ ﷺ کی ایذا کا سبب ہے لہذا اپست آواز سے سلام عرض کرنا چاہئے۔ مسجد نبوی ﷺ کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے، اس کو آنحضرت ﷺ خود سنتے ہیں۔“ (4)

یہاں منقول ماقبل نبی ﷺ کے دنیاوی قبر میں زندہ ہونے اور وہاں پڑھے جانے والے درود و سلام سننے سے متعلق خانقاہ سراجیہ کے فتوے کے ساتھ ساتھ دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی کے مفتی عبدالرشید کا قبر میں نبی ﷺ کی حیات اور سماعت کے بارے میں فتویٰ اور مسلک دیوبند کی نمائندہ ”اشاعۃ التوحید والسنۃ“ کے مولوی طیب پنج پیری کا تائید و

(1) نشر الطیب، صفحہ ۷۰

(2) ایضاً: صفحہ ۷۲

(3) ایضاً: صفحہ ۷۱/ فضائل حج، صفحات ۷۰ تا ۸۵/ اختلاف امت اور صراط مستقیم، حصہ دوم،

صفحہ ۸۹/ نیز ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“، روزنامہ جنگ، کراچی، مؤرخہ ۱۷/ اپریل ۱۹۹۲ء

(4) تذکرۃ الخلیل: صفحہ ۳۷۰

تصدیقی فتویٰ بھی ملاحظہ کر لیا جائے جو انہوں نے اپنے ایک حریف مولوی احمد سعید چتر وڑی کے عقائد کے رد میں دیئے اور جن میں انہوں نے اس بات کا اثبات کیا کہ:

”روضہ اطہر پر حاضری کے وقت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام خود درود و سلام سنتے ہیں، جمہور امت اس پر متفق ہے اور سادات دیوبند کا عقیدہ بھی یہی ہے اور دور سے پڑھے گئے درود کو فرشتوں کے ذریعے نہ پہنچائے جانے کا عقیدہ جہالت ہے اور یہ علماء دیوبند کا مسلک نہیں“

”وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر شریف کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ و سلام آپ خود سنتے ہیں“

چنانچہ ان مسلک پرستوں کی تحریروں میں ایسے کئی واقعات درج ہیں کہ نبی ﷺ نے زائرین کا سلام سن کر جواب دیا اور قبر سے ہاتھ باہر نکال کر مصافحہ فرمایا، مثلاً

احمد رفاعی صاحب نے قبر نبوی پر آکر یہ اشعار پڑھے:

فِي حَالَةِ الْبُعْدِ رُوحِي كُنْتُ أَرْسَلَهَا..... تَقْبِلُ الْأَرْضَ عَنِّي وَهِيَ نَائِبَتِي
وَهَذِهِ دَوْلَةُ الْأَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ..... فَأَمْدُ دَيْمِيْنِكَ كَيْ تَحْطِي بِهَا شَفَاتِي

”جب یہاں سے دور تھا تو اس حالت میں حاضری اور زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے لیے اپنی روح یہاں بھیج دیا کرتا تھا وہ حاضر ہو کر نائب کی حیثیت سے یہاں کی پاک چوکھٹ اور آستانہ عالیہ کو بوسہ دیا کرتی تھی۔ اب اس بار میں جسم کو بھی لے کر حاضر ہو گیا ہوں اور اس مرتبہ خواہش یہ ہے کہ حضور کے دست کرم کو بوسہ دوں، عرض گزار وہی ہے، نگاہ کرم فرمائیے اور ہاتھ مبارک نکال لے تاکہ میرے ہونٹ دست بوسی کی لذت سے آشنا اور اس عظیم سعادت سے بہرہ اندوز ہوں۔“

”اپنے ایک عاشق اور محبوب اہلبی کی اس عرض محبت کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرف قبولیت بخشا، دست مبارک نمودار ہوا اور حضرت احمد رفاعی رضی اللہ عنہ نے بکمال ادب و شوق اور انتہائی وارفتگی اور بے خودی کے عالم میں اسے بوسے دیئے اور جذبات محبت کو تسکین پہنچائی۔“ (1)

★ یہاں یہ ناایظ ”عاشق“ ملاحظہ فرمائیے گا جو احادیث میں کسی صحابی نے کبھی استعمال نہیں کیا!

☆ چھٹی صدی ہجری کے ایک صوفی کے لیے ”رضی اللہ عنہ“ کے ان دعائیہ کلمات کو بھی ملاحظہ فرمائیے گا جو صرف صحابہ کے لیے مخصوص ہیں تاکہ ایک صحابی اور غیر صحابی کا فرق واضح رہے۔ بریلوی مسلک والے بلا تفریق اپنی پسندیدہ ہر شخصیت کے لیے یہ دعائیہ کلمات استعمال کرتے ہیں خواہ وہ محمود و غزنوی جیسا دنیا دار بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ ثبوت کے لیے ان کی ”فیضان سنت“ کا مطالعہ فرمائیے۔

تبلیغ والوں کے کاندھلوی صاحب نے یہ کہہ کر اپنے ”شیخ الحدیث“ ہونے کا ثبوت دیا کہ ”اس وقت تقریباً نوے ہزار کا مجمع مسجد نبوی میں تھا جنہوں نے اس واقعہ کو دیکھا اور حضور ﷺ کے دست مبارک کی زیارت کی جن میں حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ کا نام نامی بھی ذکر کیا جاتا ہے۔“ (1)

”سید نور الدین ابی شریف عقیف الدین کے والد ماجد کے متعلق لکھا ہے کہ جب وہ روضہ مقدسہ پر حاضر ہوئے اور عرض کیا السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تو سارے مجمع نے جوہاں حاضر تھا سنا کہ قبر شریف سے وعلیک السلام یا ولدی کا جواب ملا۔“ (2)

صوفی معروف کرخی کا بیان ہے کہ میں حج سے فراغت کے بعد زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ حجرہ شریف کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ شیخ ابوبکر دیار بکری تشریف لائے اور مواجہہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا السلام علیک یا رسول اللہ تو میں نے حجرہ شریف کے اندر سے یہ آواز سنی وعلیک السلام یا ابا بکر اور اس کو سب لوگوں نے جو اس وقت حاضر تھے، سنا۔“ (3)

امداد اللہ مہاجر کی صاحب نے قبر نبوی پر آکر سلام عرض کیا تو اس کا جواب ملا۔ (4)

مفتی شفیع عثمانی صاحب نے بھی اپنے رسالے البلاغ میں نبی ﷺ کے اس طرح جواب دینے کے کئی واقعات لکھے ہیں جو ہماری کتاب ”ایمان خالص - قسط اول“ کے آخر میں دیئے ہوئے ہیں۔ شاعر جامی نے ایک نعت لکھی اور یہ ارادہ کیا کہ اسے ”روضہ اقدس“ کے پاس کھڑے ہو کر پڑھا جائے اور

”جب حج کے بعد مدینہ منورہ کی حاضری کا ارادہ کیا تو امیر مکہ نے خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت کی۔ حضور اقدس ﷺ نے خواب میں ان کو یہ ارشاد فرمایا کہ اس کو (جامی کو) مدینہ نہ آنے دیں۔ امیر مکہ نے ممانعت کر دی مگر ان پر جذب و شوق اس قدر غالب تھا کہ یہ چھپ کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیئے۔ امیر مکہ نے دوبارہ خواب دیکھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا وہ آرہا ہے، اس کو یہاں نہ آنے دو۔ امیر نے آدمی دوڑائے اور ان کو راستے سے پکڑوا کر بلایا۔ ان پر سختی کی اور

(1) فضائل حج: صفحہ ۱۶۶

(2) فضائل حج: صفحہ ۱۶۷

(3) فضائل حج: صفحہ ۱۶۷

(4) گنبد خضری: صفحہ ۴۳۸

جیل خانہ میں ڈال دیا۔ اس پر امیر کو تیسری مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی زیارت ہوئی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کوئی مجرم نہیں بلکہ اس نے کچھ اشعار کہے ہیں جن کو یہاں آکر میری قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو قبر سے مصافحہ کے لیے ہاتھ نکلے گا جس میں فتنہ ہوگا* اس پر ان کو جیل سے نکالا گیا اور بہت اعزاز و اکرام کیا گیا۔ (1)

یہ مسلک پرست عقیدہ رکھتے ہیں کہ

”نبی ﷺ امت کے تمام اعمال سے باخبر ہیں۔“ (2)

اور اس عقیدے کے ثبوت میں امام عقیلی کی یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ

”اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری قبر پر درود پڑھا تو میں سنا ہوں اور جو قبر سے دور مجھ پر درود پڑھے وہ مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔“

حالانکہ عقیلی نے اپنی الضعفاء الکبیر میں یہ روایت نقل کر کے ساتھ ہی یہ لکھ دیا کہ لَا أَضَلُّ لَهٗ (اس کی کوئی اصل نہیں) یعنی یہ بے بنیاد اور جھوٹی بات ہے۔ یہ حدیث روایت اور درایت دونوں کے اعتبار سے قابل رد ہے۔ روایتاً یہ کہ اس کے ایک راوی محمد بن مروان کو جریر اور ابن نمیر نے کذاب، ابن حبان اور صالح بن محمد نے حدیثیں گھڑنے والا اور نسائی نے متروک الحدیث کہا ہے۔ (3) اسی مضمون کی دوسری حدیث ابن وہب سے مروی ہے جو سارے اہل علم کے نزدیک بہت بڑا جھوٹا اور حدیثیں گھڑنے والا مشہور ہے۔ (4)

اصول درایت کے لحاظ سے بھی یہ حدیث لائق استدلال نہیں کہ قرآن سے متصادم ہے کیونکہ قرآن میں بصراحت بیان ہوا ہے کہ تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں:

★ جب احمد رفاعی سے ان کے بزم مصافحہ کے لیے ہاتھ نکلاتا تو اس وقت فتنہ کیوں نہ ہوا؟

(1) فضائل درود: صفحہ ۱۲۶

(2) تفسیر عثمانی: ف ۳، سورة البقرة آیت ۱۲۳ کا حاشیہ

(3) تہذیب الکمال: جلد ۲۶، صفحہ ۳۹۳ و حاشیہ برصفحات ۳۹۵، ۳۹۶/

ضعفاء الکبیر للعقيلي: جلد ۴، صفحہ ۱۳۶/

کتاب الضعفاء المتروکین للنسائي: صفحہ ۲۱۹/

الکامل فی ضعفاء الرجال: جلد ۷، صفحہ ۵۱۲

(4) میزان الاعتدال: جلد ۳، صفحہ ۲۷۸

وَاللّٰهُ يُزَجِّعُ الْاَمْرُ كُلَّهُ (سورہ: ۱۲۳)

”اور اسی (اللہ) کی طرف ہی ہر کام لوٹا یا جاتا ہے۔“

اَلَا اِلٰى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ (الشوریٰ: ۵۳)

”خبردار! (جان لو کہ) اللہ ہی کی طرف تمام کام رجوع کرتے ہیں۔“ *

صلوٰۃ و سلام بھی ایک دعا ہے۔ دوسری دعاؤں کی طرح اس دعا کا آغاز بھی اللہ کو مخاطب کر کے ہوتا ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰهُمَّ تَادِرْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَادِرْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

”اے اللہ تو محمد اور آل محمد پر رحمت فرما جیسے تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمت فرمائی،

پیٹک توصفات والا بزرگی والا ہے۔ اے اللہ تو محمد اور آل محمد پر برکت فرما جیسے تو نے ابراہیم اور

آل ابراہیم پر برکت فرمائی، پیٹک توصفات والا بزرگی والا ہے۔“ (۱)

اور دعا کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا کہ

اَللّٰهُ عَاَدٌ هُوَ الْعِبَادَةُ ”دعا ہی عبادت ہے“

اور تمام قسم کی عبادتیں (خواہ قولی ہوں، فعلی یا مالی وغیرہ) سب کی سب صرف اللہ ہی کے لیے

ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے سکھایا کہ:

فَاِذَا صَلَّى اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوَتُ وَالطَّيِّبٰتُ السَّلَامُ

عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ

الصّٰلِحِيْنَ فَاِنَّكُمْ اِذَا قُلْتُمُوْهَا اَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلّٰهِ صٰلِحٍ فِي السَّمَاءِ

وَالْاَرْضِ - اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ

”جب تم میں کوئی نماز پڑھے تو یوں کہے اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوَتُ وَالطَّيِّبٰتُ السَّلَامُ

عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ

(تمام زبانی عبادتیں اور بدنی عبادتیں اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لیے ہیں، اور اے نبی ﷺ آپ پر

* یہ بات سورۃ البقرۃ (آیت ۲۱۰) آل عمران (۱۰۹) الانفال (۴۴) الحج (۷۶) فاطر (۴) اور الحمد (۵) میں بھی دہرائی گئی ہے

(۱) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب احادیث الانبیاء، باب ۳۱۳، یزہون النسلان فی المشی، صفحہ ۳۱۵

سلا متی ہو اور اللہ کی رحمت اور برکت ہو، اور سلا متی ہو ہم پر اور اللہ کے سارے نیک بندوں پر) جب تم یہ کہو گے تو تمہارا اسلام ہر نیک بندے کو جو آسمان اور زمین میں ہے پہنچ جائے گا۔ (پھر کہو) اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں)۔^(۱)

جس عبادت کا آغاز ہی رب ذوالجلال کے بابرکت نام سے ہوتا ہو اور اسی کو خطاب ہو، تو بڑی نا انصافی ہوگی کہ فرشتہ اس کو اللہ کے دربار کے بجائے قبر نبوی پر پہنچا دے! اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اگر کوئی مومن بندہ نبی ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجے گا تو اس (مومن) کو اس کا فائدہ ملے گا اور نبی ﷺ کو بھی اس کا فائدہ پہنچے گا اور ان کے درجات بلند ہوں گے جیسا کہ بخاری کی مذکورہ بالا روایت سے ثابت ہوتا ہے۔ * غور فرمائیے کہ صلح حدیبیہ (ذوالقعدہ ۶ھ) میں عثمان رضی اللہ عنہ مشرکین مکہ کی حراست میں رہے۔ نمازوں کو وہ کسی حال میں ترک کرنے والے نہ تھے، مگر نماز میں پڑھا ہوا درود نبی ﷺ تک نہ پہنچا ورنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے آپ بیعت رضوان نہ لیتے اور کہہ دیتے کہ عثمان زندہ ہیں اور ان کا درود پہنچ رہا ہے (اس لیے ان کے قتل کی افواہ غلط ہے)۔ ثابت ہوا کہ نبی ﷺ کا قریب سے صلوٰۃ و سلام سننا اور دور سے آپ تک پہنچا دیا جانا قرآن و حدیث کے خلاف اور مشرکانہ عقیدہ ہے۔ جب درود زندگی میں نہ پہنچا تو موت کے بعد کیا پہنچے گا۔

اس سلسلے میں پیش کی جانے والی ملائکہ سیاحین والی روایت بھی موضوع ہے اور اس کا ایک روای زازان شیعہ ہے^(۲) اور شیعوں کا اپنے اماموں سے متعلق ایسا ہی عقیدہ ہے جیسا کہ درج ذیل روایت سے ثابت ہے:

باب عرض الاعمال علی النبی ﷺ والائمة علیہم السلام

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال: تعرض الاعمال علی رسول اللہ ﷺ اعمال العباد کل صباح ابرارھا و فجارھا فاحذرھما، و هو قول اللہ تعالیٰ: ”اعْمَلُوا فَيَسِّرَ اللَّهُ لَكُمْ ذُرْوٰتُكُمْ“ و سکت

(۱) جامع ترمذی: جلد ۲، ابواب الدعوات کی تفسیری حدیث، صفحہ ۳۳۱
 ★ اور فائدہ اس کا یہ ہوگا کہ اللہ کی رحمتیں نازل ہوں گی جیسا کہ مسلم کی روایت میں بیان ہوا: نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے۔
 (مسلم: جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعہ، صفحہ ۴۳)
 (۲) تقریب التہذیب: صفحہ ۱۰۵

ابو عبد اللہ ؑ (امام جعفر صادق) نے ارشاد فرمایا کہ نبی ﷺ پر بندوں کے اعمال ہر صبح پیش کیے جاتے ہیں، اچھے اعمال بھی اور برے اعمال بھی، پس محتاط رہو۔ اس کے ثبوت میں امام، اللہ تعالیٰ کے اس قول کے شروع کا یہ حصہ پیش فرما کر ”اعْمَلُوا فَيَسِّرَ اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَذَرْهُمْ“ خاموش ہو گئے۔ (۱)

اس روایت پر حاشیہ لکھنے والے صاحب نے اس خاموشی کی یہ وجہ بتائی کہ اس آیت کے بعد کا فقرہ ”وَالْمُؤْمِنُونَ“ اس لیے نہیں پڑھا کہ اس زمانے (خلافت بنو امیہ) میں آئمہ پر اعمال کے پیش کیے جانے کے عقیدے کا اظہار وقت کے تقاضوں کے خلاف تھا۔ قرآن مجید کی جس آیت کا حوالہ کافی کلینی کی مندرجہ بالا روایت میں دیا گیا وہ سورہ توبہ کی درج ذیل آیت ہے:

وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ وَسَتَرْحَمُونَ آلِي عَالِيهِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۰۲﴾

”ان سے کہدو کہ عمل کیے جاؤ، اللہ اور اس کا رسول اور مومن (سب) تمہارے عملوں کو دیکھ لیں گے اور تم غائب و حاضر کے جاننے والے (الہ واحد) کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ سب تم کو بتا دیے گا۔“

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ غزوہ تبوک میں مدینے کے منافقین کے ساتھ کچھ مسلمان بھی نبی ﷺ کے ساتھ جانے سے رہ گئے۔ منافقین تو اپنی منافقت کی وجہ سے نہ گئے اور نبی ﷺ کی واپسی پر مختلف بہانوں کو بطور عذر پیش کیا، لیکن جو پکے مسلمان اپنی کسی سستی اور کمزوری کی وجہ سے رہ گئے تو انہوں نے اپنی کوتاہی کا اعتراف کر لیا۔ اللہ نے بتایا کہ وہ ان کی توبہ قبول کر لے گا۔ اللہ نے نبی ﷺ کو ان سے صدقات لینے کی اجازت دی اور ان کے تزکیے کے ساتھ ان کے لیے دعاء رحمت کا حکم دیا تاکہ انہیں کچھ تسکین ہو۔ آئندہ کے لیے ان لوگوں کو کہہ دیا کہ اپنی اصلاح احوال کریں (یعنی آئندہ ایسے کڑے وقت میں پیچھے نہ رہیں) جس کا مشاہدہ اللہ تو فرمائے گا ہی لیکن اس کے رسول ﷺ اور عام مومن ساتھی بھی اس کا ثبوت ملاحظہ کریں گے۔ یہ تفصیل سورہ توبہ کی آیات ۸۱ تا ۱۰۵ میں بیان کی گئی ہے۔ کیا

اس سے کہیں یہ ثابت ہوتا ہے کہ اعمال اللہ کے بجائے کسی اور کے پاس پیش ہوتے ہیں اور وہ بھی ان کی وفات کے بعد؟

ان مسلک پرستوں کی کچھ جماعتیں شیعوں کو کافر قرار دیتی ہیں جس کا بین ثبوت دیواروں پر لکھے گئے ان کے نعرے ہیں لیکن تعجب ہے کہ عقیدہ انہی کا اپنا رکھا ہے! ایک جگہ پر شیعوں کے عقائد کا رد کرتے ہوئے ایک دیوبندی عالم عبدالحق حقانی لکھتے ہیں:

”.. اور حضرت کی بیویوں کو کیا کیا عیب لگاتے ہیں اور کیسے کیسے نالائق کلمات ان کی شان میں کہتے ہیں کہ اگر کوئی کسی ادنیٰ شخص کی بیوی کو ایسا کہے تو وہ اس کا کبھی منہ بھی نہ دیکھے۔ واہ حضرت کی روح پر فتوح جنت میں، جب یہ حضرت ﷺ کے اصحاب اور اہل بیت کو خصوصاً بیویوں کو بُرا کہتے ہوں گے، کیا خوش ہوتی ہوگی؟“ (1)

اب رہا یہ عقیدہ کہ ”رسول اللہ ﷺ پر صبح و شام امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں“ ★ تو یہ اللہ کے حق پر ڈاکہ ہے اور محولہ بالا آیات کا انکار ہے۔ اس سلسلے میں پیش کی جانے والی ابن مبارک کی روایت منقطع، مجہول، موضوع اور متصادم القرآن ہے۔ اوپر کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ تمام اعمال اللہ ہی کے پاس جاتے ہیں، نبی ﷺ کے پاس نہیں۔ قرآن میں اللہ فرماتا ہے کہ:

وَمِنْ وَرْدِ آيِهِمْ هَزْدَقٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٠٠﴾ (المومن: ۱۰۰)

”اور ان (سب مرئیوں) کے پیچھے دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک ایک برزخ (آڑ) حائل ہے“

انہیں ہمارا شعور نہیں اور ہمیں ان کا شعور نہیں، نہ ہی ان سے کوئی رابطہ ہے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ بھی نبی ﷺ کو بتائے گا، جب کہ آپ ﷺ آخرت میں کچھ لوگوں کو جہنم کی طرف لے جایا جاتا دیکھ کر کہیں گے کہ یہ میرے امتی ہیں:

إِنَّكَ لَا تَذَرُنِي مَا أَحَدْتُوَا بَعْدَكَ

”آپ کو نہیں معلوم کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئی باتیں داخل کر دیں۔“

نبی ﷺ نے بتایا کہ اس پر میں وہی جواب دوں گا جو عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے یعنی

(1) عقائد الاسلام: صفحات ۲۵۰، ۲۵۱

★ نشر الطیب: صفحہ ۱۴۰/ اختلاف امت اور صراطِ مستقیم: صفحہ ۸۹، نیز داڑھی سے متعلق کمیشن رپورٹ صوفی مسکین کو دیا گیا مفتی ولی حسن ٹوکی کا وہ مشہور فتویٰ جو مسلک پرستوں کی مساجد میں آویزاں ہوتا ہے۔

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ
الْمُرْقِيبَ عَلَيْهِمْ (المائدة: ۱۱۷)

”اور میں جب تک ان میں رہا تو ان پر نگرانی کرتا رہا پس جب تو نے مجھے اٹھالیا تو صرف تو ہی ان پر نگرماں رہا۔“

پھر آپ کو بتایا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو آپ کے بعد دین سے پھر گئے۔ نبی ﷺ ان لوگوں سے اپنی بیزاری کا اظہار فرمائیں گے اور کہیں گے:

سُحْقًا سُحْقًا لِّمَنْ بَدَّلَ بَعْدِي

”دور ہو، دور ہو جس نے میرے بعد دین کو بدل ڈالا۔“ (۱)

اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اگر نبی ﷺ پر امت کے اعمال پیش ہوتے تو آپ لاعلمی اور تعجب کا اظہار نہ کرتے۔ اگرچہ یہ حدیث بالکل واضح اور نص قطعی ہے اور محیط بر عموم ہے، لیکن تھانوی صاحب نے اپنے ”حکیم الامت“ ہونے کا ثبوت پیش کرتے ہوئے یہ کہہ کر اس میں شک پیدا کر دیا کہ:

”اور روایت اخیرہ پر عرضِ اعمالِ امت کی روایت کے تعارض کا شبہ اس لیے نہیں ہو سکتا کہ اس روایت میں نہ تو یہ نص ہے کہ یہ اعمالِ قلب کو بھی شامل ہے، نہ یہ نص ہے کہ تمام اعمالِ ظاہری کو شامل ہے۔ ممکن ہے کہ عقائد اور اعمال کے مفاسد کے دقائق پیش نہ کیے جاتے ہوں اور بعد فرض عرضِ عام کے نہ یہ نص ہے کہ بعد عرض کے وہ سب جزوی کر کے یاد رہتے ہوں ورنہ قیامت کے روز معرفتِ امت کے لیے غرہ اور تعجیل کی علامت مقرر ہونے کی کیا حاجت تھی کیونکہ اعمالِ معروضہ میں وضو و نماز اور امتی ہونا سب کچھ داخل ہے اور ان سب امور پر مطلع اور ان کی یاد ہوتے ہوئے وہی اطلاع اور یاد کافی تھی۔ خوب سمجھ لو۔“ (۲)

پچھے آیاتِ قرآنی بیان کی جا چکی ہیں جو بغیر کسی استثناء کے ہر طرح کے اعمال بلکہ ہر عمل کا اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونے پر منصوص ہیں۔ نبی ﷺ تو خود پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے

(۱) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب التفسیر، باب ۶۷۷ قوله و كنت عليهم شهيداً. صفحہ ۸۴۶ /

نیز جلد ۳، کتاب الفتن کی پہلی تین حدیثیں، صفحات ۸۲۱، ۸۲۲

(۲) نشر الطیب: صفحات ۱۵۶، ۱۵۷

تھے اور فرماتے تھے کہ ان دنوں میں اللہ کی بارگاہ میں اعمال پیش ہوتے ہیں اور میں پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال جب بارگاہ الہی میں پیش ہوں تو میں روزے سے ہوں۔⁽¹⁾

معلوم ہوا کہ اعمال انسانی صرف اللہ کی جناب میں ہی پیش ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ کے پاس نہیں، اور جو یہ اصرار کریں کہ نہیں جی رسول اللہ ﷺ پر بھی پیش ہوتے ہیں، تو ان کے بارے میں کہا جائے گا کہ انہوں نے نبی ﷺ کو اللہ کی صفات اور اختیارات میں شریک کر کے الہ بنالیا ہے۔



گزشتہ صفحات میں بیان کردہ قرآن و حدیث کے بین دلائل کا رد کرتے ہوئے ملامیب نے اپنی کتاب میں نبی ﷺ پر اعمال پیش ہونے پر اصرار کیا ہے اور ان محکم دلائل کے خلاف چوتھے درجے کی غیر مستند، منکر اور من گھڑت روایات کی بنیاد پر نبی ﷺ کے ساتھ ساتھ انبیاء اور والدین کو بھی شامل کر دیا ہے کہ ان پر جمعے کے دن اعمال پیش ہوتے ہیں۔ جس طرح پچھلے صفحے پر ان کے ”حکیم الامت“ نے اپنی ماہرانہ ”حکمت“ دکھاتے ہوئے کھینچ تان کر کے نبی ﷺ پر اعمال پیش ہونے کی گنجائش نکالی ہے، اسی طرح ان کے اس ”امتی“ نے بھی مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے اور ”عطائی اور وہبی“، ”مستقل اور غیر مستقل“، ”ذاتی اور صفاتی“ کی طرز پر ”اجمالی اور تفصیلی“ کا استثنائی فرق گھڑ کر عقیدہ توحید کو تھکیاں دے کر سنانے کی کوشش کی ہے کہ اللہ کے پاس بندوں کے اعمال تفصیلاً پیش ہوتے ہیں اور نبی ﷺ پر اجمالاً!

ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قُلْتُ لَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ
اپنے اس عقیدے کی شیعوں کے عقیدے سے مماثلت کو بھی اسی حیلے سے رد کرنے کی کوشش کی ہے کہ شیعوں کا عقیدہ تفصیلی طور سے عرضِ اعمال کا ہے جب کہ ان دیوبندیوں کا اجمالی طور سے۔ قارئین! گزشتہ صفحات میں نقل کی گئی کافی کلینی کی عبارت میں دیکھا جاسکتا ہے کہ اس میں کہیں بھی ”تفصیلی عرضِ اعمال“ کا ذکر نہیں، یہ

(1) جامع ترمذی: جلد ۱، ابواب الصوم، باب صوم الاربع والخمیس، صفحہ ۸۹،

علاجِ حیب کی اپنی اختراع ہے۔ شیعوں کے نزدیک اعمال اسی طرح پیش ہوتے ہیں جس طرح دیگر مسلک پرست عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ بھی حیلہ تراشہ ہے کہ سنیوں کے کسی عقیدے کو شیعوں کے اختیار کرنے سے وہ عقیدہ غلط نہیں ہو جاتا۔ ہم نے ایسا کب کہا ہے؟ ہم نے تو قرآن اور صحیح حدیث کی ہی بات کی ہے جن کے مطابق اللہ کے سوا کسی دوسرے پر بندوں کے اعمال پیش ہو ناشرک ہے اور سچے اولیاء اللہ صحابہ کرام ؓ کا سب کا یہی عقیدہ تھا۔ لیکن ان مسلک پرستوں کی جرأت دیکھیے کہ اپنے اس باطل عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے صحابہ کرام ؓ کو بھی متہم کر دیتے ہیں کہ اُن کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ نبی ﷺ پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں! مُردوں کی سماعت کو ثابت کرنے کے لیے ملائکہ سیاحین، نبی ﷺ کی قبر پر جو درود پڑھا جائے اسے نبی ﷺ خود سنتے ہیں اور جو دور سے پڑھا جائے اُسے فرشتے پہنچاتے ہیں، جمعے کے روز درود کی کثرت کرنے، نبی کو سلام کرنے پر جواب دینے کے لیے روح لوٹائے جانے، زمین پر نبیوں کے جسم کھانا حرام ہونے، وغیرہ کی ضعیف روایات جن کی حقیقت ہمارے کتابچوں ”ایمان خالص - قسط دوم“، ”یہ مزار یہ میلے“، ”عذابِ برزخ“ میں بیان کر دی گئی ہے، اُن کو اپنی مذکور ماقبل انوکھی و زالی صفات کی حامل استدلالی خراہ پر چڑھا کر پیشہ و رانہ مہارت سے درست قرار دیتے ہوئے عرضِ اعمال کا ثبوت بھی کشید کر لیتے ہیں کہ وفات کے بعد تو پیش ہوتا ہی ہے، زندگی میں بھی نبی ﷺ پر درود پیش ہوتا تھا تبھی تو صحابی نے موت کے بعد پیش ہونے کا پوچھا! فنکاری دیکھیے، فرماتے ہیں کہ یہ عقیدہ قرآن کی اس آیت کے خلاف نہیں جس میں ہے کہ ہر چیز اللہ کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ ان حدیثوں میں اس کی نفی تو نہیں کہ درود اللہ کے پاس نہیں پہنچتا! یعنی ملا موصوف کہنا چاہ رہے ہیں کہ پہلے نبی ﷺ پر پیش ہوتا ہے پھر وہاں سے اللہ کے پاس پیش ہوتا ہے! حیرت ہوتی ہے کہ ہم پر عربی زبان سے نابلد ہونے، ضربِ یضرب میں فرق کرنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہونے کی پھٹی کسنے والوں کو یہ نظر نہیں آتا کہ درود اللہ سے کی جانے والی ایک دعا ہے جس کے پہلے ہی لفظ میں اَللّٰهُمَّ کہہ کر اللہ سے مانگا جاتا ہے، کیا فرشتے بھی ان پیشہ ور مولویوں کی طرح عربی زبان سے نابلد ہیں کہ اللہ سے مانگی گئی دعا کو نبی ﷺ کے پاس لے جا کر پیش کر دیتے ہیں کہ یہ آپ کے فلاں امتی نے بھیجا ہے!

تعویذ گنڈے

ایک وقت تھا کہ امت محمدیہ کا چار دانگ عالم میں رعب و دبدبہ تھا، بڑی بڑی سورا ریاستیں اور قومیں اس کے زیر نگین تھیں، صرف اللہ سے ڈرنے والی اُس امت میں اس کے سوا کسی کا خوف نہ تھا اور اُسی کی ذات واحد پر توکل کرتے ہوئے وہ اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) کا نعرہ لگا کر بلا خوف و خطر ہر میدان میں کود پڑتی اور کامران لوٹتی۔ لیکن اسی امت کا آج یہ حال ہے کہ وہ اللہ کے سوا ہر چیز سے ڈرتی ہے: کالی بلی کا اسے خوف ہے؛ الٹی آنکھ پھڑکنے سے اس کا دل دہل جاتا ہے؛ ۳، ۱۳، ۲۳ کے اعداد اس کو ادھام و خدشات میں گھیر لیتے ہیں؛ کٹوے کی کانیں کانیں اور کتے کی بھوں بھوں اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا کر دیتی ہے؛ جنوں، بھوتوں، اور بدروحوں کے تونام سے ہی اس کی جان جاتی ہے۔ غرضیکہ اس کی اکثریت طرح طرح کے توہمات کا شکار ہے اور ان سے بچاؤ اور حفاظت کے لیے تعویذ گنڈے، کڑے چھلے، کوڑیاں، مونگے، رنگ برنگے پتھروں کے گنینے وغیرہ استعمال کیے جاتے ہیں، ٹونے ٹونکے کیے جاتے ہیں۔ یہ سب چیزیں اللہ کے ان بندوں کے عقیدے کے مطابق ان کو بلائیات، آفات، مصائب اور بیماریوں سے محفوظ رکھنے میں اکسیر ہوتی ہیں!

ان کا یہ عقیدہ کیسے بنا اور اس نے کیسے اتنا فروغ پایا؟ اس کو پھیلانے اور پروان چڑھانے والے یہی مسلک پرست لوگ اور ان کے اسلاف ہیں جو خود کو مَوْجِد (یعنی ایک اللہ کو ماننے والے) کہتے ہیں اور کتاب و سنت کے پیرو ہونے کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ انہی لوگوں نے تعویذ گنڈے کو جائز ٹھہرایا ہے۔ ان کے اسلاف میں احمد بن حنبل، اُن کے پیرو ابن تیمیہ اور اُن کے شاگرد ابن قیم، بخاری، ولادت میں آسانی، نکسیر، گنج پن وغیرہ کے علاج کے لیے تعویذ لکھ کر دیتے تھے۔^(۱)

شیخ عبدالقادر جیلانی صاحب، جنہیں ان لوگوں نے غوث الاعظم * کا لقب دیا ہوا ہے، بخار وغیرہ کے تعویذ دیتے تھے۔ (1)

شاہ ولی اللہ نے ”القول الجلیل“ میں آئندہ رونما ہونے والے واقعات کے کشف، پیروں کی نسبت معلوم کرنے، دوسرے کے دل کی بات معلوم کرنے، بانجھ پن دور کرنے اور اولاد نرینہ پیدا کرنے، لوٹا گھما کر چور پکڑنے، وغیرہ کے عملیات و تعویذات بیان کیے ہیں اور ”سلاسل اولیاء“ میں ڈھیروں دوسرے عملیات کے ساتھ تصور مرشد کا طریقہ اور میت و قبر کے حالات معلوم کرنے کا چلہ بھی لکھا ہے جس میں قبر پر جاتے ہی میت کی روح کے واسطے نماز پڑھنا، قبر کا سات دفعہ طواف کرنا، قبر کی پانچ پر رخصت رکھنا، یا روح یا روح پکارنا وغیرہ جیسے عملیات شامل ہیں۔ (2)

امداد اللہ مہاجر کی صاحب نے اپنے رسالے ”ضیاء القلوب“ میں اپنے مریدوں کو کشف قبور کے علاوہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا دیدار کرنے، نبی ﷺ کی روح سے ملاقات کرنے، فرشتوں اور روحوں کو حاضر کرنے، امراض کو سلب کرنے، آئندہ کے حالات سے

★ ”غوث“ اسم صفت ہے، اسکا معنی ”غَاثٌ یَغُوثُ“ ہے جس کے معنی فریاد رسی کرنے کے ہیں جو صرف اللہ ہی کرتا ہے جیسا کہ اللہ نے سورۃ الانعام آیت ۱۷ / یونس ۱۰۷ / النمل ۶۲ وغیرہ میں فرمایا۔ اس طرح غوث الاعظم کے معنی ہوئے سب سے بڑا فریاد رس، جو اللہ رب العالمین کے سوا کوئی نہیں، لہذا اللہ کے بندوں کو یہ لقب دینا شرک ہے۔ لیکن یہ لقب دیے جانے والے جیلانی صاحب اپنے ”رسالہ غوثیہ“ میں لکھتے ہیں کہ یہ لقب انہیں خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا! چنانچہ اس مختصر سے رسالے میں ان کے اپنے مرتبہ کشف والہامات میں بینہ ۶۵ مرتبہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ”یا غوث الاعظم“ کہہ کر مخاطب فرمایا! (سبحان اللہ! سبحانہ و تعالیٰ عما یشرکون، ومن اظلم من افتری، علی اللہ الصکب) اصطلاحاً یہ صوفیاء کے خود ساختہ باطنی نظام کا ایک منصب ہے جس کا قرآن و حدیث میں کوئی ثبوت نہیں۔ لیکن ان مسلک پرستوں کی تحریروں، تقریروں میں اس کا بے محابا استعمال ہوتا ہے۔ اور یہاں تک کہا جاتا ہے کہ

”غیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے۔“ (ملفوظات مجدد مائتہ حاضرہ: حصہ اول، صفحہ ۱۲۸)

مسلک پرستوں میں یہ اصطلاح غوث الاعظم کے علاوہ غوث العالم، غوث الثقلین، وغیرہ کے ناموں سے بھی استعمال ہوتی ہے۔

(1) غنیۃ الطالبین: حصہ اول، صفحہ ۱۱۲، ۱۱۱

(2) رسائل شاہ ولی اللہ دہلوی: صفحات ۶۱، ۶۸، ۷۸، ۹۴، ۹۵، ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۷، ۲۰۰، ۲۰۷

واقفیت حاصل کرنے، زندہ اور مردہ ”اہل اللہ“ کی نسبت معلوم کرنے، ہر کام بنانے کے لیے ”نماز کُن فیکون“ پڑھنے، وغیرہ سے متعلق عملیات بتائے ہیں۔^(۱)

اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنی تصنیف ”بہشتی زیور“ کے نویں حصے میں ولادت میں آسانی، نرینہ اولاد، وغیرہ کے تعویذ لکھنے کے علاوہ تعویذ گنڈوں پر ”اعمال قرآنی“ کے نام سے ایک مستقل کتاب ہی لکھ ڈالی جس میں انواع و اقسام کے بعض انتہائی شرمناک و مضحکہ خیز اور بعض مستہزی القرآن قسم کے عملیات درج ہیں مثلاً ولادت میں آسانی کے لیے قرآن کی آیت لکھ کر زچہ کی ران پر باندھ دی جائے، لڑکا پیدا ہونے کے لیے ایک دھاگہ قرآن سے دم کر کے پیٹ پر باندھ دیا جائے، دو آدمیوں میں دشمنی و تفریق پیدا کرنے کے لیے قرآن کی آیت کا تعویذ بنا کر دو پرانی قبروں کے درمیان دبا دیا جائے، وغیرہ۔

جب یہ لوگ یہاں تک گئے تو پھر وہ ”حضرت“ کیوں پیچھے رہتے جو کہ سب سے ”اعلیٰ“ ہیں، چنانچہ ”شمع شہستانِ رضا“ نامی کتاب میں ان ”اعلیٰ حضرت“ کے بھی ایک سے بڑھ کر ایک تعویذات و عملیات نقل کیے گئے ہیں۔ بلکہ یہ ایک طرح کی روایت سی پڑ گئی ہے کہ ہر مسلک کا عالم جسے کوئی نمایاں مقام مل جائے، ”مجرّب“ عملیات و تعویذات، اور اد و وظائف ضرور مرتب کر داتا ہے۔ چنانچہ بازار میں اس قسم کے ڈھیروں مجموعہ ہائے عملیات دستیاب ہیں جن میں مذکورہ بالا قسم کی چیزیں بھی موجود ہوتی ہیں۔*

(۱) کلیاتِ امدادیہ: صفحات ۳۰، ۴۴، ۴۵، ۵۴، ۵۵، ۶۱

★ محمولہ بالا کتب کے سینکڑوں عملیات میں سے متعدد ایسے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے اسمائی حنفی کی بطور وظیفہ ایک مخصوص تعداد میں مفرد و تکرار کرنا بتایا گیا ہے، ان میں سے بعض میں دایں بائیں گردن گھما کر ضربیں لگانا بھی بتایا گیا ہے، جبکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حنفی کا یہ استعمال بتایا ہے کہ

وَبَلِّغِ الْأَمْعَاءَ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُنَّ بِهَا ۚ وَذُرُوا الدِّينَ يُعَذِّبُ فِي الْأَسْمَاءِ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الاعراف: ۱۸۰)

”اور اللہ ہی کے اچھے اچھے نام ہیں تو اس سے اس کے ناموں سے دعا کیا کرو، اور جو لوگ اس کے ناموں میں الجھلاؤ احتیاد کرتے ہیں انکو چھوڑ دو وہ جو کچھ کر رہے ہیں عقرب اس کی سزا پائیں گے۔“

یعنی اگر گناہوں کی مغفرت درکار ہے تو ”یا عفا“ کہہ کر دعا کی جائے، اللہ کی عطائیں مطلوب ہوں تو ”یا وھاب“ کہہ کر مانگی جائیں، اس کی رحمت کی طلب ہے تو ”یا رحمن“، ”یا رحیم“ کہہ کر چاہی جائے۔ ایک بات واضح رہے کہ

جب ایسی بھاری بھر کم ہستیاں اور ”بزرگان دین، اولیاء کرام و ائمہ عظام“ کے لقب سے پہچانے جانے والے ”حضرات“ تعویذ لکھ کر دیں تو پھر لوگ کیوں نہ اس پر ایمان لائیں کہ ان لوگوں کے قول و عمل کو تو نمونہ و مثال گردانا جاتا ہے جس سے انحراف کی جرأت بڑے سے بڑا عالم بھی اپنے اندر نہیں پاتا اور ہر کوئی ان ہی کے ”کارنامے“ بیان کرنے میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔ چنانچہ

اگرچہ ان اسماء حسنی میں سے ہر ایک کے اپنے جدا معنی ہیں، لیکن ان میں کوئی بھی لفظی جگہ پر مکمل جملہ نہیں ہے۔ اسی لیے احادیث صحیحہ میں کوئی ایسا ذکر یا وظیفہ نہیں ملتا کہ اللہ کے اسماء حسنی میں سے کسی مفرد اسم کی ایک مخصوص تعداد میں تکرار کی جائے اور ہر اسم پر گردن کو دائیں بائیں گھما کر ضربیں لگائی جائیں۔ احادیث میں جتنے بھی اذکار مسنونہ روایت کیے گئے ہیں وہ سب کے سب مرکب تام یعنی مکمل جملے ہیں اور ان میں ایک مکمل بات بیان کی گئی ہے، مثلاً ”اللہ“ ایک با معنی لفظ تو ہے لیکن مکمل جملہ نہیں البتہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ (اللہ پاک ہے)، ”اَلْحَمْدُ لِلَّهِ“ (اللہ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں)، ”اَللَّهُ اَكْبَرُ“ (اللہ بہت بڑا ہے)، ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ (اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں) یہ سب مکمل جملے ہیں۔ اسی طرح ”العظیم“ (عظمت والا) ایک مکمل جملہ نہیں، مگر ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ“ (اللہ پاک ہے، اسی کی تعریف ہے، اللہ عظمت والا ہے) ایک مکمل جملہ ہے۔ اس وضاحت کی روشنی میں وہ تمام اذکار و وظائف بے اصل و بے بنیاد ٹھہرتے ہیں جن میں کسی ایک مفرد اسم کی تکرار کی جاتی ہے۔

یہ بات بہر حال پیش نظر رہے کہ مکمل جملوں پر مشتمل مندرجہ بالا اذکار کرنا سنت سے ثابت ہے اور ان پر قرآن و حدیث کا واضح حکم موجود ہے لیکن وہ تمام اذکار جو معانی و مفہوم رکھنے والے مکمل جملوں کی شکل میں ہوتے ہوئے بھی قرآن و حدیث سے ثابت نہیں، ان کا کرنا خلاف شرع قرار دیا جائے گا اور محولہ بالا کتب ایسے ہی وظائف و اوراد سے بھری ہوئی ہیں مثلاً اوپر منقول اشرف علی تھانوی کی اعمال قرآنی نامی کتاب کے صفحہ آخر پر ایک عورت کو جس کی مانگ سیدھی نہیں نکلتی تھی، بتایا ہوا یہ وظیفہ کہ لاھِدِنَا الصِّرَاطَ اَلْمُسْتَقِيمَ کہہ کر مانگ نکالا کرو سیدھی نکلتی گی، یا جیسے اوپر مذکور انہی موصوف کے بہشتی زیور کے حصہ خیم اور اعمال قرآنی میں زیچل میں آسانی کے لیے بتایا گیا یہ عمل کہ قرآن کی سورۃ انفقاق جس میں قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے، کی آیت: وَانْفَقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّدَتْ (یعنی اس زمین نے باہر ڈال دیا جو کچھ اس میں تھا اور وہ خالی ہو گئی) لکھ کر زچہ کی بائیں ران پر باندھ دی جائے، حفاظت حمل کے لیے قرآن کی آیت لکھ کر زچہ کے پیٹ پر باندھ دی جائے، حیض میں زیادتی ختم کرنے کے لیے قرآن کی آیت لکھ کر گلے میں اس طرح لٹکائی جائے کہ وہ رحم سے لگا رہے، ناف ٹل جانے یا پیشاب کی بیماریوں میں قرآن کی آیت لکھ کر ناف پر باندھ دی جائے، وغیرہ سب اسی طرح کے اعمال ہیں جن کا قرآن و حدیث میں کہیں ذکر موجود نہیں۔ مگر اس کے لیے تھانوی صاحب کا فرمانا ہے کہ ”احقر کو اعلم حضرت مرشدی سیدی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر کوئی حاجت مند تعویذ وغیرہ لینے آئے تو انکار مت کیا کرو جو خیل میں آیا کرے لکھ دیا کرو۔ چنانچہ احقر کا معمول ہے کہ اس حاجت کے مناسب کوئی آیہ قرآنی یا کوئی اسم الہی سوچ کر لکھ دیتا ہوں اور بفضلہ تعالیٰ اس میں برکت ہوتی ہے۔“ (اعمال قرآنی صفحہ آخر)

آج اگر امت محمدیہ کے افراد کی گردنوں کی تلاشی لی جائے تو کسی میں کاغذی تعویذ لٹک رہا ہو گا، کسی میں چھوٹا سا قرآنی نسخہ، کسی میں دنیا کے ملکوں کے سٹکے، کسی میں کوڑیاں اور مونگے اور کسی میں چاقو و چھری کے بالوں۔ ان کے بازوؤں کو دیکھیں تو ”لام ضامن“ کے نام سے ایک تعویذ بندھا ہو گا۔ ان کے بچوں کو دیکھیں تو ان کے بھی گلے اور پیروں میں چاندی، چمڑے یا مومی کپڑے کے خول میں ملفوف تعویذ اور گرہ دیئے ہوئے کالے دھاگے لٹک رہے ہوں گے۔ ان کی انگلیوں میں ایسی انگوٹھیاں نظر آتی ہیں جن میں تاریخی پیدائش کی مناسبت سے رنگ برنگ پتھروں کے نگینے جڑے ہوتے ہیں، جنہیں یہ ”قسمت بنانے والا“، ”بیماریاں بھگانے والا“ سمجھتے ہیں۔ ان کے گھروں، دکانوں اور سواریوں میں بھی گنتی لکھے ہوئے جادوئی مربعے، نقش و تعویذات ”خیر و برکت“ کے لیے لٹک رہے ہوتے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ گھوڑے کے نعل اور گائے بیل کے سینک تک گاڑیوں، دکانوں اور مکانوں کے دروازوں میں نصب نظر آئیں گے اور عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ نظر بد سے بچاتے ہیں۔ اب ان تمام چیزوں کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کے ارشادات بھی ملاحظہ فرمائیے :

- 1- ”دم، تعویذ، ٹوٹکے سب شرک ہیں“۔ (1)
- 2- ”جس نے کوئی چیز بھی لٹکائی وہ اسی چیز کے سپرد کر دیا گیا“۔ (2)
- 3- اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک جماعت آئی۔ آپ نے ان میں سے نو سے بیعت لے لی اور ایک کو چھوڑ دیا۔ پوچھنے پر بتایا کہ اس نے تعویذ پہنا ہوا تھا۔ اس شخص نے یہ سن کر تعویذ توڑ پھینکا جس پر آپ ﷺ نے اس سے بھی بیعت لے لی اور فرمایا: ”جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا“۔ (3)
- 4- ”نشرہ (یعنی جن بھوت اتارنے کا عمل) ایک شیطانی عمل ہے“۔ (4) *

(1) سنن ابی داؤد: جلد ۳، کتاب الطب، باب ۱۹۸، تعلیق التمام، صفحہ ۱۹۴

(2) جامع ترمذی: جلد ۱، ابواب الطب، باب کراہیۃ التعلیق، صفحہ ۷۴

(3) مسند احمد: (۱۵۶/۴) (حدیث عقبۃ بن عامر الجہنی، حدیث ۱۶۹۹، جلد ۵، صفحہ ۱۵۶)

(4) سنن ابی داؤد: جلد ۳، کتاب الطب، باب ۱۹۰، النشرہ، صفحہ ۱۹۰

★ انسان جنات سے افضل مخلوق ہے۔ ایک ادنیٰ مخلوق کیسے افضل مخلوق پر چڑھ آئے گی اور اس کو اپنے تابع فرمان بنالے گی۔ اس قسم کے بیان کیے جانے والے بکثرت واقعات جن میں سے بعض کا آنکھوں دیکھا ہونے کا دعویٰ بھی کیا جاتا ہے،

- 5- مسلک پرستوں کی مسجدوں کے باہر بچے ہاتھ میں پانی یا دودھ کا گلاس لیے کھڑے ہوتے ہیں اور نماز پڑھ کر باہر جانے والے لوگ اس میں پھونک مار کر نماز کی برکت ڈالتے جاتے ہیں۔ ماہ رمضان میں تو ایک تماشہ ہوتا ہے۔ ختم قرآن کے موقع پر پانی کی بوتلوں وغیرہ کا ڈھیر لگ جاتا ہے، تاکہ حافظ صاحب اس پر دم کر دیں اور ساتھ ہی اس پانی وغیرہ میں بیمار یوں، نظر بد وغیرہ سے شفاء کی تاثیر بھی پھونک دیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے کھانے پینے کی چیز میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔⁽¹⁾
- 6- ایک سفر میں اللہ کے رسول ﷺ نے نظر بد سے بچاؤ کے لیے اونٹوں کے گلوں میں پڑے پٹے وغیرہ کٹوا دیئے۔⁽²⁾

- 7- ایک صاحب کے ہاتھ میں بیتل کا کڑا دیکھا تو نبی ﷺ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہاتھ کی کمزوری دور کرنے کے لیے پہنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:
- ”یہ تو کمزوری کو اور بڑھائے گا، اور اگر تو اسی طرح مر گیا تو کامیاب نہ ہو گا۔“⁽³⁾

تعویذوں کو جائز قرار دینے والے لوگ عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی روایت پیش کر دیتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو نیند میں ڈرنے سے بچانے کے لیے دعا سکھلاتے تھے اور ناسمجھوں کے گلے میں لکھ کر لٹکاتے تھے۔ روایت کے آخری الفاظ ”لکھ کر لٹکاتے تھے“ حدیث کے نہیں بلکہ راوی کے اپنے الفاظ ہیں۔ یہ روایت کئی خرابیوں کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔ اس کی سب سے بڑی علت اس کا راوی محمد بن اسحاق ہے جس پر محدثین نے سخت جرح کی ہے اور اسے ”کذاب“ (یعنی بہت زیادہ جھوٹ بولنے والا) تک کہا ہے۔⁽⁴⁾ امام مالک بن انس

در اصل بیماریاں ہوتی ہیں جنہیں لوگ یہ رنگ دے دیتے ہیں، یا پھر عاملوں اور پیروں کی لوگوں کا مال ہزپ کرنے اور دوسرے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے محض فریب کاریاں ہوتی ہیں، اور بعض ظاہری متاثرین اپنی کسی مطلب براری کے لیے بھی یہ سوانگ بھرتے ہیں۔

(1) جامع ترمذی: جلد ۱، ابواب المشروبات، صفحہ ۶۸۱/موطا امام مالک: کتاب الجامع، باب ۲۸، صفحہ ۶۴۴

(2) متفق علیہ و موطا امام مالک: باب نزع المعالیق، صفحہ ۶۵۳

(3) مسند احمد، مستدرک الحاکم، صحیح ابن حبان

(4) میزان الاعتدال: جلد ۳، صفحہ ۲۱/تہذیب التہذیب: جلد ۹، صفحہ ۴۵ نیز جلد ۲، صفحہ ۳۰۶

نے اسے ”دجالوں میں کا ایک دجال“ قرار دیا ہے۔^(۱) اس روایت کی ایک علت یہ بھی ہے کہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما پر یہ الزام عائد کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے کمسن بچوں کے گلے میں دعا کا تعویذ لکھ کر لٹکاتے تھے جبکہ وہ تو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعویذ لٹکانے کے خلاف صحیح حدیث روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ ”اگر میں کہیں یہ کام کروں تو گویا مجھے حق و ناحق کی کوئی پرواہ نہیں: میں تریاق پیوں، تعویذ لٹکاوں، اپنے جی سے شعر کہوں۔“^(۲) پس ثابت ہوا کہ صحیح احادیث میں تعویذ کی ممانعت آئی ہے * اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شرک کہا ہے جیسا کہ مذکورہ احادیث میں گزر رہا ہے پھر کیونکر ”اللہ کی ذات سے سب کچھ ہونے کا یقین“ کاغذ کے ٹکڑوں پر لکھی تحریر، اعداد، آڑی ترچھی لکیروں وغیرہ سے ہونے کے یقین میں بدل جاتا ہے، انہیں مؤثر سمجھا جاتا ہے، اللہ کے بجائے ان چیزوں سے خوف کھایا جاتا ہے، جبکہ ایمان والوں کا تو یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ:

لَنْ يُضَيِّبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (الحجہ: ۵۱)

”ہم کو ہر گز کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی۔ وہی ہمارا کارساز ہے، اور ایمان والے تو اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔“

(1) تہذیب التہذیب جلد ۹، صفحہ ۴۱

(2) سنن ابی داؤد، جلد ۳، کتاب الطب، باب ۱۹۱ فی التریاق، صفحہ ۱۹۰

★ واضح رہے کہ ”تعویذ“ سے مراد گندے، مکے، کوڑیاں، نقش، خاکے وغیرہ چیزیں ہیں جنہیں اس نیت سے لٹکایا اور آویزاں کیا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے سے بلائیاں و مصائب سے دفاع رہے گا اور دوسرے مافوق الاسباب فوائد حاصل ہوں گے جن کا پہلہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ بعض مترجمین ”تَعَوُّذ“ کا ترجمہ بھی ”تعویذ“ کر دیتے ہیں جو کہ غلط ہے۔ ”تَعَوُّذ“ کے معنی پناہ پکڑنے کے ہیں، قرآن میں اللہ نے خود مومنین کو ”تَعَوُّذ“ کا حکم دیا ہے:

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (الحج: ۹۸)

”پس جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو“

اصحاب صحاح ستہ و دیگر محدثین نے اپنے مجموعہ احادیث میں ”استعاذہ“ کے باب باندھے ہیں جن میں ایسی روایتیں بکثرت بیان کی ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف چیزوں سے مختلف دعاؤں میں ”تَعَوُّذ“ کرنا بیان کیا گیا ہے (جسے مترجمین ”تعویذ“ کہہ کر یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ تعویذ کرنا تو خود احادیث میں بیان کیا گیا ہے!) لہذا قرآن و حدیث کی رو سے ”تَعَوُّذ“ بالکل جائز اور حلال ہے بلکہ حکم الہی و سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے لیکن ”تعویذ“ سر امر ناجائز، حرام اور شرک ہے۔

جس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کسی چیز سے منع فرمائیں تو وہ حدیث صحیح نص قطعی کا درجہ رکھتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٥٩﴾ (الحشر: ٥٩)

”اور جو چیز تم کو رسول دیں تو وہ لے لو، اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔“

محولہ بالا آٹھ احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے تعویذ اور اس کی دوسری اقسام سے منع فرمایا ہے، اس لیے فرمان الہی کی روشنی میں تعویذ کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور جائز ٹھہرانے کی قطعی کوئی گنجائش نہیں۔ قرآنی غیر قرآنی ہر قسم کا تعویذ شرک ہے۔ اس میں صرف اس قدر استثنیٰ ہے کہ ایسے دم کی رخصت دی جس میں شرکیہ الفاظ نہ ہوں۔ (۱) نبی ﷺ خود معوذتین یعنی قرآن کی آخری دو سورتوں سے اپنے آپ پر دم کرتے تھے، اور جب آپ ﷺ کے مرض میں شدت آگئی تو عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ سورتیں پڑھ کر آپ ﷺ کا ہاتھ آپ کے جسم پر پھیر دیتی تھیں۔ (۲)

یہ باتیں سن کر فرقہ و مسلک پرست لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ قرآن میں تو اللہ نے شفا بتلائی ہے (۳) تو پھر کیوں نہ قرآن کا تعویذ استعمال کر کے شفا حاصل کی جائے۔ بیشک قرآن میں شفا ہے، لیکن وہ جسمانی امراض کے لیے نہیں کہ اس کا تعویذ لٹکایا جائے، بلکہ یہ شفا ان بیماریوں کے لیے ہے جو قلب و صدر میں ہوتی ہیں، یعنی ضعیف الاعتقادی، نفاق، شقاق، معصیت، وغیرہ :

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ ۖ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ (يونس: ۵۷)

(۱) صحیح مسلم: بحوالہ مشکوٰۃ، جلد ۲، کتاب الطب والرقي، صفحہ ۳۶۱/ موطا امام مالک، باب الرقية، صفحہ ۶۵۵

(۲) سنن ابی داؤد، جلد ۳، کتاب الطب، باب کیف الرقي، صفحہ ۲۰۱

(۳) قُلْ هُوَ الَّذِي أَنشَأَ الْهَدْيَ وَشَفَاءٌ (خ: السجدة: ۲۴) ”کہہ دو کہ جو ایمان لاتے ہیں ان کے لیے یہ ہدایت اور شفا ہے“ وَتُكْرَلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ (بنی اسرائیل: ۸۲) ”اور ہم قرآن (کے ذریعے) سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔“

”لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا، اور مومنوں کے لیے ہدایت و رحمت آگئی ہے۔“

شفا تو اللہ نے شہد میں بھی رکھی ہے، تو کیا پھر شہد کو بوجھل میں بھر کر پیٹ سے باندھ لیں تو شفا مل جائے گی؟ قرآن واقعی ایک نسخہ کیمیا ہے، لیکن اس مریض کو کیا کہا جائے گا جو معالج کے تجویز کردہ نسخے کو بار بار پڑھے، چومے، آنکھوں سے لگائے، جزدانوں میں لپیٹ کر اوپر رکھے، یا اس کو موٹی کاغذ میں لپیٹ کر گلے میں لٹکالے، لیکن اس میں دی گئی ہدایت پر عمل نہ کرے؟ بلاشبہ ایسے شخص کو دیوانہ ہی کہا جائے گا، اور وہ اسی طرح بیمار رہے گا جب تک اس تجویز کردہ نسخے کے مطابق عمل نہ کرے، یا ممکن ہے کہ اس کا اپنا مدافعتی نظام ہی اس بیماری پر قابو پالے کیونکہ دوا کا کام بھی اس نظام کی صلاحیت کو ابھارتا ہی ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح قرآن میں بتائی گئی شفا تب ہی حاصل ہوگی جب اس میں غور و فکر کیا جائے گا، اس کے مطابق عقائد و اعمال بنائے جائیں گے۔ اس کو تعویذ بنا کر لٹکانے سے شفاء کی امید رکھنے والا بالکل اسی دیوانے کی مثل ہے جو ڈاکٹر کے نسخے پر عمل نہ کرے بلکہ اس کو گلے میں لٹکالے۔ لہذا وہ تعویذ بھی ناجائز ہے جس میں قرآن لکھا ہوا ہو، کیونکہ قرآن لٹکانا سنت نہیں، سنت تو یہ ہے کہ اس سے نصیحت حاصل کی جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعویذ گنڈوں سے کس قدر نفرت تھی اس کا اندازہ درج ذیل روایات سے ہوتا ہے:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کی گردن میں ایک دھاگہ دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ ان کی بیوی نے بتایا کہ یہ دم کیا ہوا دھاگہ ہے۔ آپ نے اسے پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور کہا: ”اے آل عبداللہ! تم شرک سے بے پرواہ ہو۔ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا کہ بیشک دم، تعویذ اور ٹوٹکے شرک ہیں۔“ ان کی بیوی نے پوچھا کہ تم یہ کیسے کہتے ہو، میری آنکھ میں شدید تکلیف تھی، میں فلاں یہودی کے پاس جاتی تھی، پھر جب وہ اس پر دم کرتا تو آرام آ جاتا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ شیطان کا کام تھا۔ وہ اس آنکھ پر چوک لگاتا تھا، پھر جب وہ دم کرتا تو وہ شیطان رک جاتا۔ تجھ کو صرف اتنا ہی کہنا کافی تھا:

* فَيُشِفُ شِفَاءً لِّدَنَاسٍ (النحل: ۶۹) ”اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے“

أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا
(اے لوگوں کے رب! بیماری دور کروے اور شفا دیدے، تو ہی شفا دینے والا ہے، تیری شفا
کے سوا کوئی شفا نہیں، ایسی شفا دے جو بیماری کو بالکل ختم کر دے)۔ (۱)

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ایک مریض کی عیادت کو گئے؛ اسکے بازو پر ایک دھاگہ بندھا ہوا
دیکھا تو اس کو کاٹ کر الگ کر دیا اور قرآن کی یہ آیت پڑھی :

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ (سورہ یوسف، آیت ۱۰۶)

”لوگوں کی اکثریت اللہ کو مانتی ضرور ہے مگر اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بھی ٹھہراتی ہے۔“

ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس مریض سے کہا کہ اگر تو اس حالت
میں مر جائے کہ تیرے ہاتھ پر یہ دھاگہ بندھا ہوا ہو تو میں تیری نماز جنازہ نہ پڑھوں گا۔
(تفسیر ابن کثیر: جلد ۲، صفحہ ۲۹۴)

حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے جو سورۃ یوسف کی آیت پڑھی وہ انہی تعویذ گنڈوں کو موثر
سمجھتے اور اس کا کاروبار کرنے والے قسم کے لوگوں پر صادق آتی ہے جو ایمان کا دعویٰ بھی
کرتے ہیں مگر ساتھ ہی تعویذات کا شرک بھی کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعویذات کو شرک ہی سمجھتے
تھے۔ رہیں وہ روایات جن میں عمر رضی اللہ عنہ کا سر درد میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کا تعویذ ٹوپی میں
رکھنے، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا دریائے نیل میں تعویذ ڈالنے، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تعویذ کو
جائز سمجھنا، وغیرہ نقل کیا گیا ہے وہ سب ان نفوسِ عالیہ پر ہتان طرازی کے سوا کچھ نہیں۔

تعویذ گنڈوں کا ایک شنیع و فبیح پہلو بھی ملاحظہ فرمائیے: مسلک پرستوں اور ان کے
اسلاف کے جائز کردہ اس تعویذ گنڈے کی آڑ میں کیسے گھٹاؤنے کام کیے جاتے ہیں۔ کتنے ہی
تعویذ فروش ان آڑی تر چھی لکیروں اور گنتی لکھے ہوئے پرزوں سے لوگوں کا مال ہضم کر جاتے
ہیں، تعویذ لینے کے لیے آنے والی کمزور عقیدہ عورتوں کی دنیا بھی برباد کر دیتے ہیں، ان پر جھاڑ

پھونک کے بہانے ان کے ساتھ کیا کیا شر مناک افعال نہیں کیے جاتے، اس دینداری کی آڑ میں گناہوں کے اڈے چلتے ہیں جہاں جسم بھی سکتے ہیں اور ایمان کا بھی سودا ہوتا ہے، جن کی تفصیل اکثر و بیشتر اخبارات میں آتی رہتی ہے، اور جنہیں بنیاد بنا کر دین و مذہب سے بیزار تنظیموں کو اسلام پر تنقید کرنے کا موقع ہاتھ آ جاتا ہے جنہوں نے اپنے اوپر حقوق انسانی، فلاح انسانیت، حقوق نسواں وغیرہ کے لیے کام کرنے والی این جی او (NGOs) کا پرفریب لیبل لگایا ہوتا ہے۔ اس طرح مذہب کی بدنامی کا سبب یہی تعویذ گنڈہ اور اس کے کرنے والے بنتے ہیں۔

الغرض ہند سے لکھے ہوئے کاغذ کے ان پرزوں میں کوئی تاخیر نہیں ہے۔ اگر کہیں ایسا ہوتا تو پھر تو سارے اسپتال ویران ہو جاتے اور ڈاکٹر بے روزگار! ان کے پاس کوئی نہ جاتا بلکہ سارے مریض مولویوں اور پیروں سے رجوع کرتے۔ یہ مولوی اور پیر سب سے زیادہ مالدار ہوتے، چند روپوں کے عوض تعویذ نہ بیچتے، بلکہ ایک تعویذ لکھتے اور پوشیدہ خزانوں کے مالک بن بیٹھتے۔ کم از کم اتنا تو ہوتا کہ کسی ڈاکٹر کے پاس کوئی تعویذ فروش نہ جاتا بلکہ اپنا علاج خود کر لیتا!

اب بھی اگر کوئی بضد ہے کہ تعویذ میں تو بہت اثر ہوتا ہے تو وہ تعویذ کے ان بیوپاریوں سے کہے کہ کوئی ایسا تعویذ کریں کہ ساری خرابیاں دور ہو جائیں، نفرتیں مٹ جائیں، تفرقہ بازی کا خاتمہ ہو جائے، ایک دوسرے کی تکفیر کرنے، ان کے جانیں لینے، مال لوٹنے اور ان کی عبادت گاہوں کو آگ لگانے والے سارے مسالک باہم شیر و شکر ہو کر ایک امت بن جائیں، غربت ختم ہو جائے، بیماریاں بھاگ جائیں، ملک کا سارا قرض ادا ہو جائے، ہر سو خوشحالی پھیل جائے، اسلام کو غلبہ حاصل ہو جائے، بیت المقدس آزاد ہو جائے، کشمیر ہندوؤں کے چنگل سے رہا ہو جائے، عراق و افغانستان کا مسئلہ حل ہو جائے، ان کے علاقوں پر سے غاصبانہ قبضہ ختم ہو جائے، اسلام دشمن قوتیں امریکہ، اسرائیل، بھارت، سریلنکا وغیرہ تباہ ہو جائیں، ان کی مسجدوں پر قابض ہندو یہود ہلاک ہو جائیں اور مسجدیں واپس مل جائیں، ان کی عزت و ناموس کی طرف بڑھنے والے ہاتھ شل ہو جائیں، ”نظام مصطفیٰ“ (جس کے نفاذ کا یہی تعویذ گنڈے کرنے والے مطالبہ کرتے ہیں) رائج ہو جائے یا خود ان کا اپنا مخصوص فقہ ہی نافذ ہو جائے۔



کتاب ہذا کے رد میں لکھی جانے والی تحریروں، تقریروں اور فتویٰ میں اپنے اس تعویذ گنڈے کے درمیانہ کاروبار کا دفاع کرتے ہوئے ان مولویوں اور پیروں نے بڑی عیاری اور پیشہ ورانہ داؤ پیچ کا مظاہرہ کیا ہے اور ایسی ڈھٹائی اور دیدہ دلیری کے ساتھ صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح دکھایا ہے کہ حیرت ہوتی ہے آخرت سے ان کی بے خوفی اور بے باکی پر! تفسیری اقوال اور تیسرے چوتھے درجے کی غیر مستند کتب کی روایات کے ذریعے اوپر بیان کردہ قرآن و صحیح احادیث کے صحیح موقف کو رد کرنے کی باطل کوشش کی ہے! جانوروں کے گلے میں پڑے نظر بد کے پٹوں کو کٹوانے سے متعلق بخاری کی حدیث کے بارے میں دعویٰ کر دیا کہ ان میں گھنٹیاں لٹکا لی جاتی تھیں جو ممنوع ہیں اور ان پٹوں سے لگا گھنٹے کا بھی اندیشہ رہتا تھا اس لیے انہیں کٹا دیا گیا! پانی میں پھونکنے کی ممانعت سے متعلق فرمان نبوی کے بارے میں یہ چال چلی کہ یہ پانی پیتے ہوئے اس میں سانس چھوڑنے اور پھونکنے مارنے کے بارے میں ہے، پانی میں دم کرنے کی ممانعت نہیں ہے اور دم کرنا تو تم خود تسلیم کرتے ہو! تعویذ گنڈے کو شرک ثابت کرنے والی حدیث کے بارے میں حیلہ گھڑا گیا کہ شرک جب ہو جب اسے مؤثر سمجھے ورنہ اگر اللہ کی طرف سے فائدہ ہونے کے عقیدے کے ساتھ تعویذ لٹکایا کرے تو پھر ہر گز شرک نہ ہو گا! ملا تو نسوی نے تعویذ گنڈوں، جھاڑ پھونک کو علاج کے مختلف طریقوں کی ایک قسم قرار دے دیا جیسے، طب و حکمت، ڈاکٹری و ہومیو پیتھی۔ پیشہ ور مولویوں کی ان مکارانہ چالوں پر ہم صرف قرآن کی یہ آیتیں ہی پڑھ کر ان لوگوں کے متبعین و معتقدین کو ان سے ہوشیار کرتے ہیں کہ

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَاطِطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ۚ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿١٠٠﴾ وَلِتَضَعِ يَدُكَ الْأَيْدِي لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُقْتَرِفُونَ ﴿١٠١﴾ أَفَغَيَّرُ اللَّهُ أَحْسَنَ حَكْمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنْزَلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١٠٢﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٠٣﴾ وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ يَفْضَلُوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿١٠٤﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَنْصِلُ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١٠٥﴾ (النعام: ١٠٠-١٠٥)

”اور اسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا وہ دھوکہ دینے کے لیے ایک دوسرے کے دل میں طمع کی ہوئی باتیں ڈالتے رہتے ہیں؛ اور اگر تمہارا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے؛ پس تم ان کو چھوڑ دو جو جھوٹ یہ گھڑ رہے ہیں۔ اور (وہ ایسے کام) اس لیے بھی (کرتے ہیں) کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے دل اُن کی باتوں پر مائل ہوں اور وہ انہیں پسند کریں اور وہ بھی وہی کام کرنے لگیں جو یہ کرتے ہیں۔ (کہو) کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور منصف تلاش کروں حالانکہ اُس نے تمہاری طرف واضح کتاب بھیجی ہے۔ اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ جانتے ہیں کہ وہ تمہارے رب کی طرف سے برحق اتری ہے سو تم ہر گز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔ اور تمہارے رب کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں، اُسکی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں، اگر تم اُن کا کہنا مان لو گے تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ یہ محض خیال کے پیچھے چلتے اور نرے انکل کے تیر چلاتے ہیں۔ بیشک تمہارا رب خوب جانتا ہے انہیں جو اُسکے راستے سے بھٹک گئے اور وہ انہیں بھی جانتا ہے جو ہدایت پر ہیں۔“

اللہ کے سوا دوسروں سے مدد مانگنا

رضا خاں بریلوی لکھتے ہیں کہ (۱)

”سیدی احمد زروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ اکابر علماء و اولیائے دیار مغرب سے ہیں اپنے قصیدے میں ارشاد فرماتے ہیں:-

اَنَا لِمُرِيدِي جَامِعٌ لَشَتَاتِهِ میں اپنے مرید کی پریشانیوں میں جمعیت بخشنے والا ہوں
اِذَا مَاسَطَا جُورَ الزَّمَانِ بِنَكْبَتِهِ جب ستم زمانہ اپنی ٹھوسٹ سے اس پر تعدی کرے
وَإِنْ كُنْتُ فِي ضَيْقٍ وَكَرْبٍ وَوَحْشَةٍ اور اگر تو تنگی و تکلیف و وحشت میں ہو تو
فَنَادِ بِنَا زُرُوقٍ آتِ لِسُرْعَتِهِ یوں ندا کر یا زروق میں فوراً آ موجود ہوں گا“

پیچھے توسل کے بیان میں گزر چکا ہے کہ مشرکین کہ مدد اور استعانت کے لیے اپنے تین سو ساٹھ بتوں کو پکارتے تھے۔ اس کے مقابلے میں مالک کائنات نے صرف اپنی ذات سے مدد مانگنے کا حکم دیا اور نبی ﷺ کے ذریعے یہ طریقہ تعلیم کیا کہ یوں کہا کریں :

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (سورۃ الفاتحہ: ۲)

”(اے اللہ!) ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔“

اور اُس کے رسول برحق ﷺ نے بھی یہی بتایا کہ

إِذَا سَأَلْتَ فَسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِهِ بِاللهِ

”جب بھی تم کچھ مانگو تو اللہ ہی سے مانگو، اور جب بھی مدد چاہو تو اللہ ہی سے چاہو۔“ *

(۱) روحوں کی دنیا: صفحہ ۱۳۵

* پوری روایت ”قبروں سے فیض“ کے ذیل میں پیچھے بیان کی چکی ہے۔ مگر مقام حیرت و افسوس ہے کہ اس واضح حکم کے خلاف تذکرۃ الرشید کے مصنف کے بقول شاہ ولی اللہ صاحب اپنی وفات کے کئی سو سال بعد دنیا میں تشریف لا کر رشید احمد گنگوہی صاحب کے ایک مرید سے کہتے ہیں کہ ”جو چاہو حضرت مولانا رشید احمد سے چاہنا۔“ (تذکرۃ الرشید: حصہ ۲، صفحہ ۳۰۹)

مگر دیوبندیوں کے شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب ”موضح الفرقان“ نامی تفسیر قرآن میں جو کہ اب ”تفسیر عثمانی“ کے نام سے دستیاب ہے، اسی آیت اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

”اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد و مگنی بالکل ناجائز ہے، ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔“

یہ لوگ خواہ کتنی ہی الفاظی کر لیں، اللہ کا فیصلہ اٹل ہے کہ

وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ (ال عمران: ۱۲۲ / الانفال: ۱۰)
”مدد اللہ کے سوا کسی کی جانب سے نہیں، جو بہت زور آور اور حکمت والا ہے۔“

وَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُونَ ﴿۱۷﴾ لَا يَسْتَطِيعُونَ
نَصْرَهُمْ وَهُمْ جُنْدٌ مُّخَضَّرُونَ ﴿۱۸﴾ (سورہ اعراف: ۱۷، ۱۸)

”اور اللہ کو چھوڑ کر انہوں نے جو دوسرے الہ بنالئے ہیں تاکہ (ان سے) ان کو مدد پہنچے، وہ ان کی مدد کی ہرگز طاقت نہیں رکھتے، (لیکن) یہ (پھر بھی) ان کے لیے حاضر باش لشکر بنے ہوئے ہیں۔“

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِنْ يَخْذُكُمُ فَذَٰلِ الَّذِي
يَنْصُرْكُم مِّنْ بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (ال عمران: ۱۶۰)
”اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی (کی مدد) پر بھروسہ کرنا چاہیے۔“

خود انبیاء علیہم السلام سے بھی کہلوادیا گیا کہ

قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ﴿۱۶﴾ قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ صَرًّا وَلَا رَشَدًا
﴿۱۷﴾ قُلْ إِنِّي لَنْ يُخِירَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ﴿۱۸﴾ (الحج: ۱۶، ۱۷، ۱۸)
”اے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ میں تو بس اپنے رب کو ہی پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ آپ کہہ دیجیے کہ میں تمہارے حق میں کسی نفع و نقصان کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ آپ (یہ بھی) کہہ دیجیے کہ مجھے اللہ (کے عذاب) سے ہرگز کوئی نہ بچا سکے گا، اور میں اس کے سوا کہیں جانے پناہ نہیں دیکھتا۔“

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ط وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبُ لَا سْتَكُنْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ۖ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ مُّؤْمِنُونَ (الاعراف: ۱۸۸)

” (اے نبی!) آپ کھدیجے کہ میں تو اپنی جان کے لیے بھی کسی نفع و نقصان کا کوئی اختیار نہیں رکھتا، مگر جو اللہ چاہے، اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھ کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو مومنوں کو ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔“

قُلْ اللَّهُ يُتَجَبَّرُ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كُذِبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ (الانعام: ۶۴)

” (اے نبی!) آپ کھدیجے کہ اس (طوفان) سے اور ہر تکلیف سے اللہ ہی تمہیں بچاتا ہے، پھر بھی تم شرک کرتے ہو۔“

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ط (یونس: ۴۰)

” (اے نبی!) آپ کھدیجے کہ میں تو اپنی جان کے لیے بھی کسی نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔“

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿١﴾ وَأَنْ أَقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٢﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٣﴾ وَإِنْ يَسْأَلْكَ اللَّهُ بَضْرٍ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٤﴾ (یونس: ۱۰۳ تا ۱۰۷)

” (اے نبی!) آپ کھدیجے کہ اے لوگو! اگر تم کو میرے دین کے بارے میں کسی طرح کا شک ہو (تو نہ رکھو) جن لوگوں کی تم اللہ کے سوا بندگی کرتے ہو میں ان کی بندگی نہیں کرتا بلکہ میں تو اللہ کی بندگی کرتا ہوں جو تمہیں وقت دیتا ہے، اور مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہوں، اور یہ کہ (اے نبی!) آپ یکسو ہو کر دین (اسلام) کی پیروی کیے جلیے اور ہر گز مشرکوں میں سے نہ ہونا، اور اللہ کو چھوڑ کر ایسے کو نہ پکارنا جو نہ تمہیں کچھ نفع دے سکے اور نہ نقصان۔ اگر ایسا کرو گے تو ظالموں میں ہو جاؤ گے۔ اور اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کو کوئی نہیں ہٹا سکتا، اور اگر وہ تم کو کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے فائدہ پہنچاتا ہے، اور وہ بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٥٤﴾ (الانعام: ٥٤)

”اور اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو تم سے وہ تکلیف دور کر سکے اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

جب اللہ کے سوا کوئی مشکل کشا نہیں تو پھر کسی اور کو مدد کے لیے پکارنے کا کیا فائدہ؟

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۚ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطٌ غَفِيهٍ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ ۚ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿٥٥﴾ (الرعد: ٥٥)

”اسی (اللہ) کو پکارنا حق ہے اور جن کو یہ لوگ اس کے سوا پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کو کسی طرح قبول نہیں کرتے مگر اس شخص کی طرح جو اپنے ہاتھ پانی کی طرف پھیلا دے تاکہ وہ (دور ہی سے) اس کے منہ تک آپہنچے حالانکہ وہ اس تک (کبھی بھی) نہیں پہنچ سکتا، اور (اسی طرح) کافروں کی پکار بے کار ہے۔“

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنِ دُعَائِهِمْ غَفِلُونَ ﴿٥٦﴾ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كُفَرِينَ ﴿٥٧﴾ (الاحقاف: ٥٦، ٥٧)

”اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہو گا جو اللہ کے سوا ایسے کو پکارے جو قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہ دے اور جو ان کی پکاروں سے غافل ہوں! اور جب (روزِ قیامت) لوگ جمع کیے جائیں گے تو یہ (پکارے جانے والے) ان (پکارنے والوں) کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی پوجا پرستش کا انکار کر دیں گے۔“

بے اختیار مخلوق کو پکارنا اور اُن سے امیدیں رکھنا کس قدر جہالت و نادانی ہے:

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٥٨﴾ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٥٩﴾ (الزلزلہ: ٥٨، ٥٩)

”اور وہ لوگ اللہ کے علاوہ جن دوسری ہستیوں کو پکارتے ہیں، انہوں نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا، بلکہ وہ تو خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں جن میں جان کی رمت بھی نہیں، اور انہیں تو یہ بھی شعور نہیں کہ انہیں کب اٹھایا جائے گا۔“

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبَ مَثَلٍ ۖ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ ۚ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْعًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ﴿٣٠﴾ (الحج: ۳۰)

”اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے، اسے غور سے سنو! بیشک وہ لوگ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، وہ ایک کبھی بھی نہیں پیدا کر سکتے چاہے وہ سب اس کے لیے جمع ہو جائیں، اور اگر کبھی ان سے کچھ چھین لے تو اسے چھڑا نہیں سکتے۔ کتنے کمزور ہیں یہ مانگنے والے اور وہ جن سے مانگا جا رہا ہے۔“

وَاتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ إِلَهًا لَا يَخْلُقُونَ شَيْعًا وَهُمْ يَخْلُقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ أَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا ﴿٣١﴾ (الفرقان: ۳۱)

”اور (لوگوں نے) اُس (اللہ) کے سوا دیگر الہ بنا لیے ہیں جو کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے اور وہ تو خود مخلوق ہیں، اور وہ تو اپنے لیے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے، اور نہ موت و حیات ان کے اختیار میں ہے، اور نہ مَر کر دوبارہ جی اٹھنا۔“

یہ سب تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے:

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۚ هَلْ مِنْ شَرِكٍ لِكُم مَّن يَفْعَلُ مِنْ دِينِكُمْ مِنْ شَيْءٍ ط (الروم: ۲۰)

”اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا، پھر تم کو رزق دیا، پھر تمہیں موت دے گا، پھر تم کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ بھلا تمہارے (بنائے ہوئے) شریکوں میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ کر سکے؟“

سورۃ یونس میں اللہ نے مشرکین کی حالت بیان کی کہ اے نبی ﷺ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ:

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمْ مَنْ يَمْلِكُ السَّيْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۲۱﴾ (یونس: ۲۱)

”کون ہے جو تم کو زمین و آسمان سے رزق دیتا ہے؟ کون ہے جو (تمہاری) دیکھنے اور سننے کی صلاحیتوں کا مالک ہے؟ کون ہے جو بے جان سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان کو پیدا کرتا ہے؟ اور کون ہے جو سارے کام بناتا ہے؟ تو جھٹ کھدیں گے کہ اللہ۔ تو (اے نبی!) آپ ان سے کہیے کہ پھر تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں؟“

سورة العنكبوت میں اللہ نے فرمایا کہ:

وَلَيْسَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَنَحَرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
لَيَقُولَنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰی يُؤْفِكُوْنَ ﴿١٦﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ
عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧﴾ وَلَيْسَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ
نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولَنَّ
اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٨﴾ (العنكبوت: ۱۶-۱۸)

”اور (اے نبی!) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ زمین اور آسمان کس نے پیدا کیے اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا تو ضرور کہیں گے اللہ نے، تو پھر یہ کہاں سے بہکائے جارہے ہیں۔ اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان سے پانی کس نے نازل کیا پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد (کس نے) زندہ کیا؟ تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ آپ کہہ دیجیے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، لیکن ان میں سے اکثر نہیں سمجھتے۔“

اور سورة الزخرف میں اس طرح فرمایا:

وَلَيْسَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولَنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰی يُؤْفِكُوْنَ (الزخرف: ۸۷)
”(اے نبی!) اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ تو پھر یہ کہاں بہکائے جاتے ہیں۔“

سورة المومنون میں بھی ایسا ہی ارشاد فرمایا:

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١﴾ سَيَقُولُوْنَ لِلّٰهِ ؕ
قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٢﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ
الْعَظِيْمِ ﴿٣﴾ سَيَقُولُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٤﴾ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ
مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجَبِّرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٥﴾
سَيَقُولُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰی تُسْحَرُوْنَ ﴿٦﴾ بَلْ اَتَيْنَهُمُ بِالْحَقِّ وَانَّهُمْ
لَكٰذِبُوْنَ ﴿٧﴾ (المومنون: ۱-۷)

”آپ (ان سے) کہیے کہ اگر تم جاننے ہو تو بتاؤ کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے، سب کس کا ہے؟ جھٹ بول اٹھیں گے کہ اللہ کا۔ آپ کہیے کہ پھر تم سوچتے کیوں نہیں؟ آپ (ان سے) پوچھئے کہ سات آسمانوں کا اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ میساختہ کہیں گے کہ یہ سب اللہ ہی کے ہیں۔ آپ کہیے کہ پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟ آپ (ان سے) کہیے کہ اگر تم جاننے ہو تو بتاؤ کہ وہ کون ہے جس کا ہر شے پر اقتدار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی پناہ نہیں دے سکتا؟ فوراً کہیں گے کہ یہ تو اللہ ہی کے لیے ہے۔ آپ (ان سے) کہیے کہ پھر تم پر کہاں سے جادو کیا جاتا ہے؟ بات یہ ہے کہ ہم نے ان کے پاس حق پہنچا دیا ہے اور یہ (پھر بھی شرک کیے جا رہے ہیں تو یہ) بیشک جھوٹے ہیں۔“

مشرکین مکہ کی طرح یہ مسلک پرست بھی یہ سارے کام من جانب اللہ ہی سمجھتے ہیں مگر جس طرح توحید کے تمام اثباتی دلائل کے باوجود وہ لوگ اللہ کے ساتھ شرک کرنا نہ چھوڑتے تھے، اسی طرح یہ بھی اپنی روش پر جمے ہوئے ہیں اور غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز سمجھتے ہیں! یہ کھلا شرک ہے اور قرآن کا انکار بھی۔ مسلک پرستوں کی ایک ذیلی جماعت شیعوں کو ”یا علی مدد“ کہنے پر کافر کافر کے نعرے لگاتی ہے اور اس کے جواب میں بلا اجازت ”یا اللہ مدد“ لکھ لکھ کر لوگوں کے گھروں کی دیواریں کالی کرتی ہے، گاڑیوں میں اسٹیکر لگاتی ہے۔* یہ تکفیری نعرے بلند کرنے سے پہلے اس جماعت کو اوپر بیان کیے گئے اپنے بزرگوں کے ارشادات پر بھی غور کر لینا چاہیے۔ ساتھ ہی اپنے مکتب فکر کا یہ فیصلہ بھی پیش نظر رکھیں کہ

”..... حقیقت یہ ہے کہ وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے امداد کے مسئلہ میں علماء دیوبند کا خیال بھی وہی ہے جو عام اہل السنۃ والجماعت کا ہے..... بزرگوں کی ارواح سے مدد لینے کے ہم منکر نہیں ہیں۔“ (1)

لہذا ان کے امام الطائفہ امداد اللہ مہاجر مکی صاحب کسی خاص مقصد کے حصول کے لیے چلہ تجویز کرتے ہوئے متلقین فرماتے ہیں:

★ فقہی مسائل کی باریکیوں میں پڑنے والے ان کے سرخیل اس ملکیت غیر کے بلا اجازت تصرف پر بھی کوئی فتویٰ صادر فرمائیں۔

(1) سوانح قاسمی: جلد ۱، حاشیہ صفحہ ۳۳۲

”شعبان کی بیسویں تاریخ عصر کی نماز کے پہلے جو نوافل کے پڑھنے کا وقت ہے، اعوذ بسم اللہ اور معوذتین اور کلمہ تمجید پڑھ کر مرشد کے واسطے سے مشائخ طریقت کی مقدس روحوں سے مدد مانگ کر خلوت میں آجائے.....“ (1)

توحید پرستی کے بلند بانگ دعوے کرنے سے پہلے ان مسلک پرستوں کو اپنے مذکورہ امام صاحب کی شاعری پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہیے۔ اس نورانی شاعری کے کچھ نمونے آپ پچھلے صفحات میں بھی ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اسکے کچھ اور نمونے ذیل میں دیئے جا رہے ہیں: (2)

یا رسول کبریا فریاد ہے ... یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے
آپ کی امداد ہو میرا یا نبی ... حال ابتر ہوا فریاد ہے
سخت مشکل میں چھٹا ہوں آجکل ... اے مرے مشکل کشا فریاد ہے
دروہجراں سے ہے لب پر جان ہے مری ... اب تو گہرے کیچھے دوا فریاد ہے
چہرہ تباہاں کو دکھلا دو مجھے ... تم سے اے نور خدا فریاد ہے
گردن و پا سے مری زنجیر و طوق ... یا نبی کیچھے جدا فریاد ہے
قید غم سے اب چھڑا دیجے مجھے ... یا شہ ہر دو سرا فریاد ہے
یا نبی احمد کو در پر لو بلا ... اس لیے صبح و مسا فریاد ہے

.....

آپ کی فرقت نے مارا یا نبی ... دل ہوا غم سے دو پارا یا نبی
طالب دیدار ہوں دکھلائیے ... روئے نورانی خدا یا نبی
حق تعالیٰ کے تم ہی محبوب ہو ... کون ہے ہمسر تمہارا یا نبی
دروہجراں کے سبب مجھ سے کیا ... صبر و طاقت نے کنارا یا نبی
باغ جنت سے زیادہ ہے عزیز ... مجھ کو وہ کوچہ تمہارا یا نبی
مرتے دم گردیکھ لوں روضہ شریف ... زندگی ہووے دوبارا یا نبی
لیجیے در پر بلا کب تک پھروں ... در بدر مارا مارا یا نبی
چمن آتا ہے مرے دل کو تمام ... نام لیتے ہی تمہارا یا نبی

.....

(1) کلیات امدادیہ (ضیاء القلوب): صفحہ ۶۸

(2) مذکورہ اشعار ان پیر صاحب کی مثنوی ”گلزار معرفت“ اور ”نالہ امداد غریب“ کے صرف ایک ایک صفحے کا عکس ہیں (کلیات امدادیہ، صفحہ ۹۱ اور ۲۰۵) ورنہ اسی مجموعے میں ان کے ایسے بہت سے اشعار درج ہیں۔

- ۔ مرا طالع خفتہ جاگے یقین ہے ... اگر خواب میں منہ دکھائے محمدؐ
- ۔ میں اس پر ندا جان اور دل سے قربان ... مرا جان و دل سب ندائے محمدؐ
- ۔ محمد کی مرضی ہے مرضی خدا کی ... خدا کی رضا ہے رضائے محمدؐ
- ۔ تجل ہو کے خورشید کا رنگ فق ہو ... اگر منہ سے پردہ اٹھائے محمدؐ
- ۔ نہوتے تو کچھ بھی نہوتا یقین ہے ... ہوا ہے یہ سب کچھ برائے محمدؐ
- ۔ تمنا یہ ہے رنج کی یا الہی ... عطا ہو اسے خاکپائے محمدؐ
- ۔ کر کے نثار آپ پہ گھر بار یا رسولؐ ... اب آپڑا ہوں آپ کے دربار یا رسولؐ
- ۔ عالم نہ متقی ہوں نہ نابد نہ پارسا ... ہوں امتی تمہارا گنہگار یا رسولؐ
- ۔ اچھا ہوں یا برا ہوں غرض جو کچھ ہوں سو ہوں ... پر ہوں تمہارا تم میرے معتد یا رسولؐ
- ۔ کس طرح آہ میں کروں خدمت میں حاضر ... ہوں فحلت گناہ سے سرشار یا رسولؐ
- ۔ ذات آپ کی تو رحمت و الفت ہے سرسبز ... میں گرچہ ہوں تمام خطا وار یا رسولؐ
- ۔ کریئے نہ میرے فعل بروں پر نگاہ تم ... کی جیو نظر کرم کی بس اکبر یا رسولؐ
- ۔ جسدن تم عاصیوں کے شفیع ہو کے پیش حق ... اس دن نہ بھولنا مجھے زہد یا رسولؐ
- ۔ لی جیو خدا کے واسطے اُس دن مری خبر ... عصیاں کا میرے جب کھلے اختیار یا رسولؐ
- ۔ تم نے بھی گر نہ لی خبر اس حال ناز کی ... اب جا کہاں بتاؤ یہ ناچار یا رسولؐ
- ۔ دونوں جہاں میں مجھ کو وسیلہ ہے آپ کا ... کیا غم ہے گرچہ ہوں میں بہت خواہار یا رسولؐ
- ۔ کیا ڈر ہے اُس کو لشکر عصیاں و جرم سے ... تمنا شفیع ہو جس کا مددگار یا رسولؐ
- ۔ گھیرا ہے ہر طرف سے مجھے درد و غم نے آپ ... اب زندگی بھی ہو گئی دشوار یا رسولؐ
- ۔ ہو آستانہ آپ کا امداد کی جبین ... اور اس سے زیادہ کچھ نہیں درکار یا رسولؐ

.....

- ۔ ذرا چہرہ سے پردے کو اٹھاؤ یا رسولؐ اللہ ... مجھے دیدار تک اپنا دکھاؤ یا رسولؐ اللہ
- ۔ کرو روئے منور سے مری آنکھوں کو نورانی ... مجھے فرقت کی ظلمت سے بچاؤ یا رسولؐ اللہ
- ۔ اٹھا کر زلف اقدس کو ذرا چہرہ مبارک سے ... مجھے دیوانہ اور وحشی بناؤ یا رسولؐ اللہ
- ۔ شفیع عاصیاں ہو تم وسیلہ بیکساں ہو تم ... تمہیں چھوڑاں کہاں جاؤں بتاؤ یا رسولؐ اللہ
- ۔ پیاسا ہے تمہارے شربت دیدار کا عالم ... کرم کا اپنے اک پیالہ پلاؤ یا رسولؐ اللہ
- ۔ خدا عاشق تمہارا اور ہو محبوب تم اُس کے ... ہے ایسا مرتبہ کس کا سناؤ یا رسولؐ اللہ
- ۔ چھپیں فحلت سبچار پردہ مغرب میں ماہ و خور ... گر اپنے حُسن کا جلوہ دکھاؤ یا رسولؐ اللہ
- ۔ لگے گاجوش کھانے خود بخود دریائے بخشائش ... کہ جب حرف شفاعت لب پہ لاؤ یا رسولؐ اللہ
- ۔ یقین ہو جائیگا کفار کو بھی اپنی بخشش کا ... جو میدان میں شفاعت کے تم کو یا رسولؐ اللہ

مجھے بھی یاد رکھیو ہوں تمہارا امتی عاصی ... گنہگاروں کو جب تم بخشواؤ یا رسول اللہ
ہوا ہوں نفس اور شیطان کے ہاتھوں سے بہت رسوا ... مرے اب حال پر تم رحم کھاؤ یا رسول اللہ
اگرچہ نیک ہوں یا بد تمہارا ہو چکا ہوں میں ... تم اب چاہو ہمناء یا رلاؤ یا رسول اللہ
کرم فرماؤ ہم پر اور کرو حق سے شفاعت تم ... ہمارے جرم و عصیاء پر نہ جاکو یا رسول اللہ
جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں ... بس اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ
مشرف کر کے مجھ کو کلمہ طیب سے اپنے تم ... پھر اب نظروں سے لپٹی مت گراؤ یا رسول اللہ
پھنسا ہوں بے طرح گرداب غم میں ناخدا ہو کر ... مری کشتی کنارے پر لگاؤ یا رسول اللہ
اگرچہ ہوں نہ لائق دانے پر امید ہے تم سے ... کہ پھر مجھ کو مدینے میں بلاؤ یا رسول اللہ
حبیب کبریا ہو تم امام انبیا ہو تم ... ہمیں بہر خدا حق سے ملاؤ یا رسول اللہ
شراب بیخودی کا جام اک مجھ کو پلا کر اب ... دوئی کے حرف کو دل سے مٹاؤ یا رسول اللہ
بہت بھٹکا پھرا میں وادی فرقت میں جوں وحشی ... کرم فرماؤ اب تو مت پھراؤ یا رسول اللہ
مشرف کر کے دیدار مبارک سے مجھے اک دم ... مرے غم دین و دنیا کے بہلاؤ یا رسول اللہ
خدا کے واسطے رحمت کے پانی سے مرے اگر ... تب جہراں کی آتش کو بجھاؤ یا رسول اللہ
پھنسا کر اپنے دام عشق میں امداد عاجز کو ... بس اب قید و دو عالم سے چھڑاؤ یا رسول اللہ

.....

اور اپنے ”امام الکبیر“ بانی مدرسہ دیوبند، قاسم نانوتوی صاحب کے یہ اشعار بھی ذہن میں رکھے: (۱)
مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا ... نہیں ہے قاسم بیگس کا کوئی حامی کار
جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا ... بنے گا کون ہمارا تیرے سوا غنخوار
امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ ... کہ ہو سگاہ مدینہ* میں میرا نام شہد
جیوں تو ساتھ سگاہ حرم کے تیرے پھروں ... مروں تو کھائیں مدینے کے مجھ کو مور و مد
جو یہ نصیب نہ ہو اور کہاں نصیب مرے ... کہ میں ہوں اور سگاہ حرم کی تیری قطار

(۱) دیوبند سے بریلی تک: صفحہ ۶۲

★ اللہ نے انہیں اشرف المخلوق انسان بنایا ہے لیکن نہ جانے کیوں یہ مسلک پرست اپنے رب کے اس احسان پر
شکر نہیں اور انہیں نجس مخلوق ”کتا“ ہی بنا پسند ہے۔ انہیں ”سگ مدینہ“ یعنی مدینے کا کتا بننے قابل فخر
معلوم ہوتا ہے حالانکہ نبی ﷺ نے مدینے کے کتوں کو مرد اور اڈالا تھا جب یہ علم ہوا کہ کتے کی موجودگی میں فرشتے
نہیں آتے۔ (صحیح مسلم: جلد ۵ کتاب اللباس والزینۃ باب تحریم تصویر صورۃ الحيوان، صفحہ ۳۲۰)
اور وہ مدینے کا ہی تو ایک کتا تھا جس کے ہوتے ہوئے جبرئیل علیہ السلام باوجود وجود مدینے کے، نبی ﷺ سے ملنے
نہ آئے اور پھر وجہ معلوم ہونے پر نبی ﷺ نے مدینے کے اس کتے کو اپنے گھر سے نکلوا دیا جس نے نبی ﷺ
کو تکلیف میں مبتلا رکھا۔ (ایضاً)

یہ لوگ اپنے مخالف بریلوی مسلک کے ”المدد یا رسول اللہ“، ”یا غوث مدد“ وغیرہ جیسے نعروں پر بہت چیں بچیں ہوتے ہیں اور ان کے پیروؤں کو خطاب کے صیغے کے ساتھ کھڑے ہو کر نبی ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے پر بدعتی اور گمراہ کہتے ہیں۔ اپنے اسلاف کے گن گانے والوں کو ان کی مندرجہ بالا اشعری پڑھ کر اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ان کے دعویٰ توحید کی کیا حقیقت ہے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ جس سبب کی موجودگی میں انہیں مبتدع و مضل گردانا جاتا ہے، اسی سبب کی موجودگی پر انہیں بھی وہی مقام دیا جائے۔ اگر ان اشعار کو شاعرانہ تخیل و تک بندی کہتے ہوئے قابل اعتنا نہیں سمجھا جاتا تو ان فیصلوں پر ہی ایک نظر ڈال لی جائے جن میں ان سب باتوں کو سند جو از فراہم کی گئی ہے مثلاً:

☆ امداد اللہ مہاجر کی صاحب نے، جو نانوتوی، گنگوہی، سہارنپوری، تھانوی صاحبان وغیرہ جیسے سرخیل ہائے دیوبند کے متفق و معتمد علیہ پیر تھے، اپنے ”فیصلہ ہفت مسئلہ“ نامی کتابچے کے پہلے ہی مسئلے میں صلوٰۃ و سلام کے لیے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ٹھہرایا ہے۔ ساتھ ہی محفل میلاد میں نبی ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کو کفر و شرک کہنے سے منع فرماتے ہوئے ایسا کہنے کو حد سے بڑھانا بتایا ہے اور لکھا ہے کہ ایسا واقع ہوتا ہے۔^(۱)

☆ اسی طرح خطابیہ صیغے میں الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُولَ اللہ پڑھنے، غیر اللہ کو پکارنے یعنی يَا شَيْخُ عَبْدُ الْقَادِرِ جِيلَانِي شَيْخًا لِلَّهِ (اے عبد القادر جیلانی اللہ کے لیے کچھ دو) کو بھی درست قرار دیا ہے۔^(۲)

☆ ان صاحب نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرنے کا طریقہ یہ بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کو سبز پگڑی پہنا تصور کرے اور الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُولَ اللہ،

(۱) کلیات امدادیہ (فیصلہ ہفت مسئلہ): صفحات ۷۸، ۷۹، نیز امداد المشتاق (صفحہ ۵۶) میں اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی لکھا ہے۔

(۲) کلیات امدادیہ (فیصلہ ہفت مسئلہ): صفحہ ۷۸ اور ۸۲ - نیز امداد المشتاق، صفحہ ۵۹ ان لوگوں کے ”شیخ الہند“ اور ”شیخ الاسلام“ صاحبان یعنی محمود حسن اور حسین احمد مدنی، کا بھی یہی فیصلہ ہے جیسا کہ مجلہ ”الخیر“، ستمبر ۱۹۹۱ء، صفحہ ۱۰ پر درج ہے۔

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ، الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيبَ اللَّهِ کی دایں بائیں ضربیں لگائے، خوب درود شریف پڑھے۔ اور آخر میں دایں ہتھیلی پر الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ پڑھ کر دم کرے اور سر کے نیچے رکھ کر سو جائے تو چند دفعہ کرنے سے ہی زیارت ہو جائے گی۔^(۱)

☆ بیداری میں زیارت رسول کا طریقہ یہ بتایا کہ ”آنحضرت کی صورت مثالیہ کا تصور کر کے درود شریف پڑھے اور داہنی طرف يَا أَحْمَدُ اور بائیں طرف یا محمد اور یا رسول اللہ ایک ہزار بار پڑھے۔“^(۲)

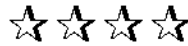
یہاں ہم نے بریلوی مسلک کا عقیدہ بیان نہیں کیا کیوں کہ وہ تو پہلے ہی سے عالم آشکارہ ہے کہ یہ لوگ مذکورہ بالا نعرے کھلے عام لگاتے اور دیواروں پر لکھتے بھی ہیں۔ اگر کوئی اپنے جذبہ توحید کا اظہار کرتے ہوئے ”یا اللہ مدد“ لکھ دے تو یہ اس کے ساتھ فوراً ”یا رسول مدد“ وغیرہ بھی لکھ دیتے ہیں* گویا انہیں توحید سے چڑھے۔ غیر اللہ سے استعانت پر ان کی مستقل تصانیف موجود ہیں۔ ان کے مجدد صاحب کی ”الدولة المکیة“، ”الامن والعلی“، ”الاستمداد“ اور دیگر مصنفین کی ”انوار ساطعه“، ”جاء الحق“، ”سلطنت مصطفیٰ“ وغیرہ کتب اس مسئلے پر دال ہیں۔ ”حداثی بخشش“ میں

(۱) کلیات ادویہ (ضیاء القلوب): صفحہ ۶۱ - شاید اسی لیے بریلوی مکتب فکر کا ایک گروہ سبز پگڑیاں پہنتا ہے اور اسی طرح خطابی انداز میں صلوٰۃ و سلام کی ندائیں بلند کرتا ہے اور شاید اسی وجہ سے بریلویوں کے نزدیک یہ پیر صاحب حق پرستے اور ان کے مذکورہ بالا دیوبندی مرید باطل پرست!

(۲) ایضاً: صفحہ ۴۵

☆ اسی طرح اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْكَ (اے اللہ میں حاضر ہوں) کے مقابلے میں صَلِّ عَلَیْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اور صَلِّ عَلَیْكَ يَا حَبِيبَ اللَّهِ (کہو کہ میرے لیے اللہ کافی ہے) کی جگہ ”میرے لیے اللہ اور اس کا رسول ہی کافی ہیں“ کے کلمات آج کل عام استعمال کیے جا رہے ہیں۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ مؤخر الذکر کے لیے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ابو بکرؓ نے غزوہ تبوک کے موقع پر ایسا کہا تھا جب انہوں نے اپنے گھر کا سارا سامان اللہ کی راہ میں دے دیا تھا حالانکہ گھر والوں کے بارے میں نبی ﷺ کے استفسار پر انہوں نے کہا تھَا لَا تَقْعُتْ لَهُمْ اَدْلَةً وَ رَسُوْلُهُ ”ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو باقی رکھا ہے۔“ (جامع ترمذی: جلد ۲، کتاب المناقب، باب مناقب ابی بکرؓ، صفحہ ۴۶)

امداد کن، اغثنی یا رسول اللہ وغیرہ ردیف کے ایسے سینکڑوں اشعار نظر آئیں گے جن میں اللہ کے بجائے اللہ کے بندوں کو مالک و مختار سمجھتے ہوئے ان سے استعانت و استمداد طلب کی گئی ہے۔ اب انصاف سے بتایا جائے کہ پیر امداد اللہ صاحب کے معتقدین اور رضا خاں صاحب کے مقلدین میں کیا فرق ہے؟



کتاب ہذا کے اس باب کے رد میں ملا مجیب اور ملا تونسوی نے اپنی کتابوں میں جو دلائل دے کر اللہ کے بندوں کو کفر و شرک کی دعوت دی ہے، ان کا تفصیلی پوسٹ مارٹم ہم نے اپنے رسالے ”جبل اللہ“ کے شمارہ ۲۵ میں بعنوان ”مَنِ انْكَذَّبَ“ اچھی طرح سے کر دیا ہے۔ من شاء فلیرجع الیہ

عبداللہ یا عباد الرسول ﷺ

اشرف علی تھانوی صاحب اپنی کتاب امداد المشتاق میں رقمطراز ہیں کہ:

”امداد اللہ مہاجر کی صاحب نے فرمایا کہ چونکہ اللہ کے رسول واصل بحق ہیں، عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ مَرْجِعٌ ضَمِيْرٌ لَكُمْ نَبِیْۤیْنِۨ۔ اشرف علی صاحب نے فرمایا کہ قرینہ بھی انہی معنی کا ہے، کیونکہ اللہ آگے فرماتا ہے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِذَا مَرَجَعْتُمْ اِلَیْهِ اِنَّكُمْ تَعُوْۤدُۡنَ اِلَیْهِ۔ کیونکہ اللہ ہوتا تو فرماتا مِّنْ رَّحْمَتِیْ تاکہ مناسب عبادی کی ہوتی۔ ارشاد فرمایا اے واہ!“ (1)

اس عبارت میں جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سورۃ الزمر کی درج ذیل آیت ہے:

قُلْ يٰعِبَادِىَ الَّذِينَ اسْرَفُوا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ
اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيْمُ ﴿٥٣﴾ (الزمر: ٥٣)

” (اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں سے) کھدبیجیے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے، (اور) وہ تو بہت بخشنے والا مہربان ہے۔“

ایک بالکل آسان سی بات تھی کہ اس آیت میں اللہ اپنے رسول ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ میرے بندوں تک میرا یہ حکم پہنچا دو کہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، یعنی ”عِبَادِی“ میں واحد متکلم کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ مگر ”بحر العلوم“، ”علم کے دریا و پہاڑ“، ”حکیم الامت“، ”شمس العلماء“ اور ”فیڑھ ہزار کتابوں کے مصنف“ کی سمجھ میں اتنی سی بات نہیں آئی اور تلبیس الحق بالباطل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس کے رسول ﷺ سے منسوب کر کے لوگوں کو اللہ کے بجائے رسول کا بندہ بنادیا! تھانوی صاحب کی اس تلبیس کا نتیجہ ہے کہ آج امت محمدیہ میں عبد الرحمن، عبد اللہ، غلام اللہ، فقیر اللہ، عطاء اللہ، عنایت اللہ، لطف اللہ، فضل اللہ، نذر اللہ، نصر اللہ، انعام اللہ، اللہ داد، اللہ بخش،

اللہ دتہ، اللہ ڈنو، اللہ دیا، رب نواز وغیرہ جیسے موحدانہ ناموں کے ساتھ ساتھ عبدالنبی، عبدالمصطفیٰ، غلام مصطفیٰ، کنیز فاطمہ، امتہ علی، ملازم حسین، فقیر محمد، گدا حسین، داد محمد، عطاء محمد، نبی داد، عنایت حسین، احسان علی، نذر محمد، نیاز حسین، لطف علی، الطاف حسین، فیض الحسن، فضل النبی، انعام علی، طفیل محمد، بندہ علی، حیدر بخش، پیراں دتہ، علی ڈنو، علی داد، علی نواز، ظہیر عباس، ناصر علی، قائم علی، مدد علی، * وغیرہ جیسے اللہ کے اختیارات اور حقوق پر ڈاکہ ڈالنے والے مشرکانہ نام عام ملتے ہیں اور انہیں کوئی برا بھی نہیں سمجھتا بلکہ فخر و عقیدت اور اس عقیدے کے ساتھ رکھے جاتے ہیں کہ منسوبہ ہستیاں شفاعت فرمائیں گی۔ *

★ اور وہ تمام نام جن میں عبد، بندہ، غلام، فقیر، گدا، کنیز، امتہ (بندگی)، عطاء، احسان، عنایت، نوازش، لطف، نعمت، رحمت، داد، دیا، دتہ، ڈنو، بخش، نذر، نیاز، نواز، فیض، فضل، کرم، برکت، کرامت، اعانت، انعام، مدد، نصرت، نصر، ناصر، ظہیر (مددگار) طفیل اور ان جیسے دوسرے ہم معنی الفاظ سے پہلے یا بعد اللہ کے ناموں کے بجائے کوئی اور نام ہو۔

* کتاب ہذا کے رد میں لکھی جانے والی کتاب ”ہوا پرستی“ میں علامہ تونسوی نے اپنے باطل استدلالی گھوڑے دوڑا کر مذکورہ قسم کے ناموں کے لیے دعویٰ کیا ہے کہ اگر عقیدے کا فساد شامل نہ ہو تو یہ شرک نہیں ہیں بلکہ موہوم (اصل کتاب میں ”موہم“ لکھا ہے: صفحہ ۴۶۰) شرک یعنی قیاسی و فرضی طور سے شرک ہے ورنہ حقیقت میں یہ شرک نہیں اور یہ قطعاً ایمان کے منافی نہیں جیسا کہ ریاکاری جو کہ شرک اصغر ہے۔ یہ علامہ موصوف کے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ کے بندوں کو شرک پر آمادہ کرنے کی کوششیں ورنہ آپ خود سوچیں کہ ریاکاری جسے احادیث میں اکبر یا اصغر کی کسی تفریق کے بغیر مطلقاً شرک کہا گیا (سنن ابن ماجہ جلد ۳، کتاب الزہد، باب الریاء لسمعة، صفحہ ۵۴۹) کیونکر ایمان کے منافی نہیں؟ مومنوں کی صفات میں خلوص و بے غرضی، خشیت و ولہیت ہوتی ہے نہ کہ دکھلاوہ اور نمود و نمائش۔ اگر عقیدے کا فساد نہ بھی ہو جیسا کہ علامہ موصوف نے حرام کو حلال کرنے کا حیلہ گھڑا ہے، تب بھی یہ نام مشرکانہ ہی ہیں اور شرک کے مشابہت کی وجہ سے ایمان والے تو ایسے نام رکھنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ بایں ہمہ مشابہہ شرک ہونے کی وجہ سے قرآنی آیت: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ** (البقرہ: ۱۰۳) کی رو سے یہ نام ممنوع ٹھہریں گے۔ صحابہ کرام ؓ کے عقیدے میں کسی فساد کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا لیکن انہیں منافقین کی مشابہت سے روک دیا گیا کہ ان کی طرح نبی ﷺ کو راعیناً نہ کہا کرو بلکہ انْظُرْنَا کہا کرو۔

آیت مذکورہ کو صرف ونحو کی خرابی پر گس کر اس سے شرکیہ معنی کشید کرنے والے تھانوی صاحب کے مقلدین اس سے ملتی جلتی درج ذیل آیت پر غور فرمائیں:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَئِسُوا مِنْ رَحْمَتِي وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (التكوير: ۳۳)

”اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں اور اس سے ملاقات کا انکار کیا، وہ میری رحمت سے ناامید ہو گئے اور ان کو درد دینے والا عذاب ہو گا“

اور بتائیں کہ دو آیت قبل ”قُلْ“ سے شروع ہونے والے اس خطاب میں اللہ نے اپنے رسول ﷺ سے جو بات بیان کی ہے یعنی اللہ کی آیات اور ”اس کی ملاقات“ کے انکاری لوگ ”اس کی رحمت“ سے ناامید ہیں، اس میں ضمیر غائب کا مرجع کون ہے؟ کیونکہ یہاں بھی ان کے بیان کردہ اصول کی رُو سے ”رحمت“ کی اضافت بمطابق قرینہ نہیں ہے یعنی بجائے غائب (رَحْمَتِهِ) کے متکلم (رَحْمَتِي) کی ضمیر استعمال ہوئی ہے جیسا کہ خود تھانوی صاحب کا مطالبہ تھا تا کہ لِقَائِهِ سے مناسبت رہتی۔ اگر یہاں جواب میں اللہ تعالیٰ کہا، تو مان لیجیے کہ سورۃ الزمر کی زیر بحث آیت میں بھی مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، کوئی اور نہیں کیونکہ یہاں جو قرینہ ہے وہاں بھی وہی قرینہ ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِیْ صرف ایک انداز خطاب اور طرز تکلم ہے جس طرح اسی سورۃ الزمر میں اس آیت سے پہلے دسویں آیت میں یہی انداز اختیار کیا گیا کہ:

قُلْ يٰعِبَادِیْ الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ ط (الزمر: ۱۰)

”(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے کہ اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو۔“

یہاں بھی ضمیر واحد متکلم اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ہی استعمال کی ہے۔ اسی انداز میں قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی خطاب کیا گیا ہے، مثلاً

قُلْ يٰعِبَادِیْ الَّذِينَ اٰمَنُوا یَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ (سورۃ ابراہیم: ۳۱)

”(اے نبی!) آپ میرے ایماندار بندوں سے کہہ دیجیے کہ صلوٰۃ قائم کریں۔“

وَقُلْ يٰعِبَادِیْ یُفْلِحُوا الَّذِیْ هِیْ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَعُ بَیْنَهُمْ اِنَّ

الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۳۶﴾ (بنی اسرائیل: ۵۳)

”اور (اے نبی!) آپ میرے بندوں سے کھد پیچھے کہ (لوگوں سے) ایسی باتیں کہیں جو بہت پسندیدہ ہوں، (کیونکہ) بیشک شیطان (بری باتوں سے) ان میں فساد ڈالتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔“

نَبِيُّ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٢٩﴾ (الحج: ۲۹)

”(اے پیغمبر!) میرے بندوں کو بتاؤ کہ میں بڑا معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہوں۔“

عَبْد کے معنی ہیں بندہ، بندگی کرنے والا۔ بندگی اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں۔ سورۃ الاعراف، ہود، الانبیاء وغیرہ پڑھ لیجیے، اس میں تمام انبیاء علیہم السلام نے ایک اللہ کی بندگی کی طرف بلا یا ہے، یہی کہا ہے کہ اُس الہ واحد کے بندے بن جاؤ جو تمہارا اور سارے جہانوں کا خالق ہے۔ یہ کسی نے نہیں کہا کہ میرے بندے بن جاؤ، کیونکہ :

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَنْ كُونُوا رَبَّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿٨٠﴾ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَدْنَاءَ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٨١﴾ (آل عمران: ۷۹، ۸۰)

”کسی آدمی کو یہ شایاں نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔ اور نہ وہ تم کو اس بات کا حکم دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنالو۔ بھلا جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا (اُسے زیبا ہے کہ) وہ تمہیں کافر ہونے کا حکم دے؟“

وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِنْ دُونِهِ فَلَيْسَ بِنَذِيرٍ لَكُمْ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٢٩﴾ (الانبیاء: ۲۹)

”اور جو شخص ان میں سے یہ کہے کہ اللہ کے سوا میں الہ ہوں تو ہم اسے جہنم کی سزا دیں گے، اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔“

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ﴿١﴾ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿٢﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿٣﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ﴿٤﴾ (الحاقة: ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶)

”اور اگر یہ (پیغمبر) ہماری نسبت کوئی جھوٹی بات بنالاتا، تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے، پھر اس کی رگ گردن کاٹ ڈالتے، پھر تم میں سے کوئی ہمیں اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔“

ان سخت ہدایات کے بعد کسی کی کیا مجال جو ایسی جرأت کرے! یہ بھی یاد رہے کہ:

إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتَى الرَّحْمَنِ عَبْدًا ﴿١٣٦﴾ (مریم: ۹۳)

”تمام لوگ جو زمین اور آسمانوں میں ہیں، رحمن کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے۔“

عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو ”تین خداؤں میں سے ایک“ قرار دیا ہوا ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ اللہ کی بندگی کے ساتھ ساتھ اللہ کے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام کی بھی بندگی کر رہے ہیں، جس پر اللہ نے انہیں کافر قرار دیا:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَبْنِي لَكُمْ بُيُوتًا وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَ ۚ وَبَارِكُ عَلَيْكُمْ وَبِالْبُحْرِ وَالْأَرْضِ ۚ فَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ كَانُوا يُشْرِكُونَ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۚ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿١٣٧﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۚ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٣٨﴾ (المائدہ: ۷۳، ۷۴)

”یقیناً وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہیں، حالانکہ مسیح یہ کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل! اللہ ہی کی بندگی کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی۔ (اور جان رکھو) جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا، اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا، اور اس کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ بے شک وہ لوگ بھی کافر ہیں جو اس کے قائل ہیں کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے، حالانکہ اُس ایک اکیلے الہ کے سوا تو کوئی الہ نہیں۔ اور اگر یہ لوگ ایسے اقوال (اور عقائد) سے باز نہ آئے تو ان میں جو کافر ہوئے وہ البتہ ضرور دردناک عذاب پائیں گے۔“

اسی سورۃ میں ہے کہ اللہ آخرت میں عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھے گا کہ کیا تم نے ان کو اپنی بندگی اختیار کرنے کا حکم دیا تھا، تو وہ اپنی برأت ظاہر کریں گے اور صفائی پیش کرنے کے بعد اللہ سے اپنی قوم کی مغفرت چاہیں گے:

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأَهْلِي
 الْهَيْئِينَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ قَالَ سُبْحَنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ
 لِي بِحَقٍّ ۚ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ
 مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿١١٧﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا
 أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مِمَّا
 دُمْتُ فِيهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنْتَ عَلَى
 كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١١٨﴾ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ
 أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١١٩﴾ (المائدہ: ۱۱۶ تا ۱۱۸)

”اور جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں و دونوں کو الہ ٹھہراؤ؟ وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے! مجھے یہ زیبا نہیں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں، اگر میں نے ایسا کہا ہو گا تو تجھ کو معلوم ہو گا (کیونکہ جو بات (مجھ) میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے دل میں ہے اسے میں نہیں جانتا، بیشک تو ہی علام الغیوب ہے۔ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا، بجز اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا، وہ یہ کہ تم اللہ کی بندگی کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے۔ اور جب تک میں ان میں رہا، ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا، پھر جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا تو تو ہی ان کا نگران تھا، اور تو ہر چیز سے باخبر ہے۔ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں، اور اگر بخش دے تو (تیری مہربانی ہے) بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے۔“

حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان آیا ہے کہ:

لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ عَبْدِي فَكُلُّكُمْ عَبْدُ اللَّهِ وَلَنْ يَنْقُلَ فَتَأَمَّى
 وَلَا يَقُلَ الْعَبْدُ رَبِّي وَلَنْ يَنْقُلَ سَيِّدِي ^(۱)

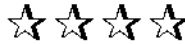
”تم میں سے ہرگز کوئی یوں نہ کہے کہ میرا بندہ، اس لیے کہ تم سب اللہ کے بندے ہو، البتہ یوں کہے میرا جوان۔ اور غلام یوں نہ کہے کہ میرا رب بلکہ یوں کہے میرا سید۔“ *

(۱) صحیح مسلم: جلد ۵، کتاب الاطلاق من الادب وغیرہا، باب حکم اطلاق لفظة العبد والامة والمولى والسيد، صفحہ ۴۷۳

★ صحیح مسلم کی اس حدیث اور اس سے اگلی دو روایتوں میں ربی اور مولائی (میرا مالک) کی جگہ سیدی (میرا آقا)، عبدی (میرا بندہ) کی جگہ غلامی (میرا غلام) اور آمتی (میری بندی) کی جگہ فتیاتی (میری باندی) کہنے کی

جو ذات خود لوگوں کو ”میرا بندہ“ کہنے سے منع فرمائے اور بتائے کہ سب لوگ اللہ ہی کے بندے ہیں اور یہ کہ اسے اس لیے بھیجا گیا ہے کہ لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں لے آئے تو وہ کیسے دوسروں کو ”میرے بندو!“ کہہ سکتی ہے۔

ان واضح دلائل کے بعد بھی اگر کوئی خود کو اللہ کے رسول ﷺ کا غلام اور بندہ کہتا کھلواتا ہے تو وہ مندرجہ بالا تمام قرآنی آیات و احادیث کا عملاً انکار کرتا ہے۔ مسلمان ہوتے وقت آدمی اللہ کی وحدانیت کے ساتھ نبی ﷺ کے بندہ اور رسول ہونے کی بھی شہادت دیتا ہے۔ لیکن جو خود کو اللہ کے بندوں کا بندہ کہے تو وہ تو اس شہادت حق کا منکر ہوا اور اسلام میں داخل ہی نہیں ہوا!



اجازت دی گئی ہے جس سے لوگ غلام مصطفیٰ، غلام حسین، امّہ علی، کنیز فاطمہ، وغیرہ طرز کے نام، جن کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے، رکھنے کا جواز پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں معلوم ہو کہ عربی زبان میں ”غلام“ کے معنی لڑکے کے بھی ہیں جیسے سورۃ مریم (آیت ۱۹) میں ہے کہ

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا

”(جبرئیل نے مریم سے) کہا کہ میں تو تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔“

اگر ان معنوں میں غلام کے سابقے کے ساتھ نام رکھے جائیں تو اصولاً تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اصلاً درست نہیں کیونکہ ایسا ہوتا نہیں ہے، بلکہ لوگ غلام بمعنی بندہ لے کر اس کی نسبت نبی ﷺ وغیرہ کی طرف کر کے نام رکھتے ہیں جو کہ مشرکانہ انداز ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ بندے کے بجائے دوسرے معنی لے کر نام رکھنے سے بھی پرہیز کیا جائے کیونکہ اس میں بہر حال شرکیہ نام سے مشابہت تو رہے گی اور پکارنے والا نہ جانے کن معنوں میں یہ نام لے کر پکارے۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا، محض مشابہت ہی کی وجہ سے قرآن میں مومنین کو منع کر دیا گیا کہ نبی ﷺ سے یہودیوں کی طرح رَاْعِبْتُمْ نہ کہا کریں۔ (البقرہ: ۱۰۷) لیکن نبی ﷺ کی اس ممانعت کے باوجود، خود نبی ﷺ کے لیے ہی ”مولیٰ“، ”مولائی“، ”مولانا“ ان مسلک پرستوں کے یہاں عام ملتا ہے۔ آخر الذکر صیغہ تو ان کے ”دروہ“ کا جزو لازم ہے۔ ”مولانا“ کی بحث آگے آرہی ہے۔ بریلوی مسلک والے تو ”عبدالمصطفیٰ“، ”عبدالنبی“ وغیرہ جیسے نام رکھنے کے لیے تو قرآن کی ایک آیت کو ہی اپنے غلط استدلال کی سان پر چڑھا دیتے ہیں۔ بلکہ کہنے والے تو یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ اِنَّهُ رَبُّ مُحَمَّدٍ وَنَحْنُ عِبَادُ مُحَمَّدٍ (اللہ محمد کا رب ہے اور ہم محمد کے بندے ہیں)!

کتاب ہذا کے اس باب کے رد میں ملاحظہ فرمائیے کہ کوئی دلائل نہیں دیئے لہذا ان کے اپنے انداز کے مطابق گویا انہیں یہ تسلیم ہے کہ ان کے اکابرین نے اللہ کے بندوں کو نبی کا بندہ بنا کر شرک کا ارتکاب کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ اپنی عادت کے خلاف اس موضوع پر کوئی علیحدہ عنوان قائم کر کے کسی سرخی کے تحت کوئی سیاہی نہیں بکھیری، البتہ تعویذ گنڈے کو شرک سے باہر کرنے کی کوششوں میں سرسری طور پر اتنا ضرور لکھا ہے کہ علی بخش، حسین بخش جیسے نام رکھنے میں کوئی شرک نہیں اگر عقیدے کا فساد نہ ہو بلکہ ”موہم شرک“ ہیں۔ (شاید ”موہوم“ کہنا چاہتے ہیں جو ان کی کتاب میں تصحیح کتابت کے ”خاص اہتمام“ کی وجہ سے، جس کا کتاب کے آغاز میں اس کے ناشر ملاؤ شدی نے دعویٰ کیا ہے، ”موہم“ ہو گیا!) شرک تو شرک ہی ہوتا ہے، چھوٹا ہو یا بڑا، کم ہو یا زیادہ۔ ملاحظہ فرمائیے کہ چوری میں چوری لکھ دی ہو بھاویں ککھ دی، چوری تے چوری ای ہوندی ہے۔ عطاء المصطفیٰ، عنایت علی، حسین بخش وغیرہ جیسے نام رکھنے والوں کا عقیدہ ہوتا ہے کہ یہ بچہ جس کا یہ نام رکھا ہے، محمد مصطفیٰ ﷺ نے عطا کیا ہے، یہ علیؑ کی عنایت ہے، یہ حسینؑ نے بخشا ہے۔ اگر بالفرض اس طرح کے نام رکھنے والوں کا یہ عقیدہ نہ بھی ہو، تب بھی شرک سے مشابہ ہونے کے سبب ایسے نام رکھنا ممنوع ٹھہرے گا۔ دلیل اس کی وہی قرآنی آیت: لَا تَقُولُوا زِعْمًا... الخ ہے جو ہم پیچھے بتائے ہیں۔

حرام کو حلال کر لینا

سود کی حرمت سے کسی بھی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کا اڑتیسواں رکوع پورا کا پورا سود کی حرمت میں نازل فرمایا۔ سود خور کو ابدی جہنمی قرار دیا:

وَأَحَلَّ اللَّهُ التَّيْبِعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (البقرہ: ۲۷۵)

”اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام؛ تو جس شخص کے پاس اس کے رب کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آگیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا، اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد، اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

اور فرمایا کہ سود خور سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اعلان جنگ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۷۶﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (البقرہ: ۲۷۶، ۲۷۷)

”اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو بھٹنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو، اگر ایسا نہ کرو گے تو پس تیار ہو جاؤ جنگ کرنے کے لیے اللہ اور اس کے رسول سے۔“

اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی شاعت ماں سے نکاح کرنے سے بھی زیادہ بتائی ہے۔ فرمایا کہ:

الرِّبَا سَبْعُونَ جُزْءً أَيْسَرُهَا أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ امْرَأَةً

”سود کے ستر درجے ہیں۔ سب سے آسانی درجے کا گناہ اس قدر ہے جیسے کوئی آدمی اپنی ماں سے نکاح کرے۔“

(مشکوٰۃ: جلد ۲، کتاب البیوع، باب الرِّبَا، صفحہ ۱۳)

مگر یوسف لدھیانوی صاحب نے اس قدر شنیع و فبیح چیز کو حلال و پاک کرنے کا ایک انتہائی آسان نسخہ تجویز فرمایا۔ وہ یہ کہ کسی غیر مسلم سے قرض لے کر اپنا کام چلایا جائے اور سود کی کمائی سے اس قرض کی ادائیگی کر دی جائے۔^(۱)

(۱) کالم ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ روزنامہ جنگ کراچی کے صفحہ ایڈیشن میں یہ جواب اکثر دیا جاتا رہا ہے جواب علیحدہ سے کتابی صورت میں بھی شائع کر دیا گیا ہے۔ حوالہ کے لیے یکم مئی ۲۰۲۲ جولائی ۱۹۹۲ء

ان ہی موصوف نے اپنے ہفتہ وار کالم میں پروویڈنٹ فنڈ (Provident Fund) پر سرکاری و نجی اداروں کے ملازمین کو ملنے والے خالص سود کو حکومت یا ادارے کی طرف سے دی جانے والی امداد، اعانت، انعام وغیرہ کہہ کر اسے جائز و حلال قرار دیا ہے۔ اور وہ ایسا کیوں نہ کرتے کہ ان کے اکابرین بھی ایسا ہی فتویٰ دیتے تھے۔ مفتی شفیع عثمانی کے اپنے ادارے دارالاشاعت نے ”پروویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ“ کے عنوان سے ایک کتابچہ شائع کیا ہے جس میں مفتی شفیع عثمانی، یوسف بنوری، مفتی رشید احمد، مفتی ولی حسن، عاشق الہی، رفیع عثمانی و تقی عثمانی پر مشتمل ”مجلس تحقیق مسائل حاضرہ“ کے دستخط سے یہ فتویٰ دیا گیا ہے کہ مذکورہ سود لینا بالکل جائز ہے کہ ملازم کی اپنی ہی اجرت ہے۔ اسی کتابچے میں اشرف علی تھانوی صاحب کا بھی ایسا ہی فتویٰ نقل کیا گیا ہے۔ ”موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل“ نامی کتاب (صفحہ ۷۰) میں دیوبند مسلک کے ایک دوسرے بڑے ادارے ندوۃ العلماء کے استاذ برہان الدین سنبھلی صاحب نے بھی اس سود کو ”شرعاً درست اور جائز“ قرار دیا ہے۔

اپنے علماء و اکابرین کے تبحر علمی کی مالا جتنے والے مسلک پرست ایک لمحے کے لیے سنجیدگی سے اس پر ذرا غور فرمائیں کہ کیا یہ اللہ کی آیات کے ساتھ مذاق نہیں؟ کیا یہی وہ ”مبارک ہستیاں“ اور ”نفوس قدسیہ“ ہیں جن کے دم سے آج ”اسلام“ باقی ہے؟ کیا ان ہی لوگوں کی شان میں یہ فرمایا جاتا ہے کہ

”علمائے دیوبند ان نفوس قدسیہ کا دوسرا نام ہے جن کے مبارک ہاتھوں نے ملتِ اسلامیہ کی منجد ہار میں پتھروں کو ساقی کشتی کو ساحلِ مراو تک پہنچانے کے لیے نمایاں کردار ادا کیا، دینِ اسلام پر باطل پرستوں کے علمی حملوں کے سامنے اپنے آپ کو سید سکندری بنا دیا۔“ (۱)

ان سے پوچھا جائے کہ یہ ”ساحلِ مراد“ کیا تھا؟ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اطاعت کرانا یا شخصیات کے چکروں میں الجھنا؟ قرآن و حدیث کی خالص اور صحیح اتباع کرانا یا فتہی بھول بھلیوں میں پھنسانا؟ حلال اور جائز کے کسب و اکل کی تعلیم دینا یا حرام و ناجائز کو حلال

کے اخبارات دیکھے جاسکتے ہیں۔ لدھیانوی صاحب کے بعد ان کے ”خلیفہ“ سعید جلالپوری صاحب بھی مرتے دم تک یہی جواب دیتے رہے۔ الغرض یہ ایسا مسئلہ ہے جس سے ان میں کسی کو انکار نہیں، سب متفق ہیں۔

و جائز کر دینا؟ اور خود کو ”مسد سکندری“ باطل پرستی کی راہ میں بنایا یا حق کے راستے میں؟*
ان پر تو قرآن کی یہ آیت صادق آتی ہے کہ

قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ (المائدہ: ۷۷)
”(خود بھی) پہلے گمراہ ہوئے اور دوسرے بہت سے لوگوں کو بھی گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔“

ان کے دعووں کی جولانیاں تو دیکھیے:

”دور حاضر میں قرآن و سنت کی تشریح و تعبیر اور اسوۂ نبوی کے اتباع و پیروی میں علماء و مشائخ دیوبند کی حیثیت پوری دنیا میں یگانہ و فرزانہ ہے۔ ان کا تعامل مینارہ نور ہے۔“ (1)

”جنہوں نے برصغیر کے ظلمت کدہ میں علوم نبوت کی شمع فروزاں کی اور کفر و الحاد کے ہلاکت خیز طوفانوں اور تند و تیز باد مخالف کے تھپھڑوں میں بھی اپنے خونِ جگر دے کر اس کا تحفظ کیا۔ اس قدسی صفات جماعت نے سنت نبویؐ کی ضیاء گستری سے امت مسلمہ کے عقائد و اعمال، اخلاق و اطوار اور عبادات میں کیف و سرور پیدا کیا، اور انسانیت کے گم کردہ راہ قافلہ کو پھر سے جاوہ حق پر گامزن کر دیا۔“ (2)

”اور درحقیقت ان کے مدارس اور کتابوں کے ہی ذریعہ ہندوستان اور پاکستان کے لاکھوں اور کروڑوں افراد بدعتوں سے اور شرکیہ افعال اور رسوم جاہلیت سے محفوظ ہوئے ہیں۔ اگر دیوبندیوں کی محنتیں اور کوششیں نہ ہوتیں تو غیر منقسم ہندوستان میں کوئی گھر بھی موحد اور متبع سنت نہ ہوتا۔“ (3)

اتباع سنت کے ان بلند بانگ دعاوی کے علی الرغم چنگانہ فرض صلوٰۃ میں سلام پھیر کر ہاتھ اٹھا کر انفرادی یا اجتماعی دعا کرنے کی کوئی صریح و صحیح حدیث نہ ملنے کے باوجود بھی اپنے اس خلاف سنت فعل کی (اس مسئلے کی وضاحت آگے آرہی ہے) یہ کہہ کر توجیہ کر لیتے ہیں کہ

★ دیوبندی مسلک کے جغادری و کیلوں علاؤنوسوی، علما مجیب، وغیرہما کو بھی شاید اپنے اکابرین کی اس باطل پرستی کا اعتراف ہے جتنی تو حرام کو حلال ٹھہرانے کے اس حیلے کے دفاع میں انہوں نے اپنی تحریروں میں کوئی خامہ فرسائی نہیں کی ورنہ انہوں نے اپنے اکابرین کے ایک ایک عقیدے اور عمل کا دفاع کیا ہے۔

(1) فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا: صفحہ ۱۶۳

(2) ایضاً، صفحہ ۳

(3) بریلوی علماء و مشائخ کے لیے لمحہ فکریہ: صفحہ ۷۲

”کسی مسئلہ میں تعامل و توارث عمل جب خود ایک بہت بڑی دلیل ہے تو اس میں روایات کے تتبع کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔“ (1)

حرام کو حلال بنانے میں بریلوی مذہب کے مجدد صاحب نے بھی خامہ فرسائی فرمائی ہے۔ حدیث میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ لَا يَحِلُّ ثَمَنُ الْكَلْبِ وَلَا حُلْوَانُ الْكَاهِنِ وَلَا مَهْرُ الْبَغِيِّ

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کتے کی قیمت، کاہن کی اجرت اور طوائف کی کمائی جائز نہیں ہے۔“ (2)

بخاری نے کئی روایات نقل کی ہیں جن میں نبی ﷺ نے مہر البغی (یعنی طوائف کی کمائی) کو ممنوعہ قرار دیا ہے۔ (3) نیز اللہ تعالیٰ نے مال حرام کو حلال سے تبدیل کرنے سے منع فرمایا ہے:

وَلَا تَتَّبِعُوا الْاَمْوَالَ الْخَبِيثَاتِ بِالتَّطَيُّبِ (النساء: ۲)

”اور تبدیل نہ کرو ناپاک مال کو پاک مال سے۔“

لیکن جب ان ”مجدد اعلیٰ حضرت“ سے سوال کیا گیا کہ ”طوائف جس کی آمدنی صرف حرام پر ہے، اس کے یہاں میلاد شریف پڑھنا اور اس کی اسی حرام آمدنی کی منگوائی ہوئی شیرینی پر فاتحہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟“ تو موصوف نے جواب مرحمت فرمایا:

”اس مال کی شیرینی پر فاتحہ کرنا حرام ہے مگر جبکہ اس نے مال بدل کر مجلس کی ہو اور یہ لوگ جب کوئی کارِ خیر کرنا چاہتے ہیں تو ایسا ہی کرتے ہیں * اور اس کے لیے کوئی شہادت کی حاجت نہیں۔ اگر وہ کہے کہ میں نے قرض لے کر یہ مجلس کی ہے اور وہ قرض اپنے مال حرام سے ادا کیا ہے تو اس کا قول مقبول ہو گا کما نص علیہ فی الہندیہ وغیرہا۔“ (4)

(1) فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا: صفحہ ۱۰۵

(2) سنن ابی داؤد: جلد ۳ کتاب البیوع باب ۳۳ فی الثمن الکلب، صفحہ ۵۸، ۵۷

(3) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الطلاق باب ۲۰۶ مہر البغی، صفحہ ۱۸۷

★ یہ امر غور طلب ہے کہ فحاشاؤں کے اس استمراری عمل کا ایک عالم دین کو کیوں کر علم ہوا!

(4) احکام شریعت: حصہ دوم، صفحات ۱۶۲، ۱۶۳

اور ان بریلوی خانصاحب کو ”حضور سیدی وسندی آقائے نعمت دریائے رحمت مجدد دین و ملت سرکار اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان قدس سرہ“ کہنے والے مولوی عطاء اعظمی نے ”پرائز بانڈ پر انعام لینا جائز ہے“ کے عنوان سے ایک مستقل کتابچہ تحریر کیا اور اس میں اپنے مسلک کے ”مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی وقار الدین“ کے اس مسئلے میں دیئے گئے فتوے کی شرح کرتے ہوئے اس سودی جوئے کو اپنی مولویانہ موٹھ گانفیوں سے جائز ٹھہرایا ہے اور اس طرح اپنی ”ملت“ کو اجازت دی ہے کہ فککوہ ہنیئاً مرئياً!

آج یہ مسلک پرست اپنے اکابرین کے فرمان کو آنکھ بند کر کے تسلیم کر لیتے ہیں، ان پر جان دیتے ہیں اور تصنیف و تالیف، تحقیق و تدقیق کے خصوصی ادارے بنا کر ان اکابرین کی ایک بات لکھ کر اس کی اشاعت و تبلیغ میں لگے رہتے ہیں، یونیورسٹیوں میں ان کے نام کی خصوصی چیئرز قائم کی جاتی ہیں، ملک اور بیرون ملک ان کے نام سے کانفرنسیں اور سمینار منعقد کیے جاتے ہیں، اخبارات و رسائل کے خصوصی ایڈیشن شائع کیے جاتے ہیں اور ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہتے ہیں اور اس میں غلو کرتے ہوئے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں، پھر آخرت میں ندامت و مایوسی کے عالم میں ان کا کہنا ہوگا:

يَلِيْتَنَّا اطْعَمْنَا اللّٰهَ وَ اطْعَمْنَا الرَّسُوْلًا ﴿١٦﴾ وَ قَالُوْا رَبَّنَا اِنَّا اطْعَمْنَا سَادَتَنَا وَكِبَرَاءَنَا فَاصْلُوْنَا السَّبِيْلَ ﴿١٧﴾ رَبَّنَا اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنَهُمْ نَعْنًا كَبِيْرًا ﴿١٨﴾ (الحزاب: ۲۲-۲۸)

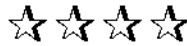
”اے کاش ہم اللہ کی فرماں برداری کرتے اور رسول کا حکم مانتے۔ اور کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور اکابرین کا کھانا کھانا تو انہوں نے ہم کو راستے سے گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے رب! ان کو دو گنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔“

رَبَّنَا هَؤُلَاءِ اَصْلَحُوْا فَاتِّخِذْ اَبَآءَنَا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ﴿٣٨﴾ (الاعراف: ۳۸)

”اے ہمارے رب! ان ہی لوگوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا، پس تو ان کو جہنم کی آگ کا دو گنا عذاب دے۔“

رَبَّنَا اٰرِنَا الَّذِيْنَ اَصْلَحْنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمْ تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنُوْا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿٣٩﴾ (حم السجۃ: ۲۹)

”اے ہمارے رب! ہمیں دکھا دے جنوں اور انسانوں میں سے وہ لوگ جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا، ہم انہیں اپنے پیروں سے روند ڈالیں گے تاکہ وہ نہایت ذلیل ہوں۔“



ہماری مندرجہ بالا گزارشات کے رد میں مُلّا مجیب اور علّا تونسوی نے اپنی کتابوں میں کوئی دلائل نہیں دیئے لہذا ان کے اپنے انداز کے مطابق یہ ثابت ہوا کہ انہیں یہ تسلیم ہے کہ ان کے اکابرین نے اللہ کی حرام کردہ شے کو حلال کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔

تصوف کی دنیا

اب ایک اور عقیدہ ملاحظہ فرمائیے جو کہ سارے فساد کی جڑ ہے۔ مسلک پرست لوگ پیری مریدی کو دین میں آگے بڑھنے کے لیے ضروری سمجھتے ہیں، بلکہ ان کے نزدیک تو دین کی ”حقیقت“ اور ”مرتبہ احسان“ اس وقت تک حاصل ہی نہیں ہو سکتا جب تک کسی پیر صاحب سے بیعت نہ کی جائے:

”ایسا پیر جو خود بھی کامل ہو اور دوسروں کو بھی کامل بنا سکتا ہو، ایسے مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر اپنی نظر اس کی نظر میں متصور رکھے اور صوفیاء کے اشتغال یعنی ذکر و فکر اور اس میں فناء تام کے ساتھ مشغول ہو۔ ہم اور ہمارے مشائخ ان حضرات کی بیعت میں داخل اور ان کے اشتغال کے شاغل اور ارشاد و تلقین کے درپے رہے ہیں۔“ (1)

شاید ”مرتبہ احسان“ سے ان کی مراد بندے کی وہ حالت ہے جس کو جبریل علیہ السلام کے ”احسان“ کے متعلق پوچھے گئے سوال کے جواب میں نبی ﷺ نے بیان فرمایا:

الاحسان: أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ

”احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو، پھر اگر تم اسے نہ دیکھتے ہو تو (پھر یہ تصور کرو کہ) وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے“ (2)

لیکن نبی ﷺ نے اس ”مرتبہ احسان“ کے حصول کا کوئی طریقہ نہیں بتایا۔ عبادت کے لیے صرف اتنا بتایا کہ صلوٰۃ اس طرح ادا کرو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے ہو۔ (3) اسی پر قیاس کرتے ہوئے عبادت کی دوسری تمام شکلوں کے لیے بھی حکم سمجھا جائے گا۔ احسان دراصل حسن عمل کا کمال ہے جس کے لیے ایک مومن بندہ اپنے رب سے دعاء کرتا ہے:

(1) عقائد علمائے دیوبند اور حسام الحرمین: صفحہ ۲۲

(2) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الایمان، باب ۳۷، سؤال جبرئیل، صفحہ ۱۲

(3) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الاذان، باب ۴۰۸ الاذان للمسافر، صفحہ ۳۳۳

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ ” اے اللہ! میری مدد فرما اپنے ذکر و شکر اور حسن عبادت پر“؛ (1) اور اس سے مراد اخلاص، خشوع و خضوع اور رجوع قلب کی شدت ہی ہو سکتی ہے۔ یہ تو تھی ”مرتبہ احسان“ کی تشریح (بشرطیکہ ان کے نزدیک اس کے واقعی یہی معنی ہوں کیونکہ یہ لوگ ہر چیز کے دوسروں سے مختلف معنی مراد لیتے ہیں) لیکن یہ ”کامل“ ہونا اور بنانا کیا معنی رکھتا ہے؟ ”اشغال“ کی کیا حقیقت ہے؟ یہ ”فناء تام“ کیا چیز ہے؟ کیا نبی ﷺ کی بھی ایسی کوئی تعلیمات ہیں؟ قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو جواب نفی میں ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تو ارشاد ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنْ اَعْبُدُوْا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (الحل: ۳۲)
 ”اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت* سے اجتناب کرو۔“

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی مقصد کے لیے مبعوث فرمائے گئے اور ایک نہایت آسان دین دے کر بھیجے گئے جس کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: (2)

- 1- اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی الہ* نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول* ہیں؛
- 2- صلوٰۃ کا قیام (روزانہ پانچ مرتبہ)؛
- 3- زکوٰۃ کی ادائیگی (بشرط نصاب سال میں صرف ایک مرتبہ)؛
- 4- بیت اللہ کا حج (بشرط استطاعت عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ)؛
- 5- رمضان کے صیام (بشرط استطاعت سال میں صرف ایک ماہ)۔

(1) سنن ابی داؤد: جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب فی الاستغفار، باب ۵۶۵
 ★ طاغوت ہر وہ چیز ہے جس کو لوگ اللہ کے برابر سمجھیں اور جو راہ حق سے مانع و متعارض ہو خواہ وہ شیطان ہو، انسان کا اپنا نفس ہو، دنیاوی یا دینی شخصیت ہو، مال و دولت، جاہ و منصب ہو، وغیرہ

(2) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الایمان کی دوسری روایت، صفحہ ۸۱۱
 صحیح مسلم: جلد ۱، کتاب الایمان، باب ارکان اسلام، صفحہ ۹
 * یعنی داتا، و سنگیر، مولا، مشکل کشا، غوث اور غوث الاعظم، جھولی بھرنے والا، کشتی پار لگانے والا، گہڑی بنانے والا۔ سورۃ النمل کی آیات ۶۰ تا ۶۴ میں الہ کا یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے
 * آخری نبی، رہبر، رہنما، قائد اعلیٰ و قائد اعظم، امام اعلیٰ و امام اعظم

کتنا سادہ دین تھا کہ ان پانچ چیزوں کو تھام لیا جاتا اور اسوہ رسول ﷺ کی پیروی کی جاتی جو کہ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔^(۱) یہی شریعت تھی اور اس کے علاوہ ہر شے مردود، قابل مذمت و موجب لعنت۔^(۲) وہ سادہ لوح دیہاتی کس قدر دانا و فرزانہ تھا جس نے نبی ﷺ سے دین کے احکامات کے متعلق پوچھے گئے اپنے دو ٹوک سوال کے جواب میں بتائی گئی یہی پانچ بنیادی باتیں سن کر کہا تھا کہ

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا أَرِيدُ عَلَى هَذَا شَيْئًا أَبَدًا وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ
”قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نہ اس میں کبھی کچھ زیادہ کروں گا اور نہ ان میں سے کچھ کم کروں گا“

جب وہ شخص چلا ہے تو نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ

مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا
”جو کوئی تم میں سے کسی جنتی کو دیکھنے کا شوق رکھتا ہو تو وہ اس آدمی کو دیکھ لے۔“^(۳)

ایک دوسری روایت میں اس طرح کے الفاظ ہیں کہ

أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ ”یہ نجات پا گیا اگر اس نے سچ کہا۔“^(۴)

ہمارے لیے بھی اس عرب بدو کی مثال کافی تھی کہ ان ہی پانچ چیزوں کو کافی جانتے جو کہ مخبر صادق ﷺ کی زبان سے نکلی ہوئی تھیں جو اپنے جی سے کچھ نہ کہتے تھے بلکہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ وحی کی روشنی میں ارشاد و تلقین فرماتے تھے۔^(۵) نبی ﷺ نے ان ہی پانچ چیزوں کو جنت میں جانے کا ذریعہ بتایا۔ شریعت یہی تھی، اسی سے تمسک کرنا چاہیے تھا، لیکن اس شریعت کی پابندی ان مسلک پرستوں کو کافی معلوم نہ ہوئی اور انہوں نے شریعت کے مقابلے میں ”طریقت“ ایجلا کر لی۔

(۱) سورة الاحزاب: آیت ۲۱

(۲) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الاعتصام، باب ۱۲۱۲ ما یکرہ من التعمق، صفحہ ۹۲۶/

جلد ۱، کتاب البیوع، باب ۱۳۳۶ النجش، صفحہ ۸۵۱

(۳) صحیح مسلم: جلد ۱، کتاب الایمان، باب بیان الایمان، صفحہ ۹۰

(۴) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الایمان، باب ۳۴ الزکوۃ من الاسلام، صفحہ ۱۲۵

(۵) سورة النجم: ۳، ۴

یہ لفظ ”طریقہ“ کسی بھی قرآنی آیت یا حدیث میں کبھی نہیں آیا۔ یہ محض اختراع ہے، اور دشمنان اسلام یہودیوں اور مجوسیوں کی اسلام کو مٹانے کی سازش۔ جس طرح ہر باطل فرقہ و مسلک اپنے باطل عقیدے و عمل کے لیے قرآن ہی کو مشق ستم بناتا ہے اسی طرح ان صوفیوں نے بھی اپنی مطلب برآری کے لیے قرآن کو استعمال کیا اور تزکیہ سے متعلق آیات کو یہ کہہ کر اپنی بنیاد قرار دیا کہ تصوف کا مقصد بھی تزکیہ نفس ہی تو ہے۔ ذیل میں دی گئی قرآنی آیات کا مطالعہ کیجیے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ط (البقرہ: ۱۲۹)

”اے ہمارے رب ان (لوگوں) میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیج جو انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنایا کرے، اور کتاب اور وحانی سکھایا کرے اور ان کا تزکیہ کیا کرے۔“

گِنَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَ
يُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (البقرہ: ۱۵۱)
”جس طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا اور تمہارا تزکیہ کرتا اور کتاب (قرآن) اور حکمت سکھاتا ہے اور ایسی باتیں بتاتا ہے جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔“

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو
عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ج (آل عمران: ۱۶۳)
”اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا اور (اللہ کی) کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔“

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ق (الحجہ: ۲)

”وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے (محمد کو) رسول (بنا کر) بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتا اور ان کا تزکیہ کرتا اور (اللہ کی) کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔“

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی اللہ کی کتاب کی تعلیم کے ذریعے ساری انسانیت کا تزکیہ تھا۔ جو چیز ایسی عام ہو کہ اس کا دائرہ تمام عالم اور ساری انسانیت

پر محیط ہو تو وہ مخفی و پوشیدہ راز نہیں ہو سکتی جو مخصوص افراد کے ذریعے سر بستہ راز کی صورت میں سینہ بہ سینہ منتقل ہو۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دین تصوف نراجیتان ہی چیتان ہے جس تک عام لوگوں کی رسائی نہیں! نیز مذکورہ آیات میں تزکیے کا عمل کتاب اللہ کی تعلیم کے ذریعے بتایا گیا ہے جبکہ دنیائے طریقت میں تو کتاب اللہ کا علم ”حق“ کی راہ میں رکاوٹ ہے اور اس کی حیثیت محض ”ظاہری علم“ کی ہے، ورنہ حقیقت تو اس کے سوا کچھ اور ہی ہے (تفصیل آگے آرہی ہے)۔ صوفیوں کے نزدیک طریقت کا اگلا مقام معرفت ہے اور پھر حقیقت۔

شریعت کی بنیاد تو دو چیزوں پر ہے یعنی قرآن اور سنت۔ اس کے بعد قرآن و سنت ہی کی روشنی میں اجماع و اجتہاد کا نمبر آتا ہے۔ جبکہ ان کے مقابل دین طریقت کی تین بنیادیں ہیں جنہیں اتحادِ ثلاثہ کہا جاتا ہے، یعنی حلول، وحدت الوجود اور وحدت الشہود۔

حلول یہ ہے کہ صوفی غیر معمولی ریاضتیں کر کے اللہ کی ذات میں فنا ہو جاتا ہے اور پھر ذات الہی عرش سے اتر کر اس کے خاکی وجود میں حلول کر جاتی ہے جسے یہ لوگ لاہوت کا ناسوت ہونا، موجد کا موجود میں اترنا کہتے ہیں۔ چنانچہ اس کے لیے صوفی لوگ گھاس پھوس پر گزرا کرتے ہیں، جنگلوں میں مارے مارے پھرتے ہیں، قبروں پر چلے کاٹتے ہیں، سالوں چپ رہتے ہیں، وغیرہ، وغیرہ۔ حالانکہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری زندگی میں ایک بھی ایسی مثال نہیں ملتی۔ صحیح بخاری میں تو یہاں تک ہے کہ چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے تہیہ کر لیا کہ پوری رات قیام کریں گے، ہمیشہ روزہ رکھیں گے اور نکاح نہ کریں گے۔ نبی ﷺ کو معلوم ہو تو اس پر تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ

”میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار (بکھڑ) بھی کرتا ہوں، قیام بھی کرتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، اور نکاح بھی کرتا ہوں، تم میں سے کوئی مجھ سے آگے نہیں نکل سکتا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ یہی میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے انحراف کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔“ (1)

لیکن تصوف کی تاریخ اسی قسم کے مجاہدوں سے عبارت ہے۔ اور پھر بھی اصرار ہے کہ

(1) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب النکاح کی پہلی روایت، صفحہ ۲۶ نیز کتاب الاعتصام، باب

”کاملین صوفیہ کے تمام ہی حالات حضور اقدس ﷺ ہی کے مختلف احوال سے اخذ کیے گئے ہیں۔“ (1)

اور ان ”تمام ہی حالات“ کو ”حضور اقدس ﷺ ہی کے مختلف احوال“ سے مانو و ثابت کرنے کے لیے ان مسلک پرستوں نے ڈھیروں کتابیں تصنیف کر رکھی ہیں جن میں تصوف کی ایک ایک بات کو ایسے انداز میں ثابت کیا جاتا ہے کہ قرآن و حدیث کا علم انگشت بدندان رہ جاتا ہے۔ اور یہ کام کوئی ”عامی“ یا ”جاہل صوفیاء“ نہیں کرتے بلکہ مدرسوں میں برسوں قرآن و حدیث کا درس دینے والے، انبیاء کے وارث ہونے کے دعویدار، کثیر التصانیف ”علماء کرام“ کرتے ہیں جن کے ناموں کے ساتھ لمبے چوڑے القابات کئی سطر میں لکھے جاتے ہیں، جن کا قول و فعل حجت سمجھا جاتا ہے اور جنہیں اتباع سنت کے لیے بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے!! ثبوت حاضر ہیں:

شیخ عبدالقادر جیلانی صاحب فرماتے ہیں کہ

”پچیس سال تک ترک دنیا کیے ہوئے میں عراق کے جنگلوں اور میدانوں میں اس طرح پھرتا رہا کہ میں کسی کو نہ پہچانتا اور کوئی مجھے نہ جانتا۔ رجال غیب اور جنات میرے پاس آمد و رفت کرتے اور میں ان کو حق کی تعلیم دیا کرتا۔

چالیس سال تک فجر کی نماز میں نے عشاء کے وضو سے ادا کی ہے۔ پندرہ سال تک عشاء کی نماز کے بعد ایک قرآن شریف ختم کرتا رہا اور ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر ایک ہاتھ سے دیوار کی کھونٹی پکڑ کے عبادت میں صبح کرویتا۔ تین دن سے چالیس دن تک کا ایسا بہت سا زمانہ گزرا ہے کہ کھانے پینے اور سونے سے علیحدہ رہا۔ گیارہ سال تک برج بغداد کے اندر عبادت الہی میں مشغول رہا۔ میری طویل اقامت کی وجہ سے لوگ اسے برج عجیب بھی کہتے ہیں۔ برج بغداد کے قیام عبادت کے زمانے میں اللہ سے عہد کرتا رہا کہ جب تک غیب سے کھانا نہ ملے گا نہ کھاؤں گا۔ اس حالت کو کافی عرصہ گزر جاتا لیکن میں عہد شکنی نہ کرتا۔ اس کے علاوہ میں نے اللہ سے جو وعدہ کیا اسکی خلاف ورزی کبھی نہ کی۔“ (2)

”میں نے مکمل پچیس سال جنگلوں میں تجرید و تفرید اور عبادت و ریاضت میں گزارے ہیں۔ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی ہے۔ پندرہ سال تک نماز عشاء کے بعد ایک

(1) شرح شاکل ترمذی: صفحہ ۳۵۴۔ نیز ان کے ”سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی صاحب“ فرماتے ہیں کہ ”صوفیہ علوم رسوم اسلام ان دونوں فریق سے حاصل کرتے ہیں اور تعصب سے کوسوں دور رہتے ہیں اور عمل کتاب و سنت واجتماع پر کرتے ہیں۔“ (امداد الشیخ: صفحہ ۳۸) (2) اخبار الاخیار: صفحہ ۲۹

پاؤں پر کھڑے ہو کر طلوع صبح سے پہلے ایک قرآن شریف ختم کیا ہے۔ ایک رات میرے نفس نے آرزوئے خواب کی۔ مگر میں نے اُس کی اس خواہش پر کان نہ دھرا۔ اُس وقت میں چالیس دن کا روزہ رکھتا تھا اور چالیس روز کے بعد جنگل کے پتوں اور اشیاءے مبارکہ بیابانی سے روزہ افطار کرتا تھا۔ (1)

اشرف علی تھانوی صاحب نے شاہ عبدالقدوس صاحب کا قول لکھا کہ:

”الحمد للہ میرے زمانے میں ایک بزرگ ہیں شاید متقدمین میں بھی ایسا مجاہدہ کرنے والا کوئی نہ ہوا ہو۔ چالیس سال سے ہر روز صرف ایک بادام کھاتے ہیں۔ اسی پر گزارہ ہے۔ اس کے سوا دنیا کی کوئی چیز نہیں کھاتے۔“ (2)★

بابا فرید الدین گنج شکر نے عبدالواحد بدخشانی کے متعلق لکھا کہ

”ستر سال سے ایک غار میں ایک پیر پر کھڑے تھے۔ تیس سال پہلے ایک عورت کو دیکھ کر باہر آنا چاہا تو غیب سے تنبیہ ہوئی۔ فوراً چھری سے ایک پیر کاٹ کر باہر پھینک دیا۔ روزانہ پانچ کھجوروں سے پیٹ بھرتے۔“ (3)

آپ کے ہم عصر فرید الدین عطار صاحب حسین بن منصور حلاج کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

(1) خزینۃ الاصفیاء: صفحہ ۱۶۲

(2) حکایات اولیاء: حکایت نمبر ۳۴۲، صفحہ ۲۸۵

★ نبی ﷺ نے تین سو صحابہؓ پر مشتمل ایک مہم ابو عبیدہ بن جراحؓ کی سربراہی میں سمندر کے کنارے بھیجی۔ مہم شاید طویل ہو گئی جس سے ذرا راہ ختم ہو گیا۔ امیر لشکر کے حکم پر تمام حاضرین کے پاس جو کچھ توشہ موجود تھا وہ اکٹھا کیا گیا جو کھجور کے صرف دو تھیلوں پر مشتمل تھا۔ ابو عبیدہؓ اس میں سے تھوڑا تھوڑا تقسیم فرماتے۔ جب وہ بھی ختم ہونے لگا تو روزانہ صرف ایک کھجور ملنے لگی۔ اس کے بعد اللہ نے سمندر سے ایک بہت بڑی مچھلی کی شکل میں ان کی خوراک کا بندوبست کر دیا جس میں سے انہوں نے اٹھارہ دن تک کھایا اور مدینہ واپس آ گئے۔ یہ حدیث سن کر وہب بن کیسان تابعی نے راوی صحابی (جابر بن عبد اللہؓ) سے پوچھا کہ بھلا ایک کھجور سے کیا کام چلتا ہو گا تو انہوں نے بتایا کہ وہ ایک کھجور بھی غنیمت تھی، جب وہ بھی نہ رہی تو ہمیں اس کی قدر معلوم ہوئی۔ (صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب المغازی، باب ۵۳۵ غزوہ سیف البحر، صفحہ ۱۷۷) یعنی ایک کھجور پر پورا دن گزرنے پر دو صحابہ میں تعجب کیا جاتا تھا مگر یہ صوفی لوگ صرف ایک بادام کھا کر چالیس سال گزار دیتے!

(3) راحت القلوب (بہشت بہشت): صفحہ ۳۳

”ایک مرتبہ سفر حج میں آپ کے ہمراہ چار ہزار افراد مکہ معظمہ پہنچے۔ وہاں پہنچ کر آپ ننگے سر اور برہنہ جسم کھڑے ہو گئے اور مکمل ایک سال تک اسی حالت میں کھڑے رہے حتیٰ کہ شدید دھوپ کی وجہ سے آپ کی ہڈیوں تک کا گووا پگھل گیا اور جسم کی کھال پھٹ گئی۔ اسی دوران کوئی شخص روزانہ ایک نکیہ اور ایک کوزہ پانی آپ کے پاس پہنچا دیتا تھا اور آپ نکیہ کے کنارے کھا کر باقی ماندہ حصہ کوزے پر رکھ دیا کرتے تھے اور آپ کے استغراق کا یہ عالم تھا کہ آپ کے تہبند میں ایک بچھونے رہنے کی جگہ بنالی تھی۔“ (1)

اور آپ کے پیر بھائی بوعلی قلندر کا واقعہ ہے کہ

”آپ نے اپنی کتابیں دریا میں ڈال دیں۔ مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول ہوئے۔ آپ ایک عرصے تک دریا میں کھڑے رہے۔ پنڈلیوں کا گوشت مچھلیاں کھا گئیں۔ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اسی طرح بارہ سال گزر گئے۔“ (2)

یوسف بنوری کے والد زکریا صاحب بھی برسوں جنگلوں ویرانوں کی خاک چھانتے رہے، جانوروں کی کچھاروں میں بسیرا کرتے۔ ساڑھے تین ماشے غذا پر برسوں گزار دیتے۔ (3)

وحدت الوجود کا نظریہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز ایک ہی ذات کے پھیلے ہوئے حصوں میں سے ایک ہے۔ ان میں غیریت نہیں بلکہ وحدت ہے۔ یعنی خالق و مخلوق ایک ہی ہیں۔ اس نظریے کے لحاظ سے کافر و مشرک، فاسق و فاجر، مومن و مسلم، شیطان و جن، کتابی، نجاست و غلاظت، یہ سب اللہ کے عین وجود ہیں، انہیں ذات الہی سے الگ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ان میں اور ذات الہی میں کوئی غیریت ہے۔ العباد باللہ

عبدالقادر جیلانی وحدت الوجود کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں:

”تمام موجودات بحیثیت وجود عین حق تعالیٰ اور بحیثیت تعین غیر حق ہیں اور یہ غیریت اعتباری ہے۔ اور بہ لحاظ تحقیق کل حق تعالیٰ ہے۔ اس کی مثال حباب و موج اور کوزہ برف ہے۔ کیونکہ یہ سب تحقیق کی حیثیت سے پانی کے عین ہیں اور تعین کے حیثیت سے پانی کے غیر ہیں۔“ (4)

(1) تذکرۃ الاولیاء: صفحہ ۳۵۲

(2) تذکرہ اولیائے پاک و ہند: صفحہ ۹۳

(3) بینات، اگست ۱۹۵۷ء، صفحہ ۲

(4) تحفہ مرسلہ بحوالہ مفتاح المقطعات: صفحہ ۵

یہی جیلانی صاحب اپنے ”الہامات غوثیہ“ میں فرماتے ہیں:

”اللہ نے فرمایا غوث اعظم انسان کا جسم، اس کا نفس، اس کا قلب، اسکی روح، اس کی سماعت اس کی بصارت، اسکی زبان، اسکے ہاتھ، اسکے پاؤں ان سب چیزوں کو میں نے انسان کے لیے اپنی ذات سے ظاہر کیا اور اپنی ذات ہی کے لیے ظاہر کیا۔ انسان نہیں ہے میں ہوں۔ وہ میرا غیر نہیں میں اس کا غیر نہیں... انسان نہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ اٹھتا ہے نہ بیٹھتا ہے نہ بولتا ہے نہ چپ ہوتا ہے نہ کوئی کام کرتا ہے نہ کسی کام کی طرف توجہ کرتا ہے نہ کسی چیز سے غائب ہوتا ہے مگر یہ کہ میں اس میں ساکن ہوتا ہوں۔ اس کا مسکن ہوتا ہوں اور اس کا محرک ہوتا ہوں... میں نے سوال کیا اے پروردگار تیرا کوئی مکان بھی ہے۔ فرمایا اے غوث اعظم میں پیدا کرنے والا مکانوں کا ہوں۔ میرا کوئی مکان نہیں، بجز انسان کے اور انسان میرا راز ہے..... اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے غوث اعظم نہیں ظاہر ہوا میں کسی چیز میں جیسا کہ ظہور کیا میں نے انسان میں۔“ (1)

دین تصوف کا ہر پیرو ”محی الدین“ * ابن عربی کا معتقد و معترف ہوتا ہے جن کے صوفیانہ کارناموں پر انہیں ”شیخ اکبر“ کہا جاتا ہے۔ یہی صاحب اس نظریہ وحدت الوجود کے بانی ہیں۔ لکھتے ہیں:

”وجود حقیقی ایک ہے وہی ماہہ الوجودیت اور ہستی حقیقی ہے۔ یعنی حقیقت میں خدا ہی موجود ہے اور کچھ نہیں۔ لا موجود الا اللہ ہی صوفیا کی نظروں میں لا معبود الا اللہ یا لا الہ الا اللہ کی تشریح ہے۔ دوسری کوئی شے حقیقتاً موجود نہیں۔ ہر شے اسی سے ہے۔ اسی میں ہے۔ جیسے سمندر میں لہریں یا موجیں۔ ان کا وجود حقیقی نہیں اضافی ہے۔ دراصل ان کی نمود محض تعینات کے باعث ہے۔ تعین کا مٹنا موجوں اور لہروں کا فنا ہے۔ تعینات یعنی موجیں اور لہریں مٹتی رہتی ہیں لیکن سمندر باقی رہتا ہے..... وجود حقیقی ہی ذات حق ہے کیونکہ اگر یہ دونوں الگ الگ حقیقتیں ہیں تو تو حید باقی نہیں رہتی۔“ (2)

(1) مفتاح المقطعات: صفحات ۱۶۷، ۱۶۸

* محی الدین کے معنی ”دین کو زندہ کرنے والا“ ہیں۔ نہ جانے انہوں نے کون سے دین کو زندہ کیا؟ قرآن و حدیث کے دین میں جہنم واصل ہو کر صبح شام آگ پر پیش کیا جانے والا فرعون ان کے دین میں ایمان کے ساتھ، بغیر کسی گناہ کے بخشا بخشا یا اور اللہ کی رحمت کی نشانی بن کر اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے جیسا کہ انہوں نے اپنی ”فصوص الحکم“ کی فہم موسوی میں لکھا ہے اور اخبار الاخبار میں اسی فصوص الحکم کے حوالے سے عبدالحق ”محدث دہلوی“ نے بھی فرعون کے مومن مرنے کی تصدیق کی ہے! (صفحہ ۲۳۶)

(2) مفتاح المقطعات: صفحہ ۸۲

رشید احمد گنگوہی صاحب بھی اس لَامَوْجُودِ اِلَّا اللّٰہ کی تلقین فرماتے تھے:
 ”..... کوئی چیز بھی موجود نہیں بجز حق تعالیٰ کی ذات پاک کے..... لَآ اِلٰہَ مِثْلُ خَوَاطِرِ نَفْسِ
 کرے اور اِلَّا اللّٰہ سے موجود حقیقی کو ثابت کرے یعنی نہیں کوئی معبود اور مقصود اور مطلوب
 اور موجود اور محبوب بجز خدا تعالیٰ کے۔“ (1)

ان کے پیرو امداد اللہ صاحب فرماتے تھے کہ
 کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سے تین معنی مروا ہیں: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی مطلوب نہیں
 اور کوئی موجود نہیں۔ اور آخر الذکر ”سب مراتب سے اعلیٰ ہے۔“ (2)

ان پیرو صاحب سے
 ”ایک دن ایک شخص نے مسئلہ وحدت الوجود کا سوال کیا، فرمایا کہ مسئلہ حق و صحیح
 مطابق للواقع ہے۔ اس مسئلے میں کچھ شک و شبہ نہیں۔ متفقہ علیہ تمامی مشائخ کا ہے۔“ (3)
 اس مسئلے پر انہوں نے ایک مستقل رسالہ فارسی زبان میں تصنیف فرمایا جس کی ابتدا میں
 یہی بات لکھی:
 ”نکتہ ششامسئلہ وحدۃ الوجود حق و صحیح ست درایں مسئلہ شک و شبہ نیست متفقہ فقیر وہمہ مشائخ.....“ (4)
 اور شاعری کے ذریعے بھی خامہ فرسائی کی ہے:

- | | |
|---|---|
| اس دوئی نے کر دیا ہے دور وحدت سے مجھے | کر دوئی کو دور کر پُر نور وحدت سے مجھے |
| دل مضطرب میں ظاہر یار کو تھا چاہیے دیکھا | نہ دیکھا سایہ میں انوار کو دیکھا تو کیا دیکھا |
| نظر جب کھل گئی اپنی جسے دیکھا اُسے دیکھا | نہ دیکھا آپ میں دلدار کو دیکھا تو کیا دیکھا |
| ادھر دیکھا ادھر دیکھا جدھر دیکھا اُسے دیکھا | نہ دیکھا یار میں اغیار کو دیکھا تو کیا دیکھا |
| اِسے دیکھا اُسے دیکھا نہ یہ دیکھا نہ وہ دیکھا | نہ دیکھا ایک کو دو چار کو دیکھا تو کیا دیکھا |

(1) امداد السلوک: صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸

(2) امداد المشتاق: صفحہ ۴۳

(3) امداد المشتاق: صفحہ ۴۱

(4) کلیات امدادیہ (رسالہ در بیان وحدۃ الوجود): صفحہ ۲۱۸

(5) کلیات امدادیہ (ارشاد مرشد): صفحہ ۱۰۳

(6) کلیات امدادیہ (گلزار معرفت): صفحہ ۲۰۶

ان پیر صاحب نے اس وحدت کے حصول کے بہت سے طریقے بھی اپنے مریدوں کو تلقین فرمائے ہیں۔ کلمہ طیبہ کے ایک خاص طریقے سے ”ذکر نفی و اثبات“ کے آخری حصے میں لکھتے ہیں:

”..... اور اس کے بعد اس کو ہوشو کے ذکر میں اس قدر منہمک ہو جانا چاہیے کہ خود مذکور یعنی (اللہ) ہو جائے اور فناور فنا کے بھی معنی ہیں۔ اس حالت کے حاصل ہو جانے پر وہ سراپا نور ہو جائے گا اور مرتبہ $\text{بِيْ يُّسَبِّحُ وَبِيْ يُبْصِرُ}$ (یعنی اس کو خدا کے ساتھ ایسا تعلق خاص ہو جاتا ہے کہ وہ خدا ہی کی آنکھ سے دیکھتا اور خدا ہی کے کان سے سنتا ہے) حاصل ہو جائے گا۔ پھر وہ مرتبہ جس میں عبدیت و معبودیت کی حقیقت بے نقابانہ آشکارا ہو جاتی ہے یعنی مرتبہ عبدیت $\text{لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ}$ بخوبی ظاہر ہو جائے گا۔“ (1)

ذکر سلطان الاذکار کا طریقہ: حواس خمسہ کو روٹی یا انگلی سے بند کر کے دم کو ناف کے نیچے سے کھینچ کر ام الدماغ میں روکے اور وہاں سے دل مدور میں لیجا کر اسم ذات کے ذکر قلبی کے ساتھ قلب صنوبری سے آواز حدیث کے سننے کے ضمن میں اس نقطہ درخشندہ کے خیال میں جو دل مدور میں ام الدماغ میں واقع ہے، بعضے اس کو لطیفہ اخفی کہتے ہیں، شغل رکھے یہاں تک کہ یہ نقطہ اس قدر وسیع اور چوڑا ہو جائے کہ تمام جسم منور ہو جائے اور اس کے بعد عرش سے زمین تک مخفی نور ہی نور دکھائی دے اور اس نور میں حق اور ملائکہ کی صورتیں دکھائی دینے لگیں۔ جب سالک اس طریقہ کو حاصل کر لیتا ہے تو اپنی حقیقت کو جو د عالم میں متصرف خود دیکھنے لگتا ہے۔ اس مقام میں سالک کو اپنی صفات کو صفات باری سمجھنا چاہیے۔“ (2)

”اس کے بعد نور جمالی ظہور فرمائے گا۔ اس نور کا غلبہ اس کے حواس خمسہ کو بیکار اور مضحل کر دے گا اور باطنی آنکھ کے غلبہ کی وجہ سے اس نور کو ظاہری آنکھ سے دیکھے گا۔ اگر یہ اس کے دل میں ٹھہر جائے گا اور قرار پکڑ لے گا تو اس کا ارادہ اور کام خدا کا ارادہ اور کام ہو جائے گا۔ $\text{وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْمًا كُنْتُمْ}$ (تمام موجودات کو خدا گھیرے ہوئے ہے یعنی دنیا اسی کے قبضہ اقتدار میں ہے اور اس کے علم سے کوئی شے باہر نہیں ہے اور تم جہاں کہیں اور جس حالت میں ہو خدا تمہارے ساتھ ہے)۔ دیکھنا سنا غرض اس کے تمام افعال خدا ہی سے ہوں گے اور تمام چیزوں میں خدا کے وجود کو پائے گا..... اس مرتبہ میں انوار تجلی کبھی اجسام کی طرح سالک پر ظاہر ہوتے ہیں تو اس کو چاہیے کہ ان انوار کو انوار الہی خیال کرے۔ اگر اس حالت پر

★ یعنی گردن کو دائیں بائیں نفیاً اور اوپر نیچے ہلا کر اثباتاً زور زور سے $\text{لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ}$ پڑھنا۔

(1) کلیات امدادیہ (ضیاء القلوب): صفحہ ۱۸ (2) ایضاً: صفحہ ۷۷

سالمک ٹھہر جاتا ہے تو وہ اس سے بلند مرتبے میں پہنچ جاتا ہے اور تجلی ذاتی اس کے قلب کو حاصل ہوتی ہے۔ اس تجلی میں اس نور کو بے نظیر و بے مثال دیکھے گا اور خدا کے وجود کو جانے گا اور جناب باری کو بے حجاب دیکھے گا۔ اور اس سے یا اور دوسروں سے جو افعال و اوصاف صادر ہوں گے، ان کو جناب باری کے اوصاف و افعال خیال کرے گا جو عالم سے ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ مقام قرب فرائض کا ہے۔ اس مرتبہ میں کمال حاصل کر لینے کے بعد سالمک مجدد و ب سالمک کہلاتا ہے یعنی صفات باری اور اس کی ہستی کو دنیا کی ہر چیز میں مشاہدہ کرتا ہے۔ مَا رَأَيْتُ شَيْئًا إِلَّا وَ رَأَيْتُ اِلٰهًا فِيْهِ (میں نے کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی جس میں خدا کا جلوہ نہ دکھائی دے) اس مشاہدہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ اگر اس مرتبہ سے مزید ترقی حاصل ہو اور تجلی ذات یا تجلی صفات خدا کے فضل سے اس پر ہوں تو اس کو ان تجلیات میں مستغرق ہو جانا چاہیے۔ اس تیسری مرتبہ میں سالمک ہمہ تن صانع ہو جائے گا اور کوئی صنعت نہ رہے گی اور اَلَا اِنَّهٗ يَخْبِيْ شَيْءٌ مِّنْ عِمْيَاطٍ كَا س سے ظہور ہو گا اور من عرف نفسه فقد عرف ربه کا اسرار اس پر منکشف ہو جائے گا۔ اور خدا کی ہستی کے سوا اس میں کچھ نہ رہے گا۔ اور فنا ہو جائے گا۔ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهُ كَا س پر ظہور ہو گا۔ اور حق محض باقی رہ جائے گا۔ اگر اس جگہ اَلَا اِنَّهٗ كَا نَ تصور کرے گا تو روح کو جو خدا کا نور ذاتی ہے، بے نقاب دیکھے گا اور رَأَيْتُ رَبِّيْ (میں نے اپنے پروردگار کو اپنے پروردگار سے دیکھا) اس پر شاہد ہے، سالمک خدا کو اس کے نور ذات کے ذریعہ سے دیکھتا ہے اور اپنے کو درمیان میں نہیں پاتا اور اسی کو فنا کہتے ہیں۔

فنا کے مراتب کا بیان: فنا کے چند درجے ہیں..... چوتھے ذکر روح کے غلبہ میں (جس کو مشاہدہ کہتے ہیں) کثرت خدا کی یکتائی میں فنا ہو جائے یہاں تک کہ سالمک کے مشاہدے میں ذات مطلق کے مشاہدہ کے سوا کچھ نہ ہو، یہ مرتبہ مشاہدہ کا ہے۔ پانچویں ذکر سری کی زیادتی میں جو لذت اذکار اور معائنہ اور خلق سے نفرت کرنے کو کہتے ہیں، خود سالمک ذات مطلق میں فنا ہو جائے، یہ معائنہ ہے اور رضائے سالمک یہی ہے کہ اپنے وجود کو کسی سبب سے اپنے میں نہ پائے پھر کیونکہ اگر پائے گا تو فنا نہایت بھی فنا ہو جائے گی اور فناء الفنا کا مصداق بنے گا۔ اس مقام میں علم سالمک اور اس کی ذات وغیرہ کچھ باقی نہیں رہتی فی مع اِله و قُتُّ وقت کی طرف اشارہ ہے۔ اور مَنْ رَاَنِ فَقَدْ رَاٰ اِلٰهَ (جس نے مجھ کو دیکھا اس نے یقیناً خدا کو دیکھ لیا ہے) کا ظہور ہوتا ہے۔

شعر: تو دریں گم شود کہ توحید ایں بود گم شدن گم کن کہ تفرید ایں بود

(تم اپنے وجود کو خدا کے وجود میں فنا کرو کیونکہ توحید کے معنی یہی ہیں، اپنے فنا کو فنا کرو کیونکہ تفرید یہی ہے)

سالک اس مرتبہ میں سیر الی اللہ جو اس کا مقصد ہے اور سیر فی اللہ جس کا اس کو تصور ہے، تمام کر کے مقصد اصلی حاصل کر کے تمام موجودات کی علت اپنے ظہور کو جانتا ہے یعنی وجود سالک بالک فنا ہو جاتا ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ اسی مقام پر فرماتے ہیں کہ میں جب تک غائب تھا اسے ڈھونڈتا تھا اور اپنے کو پاتا تھا اس وقت تیس سال سے جب اپنی تلاش کرتا ہوں تو خدا کو پاتا ہوں۔ اس مرتبے کی تجلّی اگر سالک پر ایک بار بھی پڑ جائے تو ولی کامل ہو جائے۔ مگر یہ مرتبہ بہت کم ظاہر ہوتا ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک ایک ہفتہ میں یا دو لمحہ یا ایک دن میں ایک دو لمحہ ظاہر ہوتا ہے تین دن یا کم زیادہ اور یہ عارف کی حالت پر مبنی ہے۔ جیسی حالت ہوگی ویسی فنایت ہوگی۔ ہر شخص اس کو نہیں سمجھ سکتا۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُوْنِسُ مِنْ شِیْءٍ۔ جب سالک کو خدا اس مرتبہ فنا سے بقا دینا چاہتا ہے تو اپنے نور سے باقی رکھتا ہے۔ اس مرتبہ کو جمع الجمع کہتے ہیں اور یہ مقام بڑی حیرت کا ہے اور اسے آخری مقام کہتے ہیں۔

فنا نامہ: بقا باللہ رجوع الی البدایت کا نام ہے یعنی بدایت میں مبتدی کی نظر مظاہر پر سطحی پڑتی ہے اور یہ مقام باعث بہت بڑی غلطی کا ہوتا ہے اور اپنی بیخودی اور تعینات کے فنا ہو جانے کے بعد پھر تعینات کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس وقت سب سے پہلے ذات مطلق پر نظر پڑتی ہے۔ اس کے بعد ذات مطلق کے نور سے تعینات مظاہر کو دیکھتا ہے اگرچہ تعین کے اعتبار سے دونوں مرتبے ایک ہی ہیں لیکن فرق ظاہر ہے تو عارف ہر حالت اور ہر وقت میں خدا کے وجود کا تصور کرتا ہے اور کوئی چیز اس کو خدا کے دیکھنے سے اور خدا کا دیکھنا اور دوسری چیزوں میں دیکھنے سے نہیں روکتا ہے کیونکہ عارف حقیقت انسانی تک جو کہ الوہیت ہے، پہنچ گیا۔ جس طرح الوہیت کے واسطے وجوب و امکان برابر ہیں، اسی طرح عارف کے لیے حق خلقت حق سے کوئی حاجب نہیں۔ وَمَا زَايَتْ شَيْئًا إِلَّا وَزَايَتْ اللّٰهُ فِيهِ۔ اور اس کو خلق معدوم محض اور خدا موجود مطلق معلوم ہوتا ہے اور خدا کے علم کے ذریعہ سے اپنے کو مطلق قید میں آیا ہوا تصور کرتا ہے اور قیود کی وجہ سے اپنے کو بندہ سمجھتا ہے اور کہہ اٹھتا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس مرتبہ میں خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو اس تک پہنچاتا ہے اور ظاہر میں بندہ اور باطن میں خدا ہو جاتا ہے۔ اس مقام کو برزخ البرازخ کہتے ہیں اور اس میں وجوب و امکان مساوی ہیں کسی کو کسی پر غلبہ نہیں مَوَجَّہُ الْمُتَحَرِّينَ يَلْتَقِيْنَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَمِغِيْنَ۔ اس مرتبہ پر پہنچ کر عارف عالم پر متصرف ہو جاتا ہے۔ اور تَخَرَّجَكُمْ مَّا فِي السَّنُوٓتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے اس کو تمہارے قبضہ اور تمہارے اختیار میں کر دیا) کا انکشاف ہوتا ہے اور وہ ذی اختیار ہو جاتا ہے اور خدا کی جس تجلّی کو چاہتا ہے اپنے اوپر کرتا ہے اور جس صفت کے ساتھ چاہتا ہے متصف ہو کر اس کا اثر ظاہر کر سکتا ہے چونکہ اس میں خدا کے اوصاف پائے

جاتے ہیں اور خدا کے اخلاق سے وہ مزین ہے اور اس نے جمالِ اَسْبَغَ عَلَیْكُمْ یَعْمَهُ ظَاهِرَةً وَ
بَاطِنَةً کا دیکھا ہے اور نُورٌ عَلٰی نُوْر ہو گیا، اس وجہ سے حال اس کے تابع ہو گیا ہے۔“ (1)

یہاں ہم قارئین سے اتنے طویل اقتباسات نقل کرنے پر معذرت چاہتے ہیں۔
دراصل اس سے مقصود صرف ان صوفیانہ عقائد کے شواہد فراہم کرنا ہے تاکہ قارئین یہ
فیصلہ خود کر لیں کہ کیا دینِ تصوف دینِ اسلام سے جدا مذہب ہے یا نہیں؟ ایک دوسرے
صوفی نیاز احمد قادری صاحب اس موضوع پر اس طرح فرماتے ہیں:

”وحدت الوجود یہ ہے کہ وجود بہ معنی ہستی، بحت عین ذات ہے۔ نہ اس پر کچھ زائد ہے اور
نہ اس سے کچھ عارض ہے۔ وہی ایک ذات ہے اس کو موجود بھی کہتے ہیں اور وجود بھی۔ ظہور
سے قبل وہ ذات پر وہ غیب میں پوشیدہ تھی۔ جو بے چونی و بے چگونگی سے موسوم اور بے نامی و
بے نشانی سے موصوف تھی۔ جب اس نے چاہا کہ وہ جانی اور پہچانی جائے تو رنگا رنگ لباس
پہن کر نہال خانہ غیب سے انجمن شہادت میں آئی۔ پس وجود مطلق اور ہستی بحت جو اس سے
عبارت ہے اپنے اطلاق سے متزل کر کے لاہوت، جبروت، ملکوت اور ناسوت میں آئی۔ اس کا
غیر کوئی موجود نہیں۔ ایک ہی ذات ہے جو ہزاروں شیون میں نظر آتی ہے۔“ (2)

ابو حامد امام غزالی فرماتے ہیں کہ توحید کے چار درجے ہوتے ہیں :

”پہلا درجہ توحید ہے کہ آدمی زبان سے تو لا الہ الا اللہ کہے اور دل سے اعتقاد نہ رکھے، یہ منافقوں کی
توحید ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس کلمے کے معنی کا دل سے تقلیداً اعتقاد رکھے جیسے عوام الناس یا
ایک نوع کی دلیل سے اعتقاد رکھے جیسے متکلم لوگ۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی مشاہدے سے دیکھے
کہ سب کی اصل ایک ہی ہے اور سب کاموں کا ایک ہی فاعل ہے اور کسی کو کوئی کچھ کر ہی نہیں سکتا
..... اگرچہ اس توحید کا بڑا درجہ ہے تاہم عارف اس درجے پر پہنچ کر خلق کو بھی دیکھتا ہے اور خالق کو
بھی اور جانتا ہے کہ خلق خالق سے ہے، تو اس درجے کی توحید میں کثرت کو دخل ہے اور عارف جب
تک دو دیکھتا ہے تب تک تفرقہ میں پڑا رہتا ہے جمع نہیں ہوتا۔ یہ کمال توحید نہیں۔ چوتھا درجہ یہ ہے
کہ آدمی ایک کے سوا دوسرے کو دیکھے ہی نہیں اور سب کو ایک ہی دیکھے اور ایک ہی سمجھے۔ اس
مشاہدے میں تفرقہ کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ صوفی لوگ اس درجے کو فانی التوحید کہتے ہیں۔“ (3)

(1) کلیات امدادیہ (ضمیاء القلوب) صفحات ۳۶ تا ۳۷

(2) رسالہ تصوف بحوالہ مفتاح المقطعات: صفحہ ۵۵

(3) کیمیائے سعادت: صفحات ۵۵۶، ۵۵۷

دوسری جگہ (صفحہ ۱۱۹، ۱۱۸ پر) ذکر کے چار درجے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”ایک تو یہ کہ فقط زبانی ذکر ہو، دل اس سے غافل اور بے فکر ہو۔ اس کا اثر کم ہوتا ہے مگر بالکل بے اثر نہیں اس واسطے کہ جو زبان ذکر الہی میں مشغول ہو اسکو اس زبان پر جو بیہودہ باتوں میں مصروف ہو یا بالکل معطل اور بیکار ہو فضیلت ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ ذکر دل میں تو ہو لیکن قرار نہ پکڑے اور گھر نہ کرے، ایسا ہو کہ دل کو تکلف سے ذکر میں مشغول رکھیں کہ اگر یہ جہد اور تکلف نہ ہو تو دل غفلت یا نفس کے خطروں سے پھر اپنی طبیعت کے موافق ہو جائے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ ذکر دل میں گڑ گیا ہو اور ایسا غالب اور متمکن ہو گیا ہو کہ اور کام کی طرف اسے تکلف سے مشغول کریں۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ جس کا ذکر ہے وہ دل میں بس گیا ہو اور وہ حق سبحانہ تعالیٰ ہے۔ اور ذکر دل میں نہ ہو اس واسطے کہ جس شخص کا دل بالکل مذکور یعنی خدا کو دوست رکھتا ہے اس میں اور اس شخص میں جس کا دل ذکر کو دوست رکھتا ہے بڑا فرق ہے بلکہ کمال یہ ہے کہ ذکر اور ذکر کا خیال بالکل دل سے جاتا رہے مذکور ہی مذکور رہ جائے اس واسطے کہ ذکر عربی ہو خواہ فارسی سخن نفس سے خالی نہ ہو گا بلکہ عین سخن ہو گا اور اصل یہ ہے کہ سخن عربی اور فارسی وغیرہ جو کچھ ہے سب چیزوں سے دل خالی ہو اور سب وہی وہ ہو جائے، دل میں کسی دوسری چیز کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ فرط محبت جس کو عشق کہتے ہیں، یہ امر اس کا نتیجہ ہے یعنی اس سے حاصل ہوتا ہے اور عاشق ہمیشہ معشوق ہی کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ اسکے تصور اور کمال خیال میں اس کا نام بھی بھول جاتا ہے۔ جب ایسا مستغرق اور محو ہو جائیگا کہ اپنے تئیں اور غیر حق جو کچھ ہے سب کو بھول جائیگا تو تصوف کے پہلے راستے پر آئیگا۔ صوفیہ صافیہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس حالت کو فنا اور نیستی کہتے ہیں، یعنی جو کچھ ہے وہ سب اسکے ذکر سے نیست ہو گیا اور خود بھی نیست ہو گیا کہ اپنے تئیں بالکل بھول گیا اور جس طرح حق تعالیٰ کے بہت سے عالم ایسے ہیں کہ ہمیں ان کی خبر نہیں اور وہ ہمارے حق میں نیست ہیں اور ہم جن سے آگاہ ہیں اور ہمیں جن کی خبر ہے وہ ہمارے نزدیک ہست ہیں۔ اگر یہ عالم جو خلق کے نزدیک موجود ہیں کسی کو بھول گئے تو اس کے نزدیک نیست ہو گئے اور جب اپنی خودی بھول گیا تو خود بھی اپنے نزدیک نیست ہو گیا، اور خدا کے سوا جب کوئی چیز اس کے ساتھ نہ رہی تو حق تعالیٰ ہی اس کے نزدیک ہست اور اسکے سامنے موجود ہے۔ اے عزیز جس طرح توجہ نگاہ کرے اور زمین و آسمان اور جو کچھ اس میں ہے وہی دیکھے اس کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے تو تو یہی کہے گا کہ اس کے سوا عالم ہستی نہیں اور تمام عالم یہی ہے۔ اسی طرح یہ فا کر بھی خدا کے سوا کچھ نہیں دیکھتا اور کہتا ہے کہ ہمہ اوست یعنی اللہ ہی اللہ ہے، سوا اللہ کچھ نہیں۔ اس مقام پر اسکے اور خدا کے درمیان جدائی نہیں باقی رہتی اور یگانگی حاصل ہو جاتی

ہے۔ یہ توحید اور وحدانیت کا پہلا عالم ہے یعنی جدائی اٹھ جاتی ہے، جدائی اور دوئی سے کچھ خبر ہی نہیں رہتی اس واسطے کہ جدائی وہ جانتا ہے جو دو چیزیں جانے، اپنے تئیں اور خدا کو پہچانے، اور یہ شخص اس وقت آپ سے بیخبر ہے ایک کے سوا دوسرے کو پہچانتا ہی نہیں تو جدائی کیونکر جانے۔ آدمی جب اس درجہ پر پہنچتا ہے تو فرشتوں کی صورتیں اس پر ظاہر ہونے لگتی ہیں، ملائکہ اور انبیاء کی رو حیں اچھی اچھی صورتوں پر اسے نظر آنے لگتی ہیں، جناب احدیت کے واسطے جو چیزیں خاص ہیں وہ منکشف ہونے لگتی ہیں اور بڑے بڑے احوال نمودار ہوتے ہیں کہ ان کا بیان ممکن نہیں۔“

اللہ کو مخلوق اور مخلوق کو اللہ دیکھنا ہی تصوف کا مقصد اصلی بتایا جاتا ہے:

”پوشیدہ باتوں کا معلوم کرنا کشف ہے۔ اس کی دو قسم ہیں: کشف صغریٰ اور کشف کبریٰ۔ کشف صغریٰ کو کشف کون بھی کہتے ہیں یعنی سالک اپنی قلبی توجہ سے زمین و آسمان، ملائکہ، ارواح، اہل قبور، عرش، کرسی، لوح محفوظ، الغرض دونوں جہاں کا حال معلوم کرے اور مشاہدہ کرے۔ کشف کبریٰ: اس کو کشف الہی بھی کہتے ہیں یعنی ذات حق سبحانہ کا مشاہدہ اور معائنہ ہو جانا اور جملہ حجابات اور اعتبارات کا اٹھ جانا اور نور بصیرت سے خلق کو عین حق اور حق کو عین خلق دیکھنا۔ سالک کا مقصد واصلی کشف یہی ہے۔“ (انکشاف: صفحہ ۳۶۶ بحوالہ دیوبندیت: صفحہ ۹۰)

وحدت الشہود یہ ہے کہ بندہ ”فنا فی اللہ“ ہو کر اتنا عروج کرے کہ بلند ہو کر اصل (یعنی اللہ) سے واصل ہو جائے (اوپر نقل کردہ امداد اللہ صاحب وغیرہ کی تحریروں میں یہ بات بھی شامل ہے)۔ یہ سب باتیں ہندوؤں کی ویدانت اور یوگ، یونانیوں کی باطنیت اور عیسائیوں کی رہبانیت میں قدر مشترک ہیں:

”دنیا کے تمام صوفیانہ ادب میں خدا کو محبوب ہی قرار دیا گیا ہے۔ فلو طین، فر فریوس، شکر، رام نوج، ولجھ اچاریہ، منصور حلّاج، شیخ اکبر، مرشد رومی، خواجہ عطار، حکیم عراقی، عارف جامی، حکیم سنائی، بیدل، شاہ بھٹائی، سچل سرمست، وارث شاہ، سلطان باہو، بلھے شاہ، رام کرشن، پریم ہنس اور اقبال، سب نے خدا ہی کو محبوب حقیقی بتایا ہے اور عشق حقیقی کا نغمہ سنایا ہے۔ یہ سب ایک ہی شیعہ حقیقت کے پروانے ہیں اور ایک ہی مسلک یعنی مذہب عشق کے مبلغ ہیں۔ جسے شک ہو بطور خود ان کی تصانیف کا مطالعہ کر لے۔“ (تاریخ تصوف: صفحہ ۸۶)

اسی لیے ہندوؤں کے رشی منی اور بدھ مت کے پیرو بھکشو جنگلوں اور پہاڑوں میں سخت ریاضتیں کرتے ہیں۔ عیسائی راہبوں کی ریاضتیں تو تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں۔

اگر ان صوفیوں کو اپنے دعوے کے مطابق واقعی اللہ سے محبت تھی تو انہیں اتباع رسول ﷺ کرنی چاہیے تھی جیسا کہ مالک کا حکم ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران: ۳۱)

”(اے نبی! ان لوگوں سے) کہدو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا۔“

لیکن اگر تصوف کی دنیا کو دیکھا جائے تو ایک لائیخل معمر، ایک چیتاں، ایک طلسم ہو شرابا نظر آئے گا جس میں قرآن و حدیث کا کوئی دخل نہیں اور جو اتباع رسول سے یکسر خالی و عاری ہے۔ تصوف کے سارے سلسلے مثلاً نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ وغیرہ حسن بصری رحمہ اللہ کے ذریعے ابو بکر و علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت کیے جاتے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حسن بصری ایک تابعی تھے اور ان کا ابو بکر و علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے سماع نہیں تھا۔ ان کا سماع جنگ بدر میں شریک صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ میں سے صرف سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے ثابت ہے۔ (۱) اس طرح تصوف پر مزید گفتگو کرنے سے پہلے ہی اس کا بے بنیاد ہونا ثابت ہو گیا۔ مزید برآں اس خانقاہی مذہب میں جہاد کے مقابلے میں چلوں، وظیفوں، اوراد و تکرار اور ”ہا“، ”ہو“ کی ضربوں کو اہمیت دی جاتی ہے، اور اسے ذکر کہا جاتا ہے، حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے ایسا کوئی ذکر ثابت نہیں۔ یہ لوگ اپنے باطل عقائد و اعمال کے ثبوت میں جھوٹی اور من گھڑت روایتیں پیش کرتے ہیں۔ امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمے (صفحہ ۳۸) میں اس طرف بھی نشاندہی کی ہے اور یحییٰ بن سعید قطان سے، جو حدیث اور علم اسماء الرجال کے بڑے امام تھے، روایت کیا ہے کہ

”تم صوفیوں سے زیادہ جھوٹا کسی کو نہ دیکھو گے کہ وہ کس قدر جھوٹی روایتیں بیان کرتے ہیں۔“

وہ لوگ جھوٹ اس کثرت سے بولتے ہیں کہ ان کا ارادہ نہ بھی ہو تو بھی جھوٹ ان کی زبان پر بیساختہ جاری ہو جاتا ہے۔

اپنے مسلک کی مروجہ بدعات کو سند جو از فراہم کرتے ہوئے ایک مولوی صاحب خود تسلیم کر بیٹھے کہ

”طریقت: طریقت کے قریب سارے مشاغل اور تصوف کے قریب سارے مسائل بدعت ہیں۔ مراقبہ، چلے، پاس انفاس، تصور شیخ، ذکر کے اقسام سب بدعت ہیں جن کا قرونِ ثلاثہ میں کہیں پتہ نہیں چلتا۔

چار سلسلے: شریعت و طریقت دونوں کے چار چار سلسلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی۔ اسی طرح قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی۔ یہ سب سلسلے بدعت ہیں۔ ان میں سے بعض کے تو نام بھی عربی نہیں جیسے چشتی یا نقشبندی۔ کوئی صحابی تابعی حنفی قادری نہیں ہوئے۔“ (1)

قرآن و حدیث کے علوم کے مقابلے میں تصوف کی دقیق و پیچیدہ اصطلاحات کی ان کے نزدیک زیادہ اہمیت ہے جنہیں وہ عَلَمٌ لِّدِينِی کہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ براہِ راست اللہ سے حاصل ہوتا ہے کتابوں سے نہیں۔

کہا جاتا ہے اور تعلیمی اداروں میں پڑھایا بھی جاتا ہے کہ صوفیاء نے برصغیر میں اسلام پھیلانے میں مرکزی و کلیدی کردار ادا کیا اور اس سلسلے میں اتنے زیادہ بھاری بھر کم نام لیے جاتے ہیں کہ لوگوں کی نگاہ عقیدت و احترام سے جھک جاتی ہے، مثلاً جیسا کہ علی ہجویری صاحب جنہیں عرف عام میں داتا گنج بخش کہا جاتا ہے، (2) معین الدین چشتی اجمیری صاحب، (3) فرید الدین گنج شکر صاحب، (4) وغیرہ۔ لیکن جب ان کی کتابوں اور ملفوظات کا

(1) جاء الحق: صفحہ ۲۱۳

(2) جبکہ یہ بات تو اسکولوں تک میں پڑھائی جاتی رہی ہے کہ۔ یارب تو ہے سب کا آقا۔۔۔ سب کا مالک سب کا داتا اور ”گنج“ یعنی خزانے بخش صرف اللہ ہی کا کام ہے کیونکہ وہی ان کا کیلا مالک ہے، چنانچہ ارشادِ ربی ہے:

وَيْلَهُ خَزَائِنُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ الْكُتُوبُ وَالْأَنْبِيَاءُ لَا يَفْقَهُونَ (المطففون)

”زمین و آسمان کے خزانے اللہ ہی کے لیے ہیں لیکن منافق لوگ نہیں سمجھتے۔“

قُلْ لَا أَقُولُ نَعْمُ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ (الانعام ۵۰)

”(اے نبی!) آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔“

لہذا اللہ کے سوا کوئی داتا گنج بخش نہیں۔

(3) ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں ہندوستان میں اسلام پھیلانے کی تلقین کی چنانچہ انہوں نے وہاں جا کر توڑے لاکھ ہندوؤں کو ”مسلمان“ بنایا۔

(4) ان کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے ہندوؤں کی بستی اجودھن کو پاک پتن شریف بنا دیا۔

مطالعہ کیا جائے تو ایک دوسری ہی صورت سامنے آتی ہے جو اتنی بھیانک اور مکروہ ہوتی ہے کہ ان بزرگ ہستیوں کو اولیاء اللہ تو درکنار مسلمانوں کی صف میں کھڑا کرنا بھی مشکل نظر آتا ہے۔ ہم پر کفر، الحاد، زندقہ اور گستاخی اولیاء کافتویٰ لگانے سے پہلے ان صوفیاء کی مندرجہ ذیل کتابیں ضرور پڑھ لی جائیں جن میں سے کچھ کے اقتباسات بطور مشتے نمونہ از خروارے آگے دیئے جا رہے ہیں:

نام کتاب	مصنف/مؤلف/مترجم/مدون
کشف المحجوب	شیخ علی ہجویری
طواسین	حسین بن منصور حلاج
تعرف	ابوبکر کلابازی
انسان کامل	عبدالکریم جیلی
فتوحات مکیہ، فصوص الحکم، کبریت احمر، وغیرہ	شیخ محی الدین ابن عربی
غنیۃ الطالبین، الفتح الربانی، فتوح الغیب، جلاء الخواطر	شیخ عبد القادر جیلانی
کیمیائے سعادت، مکاشفۃ القلوب، مشکوٰۃ الانوار، احیاء العلوم، وغیرہ	ابوحامد محمد بن محمد امام غزالی
انیس الارواح	خواجہ معین الدین چشتی اجمیری
معین الارواح (سیرت اجمیری)	محمد خادم حسین زبیری
دلیل العارفین	خواجہ بختیار الدین کاکا
فوائد السالکین	خواجہ فرید الدین گنج شکر
راحة القلوب	خواجہ نظام الدین اولیاء
بہجۃ الاسرار	ابوالحسن الشطنوفی
اسرار اولیاء	خواجہ بدر اسحاق
فوائد القواد	خواجہ حسن دہلوی
تذکرۃ الاولیاء	شیخ فرید الدین عطار
مکتوبات، مبداء و معاد	شیخ احمد سرہندی
انفاس العارفین، درثمین، فیوض الحرمین، ہمعات، تفہیمات، وغیرہ	شاہ ولی اللہ
اخبار الاخیار، زبدۃ الآثار	عبدالحق دہلوی
مسائل تصوف، شریعت و طریقت، التکشف، بوادر النوار، امداد المشتاق، حکایات اولیاء، جمال الاولیاء وغیرہ	اشرف علی تھانوی
اشرف السوانح	خواجہ عزیز الحسن
حکایات اسلاف	اعجاز سنگھانوی
عمدۃ السلوک، حضرت مجدد الف ثانی، انوار معصومیہ	زوار حسین

سوانح قاسمی، تذکرہ شاہ ولی اللہ	مناظر احسن گیلانی
سیر الاولیاء	محمد بن مبارک میرخورد
جامع کرامات اولیاء	محمد یوسف نبہانی
قصص الاولیاء	محمد فاضل عثمانی
قصص الاولیاء، سیرت غوث اعظم، وغیرہ	عالم فقری
سیرت غوث الثقلین	ضیاء اللہ قادری
سفینۃ الاولیاء، سکینۃ الاولیاء	داراشکوہ قادری
روض الراحین / نزہت البساتین / کرامات اولیاء / قصص الاولیاء	عبداللہ یافعی یمنی
محفل اولیاء	شاہ مراد سپہروردی
بزم اولیاء	بدر القادری
بستان اولیاء	حافظ اسحاق دہلوی
حدیقۃ الاولیاء، خزینۃ الاصفیاء، وغیرہ	غلام سرور لاہوری
انوار اولیاء، انوار اصفیاء	رئیس احمد جعفری، وغیرہ
جدید تذکرۃ الاولیاء	اشرف نقشبندی
تذکرہ اولیائے پاک و ہند، معین الہند، دلی کے بائیس خواجہ، وغیرہ	ظہور الحسن شارب
تذکرہ اولیائے ملتان	امتیاز حسین شاہ
تذکرہ اولیائے سندھ	اقبال نعیمی
تذکرہ غوثیہ	شاہ گل حسن
تذکرۃ الرشید، تذکرۃ الخلیل، وغیرہ	عاشق الہی میرٹھی
بزم صوفیہ	صباح الدین عبدالرحمن
مجلس صوفیہ، سیر الاقطاب	محمد معین الدین دردانی
حکایات صوفیہ، تذکرہ بابا فرید، تذکرہ سیدنا غوث اعظم، وغیرہ	طالب ہاشمی
ملفوظات اعلیٰ حضرت	مصطفیٰ رضا خان بریلوی
مقیاس المجالس، اقتباس الانوار، مرآۃ الاسرار، مقام گنج شکر، مشاہدہ حق، وغیرہ	واحد بخش سیال
تاریخ الاولیاء	خواجہ حسن نظامی
تاریخ مشائخ نقشبندیہ	خلیق احمد نظامی
تاریخ مشائخ چشت	محمد عبدالرسول الہی
نفحات الانس	عبدالرحمن جامی
تاریخ مشائخ چشت تبلیغی نصاب، آپ بیٹی، وغیرہ	زکریا کاندھلوی
تصوف	تراب الحق قادری
تصوف کے موضوع پر بریلوی مسلک کی مصنفہ مختلف کتب	طاہر القادری، وغیرہ

ان کتابوں اور ان کے علاوہ تمام صوفیوں کی سوانح و سیر، اقوال و احوال، مواعظ و ملفوظات، معارف و تذکرات، احکام و ارشادات کا مطالعہ کریں تو ان میں یہی ملتا ہے کہ صوفی ریاضات و مجاہدات کے ذریعے صفات الہیہ سے متصف ہو جاتا ہے۔ کبھی کہتا ہے ”اَنَا الْحَقِّ“ میں الحق ہوں یعنی اللہ ہوں۔^(۱) کبھی کہتا ہے ”سُبْحَانِی مَا عَظُمَ شَانِی“ یعنی میں سبحان ہوں، میری

(۱) یہ نعرہ حسین بن منصور حلاج نے لگایا اور اس کفر پر عباسی خلیفہ مقتدر باللہ نے امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام ابویوسف قاضی بغداد کے فیصلے پر ۳۰۹ ہجری میں اسے پھانسی دے دی اور لاش جلا کر راکھ دریائے دجلہ میں بہا دی۔ لیکن ہر سابقہ و موجودہ، عالم و غیر عالم صوفی اسے مردِ مومن قرار دے کر اس کی تحسین و تعریف کرتا ہے اور اسے حق کی نشانی گردانتا ہے اور اس کے اس کفر پر فعل کو درست ثابت کرتا ہے۔ تو ان اس کی مدح سرائی کرتے ہیں۔ چڑھ کے سولی پہ منصور بولا عشق ہے یہ تماشا نہیں ہے۔

شاعر، صحافی و ادیب اور دیگر قسم کے لوگ اس کفر پر نعرے کو حق گوئی اور صدق بیانی کے لیے بطور استعارہ استعمال کرتے ہیں جیسا کہ ظلم و استبداد کے لیے مغفور تابعی امیر یزید رحمۃ اللہ کا نام باطلاً استعمال کرتے ہیں۔ ان مسلک پرستوں کی کتابوں میں کفر بکنے والے اس صوفی کے نام کے ساتھ ”رحمۃ اللہ علیہ“ کا لاحقہ نظر آتا ہے جبکہ اس مغفور تابعی کے نام کے ساتھ یہ لوگ رحمت کے بجائے لعنت کا لاحقہ استعمال کرتے ہیں حالانکہ زبانِ نبوت نے اسے رحمت کا مستحق ٹھہرایا جیسا کہ آگے بیان آ رہا ہے، اور ان سے کوئی کفر بھی ثابت نہیں۔ رشید گنگوہی صاحب نے اس کفر بکنے والے صوفی کے ولی اللہ ہونے پر فتویٰ دیا (فتاویٰ رشیدیہ: صفحہ ۲۴۹) اور ان کے پیر حاجی صاحب اس کی اس طرح مدح سرائی فرمائی:

قید میں جس دم کیا منصور کو	فانی حق غرق بحر نور کو
ساتھ اس کے تھے غین سو اور چند	اپنے اپنے جرم کی شامت سے بند
بولا منصور ان کو تم سے بند توڑ	تم اگر چاہو تو دو کمیں سبکو چھوڑ
یوں کہا سب نے یہ گر ممکن ہے جو	کیوں نہیں دیتے خلاصی آپ کو
یوں کہا مجھ کو شریعت کا ہے پاس	قید حق میں ہوں نہیں مجھ کو ہر اس
ہاں اگر چاہو تو دوں میں تمکو چھوڑ	اک اشارے میں تمہارے بند توڑ
پھر اشارہ جو کیا انگشت سے	بند دست و پا سے اگلے گر پڑے
قیدیوں نے آپ کو دیکھا جو خاص	بند اور زنجیر سے بالکل خلاص
عرض کی سب نے کہ اے شیخ بلند	کس طرح جائیں در زنداں ہے بند
اور ہیں درباں دروں پہ مستعد	پہرے اور چوکی کے اوپر مستعد
یوں کہاں منصور نے پھر کیا ہے ڈر	کہہ کے یہ اور کی سوئے زنداں نظر

شان کتنی عظیم ہے۔ کبھی کہتا ہے ”مُلْكِيْ اَعْظَمُ مِنْ مُلْكِ اللّٰهِ“ یعنی میری بادشاہت اللہ کی بادشاہت سے بڑی ہے۔ (1) اور کبھی دعویٰ کرتا ہے کہ ”اَنَا خَاتَمُ الْوَلٰی“ یعنی میں خاتم الاولیاء ہوں، اور ”مَقَامُ النَّبُوَّةِ فِيْ بَزْزَخٍ ... فَوَيْقُ الرِّسُوْلِ وَدُوْنِ الْوَلٰی“ یعنی اولیاء کا مقام انبیاء سے بلند ہے۔ (2) پھر کیا ہوتا ہے؟ پھر اس کو کائنات میں اتنا تصرف حاصل ہو جاتا ہے کہ سارے وہ کام کرنے لگتا ہے جو صرف اللہ ہی کرتا ہے مثلاً

﴿ جب چاہے کسی کو موت دیدے جب چاہے زندہ کر دے، جیسا کہ بقول شاہ ولی اللہ ان کے تایا جی کر دیتے تھے! (3) ﴾

ہو گئے پھنکر کے دیواروں میں در	شیخ کے کرتے ہی زنداں پر نظر
اپنے اپنے گھر کو جاؤ بے خلل	پھر کہا اب جاؤ تم سارے نکل
یوں کہا جانا ہے مجھ کو دار پر	بولے سب تم کیوں نہیں چلتے ہو گھر
دار پر جا کر کروں گا میں عیاں	ہے مرے سینہ میں اک ستر نہاں
کلڑے کلڑے ہو گئے جسم زار کے	بعد اس کے حکم سے دل دار کے

(کلیات امدادیہ (مثنوی تحفۃ العشاق): صفحہ ۱۳۷)

اور بقول حاجی صاحب، اس صوفی کے ”بحر انوار میں غرق“ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے ذکر کر کے سلوک کا وہ مرتبہ پایا تھا جس میں صوفی ”سوائے خدا کے کسی کو بھی نہ دیکھے گا اور وجود خدا کا اس کو یقینی ثبوت پہنچ جائے گا۔ پھر ہوش میں آنے پر اپنی فنا کی وجہ سے وصال حق کے اشتیاق کی ایک خاص کیفیت محسوس کرے گا اور خدا کو اپنے وجود میں پا کر منصور (حضرت منصور رحمہ اللہ انا الحق یعنی میں خدا ہوں فرمایا کرتے تھے۔ اس مرتبہ کے حاصل ہونے پر جب خدا کے وجود کو اپنے میں پائے گا تو بے اختیاری سے ایسے دعوے کرنے لگے گا: نوٹ از شارح) کے ایسے کلمے کہنے لگے گا اور خود نہ جانے گا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ یہ تو تجلیات افعالی اور صفاتی تھے.....“ (کلیات امدادیہ (ضیاء القلوب): صفحہ ۳۹) ان حاجی پیر کے تھانوی مرید نے بھی حلاج کی ان الفاظ میں تائید کی ہے: ”منصور کے انا الحق کو خدا تعالیٰ کا قول کہنا چاہیے کیونکہ غلبہ حال میں کلام حق ان کی زبان سے نکلا تھا وہ بھی متکلم بحکم حق تھے خود متکلم نہ تھے.....“ منصور نے جو کچھ کیا تھا خود نہ کہا تھا کیونکہ وہ خود کو منہا چکے تھے۔“ (اشرف الجواب: صفحہ ۳۱۰)

(1) یہ دونوں نعرے بایزید بسطامی صاحب کے تھے۔

(2) یہ دعوے ابن عربی صاحب کے تھے۔

(3) انفاس العارفین: صفحہ ۱۵۱

زمین کے نچلے طبق میں رہنے والی چوٹی کے دل کے خیالات جان لے، جیسا کہ ان ہی موصوف کا دعویٰ تھا! (1)

عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک جو کچھ ہے اس پر اس کی نظر ہوتی ہے، جیسے معین الدین چشتی اجمیری صاحب کی تھی اور وہ خود اپنی تحریر کے مطابق دو انگلیوں کے درمیان اٹھارہ ہزار عالم دیکھ لیتے تھے! (2)

اپنے مریدوں کی دستگیری کرتا ہے، ان کی پردہ پوشی کرتا ہے، خواہ کہیں بھی ہو، جیسا کہ عبدالقادر جیلانی صاحب نے فرمایا! (3) اور کمال قدرت تو دیکھیے کہ

جانور اور پرندے تک ان سے باتیں کریں جیسے اللہ کے نبی سلیمان علیہ السلام سے کرتے تھے! (4) خانہ کعبہ ان کا طواف کرتا ہے جیسے رابعہ بصری کا کیا! (5)

ان سے احکامات الہی مثلاً غیر محرم سے پردہ وغیرہ موقوف ہو جائیں! (6) جنت و جہنم، عرش و کرسی، لوح و قلم سب کے مالک بن جائیں اور آہ سرد کھینچ کر آتش دوزخ بجھا ڈالیں! (7)

دو انگلیوں کے درمیان تمام دنیا و مافیہا کو دیکھیں! (8)

مرید کی ہتھیلی رگڑ دیں تو وہ خود کو اللہ کے عرش کے نیچے کھڑا پائے اور قسم کھا کر بتائے کہ میں نے عیاں یعنی اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے! (9)

اللہ کو بھی خواب میں دیکھ لیں۔ رسول اللہ ﷺ کا تو پوچھنا ہی کیا کہ وہ تو ہر صوفی کو اکثر و بیشتر

(1) انفاس العارفين : صفحہ ۱۵۰

(2) انیس الارواح : (ہشت بہشت) ، صفحہ ۲

(3) اخبار الاخيار : صفحات ۳۹، ۴۰

(4) ابراہیم بن ادھم : کشف المحجوب، صفحہ ۱۸۰ / عبدالقادر جیلانی: اخبار الاخيار،

صفحہ ۳۵ / شاہ ولی اللہ کے والد اور تاجا: انفاس العارفين، صفحات ۸۵، ۸۶

(5) رابعہ بصری : انیس الارواح، صفحہ ۱۲

(6) بایزید بسطامی : کشف المحجوب، صفحہ ۲۰

(7) بایزید بسطامی : دلیل العارفين (ہشت بہشت) صفحہ ۳۸

(8) بایزید بسطامی : دلیل العارفين، صفحہ ۴۱

(9) قاسم نانوتوی : حکایات اولیاء، حکایت ۲۵۰، صفحہ ۲۲۶

- خواب و بیداری دونوں میں نظر آتے ہیں! (1)
- فرمائیں کہ میں نے رسول ﷺ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ کیا آپ سماع (یعنی توالی) میں سے کچھ منع کرتے ہیں، فرمایا کہ نہیں! (2)
- اپنی فقاہت و علم کی وجہ محمد بن یوسف ضریر صوفی کی قبر کی مٹی کھانا قرار دیں جس کے کھانے کا حکم انہیں بقول خود نبی ﷺ نے ہی سینکڑوں سال بعد دیا تھا! (3)
- مثنوی روم کو کلام الہی سمجھیں، اسے ”مثنوی شریف“ کہیں اور اس کے درس کے لیے فرمائیں کہ ”آؤ بھائی مثنوی کی تلاوت کر لیں“ * (4) اور اس کے ختم پر اس کے لکھنے والے ”مولانا روم“ کی نیاز دے کر شربت بھی بانٹیں! (5)
- دوات زمین پر پٹک دیں تو سیاہی سے ”اللہ“ کا نقش بن جائے، پھر فرمائیں کہ تصرف حق کا اثر غیر جاندار میں ہے تو جاندار میں کیوں نہ ہو، حسین بن منصور حلاج کے خون

- (1) سری سقطی و جنید بغدادی: کشف المحجوب، صفحہ ۲۹، ۲۱۰ / شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم اور تایا ابوالرضا محمد: انفاس العارفين، صفحہ ۴۲، ۳۲ / حکایات اولیاء، حکایت نمبر ۶، صفحہ ۱۸ / یوسف بنوری کے والد زکریا صاحب: بینات، اگست ۱۹۷۵ء، صفحہ ۲، وغیرہ
- (2) ممتاز دینوری: عوارف المعارف، صفحہ ۲۱۱
- (3) (حالانکہ احادیث میں ساز کی، جو توالی کا جزو لازم ہے، سخت ممانعت ہے جس کا بیان آگے آ رہا ہے)
- (4) فقیہ کبیر احمد بن موسیٰ: جمال الاولیاء، صفحہ ۱۱۳
- (5) حاجی امداد اللہ: معارف الاکابر، صفحہ ۱۲۰
- ★ گویا کہ یہ کلام پاک ہے جیسا کہ ایک صوفی کا قول اس مثنوی کے متعلق زبان زد عام ہے کہ
- ”مثنوی مولوی و معنوی ہست قرآن در زبان پہلوی (یعنی یہ فارسی زبان میں قرآن ہے)“
- یاد رہے کہ یہ وہی ”مثنوی مولانا روم“ ہے جس کے دفتر پنجم میں کنیزوں وغیرہ کے انتہائی فحش اور اخلاق سوز واقعات لکھے گئے ہیں جن کو کوئی حیا دار انسان بیان کرنا تو کجا پڑھنا بھی گوارا نہ کرے۔ من شاء فلیرجع الیہ یہ فحش کتاب ان مسلک پرستوں کے نزدیک واقعی قرآن کا درجہ رکھتی ہے جس کا ثبوت اس بات میں ملتا ہے کہ اشرف علی تھانوی صاحب نے نبی ﷺ کی قبر پر تعمیر گنبد کو جائز ٹھہرانے کے لیے فتویٰ دیتے ہوئے اس کا جو اذکسید کیا جس کی دلیل کے لیے انہیں اللہ کی کتاب تو نہیں ملی بلکہ اسی مثنوی کو ہاتھ میں لے کر وعاء کی دلیل مل جائے اور انہیں اپنے مطلب کے اشعار مل گئے۔ (امداد الفتاویٰ: صفحہ ۵۱۰)
- (5) امداد المشتاقی، صفحہ ۸۷

سے بھی ”انا الحق“ (میں اللہ ہوں) کا نقش بن گیا تھا، لہذا وہ حق پر تھا اور اس کو قتل کرنے والے نادان تھے! (1)

✍ آدم ﷺ کو سجدہ کرنے والے فرشتوں کو عین اسی حالت سجدہ میں دیکھ لیں! (2)
 ✍ یہ بھی بتادیں کہ کتنا زندہ رہیں گے اور کتنی اولاد ہوگی اور ماں کے پیٹ سے اس کی بات بھی سن لیں! (3) جبکہ اللہ نے قرآن میں یہ فرمایا ہے کہ ”اللہ ہی کو خبر ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے، اور کسی کو نہیں معلوم کہ کل وہ کیا کرے گا، اور نہ ہی یہ بات کہ وہ کہاں مرے گا۔ بیشک اللہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔“ (لقمان: ۳۳)

✍ اللہ تو یہ فرمائے کہ (مفہوم): جس کی جتنی عمر لکھ دی گئی اس میں کمی و بیشی نہیں ہو سکتی (فاطر: ۱۱)
 مگر صوفی لوگ یہ قدرت رکھتے ہیں کہ انسان کی عمر جانور کو اور جانور کی انسان کو لگا دیں! (4)
 ✍ بکری کے بچے کو جان سے مار دیں اور پاؤں لگا کر دوبارہ زندہ کر دیں! (5)
 ✍ مرید کے ظاہر و باطن تمام اسرار سے پوری واقفیت حاصل ہوتی ہے! (6)
 ✍ اللہ کا فرمان ہے کہ ”زمین و آسمان میں غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا“ (سورۃ النمل: ۶۵) مگر یہ لوگ مریدوں کی ہر ڈھکی چھپی بات حتیٰ کہ ان کے گھروں کے حالات تک سے واقف ہونے کا دعویٰ کریں! * (7) اور کسی بھی وقت غیر حاضر نہ رہیں بلکہ ہر آن ان کے ساتھ موجود رہیں خواہ وہ خلوت محارم جیسے حیا طلب ذاتی فعل کا وقت ہی کیوں نہ ہو! (8)

(1) عبدالقدوس گنگوہی: بوادر النواذر، صفحہ ۳۹۷

(2) مجدد الف ثانی: مبداء و معاد منسلکہ مکتوبات امام ربانی جلد ۲ صفحہ ۲۶۷

(3) شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب: انفاس العارفين، صفحہ ۱۰۶

(4) شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب: انفاس العارفين، صفحہ ۱۰۳

(5) شاہ عبداللہ: اخبار الاخیار، صفحہ ۲۹۶/دارالعلوم دیوبند کا رسالہ ”دارالعلوم“، جنوری ۱۹۵۸ء، صفحہ ۳۲

(6) جنید بغدادی: کشف المحجوب، صفحہ ۲۷۰ / شاہ ولی اللہ کے تایا ابوالرضا محمد:

انفاس العارفين، صفحہ ۱۵۰

(7) عبدالقادر جیلانی: اخبار الاخیار، صفحہ ۳۳

★ غیب دانی کے واقعات تو ان صوفیوں کے اس قدر افراط سے ہیں کہ اللہ کی پناہ! ان واقعات کو پڑھ کر پتہ چلے گا کہ غیب تو ان کے لیے غیب ہی نہیں ہے، ہر چیز بالکل عیاں ہے جیسے چشم دید ہو: ادھر کسی کے دل میں کوئی ذرا سا بھی خیال آیا، خواہ وہ سامنے ہو یا ہزاروں میل دور، ان پر بالکل ظاہر ہو گیا، کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں!

(8) ملفوظات: حصہ دوم، صفحہ ۵۶

✍ اللہ سے دعا کریں کہ بہشت میں جو ان کا رفیق ہو گا وہ دکھا دیا جائے تو بکریاں چرانے والی ایک عورت کا نام پتہ بتایا جائے۔ یہ اس سے ملنے جائیں تو اس عورت کو نماز میں مشغول اور اس کی بکریوں کو بھیڑیوں کے ساتھ چرتا دیکھیں؛ اور سلام پھیر کر وہ انجانی عورت ان کا نام لے کر کہے کہ اب جاؤ، ملنے کا وعدہ تو بہشت میں ہے! (1)

✍ میلوں دور موجود دوسرے صوفی سے پردہ کرنے کے لیے جلتے تنور میں کود کر اس کا منہ بند کر دیں اور بعد میں صحیح سلامت باہر بھی نکل آئیں! (2)

✍ اگر ان کا ساتھی پانی کے پیالے میں ہاتھ ڈال کر مچھلی نکال کر انہیں اپنی کرامت سے تحفہ دے تو یہ دیکھتے تنور میں ہاتھ ڈال کر مچھلی نکال کر دکھادیں! (3)

✍ چادر دھو کر سکھانے کے لیے بلند درخت کو کہیں کہ پست ہو جا تو وہ فی الفور پست ہو جائے اور یہ اس پر چادر پھیلا دیں تو پھر بلند ہو جائے اور اگر کوئی ایسا کر دینے میں شک کرے تو اس کے سامنے دوبارہ درخت کو پست ہونے کے لیے کہیں اور وہ فوراً پست ہو جائے اور یہ اس پر سے اپنی چادر اتار لیں! (4)

✍ دریا میں سوئی پھینک کر دریا کی مچھلیوں کو لانے کا حکم دیں اور فوراً ہی ایک لاکھ مچھلیاں سونے کی سونیاں منہ میں دبائے دریا سے اوپر نکل آئیں، اور یہ ان میں سے اپنی سوئی لے لیں! (5)

✍ دریا پر مثل زمین چلیں! (6) ہو امیں اڑیں! فضا میں معلق مصلے پر نماز پڑھیں! (7)

✍ کتے پر نظر ڈالیں اور اس کو صاحب کمال کر دیں! (8)

(1) بہشتی زیور حصہ ششم، باب ۹۲، صفحہ ۲۰

(2) عائشہ بخاری: آئینہ سلوک، صفحہ ۲۸۶

(3) ابوالحسن خرقانی: قصص الاولیاء از عالم فقری، صفحہ ۱۸۷

(4) بی بی بڑی: حدیقة الاولیاء، صفحہ ۲۳۲

(5) ابراہیم بن ادھم: مجلس صوفیہ، صفحہ ۲۵۲

(6) جنید بغدادی: ملفوظات رضا خان بریلوی، صفحہ ۱۱۷

(7) عبد القادر جیلانی: کرامات غوث الاعظم، صفحہ ۳۷

(8) جنید بغدادی: امداد المشتاق، صفحہ ۱۰۲

چاہیں جانور کی صورت اختیار کر لیں، جب چاہیں انسانی روپ دھار لیں! (1)

چاہیں تو پگھل کر پانی بن جائیں! (2)

مریض پر ہاتھ پھیر کر مرض سلب کر لیں! (3)

اپنی پیدائش سے بھی سینکڑوں سال پہلے ہونے والی معراج النبی ﷺ میں آکر موسیٰ علیہ السلام سے

گفتگو کریں! (4) اور اس موقع پر نبی ﷺ اگر عرش کو بہت اونچا پا کر نہ چڑھ سکیں تو فوراً

وہاں حاضر ہو جائیں اور اپنے کندھے پر سوار کر کے نبی ﷺ کو عرش پر پہنچادیں! (5)

”شہید“ ہو کر دنیا میں واپس آجائیں اور گزشتہ و آئندہ کی خبر کے ساتھ بیمار بیٹی کو اس

کی موت کا وقت بھی بتادیں! (6) حالانکہ مسلم کی روایت ہے کہ کوئی بھی شخص جنت

میں جا کر دنیا میں آنے کی آرزو نہیں کرے گا چاہے ساری دنیا اسے دے دی جائے مگر

شہید کہ وہ آرزو کرے گا کہ دنیا میں جائے اور دس بار اللہ کی راہ میں جان دے، کیونکہ

وہ شہادت کے اعزاز کو دیکھ چکا ہوتا ہے۔ شہدائے احد کی شدید خواہش کے باوجود اللہ

نے انہیں دنیا میں نہیں لوٹایا۔ (7)

قرآن میں یہ بھی ہے کہ (مفہوم):

”اہل جنت ہمیشہ وہاں رہیں گے اور کبھی وہاں سے نکلنا نہ چاہیں گے“ (الکہف: ۱۰۸)

”مرنے کے بعد صرف قیامت میں ہی زندہ ہوں گے“ (المومن: ۱۵، ۱۶)

”مرنے والوں اور دنیا والوں کے درمیان قیامت تک کے لیے ایک آڑ ہے“ (المومن: ۱۰۰)

مگر ان آیات و احادیث کا اطلاق ان صوفیوں پر نہیں ہوتا! دین تصوف ہے ہی

قرآن و حدیث سے دور کوئی اور دین جس کے ماننے والے مر کر بھی نہیں مرتے، ان کے

درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی، جب چاہیں آئیں جائیں، پورا اختیار حاصل ہے!

(1) امداد المشتاق : صفحہ ۱۱۰

(2) عبدالقدوس گنگوہی: ”دارالعلوم“، جنوری ۱۹۶۰ء، صفحہ ۴۲

(3) ابن المعلاء: کشف المحجوب، صفحہ ۵۴۴

(4) امام غزالی: امداد المشتاق، ۹۲

(5) عبد القادر جیلانی: کرامات غوث الاعظم، صفحہ ۲۶

(6) شاہ عبد الرحیم کے والد: انفاس العارفین، صفحہ ۸۲، ۸۳

(7) صحیح مسلم: جلد ۵، کتاب الامارات، باب فضل الشهادة فی سبیل اللہ صفحہ ۱۵۷ و باب

فی بیان ان ارواح الشهداء فی الجنة، صفحہ ۱۶۲

☞ موت کا ایک وقت معین ہے اور جب وہ آجائے تو ایک لمحے کی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ یہ اللہ کا اٹل قانون ہے! (1) مگر صوفیاء اس قانون سے بھی بری ہیں، ملک الموت انہیں اختیار دے دیتا ہے کہ حضرت چاہیں تو مر جانا پسند فرمائیں اور اگر جینا چاہیں تو خوشی سے ابھی اور جنیں! (2)

☞ غیب ان پر پورا کھل جاتا ہے اور اللہ کو فرشتوں کو حکم دیتے ہوئے دیکھ لیتے ہیں! (3)
 ☞ چار کروڑ سال کے احوال ان پر ایک لمحے میں ظاہر ہو جاتے ہیں! (4)
 ☞ بیٹھے بیٹھے سینکڑوں میل دور مقید مرید کی زنجیریں توڑ کر پیروں پر سوار کر کے لے آئیں! (5)
 ☞ خرقة کے اندر ہی سے غائب ہو کر تیس ہزار سال کی مسافت کا سفر چند منٹوں میں طے کر لیں اور سروے کر کے واپس بھی آجائیں! (6)

☞ تمام حجابات اٹھا کر کعبہ کو نظروں کے سامنے لے آئیں! (7) اجیر سے ہر شب طواف کعبہ کو جائیں اور فجر سے پہلے واپس بھی آجائیں! (8) بلکہ کعبہ خود اجیر آجائے! (9)
 ☞ غیر اللہ کی نذر و نیاز اللہ نے قرآن میں حرام ٹھہرائی ہے (10) مگر یہ لوگ شوق و رغبت سے نذر و نیاز کریں!

☞ نبی ﷺ کی نیاز کچھ نہ میسر ہونے پر چنے اور چینی پر ہی دے ڈالیں اور دیکھ بھی لیں کہ نبی ﷺ نے پسند فرمائی، شوق سے خود بھی کھائی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی کھلائی! (11) معاذ اللہ

-
- (1) سورة الانعام: ۶۱ / الاعراف: ۳۴ / یونس: ۴۹ / النحل: ۶۱ / المنفقون: ۱۱ / نوح: ۴
 - (2) شاہ عبد الرحیم: انفاس العارفين، صفحہ ۸۴
 - (3) شاہ عبد الرحیم: انفاس العارفين، صفحہ ۶۷
 - (4) شاہ عبد الرحیم: انفاس العارفين، صفحہ ۶۷
 - (5) خواجہ عثمان ہارونی: دلیل العارفين، صفحہ ۲۴
 - (6) خواجہ مودود چشتی: دلیل العارفين، صفحہ ۲۶
 - (7) خواجہ معین الدین چشتی: ایضاً، صفحہ ۲۶ / عبد القادر جیلانی: کرامات غوث الاعظم، صفحہ ۸۶
 - (8) خواجہ معین الدین چشتی: فوائد السالکین (ہشت بہشت) صفحہ ۲۶
 - (9) مودود چشتی: ایضاً، صفحہ ۲۶
 - (10) سورة البقرة آیت: ۱۷۳، المائدہ: ۳، الانعام: ۱۴۵ اور النحل: ۱۵
 - (11) انفاس العارفين، صفحہ ۷۶

﴿ دنیا و آخرت کے مواخذے کے خیال سے صحابہ کرام ؓ پر لرزہ طاری ہو جائے اور نبی ﷺ اپنی پھوپھی، بیٹی اور دوسرے رشتے داروں کو اس سے خبردار بھی کریں (1) مگر یہ لوگ اس سے برأت حاصل کر لیں! (2)

﴿ مریدوں کو جنت کی گارنٹی دیدیں! (3) اور ان سے فرمائیں کہ
 ۛ مریدی ہم وطب واشطہ وغنی وافعل ما تشاء فالاسم عالی (4)

(اے میرے مرید! اسرار عشق ہو اور خوش رہ اور بے باک ہو جا اور خوشی کے گیت گائے اور جو چاہے کر کیونکہ میرا نام بلند ہے!)

بلکہ یہاں تک فرمائیں کہ جس نے مجھ سے بیعت نہ کی ہو نہ خرقة پہنا ہو لیکن اپنی نسبت میری طرف کرے گا (یعنی قادری بن جائے گا) حق تعالیٰ اُس کو قبول فرمائے گا، اُسکے گناہ بخش دے گا اور وہ میرے مریدوں میں سے ہی سمجھا جائے گا۔ جو میرے مدرسے کی طرف سے گزرایا اس نے میرا منہ دیکھا یا میرا نام سنا اور خوش ہوا، اُس پر سے تاروز قیامت عذاب دور کر دیا جائے گا! (5)

﴿ اپنی کملی کے ریشوں سے لٹکے والے مریدوں کو حشر کے مراحل طے کرا کر جنت میں لیجائیں! (6)

﴿ اگر ان کا مرید قبر میں ”تیرا رب کون؟ تیرا نبی کون؟ تیرا دین کیا ہے؟“ کے جواب میں انہی کا نام لیتا رہے تو اس کی مغفرت ہو جائے! (7)

﴿ مشرکوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی سچی کتاب قرآن مجید میں واضح فرمادیا ہے کہ (منہوم) ان پر جنت حرام ہے اور ان کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے اور ان کا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا

(1) صحیح مسلم: جلد ۱، کتاب الایمان، باب من مات علی الکفر، صفحہ ۳۴

(2) شاہ ولی اللہ: فیوض الحرمین، صفحہ ۲۳۳

(3) عبدالقادر جیلانی: اخبار الاخیار، صفحہ ۳۸

(4) کرامات غوث الاعظم، صفحہ ۳۱

(5) خزینۃ الاصفیاء جلد ۱، صفحہ ۱۶۲

(6) دلیل العارفین صفحہ ۲۳

(7) کرامات غوث الاعظم: صفحہ ۹۸

(المائدہ: ۷۲) لیکن اس آیت کا بھی ان پر اطلاق نہیں ہوتا اور وہ اپنے ہندو مریدوں کو بھی بچا لیتے ہیں، اور آگ ان کا ایک بال بھی نہیں جلا پاتی! (۱)

ان کے مرید پر اعتراض کرنے والے کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں، لوگوں کی طرف سے عرض معروض کرنے پر یہ توجہ فرمائیں اور وہ ٹھیک ہو جائے! (۲)

مریدوں سے خود کو سجدہ کرائیں، پیروں کو بوسے دلوائیں اور اسے رفع درجات کا سبب قرار دیں! (۳)

اپنی خانقاہ کے اوپر سے اڑنے والے گستاخ کو نیچے گر کر ہاتھ پیر توڑ کر سزا دیں! (۴)

چھت کریدتے چوہے کو دیکھیں اور اسے ریزہ ریزہ کر ڈالیں! (۵) اڑتی چیز یا پر نظر کریں اور وہ پرزہ پرزہ ہو جائے! (۶) چیل اگر مجلس کے اوپر سے چچ کر گزر کے خلل ڈالے تو ہوا کو حکم دیں کہ اسکا سرتن سے جدا کر دے اور یہ فرماتے ہی اس کا سر کٹ جائے اور وہ گر کر مر جائے! (۷)

قرآن میں اللہ مومنوں کو حکم دیتا ہے کہ (مفہوم):

”اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اور جو متقیوں کے لیے بنائی گئی ہے“ (آل عمران ۱۳۳)،

”جو ان لوگوں کے لیے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے“ (الحمد: ۲۱)

لیکن یہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ اللہ انہیں جنت میں جانے کا حکم دے گا اور یہ انکار کر دیں گے! (۸)

(۱) کرامات غوث الاعظم: صفحہ ۹۸

(۲) احمد سرپندی: جواہر مجددیہ ملحق بمکتوبات، دوسرا جوبہ، صفحہ ۴

(۳) ابو الخیر ابوسعید: فوائد الفؤاد (بشت بہشت)، صفحہ ۲۳۵

(۴) عبد القادر جیلانی: ایضاً، صفحہ ۴۵

(۵) عبد القادر جیلانی: اخبار الاخیار، صفحات ۳۶، ۳۷

(۶) عبد القادر جیلانی: اخبار الاخیار، صفحہ ۳۷

(۷) کرامات غوث الاعظم: صفحہ ۶۵

(۸) معروف کرخی: فوائد الفؤاد، ۲۰۴

✍ قرآن کی متعدد آیات میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع کا حکم عام دیا گیا ہے؛ محدثین نے اعتصام بالکتاب والسنة کے ابواب باندھ کر کتاب و سنت سے تمسک کے متعلق نبی ﷺ کے کئی ارشادات نقل کیے ہیں؛ لیکن صوفی صاحب کے پاس خصوصی طور پر آکر نبی ﷺ چار مسالک میں سے کسی ایک کی اتباع کی وصیت فرمائیں! (1)

✍ قرآن و حدیث کے علم کو ”حق“ کی مشغولیت میں رکاوٹ سمجھیں! (2) بلکہ اسے بندگی کی راہ میں رکاوٹ قرار دیں! ★ (3)

✍ فرشتے ان سے ملاقات کے لیے آئیں، (4) ان کے ارد گرد چلیں، ان کی مجلس میں بیٹھیں، بلکہ تمام انبیاء اور اولیاء اپنے جسموں اور روحوں کے ساتھ ان کے وعظ میں بیٹھیں! (5)

✍ جنات بھی ان کے وعظ میں شرکت فرمائیں! (6)

✍ مجلس وعظ میں جیسے ہی فرمائیں کہ قدمی ہذا علی رقبة کل ولی اللہ ”میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے“ تو اسی وقت مجلس میں موجود دوسو شیوخ اپنی گردنیں جھکا دیں، اللہ تعالیٰ آپ کے قلب پر تجلی ڈالے، نبی ﷺ نفس نفیس ملائکہ کی ایک جماعت کے جلو میں اور تمام ارواح اور تمام اولیاء کے سامنے تشریف فرما ہوں اور آپ کو خلعت پہنائیں، فضا میں ملائکہ اور رجال غیب کی جماعتیں صف بستہ حاضر ہوں اور زمین پر کوئی ”ولی اور بزرگ“ ایسا باقی نہ رہے جو آپ کے سامنے اپنی گردن نہ جھکائے! (7)

(1) شاہ ولی اللہ: فیوض الحرمین، صفحہ ۲۲۷

(2) ابوالخیر ابوسعید: فوائد الفوائد، صفحہ ۹۰

(3) امام غزالی: کیمیائے سعادت، صفحہ ۱۵

★ صوفیوں کے علم و فضل کے بلند بانگ دعوے کیے جاتے ہیں، جس کی مالا یہ مسلک پرست جھپٹے رہتے ہیں جبکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس تھی۔ علوم قرآنی سے ان کے بغض و بیزاری پر بیسیوں حوالوں کے لیے ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ اشراق، لاہور، ہفت فروری ۱۹۹۲ء۔

(4) شاہ عبدالرحیم: انفاس العارفین، صفحہ ۸۳

(5) عبدالقادر جیلانی: اخبار الاخیار، صفحہ ۳۲، ۳۵

(6) انفاس العارفین: صفحہ ۸۷

(7) عبدالقادر جیلانی: سفینۃ الاولیاء / سکینۃ الاولیاء: صفحہ ۱۵، ۱۶

- ✍️ اللہ کی طالب جماعت سے کہیں کہ میں ہی تمہارا مطلوب ہوں! (1)
- ✍️ گزشتہ صفحات میں عنوان ۱ کے تحت قرآن و حدیث کے ذریعے بتایا گیا تھا کہ قیامت سے پہلے اللہ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا اور انبیاء علیہم السلام کو اس کی تمنا ہی رہی۔ مگر وہی اللہ اپنے چہرے سے سارے حجابات ہٹا کر ان سے ملاقات کرتا ہے، بلکہ خود ان کے گھر ہی تشریف لے آتا ہے! (2)
- ✍️ فرمائیں کہ ”موسیٰؑ نے چاہا کہ اللہ کو دیکھیں لیکن میں نے یہ خواہش نہیں کی بلکہ خود اللہ نے چاہا کہ وہ مجھے دیکھے“! اور یہ کہ ”میں ہی لوح محفوظ ہوں!..... میری پکڑ اللہ کی پکڑ سے بھی زیادہ سخت ہے!..... اگر تم ایک بار مجھے دیکھو گے تو یہ تمہارا اپنے رب کے دیکھنے سے ستر درجہ بہتر ہے۔“ (3)
- ✍️ اپنے اسماء صفات پر غور فرمائیں تو وہ چار ہزار بلکہ لامحدود نکلیں (جبکہ اللہ تعالیٰ کے تصرف ۹۹ ہی بتائے گئے ہیں)، اور ایک جہاں پیدا کریں دوسرا ہلاک کریں! (4) یعنی خالق بھی ہو جائیں، مالک بھی! معی بھی اور ہمیت بھی! سبحان اللہ الملک القدوس
- ✍️ یہ اللہ ہی کی صفت ہے کہ اسے نیند بلکہ اونگھ بھی نہیں آتی (البقرہ: ۲۵۵)، مگر یہ لوگ بھی بیس بیس سال بغیر سوئے گزارنے کے دعوے کرتے ہیں! (5)
- ✍️ فرمائیں کہ میرے وسیلے سے مانگو ملے گا، مجھے مصیبت میں پکارو دستگیری ہوگی اور مصیبت دور ہو جائے گی! (6) جو کوئی شخص مصائب اور مشکلات میں مجھے پکارتا ہے اس کی مصیبت اور مشکل فوراً دور کر دی جاتی ہے! (7)

(1) شاہ عبدالرحیم: انفاس العارفين، صفحہ ۶۵

(2) شاہ عبدالرحیم: انفاس العارفين، صفحہ ۶۵

(3) بایزید بسطامی: مطالعہ تصوف، صفحہ ۴۱۷

(4) ابوالرضا محمد: انفاس العارفين، صفحہ ۱۵۴

(5) ابوالرضا محمد: انفاس العارفين، صفحہ ۱۵۴

(6) عبدالقادر جیلانی: کرامات غوث الاعظم، صفحہ ۳۹

(7) عبدالقادر جیلانی: زیۃ الآثار، صفحہ ۱۵

خود کو ماوراء العقل قرار دیں! (۱) (واقعی ان کی باتیں عقل سے وِہ ہیں!) فرمائیں کہ میری نظر لوح محفوظ میں ہے! (۲)

جب تک یہ اپنی مہر لگا کر نبی ﷺ کو چٹھی نہ دیں تو کوئی شخص ولی نہیں بن سکتا، گویا ولایت ان کی منظوری پر موقوف ہے! (۳)

کوئی اپنا حج اگر ان کے وسیلے سے دعا کرے تو فوراً تندرست ہو جائے! (۴)

اللہ کا پاک کلام بلا وضو پڑھا جاسکتا ہے جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ دورانِ تلاوت اللہ کا نام بھی لازمی بارہا آئے گا جسے بے وضو لینے میں کوئی حرج نہیں، لیکن ان صوفی صاحب کا نام جو بے وضو لے تو اس کا سرتن سے جدا ہو جائے! (۵) بلکہ اللہ رب العزت بھی ان کے نام کی عزت کرے! (۶)

مٹی پر اگر ان کا نام پڑھ کر دشمن کی طرف بھیجی جائے تو وہ فوراً آندھا ہو جائے! (۷)

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ (یونس: ۶۴) / الانعام: ۱۱۵، ۳۳ / الکہف: ۲۷، یعنی (مفہوم) اللہ کی بات تبدیل نہیں ہوتی۔

حدیث میں بھی نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجُفَّتِ الصُّحُفُ (۸)

”تقدیر کے لکھنے والے قلم اٹھالیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں“

یعنی اب تقدیر کے لکھے میں تبدیلی ممکن نہیں، لیکن ان موصوف کو اتنی قدرت حاصل ہے کہ تقدیر کے لکھے ہوئے کو بھی بدل ڈالیں! (۹)

(۱) عبدالقادر جیلانی: کرامات غوث الاعظم، صفحہ ۳۳

(۲) عبدالقادر جیلانی: کرامات غوث الاعظم، صفحہ ۱۱۵

(۳) عبدالقادر جیلانی: کرامات غوث الاعظم، صفحہ ۱۰۸

(۴) فضائل اعمال (فضائل نماز): صفحہ ۶۷

(۵) کرامات غوث الاعظم: صفحہ ۹۴

(۶) کرامات غوث الاعظم: صفحہ ۹۴

(۷) کرامات غوث الاعظم: صفحہ ۱۱۲

(۸) جامع ترمذی: جلد ۲، ابواب صفة القيامة، صفحہ ۱۲۵

(۹) کرامات غوث الاعظم: صفحہ ۹۳

- ✍ عصر اور مغرب کے درمیان پورا قرآن لوگوں کی فرمائش پر کھڑے کھڑے سنا دیں! (1)
- ✍ مہینوں بغیر کھائے پیئے، سانس لیے، بھوسے میں دب کر گزار دیں! (2)
- ✍ غزوہ خندق کے موقع پر نبی ﷺ نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایک بکری کے بچے اور چند سیر گیہوں سے پوری جماعت کی ضیافت فرمائی۔ (3) اسی طرح ابو طلحہ و اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی چند روٹیوں سے ستر اسی آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھلادیا۔ (4) یہ دونوں واقعات نبی ﷺ کے معجزات تھے؛ لیکن یہ صوفی بھی محض آدمی پیالی کھانے سے حاضرین مجلس کی ضیافت فرمادیں اور پھر بھی بچ رہے! (5)

جیسا کہ پہلے قرآن و حدیث کے حوالے سے بتایا گیا کہ مرنے کے بعد زندگی کی کوئی جس بھی مردے میں باقی نہیں رہتی اور وہ دنیا اور دنیا والوں کے احوال، اقوال و افعال سے قطعی لاعلم اور بے خبر رہتا ہے کیونکہ اس کے اور دنیا کے درمیان ایک برزخ یعنی آڑ اور رکاوٹ حائل ہو جاتی ہے جو روز قیامت سے پہلے ختم نہیں ہو سکتی۔ لیکن دنیائے تصوف ان سب پابندیوں سے مستثنیٰ نظر آتی ہے۔ ان کے مردے تمام حواس رکھتے ہیں! بلکہ قبر میں جا کر توان کی صلاحیت میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے! وہ دنیا اور دنیا والوں کی باتیں سنتے ہیں! انہیں جواب دیتے ہیں یعنی ان سے باتیں کرتے ہیں! ان کے اعمال ملاحظہ کرتے ہیں!..... یہ بات ہر مسلک کی کتابوں میں ایک فیشن کے طور پر ملتی ہے کہ مرنے کے بعد متوفی اپنے کسی تعلق دار کے خواب میں آکر اپنے بخشے جانے کی نوید دیتا ہے! اس دنیائے تصوف کے کیسے کیسے لطیفے سامنے آتے ہیں:

- (1) شاہ اسماعیل دہلوی: حکایات اولیاء، حکایت نمبر ۵۳ صفحہ ۶۱
- (2) خواجہ ادریس: انفاس العارفين، صفحہ ۲۶
- (3) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب المغازی، باب ۴۹۸ غزوہ الخندق، صفحہ ۶۱۳
- (4) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب المناقب، باب ۳۷۸ علامات النبوة، صفحہ ۳۹۶
- (5) خواجہ خرد: انفاس العارفين، صفحہ ۳۹

پیچھے قرآنی آیات نقل کی گئی تھیں کہ کسی کو اپنی موت کا علم نہیں۔ مگر یہ لوگ جانتے ہیں اور بتا دیتے ہیں کب کس وقت مرے گی! (1) مرنے کے بعد تختہ غسل پر قہقہے لگانا شروع کر دیں! غسل کا انگوٹھا پکڑ لیں! (2) مردے کو غسل دیتے وقت ہوا چلنے سے چادر اڑنے اور ستر کھل جانے کا خطرہ ہو تو مردے صاحب ہاتھ اٹھا کر چادر پکڑ لیں! (3) جب جنازے پر کچھ اشعار پڑھے جائیں تو حالت وجد میں کفن سے ہاتھ نکال کر بلند کر دیں! (4)

معتزہ کے گھر کے سامنے جنازہ پہنچنے پر کفن میں سے منہ نکال کر اسے بتا دیں کہ ان کا خاتمہ اچھا ہوا ہے! (5) قبر میں رکھتے ہی آنکھیں کھول دیں اور بتائیں کہ مرا نہیں بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان انتقال کر گیا ہوں! (6)* کفن چور کفن چوری کرنے آئے تو اس کا ہاتھ پکڑ لیں! (7) اپنی قبر سے درخواست کریں کہ انہیں قرآن پڑھ کر سنایا جائے! (8) اگر انہیں اپنے مردہ پیر کی قبر یاد نہ آئے تو وہ خود قبر کے اندر سے پکار کر بتا دیں، ان سے باتیں کریں، قرأت سنیں اور غلطیوں کی تصحیح بھی فرمائیں! (9) مرید ان کی قبر پر آکر سورہ ہود کی تلاوت کرتے ہوئے آیت پڑھے: **فَإِنَّهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ** (پس ان لوگوں میں بعض بد بخت ہیں اور بعض نیک بخت) تو فوراً قبر سے قاری کو پکاریں اور وہ سن بھی لے کہ:

يَا كَمَالَ لَيْسَ فِينَا شَقِيٌّ (اے کمال! ہم میں کوئی بد بخت نہیں ہے)! (10)

(1) فضائل صدقات، صفحہ ۶۶۰

(2) فضائل صدقات: صفحہ ۶۶۰

(3) ابن رضا خان بریلوی: فیضان سنت، صفحہ ۱۹۷

(4) نظام الدین اولیاء: اشرف الحکایات، صفحات ۲۰، ۲۵

(5) جنید بغدادی: معارف شمس تبریز، صفحہ ۲۱۳

(6) فضائل صدقات: صفحہ ۶۶۰

★ شاید اسی لیے وفات، موت، میت، فوتگی، مرنے کے بجائے یہ غلط لفظ ”انتقال کرنا“ عام ہو گیا ہے۔

(7) اشرف الحکایات، صفحہ ۶۵

(8) شاہ عبدالرحیم، انفاس العارفین: صفحہ ۸۱

(9) سید عبداللہ: انفاس العارفین، صفحہ ۳۶

(10) احمد عطاء اللہ سکندری: اکمال الشیم، صفحہ ۸۳

☞ مرنے کے بعد خواب میں آئیں، اونٹ والے سے اونٹ کا سودا کر لیں اور اسے نحر بھی کر دیں۔ اونٹ والا بیدار ہو تو اونٹ نحر شدہ ملے! (1)

☞ یہ اپنے زائرین کے لیے ان کی فرمائش پر دوزخ سے خلاصی کی دعا کریں تو اسی رات ان پر اوپر سے پرچہ گرے جس میں بسم اللہ کے بعد لکھا ہو کہ ہم نے منظور کیا اور ہمارے یہاں اور بھی نعمتیں ہیں! (2)

☞ اگر مرید ان کے عرس کے دن نہ پہنچ سکے تو دو دن تک قبر سے پردہ اٹھا اٹھا کر وہاں موجود مراقبین سے اس کے لیے پوچھتے رہیں اور فرمائیں کہ ”کتنی ہی منزل پر کوئی شخص میرے مزار پر آنے کا ارادہ کرے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اس کی حفاظت کرتا ہوں!“ (3) اور جب یہ مرید آکر مزار پر حاضری دے اور اسے وہاں موجود ایک تاجر کی کنیز اچھی لگے تو وہ اسے صہہ کر دیں، اور اگر مرید دل میں یہ خیال کرے کہ یہ لونڈی تو اس تاجر کی ہے تو تصرف فرمائیں اور وہ تاجر لونڈی کو مزار کی نذر کر دے، صاحب مزار کے اشارے پر خدام وہ لونڈی مرید کو دیدیں اور صاحب مزار مرید سے فرمائیں کہ ”ب دیر کا ہے کی ہے، فلاں حجرے میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو“ (4) (استغفر اللہ)

☞ اور ان خرافات کو فخریہ بیان کرنے والا جب اس دنیا سے رخصت ہو تو (عاز اللہ) نبی ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس کے استقبال کے لیے منتظر رہیں! (5) اور ایک حاجی کے ہاتھ آپ زم زم اور مدینہ کا عطر ان صاحب کے غسل میت کے لیے بھیجیں! (6) جناب موصوف کے حافظے کا یہ عالم ہو کہ ان کے دماغ میں آج کے جدید کمپیوٹر ڈیٹا بیس (database) کی طرح گزشتہ چودہ سو سال میں لکھی جانے والی متداولہ

(1) فضائل صدقات: صفحہ ۱۲

(2) بہشتی زیور حصہ ششم، باب ۸۹، صفحہ ۳۹

(3) احمد بدوی کبیر: ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ سوم، صفحہ ۳۰

(4) احمد بدوی کبیر: ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ سوم، صفحہ ۳۰

(5) رضا خان بریلوی: فتاویٰ رضویہ، جلد ۲ بحوالہ بریلویت، صفحہ ۱

(6) وصایا شریف: صفحات ۱۸، ۱۹

(یعنی مرّوج) اور غیر متد اولہ (یعنی غیر مرّوج) تمام کتب محفوظ (feed) ہوں اور وہ ان کتابوں کا کوئی بھی جملہ سن کر بغیر کسی غلطی کے بتا سکتے ہوں کہ یہ کس کتاب کی کس جلد کے کس صفحے اور سطر میں لکھا ہے! (1)

پورا قرآن ایک مہینے میں اس طرح حفظ کر لیں کہ بس روزانہ تراویح میں ایک پارہ سن کر ہی دہرائیں! (2)

جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ ایک ہی وقت میں اپنی تمام مخلوق کی ہر بات سن رہا ہے، اسی طرح ان کو بھی یہ ملکہ حاصل ہو کہ وہ مفتیان سے فتاویٰ، مصنفین سے ان کی تصانیف، سالکین سے سوالات وغیرہ بیک وقت سماعت فرمائیں اور استفاء کے جوابات کی تصحیح و تصدیق اور اصلاح، مصنفین کی تائید و تصحیح اغلاط اور زبانی سوالات کے تفسی بخش جوابات عطا فرمائیں! (3)

اپنی موت کے سینکڑوں سال بعد اپنے مرید کی پریشانی سے واقف ہو جائیں اور عالم واقعہ میں تشریف لا کر مرید کے ہاتھ پر لاکھوں روپے کا انتظام کر دیں! (4) اپنے مرید کو منکر نکیر سے بچانے کے لیے اس کی قبر میں بھی پہنچ جائیں! (5)

عزرائیل علیہ السلام ان کے مرید کی روح قبض کر کے لے جائیں تو یہ ان سے روحوں کا تھیلا چھین کر اس دن کی قبض شدہ ساری روحوں کو آزاد فرمادیں! (6)

(1) "احکام شریعت" سے ملحقہ تعارف: صفحہ ۲۳، نیز فاضل بریلوی کا حافظہ: صفحہ ۱

(2) احکام شریعت: صفحہ ۲۳

(3) ایضاً: صفحہ ۲۷- لیکن اس حیرت انگیز حافظے کے دعویدار نے جب ایک مشہور حدیث بیان کی تو عبد الرحمن فزاری کی جگہ صحابی رسول ﷺ عبد الرحمن قاری رحمہ اللہ کا نام بطور چور لے کر انہیں کافر اور شیطان بھی کہہ دیا! (ملفوظات: حصہ دوم، صفحہ ۵۱) شاید ایسا اپنی عادت کی وجہ سے نکل گیا ہو گا کہ بہت سخت زبان استعمال کرتے تھے اور دوسروں کی تکفیر کرنا تو گویا ان کا ایک پسندیدہ مشغلہ تھا۔ ساری زندگی بس یہی کرتے رہے۔

(4) معین الدین چشتی: امداد المشتاق، صفحہ ۱۱۰

(5) خواجہ عثمان ہارونی: راحة القلوب (ہشت بہشت)، صفحہ ۲۰

(6) عبدالقادر جیلانی: کرامات غوث الاعظم، صفحہ ۹۳

- ﴿ وظیفہ پڑھیں اور میت اور قبر کے حال سے واقف ہو جائیں! (1) ﴾
- ﴿ روحیں ان سے ملاقات کر کے کلام کرتی ہیں، ان کی افتداء میں نماز پڑھتی ہیں! (2) ﴾
- ﴿ جانشین نہ بنائے جانے پر اپنے قاضی باپ کی قبر کھود ڈالی تو ایک دروازہ نظر آیا، اس میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک بڑا میدان ہے اور مکان ہے اور قسم قسم کا سامان ہے، آگے جا کر دیکھا کہ ایک بڑے مکلف تخت پر قاضی صاحب بہت اچھے اچھے کپڑے پہنے ہوئے ہیں مگر داہنی آنکھ میں ایک سانپ چمٹ رہا ہے، بیٹے نے پوچھا ابا تمہاری آنکھ میں کیا ہوا ہے؟ کہا بیٹا (3) ﴾
- ﴿ اپنی وفات کے چھ سو سال کے بعد اپنی اولاد کے خواب میں آ کر فرمائیں کہ دریا میرے جسم کو بہا کر لے جانا چاہتا ہے، لہذا میری نعش یہاں سے نکال کر فلاں جگہ پر دفن کر دو! (4) ﴾
- ﴿ قبر نبوی پر سلام پڑھیں اور نبی ﷺ کا جواب سنیں! (5) سید احمد کبیر رفاعی نے ”روضہ اقدس ﷺ پر حاضر ہو کر عرض کیا: السلام علیک یا جدی وہاں سے جواب آیا: وعلیک السلام یا ولدی“ وجد میں آ کر شعر پڑھے جن کا مفہوم ہے: ”آپ سے دوری کی حالت میں اپنی روح کو بھیجتا تھا کہ وہ میری طرف سے میری نائب بن کر زمین بوسی کرتی تھی۔ اور اب یہ نوبت ظاہری جسد کے حاضری کی آئی تو اب اپنا دست مبارک دراز کیجیے تاکہ میرے لب اس سے متع ہوں“
- ﴿ نبی ﷺ نے اپنا ہاتھ باہر نکالا جسے مسجد میں موجود نوے ہزار آدمیوں نے دیکھا اور ”سید صاحب نے دوڑ کر دست شریف کو بوسہ دیا“! (6) ﴾

- (1) شاہ ولی اللہ: رسائل شاہ ولی اللہ (الانتباه فی سلاسل اولیاء اللہ) جلد ۱، صفحہ ۱۷۱، ۲۰۷ نیز القول الجمیل: صفحہ ۸۵/۸۶ امداد اللہ مہاجر مکی: کلیات امدادیہ (ضیاء القلوب) صفحہ ۲۱
- (2) شاہ عبدالرحیم: انفاس العارفین، صفحہ ۸۳
- (3) اشرف الحکایات، صفحہ ۴۷
- (4) قاضی قدوة الدین: معین الارواح، صفحہ ۱۵۵
- (5) البلاغ بابت صفر، ۱۳۹۲ھ، صفحہ ۱۰۰، ۱۰۱
- (6) اشرف الحکایات: صفحہ ۲۷

- نبی ﷺ خواب میں آکر ریش مبارک کے دو بال عطا فرمائیں، بیدار ہونے پر ہاتھ میں موجود پائیں! (1) اسی طرح خواب ہی میں نبی ﷺ ایک روٹی عنایت کریں، یہ خواب ہی میں کھانے لگیں، بیدار ہوں تو باقی روٹی ہاتھ میں ہو! (2)
- خواب میں نبی ﷺ اٹکو کھانا کھلائیں اور بیداری پر ہاتھوں سے زعفران کی خوشبو آئے! (3)
- نبی ﷺ ان کی قرأت سننے کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لائیں اور سن کر تعریف فرمائیں! (4)
- مرتے وقت اگر بچوں کی صغریٰ کی فکر ہو تو فوراً نبی ﷺ عالم بیداری میں آکر بچوں کی کفالت کی ذمہ داری لے لیں! (5)
- بھائی کو آواز دے کر پانی مانگیں تو جبریل علیہ السلام آکر انہیں پانی پلائیں! (6) اور کسی کو تو خود نبی ﷺ فرشتوں کی بہت سی صفوں کے ساتھ آکر پلائیں! (7)
- ۱۷ھ میں ان کی پیدائش پر گل انبیاء اور اولیاء امت جمع ہوں، ان کی والدہ کو مبارکباد دیں، نبی ﷺ ان کے کان میں اذان و تکبیر کہیں، فرشتوں کا جوم ہو، اور انبیاء، مرسلین، اولیاء کاملین، ملائک مقررین ستر ہزار جہنڈوں کے ساتھ ان کے فضائل بیان فرمائیں! (8)
- بارہ برس پہلے ڈوب جانے والی کشتی میں سوار بارات کو زندہ کر کے دریائے باہر نکال دیں! (9)

- (1) شاہ عبدالرحیم: انفاس العارفین، صفحہ ۴
- (2) مفتی شفیع عثمانی: کشکول معرفت، صفحہ ۳۹
- (3) انفاس العارفین: صفحہ ۱
- (4) انفاس العارفین: صفحہ ۲۴
- (5) شاہ ولی اللہ: حکایات اولیاء، حکایت نمبر ۶، ۷، صفحہ ۱۸ / تذکرۃ الرشید حصہ دوم، صفحہ ۲۶۶، ۲۶۷
- (6) فضائل صدقات حصہ دوم صفحہ ۶۶
- (7) فضائل صدقات حصہ دوم صفحہ ۶۶
- (8) مکتوبات مجدد الف ثانی سے ملحقہ جوابر مجددیہ: دوسرا جوبہر، جلد ۱، صفحہ ۲۲
- (9) عبدالقادر جیلانی: کرامات غوث الاعظم، صفحہ ۱۳۴

✍ ایک عیسائی پادری کے اعتراض کو رفع کرنے کے لیے اس کی فرمائش پر صدیوں پرانی قبر کو ٹھوکرماری اور مردہ زندہ ہو کر انہیں سلام کر کے باتیں کرنے لگا۔ ”آپ کی یہ شانِ کرامت دیکھ کر وہ پادری اور اس کی ساری گرد قوم جو کئی لاکھ پر مشتمل تھی، علاوہ چند گھرانوں کے، سب کی سب مسلمان ہو گئی“^(۱) ایک نصرانی پر اپنی فضیلت جتانے کے لیے ایک بہت پرانی قبر میں دفن گوئے کو عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ قُمْ بِأَذْنِ اللَّهِ (اللہ کے حکم سے زندہ ہوجا) کے مقابلے میں قُمْ بِأَذْنِي (میرے حکم سے زندہ ہوجا) کہہ کر زندہ فرمادیں اور وہ قبر سے گاتا ہوا باہر نکل آئے!^(۲)

✍ مردہ لاش پر عیسیٰ علیہ السلام کی نقل میں قُمْ بِأَذْنِ اللَّهِ کہیں تو اس میں جنبش بھی نہ ہو اور جب جلال میں آکر ٹھوکرمار کر قُمْ بِأَذْنِي کہیں تو وہ فوراً زندہ ہو جائے!^(۳) (اس واقعے میں قرآن کے انکار کے ساتھ ساتھ قارئین توہین رسالت کا پہلو بھی نوٹ فرمائیں) اور جب خود ”جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی“ تشریف لے جائیں تو فرشتوں کے سوال مَنْ رَبُّكَ کے جواب میں فرشتوں کو ندامت دلائیں کہ انہوں نے مصافحہ نہیں کیا۔ اور جب وہ مصافحہ کریں تو ان کے ہاتھ پکڑ لیں اور باوجود چھڑانے کے نہ چھوڑیں اور الٹا ان سے اپنے سوالوں کا جواب مانگیں کہ انہوں نے ”اپنے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم سے زیادہ سمجھنے کی گستاخی کیوں کی نیز تمام بنی آدم کی طرف فساد اور خون ریزی کی نسبت کیوں کی؟“ فرشتے ہکا بکا ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکیں اور عذر کریں کہ ”حضور! یہ بات سارے فرشتوں نے کی تھی۔“ یہ ایک فرشتے کو چھوڑ کر تمام فرشتوں کی طرف سے جواب طلب کرتے ہیں۔ لیکن تمام فرشتے عاجز ہو جاتے ہیں۔ تب وہ سب اللہ سے درخواست کرتے ہیں جو انہیں حکم دیتا ہے کہ میرے محبوب کی

(۱) عبدالقادر جیلانی: فیضانِ سنت، صفحہ ۲۳۷

(۲) عبدالقادر جیلانی: کراماتِ غوث الاعظم، صفحہ ۹۰

(۳) بابا شمس تبریز: تذکرہ غوثیہ صفحہ ۳۷۲

خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خطا معاف کر آؤ۔ تمام فرشتے آکر ان سے معافی مانگتے ہیں، لیکن یہ معاف نہیں کرتے، جب اللہ بھی سفارش کرتا ہے تو یہ اپنے تمام قادری مریدین کی بخشش اور قبر کے سوالوں سے برأت کے بدلے انہیں معاف کرتے ہیں اور ”تب جناب غوثیت مآب نے فرشتوں کو چھوڑا اور وہ عالم ملکوت کو چلے گئے“ (1) (تو پھر کیوں نہ لوگ ”قادری“ بن کر بخشش، برأت اور بہشت کا پروانہ حاصل کریں کہ انہیں یہی باور کروایا گیا ہے کہ بس ان کے حلقہ گوش ہو جاؤ پھر کسی بات کی فکر کا کوئی موقع نہیں!!) قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ پاک صاف رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (2) احادیث میں طہارت کو نصف ایمان کہا گیا ہے۔ (3) کتب احادیث میں طہارت و پاکیزگی سے متعلق مستقل اجزاء، فصول و ابواب ہیں جن میں پاکی ناپاکی سے متعلق کثیر تعداد میں احادیث رسول ﷺ اور ایت کی گئی ہیں۔ ایک حدیث میں عذاب قبر کی وجوہات فیبت اور پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنا بیان کیا گیا ہے۔ (4) فقہ کی کتابوں میں طہارت و نجاست کے مسائل بہت باریک بینی سے تفصیلاً بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن ان صوفیوں کی ایک قسم جسے مجذوب کہا جاتا ہے، ان احکامات و پابندیوں سے مبرا نظر آتی ہے۔ ننگ دھڑنگ رہنا، گندگی کے ڈھیروں پر سونا، ہر قسم کی طہارت سے بے نیازی، میل سے چیٹ جسم ان کی پہچان ہے۔ لطیفہ یہ کہ انہیں اولیاء اللہ کہا جاتا ہے حالانکہ اللہ کے اولیاء اس کے صرف متقی و پرہیزگار بندے ہی ہوتے ہیں جیسا کہ خود قرآن میں ارشاد باری ہے:

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٥﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٢٦﴾ (یونس: ۲۵، ۲۶)

”خبردار! جو اللہ کے اولیاء ہیں، اُن کو نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے (یعنی) وہ لوگ جو ایمان لائے اور متقی رہے۔“

(1) حقیقت گیارھویں شریف: صفحہ ۲۸۳

(2) سورۃ البقرہ: ۲۲۲

(3) صحیح مسلم: جلد ۱، کتاب الطہارۃ، باب فضل الوضوء، صفحہ ۳۶۱

(4) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الجنائز، باب ۸۷۲ عذاب القبر من الغیبة والبول، صفحہ ۵۹۵

إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَشَقُّونَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾ (الانفال: ۳۳)
 ”اس کے اولیاء نہیں مگر وہ جو متقی ہیں، مگر اکثریت لاعلم ہے۔“

لیکن ان مجازیب کی غیب دانی و تصرفات وغیرہ کے حیرت انگیز واقعات کتب تصوف میں اکثر نظر آتے ہیں جنہیں فخریہ بیان کیا جاتا ہے۔ ایک باباجی کو بارہ برس تک اپنا بول و براز کھانے پینے سے یہ کمال حاصل ہو گیا کہ جو بات منہ سے نکالتے وہی ہو جاتی۔ کسی فقیر کو بادشاہ کھدیتے تو وہ فوراً بادشاہ ہو جاتا! (1)

اور یہ عجوبے تو ان کی کتابوں میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں کہ یہ لوگ روزانہ دو دو ہزار رکعتیں پڑھتے، پورے رمضان کھڑے کھڑے دو قرآن روزانہ پڑھتے، چالیس پچاس سال عشاء کے وضوء سے فجر پڑھتے، ایک ہی وضوء سے بارہ دن تک نمازیں پڑھتے، ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیتے، پندرہ پندرہ سال تک لیٹتے ہی نہیں، ایک ہی سانس میں دو دو سو دفعہ لا الہ الا اللہ کہہ لیتے، (2) ان کی لونڈیاں اور لونڈے ساہا سال روزہ رکھتے، سخت مجاہدہ کر کے سوکھ کر کاٹا ہو جاتے، ساری رات کھڑے رہتے، عشقیہ اشعار پڑھتے اور ایک چیخ مار کر مر جاتے! وغیرہ، وغیرہ۔ (3)

یہ صرف تھوڑی سی مثالیں ہیں ورنہ یہ کتابیں غیب دانی، تصرف فی الامور، الوہی و تکوینی صفات وغیرہ کے حیران کن واقعات سے لبریز ہیں اور ہر آنے والی نئی کتاب، بکثرت چھپنے والے سلسلے دار رسائل و جرائد اس لامتناہی سلسلے میں مزید درمزید اضافہ کر رہے ہیں۔
 افادہ عام کے لیے ذیل میں مرکز الدعوة والا رشاد کے شائع کردہ ”فضائل اعمال - ۱۰۰ احوالہ جات کا تحقیقی جائزہ“ نامی کتابچے سے وہ انڈیکس نقل کیا جا رہا ہے جس کے ذریعے ”تبلیغی نصاب“ کے مطبوعہ مختلف نسخوں میں موجود قرآن و حدیث کے خلاف

(1) تذکرہ غوثیہ: صفحہ ۳۸۳

(2) فضائل اعمال (فضائل ذکر) صفحہ ۹۸، وغیرہ

(3) فضائل اعمال (فضائل نماز) صفحہ ۶۴

باتیں اور مندرجہ بالا قسم کے ”عجائبات“ ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں:

(نوٹ: اس انڈیکس کے مندرجات کی ذمہ داری ہم پر نہیں)

کتب خانہ مدینہ	مکتبہ محمدیہ لاہور	خواجہ محمد اسلام لاہور	محمد عبد الرحیم لاہور	قدسی کتب خانہ کراچی	کتب خانہ فیضی لاہور	مکتبہ رحمانیہ لاہور	فصلائل اعمال سوحوالہ حبات کا تحقیقی جائزہ
صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	
۷	۶	۷	۵	۸	۶	۷	مضامین حکایت صحابہ
۳۸	۴۰	۳۸	۳۶	۴۰	۴۲	۴۲	اس کتاب کا آغاز مولانا ذکریا نے اس وقت کیا جب وہ دماغی کام کرنے کے قابل نہ تھے تلاوت قرآن سے جن مرنے لگے (انوکھا انداز)
۴۵	۴۷	۴۴	۴۶	۴۷	۵۰	۵۰	نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اتباع ہر شخص کو نہ کرنا چاہیے۔ فضائل اعمال کی تلقین
۵۹	۶۲	۵۸	۶۵	۶۲	۶۷	۶۶	صحابی شافعی المذہب - عجیب منطق
۱۲۷	۱۳۳	۱۲۵	۱۲۳	۱۳۳	۱۴۲	۱۳۹	شہید کی بیوہ سے بغیر عدت دوسرا نکاح
۱۶۲	۱۶۹	۱۵۸	۱۵۶	۱۶۹	۱۷۸	۱۷۵	حضرت حسنؓ کو سات سال کی عمر میں چند احادیث یاد تھیں
۱۶۳	۱۷۰	۱۵۹	۱۵۷	۱۷۰	۱۷۹	۱۷۲	حضرت حسینؓ کو چھ برس میں صرف آٹھ احادیث
۱۶۴	۱۷۱	۱۶۰	۱۵۸	۱۷۱	۱۸۰	۱۷۷	مولوی ذکریا کے والد نے صرف دو سال کی عمر میں پانچ پارہ حفظ کر لیا تھا
مضامین فضائل قرآن							عشق
۶	۵۴۸	۶	۴۷۳	۵۸۴	۲۱۰	۲۴۲	قواعد و ضوابط سے بالاتر
۵	۵۴۷	۵	۴۷۲	۵۴۷	۲۰۹	۲۴۱	

۱۵	۵۵۹	۱۵	۲۸۲	۵۵۹	۲۲۰	۲۵۲	پندرہ علوم کے بغیر قرآن بیان کرنا ممنوع ہے
۱۶	۵۶۱	۱۶	۲۸۳	۵۶۱	۲۲۱	۲۵۳	پندرہواں علم وہی ہے جس کا شاید کوئی دعویٰ درندہ ہو
۳۷	۵۸۶	۳۷	۵۰۴	۵۸۷	۲۴۵	۲۷۶	عشق کی ممانعت بھی اور دوسرے مقامات پر فضیلت بھی
۴۵	۵۹۷	۴۵	۵۱۲	۵۹۷	۲۵۴	۲۸۴	آٹھ قرآن ختم: فضائل اعمال کا ریکارڈ
۵۰	۶۰۳	۵۰	۵۱۷	۶۰۳	۲۶۰	۲۹۰	قرآن سے مذاق سارا قرآن ایک نقطہ میں
۵۸	۶۱۴	۵۸	۵۲۵	۶۱۴	۲۷۰	۲۹۹	عشق پیدا کرنے کی تدبیر - عشق مبارک دولت ہے
۶۶	۶۲۳	۶۶	۵۳۳	۶۲۳	۲۷۹		محبوبہ برقعہ میں آنکھیں اوپر سے ٹھنڈی کرے گا
مضامین فضائل نماز							
۸	۲۰۰	۷	۱۸۱	۲۰۰	۲۹۷	۳۴۴	محبوبہ کی ہر ادائیگائی ہے
۱۵	۲۰۸	۱۴	۱۸۸	۲۰۸	۳۰۴	۳۳۰	گرتے پانی سے بھرتے گناہ امام ابو حنیفہ دیکھ لیتے تھے - فضائل اعمال کا دعویٰ
۲۲	۲۱۶	۲۱	۱۹۵	۲۱۶	۳۱۲	۳۳۸	نبی پر موت مگر اپنے بزرگ مرتے نہیں - فضائل اعمال کی دورخی
۲۳	۲۱۸	۲۱	۱۹۶	۲۱۷	۳۱۳	۳۳۸	صحابی دور کعت نماز پڑھ سکا
۲۴	۲۱۸	۲۲	۱۹۶	۲۱۸	۳۱۳	۳۳۹	زندوں کا عمل مردوں پر پیش ہوتا ہے - ایمان فکین دعویٰ
۲۶	۲۲۰	۲۴	۱۹۸	۲۲۰	۳۱۶	۳۴۲	ایمان اور کفر کے درمیان فرق
۳۰	۲۲۵	۲۸	۲۰۲	۲۲۵	۳۲۰	۳۴۶	نبی ﷺ کا ہجرت سے قبل جہادی ذوق مگر تبلیغی اس کے مخالف ہیں
۳۷	۲۳۲	۳۵	۲۰۹	۲۳۲	۳۲۷	۳۵۳	شیطان سے دھوکہ بزرگ کا کمال
۴۲	۲۳۹	۴۰	۲۱۴	۲۳۹	۳۳۳	۳۵۸	سفیان ثوری پر دورہ غلبہ حال
۴۵	۲۴۲	۴۳	۲۱۷	۲۴۲	۳۳۷	۳۶۲	تین کروڑ نماز کا ثواب - مبالغہ کی حد
۴۶	۲۴۳	۴۴	۲۱۸	۲۴۳	۳۳۷	۳۶۲	دو سو رکعات روزانہ، تین سو رکعات
۵۶	۲۶۲	۵۴	۲۲۸	۲۵۴	۳۴۹	۳۷۳	جاہل صوفی
۶۳	۲۶۱	۶۲	۲۳۶	۲۶۱	۳۵۷	۳۸۱	دن بھر روزہ رات بھر تہجد (بڑی بزرگ)

۳۳	۲۶۲	۶۲	۲۳۶	۲۶۲	۳۵۷	۳۸۱	چچ ماری اور مرگنی
۶۲	۲۶۱	۶۱	۲۳۵	۲۶۱	۳۵۶	۳۸۰	چالیس سال تک بے قراری
۶۴	۲۶۳	۶۳	۲۳۷	۲۸۳	۳۵۸	۳۸۲	قصہ مچلی کا
۶۵	۲۶۴	۶۴	۲۳۸	۲۶۴	۳۶۰	۳۸۴	ایک وضو سے بارہ دن تک ساری نمازیں
۶۷	۲۶۶	۶۶	۲۴۰	۲۶۶	۳۶۱	۳۸۵	مرہ قبر میں کھڑا ہو گیا
۶۸	۲۶۷	۶۷	۲۴۱	۲۶۶	۳۶۲	۳۸۶	ایک بزرگ کی بیوی روتی رہی اور وہ عبادت میں مشغول رہا
۶۸	۲۶۷	۶۷	۲۴۱	۲۶۷	۳۶۲	۳۸۶	پچاس برس تک ایک وضو سے عشاء اور صبح کی نماز
۶۸	۲۶۷	۶۷	۲۴۱	۲۶۷	۳۶۳	۳۸۷	ہمیشہ روزہ
۸۰	۲۸۰	۷۹	۲۵۳	۲۸۰	۳۷۵	۳۹۹	نماز میں بارہ ہزار چیزیں
۷۸	۲۷۸	۷۸	۲۵۲	۲۷۸	۳۷۴	۳۹۸	رسی سے باندھ لیتے۔ نبی پر بہتان
۸۳	۲۸۳	۸۲	۲۵۲	۲۸۳	۳۷۸	۴۹۲	ہزار رکعت روزانہ ریکارڈ
۸۵	۲۸۵	۸۵	۲۵۹	۲۸۵	۳۸۱	۴۰۵	نماز، ڈھول اور بزرگ
۸۶	۲۸۶	۸۶	۲۶۰	۲۸۶	۳۸۲	۴۰۶	ظہر سے اگلے دن تک انتظار بزرگ اور مہمان
مضامین فضائل ذکر							
۱۸	۳۰۷	۱۸	۲۷۹	۳۰۷	۴۰۸	۵۰۱	عشق
۲۴	۳۱۴	۲۴	۲۸۵	۳۱۴	۴۱۴	۵۰۷	ستو پھانک رہے تھے۔ بزرگ کا کمال
۳۰	۳۲۲	۳۰	۲۹۱	۳۲۲	۴۲۲	۵۱۴	قصہ بادشاہ کا
۳۰	۳۲۲	۳۰	۲۹۱	۳۲۲	۴۲۲	۵۱۴	شیطان اور عابد
۳۵	۳۲۸	۳۵	۲۹۶	۳۲۸	۴۲۷	۵۲۰	حرم میں لوڈ شیڈنگ
۴۳	۳۳۹	۴۳	۳۰۴	۳۳۹	۴۳۷	۵۲۹	عشق
۴۳	۳۳۹	۴۳	۳۰۴	۳۳۹	۴۳۷	۵۲۹	شیطان سے ملاقات
۶۸	۳۶۹	۶۸	۳۲۹	۳۶۹	۴۶۵	۵۵۷	درس قرآن کی ممانعت
۷۷	۳۸۰	۷۷	۳۳۸	۳۸۰	۴۷۶	۵۶۹	چچ ماری اور مرگنی
۸۱	۳۸۶	۸۳	۳۴۴	۳۸۶	۴۸۲	۵۷۴	جو تیاں سیدھی کرنا پڑتی ہیں
۸۳	۳۸۸	۸۴	۳۴۵	۳۸۸	۴۸۴	۵۷۶	پچیس ہزار روزانہ
۸۳	۳۸۸	۸۴	۳۴۵	۳۸۸	۴۸۴	۵۷۶	۲۰۰ مرتبہ ایک سانس میں

۸۳	۳۸۸	۸۴	۳۳۵	۳۸۸	۴۸۴	۵۷۶	جنت ووزخ کا نظارہ
۸۹	۳۹۵	۹۰	۳۵۱	۳۹۵	۴۹۱	۵۸۳	قصہ ایک کا فریادشاہ کا
۹۸	۴۰۵	۹۹	۳۶۰	۴۰۵	۵۰۱	۵۹۲	بزرگ سپاہی اور گدھا
۱۴۹	۴۶۶	۱۵۰	۴۱۱	۴۶۶	۵۶۱	۶۴۸	جھڑتے گناہوں کا نظارہ
۱۴۹	۴۵۵	۱۵۰	۴۱۱	۴۶۶	۵۶۱	۶۴۹	استنبیٰ سے اجتناب
۱۴۹	۴۶۵	۱۵۰	۴۱۱	۴۶۵	۵۶۵	۶۴۸	بزرگی میں اضافے کے خطرے کے پیش نظر ذکر کی ممانعت
۱۵۰	۴۶۶	۱۴۹	۴۱۰	۴۶۵	۵۶۱	۶۴۸	جمادات و حیوانات کی تسبیح
۱۶۱	۴۸۰	۱۶۱	۴۲۲	۴۸۰	۵۷۴	۶۶۱	اللہ کو دیکھنے کا جھوٹا دعویٰ
۱۶۲	۴۸۱	۱۶۲	۴۳۲	۴۸۱	۵۷۵	۶۶۲	جنت اپنے ساز و سامان کے ساتھ
۱۶۵	۴۸۵	۱۶۴	۴۳۶	۴۸۵	۵۷۹	۶۶۶	حدیث تسبیح
مضامین فضائل تبلیغ							
۲۸	۵۳۵	۲۸	۴۶۴	۵۳۵	۶۲۹	۲۲۹	جسے اچھا سمجھتا ہے ان کے قول پر عمل کرے
۳۱	۵۳۸	۳۰	۴۶۶	۵۳۸	۶۳۱	۲۳۲	پیش کرنے کا حکم کرتے پیش کرتے
مضامین فضائل رمضان							
۶	۶۳۸	۵	۵۴۲	۶۳۸	۶۳۸	۴۱۴	تراویح چھوڑنے پر مقاتلہ
۸	۶۴۱	۷	۵۴۴	۶۴۱	۶۴۰	۴۱۶	بزرگوں کی اتباع کی تلقین
۲۰	۶۵۶	۲۰	۵۵۷	۶۵۶	۶۵۶	۴۲۹	گھر کی عورتوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہوں
۲۳	۶۶۰	۲۳	۵۶۰	۶۶۰	۶۶۰	۴۳۳	کوئی جماعت جس نے کئی حاکم ہلاک کیے
۲۵	۶۶۳	۲۵	۵۶۲	۶۶۳	۶۶۳	۴۳۵	پندرہ روز میں ایک مرتبہ کھانا
۳۰	۶۶۹	۳۱	۵۶۸	۶۶۹	۶۶۹	۴۴۱	جنت کا لطف حاصل ہو رہا ہے
۳۳	۶۷۳	۳۳	۵۷۰	۶۷۳	۶۷۳	۴۴۴	عمر بھر نہ روزہ نہ نماز
۳۹	۶۸۰	۳۸	۵۷۶	۶۸۰	۶۸۰	۴۵۰	ایک رات میں پورا قرآن
۴۴	۶۸۶	۴۳	۵۸۰	۶۸۶	۶۸۶	۴۵۵	حضرت علیؓ نے صحابی کو چگایا
۳۹	۶۸۰	۳۹	۵۷۶	۶۸۰	۶۸۰	۴۵۰	پچاس برس تک ایک وضو و عشاء اور صبح کی نمازیں
مضامین فضائل درود							
۱۹	۷۳۱	۱۹	۶۴۱	۷۳۱		۶۹۸	قبر سے سلام کا جواب سنا

۲۸	۷۴۲	۳۰	۶۵۲	۷۴۲	۷۱۰	نہیں جہادوں سے زیادہ ثواب - نئی دریافت
۵۱	۷۶۹	۵۳	۶۷۵	۷۶۹	۷۳۶	نبی ﷺ کو خواب میں بڑھا دیکھا یا جو ان
۵۱	۷۷۰	۵۵	۶۷۷	۷۷۰	۷۶۳	شراب پی - نبی پر بہتان
۸۱	۸۰۷	۵۶	۷۰۸	۸۰۷	۷۷۰	عمر بھر میں درود ایک بار فرض
۹۳	۸۲۱	۹۹	۷۲۱	۸۲۱		نبی ﷺ کی واڑھی کے بالوں کی تقسیم
۹۵	۸۲۲	۹۹	۷۲۲	۸۲۲	۷۸۵	مُردوں سے ملاقات کا طریقہ ستر ہزار بخشے گئے
۹۵	۸۲۳	۱۰۰	۷۲۲	۸۲۳	۷۸۵	ایک بڑا گناہگار پورے قبرستان کی بخشش کا ذریعہ بن گیا
۹۷	۸۲۵	۱۰۳	۷۲۵	۸۲۵	۷۸۸	کثرت درود سے نبی ﷺ گھبرا گئے
۹۸	۸۲۶	۱۰۴	۷۲۶	۸۲۶	۷۸۹	شبلی پاگل اور یا محمد کی پکار
۹۹	۸۲۷	۱۰۵	۷۲۷	۸۲۷	۷۹۰	منہ کالا
۹۹	۸۲۸	۱۰۵	۷۲۸	۸۲۸	۷۹۰	سود خور سو رہا بن گیا
۱۰۲	۸۳۱	۱۰۸	۷۳۰	۸۳۱	۷۹۳	منہ کالی کے پیٹ پر نبی ﷺ نے ہاتھ پھیرا (استغفر اللہ)
۱۰۶	۸۳۵	۱۱۲	۷۳۴	۸۳۵	۷۹۷	نبی ﷺ کی روح آسمان سے اترتی روٹی ساتھ تھی
۱۰۶	۸۳۵	۱۱۲	۷۳۴	۸۳۵	۷۹۷	نبی ﷺ کی توجہات
۱۰۶	۸۳۵	۱۱۲	۷۳۴	۸۳۵	۷۹۸	واڑھی کے بال ہاتھ میں تھے
۱۰۶	۸۳۵	۱۱۲	۷۳۴	۸۳۵	۷۹۸	روٹی اور عثمان غنیؓ کی گستاخی
۱۰۷	۸۳۶	۱۱۳	۷۳۵	۸۳۶	۷۹۹	زعفران کی خوشبو
۱۱۱	۸۴۱	۱۱۷	۷۳۹	۸۴۱	۸۰۳	قبر سے مصافحہ کے لیے ہاتھ نکلے گا جس سے فتنہ ہو گا
۱۱۴	۸۴۴	۱۲۰	۷۴۲	۸۴۴		نبی ﷺ کا سایہ نہ تھا

الغرض وہ کونسا کام ہے جو یہ صوفی صاحبان نہیں کر سکتے۔ یہاں تو بہت تھوڑی سی مثالیں دی گئی ہیں ورنہ مذکورہ بالا کتب اور اسی طرح کی دوسری بہت سی کتب ہائے تصوف عقل و حواس کو دنگ کر دینے والی ان جیسی طلسماتی و ہوشربا کہانیوں سے بھری پڑی ہیں۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ آخر یہ سب کیا ہے؟ تو کہتے ہیں کہ یہ عوام کے سمجھنے کی باتیں نہیں، یہ تو کشف و کرامات ہیں..... ستم دیکھیے کہ انہوں نے صوفیوں کے ساتھ ساتھ کرامت صحابہ پر بھی مستقل

کتابیں تصنیف کر دی ہیں جن میں من گھڑت روایت کی بناء پر صحابہ کرام ؓ سے بھی ایسے ہی عجوبہ روزگار واقعات منسوب کر دیئے ہیں۔ ابن رضا خاں بریلوی صاحب کے خلیفہ اعظمی صاحب نے ”کرامات صحابہ“ کے نام سے ایک کتاب مرتب کی ہے جس میں موضوع روایتوں سے بھری چوتھے پانچویں درجے کی بعض کتابوں اور اکثر ان کتابوں کے حوالوں سے جن کی کوئی حیثیت نہیں ہے، سو صحابہ ؓ سے منسوب اس طرح کے سینکڑوں واقعات بیان کیے ہیں۔ یہ من گھڑت واقعات بیان کرتے ہوئے وہ اپنے مقصد اصلی کو نہیں بھولے: تقریباً پچاس مقامات پر ”تبصرہ“ کے عنوان سے ان موضوعہ واقعات سے استدلال کرتے ہوئے بڑی ہوشیاری سے اپنے مسلک کے کفریہ شرکیہ عقائد کی خوب تبلیغ کی ہے اور اپنے ہم مسلکوں کو ان عقائد پر سختی و شدت کے ساتھ جیسے رہنے کی اسی طرح تلقین کی جس طرح نوح ؑ کی دعوت توحید

يَقَوْمِ اِنِّ لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿١﴾ اِنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيعُوْٓا ۙ (نوح: ۳۳)

”اے میری قوم میں تمہیں کھلے طور نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کی بندگی کرو اور اسی سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“

کے مقابلے میں ان کی قوم کے علماء و مشائخ قوم کو کفریہ شرکیہ روش پر ہی ڈٹے رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے جس کو قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٣٣﴾ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۚ (نوح: ۲۳، ۲۴)

”وہ کہتے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ چھوڑنا ودا کو اور نہ سواع کو، اور نہ یغوث کو، یعوق اور نسر کو بھی کبھی ترک نہ کرنا۔ (اس طرح کہہ کر) انہوں نے بیشک بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا۔“

قبر پرستی کے جواز میں کیا جانے والا موصوف کا تبصرہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے کہ کس چابکدستی، چالاکی اور مہارت سے لوگوں کو قبروں کی پوجا کی دعوت دی ہے۔ فرماتے ہیں:

”خدا کے نیک اور محبوب بندوں کی نسبت سے جب ان کی قبر کی مٹی میں مٹک کی خوشبو پیدا ہو جاتی ہے تو ان مقدس قبروں کے پاس حاضر ہونے والے زائرین کی اگر بیماریاں زائل ہو کر انہیں تندرستی مل جائے یا ان کی غمست و شقاوت دور ہو کر انہیں برکت و سعادت حاصل

ہو جائے، تو اس میں کونسا تعجب ہے؟ جن کی تاثیر سے مٹی مٹک بن سکتی ہے، کیا ان کی تاثیر سے پہاڑی تندرستی اور بد نصیبی خوش نصیبی نہیں بن سکتی؟“ (صفحہ ۱۲۸)

کرامات کی تعریف وغیرہ بیان کرتے ہوئے کتاب کے شروع میں علامہ سبکی صاحب کے حوالے سے موصوف بتاتے ہیں کہ:

”اولیاء کرام سے جتنی قسموں کی کرامتیں صادر ہوتی ہیں، ان قسموں کی تعداد ایک سو سے بھی زائد ہے۔“ (صفحہ ۳۳)

ان اعظمی صاحب کے ایک ہم مذہب مفتی خلیل خان برکاتی صاحب اپنے اس دیرینہ مشن کی تبلیغ کرتے ہوئے اس طرح خامہ فرسائی فرماتے ہیں:

”اولیائے کرام کو اللہ عز و جل نے بہت بڑی طاقت بخشی ہے۔ ان میں جو اصحاب خدمت ہیں، ان کو تصرف کا اختیار دیا جاتا ہے۔ سیاہ و سفید کے مالک و مختار بنا دیئے جاتے ہیں۔ یہ حضرات نبی اکرم ﷺ کے سچے نائب ہیں، ان کو اختیارات و تصرفات حضور انور کی نیابت میں ملتے ہیں۔ علوم غیبیہ ان پر مشکشف ہوتے ہیں، مگر بے وساطت رسول کوئی غیر نبی کسی غیب پر مطلع نہیں ہو سکتا۔

کرامت اولیاء حق ہے اور اس کا منکر گمراہ و بد مذہب۔ مردہ زندہ کرنا، مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو شفا دینا۔ مشرق سے مغرب تک ساری زمین ایک قدم میں طے کر جانا، غرض تمام خوارق عادات اولیاء اللہ سے ممکن ہیں، سوا اس معجزہ کے جس کی بابت دوسروں کے لیے ممانعت ثابت ہو چکی ہے جیسے دنیا میں بیداری میں اللہ عز و جل کے ویدار یا کلام حقیقی سے مشرف ہونا، اس کا جو اپنے یا کسی ولی کے لیے دعویٰ کرے کافر ہے۔ ان سے استمداد و استعانت محبوب اور ان کے مزارات پر حاضری مسلمان کے لیے باعث برکت ہے اور ان کو دُور و نزدیک سے پکارنا سلف صالحین کا طریقہ ہے۔“

(ام غزالی کی کتاب العقد من الظلال کا اردو ترجمہ ”روشنی کی طرف“ از خلیل خان برکاتی، صفحہ ۸۰)

اس سلسلے میں ”مولانا روم“ کا شعر مشہور ہے کہ

اولیاء را هست قدرت ازالہ تیر جتہ باز گرداند ز راہ

★ یہ سلف صالحین تھے یا سفل السافلین جو اللہ کو چھوڑ کر بے جان مردوں کو مدد کے لیے پکارا کرتے تھے؟

”ولیوں اور بزرگوں کو خدا کی طرف سے اتنی طاقت عطا ہوتی ہے کہ وہ کمان سے نکلا ہوا تیر کمان میں واپس کر سکتے ہیں۔“ (1)

اس شعر پر تبصرہ کرتے ہوئے ”حضرت گنگوہی“ صاحب فرماتے ہیں:

”کرامت اولیاء حق ہے اور کرامت خرق عادت کو کہتے ہیں، جب حق تعالیٰ چاہے اولیاء سے ایسا کرادے۔ یہی مطلب شعر کا ہے۔“ (2)

اور ان کے ممدوح شاہ اسماعیل صاحب اور ان کے پیر ”حضرت سید احمد شہید بریلوی“ کے حوالے سے اولیاء کی یہ طاقت بتائی جاتی ہے کہ

”اکابر اولیاء ملائکہ کی طرح جہاں کے کاموں کی تدبیر اور ان کے جاری کرنے میں کوشش کرتے ہیں ان کو اختیار مطلق ملتا ہے کہ جو چاہیں تصرف کریں یہ اولیاء کہہ سکتے ہیں کہ عرش سے فرش تک ہماری سلطنت ہے اللہ تعالیٰ تمام مہم کام انجام دینے کے لیے ان کو اپنا نائب کرتا ہے عالم کے ہست نیست اور شریعت کے کن مکن کی تدبیر ان کے توسط سے ہوتی ہے اولیاء کو زمین کے دور و دراز مقامات ظاہر ہوتے ہیں۔ بلکہ آسمانوں کے مکان، فرشتے، روحیں، ان کے مقام جنت و دوزخ، قبروں کے اندر کا حال، آنے والے واقعات کھل جاتے ہیں عرش فرش سب میں ان کی رسائی ہوتی ہے لوح محفوظ پر اطلاع پاتے ہیں وہ اپنے اختیار سے زمین و آسمان میں جہاں کا چاہیں حال دریافت کر لیں“ (3)

”مفتی اعظم پاکستان“ کے صاحبزادے رفیع عثمانی صاحب، جن کے معتقدین انہیں بھی ”مفتی اعظم پاکستان“ کہتے ہیں،* فرماتے ہیں کہ

”صوفی جب اللہ کے عشق میں فنا ہونے لگتا ہے تو اس سے خوارق عادت افعال سرزد ہونے لگتے ہیں یعنی وہ جو چاہتا ہے ہونے لگتا ہے۔“ (4)

(1) تبرکات کی شرعی حیثیت: صفحہ ۳۳

(2) فتاویٰ رشیدیہ: صفحہ ۲۴۶

(3) رضا خاں بریلوی کی کتاب ”الاستاد“ پر ان کے بیٹے مصطفیٰ رضا خاں جن کے معتقدین انہیں ”مفتی اعظم

ہند“ کہتے ہیں، کے حواشی بعنوان ”تجلیات“: صفحات ۱۴۰، ۱۴۱

* ان کی مرتبہ کتاب ”علامات قیامت اور نزول مسیح (ﷺ)“ مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم، کراچی، کے ٹائٹل پر باپ بیٹے دونوں کے نام کے ساتھ ”مفتی اعظم پاکستان“ لکھا ہوا ہے۔

(4) دارالعلوم کورنگی کراچی کے ماہانہ مجلہ البلاغ کے اگست ۱۹۸۹ء کے شمارے میں مفتی رفیع عثمانی کا مضمون، صفحہ ۵۱

محترم قارئین! اپنے ایمان سے بتائیے کہ یہ دعوائے خدائی نہیں تو اور کیا ہے؟ اپنے مالک کی قدرت و اقتدار کے دائرے میں جکڑے ہوئے ایک مجبور محض انسان کی آخر حثیت ہی کیا ہے کہ اس کا چاہا ہوا ہونے لگے! نحن نعوذ بالله من تلك المخرافات الشيطانية سب کچھ وہی ہوتا ہے جو اس کا رب چاہتا ہے۔ يَفْعَلْ مَا يَشَاءُ کا مرتبہ اسی بے ہمتا کو سزاوار ہے۔ اس نے کسی کو اپنے ٹکونی وغیر ٹکونی امور میں ساجھی و شریک نہیں بنایا۔ وہ اکیلا ہی یہ سارے امور انجام دے رہا ہے:

تَبَرَّكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ﴿١﴾
 الَّذِي لَهُ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ
 شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيرًا ﴿٢﴾ (الفرقان: ۱، ۲)

”بہت ہی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان (یعنی قرآن مجید) نازل فرمایا تاکہ اہل عالم کو ہدایت کرے۔ وہی کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے، اور جس نے (کسی کو اپنا) بیٹا نہیں بنایا، اور جس کی بادشاہت میں اس کا کوئی شریک نہیں، جس نے ہر چیز پیدا کی پھر اس کی تقدیر مقرر کی۔“

دارالعلوم دیوبند جہاں بیٹھ کر یہ ”مفتی اعظم“ شفیق عثمانی صاحب فتوے دیا کرتے تھے، اس کے ”ماہنامہ دارالعلوم“ کا ذریعہ کارنامہ بھی ملاحظہ فرمائیں؛ اس میں بتایا گیا کہ:

”صوفیاء نے لکھا ہے کہ مردان حق ریاضت و مجاہدہ سے ایسی قوتیں و ملکات بھی حاصل کر لیتے ہیں جو خداوند ذوالمنن کی خاص قدرتوں سے مشابہ ہوتی ہیں حالانکہ مؤثر حقیقی اُس وقت بھی خداوند تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔ ورنہ بشریت کے ارتقائی حدود سے یہ چیزیں باہر ہیں۔“ (1)

یہ دارالعلوم دیوبند جیسی دینی درس گاہ کا رسالہ ہے اور خود ان لوگوں کے کہنے کے بموجب نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اس مدرسے کی داغ بیل ڈالی تھی اور ان کے بقول کبھی کبھی آپ ﷺ وہیں حساب و کتاب کی جانچ پڑتال کے لیے اپنے خلفاء کو ساتھ لے کر آیا بھی کرتے تھے اور میل جول

(1) دارالعلوم دیوبند کے ماہنامہ مجلہ دارالعلوم کے جنوری ۱۹۵۸ء کے شمارے کی تحریر، نگران اعلیٰ قاری محمد

بڑھ جانے کی وجہ سے آپ ﷺ اردو زبان بولنا بھی سیکھ گئے تھے۔ ایسے رسالے میں یہ لکھنا کہ ”مردان حق ریاضت و مجاہدہ سے ایسی قوتیں حاصل کر لیتے ہیں جو خداوند ذوالمنن کی خاص قدرتوں سے مشابہ ہوتی ہیں، حالانکہ مؤثر حقیقی اس وقت بھی خداوند تعالیٰ ہی ہوتا ہے“ ایسی بات ہے کہ اس پر جتنے بھی آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔ اور ہوشیاری تو دیکھیے کہ لکھتے ہیں:

”حالانکہ مؤثر حقیقی اس وقت بھی خداوند تعالیٰ ہی ہوتا ہے“

یعنی ایک طرف تو اللہ تعالیٰ اعلان کرتا ہے کہ میری قدرتوں اور میری صفات میں کسی کا کوئی حصہ نہیں: قَيْسٌ كَيْمٌ مِّنْهُمْ (الشوریٰ: ۱۱) ”اس کی کوئی مثل نہیں“، اس سے مشابہ کوئی نہیں؛ اور دوسری طرف ان صوفیوں کو وہ خود اپنی صفات دے کر زندگی اور موت پر اختیار مرحمت فرما دیتا ہے! یہاں عنوان ثلکے مندرجات ذہن میں دہرا لیجیے جہاں بتایا گیا تھا کہ مشرکین مکہ کا بھی یہی عقیدہ تھا؛ وہ ساری کائنات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ کو جانتے ہوئے اپنے خود ساختہ الہ کے بارے میں عقیدہ رکھتے کہ انہیں عطائی اختیار حاصل ہے، ”مؤثر حقیقی“ تو اللہ ہی کی ذات ہے! ان عجوبوں کو یہ لوگ کرامت کا نام دیتے ہیں حالانکہ کرامت کے معنی بزرگی و شرافت کے ہیں جو تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ مالک کا ارشاد ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ط (الحجرات: ۱۳)

”تم میں سب سے زیادہ کرامت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہو۔“

اور یہ ہرگز کوئی تقویٰ نہیں کہ اللہ کی بندگی کے بجائے خود اللہ بن بیٹھیں، بزعم خویش لوگوں کی جانیں نکالنے لگیں اور حسب مرضی لوٹانے لگیں، اُن کاموں کے کرنے کے دعوے کرنے لگیں جو اللہ ہی کے لائق اور اسی کو سزاوار ہیں اور اس کے سوا کوئی نہیں کر سکتا! اس کے برعکس ایمان و عقیدہ رکھنا کفر و شرک ہے جیسا کہ مشرکین مکہ اپنے بتوں سے متعلق ایمان و عقیدہ رکھتے تھے، اور یہ بات بہر حال ذہن نشین رہے کہ یہ بت کوئی فرضی و خیالی چیز یا ہندو دیومالا (Hindu Mythology) کے تصورات کی کردار کی مورتیاں نہ تھے بلکہ انبیاء اور اُن صالح حقیقی بندوں کی تمثیلیں تھیں جو اُن کی قوم میں گزرے تھے۔

خوارق عادات افعال یعنی غیر معمولی و غیر مستقل کام جو انبیاء علیہم السلام سے سرزد ہوتے تھے انہیں ”معجزات“ یعنی ”عقل کو عاجز کر دینے والے“ کہتے ہیں، جن میں کسی نبی کے ارادے، مرضی، آرزو، خواہش، تمنا، وغیرہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور صرف اللہ کی طرف سے نبوت کی حسی دلیل و نشانی کے طور پر کسی نبی سے ظاہر ہوتے تھے، جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ (الرعد: ۳۸ / المؤمن: ۷۸)

”اور کسی رسول کا کام نہیں تھا کہ کوئی نشانی بغیر اللہ کی مرضی کے لے آئے۔ ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔“

قُلْ إِنَّمَا أَلِيتُ عِنْدَ اللَّهِ ط وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ (التكوت: ۵۰)

”(اے نبی!) آپ کھد بیجیے کہ نشانیاں (معجزے) تو اللہ ہی کے اختیار میں ہیں، اور میں تو بس کھلم کھلا ڈر سنا دینے والا ہوں۔“

قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْزِلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (الانعام: ۳)

”(اے نبی!) آپ کھد بیجیے کہ اس بات پر اللہ ہی کو قدرت ہے کہ کوئی نشانی (معجزہ) اتارے، لیکن ان لوگوں کی اکثریت کو علم نہیں۔“

اور انبیاء علیہم السلام کی زبانی اعلان کروایا کہ:

وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطَنٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ط (ابراہیم: ۱۱)

”اور ہمارا اختیار نہیں کہ ہم اللہ کے حکم کے بغیر تم کو (تمہاری فرمائش کے مطابق) معجزہ دکھائیں۔“

کہنے کی حد تک تو یہ مسلک پرست بھی یہ بات کہتے ہیں کہ

”اولیاء کرامت کے ظاہر کرنے میں اللہ کے محتاج ہیں جس طرح انبیاء علیہم السلام معجزات کے ظاہر کرنے میں جناب باری کے محتاج ہیں۔ جب حکم الہی ہوتا ہے ظاہر کرتے ہیں۔ آپ سے جس وقت چاہیں نہیں ظاہر کر سکتے۔“ (۱) *

(1) عقائد الاسلام: صفحہ ۱۵۴

* لیکن بریلوی مکتبہ فکر نے یہاں بھی اپنی انفرادیت برقرار رکھی ہے اور ان کے نزدیک معجزے کا فعل نبی کی اپنی قدرت سے ہی ظاہر ہوتا ہے اور ”صرحتاً معجزے کا قدرت نبی سے ہونائی اصح ہے“۔ (بحوالہ تنکیلات بر الاستمداد: صفحہ ۱۰۹)

لیکن ان کی اپنی تحریریں اس کے خلاف ہیں۔ ”حضرت حکیم الامت تھانوی صاحب“ نے نزہۃ البساتین نامی کتب کے ترجمے ”قصص الاولیاء“ میں ایک گُردی صوفی کے بارے میں لکھا ہے کہ ”اکابر اولیاء عارفین اور اعیان علماء عالمین سے تھے۔ ایک بڑی کرامت ان کی یہ ہے کہ جس وقت بھی نبی ﷺ کی زیارت کرنا چاہتے زیارت کر لیتے تھے۔“ (1)

یہ کیسی کرامت ہے جو ان کے دل چاہنے پر موقوف ہے یعنی جب چاہا یہ کرامت دکھا ڈالی جبکہ عقائد کی کتابوں میں اس کے برعکس لکھتے ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اور کرامت کو معجزے کا ہی نتیجہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں:

ان لامر الخارق للعادة فهو بالنسبة الى النبي ﷺ معجزة سواء
ظهر من قبله او من قبل آحاد امتہ

”امر خارق عادت نبی کے اعتبار سے معجزہ ہے چاہے اسی کی طرف سے ظاہر ہو یا اس کے امت کے افراد کی طرف سے۔“ (2)

جبکہ معجزے کے لیے اللہ تعالیٰ شانہ کا ارشاد اوپر گزر چکا ہے کہ اسے اللہ ہی ظاہر کرتا ہے اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی نبی بھی ظاہر نہیں کر سکتا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے تو صرف چند ہی کے معجزات کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن ہر صوفی اپنے ساتھ معجزات سے بھی زیادہ محیر العقول کاموں کی ایک طویل فہرست رکھتا ہے، جن میں اس کی اپنی مرضی اور ارادے کو پورا دخل ہوتا ہے، جیسا کہ عبدالحق دہلوی نے عبدالقادر جیلانی صاحب کے لیے لکھا ہے، (3) اور جیسا کہ صوفیوں کی کرامات بتاتے ہوئے پہلے لکھا گیا کہ شاہ ولی اللہ کے بقول ان کے تایا ابو الرضا محمد جب چاہتے اپنی مرضی سے موت دیدیتے، جب چاہتے اپنی مرضی سے زندگی لوٹا دیتے، اشرف

(1) قصص الاولیاء: آخری حکایت، صفحہ ۴۵

(2) بیان الفوائد فی حل شرح العقائد: جلد ۲، صفحہ ۲۰۳

(3) اخبار الاخیار: صفحہ ۳۶

علی تھانوی صاحب کے بقول شاہ اسماعیل صاحب لوگوں کی فرمائش پر عصر اور مغرب کے درمیانی وقفے میں پورا قرآن کھڑے کھڑے سنا دیتے، اور انہی تھانوی صاحب کے مطابق محمد گردی جب چاہتے نبی ﷺ کی کرامت زیارت کر لیتے۔ لیکن اس پر بھی، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا، دعویٰ ان لوگوں کا یہی ہے کہ

”کاملین صوفیہ کے تمام ہی حالات حضور اقدس ﷺ ہی کے مختلف اقوال سے اخذ کیے گئے ہیں۔“ (1)

حالانکہ انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل ترین اولیاء اللہ صحابہ کرام ﷺ سے بھی ایسا کوئی عمل ثابت نہیں۔ ان سے زیادہ فنا فی اللہ اور فنا فی الرسولؐ کون ہو گا، مگر کوئی صحابی ہوا میں نہیں اڑا، پانی پر نہیں چلا۔ سعد بن ابی وقاصؓ اور ان کے لشکر نے بھی ایران سے لڑائی کے وقت دریائے دجلہ کو تیر کر پار کیا تھا۔ (2) اور مزے کی بات یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات ان کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے تھے لیکن یہ صوفی قبر میں جا کر بھی کرامتیں و تصرفات دکھاتے رہتے ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا واقعات میں مثالیں موجود ہیں۔

تب ہی تو ان کے ”اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خاں صاحب“ فرماتے ہیں:

”اولیاء کی کرامتیں اولیاء کے تصرف بعد وصال بھی بدستور ہیں۔ الحمد للہ برزخ میں بھی ان کا فیض جاری ہے اور غلاموں کے ساتھ وہی شان امداد و یاری ہے۔“ (3)

کرامات کے نام سے صحابہ ﷺ سے منسوب جو چند صحیح واقعات مشکوٰۃ میں موجود ہیں ان کو پڑھ کر دیکھ لیجیے، کوئی ایک واقعہ بھی صوفیوں کے ”ایک سو سے زائد اقسام“ والے مذکورہ بالا واقعات کی قسم سے نہیں ہے بلکہ ان میں صحابہ ﷺ کا بھی کوئی تصرف، اختیار اور مرضی نہیں ہے اور ان کو اس کا علم تک نہ تھا نبی ﷺ کی وضاحت پر ہی معلوم ہوا بلکہ بعض تو

(1) خصائل نبوی شرح شمائل نبوی: صفحہ ۳۵۷

★ یہ بات یاد رہے کہ یہاں یہ صوفیانہ اصطلاح اُسی پیرائے میں استعمال کی گئی ہے جس پیرائے میں مفتی رفیع عثمانی صاحب نے منقول ماقبل اقتباس میں کی ہے۔

(2) تاریخ اسلام از معین الدین ندوی: جلد ۱، صفحہ ۱۶۶

(3) حیاۃ الموات: صفحہ ۱۰۹، ۱۱۱

نبی ﷺ کے معجزات ہیں۔ لہذا انہیں تو مروجہ اصطلاح میں کرامات کہنا بھی نہیں چاہیے۔ مزید یہ کہ مذکورہ واقعات پر صاحب مشکوٰۃ نے ”کرامات“ کا باب باندھ دیا ورنہ ان روایات میں بھی لفظ ”کرامت“ کہیں استعمال نہیں ہوا۔

بعض صوفیوں کے قصے تو ایسے ہیں جو استغفر اللہ و معاذ اللہ، رب تعالیٰ کو بے بس و لاچار اور مجبور محض ثابت کرتے ہیں! بریلوی مسلک کے مجدد صاحب ”در منقبت آقائے اکرم حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ“ میں بیان کرتے ہیں:

- | | |
|---|---|
| <p>قسمیں دے دے کے کھلاتا ہے پلاتا ہے تجھے
کیوں نہ قاسم ہو کہ تو ابن ابی القاسم ہے
بندہ قادر کا بھی قادر بھی ہے عبد القادر
فی تصرف بھی ہے باذن بھی ہے مختار بھی ہے
جس کی مرضی خدا نہ ٹالے
ہے ملک خدا پہ جس کا قبضہ
تری قدرت تو فطریات سے ہے
تصرف والے سب مظہر ہیں تیرے
فرمایا تب خدا نے یہ منکر نکیر سے
جو چاہے وہ کرے اسے کُل اختیار ہے</p> | <p>پیارا اللہ تیرا چاہنے والا تیرا
کیوں نہ قادر ہو کہ مختار ہے بابا تیرا (1)
سرِ باطن بھی ہے ظاہر بھی ہے عبد القادر
کارِ عالم کا مدبر بھی ہے عبد القادر (2)
میرا ہے وہ نام وار آقا
میرا ہے وہ کام گار آقا (3)
کہ قادر نام میں داخل ہے یا غوث
تو ہی اس پر دے میں فاعل ہے یا غوث (4)
وقف نہیں تو میرے پیرانِ حیر سے
میں اس کا یار ہوں وہ میرا یارِ غار ہے (5)</p> |
|---|---|

انہی فاضل بریلوی کے دیگر اشعار اور اس مسلک کی دیگر کتب مثلاً تذکرہ غوث اعظم، تذکرہ سیدنا غوث اعظم، تذکرہ غوث الثقلین، کرامات غوث اعظم، کرامات غوث پاک، تفریح الخاطر، تسکین الخواطر، وغیرہ کا مطالعہ کریں تو یہ صوفی صاحب ہر قدم پر (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے منصوبوں کو ناکام کر کے اسے شکست دیتے ہوئے نظر آتے ہیں، مثلاً:

(1) حقائق بخشش حصہ اول: صفحہ ۵

(2) حقائق بخشش حصہ اول: صفحہ ۲۳

(3) حقائق بخشش حصہ اول: صفحہ ۱۱

(4) حقائق بخشش حصہ دوم: صفحہ ۸

(5) کرامات غوث پاک: صفحہ ۹

☞ اللہ ان کے کسی مرید کو مشکل میں مبتلا کرے تو یہ زمین کے ہر مقام پر اس کی مشکل کشائی و دستگیری کے لیے پہنچ جائیں!

☞ اللہ کسی کو موت دینے کا فیصلہ کرے، یہ اس فیصلے کو بدلوا دیں!

☞ اللہ ان کے مرید کو موت دے تو یہ اسے زندہ کر دیں!

☞ اللہ کسی کو بے اولاد رکھنے کا فیصلہ کرے، یہ اس کو سات بیٹے دلا دیں!

☞ اللہ کسی کو بیٹے دے، یہ اسے بیٹا بنا دیں!

☞ اللہ کے حکم سے فرشتہ اجل ان کے مرید کی روح قبض کرے، یہ اس سے تھیلا چھین کر سب روحیں آزاد کر دیں!

☞ اللہ کے حکم سے فرشتے ان کے مرید کے پاس قبر میں عذاب دینے کے لیے آئیں تو یہ قبر میں پہنچ کر ان سے گزر چھین کر انہیں بھگا دیں اور فرشتوں کو ان سے معافی مانگنی پڑ جائے!

☞ اللہ کا باغی مشرک ہندو جس پر جنت حرام اور جہنم واجب ہو، اپنے مذہب پر ہی رہتے ہوئے ان کا مرید بنے تو اس پر آگ حرام ہو جائے!

☞ قبر کے تینوں سوالوں (یعنی تیرا رب کون؟ تیرا دین کیا؟ تیرا رسول کون؟) کے جواب میں ان کا مرید اگر یہ کہے کہ میں تو عبد القادر کے سوا کسی کو نہیں جانتا تو اس کی مغفرت ہو جائے!

☞ اللہ تقدیر میں کوئی بات لکھے، یہ اسے بدلوا دیں!

اللہ اللہ، کیا شان ہے شیخ صاحب کی! کوئی حد اور انتہا ہے ان کی طاقت کی! کون سی چیز ان کے دستِ قدرت سے بچی رہ گئی؟ تب ہی تو ان کے شاعر کہتے ہیں کہ

ح ۱ ساڈا تے عبد القادر ہے سانوں ہبور قادر دی لوڑ نئیں

(یعنی ہمارا تو بس عبد القادر ہے، ہمیں اور کسی قادر کی ضرورت نہیں۔ استغفر اللہ!)

عبد الحق دہلوی صاحب کو ”محدث“ کہا جاتا ہے یعنی وہ شخص جسے احادیث پر مکمل عبور حاصل ہو۔ لیکن حیرت ہے کہ احادیث کا اتنا علم رکھنے کے باوجود انہوں نے اپنی

کتاب ”اخبار الاخیر“ کے شروع میں شیخ جیلانی صاحب کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے وہ انسان کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتا ہے کہ کیا احادیث میں اولیاء اللہ کا اسی انداز میں ذکر کیا گیا ہے؟ فرماتے ہیں:

”غرض یہ آپ سے ہر طرح کی کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ مخلوقات کے ظاہر و باطن میں آپ تصرف کرتے۔ انسانوں اور جنات پر آپ کا حکم چلتا تھا۔ لوگوں کے دل کی باتوں اور بھیدوں سے آپ واقف تھے۔ فرشتوں کے ظاہری و باطنی خیالات جانتے تھے۔ عالم جبروت کے حقائق اور عالم لاہوت کے راز ہائے سربستہ معلوم کر لیتے۔ پروردگار کے نبی عظیمیٰ زمانے کے انقلابات، موت و حیات کی صفات، شکیک تحقیق و تصدیق کی حقیقت، اچھے اور برے، اندھے اور کوڑھی، بیماروں کی صحت، مقام و زمانہ سے روانگی، زمینی و آسمانی کاموں میں اجرائی احکام، *پانی پر چلنے، ہوا میں اڑنے، لوگوں کے تخیل بدلنے، اشیاء کی طبیعت پلٹنے، نبی چیزیں

★ پچھلے صفحے پر بیان کردہ ”بریلوی مجدد“ کے ایک مصرعے کا ”کارِ عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر“ اور ان ”ولامی محدث“ کی جانب سے زمین و آسمانی کاموں میں احکام جاری کرنے سے متعلق نقل کردہ اس ”مختصر ثناء“ بیان کا موازنہ ذرا ان درج ذیل آیات قرآنی سے فرمائیے جن میں یہ اختیار صرف اور صرف اللہ کو دیا گیا ہے اور جس کو مشرکین مکہ بھی تسلیم کرتے تھے مگر صدحیف کہ اسی قرآن کے حامل ”مجدد“ اور ”محدث“ یہ اختیار کسی اور میں ثابت کرتے ہیں!

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ (یونس: ۳)

”تمہارا رب تو اللہ ہی ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے، پھر عرش پر مستوی ہو گیا وہی تدبیر امر کرتا ہے۔“

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمْ يَمْلِكُ السَّعْيَ وَالْإِنْبَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَمِيتِ وَيُخْرِجُ الْمَمِيتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۳۱﴾ (یونس: ۳۱)

”(اے نبی!) کہو کون ہے جو تم کو زمین و آسمان سے رزق دیتا ہے؟ کون ہے جو (تمہاری) دیکھنے اور سننے کی صلاحیتوں کا مالک ہے؟ کون ہے جو بے جان سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان کو پیدا کرتا ہے؟ اور کون ہے جو سارے کام بناتا ہے؟ تو جھٹ کھدیں گے کہ اللہ۔ تو آپ ان سے کہیے کہ پھر تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں؟“

اللَّهُ الَّذِي دَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلًّا يَجْرِئُ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ﴿۲۱﴾ (الرعد: ۲۱)

”اللہ وہی تو ہے جس نے ستونوں کے بغیر آسمان جیسا کہ تم دیکھتے ہو (اٹھنے) اور نیچے بنائے، پھر عرش پر مستوی ہو گیا اور سورج اور چاند کو کام میں لگادیا۔ ایک میعاد معین تک ہر ایک گردش کر رہا ہے۔ وہی

پیغام بھیجا کہ واپس چلے جاؤ اور فوج پسپا ہو گئی۔ لیکن نہ جانے شیخ صاحب نے اس وقت کوئی کرامت کیوں نہ دکھائی جب ۱۹۵۸ء میں ہلاکو نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، بیس لاکھ کی آبادی سے سولہ لاکھ افراد کو گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر شہر کو خاک و خون کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا۔ لاشوں کے انبار سے شہر میں اتنا تعفن تھا کہ چنگیزیوں کو شہر سے باہر ٹھہرنا پڑا۔ اسی طرح شیخ صاحب نے اس وقت بھی اہل شہر کی کوئی دستگیری نہ فرمائی جب ۱۹۹۱ء اور بارہ سال بعد ۲۰۰۳ء میں دوبارہ امریکی اور اتحادی فوجیں اسی شہر پر زبردست بمباری کر کے اس کو کھنڈر کر رہی تھیں جس سے خود شیخ صاحب کے اپنے مزار کو بھی نقصان پہنچا۔ پھر حملہ آور فوجوں سے التجائیں کر کے بغداد اور نجف کے مزار بچائے گئے ورنہ آج ان کی جگہ کھنڈرات ہوتے۔ تب سے بد امنی، معاشی بد حالی، افلاس اور امراض نے یہاں ڈیرہ ڈال رکھا ہے، خوراک اور دوائیں نہ ملنے پر بچے سسک سسک کر مر رہے ہیں، کوئی دستگیری کے لیے نہیں آتا۔ کوئی پرسان حال نہیں۔ امریکی عیسائیوں نے غاصبانہ قبضہ کیا ہوا ہے، حالانکہ انہی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ

”حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مریدین و معتقدین و محبین کی مدد کے لیے خواہ نزدیک ہوں یا دور، ہر وقت تیار ہیں۔“ (۱)

”حضرت غوث پاک نے فرمایا ہے جو کسی تکلیف میں مجھ سے امداد چاہے یا مجھے آواز دے اس کی تکلیف دور کی جائے گی۔“ (۲)

”سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے جس نے کسی مصیبت میں مجھ سے فریاد کی وہ مصیبت دور ہو گئی۔ جس نے کسی سختی میں میرا نام پکارا وہ سختی جاتی رہی۔“ (۳)

کہنے کو تو ”تَضَوُّف“ کا مادہ ”صَفَاء“ اور مقصد صفائی قلب، تزکیہ نفس اور کردار کی صفائی بتایا جاتا ہے لیکن اس سے زیادہ غلیظ، گندی، نجس، پلید اور مکروہ شے شاید اور کوئی نہ ہو، جس نے دین تو حید کا صفایا کر دیا۔ جس میں گناہ ثواب بن جاتا ہے، تو حید کو شرک اور شرک کو

(۱) تذکرۃ سیدنا غوث اعظم: صفحہ ۱۲۵

(۲) اخبار الاخیار: صفحہ ۳۹

(۳) تذکرۃ سیدنا غوث اعظم: صفحہ ۱۲۵

توحید سمجھا جاتا ہے۔ جس میں دین خالص کے منکروں کو ولی اللہ مانا جاتا ہے۔ فرعون اگر اَنَا رَبُّكُمْ اَلَا عَلٰی کہے تو کافر قرار دیا جائے*، لیکن حسین بن منصور حلاج اگر اَنَا الْحَقُّ کا دعویٰ کرے تو ولیوں کا سردار بنا دیا جائے، نمرود اگر اَنَا اُمْنٰی وَاُمْنِیْتُ کہے تو ملحد، زندیق اور جہنمی ٹھہرے، لیکن شاہ ولی اللہ کے تایا اگر روح قبض کرنے اور لوٹانے کا دعویٰ کریں تو مومن، ولی، عارف، ہادی و مہدی، امام و مخدوم قرار دیئے جائیں! یہی وہ ”ام الخبائث“ ہے جس کے متعلق ”حکیم الامت“ اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ:

”تصوف کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔“ (1)

”کمال باطنی کا حاصل کرنا ضرور ٹھہرا اور عادت اللہ یونہی جاری ہے کہ بے توسل پیر کے یہ راہ قطع نہیں ہوتی [اس لیے پیر (کامل) کا تلاش کرنا ضرور ٹھہرا]۔“ (2)

ان کے پیر گنگو ہی صاحب کہا کرتے تھے:

”شیخ کے بغیر چارہ نہیں: مشائخ نے اس معاملہ کا بہت تجربہ فرمایا ہے اور اسی لیے کہا ہے کہ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔“ (3)

ان کے متبع مفتی صاحبان کا کہنا ہے کہ

”صوفیاء اور مشائخ کی زندگیاں شرک و بدعت کی ترویج میں گزری ہیں۔ (علمائے دیوبند جو صوفیاء اور مشائخ کی بزرگی اور کشف و کرامات کے نہ صرف قائل بلکہ بیعت کے بغیر ایک فاضل عالم کو نامکمل سمجھتے ہیں)..... حاشا وکلا علمائے دیوبند بر صغیر میں اسلام کی بقاء کو صوفیاء کی محنت قرار دیتے ہیں۔“ (4)

★ البتہ یہ ایک لطیفہ ہے کہ صوفیوں کے نزدیک نہ صرف فرعون بلکہ جتنے بھی سرکش لوگ گزرے ہیں، سب ہی مسلمان تھے کیونکہ وحدت الوجود کے مطابق کوئی چیز بھی اپنی کوئی اصل نہیں رکھتی سوائے اس کے کہ وہ اللہ کی ذات کا حصہ ہے لہذا مومن و کافر، جنت و جہنم، خالق و مخلوق اور عبد و معبود کچھ نہیں ہے..... اگر ہے تو صرف اللہ ہی ہے! (استغفر اللہ! نقل کفر کفر نہ باشد) جیسا کہ پہلے گزرا، ابن عربی نے فصوص الحکم میں فرعون کو مسلمان مانا ہے۔

(1) الافاضة الیومیہ: جلد ۱۰، صفحہ ۷۸ بحوالہ جامعہ فاروقیہ کراچی کا رسالہ نداء الخیر بابت نومبر ۱۹۹۳ء، صفحہ ۲۶

(2) تعلیم الدین بحوالہ ضمیمہ برسالة تحفة الشیوخ: صفحہ ۵۷

(3) امداد السلوک: صفحہ ۱۸۸

(4) مفتی عبدالشکور کشمیر: رضا خانی مذہب، حصہ اول، صفحہ ۱۲

”تصوف بھی چونکہ دین کا ایسا ہی اہم شعبہ ہے جیسا کہ فقہ، اور دونوں میں ربط اتنا گہرا ہے کہ فقہ پر عمل تصوف کے بغیر اور تصوف پر عمل فقہ کے بغیر ممکن نہیں، جیسا کہ آگے معلوم ہوگا، بلکہ جو فقہ قرآن و سنت کا مطلوب ہے وہ تو تصوف کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوتا، اس کے لیے یہاں تصوف کی حقیقت کا مختصر بیان بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، اس کے بغیر درحقیقت فقہ کا تعارف بھی تشنہ ہی رہے گا۔“ (1)

ان کے ”شیخ الحدیث“ صاحب نے طریقت کے لازم ہونے کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے ”شریعت و طریقت کا تلازم“ کے نام سے ایک مستقل کتاب تصنیف کر رکھی ہے۔ اور اسی تصوف کے ایک مفروضہ منصب ”غوث“ کے متعلق بریلوی مذہب کے مجدد صاحب کا کہنا ہے کہ

”بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے۔“ (2)

دنیاۓ تصوف کے ”حضرت داتا صاحب“ کا کہنا ہے کہ

”تصوف کا انکار ساری شریعت کا انکار ہے۔“ (3)

اور جو شخص تصوف سے کنارہ کش ہو جائے تو اس کے لیے شاہ ولی اللہ صاحب کہتے تھے کہ وہ ہم میں سے نہیں (یعنی کہ وہ ان کے ”دین“ سے ہی خارج ہے اور دوسرے لفظوں میں وہ ان کے نزدیک مسلمان ہی نہیں)۔ (4)

کفر و شرک سے لبریز اس پیری مریدی کی دنیا کے لیے کہا جاتا ہے کہ:

”حضرات صوفیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین راہ مولیٰ پر گامزن ہیں اور ان کا طریق و سلوک بارگاہ الہی تک پہنچاتا ہے۔“ (5)

(1) مفتی رفیع عثمانی: فقہ اور تصوف: صفحہ ۲۳

(2) ملفوظات: حصہ اول، صفحہ ۱۲۸

(3) شرح کشف المحجوب: صفحہ ۳۵

(4) رسائل شاہ ولی اللہ (الانتباه فی سلاسل اولیاء اللہ): جلد ۱، صفحہ ۲۰۰

(5) المنقذ من الضلال: صفحہ ۷۷

”واضح رہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی شخص کو ظاہر یا باطن میں شیخ کے وسیلے کے بغیر بارگاہ الہی کی راہ حاصل نہیں ہو سکتی اور خود بنی کی گراہی سے خلاصی نہیں پاسکتا۔ پیغمبر خدا ﷺ فرماتے ہیں: شیخ اپنے مریدوں میں اس طرح ہوتا ہے جیسے امت میں نبی۔“ (1)

اور شاہ ولی اللہ صاحب، جنہیں ہندوستان میں علوم حدیث کا مجدد و بانی اور نہ جانے کیا کیا کہا جاتا ہے، ان کی زبانی مرشد کا مقام بھی ملاحظہ فرمالیجیے جو انہوں نے اپنے رسالے ”الانتباه فی سلاسل اولیاء“ میں ”تصور مرشد“ یعنی ہر وقت اپنے پیر صاحب کا تصور کرنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”مرشد کی ظاہری صورت دیکھنا اور حقیقت آب و گل کے پردے میں حق تعالیٰ سبحانہ کا مشاہدہ کرنا ہے اور خلوت میں اس کی صورت کا نمودار ہونا آب و گل کے پردے کے بغیر حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرنا ہے۔“ (2)

نانوتوی، گنگوہی، تھانوی، سہارنپوری، بلند شہری کے ”پنج تن پیر“ یعنی حاجی امداد اللہ مہاجر کی صاحب کا اپنے مریدوں کو وعظ و نصیحت بھی سنئے:

”دل کا شیخ سے ربط رکھنا اس خیال سے کہ اس سے مدد حاصل کرے اور اس اعتقاد سے کہ شیخ خدا کا مظہر ہے، خدا نے فیض پہنچانے کے لیے میرے اوپر اس کو متعین کیا ہے اور شیخ ہی کے ذریعے سے خدا تک رسائی ہو سکتی ہے، تو ہمیشہ محبت اور انقیاد سے شیخ کی طرف متوجہ رہے۔“ (3)

قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو خیر القرون کی زندگی کی ایک انتہائی سادہ اور آسان شکل سامنے آتی ہے جس میں اولیاء کے سردار اور رہتی دنیا تک کے لیے نمونہ بننے والے صحابہ رضی اللہ عنہم عام انسانی شکل میں نظر آتے ہیں جن کا قول و فعل کتاب و سنت کے تابع ہے؛ حالات زندگی اور مزاج و طبیعت سے لے کر زبان و بیان اور سوچنے کے انداز تک، سب میں اسلام کی سادگی کی نمود؛ سیدھی سادی باتیں، فطرت کے مطابق کھلے ہوئے روشن و واضح احوال، کوئی رمز و اشارات، ابہام اور پیچیدگی نہیں؛ کوئی پیچ پیچ، اسرار و کنایات اور فلسفیانہ موشگافیاں اور نزاکتیں دور دور تک نہیں۔ لیکن جب ہم دنیائے تصوف میں قدم

(1) دارا شکوہ: سکینۃ الاولیاء، صفحہ ۸

(2) رسائل شاہ ولی اللہ (الانتباه فی سلاسل اولیاء اللہ): جلد ۱، صفحہ ۲۰۰

(3) کلیات امدادیہ (ضیاء القلوب) صفحہ ۶۹

رکھتے ہیں تو کسی اور ہی جہاں میں آ جاتے ہیں جہاں کتاب و سنت کی مذکورہ شکل مفقود نظر آتی ہے اور قدم قدم پر انتہائی دقیق و غامض اور پیچیدہ اصطلاحات، ذو معنویت، رمز و اشارات، کنایات و استعارات، پر ہیچ و تہہ در تہہ تشریحات کا سامنا ہوتا ہے۔ غرض ایک طلسم ہے جس میں حقیقت کا گزر نہیں، جس میں کبھی کچھ ہے بس نہیں ہے تو قرآن و حدیث کی تعلیمات ہی نہیں ہیں!

حد تو یہ ہے کہ نبی ﷺ تک سے بلاحوالہ یہ من گھڑت قول منسوب کر دیا گیا کہ
 مَنْ سَمِعَ صَوْتَ أَهْلِ التَّصَوُّفِ فَلَا يُؤْمِنُ عَلَى دُعَائِهِمْ كُتِبَ عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الْغَافِلِينَ
 یعنی جس نے اہل تصوف کی آواز سن کر ان کی دعوت کو قبول نہ کیا وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں لکھا گیا۔⁽¹⁾

حقیقت تو یہ ہے کہ تصوف اسلام کے اندر یہودیوں کی سازش ہے۔ عبد اللہ بن سبا یہودی نے جو منافقانہ طور سے اسلام میں داخل ہوا سب سے پہلے صوفیانہ عقائد حلول وغیرہ کی تبلیغ کی۔ اور پھر بعد میں شریعت کی جگہ طریقت، وحی کے مقابلے میں کشف، کلام الہی کے مقابلے میں ملفوظات شیخ، معجزے کی جگہ کرامت جیسی اصطلاحات ایجاد ہوئیں اور انبیاء، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے مقابلے میں غوث، قطب، قلندر، قیوم، ابدال، اوتاد، وغیرہ کو لا کھڑا کیا گیا۔ پھر یہ قادریہ، چشتیہ وغیرہ جیسے بی شمار سلسلے بنے، اور دین اسلام پر ”اتحادی دین“ کا پوری طرح غلبہ ہو گیا۔ مسلمانوں میں ”جذبیہ جہاد“ کو جس نے یہود و نصاریٰ اور تمام اسلام دشمن قوتوں کے دانت کھٹے کر دیئے تھے، سر د کر دیا گیا اور اس کی جگہ خانقاہوں و آستانوں، چلہ گاہوں و درگاہوں میں ”ہا“، ”ہو“ کی پکاروں نے اور ہندوؤں کی مالاؤں کی مثل صبح و شام تسبیح کے دانوں کو گھمانے کی عادت نے لے لی۔* آج

(1) کشف المحجوب: باب تصوف، صفحہ ۱۱۱

★ تسبیح کے دانے گھمانے کا کسی صحیح حدیث میں کوئی ثبوت نہیں بلکہ اس نمائشی کام سے منع کیا گیا ہے۔

(سنن ابی داؤد: جلد ۱، ابواب صلوٰۃ السفر، باب ۵۱۳ التسمیٰ بالحصی، صفحہ ۵۵۸)

مگر افسوس کہ اسکو بھی ثابت کرنے کے لیے خانہ ساز دور از کار دلائل کا سہارا لیتے ہوئے باقاعدہ کتابیں لکھی جاتی ہیں!

کے نام نہاد مسلمانوں کا غیر اقوام پر انحصار اور اُن کی جانب سے اِن کا ہر طرح سے استحصال و استیصال، ان کی پستی اور رسوائی، اس بات کا یقین ثبوت ہے۔

اے اللہ! اس تصوف کے سحر کا اب خاتمہ فرما دے جس نے اب تک نہ جانے کتنوں کو اپنی سحر آفرینی سے دین خالص سے دور کر دیا! اس امت کو اس بات کی توفیق مرحمت فرما کہ وہ اس کے اثر سے نکل کر قرآن و حدیث کے خالص دین میں داخل ہو جائے! اور ان صوفیوں کو ہدایت دے کہ وہ تیرے بندوں کو تیرے دین سے نہ ہٹائیں، ورنہ بقول نوح علیہ السلام:

إِنَّكَ إِن تَذَرَهُمْ يَفْضِلُوا عِبَادَكَ (سورۃ نوح: ۲۷)

”اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو یہ تیرے (اور) بندوں کو (بھی) گمراہ کر دیں گے۔“



کتاب ہذا کے اس باب کے رد میں مُلا مجیب نے اپنی کتاب میں فنکارانہ لائل دے کر اللہ کے بندوں کو پیر پرستی کی دعوت دی ہے اور پیشہ ورانہ داؤ پیچ لگا کر تصوف کے ہر غلط کو صحیح ثابت کرنے کی باطل کوشش کی ہے۔ موصوف کی جرأتِ رندانہ پر حیرت ہوتی ہے کہ شیطان نے اپنے ساتھی کو کس قدر جری اور نڈر بنادیا ہے کہ گزشتہ صفحات میں بیان کردہ صوفیوں کے واقعات کو درست قرار دینے کے لیے انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے استدلال کیا ہے؛ اپنی مرضی سے کائنات میں تصرف کرنے، غیب پر مطلع ہونے، اپنی مرضی سے موت و زندگی دینے وغیرہ کے خدائی اختیارات رکھنے کے اِن من گھڑت واقعات کو اللہ کی قدرت کے کھاتے میں ڈال کر ممکن الوقوع اور بالکل درست قرار دیا ہے؛ قرآن و حدیث کے مسلمہ نصوص کے خلاف صریح کفر پر مبنی صوفیوں کے اقوال کی متاخرین صوفیوں کے اقوال کے ذریعے ہی دور از کار تاویل کر کے انہیں صاف نکال لیا ہے؛ تصوف کو اصلاحِ باطن کا نام دے کر اسے لازمہ دین قرار دیا ہے؛ پیری مریدی کی بیعت کو زور رکھنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نبی ﷺ سے ایمان و تقویٰ، جہاد و قصاص وغیرہ کی بیعت کرنے کو بطور ثبوت پیش کیا ہے؛ مقدمہ صحیح مسلم میں منقول صوفیوں کی کذب بیانی کے بارے میں محدثین کی جرح کو اور حسن بصری کے علی رضی اللہ عنہ سے سماع نہ رکھنے کے

بیان کو جلال الدین سیوطی وغیرہ کے اقوال کے ذریعے جھٹلایا ہے اور بڑی فنکاری سے ان کے ”کذب“ کو محض ”خطا“ بنا دیا ہے۔ سیوطی صاحب کی مہربانی سے بریلویوں دیوبندیوں کو اپنے ہر باطل عقیدے و عمل کا ثبوت فراہم ہو جاتا ہے، خواہ وہ یہی دین تصوف اور اس کی کار فرمائیاں ہوں یا مردوں کا سنا، دیکھنا، بولنا، دنیا میں تصرف کرنا وغیرہ؛ خواہ نبی ﷺ کو الوہی صفات سے متصف کرنا ہو یا کتاب اللہ کو تعویذ گنڈے و عملیات کے لیے استعمال کرنا ہو.....

نحن نعوذ بالله من تلك الهفوات الشيطانية ومن قائلها
وننيب الى الله سبحانه وتعالى وكلامه والى رسوله واحاديثه
ونعلن اننا نحن نبرى من سائر الفرق ومن عقائدها واعمالها
وندد ربنا ان يرزقها هداية كاملة لقبول الحق وان تتوب اليه

سبز گنبد

اللہ کے رسول ﷺ کی واضح ممانعت احادیث میں آئی ہے کہ:

”قبر کی نہ بناؤ، اس پر کوئی عمارت نہ بناؤ اور نہ اسکی مجاورت کرو۔“ (1)

آپ ﷺ نے حکم دیا کہ

لَا تَدْعُ مِثْلًا إِلَّا الْاَظْمَسْتَهُ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ

”جو تصویر تم کو نظر آئے، اس کو مٹا دو اور جو قبر اونچی ملے، اسے (زمین کے) برابر کر دو۔“ (2)

آپ ﷺ نے قبروں کو آراستہ کر کے ان پر عبودیت کے مراسم بجالانے والوں پر لعنت فرمائی:

لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ

”اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر، جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔“ (3)

نیز فرمایا کہ

(1) صحيح مسلم: جلد ٢، كتاب الجنائز، صفحة ٣٩٨/جامع ترمذی: جلد ٤، ابواب الجنائز، باب كراهية تجصيص قبور والكتبة عليها، صفحة ٣٨٤/سنن أبي داود: جلد ٢، كتاب الجنائز، باب ١١٤ بناء على القبر، صفحة ٥٨٣/سنن نسائي: جلد ٤، كتاب الجنائز، ابواب ١١٣٣ الزيادة على القبر، ١١٣٤ البناء على القبر، ١١٣٥ تجصيص القبور، صفحات ٦٥٦، ٦٥٧/سنن ابن ماجه: جلد ٤، كتاب الجنائز، باب ٣٣ ما جاء في النهي عن البناء على القبور وتجصيصها والكتابة عليها، صفحة ٤٢،

(2) صحيح مسلم: جلد ٢، كتاب الجنائز، صفحه ٣٩٤/ جامع ترمذی: جلد ١، ابواب الجنائز، باب تسوية القبر، صفحه ٣٨٦/ سنن ابی داؤد: جلد ٢، كتاب الجنائز، باب ٦١٣ تسوية القبر، صفحه ٥٨١/ سنن نساء: جلد ١، كتاب الجنائز، باب ١١٣ تسوية القبر اذا رفعت، صفحه ٦٥٤

(3) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب ۲۹۵ (الصلوٰۃ فی البیعة کے بعد کا باب)، صفحہ ۲۶۸ نیز کتاب الجنائز، باب ۸۸۰ ماجآء فی قبر النبی ﷺ، صفحہ ۶۰۱/صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب المساجد، باب النہی عن بناء المسجد علی القبور و اتخاذ الصور فیہا والنہی عن اتخاذ القبور مساجد، صفحہ ۱۰۳/سنن ابی داؤد: جلد ۲، کتاب الجنائز، باب ۶۱ البناء علی القبر، صفحہ ۵۸۴/سنن نسائی: جلد ۱، کتاب الجنائز، باب ۱۱۳۳ اتخاذ القبور مساجد، صفحہ ۶۶۳/کتاب المساجد، باب ۴۰۹ النہی عن اتخاذ القبور مساجد، صفحہ ۲۲۱

أُولَئِكَ قَوْمٌ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الْعَبْدُ الصَّالِحُ (أَوِ الرَّجُلُ الصَّالِحُ) بَنُوا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّورَ أُولَئِكَ شَرَّارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ

”یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان میں کوئی نیک آدمی مرتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد گاہ بنا لیتے اور وہاں یہ تصویریں بنا دیتے۔ اللہ کے نزدیک یہ لوگ تمام مخلوق میں سب سے زیادہ برے ہیں۔“ (1)

آپ ﷺ نے امت مسلمہ کو اس سے روکا:

أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسْجِدًا أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسْجِدًا إِنِّي أَنُهَاكُمُ عَنْ ذَلِكَ

”لوگو! کان کھول کر سن لو کہ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں، انہوں نے اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجد گاہ (عبادت گاہ) بنا لیا تھا۔ سنو! تم قبروں کو مسجد گاہ نہ بنانا۔ میں تم کو اس فعل سے منع کرتا ہوں۔“ (2)

لیکن اپنے اطراف میں نظر ڈالیے، رسول ﷺ کے ماننے والوں کا عمل ان ساری احادیث کے خلاف ملے گا۔ کسی بھی قبرستان میں چلے جائیے، چند لاوارث قبریں ہی کچی ملیں گی۔ جن لوگوں کو اولیاء اللہ اور بزرگ گردانا جاتا ہے، جنہیں عاشقان رسول کہا جاتا ہے، فانی اللہ کا درجہ دیا جاتا ہے، انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کیسا مذاق کیا ہے کہ ان سب کی قبریں پکی ملیں گی، اور ان پر فن تعمیر کے شاہکار ایک سے ایک بڑھیا مزار کی شکل میں نظر آئیں گے، جنہیں لوگ ”دربار پاک“ اور ”روضہ مبارک“ کہتے ہیں، جن پر خلقت ہے کہ ٹوٹی پڑتی ہے۔ کوئی صاحب قبر سے بیٹا مانگتا ہے تو کوئی بیٹی، کوئی اپنی بیٹیوں کی شادی کے لیے التجا کر رہا ہے تو کوئی بیماری سے صحت کا خواہاں ہے، کوئی کاروبار میں برکت چاہ رہا ہے تو کوئی روزی میں کشادگی و فراوانی۔ غرضیکہ ہر طرح کی حاجت براری کے لیے یہاں

(1) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الجنائز، باب ۸۵۴، بناء المسجد على القبر، صفحہ ۵۸۰ / کتاب الصلوٰۃ، باب ۲۹۶، الصلوٰۃ فی البیعة، صفحہ ۲۶۸ / صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب المساجد، باب النہی عن بناء المسجد علی القبور و اتخاذ الصور فیہا والنہی عن اتخاذ القبور مساجد، صفحہ ۱۶۴، ۱۰۵ / سنن نسائی: جلد ۱، کتاب المساجد، باب ۴۴، النہی عن اتخاذ القبور مساجد، صفحہ ۲۴۱

(2) صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب المساجد، باب النہی عن بناء المسجد علی القبور و اتخاذ الصور فیہا والنہی عن اتخاذ القبور مساجد، صفحہ ۱۰۳ / سنن نسائی: جلد ۱، کتاب الجنائز، باب ۳۳، اتخاذ القبور مساجد، صفحہ ۶۶۳

آکر دہائی دی جاتی ہے۔ بعض لوگ اپنے یہاں آنے کا مقصد اس ”روضہ اقدس“ کی زیارت بتاتے ہیں۔ زیارت سے متعلق اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان ہے:

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَرَوُّوْهَا فَإِنَّهَا تُرْهِدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ
”لوگو! میں نے تم کو قبروں پر جانے سے منع کر دیا تھا، لیکن اب اجازت دیتا ہوں، کیونکہ قبروں کو دیکھ کر دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور آخرت کی یاد آتی ہے۔“ (1)

اور اس کام کے لیے ”اولیاء اللہ“ کی قبریں مخصوص نہیں، بلکہ مشرک کی قبر کی زیارت کی بھی اجازت ہے۔ نسائی اور ابن ماجہ نے مشرک کی قبر کی زیارت کا باب باندھا ہے اور اس کے ذیل میں نبی ﷺ کا اپنی ماں کے لیے استغفار کی اجازت چاہنے کا واقعہ نقل کیا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اپنی ماں کے لیے مغفرت کی دعا مانگنے کی اجازت نہیں دی مگر قبر کی زیارت کی اجازت دے دی:

زَارَ النَّبِيُّ ﷺ قَبْرَ أُمِّهِ فَبَكَى وَأَبْكَى مَنْ حَوْلَهُ فَقَالَ اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي أَنْ أَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ يَأْذَنْ لِي وَاسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي أَنْ أَزُورَ قَبْرَهَا فَأَذِنَ لِي فَرَوُّوْا الْقُبُورَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمْ الْمَوْتَ

”نبی ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی تو آپ روئے اور جو لوگ آپ کے گرد تھے ان کو بھی رُلا یا۔ پھر فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ اپنی ماں کے لیے استغفار کروں تو اللہ نے مجھے اجازت نہ دی۔ اور میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو اجازت دے دی۔ سو تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ تمہیں موت یاد دلاتی ہے۔“ (2)

(1) جامع ترمذی: جلد ۱، ابواب الجنائز، باب زیارة القبور، صفحہ ۳۸۸/سنن ابن ماجہ: جلد ۱، کتاب الجنائز، باب ۴، زیارة القبور، صفحہ ۷۷

(2) سنن نسائی: جلد ۱، کتاب الجنائز، باب ۱۱۲۸ زیارة قبر المشرك، صفحہ ۶۵۸/سنن ابن ماجہ: جلد ۱، کتاب الجنائز، باب زیارة قبور المشركين، صفحہ ۷۷۔ امام مسلم نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي أَنْ أَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ يَأْذَنْ لِي وَاسْتَأْذَنْتُ رَبِّي أَنْ أَزُورَ قَبْرَهَا فَأَذِنَ لِي (صحيح مسلم: جلد ۲، کتاب الجنائز، صفحہ ۴۰۲) (بقیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیے)

صاف ظاہر ہے کہ عبرت کے لیے گور غریباں ہی موزوں ہو سکتی ہے نہ کہ سنگ مرمر سے تراشیدہ عمارتیں، جہاں پھولوں کی بارش ہو رہی ہو اور جہاں کی ہوائیں خوشبوؤں سے بوجھل

”نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنی ماں کے لیے استغفار کرنے کی اپنے رب سے اجازت مانگی تو اس نے مجھے اجازت نہیں دی، اور میں نے ان کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت چاہی تو مجھے اس کی اجازت دے دی گئی۔“

یہاں ایک بات جملہ معترضہ کے طور پر عرض کرنا ضروری ہے، جس کا مقصد صرف اور صرف نبی ﷺ کے صحیح فرمان کو بیان کرنا ہے، اور کچھ نہیں، لہذا اس کو کوئی غلط رنگ ہرگز نہ دیا جائے۔ مسلک پرستوں کے نزدیک اللہ کے رسول ﷺ کے والدین کا شمار مومنین میں ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتابوں میں انہیں ”حضرت عبداللہ“ اور ”حضرت آمنہ“ لکھتے ہیں (حوالے کے لیے عبدالحق دہلوی کی ”مدارج النبوت“ جلد ۲ کے ابتدائی صفحات میں) ”حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا“ کا تذکرہ ملاحظہ فرمائیے۔ جبکہ مذکورہ بالا مسلم، نسائی اور ابن ماجہ کی روایات بتاتی ہیں کہ اللہ نے نبی ﷺ کو اپنی والدہ کے لیے دعائے مغفرت کی اجازت نہیں دی، جس پر نبی ﷺ رورویئے، کیونکہ قرآن میں اللہ نے ایمان والوں کو مشرکین کی دعائے مغفرت سے منع فرمایا ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْهُ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (التوبة: ۱۱۳)

”پیغمبر اور مومنین کو شایان نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک اہل جہنم ہیں تو ان کے لیے مغفرت مانگیں گو وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں۔“

غور فرمائیے اگر وہ مومنہ ہوتیں تو دعائے مغفرت کی اجازت ضرور ملتی، بلکہ اجازت کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اسی طرح مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک صحابی نے پوچھا کہ اس کا باپ کہاں ہے، تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ جہنم میں۔ اس پر وہ کچھ ملول ہوئے اور جانے لگے تو آپ ﷺ نے بلا کر تسلی کے لیے فرمایا کہ إِنَّ أَبِي وَ آبَاكَ فِي النَّارِ ”بیٹک میرا اور تیرا باپ دونوں جہنم میں ہیں۔“ (صحیح مسلم: کتاب الایمان، جلد ۱، باب بیان ان من مات علی الکفر فهو فی النار ولا تناله شفاعۃ ولا تنفعه قرابۃ المقربین {یعنی اس بات کے بیان کا باب کہ جو کفر پر مرادہ جہنم میں ہے اور اس کو مقربین کی شفاعت نہ پہنچے گی اور نہ ہی ان کی رشتہ داری اسے کچھ فائدہ دیگی} صفحہ ۳۴۶)

سنن ابن ماجہ کے مذکورہ باب میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک اعرابی نے نبی ﷺ کے پاس آکر اپنے (مشرک) باپ کی تعریف بیان کر کے پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جہنم میں۔ اس بات سے اس

ہوں، جہاں محرم غیر محرم سب مخلوط ہوں، جہاں رنگ و روشنی کا سیلاب ہو، تو ایسی جگہوں پر کسی کو کیا موت کی یاد آئے گی، اور کیسے دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوگی!

کو شاید رنج ہوا۔ اس نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ آپ کے والد کہاں ہیں، تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب بھی تو کسی مشرک کی قبر سے گزرے تو اسے جہنم کی بشارت دے (یعنی وہی جواب دیا جو مسلم کی مذکورہ بالا روایت میں دیا گیا)۔
(سنن ابن ماجہ: جلد ۱، کتاب الجنائز باب ماجاء فی زیارة قبر المشرکین، صفحہ ۷۹)

مسلم کی دوسری روایت کے مطابق نبی ﷺ کے چچا ابوطالب نے نبی ﷺ کا دین قبول نہیں کیا اور ابو جہل وغیرہ کی تحریک پر عبدالمطلب کے دین پر جان دی اور جہنم واصل ہو گئے، مگر نبی ﷺ کے ساتھ شفقت کرنے کی وجہ سے جہنم کے اوپری درجے میں ہیں۔ یعنی سب سے ہلکا عذاب دیا جا رہا ہے، اور وہ یہ کہ انہیں آگ کے جوتے پہنائے گئے ہیں جن سے ان کا دماغ ہانڈی کی طرح اہل رہا ہے۔

(صحیح مسلم: جلد ۱، کتاب الایمان، باب شفاعۃ النبی ﷺ لابی طالب والتخفیف عنہ بسببہ، صفحہ ۳۲۹)

فقہ حنفی کی کتاب ”شرح فقہ اکبر“ میں ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ

وابوطالب عمہ ای عم النبی ﷺ وابوعلی مات کافراً ولم یؤمن بہ (صفحہ ۱۲۹)

”اور ابوطالب، ان کے چچا یعنی نبی ﷺ کے چچا اور علیؑ کے والد، کافر مرے اور نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائے۔“

(مگر حیرت ہے کہ فقہ حنفی کے مقلد ہونے کے دعویدار بریلوی مسلک کے صائم پشقی صاحب نے دو جلدوں میں ”ایمان ابی طالب رضی اللہ عنہ“ نامی کتاب لکھ کر ابوطالب کو مومن اور نجات یافتہ قرار دیا ہے اور اس میں تقریباً وہی دلائل ہیں جو شیعہ مسلک والے انہیں ”ابوطالب علیہ السلام“ قرار دینے کے لیے فراہم کرتے ہیں) امام جوزی ”کتاب الموضوعات“ میں لکھتے ہیں کہ

ولا یختلف المسلمون أن عبد المطلب مات کافراً، وکان لرسول اللہ ﷺ یومئذ ثمان سنین، وأما عبد اللہ فأنه مات و رسول اللہ ﷺ حمل ولا خلاف أنه مات کافراً، وکذلک آمنه ماتت و لرسول اللہ ﷺ ست سنین (صفحہ ۲۰۹)

”مسلمانوں کا اس میں اختلاف نہیں کہ عبدالمطلب کافر فوت ہوئے جبکہ رسول اللہ ﷺ کی عمر آٹھ سال تھی اور عبد اللہ اس وقت فوت ہوئے جب نبی ﷺ ابھی رحم مادر ہی میں تھے، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ بھی کافر ہی فوت ہوئے۔ اور اسی طرح آمنہ کی بھی وفات ہوئی جب رسول اللہ ﷺ چھ سال کے تھے۔“

ان تمام احادیث اور قرآنی قانون کے علی الرغم جلال الدین سیوطی صاحب لکھتے ہیں کہ

”آپؐ کے والدین آپ کے لیے زندہ کیے گئے۔ یہاں تک کہ وہ آپ پر ایمان لائے، جو کافر رہے ان کے حق میں آپؐ کی تخفیف عذاب کی دعا قبول ہوئی جیسے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ۔“

(مصابہ کبری: جلد ۲، صفحہ ۳۲۵)

پچھلے صفحات میں عنوان ۸ کے تحت قرآن و صحیح احادیث سے ثابت کیا گیا ہے کہ تمام اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں۔ جو لوگ اس کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں وہ سنن ابی داؤد کی کتاب المناسک، باب زیارة القبور اور مسند احمد کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے نبی ﷺ کو معرض اعمال ٹھہراتے ہیں حالانکہ اس کے راوی عبد اللہ بن نافع پر محدثین نے سخت جرح کی ہے اور اسے ضعیف اور منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ مذکورہ روایت میں اللہ کے رسول ﷺ سے منسوب یہ فرمان بھی ہے کہ:

لَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عَيْدًا ”میری قبر کو میلے کی جگہ نہ بنانا۔“

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے رب سے دعا مانگی کہ

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ

”اے اللہ! میری قبر کو ایسا بت نہ بنانا جو پوجا جائے۔“ (1)

اور لوگوں کو تنبیہ فرمائی کہ

اِسْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی قَوْمٍ اَتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآءِہُمْ مَّسَاجِدَ

”اس قوم پر اللہ کا غضب بھڑکتا ہے جو اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتی ہے۔“ (2)

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنی اس بیماری میں جس میں آپ

ﷺ کی وفات ہوئی فرمایا کہ

لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اَتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآءِہُمْ مَّسَاجِدَ

”اللہ یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت فرمائے جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔“

اور اس کے بعد آپ فرماتی ہیں کہ

وَلَوْ لَا ذٰلِكَ لَا بُرَءَ قَبْرُهُ غَيْرَ اَنِّيْ اَخْشَى اَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا

”اگر اس بات کا خیال نہ ہوتا تو آپ کی قبر ضرور کھلی جگہ بنائی جاتی (اور حجرے میں نہ

ہوتی) میں ڈرتی ہوں کہیں آپ کی قبر کو سجدہ گاہ نہ بنالیا جائے۔“ (3)

(1) مؤطا امام مالک: کتاب الصلوٰۃ، باب جامعۃ الصلوٰۃ، صفحہ ۱۵۰

(2) ایضاً

(3) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الجنائز، باب ۸۴۵ ما یکرہ من اتخاذا المسجد علی القبور، صفحہ ۵۷

مگر افسوس! صد افسوس کہ جس بات کے اندیشے کے پیش نظر قبر نبوی ایک بند حجرے میں بنائی گئی تھی وہ بات ہو کر رہی۔ آج اسی نبی ﷺ کی امت نے، ان کی چاہت کا دعویٰ کرنے والے نام نہاد عاشقان نے ان کی قبر کو پوجنا شروع کر دیا ہے۔ اس پر ایک عظیم الشان گنبد تعمیر کر دیا ہے جو ان کی آنکھوں کا نور، دل کا سرور، اور نہ جانے کیا کچھ ہے، جہاں ان کے دعوے کے مطابق فرشتے بھی صلوٰۃ و سلام کے لیے آتے ہیں، بے چین روحوں کو قرار، ترستی لگا ہوں کو سکون اور تڑپتے دلوں کو راحت ملتی ہے۔ ان کی نعتوں میں کچھ اسی قسم کے مضامین ہوتے ہیں۔ اس امت کو کیا ہو گیا ہے؟

خَتَمَ اللّٰهُ عَلَى قُلُوْبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (البقرہ: ۷ / النحل: ۱۰۸)

”اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے، اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔“

كَلَّا بَلْ سَكَنَ رَانَ عَلَى قُلُوْبِهِمْ (الطہ: ۱۳)

”بلکہ ان کے دلوں کو زنگ لگ گیا ہے۔“

ان کو قرآن و حدیث کی صحیح بات بتائی جائے تو گستاخی رسول کہتے ہیں، حالانکہ گستاخی رسول تو یہ ہے کہ رسول کی بات کے خلاف عمل کیا جائے، ان کی حکم عدولی اور نافرمانی کی جائے؛ نبی ﷺ قبر پر کچھ بھی بنانے سے منع فرمائیں اور انہی کی قبر پر گنبد تعمیر کر دیا جائے اور ممنوع فعل کی تاویلیں پیش کی جائیں! ملاحظہ فرمائیے اشرف علی تھانوی صاحب کا ارشاد جو انہوں نے نبی ﷺ کے مذکورہ بالا واضح احکامات کی خلاف ورزی میں آپ ﷺ کی قبر پر تعمیر کیے جانے والے گنبد خضراء کو سندِ جواز فراہم کرتے ہوئے لکھا:

”بِنَا عَلَى الْقَبْرِ (قبر پر عمارت) کی ممانعت ہے، قَبْرٌ فِي الْبِنَاءِ (عمارت میں قبر)

کی نہیں، اور نبی کی قبر پہلے سے بنی عمارت یعنی حجرہ عائشہؓ میں بنائی گئی۔“ (۱)

(۱) بحوالہ ”الخیر“ اگست / ۱۹۹۱ء، صفحہ ۳۰ تا ۴۰۔ بریلوی مکتبہ فکر کے مولوی معراج عالم نے تو ”گنبد خضریٰ“ کے نام سے ایک مستقل کتاب ہی لکھ ڈالی ہے جس میں اپنے مسلک کی تبلیغ کرتے ہوئے اسی طرح اس سبز گنبد کو جائز ٹھہرایا ہے، اس کی تعمیر و بھاکو صحابہ کا فعل قرار دیا ہے اور اس کے رد میں وارد روایات کی ایسی ”ذبردست“ تاویل کی ہے کہ اس کے ساتھ کیے جانے والے سارے مشرکانہ افعال ”کارِ ثواب“ ٹھہرتے ہیں اور قرآن و حدیث کی رو سے اس پر نکیر کرنے والے ”صحیدی وہابی گستاخ رسول“ قرار پاتے ہیں!

مولوی صاحب بڑی صفائی سے اس ذکر کو گول کر گئے کہ نبی ﷺ کی قبر پر گنبد نبی ﷺ کی وفات کے تقریباً سات سو سال بعد مصر کے مملوک حکمران منصور قلاوون نے علمائے وقت کے منع کرنے کے باوجود ابتدائی طور پر تعمیر کرایا، اور بعد کے بادشاہوں کے اضافوں سے موجودہ شکل وجود میں آئی۔ مختصر تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ الملک الناصر حسن بن محمد قلاوون (۷۴۸-۷۶۳ھ)، الملک اشرف شعبان بن حسین بن محمد (۷۶۵-۷۷۸ھ) وغیرہ دوسرے کئی مصری مملوک خلفائے عثمانی سلاطین نے اس تعمیر میں اضافے کیے۔ سلطان سلیم ثانی (۹۷۴-۹۸۲ھ) کے زمانے میں ۹۸۰ھ میں حجرے پر گنبد بنا دیا گیا۔ سلطان محمود اول (۱۱۴۳-۱۱۶۸ھ) نے گنبد کو از سر نو تعمیر کرایا، اور پہلی بار اس پر سبز رنگ کیا گیا جس کی وجہ سے یہ ”گنبد خضراء“ کہلانے لگا۔^(۱) گویا کہ اس سبز گنبد کو قائم ہوئے صرف ڈھائی سو سال ہوئے ہیں، اس سے پہلے اس کا وجود نہ تھا، بلکہ ۷۷۸ھ سے پہلے تو قبر نبوی پر کسی قسم کی کوئی عمارت تک موجود نہ تھی، صرف حجرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جو کہ بہت پہلے سے موجود تھا، اس میں کچی قبر بنی ہوئی تھی۔ ۷۷۸ھ تک کوئی بھی صحابی، تابعی یا تبع تابعی بھی موجود نہ تھا، مگر تھانوی صاحب اسی تقریر میں کہتے ہیں کہ

”خلفائے راشدین وغیرہ میں سے کسی نے اس قبر پر عمارت کی نکیر نہیں فرمائی۔ صحابہ و تابعین و تبع تابعین نے برابر اس کی حفاظت کی۔“^(۲)

یہ ان پاکیزہ ہستیوں پر اتہام ہے۔ ان کے دور میں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے پر کبھی کسی قسم کی کوئی عمارت نہیں بنائی گئی اور نبی ﷺ کے حکم پر پوری طرح عمل کیا گیا۔ یہ حکم اس وقت توڑا گیا جب ان سچے لوگوں میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا اور جھوٹے عاشق اور قبر کے پجاری پیدا ہو گئے، اور جن کے اس اقدام کی تائید و تحسین و تعریف میں مسلک پرستوں کے ”تبخر“ اسلاف و اکابر نے مندرجہ بالا قسم کی تاویلاتِ باطلہ پیش کرنی شروع کر دیں۔

(۱) وفاء الوفاء از سمہودی: جلد ۱، صفحہ ۴۳۵/ سیرت البیہ: صفحہ ۷۲/ سیرت احمد مجتبیٰ:

جلد ۳، صفحہ ۸۸، ۸۷/ تاریخ ترمذی عثمان: صفحہ ۱۸۶، وغیرہ

(۲) بحوالہ ”الخير“ اگست/ ۱۹۹۱ء، صفحہ ۳۰ تا ۴

آج یہ گنبد مرجعِ خلافت بنا ہوا ہے، اس کی تمثیلیں و تصویریں گھروں، دکانوں، دفاتروں وغیرہ میں برائے ”برکت“ آویزاں کی جاتی ہیں، ان کو چوما جاتا ہے، ان پر ہار پھول اور خوشبو ڈالی جاتی ہے، اور اسے ثواب سمجھا جاتا ہے،⁽¹⁾ ستم بالائے ستم یہ کہ دینی کتب کے سرورق اور سیپاروں اور قرآن تک میں اس گنبد کی خوشنما تصویر نظر آتی ہے! ان تصاویر کو آنکھوں سے لگایا جاتا ہے اور نبی ﷺ کی تعلیمات کی دھجیاں بکھیر دی جاتی ہیں۔ بریلوی و دیوبندی مسالک کے متفقہ ”سلف کبیر“ امداد اللہ مہاجر مکی صاحب اپنی ایک نعتیہ غزل میں اس طرح سخن طرازی فرماتے ہیں:⁽²⁾

۔ اے ماہ روشن کیجیے گزر تک تو اوھر بھی ہو جائے مرا گھر بھی منور کسی صورت
۔ ہو جائے کہیں سر سبز مرا آ جائے نظر گنبد خضر کسی

خود کو حنفی مسلک کا پیروکنے والوں کو امام ابو حنیفہ کا فتویٰ بھی پڑھ لینا چاہیے جس کو ان کے سب سے معتبر فقیہ علامہ شامی نے نقل کیا ہے:

”امام ابو حنیفہ نے قبر پر کوئی عمارت مثلاً گھر، قبہ وغیرہ بنانے سے منع کیا ہے، کیونکہ جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں نبی ﷺ سے اس کی ممانعت آئی ہے کہ قبر کو پختہ بنایا جائے، اس پر کتبہ لگایا جائے یا اس پر عمارت تعمیر کی جائے۔“⁽³⁾

محبت رسول ﷺ کا دعویٰ ہے تو آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق تمام اونچی قبریں زمین کے برابر کر دی جائیں، تمام کتبے ہٹا دیئے جائیں* اور ان پر بنے ہوئے قبے ڈھا دیئے جائیں، خواہ وہ نبی ﷺ کی قبر پر بنایا گیا گنبد خضر ہی کیوں نہ ہو، ورنہ فرمان رسول ﷺ بھی یاد رکھیں:

(1) مضمون بحوالہ ”الخیر“ اگست / ۱۹۹۱ء، صفحہ ۳۰ تا ۴

(2) کلیات امدادیہ (گلزار معرفت): صفحہ ۲۰۸

(3) فتاویٰ شامی، جلد ۱، صفحہ ۸۳۹

★ دارالعلوم، کورنگی، اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن، جو کراچی میں مسلک پرستوں کے دو بڑے مدرسے ہیں وہاں بھی مفتی شفیع عثمانی اور مولوی یوسف بنوری وغیرہ کی قبروں پر کتبے نصب ہیں۔ حیرت ہے کہ ان مدرسوں میں امام ابو حنیفہ کے فقہ ہی کی تعلیم دی جاتی ہے اور اسی کی ترویج کے لیے پورا زور صرف کیا جاتا ہے لیکن عمل پھر بھی اس کے خلاف ہی کرتے ہیں! ہاں عمل کریں گے تو صرف اس پر کہ صلوٰۃ میں ہاتھ کہاں باندھیں، انگلی کب اٹھائیں، کب گرائیں۔۔۔۔۔

”اللہ اس قوم پر لعنت کرتا ہے جو نبی کی قبر کو سجدہ گاہ بنائے۔“ (1)
 ”اللہ کا غضب اس قوم پر بھڑکتا ہے جو اپنے نبی کی قبر کو سجدہ گاہ بنالیتی ہے۔“ (2)

آج اس کلمہ گو امت کی ذلت و بد حالی کی کہیں یہی وجہ تو نہیں؟



کتاب ہذا کے اس باب کے رد میں ملاً مجیب نے جو دلائل دے کر اپنے اکابرین کے پچھلے صفحات میں منقول موقف کا دفاع کیا ہے، اُس سے سوائے اُن کی جہالت اور ہٹ دھرمی کے کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ ان کے ”حکیم الامت حضرت اشرف علی تھانوی صاحب“ کا پہلے قول نقل کیا گیا تھا کہ بناء علی القبر کی ممانعت ہے لیکن قبر فی البناء کی نہیں، جو کہ واقعتاً درست نہیں کیونکہ نبی ﷺ کی تدفین کے وقت وہاں سبز گنبد یا کسی مزار کا وجود بھی نہ تھا، لیکن ملاً مجیب فرماتے ہیں کہ ”حضرت تھانوی نے سبز گنبد اور پکی عمارت سے متعلق تو جواز و عدم جواز کسی قسم کی گفتگو نہیں فرمائی۔“ یہ ملاً موصوف کی مغالطہ آرائی بلکہ تباہل عارفانہ ہے کیونکہ دیوبندیوں کے مدرسے جامعہ خیر المدارس ملتان کے رسالے ”الخیر“ بابت اگست ۱۹۹۱ء (صفحہ ۳۰ تا ۴۷) میں اسی سبز گنبد کے فضائل کے بارے میں مضمون چھپا تھا جس میں ”حضرت تھانوی“ کی مذکورہ عبارت بھی بطور تائید کے ہی شامل مضمون کی گئی۔ اس اقتباس کا قبر نبوی پر تعمیر مزار سے (جسے مسلک پرست ”روضہ اقدس“ کہتے ہیں) متعلق ہونا پیچھے منقول اُن کے اس بیان سے ثابت ہو جاتا ہے جس میں وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ”خلفائے راشدین وغیرہ میں سے کسی نے اس قبر پر عمارت کی تکبیر نہیں فرمائی۔ صحابہ و تابعین و تبع تابعین نے برابر اس کی حفاظت کی۔“ ملاً مجیب نے اس عبارت کے خط کشیدہ لفظ کے بعد قوسین میں اپنی طرف سے ”یعنی حجرہ عائشہؓ“ کا اضافہ کر کے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے جیسے یہ عبارت صرف اس معاملے میں تھی کہ نبی ﷺ کو حجرہ عائشہ میں دفن

(1) سنن نسائی: جلد ۱، کتاب الجنائز، باب ۱۱۳۳ / اتخاذ القبور مساجد، صفحہ ۶۶۳

(2) موطا امام مالک: کتاب الصلوٰۃ، باب جامعۃ الصلوٰۃ، صفحہ ۱۵۰

کیا جائے یا نہیں حالانکہ پورے مضمون میں گنبد خضراء کی تعمیر اور حفاظت کا ذکر ہے اور اس حفاظت کو تھانوی صاحب نے صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے منسوب کر دیا۔ ملا مجیب نے یہ مفروضہ قائم کر کے سوالات بھی داغ دیئے کہ

”فرمائیے کس صحابی یا تابعی یا تبع تابعی یا امام مجتہد یا محدث نے اس حدیث ممانعت کی وجہ سے حجرہ عائشہؓ کے قبر اطہر پر ہونے کو ناپسند کیا؟ جب کسی نے ناپسند نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اس کو گرنے سے بچاتے رہے تو ان حضرات پر بہتان کیوں ہے؟“

ملا تونسوی نے بھی اپنی کتاب میں اسی طرح کی باتیں لکھی ہیں اور حسبِ عادت اس مسئلے پر پر بھی چودہ سو سالہ کسی خود ساختہ اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ قبر نبوی پر سات سو سال تک گنبد نہ ہونے کی بات جھوٹ ہے؛ قبر نبوی پر اس کی تعمیر پر صحابہ، تابعین و تبع تابعین بلکہ پوری امت نے آج تک کوئی اعتراض نہیں سوائے ہمارے۔ اللہ تعالیٰ ان مولویوں کو عقل کے صحیح استعمال کی توفیق عطا فرمائے! سوال حجرے میں قبر کی تعمیر کا نہیں بلکہ قبر پر گنبد کی تعمیر کا ہے۔ ملا موصوف ہی بتائیں کہ یہ سبز گنبد کس صحابی نے تعمیر کروایا؟ یا اس کی تعمیر کے وقت کون کون سے صحابہ، تابعین یا تبع تابعین موجود تھے؟ ان مولویوں کو تو ان سوالوں کا جواب اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کیونکہ ان کے مدوح علامہ سمہودی صاحب جن کی کتاب ”وفاء الوفاء“ اور ”خلاصۃ الوفاء“ سے بکثرت اقتباسات انہوں نے اپنی ناحق کتاب میں اپنے اکابرین کے باطل عقائد کو ثابت کرنے کے لیے درج کیے ہیں، انہوں نے اپنی مذکورہ کتب میں گنبد خضراء کی تعمیر کی تاریخ بیان کی ہے جسے خلاصۃ گزشتہ صفحات میں نقل کیا گیا ہے، جس کے مطابق یہ سبز گنبد قبر نبوی پر نبی ﷺ کی وفات کے صدیوں بعد تعمیر ہوا جب کہ خیر القرون میں سے جس کا خاتمہ دوسری صدی ہجری میں ہی ہو گیا تھا، کوئی بھی باقی نہ بچا تھا یعنی ساتویں صدی ہجری میں جب دورِ صحابہ، تابعین و تبع تابعین کو ختم ہوئے بھی چار صدیاں گزر چکی تھیں تو پھر اس کی حفاظت ان محترم ہستیوں سے کیسے منسوب کی جاسکتی ہے! اور ان ہستیوں کی جانب سے حجرہ عائشہؓ میں قبر نبوی پر کوئی اعتراض اٹھانے یا کسی قسم کی ناپسندیدگی کے اظہار کا

سوال اٹھانا ہی سرے سے باطل ہے کیونکہ وفات النبی ﷺ کے بعد تدفین کے مسئلے پر صحابہ کے جم غفیر میں ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی ﷺ کا یہ فرمان سنا دیا تھا کہ مَا قُبِضَ نَبِيٌّ إِلَّا دُفِنَ حَيْثُ يُقْبَضُ یعنی کوئی نبی نہیں مرا مگر وہ دفن کیا گیا اسی مقام پر جہاں وہ مرا۔ (ابن ماجہ: جلد ۱، کتاب الجنائز، باب ۶۵ ذکر وفاته و دفنه، صفحہ ۸۰۶، ترجمۃ وحید الزماں۔) واضح رہے کہ یہ روایت مسلک پرستوں کے اصول کے مطابق بالکل صحیح ہے۔

ملا عجیب نے صحیح مسلم کے شارح یحییٰ نووی کے حوالے سے دعویٰ کیا ہے کہ صحابہ و تابعین نے مسجد نبوی میں اضافے کرتے وقت حجرہ عائشہ کو بھی مسجد میں شامل کر دیا مگر اس کے چاروں طرف اونچی اونچی دیواریں بنادیں تاکہ کوئی قبر کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھے۔ اور پھر اس حوالے کی بنیاد پر نتیجہ بھی اخذ کر لیا کہ

”قبر اطہر پر بنائی جانے والی اس عمارت میں بہت بڑی مصلحت ہے کہ اس نے لوگوں کو قبر نبوی کے سجدے سے روک دیا ہے اور یہ کہ یہ عمارت صحابہ کرام و تابعین نے بنائی تھی نہ کہ مصر کے بادشاہ نے۔ اس نے تو زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ اس کو پختہ کر دیا جب کہ صحابہؓ نے چکی بنائی۔ اور اس پختہ کرنے میں بھی وہی حکمت ہے ورنہ ہر زمانہ میں یہ عمارت بار بار بنائی جاتی اب پختہ ہونے کے بعد بار بار بنانے کی ضرورت نہیں ہے، اور یہ اس وجہ سے بھی ممنوع نہیں کہ آپ ﷺ کی قبر اطہر تو اب بھی چکی ہے۔“

بہر حال یہ ہرگز ارشادات نبویہ کے خلاف نہیں ورنہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ عنہم نے ارشادات نبویہ کی پرواہ نہیں کی ہے۔“ (صفحہ آخر)

یہ بات قابل توجہ ہے کہ نووی کی وفات ۷۲۶ھ میں ہوئی اور ان کی اس تحریر کے وقت قبر نبوی پر کسی قسم کا کوئی گنبد نہیں تھا، نہ سفید نہ سبز جیسا کہ پچھلے صفحات میں بتایا گیا، یہ گنبد مصریوں نے سفید بنایا تھا اور سلطنت عثمانیہ میں ترکوں نے تقریباً ڈھائی سو سال پہلے اس پر سبز رنگ کر دیا، اس کے نیچے تعمیر نبی ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبروں کو دیکھنے کے لیے حجرے میں سونے کی جالیاں لگا دیں جن کو بوسے دیئے جاتے ہیں، جن سے چمٹا جاتا ہے، جہاں رخ کر کے لوگ نمازیں پڑھتے ہیں، سلام کرتے ہیں، دوسروں کا سلام پہنچاتے ہیں، آہ و زاری کرتے ہیں.....

علامہ موصوف نے یہ بے پرکی ہانک کرتا رہی حقائق کو جھٹلانے کی کوشش کی ہے۔ ہمارا ان کو مشورہ ہے کہ اکابر پرستی میں اندھے ہو کر ان کا دفاع کرنے کے بجائے تاریخ اسلام کی کسی کتاب یا کم از کم اپنے مدوح علامہ سمہودی صاحب کی مذکورہ کتب ہی دیکھ لیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کے حکم پر ۸۸ھ میں مدینہ کے گورنر عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد نبوی کی توسیع و تعمیر کی اور ازواج مطہرات کے حجرے بھی مسجد میں شامل کر دیئے۔ اس وقت قبر نبوی پر کسی گنبد کا وجود تک نہ تھا۔ یہ آپ کے مدوح علامہ صاحب کی ہی تحقیق ہے کہ ساتویں صدی ہجری میں گنبد کی ابتدائی شکل تعمیر ہوئی جس کی اس وقت کے علماء نے مخالفت کی (علامہ تونسوی اور ان کے مقلدین توجہ فرمائیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ چودہ سو سالوں میں کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی)۔ صحابہ و تابعین و تبع تابعین میں سے اس وقت کوئی زندہ ہوتا تو وہ بھی قبر پر کوئی عمارت تعمیر کرنے سے متعلق نبی ﷺ کی مذکورہ ممانعت کی تعمیل میں اس گنبد کی تعمیر کی مخالفت کرتے کیونکہ وہ قبر پرست نہیں تھے، نبی ﷺ کی کامل اطاعت کرنے والے تھے۔ وہ تو نبی ﷺ کے حکم کی تعمیل میں اونچی قبریں زمین کے برابر کر دیتے تھے (صحیح مسلم: جلد ۲ کتاب الجنائز باب الامر بتسوية القبور) تو قبروں پر کسی مزار یا گنبد کی تعمیر کیسے گوارا کر سکتے تھے!

حُبِ رسول میں غلو

ہماری سو جائیں اللہ کے پیارے رسول ﷺ پر قربان، ہمارے ماں باپ آپ پر فدا، لاکھوں کروڑوں صلوة و سلام اس عظیم ذات پر جسے اللہ تعالیٰ نے تمام عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ بلاشبہ نبی ﷺ کی محبت کے بغیر دین مکمل نہیں ہو سکتا۔ بخاری نے اپنی الجامعة الصحيح کی کتاب الایمان میں حُبِ رسول ﷺ کے جزو ایمان ہونے پر باب باندھا ہے اور فرمان رسول ﷺ نقل کیا ہے کہ

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ
وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ / وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی اس وقت تک ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے والدین اور اولاد..... اور سارے انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“ (1)

مسلم نے بھی ایسا ہی باب باندھ کر ایسے شخص کو غیر مومن قرار دیا ہے جو اپنے ماں باپ اور اولاد سے زیادہ نبی ﷺ سے محبت لازم نہ رکھے۔ (2) اور ترمذی نے اپنی جامع میں یہ روایت نقل کی ہے کہ:

مَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ
”جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔“ (3)

(1) صحیح بخاری: جلد ۸، کتاب الایمان، باب ۸ حب الرسول ﷺ من الایمان، صفحہ ۱۱۳

(2) صحیح مسلم: جلد ۸، کتاب الایمان، باب وجوب محبة رسول الله ﷺ أكثر من الاهل والولد والوالد والناس اجمعين واطلاق عدم الایمان على من لم يحبه هذه المحبة، صفحہ ۱۳۵

(3) جامع ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ: جلد ۸، باب الاعتصام، صفحہ ۵۸

ثابت ہوا کہ نبی ﷺ کی سنت اور تعلیمات سے وابستگی ہی کا نام محبت ہے، اور اس سے انحراف کفر، جیسا کہ فرمان رسول ﷺ ہے:

مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي
 ”جس نے میری سنت سے منہ موڑا، وہ مجھ سے نہیں۔“ (1)

وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ آبَى

”جس نے میری نافرمانی کی (یعنی میری تعلیمات اور سنت کے خلاف عمل پیرا ہوا) اس نے انکار کیا۔“ (2)

قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی اصول بیان کیا ہے کہ اللہ کے نبی سے وہی لوگ نزدیک ہیں جو ان کی اتباع کرتے ہیں، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام سے تعلق رکھنے کے مشرکین مکہ کے دعوے کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ:

إِنَّ أَوَّلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَأُولَئِكَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا
 وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ (آل عمران: ۶۸)

”ابراہیم سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں، اور یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں۔ اور اللہ مومنوں کا کارساز ہے۔“

صاف ظاہر ہے کہ محبت کا وہ مفہوم ہر گز نہیں جو ان فرقہ پرستوں نے سمجھ رکھا ہے۔ یہ لوگ غلو کا شکار ہیں۔ غلو ہر چیز میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ قرآن میں غلو سے منع کیا گیا ہے:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ (النساء: ۱۷۱ / المائدہ: ۷۷)

”اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو۔“

نبی ﷺ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي أَكُمُ وَالْغُلُوفِ الدِّينِ فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ الْغُلُوفِ الدِّينِ

”اے لوگو! تم دین میں غلو کرنے سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ دین میں اسی

غلو کی وجہ سے تباہ ہو گئے۔“ (3)

(1) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب النکاح کی پہلی روایت، صفحہ ۶۲

(2) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الاعتصام، باب ۱۲۰۹ الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ، صفحہ ۹۱۷

(3) سنن نسائی: جلد ۲، کتاب الحج، باب ۱۵۴۹ التقاط الحصی، صفحہ ۳۲۳/

سنن ابن ماجہ: جلد ۲، کتاب المناسک، باب ۶۱۳ قد حصی الرمی، صفحہ ۶۳۱

نبی ﷺ کی تعلیم ہر عمل میں میانہ روی کی ہے۔ (۱) حب رسول ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان اور ان کی سنت کو ہر معاملے میں مقدم رکھے، * بلکہ جان سے بھی عزیز سمجھے، اور اس پر عمل کرنے میں کسی بھی لومۃ لائم کی قطعی کوئی پروا نہ کرے، بڑے سے بڑے اکابر، امام اور علامہ کی بات اگر سنت کے خلاف ہو تو اسے ٹھکرا دے، مصلحت کوشی سے کام نہ لے۔ مگر لوگوں نے اکابر پرستی اور اندھی تقلید کے نتیجے میں حب رسول ﷺ کے عنوان سے اس قدر غلو کیا کہ نبی ﷺ کو اللہ کے برابر کر دیا۔ ان کی نعتیں پڑھ لیجیے، تو الیاں سن لیجیے، کتابوں کا مطالعہ کر لیجیے، کیا کچھ نہیں نظر آئے گا:

- ۔ بھر دو جھولی میری یا محمد لوٹ کر میں نہ جاؤں گا خالی
(غلام فرید صابری قوال کی مشہور قوالی)
 - ۔ بگڑی میری بنتی ہے ہر بات مدینے میں غم خوار محمد کی ہے ذات مدینے میں
 - ۔ ہے نور تیرا شمس و قمر میں تیرے لبوں کی لالی ثمر میں
 - ۔ پھولوں نے تیری خوشبو چرائی سارے نبی تیرے در کے سوائی
- شاہ مدینہ، شاہ مدینہ
(ریڈیو پاکستان سے نشر ہونے والی مشہور نعت)

(۱) صحیح مسلم: جلد ۶، کتاب صفات المنفقین و احکامہم، باب لن یدخل الجنة احد بعملہ بل برحمة اللہ تعالیٰ، صفحہ ۳۸۳

★ یہ بات ہر مومن و مسلم کو بہر حال واضح رہنی چاہیے کہ کسی بھی موقع و محل پر اللہ کے رسول ﷺ نے جو خاص طریقہ و طرز عمل اختیار کیا، اس موقع پر اس طریقے کی پیروی کرنا اتباع سنت ہے۔ اگر کسی ایسے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ کا کوئی طریقہ و طرز مروی نہیں تو اس موقع پر کوئی عمل نہ کرنا ہی اتباع سنت کے ذیل میں آئے گا مثلاً جنازے کے بعد دعا کرنا نبی ﷺ سے ثابت نہیں، لہذا ایسے موقع پر دعائے مانگنا ہی سنت ٹھہرے گا اور دعائے مانگنا سنت کے خلاف عمل شمار ہوگا۔ البتہ اس سے وہ اعمال مستثنیٰ رہیں گے جو اس وقت عدم دستیابی کے سبب کیے ہی نہیں جاسکتے تھے اور ان کو اب کرنا بدعت کے زمرے میں نہیں آئے گا جیسے ریلوں بسوں وغیرہ کا سفر، گھڑی چشمے کا استعمال وغیرہ۔ ان کی مثالیں اس لیے دی گئی ہیں کہ انہی سے استدلال کر کے مختلف بدعات پر عمل کرنے والے اس سے اپنی بدعات کا باطل جو اذکسید کرتے ہیں۔

و کھا دو اپنا چہرہ پیارا پیارا یا رسول اللہ خدا کا جیتے جی کر لوں نظارا یا رسول اللہ
(پاکستان ٹیلی وژن پر پیش کی جانے والی صدیق اسماعیل کی مشہور نعت)

وہی جو مستویٰ عرش تھا خدا ہو کر اتر پڑا مدینے میں مصطفیٰ ہو کر
ہمارے سرور عالم کا رتبہ کوئی کیا جانے خدا سے ملنا چاہے تو محمد کو خدا جانے
اللہ کے پہلے میں وحدت کے سوا کیا ہے جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد سے
اتھا کر مہم کا گھونگھٹ جو جھانکا تیری کملی کو تو دیکھا ذات احمدؑ میں احد روپوش رہتا ہے
شریعت کا ڈر ہے نہیں تو صاف کہدوں خدا خود رسولؐ خدا بن کے آیا
(اخبار جہاں، ۱۷-۲۳ دسمبر / ۱۹۸۲ء، صفحہ ۳۳)

خرام ناز میں آیا تو دیکھا اور پہچانا محمد مصطفیٰ یعنی خدا مٹھن کی گلیوں میں
خدا کو ہم نے دیکھا ہے سدا مٹھن کی گلیوں میں خدا بے پردہ ہے جلوہ نما مٹھن کی گلیوں میں
احد احمد ہے لیکن مہم کے پردے میں آیا ہے پہن کر یا کا پردہ فرو تھا مٹھن کی گلیوں میں *
وہی جلوہ جو قداراں پر ہوا احمد کی صورت میں اسی جلوے کو پھر عریاں کیا مٹھن کی گلیوں میں
(مولوی محمد یار دیوان محمدی، صفحات ۱۶۲، ۱۶۵ بحوالہ اہل سنت و اہل بدعت کی پہچان: صفحہ ۱۷)

فرید باصفا ہستی محمد مصطفیٰ ہستی چہا گویم چہا ہستی خدا ہستی خدا ہستی
(ایضاً، صفحہ ۱۷)

* کچھ سمجھ میں آیا؟ فرما رہے ہیں کہ ”احمد“ میں سے ”مہم“ بنادیں تو ”احد“ باقی بچتا ہے یعنی یہ صرف ”مہم“ کا ظاہری پردہ ہے ورنہ احمدؑ سرِ اُپا احد ہیں (اس پردہ مہمی پر علامہ اقبال سمیت دیگر شعراء نے بھی خامہ فرسائی فرمائی ہے جیسا کہ اوپر نقل کیا گیا اور اگلے صفحے کا خط کشیدہ شعر)۔ اسی طرح ان کے پیر ”فرید“ صاحب پر صرف ”یا“ کا پردہ ہے ورنہ اس ”فرید“ میں سے ”یا“ کو نکال دیا جائے تو پھر ”فرد“ (اکیلا یعنی رب واحد) باقی بچتا ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے یہ شعر ارشاد فرمایا ہے:

چاچڑوانگ مدینہ ڈسین کوٹ مٹھن بیت اللہ ظاہر دے وچ پیر فریدن باطن دے وچ اللہ
یعنی پیر صاحب کی جائے پیدائش بستی چاچڑاں کو شہر مدینہ سمجھو اور مٹھن کوٹ میں واقع ان کے حرار کو خانہ کعبہ جانو کہ وہ ظاہر تو پیر فرید ہیں ورنہ حقیقت میں تو یہ اللہ رب العزت ہیں! (استغفر اللہ) فقیر کا پر، حیدر آباد سے شائع کردہ ”حج فقیر بر آستانہ پیر“ نامی کتابچے میں یہ اور اسی طرح کی دوسری کفریہ باتیں لکھی ہوئی ہیں۔

- ۛ گر محمدؐ نے محمدؐ کو خدا مان لیا ہے پھر تو سمجھو کہ مسلمان ہے وغا باز نہیں
(ایضاً، صفحہ ۲۳)
- ۛ خدا کہتے ہیں جس کو مصطفیٰ معلوم ہوتا ہے جسے کہتے ہیں بندہ خود خدا معلوم ہوتا ہے
(ایضاً، صفحہ ۲۳)
- ۛ احمد احد میں فرق نہیں اے محمد عشاق یاد رکھتے ہیں ایمان نئے نئے
(ایضاً)
- ۛ ہو نعتِ بشر کیا کوئی شانِ محمد ہے جبکہ خدا خود ہی ثنائی خوانِ محمد
ۛ تخلیقِ دو عالم کے ہوئے آپ ہی باعثِ * دیکھے کوئی شان و سر و سامانِ محمد
(تبرکات کی شرعی حیثیت: صفحہ ۲۹، ۲۸)
- ۛ نگاہِ عاشق کی ڈھونڈ لیتی ہے پردہٴ میم کو اٹھا کر * وہ بزمِ شرب میں جا کے بیٹھیں ہزار منہ چھپا چھپا کر
(علامہ اقبال: بلبلِ رستن مصطفیٰ ﷺ، صفحہ ۱۳۱)
- ۛ روئے احمد سے نہ اے قیس اٹھا پردہٴ میم ورنہ ہر کوئی یہ کہتا کہ خدا کو دیکھا
(قیس رامپوری: ایضاً، صفحہ ۱۹۷)
- ۛ ملائک نے کیا تھا اس سبب سے سجدہٴ آدم کہ پیشانی سے ان کی نور تھا پیدا محمد کا
(شیفۃِ دہلوی: ایضاً، صفحہ ۹۶)
- ۛ میں گھر گیا ہوں فوجِ معاصی میں المدد کوئی نہیں نجات کا سامان یا رسول
ۛ مشکل کشا ہیں آپ امیر آپ کا غلام اب اس کی مشکلیں بھی ہوں آسان یا رسول
(امیر بیتائی: ایضاً، صفحہ ۱۰۲)
- ۛ واہ کیا جو و کرم ہے شہِ بلحا تیرا نہیں سنا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
ۛ تیرے لکڑوں سے پلے، غیر کی ٹھوکریہ نہ ڈال جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا
(رضا خاں بریلوی: ایضاً، صفحہ ۱۱۰)

★ اس تصور کی حقیقت آئندہ صفحات میں عنوان نمبر ۳۰ کے تحت کی گئی ہے۔

★ ڈاکٹر صابر گلروی کی مرتبہ ”کلیات: باقیاتِ شعر اقبال - متروک اردو کلام“ میں یہ شعر اس طرح لکھا ہوا ہے:

ۛ نگاہِ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردہٴ میم کو اٹھا کر وہ بزمِ شرب میں آ کے بیٹھیں ہزار منہ چھپا چھپا کر

- ۛ زمین و نماں تمہارے لیے کلین و مکاں تمہارے لیے
ۛ وہن میں ذباں تمہارے لیے بدن میں ہے جاں تمہارے لیے
- ۛ حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
ۛ غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا
- ۛ ڈھونڈھا ہی کریں صدر قیامت کے سپاہی
ۛ آج جو عیب کسی کا کھلنے نہیں دیتے
ۛ کبھی ایسا نہ ہوا ان کے کرم کے صدقے
- ۛ لے خبر جلد کہ غیروں کی طرف دھیان گیا
ۛ وہی ہے اوّل وہی ہے آخر
ۛ اسی کے جلوے اسی سے ملنے
- ۛ گرا رض و سما کی محفل میں لولاک لہا کا شور نہ ہو
ۛ اے کہ ترے وجود پر خالق دو جہاں کو ناز
- ۛ یہ دربار محمدؐ ہے یہاں ملتا ہے بن مانگے
ۛ یہ دربار محمدؐ ہے یہاں اپنوں کا کیا کہنا
- ۛ نور سے نور ہمکلام ، نور سے نور ہمکنار
ۛ سایہٴ جسم مصطفیٰؐ ہوتا تو کس طرح رضا
- ۛ تم کعبہٴ دل تم قبلہٴ جاں
ۛ تم واقفِ رازِ درو نہاں
- چٹیں و چٹاں تمہارے لیے بنے دو جہاں تمہارے لیے
ہم آئے یہاں تمہارے لیے اٹھیں بھی داں تمہارے لیے
(رضاخلیلوی بلبلستان مصطفیٰؐ صفحہ ۱۱۵)
- کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو
میری آنکھوں سے مرے پیارے کا روضہ دیکھو
(ایضاً صفحہ ۱۲۰)
- وہ کس کو ملے جو تیرے دامن میں چھپا ہو
(ایضاً صفحہ ۱۲۲)
- کب وہ چاہیں گے مری حشر میں رسوائی ہو
ہاتھ کے پھیلنے سے پہلے نہ بھیک آئی ہو
(ایضاً صفحہ ۱۲۵)
- میرے مولا مرے آقا ترے قربان گیا
(ایضاً صفحہ ۱۰۷)
- وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن
اسی سے اس کی طرف گئے تھے
(ایضاً صفحہ ۱۱۸)
- یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں
(ظفر علی خان: ایضاً، صفحہ ۱۲۴)
- اے کہ ترا وجود ہے وجہ وجود کائنات
(بہادر یار جنگ: بلبلستان مصطفیٰؐ صفحہ ۱۲۶)
- ارے ناویں یہاں دامن کو پھیلایا نہیں کرتے
یہاں سے ہاتھ خالی غیر بھی جایا نہیں کرتے
(حامد لکھنوی: ایضاً، صفحہ ۱۲۲)
- وصل کی رات مرحبا ، صلّ علی محمد
جسم سراپا نور تھا ، صلّ علی محمد
(نبی احمد رضا: ایضاً، صفحہ ۲۶۳)
- میں اس سے سوا کیا عرض کروں
میں حال اپنا کیا عرض کروں
(قیوم نظر: ایضاً، صفحہ ۲۲۶)

- ۱۔ ہم پر حضور یوں ہی نظر آپ کی رہے جیسے بنی ہوئی ہے ہماری بنی رہے
(مسرور کیفی: ایضاً، صفحہ ۲۵۰)
- ۲۔ کہاں کا منصب کہاں کی دولت قسم خدا کی یہ ہے حقیقت جنہیں بلایا ہے مصطفیٰ نے وہی مدینے کو جارہے ہیں
(عبدالستار خان نیازی: ایضاً، صفحہ ۲۷۴)
- ۳۔ حشر میں تم مرے عیبوں کو چھپائے رکھنا ہوں گناہوں پہ پشیمان مدینے والے ★
(الیاس قادری: ایضاً، صفحہ ۲۸۰)
- ۴۔ یَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَیَا سَيِّدَ الْبَشَرِ مِنْ وَجْهِكَ الْمُنِيرِ لَقَدْ نَوَّرَ الْقَمَرُ
۵۔ لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّهُ بَعْدَ اَرْخُدا بُوْرَکْ تُوْنِیْ قِصَّهٖ مُخْتَصَرِ
(حافظ شیرازی: بلبل رستان مصطفیٰ ﷺ، صفحہ ۶۶)

آخری دو اشعار کا مطلب ہے کہ

”اے حسن والے اور اے انسانوں کے سردار! آپ کے رخ روشن سے چاند چمک اٹھا، آپ کی تعریف و توصیف آپ کی شان کے شایاں ممکن نہیں، قصہ مختصر یہ کہ اللہ کے بعد اے پیغمبر بس آپ ہی بزرگ ہیں۔“

حالانکہ اللہ کے بعد تو کچھ بھی نہیں ہے جو اس کے برابر ہو، اسکی مثل ہو، اس جیسا تو کوئی بھی نہیں:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (اشوری: ۱۱) ”اس (تمام عالموں کے رب) جیسا کوئی نہیں۔“

حدیث میں نبی ﷺ کی ایک دعا کے الفاظ میں یہ بھی شامل ہے:

لَا إِلَهَ وَحْدَهُ أَحَدٌ جُنْدُهُ وَنَصْرَ عَبْدَهُ وَغَلَبَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ فَلَا شَيْءَ بَعْدَهُ

”اس اکیلے اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں، جس نے اپنے لشکر کو عزت دی، اور اپنے بندے (محمد ﷺ) کی مدد کی، اور اکیلے اپنے گروہوں کو غلبہ عطا کیا، پھر اس کے بعد کوئی چیز نہیں۔“ (۱)

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَّ اَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ..... الخ

★ ایک نظر ذرا پیر امداد اللہ اور ان کے مرید قاسم نانوتوی صاحبان کے اسی مضمون پر مشتمل ان اشعار پر بھی ڈال لی جائے جو عنوان ۱۱ کے تحت گزشتہ صفحات میں بیان کیے گئے ہیں جنہیں یہاں نقل کرنا طوالت کا سبب بنے گا۔

”..... اے اللہ آپ سب سے پہلے ہیں اور آپ سے پہلے کچھ نہیں، اور آپ آخر ہیں اور آپ کے بعد کچھ نہیں.....“ (1)

اللہ کاند (مد مقابل) ٹھہرانا ہی تو شرک کی جڑ ہے۔ نبی ﷺ سے پوچھا گیا:

”أَيُّ الذَّنْبِ عِنْدَ اللَّهِ أَكْبَرُ...“ ”اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کیا ہے۔“

نبی ﷺ نے جواب دیا:

”أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ...“ ”یہ کہ تو کسی کو اللہ کاند بنائے حالانکہ اللہ ہی نے تجھ کو پیدا کیا ہے۔“ (2)

جان رکھیں کہ محمد ﷺ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے آخری نبی و رسول، خاتم النبیین اور افضل البشر ہیں۔ وہی ہمارے رہبر و رہنما، قائد اعلیٰ و قائد اعظم، امام اعلیٰ و امام اعظم ہیں۔ انکی ہر بات لازم اور ہر سنت سند آخر ہے، اور سب ان کے مقلد اور پیروکار ہیں، خواہ علامہ ہوں یا اسکالر، امام یا امام زادے، لیکن وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ہمسر نہیں۔

غلو کی ایک مثال جو ان مسلک پرستوں کی کتب میں عام دیکھی جاسکتی ہے یہ ہے کہ نبی ﷺ کے لیے ایسے خطابات استعمال کیے جاتے ہیں جو صرف اور صرف اللہ ہی کو سزا دہیں مثلاً سرکار، آقا، شہنشاہ، مولا، وغیرہ۔ یہ تمام ہم معنی الفاظ ہیں اور ”مالک“ کے مترادفات ہیں جو کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جیسا کہ قرآن میں مالک کائنات نے فرمایا:

”لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ (المائدہ: ۱۲۰)

”زمین اور آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان سب پر اللہ ہی کی بادشاہت ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

اسی طرح کا مضمون کہ کائنات کی ہر شے اللہ کی ملکیت ہے، کل جہاں اور جو کچھ اس میں ہے سب پر اسی کی بادشاہت ہے، قرآن میں سورۃ الشوریٰ: آیت ۴۹، سورۃ ابراہیم: ۲،

(1) صحیح مسلم جلد ۶ کتاب الذکر والدعوات باب الدعا عند النوم، صفحہ ۲۹۸

(2) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الفرقان، باب ۸۴، قوله وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ..... ۹۵۳

سورة البقرة: ۲۵۵، ۲۸۴، اور دیگر مقامات پر متعدد بار آیا ہے۔ یہ لوگ اللہ کو مالک کائنات تو لکھتے ہیں، لیکن ساتھ ہی نبی ﷺ کے لیے بھی سرور کائنات، سرور عالم، سرور دو عالم، سرور دو جہاں، سرور کونین، سرور کون و مکاں، شاہ دو عالم، شاہ عرب و عجم، شہنشاہ کون و مکاں، سرکار دو عالم، سرکار دو جہاں، آقائے دو جہاں، سید دو جہاں، سید کونین، سید الکائنات، سید دو عالم، دو عالم کے آقا، دو عالم کے مولیٰ، مولائے کل، وغیرہ جیسے القاب استعمال کرتے ہیں جبکہ اللہ کے رسول ﷺ کی واضح نصیحت ہے کہ

لَا تَقْطُرُونِي كَمَا أَطْرَبَ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَفَقُولُوا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ
”مجھے اتنا نہ بڑھانا جتنا عیسائیوں نے مریم کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کو بڑھایا (کہ انہیں اللہ کا بیٹا تک بنا ڈالا)، میں تو اللہ کا بندہ ہوں، پس تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہنا۔“ (۱)

اب بتائیے کہ اس واضح ارشاد کے بعد بھی اللہ کے رسول ﷺ کو کسی اور نام سے پکارنا درست ہے؟ ہرگز نہیں، یہ تو رسول ﷺ کی صریح نافرمانی بلکہ دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی نافرمانی ہے۔ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ سورة الحشر آیت ۱ کی رو سے نبی رسول ﷺ نص قطعی کا درجہ رکھتی ہے۔ اس لیے اللہ کے رسول ﷺ کو صرف نبی ﷺ اور رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کچھ اور نہ کہنا کوئی گستاخی نہیں بلکہ عین اطاعت رسول ﷺ اور اتباع نبی اور اتباع صحابہ ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کو آپ ﷺ کی زندگی میں ہمیشہ یا رسول اللہ ﷺ کہہ کر مخاطب کیا۔ البتہ نبی ﷺ کے لیے خود نبی ﷺ کے بتائے ہوئے ان الفاظ کے علاوہ مذکور ماقبل الفاظ کا استعمال نبی ﷺ کی نافرمانی سمجھی جائے گی۔

نبی ﷺ کو اللہ کا ہمسر بناتے ہوئے مسلک پرستوں نے اللہ کے ننانوے معلوم اسماء حسنیٰ کی طرح نبی ﷺ کے بھی ننانوے اسماء حسنیٰ بنا لیے ہیں جو کہ ان لوگوں کے مطبوعہ قرآن کے آخری صفحے پر دیئے ہوئے ہوتے ہیں۔ صحیح اور مستند احادیث میں نبی ﷺ نے اپنے پانچ نام

(۱) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب بدء الخلق، احادیث الانبیاء، باب ۳۴۸ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ

بتائے ہیں: محمد، احمد، حاشر، حاجی اور عاقب۔ (۱) لیکن صحابہ کرام ﷺ نبی ﷺ کو آپ کا نام لے کر پکارنا معیوب خیال کرتے تھے، اور آپ کے مذکورہ بالا حکم کی تعمیل میں رسول اللہ ﷺ ہی کہا کرتے تھے۔ (۲) آخر ان نام نہاد عاشقان رسول کو نبی ﷺ کے احکام و تعلیمات سے اتنی چڑکیوں ہے کہ ان کا عقیدہ و عمل بالکل ان کے خلاف ہے؟

اسی طرح نبی ﷺ کے نام کے ساتھ حضور، آنحضور، حضرت، آنحضرت کا سابقہ بھی لگایا جاتا ہے، حالانکہ پورے قرآن مجید میں اور تمام ذخیرہ احادیث میں کہیں بھی ایسے الفاظ استعمال نہیں ہوئے۔ احادیث کی تمام کتب میں اور کتب ہائے فقہ میں، بلکہ تمام عربی کتب میں نبی ﷺ اور رسول اللہ ﷺ کے الفاظ ہی نظر آئیں گے۔ کہنے کو تو یہ لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم احترام اور تعظیم کے لیے یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ صحابہ کرام ﷺ سے زیادہ نبی ﷺ کا احترام کرنے کے دعوے دار ہیں؟ یہ لوگ اس کے معنی پر کبھی غور نہیں

(۱) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب المناقب، باب ۳۰، ما جاء في اسماء رسول الله ﷺ، صفحہ ۸۳/ مؤطا امام مالک کی آخری روایت، صفحہ ۷۰۔ مگر جلال الدین سیوطی صاحب اپنے ”محدث“ ہونے کا ثبوت یہ کہہ کر دیتے ہیں کہ ”آپ کے ایک ہزار نام ہیں؛ اللہ تعالیٰ کے نام سے اسم مبارک اخذ کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ میں سے ستر آپ کے بھی نام ہیں۔“ (خصائص کبریٰ: جلد ۲، صفحہ ۳۲۵)

(۲) صحیح مسلم: جلد ۱، کتاب الحيض، باب بيان صفة منى الرجل والمرأة، صفحہ ۲۸۵ اور خطاب کرتے وقت ندائیہ ترکیب میں ”یا رسول اللہ“ کہا کرتے تھے جس کا اطلاق صرف حین حیات میں ہو سکتا ہے لیکن جہالت دیکھیے کہ ہرقت المدد یا رسول اللہ کی پکاریں لگانے والے مسلک پرست اپنی ندائیہ پکاریں، یا رسول اللہ کا نفرنس، بزم یا رسول اللہ، تحریک یا رسول اللہ وغیرہ کے ثبوت میں صحابہ کرام ﷺ کے مذکورہ عمل کو پیش کر دیا کرتے ہیں! اسی طرح صحابہ کرام ﷺ کے نبی ﷺ کے اپنی حین حیات میں خطاب کرنے پر ”لبیک یا رسول اللہ“ کہنے سے غلط استدلال کرتے ہوئے آج یہ لوگ وفات النبی ﷺ کے چودہ سو سال بعد بھی (یعنی نبی ﷺ کے خطاب کے ہی) ”لبیک یا رسول اللہ“ یعنی میں حاضر ہوں کے نعرے بلند کرتے ہیں، دیواروں پر لکھتے ہیں، انگرز لگاتے ہیں (شیعہ مسلک والوں نے لبیک یا رسول اللہ کی جگہ لبیک یا حسین کا نعرہ اختیار کیا ہوا ہے)۔۔۔۔۔ یہ بالکل اسی طرح کا بہت ہی ”عالمانہ“ استدلال ہے جس طرح مختلف گینوں میں نفع و نقصان کا مشرکانہ عقیدہ رکھنے والے لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یا قوت و مرجان کا ذکر تو خود قرآن میں آیا ہے! حالانکہ سورۃ الرحمن میں ان پتھروں کا نام بطور جوہرات کے آیا ہے نہ کہ نافع و ضار و کار ساز کے معنوں میں!

کرتے۔ یہ چاروں الفاظ حَضَر سے نکلے ہیں جس کے معنی ہیں حاضر ہونا یا موجود ہونا۔ اللہ کے رسول ﷺ وفات پا کر اپنے رفیق اعلیٰ رب سے جا ملے ہیں اور جنت الفردوس کے اعلیٰ ترین مقام ”الوسیلہ“ میں ہیں (تفصیل پیچھے گزر چکی ہے) اور اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ البتہ آپ ﷺ کے فرمان ہماری رہنمائی کے لیے تاقیامت موجود ہیں۔ لہذا حضور، حضرت وغیرہ کہنے والے کا عقیدہ نبی ﷺ کو حاضر ماننے کا نہ بھی ہو، جو کہ سراسر شرک ہے، تو بھی اس طرح کے شبہات والے مشرکانہ الفاظ سے گریز ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا کہ محض ظاہری شبہات سے بچنے کے لیے مومنوں کو اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا کہ یہودیوں کی طرح نبی ﷺ کے لیے ذاعیناً کے الفاظ استعمال نہ کریں اور اس کا متبادل بتادیا کہ اُنْظُرْنَا کہدیا کرو۔ (البقرہ: آیت ۱۰۴)

تبلیغ والوں میں لفظ ”حضور اقدس“ بہت مستعمل ہے۔ ”اقدس“ تفضیل کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں سب سے زیادہ پاکیزہ، اور جاننا چاہیے کہ سب سے زیادہ پاکیزہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ نبی ﷺ سے محبت اور آپ کے احترام کا دعویٰ کرنے اور یہ الفاظ استعمال کرنے والے کیا رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے بھی حب رسول ﷺ اور احترام و تعظیم میں سبقت لے جانا چاہتے ہیں؟ انہوں نے تو کبھی نبی ﷺ کو اس طرح مخاطب نہیں کیا۔ نبی ﷺ کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی لفظ ”حضرت“ استعمال کرنا مندرجہ بالا وضاحت کی روشنی میں مناسب نہیں ہے۔ خیر القرون میں ان الفاظ کا استعمال مفقود ہے۔

غلو کی ایک بدترین مثال حسین احمد مدنی کا وہ قول ہے جس میں انہوں نے ”یا رسول اللہ“، ”یا محمد“ اور خطاب کے صیغے کے ساتھ اس طرح صلوٰۃ و سلام پڑھنے یعنی اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلُ اللّٰہِ کو جائز کہا ہے۔^(۱) جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا، ان سے پہلے ان کے پیشوا امداد اللہ مہاجر کی صاحب بھی اسی طرح کا فیصلہ دے چکے ہیں،

لیکن وہ اس صلوٰۃ و سلام کو پیش کرنے کے لیے مؤدب کھڑا ہونا بھی مستحب سمجھتے تھے۔
 (۱) اپنے چشتی مریدوں کو تصوف کے جو اذکار و اشغال تلقین فرماتے، ان میں انہی مذکورہ الفاظ کے ساتھ صلوٰۃ و سلام بھی اکیس مرتبہ پڑھنے کو کہتے جن میں ”يَا حَبِيبُ اللّٰه“ اور ”يَا نَبِيَّ اللّٰه“ کا اضافہ بھی ہوتا۔ (۲) اور انہی کلمات کے ذریعے نبی ﷺ کی خواب میں زیارت کرنے کا طریقہ بھی بیان فرماتے۔ (۳) بیداری میں نبی ﷺ کی زیارت کرنے کے لیے ایک ہزار مرتبہ یا احمد، یا محمد اور یا رسول اللہ ﷺ کہنے کا پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے۔ (۴)

گزشتہ صفحات میں عنوان ۶ کے تحت قرآن و حدیث سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ نبی ﷺ اوقات پاکر جنت الفردوس کے اعلیٰ ترین مقام میں ہیں اور مدینے والی قبر میں نہیں ہیں۔ ”یا“ حرف ندا ہے اور کسی کو پکارنے اور مخاطب کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور انہی لوگوں کو پکارا جاتا ہے جو نظروں کے سامنے موجود ہوں۔ چونکہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے رب کے پاس ہیں، ہمارے سامنے موجود نہیں، اس لیے صیغہ خطاب ”یا“ کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پڑھنا جائز نہیں، کیونکہ یہ ایک دعا ہے، پکار ہے اور

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ ط (الرعد: ۱۳)۔ ”اسی (اللہ) کی پکار حق ہے“

اور

وَأَنْ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الْبَطْلُ (الن: ۳۰)

”اور اس کے سوا دوسروں کو جنہیں یہ پکارتے ہیں وہ باطل ہیں۔“

اب چونکہ

الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ... ”وعا ہی عبادت ہے“ (۵)

اور

(۱) کلیات امدادیہ (فیصلہ ہفت مسئلہ): صفحہ ۸۴

(۲) کلیات امدادیہ (ضیاء القلوب): صفحہ ۱۵

(۳) کلیات امدادیہ (ضیاء القلوب): صفحہ ۶۱

(۴) کلیات امدادیہ (ضیاء القلوب): صفحہ ۴۵

(۵) جامع ترمذی: جلد ۲، ابواب الدعوات، باب فضل الدعاء، صفحہ ۲۳۱

الَّتَحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ

”تمام زبان، بدنی اور مالی عبادات اللہ ہی کے لیے ہیں“

اس لیے یا رسول اللہ ﷺ، یا علی، یا غوث، وغیرہ کے نعرے مشرکانہ ہیں، جن کی کوئی دلیل نہیں

:

وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ

رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفِيهِمْ أَنْكَفِرُونَ (المومنون: ۱۷)

”اور جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسرے معبودوں کو پکارتے ہیں ان کے پاس کوئی سند نہیں۔ ان کا

حساب اللہ کے پاس ہے۔ بیشک کافر فلاں نہ پائیں گے۔“

سورۃ الاحقاف میں بھی مالک نے غیر اللہ کی پکاروں کو مگر اہی قرار دیا ہے:

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ

الْقِيَمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ (الاحقاف: ۵)

”اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کے سوا ایسوں کو پکڑے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے

سکیں اور وہ ان کی پکاروں سے غافل ہیں۔“

عنوان ۸ کے تحت گزشتہ صفحات میں عرضِ اعمال کی بحث میں بخاری کی حوض کوثر والی روایت آئی تھی کہ

إِنَّكَ لَا تَتَذَرُنِي مَا أَحَدْتُوْا بَعْدَكَ

”(اے نبی!) آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد کیا نئی باتیں دین میں نکالیں۔“

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ ”یا رسول اللہ“، ”یا نبی“، ”یا محمد“ وغیرہ جیسی پکاروں سے لاعلم ہیں اور محولہ بالا سورۃ الاحقاف کی آیت کی روشنی میں ایسا کرنا سخت گمراہی ہے۔

اگر کوئی شخص یہ نکتہ لائے (دوران گفتگو مسلک پرستوں نے اس کا بھی اظہار کیا ہے) کہ

جناب نظروں کے سامنے تو اللہ بھی موجود نہیں، لہذا ”یا اللہ“ بھی نہ کہنا چاہیے، تو ایسے شخص کو معلوم ہونا چاہیے کہ بیشک ذات کے اعتبار سے تو اللہ عرش پر مستوی ہے، مگر اپنے علم، اقتدار، اختیار، تصرف کے اعتبار سے وہ ہر جگہ موجود ہے۔ وہ تو انسان سے اس کی شہ

رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، سمیع و بصیر اور علیم و خبیر ہے، اس کے سوا کوئی اور اس صفت سے متصف نہیں۔ درج ذیل قرآنی آیات کا مطالعہ کیجیے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ مَا يَكُونُ مِنْ
نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَاسِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا آدْنَىٰ مِنْ
ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرًا إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ آيْنَ مَا كَانُوا ۖ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا
يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (المجادلہ: ۲۷)

”کیا تم کو خبر نہیں کہ زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا اللہ کو علم ہے؟ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ہو اور ان کے درمیان چوتھا اللہ نہ ہو، یا پانچ آدمیوں میں سرگوشی ہو اور ان کے اندر چھٹا اللہ نہ ہو۔ خفیہ بات کرنے والے خواہ اس سے کم ہوں یا زیادہ، جہاں کہیں بھی ہوں، اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر قیامت کے روز وہ ان کو بتا دے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔“

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (الحدید: ۴)

”اور تم جہاں کہیں ہوتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔“

ان مذکورہ آیات کے یہی معنی ہیں؛ وہ العلیم، الخبیر، السميع اور البصیر ہے؛ کوئی چیز بھی اس کے کلی علم، خبر، سماعت اور بصارت سے چھپی نہیں؛ وہ تو دلوں کے حال تک سے واقف ہے۔ (سورۃ الملک: ۱۲، وغیرہ)

نبی ﷺ نے صحابہؓ کے استفسار پر انہیں وہ درود تعلیم فرمایا جو نماز میں پڑھا جاتا ہے، یعنی درود ابراہیمی۔ (۱) کسی بھی صحیح روایت میں صحابہؓ سے خطاب کے صیغے کے ساتھ صلوٰۃ و سلام ثابت نہیں۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نبی ﷺ کی قبر پر درود پڑھنے کی موطا امام مالک کی روایت کی حقیقت پیچھے بیان کی جا چکی ہے۔ اور اس روایت میں بھی خطاب کے ساتھ صلوٰۃ و سلام نہیں ہے۔ نہ ہی نبی ﷺ کی وفات کے بعد کسی نے ”یا“ کے ساتھ

(۱) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب بدء الخلق، احادیث الانبیاء، باب ۳۱۳ یزید بن النسلان فی المشی، صفحہ ۳۶۴

انہیں مخاطب کیا، کیونکہ وہ لوگ قرآن کے پڑھنے اور سمجھنے والے تھے، نبی ﷺ کی صحبت میں رہ کر اس کے مفہوم کو خوب سمجھ چکے تھے۔ انہوں نے اس میں پڑھا تھا کہ:

وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٨٤﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا
أُخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ
تُرْجَعُونَ ﴿٨٥﴾ (القصص: ۸۴، ۸۵)

”اور اپنے رب کو پکارتے رہو اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہونا اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو الہ بنا کر نہ پکارنا کہ اس کے سوا کوئی الہ نہیں۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے۔ حکم اسی کا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔“

مسلک پرستوں میں سے بعض اپنے اس فعل باطل کے ثبوت میں کہتے ہیں کہ نماز جیسی عبادت میں تو خود نبی ﷺ نے تشہد میں خطاب یہ انداز میں اَسْلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ (اے نبی آپ پر سلامتی ہو) پڑھنے کا حکم دیا، تو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ادبی انداز ہے جس میں کسی کے احسان کی وجہ سے بیساختہ اس کے لیے دعا نکل جاتی ہے، جیسے نیک و فرمانبردار اولاد بعض مواقع پر پکارا اٹھتی ہے کہ اے میرے ابا جان! آپ نے میری تربیت کے لیے کتنی محنت کی۔ اس میں مردہ والد کو سنانے کا کوئی خیال نہیں ہوتا، صرف دل کے جذبات ہوتے ہیں جن کا بے ساختہ اظہار ہو جاتا ہے، کبھی دعائیہ کلمات کے ساتھ اور کبھی ان کے بغیر۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تشہد میں یہ الفاظ دعاء کے طور پر کہتے تھے، نبی ﷺ کو مخاطب نہیں کرتے تھے۔ ویسے صحیح بخاری و موطا امام مالک میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کی یہ روایت بھی ملتی ہے کہ ان لوگوں نے نبی ﷺ کی وفات کے بعد خطاب کے الفاظ کے ساتھ تشہد میں سلام یعنی اَسْلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ (اے نبی آپ پر سلامتی ہو) کہنا چھوڑ دیا تھا اور بغیر حرف ندا کے اَسْلَامُ عَلَی النَّبِیِّ (یعنی نبی پر سلامتی ہو) کہنے لگے تھے۔ (۱)

(۱) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الاستئذان، باب ۴۰۸، الاخذ بالیدین، صفحہ ۵۰۱/

موطا امام مالک، کتاب الصلوٰۃ، صفحہ ۸۰

ایک اور بات بھی جو نوٹ کرنے کے قابل ہے وہ یہ کہ اَلْسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کے مطابق وہ تہنیتی و تحیتی الفاظ ہیں جو معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ سے کہے تھے اور جس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

اَلْسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلَىٰ عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ

”سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر“ (1)

ویسے تو اللہ اور اسکے ملائکہ نبی ﷺ کے ساتھ ساتھ دوسرے سب مومنین پر بھی رحمت و سلامتی بھیجتے ہیں :

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَ مَلَائِکَتُهُ لَیُعْرِجُکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَیَّ
النُّوْرِ ۚ وَ کَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا (الاحزاب: ۴۳)

”وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی، تاکہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے، اور اللہ مومنوں پر مہربان ہے۔“

لیکن معراج میں نبی ﷺ نے یہ رحمت و سلامتی کی دعا خود سنی تھی، اور چونکہ دوسرے بندوں کی طرح ایک نبی بھی اللہ کی رحمت، برکت و سلامتی کا ہمیشہ محتاج ہوتا ہے، اس لیے اس عظیم واقعے کی یادگار کے طور پر یہ الفاظ فریضہ صلوٰۃ کا دائمی و ابدی حصہ بنادیئے گئے تاکہ قیامت تک نبی ﷺ پر سلامتی، رحمت و برکت بھیجی جاتی رہے۔ اس میں نبی ﷺ کے سننے یا سنائے جانے والی کوئی بات ہرگز نہ تھی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کام بھی نبی ﷺ کے ہاتھوں اللہ کی مرضی سے ہی ہوا کیونکہ

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحٰی یُوحٰی ﴿۱۷﴾ (النجم: ۳، ۴)

”وہ (رسول) اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا، یہ تو وہی چیز ہوتی ہے جو بذریعہ وحی انہیں حکم کی گئی۔“
حب رسول ﷺ میں غلو کا شکار ہو کر لوگ یہ بھی کہہ بیٹھتے ہیں کہ

(1) بحوالہ حاشیۃ علی باب الشہد، جامع ترمذی عربی، مطبوعۃ قرآن محل، کراچی،

”ہمارا اور ہمارے مشائخ کا یہ عقیدہ ہے کہ سیدنا و مولینا وحیدنا و شفیعنا محمد رسول اللہ ﷺ تمام مخلوق سے افضل اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے قرب و منزلت میں کوئی شخص آپ کے برابر تو کیا قریب بھی نہیں ہو سکتا۔ آپ سردار ہیں جملہ انبیاء اور رسل کے اور خاتم ہیں سارے بزرگوں اور نبیوں کے جیسا کہ نصوص سے ثابت ہے اور یہی ہمارا عقیدہ ہے اور یہی دین اور ایمان، اسی کی تصریح ہمارے مشائخ بخیر تصانیف میں کر چکے ہیں۔“ (۱)

فضیلت محمدی سے تو کسی کافر ہی کو انکار ہو سکتا ہے۔ نبوت کے عظیم الشان سلسلے کو اللہ نے آپ ﷺ پر تمام کیا؛ آپ ﷺ قیامت تک کے لیے ساری انسانیت، ساری مخلوق اور ساری کائنات کے نبی ہیں؛ آپ ﷺ کے بعد اس عظیم رتبے پر کوئی نہیں پہنچے گا۔ (۲) ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد مروی ہے:

فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتِّ أَعْظِيَتْ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِأَلْوَاعِ
وَأَحْلَلْتُ لِي الْغَنَائِمَ وَجُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ طَهُورًا وَمَسْجِدًا وَأُرْسِلْتُ
إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِي النَّبِيُّونَ (۳)

”مجھ کو چھ باتوں کی وجہ سے دوسرے نبیوں پر فضیلت دی گئی:

(۱) مجھ کو وہ کلام دیا گیا جس میں الفاظ تھوڑے اور معنی بہت ہیں (یعنی کلام وحی)،

(۲) رعب کے ذریعے سے مجھے مدد دی گئی،

(۳) میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا،

(۴) میرے لیے ساری زمین پاک کرنے والی اور مسجد (یعنی صلوٰۃ کے قابل) بنا دی گئی،

(۵) مجھے تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا،

(۶) اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم ہوا۔“

ایک دوسری روایت میں اس طرح آیا ہے:

(۱) عقائد علمائے دیوبند اور حسام الحرمین، صفحہ ۲۳۱

(۲) سورة الاحزاب: ۴۰/ سبأ: ۲۸/ الاعراف: ۱۵۸/ صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب المناقب، باب

۳۷۰ ماجاء فی اسماء رسول اللہ ﷺ، و باب ۳۷۱ خاتم النبیین ﷺ، صفحہ ۳۸۳/ صحیح مسلم:

جلد ۶، کتاب الفضائل، باب ذکر کوثرہ ﷺ خاتم النبیین، صفحہ ۱۸

(۳) صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب المساجد، پہلا باب، صفحہ ۹۹

أَعْطَيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي نُصِرْتُ بِأَمْرِ عِبِ
مَسِيرَةَ شَهْرٍ وَجَعَلْتُ لِي الْأَرْضَ مَسْجِدًا وَطَهُورًا وَآيَةً رَّجُلٍ مِّنْ
أُمَّتِي أَدْرَكْتُهُ الصَّلَاةَ فَلْيُصَلِّ وَأُحِلَّتْ لِي الْغَنَائِمُ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ
إِلَى قَوْمِهِ خَصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً وَأَعْطَيْتُ الشَّفَاعَةَ^(۱)

”مجھ کو پانچ باتیں ایسی ملیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملیں:

(۱) ایک مہینے کی راہ سے میرا رب ڈال کر میری مدد کی گئی،

(۲) میرے لیے ساری زمین پاک کرنے والی اور مسجد بنادی گئی کہ میری امت کے جس

شخص کو جہاں صلوٰۃ کا وقت آجائے، وہ ادا کر لے،

(۳) میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا،

(۴) پہلے انبیاء خاص اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے جبکہ مجھے سب لوگوں کو طرف بھیجا گیا،

(۵) اور مجھے شفاعت دی گئی۔“

ایک طویل روایت میں فرمایا:

أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

”میں لوگوں کا سردار ہوں گا قیامت کے دن۔“^(۲)

ایک جگہ فرمایا:

أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ وَأَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشْفِعٍ

”میں سردار ہوں آدم کی اولاد کا، اور سب سے پہلے میرے اوپر سے زمین پھٹے گی (یعنی میں

سب سے پہلے قبر سے نکلوں گا)، اور میں سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے

میری شفاعت قبول ہوگی۔“^(۳)

دوسری جگہ فرمایا:

إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ كُنْتُ إِمَامَ النَّبِيِّينَ وَخَطِيبَهُمْ وَصَاحِبَ

شَفَاعَتِهِمْ غَيْرَ فَخْرٍ

(۱) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب ۲۹۶، قول النبی ﷺ جعلت لی الارض مسجدا و

طهورا، صفحہ ۲۶۹

(۲) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب الانبیاء، باب ۳۰۵، قول اللہ تعالیٰ إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا... اللہ، صفحہ ۲۹۳

(۳) سنن ابی داؤد: جلد ۳، کتاب السنۃ، باب ۴۰۰ فی تخیر بین الانبیاء علیہم السلام، صفحہ ۴۰۹

”جب قیامت کا دن ہو گا تو میں سارے نبیوں کا امام ہوں گا اور ان کا خطیب (یعنی ان کی طرف سے بات کرنے والا) اور ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا اور اس میں کچھ فخر نہیں۔“ (1)

شفاعت کی ایک طویل روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

أَيُّ رَبِّ خَلَقْتَنِي سَيِّدَ وَلَدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ وَأَوَّلَ مَنْ تَلْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ

”اے رب! تو نے مجھے اولاد آدم کا سردار بنایا اور کچھ فخر نہیں، اور یہ کہ سب سے پہلے روز قیامت میرے اوپر سے زمین شق ہوگی اور کچھ فخر نہیں۔“ (2)

ذیل میں مناقب رسول ﷺ پر جامع ترمذی سے کچھ روایتیں، ان کی صحت سے صرف نظر کرتے ہوئے، درج کی جاتی ہیں:

إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ ثُمَّ جَعَلَهُمْ فِرْقَتَيْنِ فَجَعَلَنِي فِي
خَيْرِهِمْ فِرْقَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ قَبِيلَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ
بُيُوتًا فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ بُيُوتًا وَخَيْرَهُمْ نَفْسًا

”اللہ نے ساری مخلوق کو پیدا کیا اور ان کے اچھے لوگوں میں مجھے بنایا۔ پھر ان کے دو گروہ کر دیئے اور مجھے ان کے اچھے گروہ میں بنایا۔ پھر ان کے قبیلے بنا دیئے اور مجھے ان کے اچھے قبیلے میں بنایا۔ پھر ان کے گھرانے بنا دیئے اور مجھے ان کے اچھے گھرانے میں سے بنایا، اور ان کی اچھی ذات میں پیدا کیا۔“ (3)

أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ خُرُوجًا إِذَا بُعِثُوا وَأَنَا خَطِيبُهُمْ إِذَا وَفِدُوا وَأَنَا مُبَشِّرُهُمْ
إِذَا يَسْأَلُونَ الْيَوْمَ يَوْمَ يَبْدَأُ وَأَنَا أَكْرَمُ وَلَدِ آدَمَ عَلَى رَبِّي وَلَا فَخْرَ

”جب لوگ (قبروں سے) دوبارہ اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلا نکلنے والا شخص میں ہوں گا۔ اور میں خطیب ہوں ان کا جب وہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ اور میں انہیں خوشخبری

(1) سنن ابن ماجہ: جلد ۳، کتاب الزہد، باب ۳۷ ذکر الشفاعۃ، صفحہ ۲۰۵/ جامع ترمذی:

جلد ۲، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ، صفحہ ۲۲

(2) مسند احمد: (۱/۵) (مسند ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ) جلد ۱، حدیث نمبر ۱۶، صفحہ ۱۰

(3) جامع ترمذی: جلد ۲، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ، صفحہ ۲۳

سنانے والا ہوں جب وہ ناامید ہوں۔ حمد الہی کا جھنڈا قیامت میں میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اپنے رب کے نزدیک ساری اولاد آدم سے بہتر ہوں، اور کچھ فخر نہیں۔“ (1)

أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ فَأَكْسِي الْحُلَّةَ مِنْ حُلِيِّ الْجَنَّةِ ثُمَّ أَقُومُ عَنْ يَمِينِ الْعَرْشِ لَيْسَ أَحَدٌ مِنَ الْخَلَائِقِ يَقُومُ ذَلِكَ الْمَقَامَ غَيْرِي
”لوگوں میں سب سے پہلے مجھ پر سے زمین شق ہوگی اور مجھے جنت کے جوڑوں میں سے ایک جوڑا پہنایا جائے گا اور پھر میں عرش کے داہنی جانب کھڑا ہوں گا۔ اس مقام پر میرے سوا کوئی دوسرا شخص کھڑا نہ ہوگا۔“ (2)

سَلُّوْا لِلّٰهِ لِي الْوَسِيْلَةَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْوَسِيْلَةُ قَالَ اَعْلٰى دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ لَا يَتَاَلٰهٰهَا اِلَّا رَجُلٌ وَّاحِدٌ اَزْجُوْا اَنْ اَكُوْنَ اَنَا هُوَ
”میرے لیے اللہ سے وسیلہ مانگا کرو۔ کہا کہ وسیلہ کیا ہے اے اللہ کے رسول! فرمایا جنت میں ایک اعلیٰ مقام ہے جو سوائے ایک شخص کے کسی کو نہ ملے گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں گا۔“ (3)

اَنَا سَيِّدٌ وُلِدَ اَدَمُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَبَيِّدِيْ لِيْوَايَ الْتَحَدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَّبِيٍّ يَوْمَئِذٍ اَدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِيْوَايَ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ وَلَا فَخْرَ
”میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور کچھ فخر نہیں، اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور کچھ فخر نہیں، اور اس روز کوئی نبی نہیں مگر سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے خواہ آدم ہوں یا کوئی اور، اور سب سے پہلے میرے اوپر سے زمین چھٹے گی، اور کچھ فخر نہیں۔“ (4)

جَلَسَ نَاسٌ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَنْتَظِرُوْنَ وَنَهْ قَالَ فَخَرَجَ حَتّٰى اِذَا دَنَا مِنْهُمْ سَمِعُوْهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ فَسَمِعَ حَدِيْثَهُمْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ عَجَبًا اِنَّ

(1) جامع ترمذی: جلد ۲، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ، صفحہ ۲۳۳

(2) جامع ترمذی: جلد ۲، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ، صفحہ ۲۳۳

(3) جامع ترمذی: جلد ۲، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ، صفحہ ۲۳۳

(4) جامع ترمذی: جلد ۲، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ، صفحہ ۲۳۳

اللّٰهُ اتَّخَذَ اِبْرٰهِيْمَ مِنْ خَلْقِهٖ خَلِيْلًا وَقَالَ اٰخِرُ مَاذَا يٰ اَعْجَبَ مِنْ كَلَامِ
مُوسٰى كَلِمَتُهٗ تَكْلِيْمًا وَقَالَ اٰخِرُ فَعِيْسٰى كَلِمَتُهٗ اللّٰهُ وَرُوْحُهٗ وَقَالَ اٰخِرُ
اٰدَمُ اَصْطَفَاہُ اللّٰهُ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ وَقَالَ سَمِعْتُ كَلَامَكُمْ وَتَحِبُّكُمْ اِنَّ
اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلُ اللّٰهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ وَمُوسٰى نَبِیُّ اللّٰهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ وَعِیْسٰى
رُوْحُهٗ وَكَلِمَتُهٗ وَهُوَ كَذٰلِكَ وَاٰدَمُ اَصْطَفَاہُ اللّٰهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ اِلَّا وَاَنَا
حَبِيْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشْفَعٍ یَّوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا
فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ یُّحَرِّكُ حَلَقَ الْجَنَّةِ فِیْقَتُهٗ اللّٰهُ لِیْ فِیْدُ خَلِیْنِهَا وَمَعِیْ
فُقَرَاۤءُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَكْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَلَا فَخْرَ

”رسول اللہ ﷺ کے کچھ صحابی آپ کے انتظار میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ آپ ﷺ باہر آئے تو ان کی باتیں سنیں۔ ان میں سے کچھ نے تعجب سے کہا کہ اللہ نے اپنی مخلوق میں ابراہیم کو دوست بنالیا۔ دوسرے نے کہا کہ اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اللہ نے موسیٰ سے باتیں کیں۔ دوسرے نے کہا کہ عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں۔ اور کسی نے کہا کہ اللہ نے آدم کو منتخب کر لیا۔ آپ ﷺ ان کی طرف نکلے اور سلام کر کے فرمایا کہ میں نے تمہاری باتیں سنیں اور تمہارے اس تعجب کو بھی ملاحظہ کیا کہ ابراہیم خلیل اللہ ہیں، اور وہ واقعی ایسے ہی ہیں، اور یہ کہ موسیٰ چنے ہوئے ہیں اللہ کے، اور وہ واقعی ایسے ہی ہیں، اور یہ کہ عیسیٰ اس کی روح اور کلمہ ہیں، اور وہ واقعی ایسے ہی ہیں، اور یہ کہ اللہ نے آدم کو منتخب کر لیا، اور وہ واقعی ایسے ہی ہیں۔ مگر میں اللہ کا حبیب ہوں اور کچھ فخر نہیں، اور قیامت میں حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور کچھ فخر نہیں، اور روز قیامت سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور کچھ فخر نہیں، اور سب سے پہلے میں ہی جنت کا کنڈہ لادوں گا تو اللہ اسے میرے لیے کھول دے گا اور مجھے اس میں داخل کر دے گا اور میرے ساتھ غریب مومن ہوں گے اور کچھ فخر نہیں، اور میں اگلوں اور پچھلوں میں سب سے زیادہ بزرگ ہوں اور کچھ فخر نہیں۔“ (1)

مندرجہ بالا احادیث نقل کرنے کا مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ اللہ کے آخری رسول ﷺ کو واثقاً بہت سی فضیلتیں حاصل ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا کہ

”تم لوگ اللہ کے نبیوں کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دیا کرو۔ جب صور پھونکا جائے گا تو سارے آسمان وزمین والے بیہوش ہو جائیں گے۔ سوائے ان کے جن کو اللہ نہ کرنا چاہے۔ پھر جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے میں بیدار ہوں گا اور موسیٰ کو عرشِ تھا سے ہونے دیکھوں گا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ جو کوہ طور کے دن بے ہوش ہوئے تھے وہ بے ہوشی اس کے بدل ہو گئی (اور اب وہ بے ہوش نہ ہوئے) یا مجھ سے پہلے بیدار ہو گئے۔ اور میں نہیں کہتا کہ کوئی یونس بن متیٰ سے افضل ہے۔“ (1)

یہ بات متعدد احادیث میں بیان ہوئی ہے۔ مسلم نے اس کو اس طرح روایت کیا ہے کہ ”مجھے نہیں معلوم کہ وہ بے ہوش ہونے والوں میں تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا اللہ تعالیٰ نے ان کو ان لوگوں میں کرو یا جو بے ہوش نہ ہو گئے۔“ (2)

اوپر منقول خط کشیدہ حکم کے ساتھ متعدد احادیث میں یہ حکم بھی رسول ﷺ سے نقل کیا گیا ہے کہ لَا تَخْذِرُونِي عَلَى مُوسَى ”مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔“ (3)

لَا تَخْذِرُونِي مِنَ الْأَنْبِيَاءِ ”مجھے دوسرے نبیوں پر فضیلت نہ دو۔“ (4)

لَا تَخْذِرُوا بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ ”نبیوں میں ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو۔“ (5)

لَا تَقْضِلُوا بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ ”نبیوں کے درمیان ایک دوسرے کو فضیلت نہ دو۔“ (6)

لیکن مسلک پرستوں کی تحریر و تقریر، نظم و نثر میں سارا زور ہی اسی بات پر ہوتا ہے جس کا اظہار وہ اپنے اجتماعات میں خود وضع کردہ طریقے سے صلوٰۃ و سلام پڑھ کر کرتے ہیں کہ

(1) صحیح بخاری: جلد ۴ کتاب بدء الخلق، احادیث الانبیاء باب ۳۳۶ قول تعالیٰ وَ اِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ صفحہ ۳۳۷

(2) صحیح مسلم: جلد ۱، کتاب الفضائل، باب فضائل موسیٰ علیہ السلام، صفحہ ۷۰

(3) صحیح بخاری: جلد ۴ کتاب بدء الخلق، احادیث الانبیاء باب ۳۳۶ وفاة موسیٰ علیہ السلام و ذکرہ بعدہ صفحہ ۳۳۵

(4) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الدیات، باب ۱۰۲۱ اذا لطم المسلم یهودیا عند الغضب، صفحہ ۵۶

(5) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب فی الخصومات، باب ۵۰۶ اما یدکرفی الاشخاص صفحہ ۹۵۱

(6) صحیح بخاری: جلد ۴ کتاب بدء الخلق، احادیث الانبیاء باب ۳۳۶ قول تعالیٰ وَ اِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ

صفحہ ۳۳۸ / صحیح مسلم: جلد ۱، کتاب الفضائل، باب فضائل موسیٰ علیہ السلام، صفحہ ۷۰

۱۔ فرق طالب و مطلوب میں دیکھ کوئی قصہ طور و معراج سمجھ کوئی
 ۲۔ کوئی بے ہوش جلووں میں گم ہے کوئی کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی
 آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام

۳۔ سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی سب سے بالا والا ہمارا نبی ﷺ
 ۴۔ خلق سے اولیاء اولیاء سے رُسل اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی ﷺ
 (حدائق بخشش: حصہ اول، صفحات ۵۰، ۵۱، ۵۲)

۵۔ نہ عرشِ ایمن نہ ذاتی ذاہب میں مہمانی ہے نہ لطف اُدن یا احمد نصیب کن تُو رانی ہے
 (ایضاً: صفحہ ۷۶)

حدائق بخشش کے حاشیہ نگار نے مندرجہ بالا آخری شعر پر اس طرح حاشیہ آرائی کی ہے:

”موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا اِنِّیْ ذَاہِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیْهِدُنِیْں میں اپنے
 رب کے پاس جاؤں گا، وہ مجھے راہ دکھائے گا۔ حدیث میں رب عزوجل نے ہمارے موسیٰ
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شبِ معراج فرمایا: اَدْنِیَا اَحْمَد اَدْنِیَا مُحَمَّد اَدْنِیَا
 خَبِیْر الدِّیْنِہِ پاس آئے احمد پاس آئے محمد! پاس آئے تمام جہاں سے بہتر۔ موسیٰ علیہ
 الصلوٰۃ والسلام نے کوہ طور پر خواہش ویدار الہی کی۔ حکم ہوا: کن تُو رانی تم مجھے ہرگز نہ
 دیکھو گے۔ یعنی دنیا میں ویدار الہی کی تاب کسی کو نہیں۔ یہ مرتبہ اعلیٰ صرف سید الانبیاء صلی
 اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں من رانی
 فَقَدْ رَاَیَ الْحَقَّ جِسْمِ میرا ویدار ہوا اسے ویدار حق ہوا۔“ ⑧

★ سورۃ صافات کی آیت ۹۹ کے مطابق یہ قول ابراہیم علیہ السلام کا تھا۔

⑩ مذکورہ حدیث صحیح بخاری، کتاب التَّعْبِیْرِ، باب من رَاَیَ النَّبِیَّ ﷺ فِی الْمَنَامِ کی ہے۔ یہ حدیث خواب
 سے متعلق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے نبی ﷺ کو دیکھا تو اس نے واقعی نبی ﷺ کو ہی دیکھا جیسا کہ اسی
 باب کی دوسری روایات میں فرمایا: وَلَا یَسْتَشْهِدُ الشَّیْطَانُ بَیْ / فَإِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَسْتَشْهِدُ بَیْ
 یعنی شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ وہ نبی ﷺ کی شکل اختیار کر سکے۔ مگر یہ لوگ اس حدیث سے یہ تاثر دے
 رہے ہیں کہ نبی ﷺ گویا اللہ ہی ہیں، اس لیے اگر نبی ﷺ کو دیکھا تو سمجھو کہ اللہ کو ہی دیکھ لیا! خواب میں
 زیارت نبوی کی حقیقت جاننے کے لیے کتاب ہذا کا عنوان سے ملاحظہ فرمائیے۔

جبکہ صحیح حدیث میں انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح مخاطب کیا: ”یا خیر البریۃ“ (یعنی اے تمام مخلوقات میں سب سے بہترین مخلوق)۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایسے تو ابراہیم ؑ [علیہ السلام] ہی تھے۔“ (1)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ

”نبی ﷺ سے لوگوں نے پوچھا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا کون ہے، تو نبی ﷺ نے فرمایا جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔* لوگوں نے کہا کہ ہم یہ نہیں پوچھتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو سب سے زیادہ بزرگ یوسف ؑ [علیہ السلام] ہیں کہ اللہ کے نبی ہیں، نبی کے بیٹے ہیں اور خلیل اللہ کے پوتے ہیں“ (2)

بیشک اللہ نے اپنے رسولوں اور نبیوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ (البقرہ: ۲۵۳)
 ”ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔“

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ (نہی اسرائیل: ۵۵)
 ”اور بیشک ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔“

بلکہ عام انسانوں میں بھی درجہ بندی کی ہے:

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ (الانعام: ۱۶۵)
 ”اور تم لوگوں میں سے ایک کا درجہ دوسرے پر بڑھایا ہے۔“

لیکن ہمیں اس فضیلت و برتری کی تعیین کا کیا اختیار ہے؟ ہمارا کیا حق اور استحقاق کہ ہم ان پاکیزہ ہستیوں کے درجے متعین کرتے پھریں، مقام مقرر کریں، ایک کو دوسرے سے

(1) صحیح مسلم: جلد ۶، کتاب الفضائل، باب من فضائل ابراہیم الخلیل ؑ، صفحہ ۶۲

* سورة الحجرات: ۱۳

(2) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب بدء الخلق، احادیث الانبیاء، باب ۳۱۷، اَمَرُكُمْ شَهْدَاءُ فِخْصَرٍ

يَعْقُوبُ الْمَوْتُ، صفحہ ۳۱۶/صحیح مسلم: جلد ۶، کتاب الفضائل، مناقب یوسف ؑ، صفحہ ۷۲

افضل بتائیں، کسی کی حیثیت دوسرے سے بڑھائیں؟ ہمیں تو ایسا کرنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ فرمان رسول ﷺ نقل کیا گیا۔ ہمارا تو وہ انداز ہونا چاہیے جو اللہ نے قرآن میں ایمان والوں کی صفات بیان کرتے ہوئے بتایا کہ:

لَا تَفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ (البقرہ: ۲۸۵)

لَا تَفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ (البقرہ: ۱۳۶ / آل عمران: ۸۴)

وَلَمْ يَفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ (النساء: ۱۵۶)

یعنی ہم ان رسولوں میں کسی میں کوئی فرق نہ کریں، کسی بھی قسم کی تفریق سے دور رہیں، کسی کے درجے، حیثیت، رتبے، منصب و مقام کا تعین نہ کریں۔ وہ سارے کے سارے افضل الخلاق تھے۔ اللہ کے پسندیدہ، محبوب و مصطفیٰ بندے تھے، لاکھوں کروڑوں انسانوں میں سے اللہ نے صرف انہیں ہی ایک عظیم کام کے لیے منتخب کیا۔ ان سب کا اللہ کے یہاں اپنا اپنا ایک مقام ہے جو صرف اللہ ہی کو معلوم ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان سب پر ایمان لائیں۔ قرآن وحدیث نے جس فضیلت کا ذکر کیا ہے اس پر اتنا ہی ایمان لازم ہے۔ اس میں مبالغہ کرتے ہوئے انبیاء علیہم السلام کی فضیلت کا تقابلی جائزہ نہ لیں۔ نہ ان کی فضیلت کی کھوج لگائیں نہ اپنی طرف سے کچھ ملے کریں جیسا کہ نبی ﷺ نے اوپر بیان کی گئی احادیث میں منع فرمایا۔ اطاعت رسول ﷺ کا لازمی تقاضہ ہے کہ ہم بعض کو بعض پر فوقیت دینے سے بھی مجتنب رہیں۔ قرآن سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ اللہ کے رسولوں سے یہ تفریق کا انداز اپنانے والے پکے کافر ہیں جبکہ اس تفریقی معاملے سے دور رہنے والے مومن ہیں (سورۃ النساء: ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲)۔

یہاں یہ ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ عدم تفریق کی یہ باتیں یہ مسلک پرست بھی کہتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کے متعلق نہیں بلکہ اپنے صوفی اکابرین کے متعلق! جس طرح مذکورہ بالا حدیث میں ایک یہودی اور مسلمان میں موسیٰ علیہ السلام اور نبی ﷺ کی فضیلت کے بارے میں بحث ہو رہی تھی اور ہر ایک اپنے نبی کو دوسرے سے افضل بتا رہا تھا (جس پر نبی ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرما کر فضیلت دینے سے منع فرمایا اور مذکورہ صدرالفاظ ارشاد فرمائے)

اسی طرح ان مسلک پرستوں نے ایک حکایت بیان کی ہے کہ ایک قادری اور چشتی کے درمیان اپنے اپنے پیر صاحب کی فضیلت پر مباحثہ ہو رہا تھا۔ تفصیل آپ اشرف علی تھانوی صاحب کے الفاظ میں پڑھیے جس کو زکریا کاندھلوی صاحب نے بھی اپنی آپ بیتی میں بیان کر کے اپنے ”شیخ الحدیث“ ہونے کا ثبوت دیا ہے:

”(۴۱) فرمایا کہ ایک روز دو آدمی آپس میں بحث کرتے تھے۔ ایک کہتا تھا کہ حضرت شیخ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ حضرت غوث اعظم قدس سرہ سے افضل ہیں اور دوسرا حضرت غوث پاک کو شیخ پر فضیلت دیتا تھا۔ میں نے کہا کہ ہم کو نہ چاہیے کہ بزرگوں کی ایک دوسرے پر فضیلت بیان کریں اگرچہ اللہ فرماتا ہے فضّلنا بعضہم علی بعض * جس سے معلوم ہوا کہ واقع میں تو تقاضا ہے لیکن ہم ویدہ بصارت نہیں رکھتے اس واسطے مناسب شان ہمارے نہیں ہے کہ محض رائے سے ایسی جرأت کریں۔“ (۱)

بعض مسلک پرست غلو کا مظاہرہ کرتے ہوئے نبی ﷺ کو مافوق البشر ثابت کرنے کے لیے صحیحین وغیرہ کی کتاب الصوم میں بیان کردہ صوم وصال * کی روایات میں مروی نَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ، نَسْتُ مِثْلَكُمْ، نَسْتُ كَهَيْتِكُمْ، اَيْكُمْ مِثْلِي وغیرہ کے الفاظ سے استدلال کرتے ہیں اور اس بات کو اپنی نعتوں، قوالیوں اور تقریروں میں بہت بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ نبی ﷺ کو خلقی اعتبار سے دوسرے انسانوں جیسا نہ سمجھنا قرآن کی ان آیات کا کھلا انکار ہے جن میں انبیاء علیہم السلام کی بشریت کو بیان کیا گیا ہے اور نبی ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ یہ اعلان کر دیں کہ وہ دوسرے انسانوں کی طرح ایک بشر ہیں۔ (۲) اور نبی ﷺ سے یہ فرضی صفت منسوب کرنا کہ آپ ﷺ کا سایہ نہ تھا، رسول ﷺ سے جھوٹ منسوب کرنا ہے جس کی سزا پیچھے بیان کی جا چکی ہے۔

★ پچھلے صفحے پر دیکھا جاسکتا ہے کہ یہ آیت خاص رسولوں کے لیے ہی ہے (کہ اس میں رسولوں کا ہی ذکر ہے) جسے قرآن وحدیث کے اتنے بڑے ”عالم“ دو صوفیوں کے لیے پیش کر رہے ہیں، واعجباً!

(۱) امداد المشتاق: صفحہ ۴۳/آپ بیٹی: آپ بیٹی نمبر ۵، صفحہ ۹۶

★ یعنی سحر و افطار میں کچھ کھائے بغیر پے درپے روزے رکھنا۔

(۲) مثلاً سورة ابراهيم: ۱۱، الکہف: ۱۱۰، حم السجدة: ۶

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ کافی عرصے کے بعد ام المؤمنین زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے ہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے آپ کا سایہ دیکھ کر آپ کو پہچان لیا۔^(۱)

غلو کی ایک اور مثال المہند کی درج ذیل عبارت ہے:

”وہ جملہ حالات جن کو رسول ﷺ سے ذرا سا بھی علاقہ ہے، ان کا ذکر ہمارے نزدیک نہایت پسندیدہ اور اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے، خواہ ذکر ولادت شریفہ ہو یا آپ کے بول و براز، نشست و برخاست اور بیداری و خواب کا تذکرہ ہو۔“^(۲)

قرآن میں تو لکھا ہے کہ

وَلَدَّكَ اللَّهُ أَكْبَرُ (العنکبوت: ۳۵)

”اللہ کا ذکر ہی سب سے بڑا ہے“

مگر نبی ﷺ کی ولادت کا ذکر ان کے نزدیک اعلیٰ ترین ہے! صحابہ کرام ؓ کے سوسالہ دور میں اور بعد کی بھی کئی صدیوں تک ذکر ولادت کی کوئی سند نہیں ملتی۔ صحابہ کرام ؓ سچے محبان رسول ﷺ تھے جو نبی ﷺ پر جان و مال قربان کرنے کو ہر وقت تیار رہتے تھے، وہ نبی ﷺ پر بے شمار صلوة و سلام بھیجتے تھے، لیکن ذکر ولادت رسول ﷺ یا سال بہ سال جشن ولادت یا عید میلاد النبی ﷺ کرنا ان سے ثابت نہیں۔ یہ مسلک پرست لوگ کیا صحابہ کرام ؓ سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں! ستم یہ ہے کہ اسے بدعت تک نہیں سمجھتے بلکہ نہایت درجہ ثواب خیال کرتے ہیں۔ پیدائش اور موت کے دن منانا ہندوؤں، یہودیوں اور عیسائیوں وغیرہ کا طریقہ ہے۔ کسی بھی روایت میں یہ نہیں ملتا کہ نبی ﷺ کا کسی صحابی نے یا بعد کے خیر القرون میں اور کئی سوسال تک کسی نے بھی یوم ولادت منایا ہو، یا کسی نے نبی ﷺ کے علاوہ کسی اور کا پیدائش یا موت کا دن منایا ہو۔ علامہ تاج الدین فاکہانی نے اپنے رسالے المورث فی الکلام مع عمل المولد میں لکھا ہے کہ:

(۱) مسند احمد: (۳۳۸/۶) حدیث صفیۃ ام المؤمنین، جلد ۷، حدیث نمبر ۲۶۳۲۵، صفحہ ۴۷ / نیز (۱۳۲/۶) حدیث السیدۃ العائشۃ، جلد ۷، حدیث نمبر ۲۶۳۸۱، صفحہ ۱۹۰

(۲) عقائد علمائے دیوبند و حسام الحرمین، صفحہ ۲۴۶

”مولود کو نکالا ہے باطل پرستوں نے، غلط کاروں نے اور خواہش نفس نے، اور اس کا اہتمام

کیا ہے شکم پروروں نے۔“ (1)

اللہ کے رسول ﷺ نے تو امت کو دو عیدوں کی بشارت دی: عید الفطر اور عید الاضحیٰ، مگر ان نام نہاد عاشقان نے ہنود و نصاریٰ کی پیروی میں عید میلاد النبیؐ کے نام سے ایک تیسری عید بھی منانی شروع کر دی ہے، جس میں چراغاں، نمائش، لنگر اور دوسری لغویات پر کروڑوں روپے کا اسراف ہوتا ہے جو کہ اللہ کو سخت ناپسند ہے۔ (2) اس موقع کے حوالے سے سارا سال جلسہ میلاد، سیرت کانفرنسیں، نعتوں اور قوالیوں کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں جن میں یہ شعر پڑھ کر لوگوں کو شرکت کے لیے مجبور کیا جاتا ہے کہ

محبوب کی محفل کو محبوب سجاتے ہیں آتے ہیں وہی جن کو سرکار بلاتے ہیں

گویا کہ یہ ناجائز اسراف و شور شرابہ (معاذ اللہ) خود نبی ﷺ ہی کی زیر نگرانی ہو رہا ہے! ان محفلوں کے لیے دور دور تک بڑے بڑے لاؤڈ اسپیکر لگائے جاتے ہیں جن پر پوری پوری رات شور کر کے محلے والوں کو تکلیف میں رکھ کر ثواب کی امید رکھی جاتی ہے * جبکہ نبی ﷺ

(1) بحوالہ تاریخ میلاد: صفحہ ۱۶

(2) سورة الاعراف: آیت ۳۱/ بنی اسرائیل: ۲۰

★ اور سمجھانے پر ڈھٹائی سے کہا جاتا ہے کہ وہ نبی ﷺ کا کیسا امتی ہے جسے ان کے ذکر مبارک سے تکلیف ہوتی ہے، حالانکہ قرآن کی تلاوت بھی دوسروں کی موجودگی میں زور سے کرنے کا حکم نہیں کہ کسی کو اس سے تکلیف نہ ہو، تو کیا کوئی ایسا مسلمان ہو سکتا ہے جس کو اللہ کے ذکر سے تکلیف ہوتی ہو؟ اصل بات یہ نہیں ہے کہ یہ ذکر کس کا ہے بلکہ یہ ہے کہ اس کی آواز کتنی بلند ہے۔ نعت خوانی کی ان شبینہ محفلوں میں یہ شعر بھی خوب لہک لہک پر پڑھا جاتا ہے کہ

خدا کا ذکر کرے اور ذکر مصطفیٰ نہ کرے مرے منہ میں ہوائی زباں خدا نہ کرے

بریلوی مجدد صاحب بھی کہا کرتے تھے کہ

خدا کا ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو مسجد یو واللہ ذکر حق نہیں کبھی ستر کی ہے

(حدائق بخشش: حصہ اول، صفحہ ۷۴)

اللہ تعالیٰ قرآن میں مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَسَبِّحُوا بُكْرَةً وَأَصِيلًا (الاحزاب: ۴۱، ۴۲)

نے تو پڑوسیوں کے حقوق پر بے حد زور دیا اور انہیں تکلیف نہ دینے کی تاکید کی ہے، چنانچہ متفق علیہ روایت کے مطابق آپ ﷺ نے تین مرتبہ قسم کھا کر ایسے شخص کو غیر مومن قرار دیا جو اپنے پڑوسی کو ایذا دے، (۱) اور بتایا کہ ایسا شخص جنت میں نہ جائے گا۔ (۲) اس عورت کے متعلق جو کثرت سے نماز پڑھتی تھی اور صدقہ دیتی تھی لیکن پڑوسیوں کو بھی ستاتی تھی، نبی ﷺ نے فرمایا کہ جہنم میں جائے گی۔ (۳) اور قوالی میں تو ساز بھی استعمال کیا جاتا

”اے ایمان والو! اللہ کا ذکر خوب کثرت سے کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو۔“

وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (البقرہ: ۱۰)

”اللہ کا ذکر خوب کثرت سے کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔“

ایمان والوں کی توصفات میں ہی یہ چیز شامل ہے کہ وہ اللہ کا ذکر خوب کثرت سے کرتے ہیں۔ [الشعر: ۲۲ / الاحزاب: ۳۵ وغیرہ] لیکن ساری رات جاری رہنے والی ان محفلوں میں دیکھیے کہ اللہ کے اس حکم پر کتنا عمل ہوتا ہے؟ محض رسم کے طور پر شروع میں ایک آدھ حمد پڑھ دی جاتی ہے اور پھر صبح تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کا مذاق اڑاتے ہوئے کفریہ شرکیہ مضامین کی تعینات پڑھی جاتی ہیں۔ البتہ یہ ایک لطیفہ ہے کہ ان کی تو حید بھی ملاوٹ شدہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا خالص ذکر نہیں ہوتا اور اس میں بھی یہ لوگ اس طرح کے اشعار لے آتے ہیں :

یا الہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو جب پڑے مشکل شہ مشکل کشا کا ساتھ ہو

(حدائق بخشش: حصہ اول صفحہ ۳۷ / فیضان سنت: صفحہ ۱)

اسرار احمدی سے آگاہ ہو، سو جانے تو نور ہر شر رہے ہر سنگ طور تیرا

وحدت کے یہ جلوے نقش و نگار کثرت گر سر معرفت کو پاوے شعور تیرا

(ملک بیتان مصطفیٰ: صفحہ ۲۳)

ان کی روش کو دیکھ کر اللہ کا یہ فرمان یاد آ جاتا ہے کہ

اَسْتَعُوْذُ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسَهُمْ ذُکْرُ اللّٰهِ اَوَّلَیْكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ اَلَا اِنَّ

حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (المجادلہ: ۱۹)

”شیطان نے ان کو قابو میں کر لیا ہے اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے۔ یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔

جان رکھو کہ شیطان کا گروہ ہی خسارہ پانے والا ہے۔“

(۱) بحوالہ مشکوٰۃ، جلد ۲، باب الشفقة، صفحہ ۴۴

(۲) بحوالہ مشکوٰۃ، جلد ۲، باب الشفقة، صفحہ ۴۴

(۳) بحوالہ مشکوٰۃ، جلد ۲، باب الشفقة، صفحہ ۵۲

ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ناپسند ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے آلات موسیقی کو مٹانے کا حکم دیا ہے۔ (1) رسول ﷺ تو اس کی آواز سن کر اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے۔ (2) لیکن لطیفہ دیکھیے کہ ان ہی سازوں پر نبی ﷺ کا نام نامی لیا جاتا ہے! اور وہ بھی بلند آواز سے! مگر کیا سمجھیے کہ اس ناجائز فعل کو جائز کرنے کے بھی فتوے ان لوگوں نے دے رکھے ہیں جیسے امداد اللہ مہاجر کی صاحب نے اس سماع بالآلات کو ”فیصلہ ہفت مسئلہ“ میں سند جواز فراہم کی ہے۔ (3) * بعض مسلک پرستوں کا عقیدہ ہے کہ جہاں نبی ﷺ کا ذکر مبارک کیا جائے تو آپ ﷺ وہاں بنفس نفیس تشریف لے آتے ہیں۔ (انہی امداد اللہ صاحب کے فیصلے کا اس سلسلے میں پیچھے ذکر ہو چکا ہے) پھر تو نبی ﷺ کو اپنی محفل میں موجود اور حاضر سمجھنے والوں کو اپنی آواز بلند نہ کرنا چاہیے کیونکہ نبی ﷺ کے سامنے آواز کو بلند کرنے کی ممانعت ہے۔ قبیلہ بنو تمیم کا امیر مقرر کیے جانے کے معاملے میں نبی ﷺ کے سامنے صحابہؓ کی آوازیں بلند ہوئیں تو اللہ نے آیات نازل فرمائیں :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ
بِالنَّقُولِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٦٤﴾
إِنَّ الَّذِينَ يَعْصُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ
قُلُوبَهُمْ لِيَتَّقُوا ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٦٥﴾ (الحجرات: ۳۸، ۳۹)

(1) مسند احمد: (۲۵۷/۵) حدیث ابی امامۃ الباہلی، حدیث نمبر ۲۱۷۱۵، جلد ۶، صفحہ ۳۴۳

(2) سنن ابی داؤد: جلد ۳، کتاب الادب، باب ۴۷، کراہیۃ الغنا والزمر، صفحہ ۵۶۹

(3) کلیات امدادیہ (فیصلہ ہفت مسئلہ): صفحہ ۳۸

★ اس قولی کے جائز ہونے پر امام غزالی کے بھائی احمد غزالی صاحب نے تو ”بوارق الماع“ (یعنی چمکتی بجلیاں) کے عنوان سے ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے جس کی ابتدا میں سبب تالیف یہ بیان کیا ہے: ”تا کہ اسکے فوائد ظاہر ہوں اور قرآن مجید اور حدیث شریف اور افعال صحابہؓ کو اُسپر گواہ لاؤں اور سماع کے منکروں کا رد کروں اور اس انکار سے جو الزام اُن پر قرآن وحدیث و افعال صحابہ سے آتا ہے، اُس کو بیان کروں اور اُس شخص کی نسبت جو اس کو حرام کہتا ہے، قرآن مجید اور حدیث شریف اور معقول و منقول سے یہ دلیل لاؤں کہ وہ بالاجماع کافر ہے اور اس پر طریقے روشنیوں اور انعام کے مسدود ہیں۔“ (مجموعہ رسائل امام غزالی [حقیقۃ السماع]: جلد ۱، صفحہ ۴۴۵)

”اے اہل ایمان! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو، اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو (اس طرح) اُن کے روبرو زور سے نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ جو لوگ رسول اللہ کے سامنے دینی آواز سے بولتے ہیں اللہ نے ان کے دل تقویٰ کے لیے آزمائے ہیں۔ اُن کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔“

ان آیات کے نزول کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ

إِذْ حَدَّثَ النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ بْنُ حَدَّثَهُ كَأَخِي السِّرَّ آذَكُمْ يُسْمِعُهُ حَتَّى يَسْتَفْهِمَهُ
”وہ جب نبی ﷺ سے کچھ عرض کرتے تو اتنے آہستہ سے بات کرتے جیسے کوئی کان میں بات کرتا ہے، یہاں تک کہ نبی ﷺ کو ان کی بات سنائی نہ دیتی تو آپ دوبارہ پوچھتے کہ کیا کہا۔“ (1)

ان ”عاشقانِ رسول“ کی شانہ محفلوں کے دوران تہجد کا وقت بھی آتا ہے جو بہترین عبادت ہے، لیکن یہ لوگ اس سے غافل رہتے ہیں۔ یہ وقت قبولیت کا ہوتا ہے جب فرشتے حاضر ہوتے ہیں، (2) بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ خود آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور صبح تک پکارتا ہے کہ

مَنْ يَدْعُونِي فَاسْتَجِبْ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأَعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرْ لَهُ
”کون ہے جو مجھے پکارے کہ میں اسے جواب دوں، اور کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تاکہ میں اسے عطا کروں، اور کون ہے جو مجھ سے مغفرت چاہے کہ میں اسے بخش دوں۔“ (3)

اور اس وقت جو خیر اللہ سے طلب کی جاتی ہے وہ عطا کرتا ہے (4) مگر یہ لوگ اس انتہائی قیمتی وقت کو حاشا اور کفریہ شریک اشعار پڑھنے میں گزارتے ہیں! اللہ اس وقت خود کو پکارے جانے کا اعلان کر رہا ہوتا ہے لیکن یہ لوگ کسی اور کو پکار رہے ہوتے ہیں! اللہ اس وقت بخشش و عطا کا اذن دے رہا ہوتا ہے مگر یہ کسی اور ہی سے مانگ رہے ہوتے ہیں! محفل کے

(1) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الاعتصام، باب ۱۲۱۲ مایکرہ من التعمق، صفحہ ۹۲

نیز جلد ۲، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الحجرات، صفحہ ۱۰۵

(2) صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب جواز النافلة قائما وقاعدا، صفحہ ۲۵۳

(3) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب التہجد، باب ۲۸، الدعاء والصلوٰۃ من آخر الليل، صفحہ ۵۱۳/۵

صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب جواز النافلة قائما وقاعدا، صفحہ ۲۵۳

(4) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب التہجد، باب ۲۸، الدعاء والصلوٰۃ من آخر الليل، صفحہ ۵۱۳/۵

صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب جواز النافلة قائما وقاعدا، صفحہ ۲۵۳

اختتام پر صلوٰۃ الفجر کا وقت ہو جاتا ہے، جس کے لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو اس کا ثواب معلوم ہو جائے تو اگر گھٹنوں کے بل گھسٹ کر بھی جانا پڑے تو اسے نہ چھوڑیں، (۱) مگر وہ وقت تو ان کے سونے کا ہوتا ہے! غرض کیا کچھ نہیں کیا جاتا۔ مسلک پرستوں کی ایک تنظیم کا پر زور مطالبہ ہے کہ خلفاء راشدین کے ایام وفات سرکاری سطح پر منائے جائیں اور ان دنوں میں عام تعطیل ہو جس طرح عاشورہ محرم کی ہوتی ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ کیا اسلام نے یوم ولادت یا یوم وفات منانے کی اجازت دی ہے؟ ہرگز نہیں۔

المہند کے زیر بحث فتوے کی رو سے ذکر ولادت کو اعلیٰ ترین ثواب سمجھ کر لوگ ایسی نعتیں لکھ رہے ہیں جن میں اللہ کی تمام خصوصیات اور اس کے اختیارات نبی ﷺ کو دے دیئے جاتے ہیں، مثلاً

بگڑی میری بنتی ہے ہر بات مدینے میں	غم خوار محمدؐ کی ہے ذات مدینے میں
رو کو نہ مجھے زاہد بے تاب ہوں سجدے کو	قابو میں نہیں رہتے ہیں جذبات مدینے میں
تم ہی سے مانگیں گے تم ہی دو گے	تمہارے در سے ہی لو لگی ہے
یہ سب تمہارا کرم ہے آقا	کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے
عطا کیا مجھ کو درو الفت	کہاں تھی یہ اس پر خطا کی قسمت
میں اس کرم کے کہاں تھا قائل	حضور کی بندہ پروری ہے

(مزید مومنے پیچھے گر پڑے ہیں)

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ تو شرک ہے کیونکہ قرآن کہتا ہے کہ صرف اللہ ہی سے مانگا جائے * اور نبی ﷺ نے بھی حکم دیا ہے کہ جب تم کچھ مانگو تو اللہ ہی سے مانگو، اور جب بھی مدد چاہو تو اللہ ہی سے چاہو (پوری حدیث پیچھے بیان کی جا چکی ہے) تو کہتے ہیں کہ حسان بن ثابتؓ بھی نعت کہتے تھے (ایک دوسرے صحابی کعب بن زہیرؓ کا نام بھی لیا جاتا ہے)۔ حاشا وہ نعت

(1) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الاذان، باب ۴۲۴ فضل صلوٰۃ العشاء فی الجماعة، صفحہ ۳۲۰

/ صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب المساجد، باب فضل صلوٰۃ الجماعة صفحہ ۱۸۶

★ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (الفاتحہ: ۳)

”اے اللہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں“

ضرور کہتے تھے * مگر ان شریک مضافین کی ہرگز نہیں، اور نہ ہی آج کی طرح لے، ترنم، طرز، غنما، اور سُر تال سے لہک لہک کر، جھوم جھوم کے گا گا کر! یہ اصحاب اسلام لانے سے قبل بھی بہت بڑے شاعر تھے۔ اسلام لانے کے بعد اپنی شاعری کو صرف کافروں کی ہجو گوئی کا جواب دینے میں استعمال کرتے تھے۔ ان کے اشعار مشرکوں کی ہجو کے خلاف ہوتے تھے۔ جو قصیدے بھی انہوں نے نبی ﷺ کی شان میں کہے، ان میں بدویانہ تمدن کا اثر لیے اس دور کی مروجہ عربی شاعری ہوتی تھی، جس میں اونٹنی، شیر، تلوار، پہاڑ وغیرہ کا تذکرہ ہوتا تھا اور نبی ﷺ کے بہترین اخلاق و صفات کی مدح سرائی کی جاتی تھی نہ کہ انہیں اللہ کی صفات سے متصف کیا جاتا تھا! کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا قصیدہ بانث سعاد، سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد، تاریخ طبری وغیرہ میں نقل کیے گئے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شاعری پڑھ کر دیکھ لیں، اس بات کا ثبوت مل جائے گا۔

لیکن مسلک پرستوں کی شاعری اسی غلو سے تربتر نظر آتی ہے۔ صرف ایک مجموعہ حدائق بخشش ہی اگر دیکھ لیا جائے تو اس میں امداد کن، اغثنی یا رسول اللہ وغیرہ ردیف کے ایسے سینکڑوں اشعار نظر آئیں گے جن میں اللہ کے بجائے اللہ کے بندوں کو مالک و مختار سمجھتے ہوئے ان سے استعانت و استمداد کی گئی ہے۔ جیسا کہ پہلے نقل کیا گیا، ایک شعر میں تو انہوں نے یہاں تک کہدیا کہ:

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے..... حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

جس پر حاشیہ چڑھایا گیا کہ

”ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ دنیا میں اور آخرت میں، ظاہر میں اور باطن میں، جسم میں اور روح میں جو نعمت جو برکت جو خوبی روز ازل سے ابد الابد تک جسے ملی اور ملتی ہے اور ملے گی، اس سب میں واسطہ و قاسم محمد رسول اللہ ﷺ سے ہیں۔ حضور کے ہاتھ سے ملیں اور ملتی ہیں اور ملتی رہیں گی۔“ (1)

* یہ بات بھی قابل غور ہے کہ احادیث میں بلکہ عربی زبان میں بھی یہ لفظ ”نعت“ مروجہ اصطلاح میں استعمال نہیں ہوا بلکہ مطلقاً کسی شے کے وصف کو کہتے ہیں۔

(1) حدائق بخشش حصہ اول: صفحہ ۵۷

اللہ تعالیٰ قرآن میں اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ (آل عمران: ۱۲۸)
 ”(اے نبی!) آپ کا اس میں کوئی اختیار نہیں: یا تو اللہ ان پر نظر عنایت فرمائے یا انہیں عذاب دے کہ یہ ظالم لوگ ہیں۔“

قُلْ لَا أَقُولُ نَعْمَ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ
 نَعْمَ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَيْتُ إِلَّا مَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ
 وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ (الانعام: ۵۰)

”(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف وحی کی اتباع کرتا ہوں۔ کہہ دیجیے کہ بھلا اندھا اور آنکھ والا برابر ہوتے ہیں؟ تو پھر تم غور (کیوں) نہیں کرتے؟“

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا (الاعراف: ۱۸۸)
 ”(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے کہ میں تو اپنی جان کے لیے بھی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔“

قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ نَعْمَ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا (الحج: ۲۱)
 ”(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے کہ میں تمہارے برے اور بھلے کا اختیار نہیں رکھتا۔“

احادیث میں بھی آتا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے خاندان والوں کو جمع کیا اور نام بنام پکار کر کہا کہ اللہ سے ڈرو، میں اللہ کے سامنے تمہارے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا۔^(۱) لیکن بریلوی مسلک کی کتابیں *آل من والعلیٰ*، *الاستمداد*، *مقیاس الحنفیت*، *مقائیس المجالس*، *سلطنت مصطفیٰ*، *جاء الحق*، *احکام شریعت*، *بہار شریعت*، وغیرہ پڑھیں تو نبی ﷺ کسی اور ہی مقام پر معلوم ہوتے ہیں اور زیر بحث ”غلو“ کچھ اور ہی شکل اختیار کرتا نظر آتا ہے، مثلاً:

”حضور اقدس ﷺ اللہ عزوجل کے نائب مطلق ہیں، تمام جہاں حضور ﷺ کے تحت تصرف کر دیا گیا جو چاہیں کریں جسے جو چاہیں دیں جس سے جو چاہیں واپس لے لیں، تمام جہاں میں ان کے حکم کو پھیرنے والا کوئی نہیں، تمام جہاں ان کا محکوم ہے اور وہ اپنے رب کے سوا کسی کے محکوم

نہیں، تمام آدمیوں کے مالک ہیں جو انہیں اپنا مالک نہ جانے حلاوت سنت سے محروم ہے، تمام زمین ان کی ملک ہے، تمام جنت ان کی جاگیر ہے، ملکوت السموات والارض حضور ﷺ کے زیر فرمان، جنت و نار کی کنجیاں دست اقدس میں دے دی گئیں، رزق و خیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور اہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں، دنیا و آخرت حضور ﷺ کی عطا کا ایک حصہ ہے، احکام شرعیہ حضور کے قبضے میں کر دیئے گئے ہیں کہ جس پر جو چاہیں حرام کر دیں اور جس کے لیے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں معاف فرمادیں۔“ (1)

”سرکار ابد قرار ﷺ حکم پروردگار کو عین کے مالک و مختار ہیں، زمین کے مالک، آسمان کے مالک، اپنے رب کی عطا سے مجسم کے مالک، رب کے احکام کے مالک، انعام کے مالک

خالق کل نے آپ کو مالک کل بنا دیا دونوں جہاں آپ کے قبضہ و اختیار میں

جس کو جو چاہیں وہ اپنے رب کی عطا سے فرمادیں، جس کو جس سے چاہیں محروم کر دیں اور جس کے لیے جو چاہیں حلال فرمادیں اور جو چاہیں حرام، غرضیکہ دونوں جہاں کے شہنشاہ، کونین کے مالک و مولائیں۔“ (2)

”حضور مرض و تکلیف سے شفا دینے والے ہیں۔ امت پر سے ہر مصیبت دور فرمانے والے ہیں دنیا جس طرح اپنی ابتداء میں حضور ﷺ کا محتاج تھا۔ اگر حضور نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ یوں ہی اپنی بقا میں حضور کا محتاج ہے۔ حضور نہ ہوں تو کچھ بھی نہ ہو رسول اللہ ﷺ کے سوا مخلوق میں کسی کا حکم نہیں، حضور حاکم کل ہیں اور جہاں بھر میں کسی کے محکوم نہیں حضور جب کوئی بات چاہتے ہیں وہی ہوتی ہے۔ اس کے خلاف نہیں ہوتی۔ حضور کی چاہت کو جہاں میں کوئی پھیرنے والا نہیں۔ یہی خاص رنگ گن ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ عز و جل کے نائب مطلق ہیں۔ زمین و آسمان اور دونوں جہاں میں حضور کا تصرف جاری ہے۔ ہر نعمت حضور ہی کے ہاتھ سے ملتی ہے عالم میں کوئی حکم نافذ نہیں ہوتا مگر حضور کے دربار سے اور کوئی نعمت کسی کو نہیں ملتی مگر حضور کی سرکار سے۔ حضور جو چاہیں اُس کا خلاف نہیں ہوتا، نہ تمام عالم میں کوئی اُنکے چاہے کو پھیر نہیو الا“ (3)

(1) بہار شریعت: حصہ اول، صفحہ ۵۱

(2) سلطنت مصطفیٰ: صفحہ ۱۴

(3) شرح الاستعداد: صفحات ۲۹، ۳۱، ۳۲، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۸

پہلی بار پڑھ کر تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے یہ اللہ تعالیٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی صفات بیان فرما رہے ہیں۔ یہ باتیں پڑھ کر ذہن میں آتا ہے کہ اپنا سب کچھ اپنے ایک بندے اور پیغمبر کے حوالے کر کے معاذ اللہ، استغفر اللہ شاید رب تعالیٰ تو ایک عضو معطل ہو گیا ہے اور اب اس کی ضرورت ہی کیا باقی رہی! غور کیجیے کہ ان ظالموں نے اس طرح کے دعوے کر کے رب ذوالجلال کو کیا ایک عضو معطل نہیں قرار دیدیا ہے کہ اب ان کی نظر میں اس کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہی! کیسے بے خوف ہیں یہ اس کے قہر و غضب سے! ایسے ہی ذہنوں سے تو یہ شعر برآمد ہوا ہے:

۔ اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد سے

اے اللہ! اگر واقعی ایسا ہی ہے تو پھر تو نے اپنی کتاب میں یہ شکوہ کیوں کیا ہے کہ
 اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدًا (الزمر: ۳۶) ”کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟“

مشرکین مکہ بھی تو اللہ کو چھوڑ کر جن ہستیوں سے مانگا کرتے تھے، انہیں مستقل مالک تھوڑا ہی سمجھتے تھے، وہ یہی کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان چیزوں کا مالک بنا دیا ہے، جس کا اظہار وہ دور جاہلیت میں ہونے والے حج کے دوران طواف کعبہ کے وقت تلبیہ پڑھتے ہوئے اس طرح کیا کرتے تھے کہ

لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ

”میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس کے جسے تو نے مالک بنا دیا اور وہ خود سے مالک نہیں۔“ (1)

اس غلو میں دیوبندی صاحبان بھی اپنے ہم مسلک حنفی بریلوی بھائیوں سے کسی طرح پیچھے نہیں جیسا کہ پیچھے بیان کردہ امداد اللہ مہاجر کی صاحب کی شاعری سے ظاہر ہے۔ ایک دوسرے دیوبندی صاحب لکھتے ہیں:

حضور اکرم کے لیے ہمہ جائز تھا: اور نبی اکرم ﷺ کے لیے ہمہ کا جواز اس لیے تھا کہ آپ اصل ہی سے اللہ تعالیٰ کے بعد سب چیزوں کے مالک ہیں، آپ کا مالک ہونا کچھ ہمہ پر موقوف نہیں ہے،

اور حضور اکرم ﷺ کے علاوہ دوسرے مرد وہیہ کے بعد ہی مالک ہو سکتے ہیں، اور متاع کا بہرہ درست نہیں ہے، اس لیے مالک ہونے کے لیے کوئی اور سبب درکار ہوگا، اور وہ بیع یعنی نکاح ہی ہے۔ حضور تمام کائنات کے مالک ہیں: رہی یہ بات کہ حضور اکرم ﷺ تمام کائنات کے مالک کیسے ہیں؟ تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ دو مساوی درجہ کی ملکیتیں تو جمع نہیں ہو سکتیں، چنانچہ دو یا زیادہ خدا ممکن نہیں ہیں کیونکہ تعددِ والد کی صورت میں سب کی ملکیتیں مساوی درجہ کی ہوں گی اور یہ بات ممکن نہیں ہے، ہاں دونوں ملکیتیں یکساں درجہ کی نہ ہوں، بلکہ متفاوت درجہ کی ہوں تو پھر اجتماع ممکن ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ تمام کائنات کے مالک ہیں، اور پھر انسان بھی خاص خاص چیزوں کے مالک ہیں، کیونکہ یہ دونوں ملکیتیں مساوی نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ مالک حقیقی ہیں، اور بندے مالک مجازی ہیں، اس طرح اللہ جل شانہ کے بعد حضور اکرم ﷺ تمام چیزوں کے مالک ہیں، خواہ وہ جمادات ہوں یا حیوانات، انسان ہوں یا غیر انسان، سب حضور اکرم ﷺ کے مملوک ہیں، اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ:

النبي اولى بالمؤمنين من انفسهم (الاحزاب، آیت ۶)

”نبی کریم مومنوں کے، خود ان کے نفسوں سے بھی زیادہ حق دار ہیں۔“

یعنی مسلمانوں کی ارواح کا ان کے ابدان پر جو قبضہ اور ملکیت کا استحقاق ہے، اس سے نبی کریم ﷺ کا قبضہ اور استحقاق فزوں تر ہے، اور جب مسلمان اپنے ابدان اور اپنی املاک کے مالک ہیں تو حضور اکرم ﷺ ان تمام چیزوں کے بدرجہ اولیٰ مالک ہوں گے، اور اسی مالکیت کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ پر ازواج مطہرات کے درمیان باری مقرر کرنا، عدل و انصاف کرنا اور مہر دینا واجب نہیں تھا، کیونکہ مالک پر کسی طرح کی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔“ (۱)

اسی غلو میں زکریا کاندھلوی صاحب نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ پر ایک تہمت بھی لگادی۔ وہ لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا

”جس کے بدن میں میرا خون جائے گا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔“

اس کے بعد موصوف نے دو واقعات لکھے ہیں جن میں عبد اللہ بن زبیر اور مالک بن سنان ؓ کا نبی ﷺ کا خون پینا بیان کیا ہے (۲) جبکہ اللہ نے تو خون کو حرام قرار دیا ہے، خواہ کسی کا بھی ہو۔ (۳)

(۱) غیر مقلدین سے لاجواب سوالات: صفحہ ۱۳۴، ۱۳۵

(۲) فضائل اعمال (حکایت صحابہ): صفحہ ۱۸۵، ۱۸۶

(۳) البقرة: ۱۷۳ / المائدة: ۳ / الانعام: ۱۴۵ / النحل: ۱۱۵

اللہ کے رسول ﷺ ایک حرام چیز کے پینے کا حکم کسی کو نہیں دے سکتے تھے اور نہ ہی صحابہ کرام ایک حرام شے پی سکتے تھے۔ یہ ان ہستیوں پر بہتان ہے۔ کاندھلوی صاحب نے اس پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے مزید گل افشانی فرمائی کہ

”نبی ﷺ کے فضلات، پاخانہ، پیشاب وغیرہ سب پاک ہیں۔“★

★ ایسا کہتے ہوئے ”شیخ الحدیث“ کو دلیل شاید اپنے ”محدث“ اسلاف کی تحریروں میں مل گئی ہوگی جنہوں نے اس قسم کی باتیں لکھ کر اور کاندھلوی صاحب نے نقل کر کے اپنی ”حدیث دانی“ کا ثبوت فراہم کیا ہے اور دین اسلام کی ”بڑی خدمت“ کی ہے۔ ان اسلاف میں عبدالحق ”محدث دہلوی“ نے اپنی کتاب ”مدارج النبوت“ میں لکھا ہے:

”ابو شریف کا پینا بھی کئی دفعہ واقع ہوا ہے۔ ان میں سے ایک وہ جام تھا جو آپ کی حجامت بناتا تھا۔ اس نے حضورؐ کو پچھنے لگائے، خون نکلا تو وہ اسے پی گیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تو نے خون کو کیا کیا ہے۔ اس نے کہا میں خون باہر لے گیا تھا تاکہ اسے پناہاں کر دوں۔ میں نے نہ چاہا کہ آپ کے خون مبارک کو زمین پر پھینکوں، پس میں نے اسے پیٹ میں چھپا لیا ہے۔ آپ نے فرمایا، بیشک تم نے بہانہ بنا کر اپنے نفس کی حفاظت کر لی ہے یعنی بیابروں اور بلا سے۔ روایت میں آیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ احد کے دن زخمی ہو گئے تھے، ابو سعید خدریؓ کے والد مالک بن سنان نے آپؐ (کے جسم شریف) پر جراحت کی تاکہ زخموں کو مفید ہو۔ اسے لوگوں نے کہا کہ اپنے منہ سے خون کو پھینک دو۔ اس نے کہا کہ اللہ کی قسم! ہرگز زمین پر نہیں پھینکوں گا۔ پس وہ اسے پی گئے۔ پس آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مرد جلتی کو دیکھنا چاہتا ہے، وہ اس آدمی کو دیکھ لے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت آئی ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ نے حجامت بنوائی۔ پس آپؐ نے مجھے اپنے خون (والا برتن) دیا کہ اس خون کو کہیں ایسی جگہ پوشیدہ کر دوں جہاں کوئی نہ دیکھے۔ پس میں نے اسے پی لیا کیونکہ اس سے زیادہ پوشیدہ جگہ میں نے نہ پائی۔ حضورؐ نے فرمایا وائے تمہیں لوگوں سے اور وائے لوگوں کو تم سے۔ اس میں حضورؐ نے ان کی قوت و مردانگی اور شجاعت و شہامت کی طرف اشارہ فرمایا جو اس کو خون سے حاصل ہوئی۔ لوگوں کے ساتھ لڑائی و قتال کا باعث بنا اور اس نے یعنی عبد اللہ بن زبیرؓ نے یزید کی بیعت نہ کی اور کہہ شریف میں قیام کیا اور حلقہ امارت میں حجاز و یمن اور عراق و یونان و خراسان کے لوگ مجتمع تھے۔ اور عبد الملک بن مروان کے عہد حکومت میں ان کو حجاج بن یوسف نے شہید کر دیا اور پھانسی پر لٹکا دیا اور ان کے متعلق روایات میں طویل قصہ آیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے اس وقت فرمایا جب انہوں نے خون مبارک پی لیا تھا لا تمسک الناس الا قسم النبیہن: تمہیں دو زخمی آگ میں نہ کرے گی سوائے قسم کے لیے جو حق تعالیٰ نے کھائی ہے۔ ان روایات سے حضورؐ کے بول شریف اور خون مبارک کی طہارت و پاکیزگی پر دلالت ہوتی ہے اور اسی طرح تمام فضلات سے متعلق ہے اور علامہ یعنی جو صحیح بخاری کے شارح ہیں، جو مسلک حنفی رکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اسی کے قائل تھے جو شیخ ابن حجرؒ نے بھی فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کے فضلات کی طہارت پر کثیر بین دلائل ہیں اور حضورؐ کے خصائص میں یہ چیزیں بھی ائمہ نے شریک

رضاخاں بریلوی صاحب کے ملفوظات میں ہے کہ
”عرض: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے فضلات شریفہ پاک ہیں۔
ارشاد: پاک ہیں اور ان کے والدین کریمین کے وہ نطفے بھی پاک ہیں جن سے یہ
 حضرات پیدا ہوئے۔“ (1)

ایک دوسرے صاحب جو ”منہاج القرآن“ (یعنی قرآن کی راہ) کے نام سے ”مصطفوی
 انقلاب“ اور ”اسلامی نظام“ کی تحریک چلا رہے ہیں، وہ تو یہاں تک دعویٰ کر گئے ہیں کہ
 ”حضور نبی اکرم ﷺ کا بول و براز کھانے پینے کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے اور مریض
 اس کے استعمال سے صحت یاب ہوتے رہے ہیں۔“ (2)

اس طرح کی باتیں شائکل کی کتابوں میں اکثر لکھی ہوئی ملتی ہیں جیسے مفتی ارشاد قاسمی کی تصنیف کردہ
 شائکل کبریٰ مطبوعہ زم زم پبلشرز، اردو بازار، کراچی (جلد ۴، صفحہ ۱۰۸)، جلال الدین سیوطی کی خصائص
 کبریٰ (جلد ۱، باب ۳۴، صفحہ ۱۳۷)، قاضی عیاض کی الشفا (جلد ۱، باب ۲، فصل ۳، صفحہ ۷۹) وغیرہ۔

- (1) ملفوظات حصہ چہارم صفحہ ۲۶
- (2) بحوالہ روزنامہ جنگ کراچی، مورخہ ۷ دسمبر ۱۹۹۸ء، صفحہ ۴، کالم ۸، مضمون: ”قرآنی تعلیمات۔ ایک علمی
 بحث“ از ارشاد احمد حقانی جس میں طاہر القادری صاحب کے ایک بیان پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ نہ جانے قادری
 صاحب نے کہاں سے یہ لکھ دیا کہ یہ بول و براز خورد و نوش کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے کیونکہ ان کے اپنے امام
 اعلیٰ حضرت نے مولہ بالا جواب میں ہی نبی ﷺ کے قضائے حاجت کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جس میں ان کے
 کہنے کے مطابق جابر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ ”حضور میں اس نیت سے گیا تھا کہ جو کچھ ملے اس کو تبرکا
 کھا جاؤں وہاں سوائے مشک کی خوشبو کے اور کچھ نہ پایا۔ فرمایا کیا تم کو معلوم نہیں کہ زمین نگل لیتی ہے جو انبیاء
 سے خارج ہوتا ہے۔“ یعنی جب پیچھے کچھ بچا ہی نہیں تو پھر کیا کھایا اور کیا پیا؟ ان ”ڈاکٹر پروفیسر حضرت علامہ“
 صاحب کو بھی شاید اپنے سلف کبیر ”محدث دہلوی“ کی ”مدارج النبوت“ سے ہی دلیل ملی ہوگی جس میں
 انہوں نے لکھا ہے کہ:

حضور ﷺ کا بول مبارک: آپ ﷺ کا بول شریف تو بہت لوگوں نے دیکھا ہے اور اس کو امین رضی اللہ
 عنہا نے پیا بھی ہے، جو آپ کی خدمت کیا کرتی تھی، اور علماء نے کہا ہے کہ رات کے دوران حضور (جہاں سویا
 کرتے تھے) اس کے نیچے ایک برتن رکھا کرتے تھے جس میں آپ پیشاب فرماتے تھے۔ ایک شب آپ نے اس
 میں بول فرمایا تھا۔ صبح ہوئی تو امین کو فرمایا کہ جو کچھ اس برتن میں ہے زمین پر انڈیل دو۔ پس اس برتن میں
 کوئی چیز نہ پائی۔ امین نے کہا کہ اللہ کی قسم مجھے پیاس لگی تھی تو میں نے اسے پی لیا تھا۔ پس حضور ﷺ
 مسکرائے اور منہ دھونے کے لیے نہ کہا اور نہ دوبارہ ایسا کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ تمہارے پیٹ میں کبھی

غلو کی دوسری مثالوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ لوگ قبر نبوی کی زیارت کو واجب، موجب حصول درجات و بے حد ثواب سمجھتے ہیں۔⁽¹⁾ پیچھے لکھا جا چکا ہے کہ قبر نبوی کی زیارت سے متعلق جتنی بھی روایتیں آئی ہیں وہ سب کمزور اور من گھڑت ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔ نبی ﷺ کی جوتی کی کرامت کے معاملے میں تو ان لوگوں نے غلو کی حد ہی کر دی۔ زکریا

کاندھلوی صاحب ”خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی“ میں لکھتے ہیں کہ

”نعل شریف کے برکات و فضائل حکیم الامت اشرف علی تھانوی مدظلہ کے رسالہ زاد السعید کے اخیر میں مفصل مذکور ہیں۔ مختصر یہ کہ اسکے خواص بے انتہا ہیں۔ علماء نے بارہا تجربے کیے ہیں۔ حضور کی زیارت میسر ہوتی ہے، ظالموں سے نجات حاصل ہوتی ہے، ہر دلعزیزی میسر ہوتی ہے، غرض ہر مقصد میں اس کے توسل سے کامیابی ہوتی ہے۔“ (2)

اشرف علی تھانوی صاحب، جن کے حوالے سے کاندھلوی صاحب نے نبی ﷺ کی جوتی کے فضائل بیان کیے ہیں، اسی موضوع سے متعلق اپنے دوسرے رسالے ”نیل الشفاء بنعل المصطفیٰ“ میں یہاں تک کہہ گئے کہ:

”اس نقشہ شریف کے آثار و خواص کو کون شمار میں لاسکتا ہے..... اس نقشہ شریف کے منافع ایسے کھلم کھلائیں کہ بیان کی حاجت نہیں۔“ (3)

درد نہ ہوگا۔ اور ایک دفعہ اور ایک عورت تھی جس کا نام برکہ تھا، وہ بھی آپ کی خدمت کرتی تھی۔ اس نے بھی آپ کا پیشاب مبارک پی لیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے ام یوسف! تو کبھی بیمار نہ ہوگی۔ پس وہ عورت اس کے بعد کبھی بیمار نہ ہوئی سوائے اس علالت کے جو اس دن ہوئی جس دن اور جس کے دوران وہ اس جہاں سے رخصت ہو گئی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ایک شخص نے آپ کا بول پی لیا تھا۔ پس اس سے خوشبو آیا کرتی تھی اور اس کی اولاد سے بھی چند پشتوں تک۔ روایات میں آیا ہے کہ لوگ آپ کے بول شریف سے برکت حاصل کرتے تھے اور لو مبارک سے بھی۔“ (مدارج النبوت: جلد ۱، صفحہ ۷۳)

(1) عقائد علمائے دیوبند اور حسام الحرمین: صفحہ ۲۱۷/ الخیر، اگست ۱۹۹۱ء، صفحہ ۳۷

(2) خصائل نبوی: صفحہ ۲

(3) زاد السعید: صفحہ ۲۷ اور ۲۹

مشرکین مکہ بت پرستی میں اس قدر آگے بڑھ گئے تھے کہ راہ کے پتھر کو بھی صاف کر کے پوجنے لگتے تھے۔ اسی طرح آج کے یہ نام نہاد مسلمان بھی شرک میں اتنی ترقی کر گئے ہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں مردہ لاشوں کے ساتھ ساتھ ایک جوتی کا بھی وسیلہ پکڑتے ہیں اور اس کے نقش کو مؤثر سمجھتے ہیں! (ویسے کے شرک ہونے کا بیان پیچھے گزر چکا ہے) انہیں تو شاید افسوس ہوتا ہو کہ صحابہ کرام ؓ نے بے کار اتنے دکھ جھیلے اور تکلیفیں اٹھائیں، انہیں اس کرامتی جوتی کا علم نہ تھا ورنہ وہ اس کے وسیلے سے دعا کرتے اور تمام مسئلے حل ہو جاتے: ابو بکر ؓ کے زمانے میں فتنہ ارتداد نہ اٹھتا، عمرو عثمان و علی ؓ قتل نہ کیے جاتے، جمل و صفین کی لڑائیوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں ایک دوسرے کا خون نہ بہتا.....

نبی ﷺ اپنی تعظیم و تکریم میں حد سے تجاوز کرنے اور غلو کرنے کے معاملے میں کس قدر احتیاط کرتے تھے اس کا اندازہ درج ذیل احادیث سے ہوتا ہے جن کی صحت مسلک پرستوں کے نزدیک بلا کسی کلام کے مسلم ہے:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ مَا شَاءَ اللَّهُ وَشِئْتَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَجَعَلْتَنِي وَاللَّهِ عَدْلًا؟ ابْنُ مَا شَاءَ اللَّهُ وَحْدَهُ
 ”ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے اس طرح کہا: جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: کیا تو مجھے اللہ کے برابر کر دیا بلکہ یہ کہہ کہ جو اللہ نے اکیلے چاہا“ (1)

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُحَمَّدٍ بْنِ جُبَيْرٍ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ
 قَالَ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ جُهِدْتَ
 الْأَنْفُسَ وَضَاعَتِ الْعِيَالُ وَنُهَكَتِ الْأَمْوَالُ وَهَلَكَتِ الْأَنْعَامُ
 فَاسْتَشَقِ اللَّهَ لَنَا فَإِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِكَ عَلَى اللَّهِ وَنَسْتَشْفِعُ بِاللَّهِ عَلَيْكَ
 قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَيَحَاكَ أَتَدْرِي مَا تَقُولُ وَسَبَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَمَا
 زَالَ يُسَبِّحُ حَتَّى عَرِفَ ذَلِكَ فِي وَجْهِهِ أَصْعَابُهُ ثُمَّ قَالَ وَيَحَاكَ إِنَّهُ لَا

(1) مسند احمد: (1/ ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۸۳، ۳۲۷) مسند عبد اللہ بن عباس ؓ والی ص ۲۸۳

حدیث نمبر ۱۸۴۲، ۱۹۶۵، ۲۵۵۷، ۳۲۳۷، جلد ۱، صفحات ۳۵۴، ۳۷۷، ۴۲۵

يُسْتَشْفَعُ بِاللّٰهِ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْ خَلْقِهِ شَأْنُ اللّٰهِ اَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ وَيَحْتَكَ
اَتَقْدِرُنِيْ مَا لِلّٰهِ اِنَّ عَرْشَهُ عَلَى سَمَآوَاتٍ لَّهٰكَذَا.....

”جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بدو نے آکر کہا کہ اے اللہ کے رسول! (خشک سالی کی وجہ سے) لوگوں پر مصیبت آگئی ہے، عیال و اموال ضائع ہو گئے اور مویشی ہلاک ہو گئے، آپ اللہ سے ہمارے لیے بارش کی دعا فرمائیے، ہم آپ کو سفارشی بناتے ہیں اللہ کے پاس اور اللہ کو سفارشی بناتے ہیں آپ کے پاس۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ارے کم بخت کیا کہہ رہا ہے۔ نبی ﷺ (اس کی بات سے نہات مغرب ہوئے اور) بار بار سبحان اللہ سبحان اللہ کہہ کر اللہ کی پاکی بیان کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اس کا اثر صحابہ کے چہروں پر دیکھا گیا۔ پھر فرمایا: ارے کم بخت! اللہ کو اس کی مخلوق میں سے کسی کے بھی نزدیک سفارشی نہیں لایا جاسکتا؛ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت زیادہ عظیم ہے؛ ارے کم بخت تو جانتا ہے کہ اللہ جل جلالہ کی بڑائی اور بزرگی کیسی ہے، اس کا عرش آسمانوں پر اس طرح ہے۔“ (1)

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْمُسْلِمِينَ رَأَىٰ فِي النَّوْمِ أَنَّهٗ لَقِيَ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ فَقَالَ يَعْمرُ الْقَوْمُ اَنْتُمْ تَوْلَا اَنْكُمْ تُشْرِكُوْنَ تَقُولُوْنَ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ وَّذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اَمَّا وَاللّٰهِ اِنْ كُنْتُ لَا عَرَفَهَا نَكُمُ قُولُوا مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاءَ مُحَمَّدٌ

”حذیفہ بن یمان روایت کرتے ہیں کہ ایک مسلمان نے خواب دیکھا کہ اس نے ایک اہل کتاب سے ملاقات کی جس نے اس سے کہا کہ تم اچھے لوگ ہو اگر شرک نہ کرو، تم کہتے ہو جو اللہ چاہے اور جو محمد چاہے۔ یہ خواب نبی ﷺ سے بیان کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں اس بات کو جانتا تھا (کہ اس طرح کہنے میں شرک کی بوہے): تم لوگ یوں کہا کرو کہ جو اللہ چاہے پھر جو محمد چاہیں۔“ (2) ★

(1) سنن ابی داؤد: جلد ۲ کتاب السنۃ باب ۴۰۵ فی الجہمیۃ صفحہ ۵۰۱
نبی ﷺ کی اس ممانعت کو دیکھیے اور عشق نبوی کے دعوے کرنے، نظام مصطفیٰ کے لیے جان دینے کی بات کرنے والوں کا طرز عمل دیکھیے، کیسے لہک لہک کر پڑھتے ہیں کہ
۔ یا الہی رحم فرما مصطفیٰ کے واسطے..... یا رسول اللہ کرم کیجیے خدا کے واسطے

(حدائق بخشش [شجرہ قادریہ برکاتیہ] حصہ اول صفحہ ۵۳)
(2) سنن ابن ماجہ: جلد ۲، کتاب الکفارات، باب النہی ان یقال ما شاء اللہ و شئت، صفحہ ۱۶۰
★ یہاں وہ عبارتیں ذہن میں رکھیے جو ریلوی مکتب فکر کی کتابوں اور امداد اللہ مہاجر کی صاحب کے حوالے سے گزشتہ صفحات میں نقل کی گئی ہیں۔ مؤخر الذکر کا یہ شعر بھی ملاحظہ فرمائیے :

عَنْ عَبْدِ بْنِ حَاتِمٍ أَنَّ رَجُلًا خَطَبَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ مَنْ يُطِيعُ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَعْصِهِمَا فَقَدْ غَوَى فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَنَسْ
الْخَطِيبُ أَنْتَ قُلْ وَمَنْ يَعْصِي اللَّهَ وَرَسُولَهُ قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ فَقَدْ غَوَى

عبدی بن حاتم سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کے پاس خطبہ پڑھا اور اس نے کہا
مَنْ يُطِيعُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَعْصِهِمَا فَقَدْ غَوَى یعنی جو اطاعت کرے اللہ
کی اور اس کے رسول کی تو وہ ہدایت پا گیا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوا، تو رسول
اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو کیا ہی برا خطیب ہے۔ یوں کہہ وَمَنْ يَعْصِي اللَّهَ وَرَسُولَهُ یعنی جس
نے اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ ابن نمیر نے کہا کہ بیشک وہ گمراہ ہوا۔ (۱)

مذکورہ بالا احادیث * میں نبی ﷺ نے اللہ اور رسول کو ایک صیغہ میں ملانے سے منع
فرمایا اور دونوں کے لیے حد فاصل مقرر کی تاکہ عبد اور معبود کا فرق باقی رہے۔ * آج اسی
فرق کو مٹانے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ سابقہ سطور میں اس کی چند مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

۔ محمدؐ کی مرضی ہے مرضی خدا کی خدا کی رضا ہے رضائے محمد
(کلیات اداویہ (علامہ غریب) صفحہ ۹۱)
ساتھ ہی یہ شعر بھی ذہن میں دہرا لیجیے جو ذرائع ابلاغ کے ذریعے پیش کی جانے والی ان مسلک پرستوں کی
نعتوں میں شامل ہوتا ہے:

۔ خدا کی رضا مصطفیٰ چاہتے ہیں خدا مصطفیٰ کی رضا چاہتا ہے
ذرا دیکھیے کہ ان اشعار میں کس طرح سے مذکورہ احادیث اور درج ذیل قرآنی آیت کو جھٹلایا گیا ہے:
۔ وہی نور رب وہی ظل رب ہے انہیں سے سب، ہے انہیں کا سب
نہیں اُنکی ملک میں آسمان کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں
۔ بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مفر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

(الاستدال از رضا خاں بریلوی: صفحہ ۱۳۶)

يَخْلُقُونَ كَيْدًا لِّتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ (العنکبوت: ۲۵)
”یہ (منافقین) اس لیے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ سو اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ تو
بھی اللہ تعالیٰ ایسے فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔“

(۱) صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب الجمعة، صفحہ ۳۲۶

★ واضح رہے کہ یہ ساری حدیثیں مسلک پرستوں کے اصول کے مطابق صحیح اور قابل استدلال ہیں۔

کتاب ہذا کے اس باب کے رد میں ملا مجیب اور ملا تونسوی نے اپنی کتابوں میں حسب معمول ضعیف روایات اور تفسیری اقوال کے ذریعے محکم قرآنی آیات اور مستند احادیث کے نصوص کو جھٹلانے کی سعی باطل کی ہے۔ اس مفصل باب سے ان دونوں مولویوں نے دیگر متعدد عناوین کو چھوڑ کر نبی ﷺ کو سب نبیوں سے افضل کہنے، خطاب کے لیے سید کو نین وغیرہ جیسے مبالغہ آمیز القابات استعمال کرنے، نبی ﷺ کے نام سے پہلے حضور، حضرت وغیرہ کے سابقہ لگانے جیسے مسائل کو منتخب کیا ہے اور انہیں اپنے باطل استدلال کی خراپر چڑھا کر درست ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

ملا تونسوی نے حسب عادت اپنی سم آلود زبان کے جوہر یہاں بھی دکھائے ہیں اور بڑی دریدہ دہنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قرآن مجید کی معنوی تحریف کر کے کفر والحاد کا ارتکاب کرنے تک سے متہم کر دیا ہے! ساتھ ہی یہ گل افشانی بھی فرمائی ہے کہ

”قارئین کرام! یقین جانئے گمراہ لوگ اور لحد فرقتے جب تک قرآن مجید کی آیات کی تحریف نہ کریں اس وقت تک ان کا من مانا مطلب اور دل بھاتا مقصد حاصل نہیں ہوتا، اس لئے یہ لوگ قرآنی تحریف اور الحاد فی آیات اللہ میں مجبور ہو جاتے ہیں اور ایسا کرنے سے خود بھی گمراہ بنتے ہیں اور سادہ لوح عوام کو بھی گمراہ کرتے ہیں اور اس فعل بد کا نام قرآن، اسلام اور توحید رکھتے ہیں حالانکہ ان کا یہ سارا عمل غیر قرآن اور غیر اسلام ہوتا ہے یعنی اتنے گمراہ ہو چکے ہیں کہ ان کو قرآن اور غیر قرآن، اسلام اور غیر اسلام اور توحید اور غیر توحید کا بھی پتہ نہیں ہے۔“ (صفحہ ۳۴۶)

اللہ گواہ ہے کہ ہم نہ کوئی فرقہ ہیں اور نہ ہی یہ اوصاف ہمارے اندر پائے جاتے ہیں بلکہ ہم تو ان خصائل رذیلہ سے حد درجہ متنفر و بیزار ہیں جو کہ ان مسلک پرستوں میں ہی

* یہ اور بات ہے کہ اس ممانعت کے باوجود ان مسلک پرستوں کے جمعہ اور عیدین کے خطبات کے کتابچوں میں یہی لفظی عصبہما یعنی ایک ہی صیغے کی ترکیب میں لکھا ہوا ملتا ہے جسے ان کے پیشہ ور امام اسی طرح سے خطبہ میں پڑھ بھی دیتے ہیں! (حوالے کے لیے دیکھیے مفتی شفیع عثمانی صاحب کاشائع کردہ ان کے پیر اشرف علی تھانوی صاحب کا مجموعہ خطبات الاحکام لجمععات العام: الخطبة الاخيرة لجميع خطب الرسالة، مطبوعہ تاج کمپنی لمینٹڈ کراچی، صفحہ ۲۱۹)

بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ گزشتہ صفحات میں اس بات کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ مندرجہ بالا اقتباس میں علامہ تونسوی نے دراصل خود اپنے ہی ہم مذہبوں کی رونمائی فرمائی ہے۔

ہم نے نبی ﷺ کے مناقب میں جو آیات و احادیث اس باب میں پیش کی ہیں، انہیں ان مولویوں نے دوبارہ پیش کیا ہے اور ساتھ ہی اس موضوع کی ضعیف روایات پیش کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ گویا ہم نبی ﷺ کی فضیلت کے منکر ہیں حالانکہ ہم نے اس موضوع کی ابتدا ہی نبی ﷺ کے فضائل بیان کر کے ان الفاظ سے کی تھی کہ

”فضیلت محمدی سے تو کسی کافر ہی کو انکار ہو سکتا ہے“

اور ہم ہرگز اس کے انکاری نہیں۔ اصل مسئلہ نفسِ فضیلت نہیں بلکہ نبی ﷺ کے اس واضح فرمان کا انکار ہے جس میں نبی ﷺ نے انبیاء علیہم السلام میں تقاضا یعنی تقابلی فضیلت مقرر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اگرچہ فضیلت ثابت کرنے والی صحیح روایات بھی موجود ہیں تاہم ان پر ممانعت بیان کرنے والی احادیث قابلِ ترجیح ہو گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حکم نازل فرمادیا ہے کہ

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر: ۶)

”اور جو چیز تم کو رسول میں وہ لے لو اور جس سے وہ منع کر دیں (اس سے) باز رہو۔“

اس حکمِ الہی کی تعمیل میں مذکورہ دو طرح کی روایات میں تطبیق دینے اور ان کی ناروا تاویلیں کرتے ہوئے ممانعت کی روایات کو تواضع پر محمول کرنے یا انہیں مرجوع عنہ حکم سابق ٹھہرانے کی ضرورت نہیں بلکہ سیدھے سادے طریقے سے اللہ کے حکم کی تعمیل میں نبی ﷺ کی نہیں پر عمل کرتے ہوئے نبی ﷺ کے لیے اس طرح کا انداز نہ اپنایا جائے کہ

۔ فرق طالب و مطلوب میں دیکھے کوئی قصۂ طور و معراج سمجھے کوئی

۔ کوئی بے ہوش جلووں میں گم ہے کوئی کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی

آکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام

۔ سب سے اوّل و اعلیٰ ہمارا نبی سب سے بالا والا ہمارا نبی ﷺ

۔ خلق سے اولیاء اولیاء سے رُسل اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی ﷺ اسی طرح سے لفظ ”سید“ آیات و احادیث میں انسانوں کے لیے استعمال ہوئے ہیں لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا حکم کی تعمیل میں نبی ﷺ کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے نبی کے لیے یہ الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہئیں۔ نبی ﷺ کا یہ فرمان پیچھے نقل کیا جا چکا ہے کہ لَا تَطْرُقُونِي كَمَا أَطْرَقَ النَّصَارَى ابْنُ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُولُوا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ

”مجھے اتنا نہ بڑھانا جتنا عیسائیوں نے مریم کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کو بڑھایا (کہ انہیں اللہ کا بیٹا تک بنا ڈالا)، میں تو اللہ کا بندہ ہوں، پس تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہنا۔“

صحابہ رضی اللہ عنہم جن سے خطاب کرتے ہوئے نبی ﷺ نے یہ حکم دیا، انہوں نے سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (ہم نے سن لیا اور مان لیا) کے مومنانہ وصف کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس حکم کی تعمیل کی اور نبی ﷺ کو ہمیشہ نبی اور رسول ہی کہتے رہے، عرب کے مروّجہ قاعدے کے مطابق کبھی ابو القاسم کی کنیت بھی استعمال کی ورنہ جس طرح گزشتہ صفحات میں مسلک پرستوں کے خطا بانہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں، وہ یا ان کے ہم معنی الفاظ صحابہ نے کبھی استعمال نہ کیے۔ نہ ہی کبھی ادب و احترام کے لیے حضور، حضرت جیسے یا ان کے مترادف الفاظ استعمال کیے جیسا کہ مُلّا مجیب اور مُلّا تونسوی نے اپنے ہم مسلکوں کے اس فعل کا دفاع مختلف لغات کی عبارتیں نقل کر کے کیا ہے اور نہ کہنے کے ہمارے موقف کو کوتاہ فہمی اور قلت تدبر کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ شاید یہ لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی زیادہ نبی ﷺ کی عزت و تعظیم کے دعویدار ہیں اور دین کے فہم و تدبر میں ان سے بھی آگے نکل گئے ہیں! ابابین عقل و دانش بایں گریست! اپنے اکابرین کے باطل موقف کا دفاع کرنے کی بجائے کیا ان مسلک پرستوں کے لیے نبی ﷺ کے زیر بحث حکم کی فرمانبرداری بہتر نہیں؟ گنبد خضراء کے دفاع میں مُلّا مجیب نے جن الفاظ میں ہم پر اعتراض اٹھایا ہے، وہ اس عنوان پر انہی کر طرف پلٹتا ہے یعنی فرمائیے کس صحابی یا تابعی یا تبع تابعی یا امام مجتہد یا محدث نے یہ القابات استعمال کیے؟ جب کسی نے ان القابات کو پسند نہیں کیا اور ہمیشہ ان القابات کے استعمال سے بچتے رہے تو ہم پر بہتان کیوں؟

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ

ملا مجیب نے نبی ﷺ کے فضلات کو پاک ثابت کرنے میں بھی اس طرح سعی لاحاصل کی ہے۔ حسب عادت تفسیری حوالوں اور تیسرے چوتھے طبقے کی غیر مستند اور ناقابل حجت کتابوں کی تحریروں سے نبی ﷺ کے خون و پیشاب پینے کے واقعات (پانانے کے استعمال کے لیے) انہیں کوئی روایت نہیں ملی حالانکہ ”حضرت شیخ الاسلام علامہ ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری“ کو یہ بھی مل گئی ہے! نقل کر کے انہوں نے اپنی دانست میں ثابت کر دیا کہ نبی ﷺ کے فضلات پاک و طیب تھے اور اس پر وارد اشکالات کے جواب میں زکریا کاندھلوی صاحب کی عبارت ہی نقل کی ہے جس میں مذکورہ من گھڑت واقعات کے حوالے سے ”شیخ الحدیث“ نے اپنے علم حدیث کا مظاہرہ ان الفاظ میں کیا ہے کہ

”ان سب واقعات کے بعد جن کے متعلق فرداً فرداً بعض میں کلام بھی کیا گیا ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں کہ مجموعہ کے اعتبار سے قوی ہیں اس سب میں یا تو آپ یہ کہیں کہ ان سب حضرات نے ناپاک چیز کا استعمال کیا اور مزید برآں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو ان کو منہ پاک کرنے کا حکم فرمایا اور نہ ناپاک چیزوں کے استعمال پر تنبیہ فرمائی یا پھر فضلات کی طہارت کو اختیار کیجیے جس میں کوئی شرعی مانع نہیں اس صورت میں ان سب حضرات کو آپ ناجائز کے استعمال سے بچا سکتے ہیں۔“ (صفحہ ۲۷)

”شیخ الحدیث“ کے اس ”فقید المثال“ استدلال سے دیوبندیوں اور بریلویوں کے ساتھ ساتھ یہود و نصاریٰ بھی فیضیاب ہو سکتے ہیں۔ یہودیوں نے اپنے انبیاء پر نازیبا قسم کے الزامات لگائے: کہیں داؤد علیہ السلام پر بیہودہ الزامات اور کہیں عیسیٰ علیہ السلام پر ناروا الزامات اور کہیں دیگر انبیاء علیہم السلام کے دامن عصمت کو داغدار کیا اور جنہیں ”کتاب مقدس“ بائبل کا حصہ بنا دیا جن کا حوالہ کتاب ہذا کے عنوان ۱۲ میں دیا گیا ہے۔ آج کوئی یہودی یا عیسائی یہ کہہ سکتا ہے کہ جن حضرات نے انبیاء پر یہ الزامات لگائے تو انبیاء میں سے کسی نے ان الزامات کی تردید نہیں کی اور نہ ہی خود توبہ کی؛ تو اب یا تو انبیاء پر ان الزامات کو تسلیم کر لیا جائے یا الزام لگانے والوں کو جھوٹا قرار دیا جائے۔ اگر یہ الزامات جھوٹے قرار دیئے گئے تو بائبل کے مرتبین جھوٹے ٹھہریں گے اور نتیجتاً ”کتاب مقدس“ ہی ناقابل اعتبار ٹھہرے گی، اس صورت میں آپ بائبل اور اس کے مرتبین کو ان الزامات کو درست تسلیم کر کے بچا سکتے ہیں!

ان مسلک پرستوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا وقار تو کوئی ہے نہیں، اپنے احبار و رہبان کو رب بنائے بیٹھے ہیں کہ اُن کے فرمان کو فرمانِ الہی پر ترجیح دیتے ہیں ورنہ قرآن کی چار آیات میں بغیر کسی کے استثنائی کے خون کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ بجائے اس کے کہ مذکورہ افراد کو ناپاک چیزوں کے استعمال سے بچانے کے لیے فضلات کو قرآن کی ان آیات کے خلاف پاک قرار دیتے، ان کو چاہیے تو یہ تھا کہ ان واقعات کو ہی جھوٹا قرار دے دیتے مگر مقامِ حیرت ہے کہ ان آیات کے ہوتے ہوئے بھی انہیں کوئی شرعی مانع نظر نہیں آتا! اسی کو دیدگی و کور باطنی میں اپنے اکابرین کی اندھی تقلید کرتے ہوئے نبی ﷺ کے خون کو مذکورہ آیات میں مذکور خونِ حرام سے یہ کہہ کر خارج کر دیا کہ اس کی کوئی تفسیر نبی ﷺ اور صحابہ سے منقول نہیں اور نہ ہی نبی ﷺ اور صحابہ نے نبی ﷺ کے خون کو اس حکم میں شامل سمجھا ورنہ وہ اس کو کبھی نہ پیتے اور نبی ﷺ ہنس کر ایسا کرنے پر جہنم سے بچنے کی بشارت نہ دیتے۔ یعنی بنیاد اللہ کی کتاب کی آیات نہیں بلکہ مذکورہ غیر مستند کتابوں کے یہ جھوٹے واقعات ہی ہیں! اس پر مستزاد یہ کہ ہم سے مطالبہ ہے کہ ”بالخصوص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خون سے متعلق قرآن و حدیث سے نص پیش کریں۔“ ملا مجیب کی ذہنیت کا حامل کوئی ہندو کہہ سکتا ہے کہ اس خون میں گائے کا نام نہیں لہذا گائے کا خون پو تر ہے؛ اسی طرح کوئی خنزیر کے خون کو عدم خصوص کی وجہ سے اس حکمِ حرام کے دائرے سے باہر کر دے گا اور کوئی کسی اور کے خون کو..... قارئین! اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پھر اس طرح کے دعوؤں کی کوئی حد نہیں رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

فَإِنَّهَا لَا تَعْلَىٰ الْأَبْصَارَ وَلَكِن تَعْلَىٰ الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (الحج: ۳۶)

”بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں (وہ) اندھے ہوتے ہیں۔“

ملا مجیب نے خطابیہ صیغہ میں صلوٰۃ و سلام پڑھنے پر بھی خامہ فرسائی فرمائی ہے اور پیچھے مذکور اپنے ”سید الطائفہ“ یعنی سرغنہ امداد اللہ مہاجر کی کے ”فیصلہ ہفت مسئلہ“ سے لفظی توڑ مروڑ پر مبنی طویل عبارت نقل کر کے اس فعل کو جائز ٹھہرایا ہے اور اپنی عادت کے

مطابق یہاں بھی غیر مستند اور غیر صحیح روایات اور تفسیری اقوال سے استدلال کیا ہے۔ اے کاش کہ وہ کوئی ایک ہی صحیح حدیث پیش کر دیتے جس سے پتہ چلتا ہو کہ کسی صحابی نے کبھی ان خطابي الفاظ میں صلوٰۃ و سلام پڑھا ہو! اسی طرح سے ذکرِ ولادت کا دفاع کرتے ہوئے تیر چلایا ہے کہ اگر صحابہ نے نبی ﷺ کو نسیا نہ کیا تو پھر یومِ ولادت، سنِ ولادت اور حالاتِ ولادت وغیرہ ہم تک کس نے پہنچائے؟ ملا موصوف سے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا سنِ ولادت کو یاد رکھنا اور یومِ ولادت کی یاد میں جشن یا ذکر کی محفل منعقد کرنا دونوں ایک ہی فعل ہیں؟ کیا مؤخر الذکر انداز میں صحابہ ؓ نے کبھی کوئی محفل میلاد منعقد کیا تاکہ ولادت کا دن تاریخِ یاد رہے؟ کیا ہمیں اپنے عزیزوں کی سالگرہ منائے بغیر ان کی تاریخِ پیدائش یاد نہیں رہتی؟

اللہ کو دیکھنا

اللہ سے کلام کرنے والے اُس کے جلیل القدر پیغمبر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوہ طور پر اللہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی :

قَالَ رَبِّ ارِنِي أَنْظُرَ إِلَيْكَ ط (الاعراف: ۱۴۳)

”کہا، اے میرے رب! مجھے (جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار کر لوں“

جواب آیا :

لَنْ تَرِنِي ”تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔“

نبی ﷺ نے فرمایا کہ :

تَعْلَمُوا أَنَّهُ لَنْ يَرَى أَحَدٌ مِنْكُمْ رَبَّهُ حَتَّى يَمُوتَ

”تم لوگ یہ جان رکھو کہ تم میں سے کوئی مرنے سے پہلے اپنے رب کو نہیں دیکھ سکے گا۔“ (۱)

صحیح احادیث سے یہی ثابت ہے کہ کوئی انسان اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتا، حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام بھی۔ لیکن پیرامداد اللہ صاحب اپنے مرید اشرف علی تھانوی صاحب کو بتاتے ہیں کہ بالکل دیکھ سکتا ہے۔ (۲) شاہ ولی اللہ صاحب کی جرأت دیکھیے کہ فرماتے ہیں :

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَبَّهُ بِعَيْنِهِ فِي الْبُعْرَاجِ وَ
أَنَّ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ سَمِعَ كَلَامَهُ الْمُقَدَّسَ بِأُذُنِيهِ وَلَا تَتَعَجَّبْ
وَأَمِنْ وَاسْلَمْ فَإِنَّ الْإِنْكَارَ فِي امْتِنَالِ هَذَا حَيْشٌ وَحَجَرٌ

”شب معراج میں رسول اکرم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کانوں سے اس کا کلام سنا۔ ان باتوں پر ذرا بھی تعجب نہ کرو بلکہ ان کو تسلیم کرو ان پر ایمان لاؤ۔ ان باتوں کا انکار جہالت اور عاجزی پر وال ہے۔“ (۳)

(۱) صحیح مسلم: جلد ۶، کتاب الفتن باب ذکر ابن صیاد، صفحہ ۴۵۱

(۲) امداد المشتاقی: صفحہ ۵۱

(۳) خیر کشیر: صفحہ ۴۲۶

ان سے پہلے جلال الدین سیوطی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ:
 ”آپؐ نے دو مرتبہ دیدار حق تعالیٰ کیا۔“ (1)

اور ان سے بھی پہلے عبدالقادر جیلانی صاحب نے لکھا کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے رب کو سر کی آنکھ سے دیکھا، صرف معراج کی رات ہی گیارہ مرتبہ دیکھا۔ (2) بخاری و مسلم نے روایت کے اس مسئلے پر عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بطور قول فیصل نقل کی ہے:

عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ کیا نبی ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تمہاری بات سے تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کیا تم یہ تین باتیں سمجھتے کہ جس نے ان کا ہونا بیان کیا، اس نے بے شک جھوٹ کہا: جو کوئی یہ کہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تو بے شک اس نے جھوٹ کہا۔ * اس کے بعد آپؐ نے یہ آیتیں پڑھیں:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (الانعام: ۱۰۳)
 ”کوئی نگاہ اس کو نہیں پاسکتی، مگر وہ نگاہوں کو پالتا ہے، اور وہ نہایت لطیف اور خبردار ہے۔“

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ (الشوریٰ: ۵۱)
 ”اور کسی آدمی کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے، مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے۔“

پھر فرمایا: اور جو کوئی تجھ سے یہ کہے کہ نبی ﷺ جانتے تھے کہ کل کیا ہو گا تو اس نے جھوٹ کہا۔
 پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی:

وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ط (الن: ۳۳)
 ”اور کسی کو نہیں معلوم کہ کل وہ کیا کمائے گا۔“

پھر فرمایا: اور جس نے تجھ سے یہ کہا کہ نبی ﷺ نے کوئی چیز چھپائی، اس نے بے شک جھوٹ کہا۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت کی:

(1) خصائص کبریٰ: جلد ۱، صفحہ ۳۲۲

(2) غنیۃ الطالبین: حصہ اول، باب ۸ معرفت الہی، صفحہ ۱۵۷

★ اس سے ان ”حضرات“ کے اقوال کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے جو یہاں پر نقل کیے گئے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ
رِسَالَتَهُ ۚ (المائدہ ۶۷)

”اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے اس کو لوگوں کے سامنے بیان کر دو، اور اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو تم نے رسالت کا پیغام نہ پہنچایا۔“ (۱)

امام مسلم نے صحیح مسلم کی کتاب الایمان میں ”معنی قول اللہ عزوجل وَلَقَدْ رَاَهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ وَهَل رَأَى النَّبَى ۖ رَبَّهُ لَيْلَةَ الْاَسْرَاءِ“* کے عنوان سے باب باندھ کر آیت مذکورہ کی تفسیر میں متعدد روایات درج کی ہیں؛ ان میں ایک روایت ام المؤمنین عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی بھی ہے جس میں اس طرح نقل کیا ہے:

مسروق سے روایت ہے کہ عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے انہیں بتایا کہ وہ تین باتیں ہیں کہ جس نے بیان کیں اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا: جو یہ سمجھے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے اللہ پر بڑا جھوٹ باندھا۔ مسروق نے کہا: اے ام المؤمنین جلدی نہ کیجیے، ذرا مجھے کچھ کہنے دیجیے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ

وَلَقَدْ رَاَهُ بِأَلْفِ الْمِائَةِ ”بے شک انہوں نے اسے کھلے آفاق پر دیکھا“ (الکوثر: ۳۳)
وَلَقَدْ رَاَهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ”اور بے شک انہوں نے اسے دوسری مرتبہ اترتے ہوئے دیکھا“ (النجم: ۱۳)
اس پر عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا کہ اس امت میں سب سے پہلے میں نے ان آیتوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا

إِنَّمَا هُوَ جَبْرٌ ۖ لَمْ يَرَاهُ عَلَىٰ صُورَتِهِ الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا غَيْرَهَا تَيْنِ الْمَرْتَيْنِ
رَأَيْتُهُ مُنْهَبِطًا مِّنَ السَّمَاءِ سَادًّا عِظَمَ خَلْقِهِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ
”بے شک وہ جبر نیکل ہیں۔ میں نے انہیں (آیات مذکورہ میں بیان کردہ) ان دو مواقع کے علاوہ ان کی اصل صورت میں نہیں دیکھا۔ میں نے انہیں آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا اور ان کے جسم کے تن و قوش نے آسمان و زمین کے درمیانی جھے کو بھردیا تھا۔“

(۱) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب التفسیر، باب سورة النجم، صفحہ ۱۰۳ / صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب معنی قول اللہ عزوجل (وَلَقَدْ رَاَهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ) وھل رآی النبی ﷺ بدلیلۃ الاسراء، صفحہ ۲۹۹
* یعنی باب اس بارے میں کہ اللہ عزوجل کے فرمان ”اور بے شک انہوں نے اسے دوسری مرتبہ اترتے ہوئے دیکھا“ کا مطلب، اور کیا نبی ﷺ نے شب معراج میں اپنے رب کو دیکھا؟

پھر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ فرماتا ہے.....
[باقی روایت بخاری کی مذکورہ بالا روایت کی طرح ہے] ⁽¹⁾

اسی باب میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس مرفوع روایت کے خلاف عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ موقف قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا۔ ⁽²⁾ اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اپنا ذاتی قول ہے جبکہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے۔ اس باب کی دیگر روایات میں عبد اللہ بن مسعود و ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی سورۃ النجم کی آیات کی رُو سے جبرئیل علیہ السلام کو ہی دیکھنا مراد لیا ہے۔ ⁽³⁾

سورۃ النجم اور سورۃ التکویر کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے مضامین میں باہم مماثلت پائی جاتی ہے جس کا اندازہ درج ذیل جدول سے کیا جاسکتا ہے:

سورۃ النجم	سورۃ التکویر
مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ○ ”تمہارے ساتھی نہ گمراہ ہوئے نہ بکے“	وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ○ ”تمہارے ساتھی دیوانہ نہیں“
وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى ○ ”اور بے شک انہوں نے اسے دوسری مرتبہ اترتے ہوئے دیکھا“	وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ ○ ”اور بیشک انہوں نے اس کو آسمان کے کنارے پر دیکھا بھی ہے“
عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى ○ ”اسے پوری طاقت والے نے سکھایا ہے“	إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ○ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ○ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ○ ”یقیناً یہ ایک عزت والے بھیجے ہوئے کا کلام ہے جو قوت والا ہے عرش والے کے نزدیک، بلند مرتبہ، جس کی اطاعت کی جاتی ہے، امانت دار ہے“

(1) صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب معنی قول اللہ عزوجل (وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى) وھل رآی النبی ﷺ ربہ لیلۃ الاسراء، صفحہ ۲۹۶ (2) ایضاً (3) ایضاً

آیات مذکورہ میں ہر دو جگہ جبرئیل علیہ السلام کو ہی دیکھنا اور ان سے قرآن سیکھنا مراد ہے جیسا کہ صحیح مسلم کے مذکورہ باب سے پہلے باب الاسراء کی متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ صحیح مسلم کے زیر نظر باب میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی بھی ایک روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نُوْرًا اَنْیَ اَزَاہُ ”(وہاں تو نور تھا، میں اسے کیسے دیکھتا۔“ (1) اس سے اگلی روایت کے الفاظ ہیں کہ رَاَیْتُ نُورًا یعنی ”میں نے (وہاں) ایک نور کو دیکھا۔“ (2) امام مسلم نے اس کے بعد ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کر کے وضاحت کر دی کہ یہ دیکھا جانے والا نور کیا تھا۔ وہ صحابی فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہمیں پانچ باتیں بتائیں:

اَنَّ اللّٰهَ لَا یَنَامُ وَلَا یَسْبِغُ لَهٗ اَنْ یَّمَامَ یَخْفِضُ الْقِسْطَ وَیَرْفَعُ یُزْفَعُ اِلَیْهِ
عَمَلُ اللَّیْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّیْلِ حِجَابُهُ النُّوْرُ
..... لَوْ كَشَفَهَا تَحَرَّقَتْ سُبْحَاتُ وُجُوْهِہُمْ مَا اَنْتَهٰی اِلَیْہِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِہِ

”اللہ سوتا نہیں ہے اور یہ اس کے شایاں نہیں کہ وہ سوئے، وہ ترازو کو جھکا تا ہے اور اوٹھا کرتا ہے، اس کی طرف رات کا عمل دن کے عمل سے پہلے اور دن کا عمل رات کے عمل سے پہلے پہنچایا جاتا ہے، اور نور اس کا پر وہ ہے۔ اگر وہ اس کو کھول دے تو اس کے چہرے کی شعائیں جہاں تک وہ جائیں مخلوق کو جلا دیں۔“ (3)

ثابت ہوا کہ نبی ﷺ نے جو نور دیکھا وہ اللہ کا حجاب تھا بذات خود اللہ نہ تھا کیونکہ نور اللہ کی ایک مخلوق ہے، اللہ اس کا خالق ہے۔ (اس نور کی بحث پچھلے صفحات میں آچکی ہے)

مسلم نے اس کے بعد ”اثبات رؤیة المؤمنین فی الآخرة رَبُّہُمْ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی“ یعنی ”ایمان والوں کا آخرت میں اپنے رب سبحانہ و تعالیٰ کو دیکھنے کا اثبات“ کے عنوان سے دوسرا باب باندھ کر ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جب جنتی جنت میں چلے جائیں گے تو اللہ ان سے فرمائے گا کہ تم مزید کچھ چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ کیا تو نے

(1) صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب معنی قول اللہ عزوجل (وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً اٰخَرٰی)

وہل رآی النبی ﷺ؟ رد لمیلۃ الاسراء، صفحہ ۲۹۵ (2) ایضاً، صفحہ ۲۹۹ (3) ایضاً، صفحہ ۳۰۰

ہمارے چہرے روشن نہیں کیے، ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور جہنم سے نہیں بچایا! (لہذا اب اور مزید کیا مانگیں) پھر پردہ اٹھا دیا جائے گا اور اس وقت انہیں اپنے رب کو دیکھنے سے زیادہ پسندیدہ اور کوئی چیز نہ ہوگی۔ (۱) نبی ﷺ نے فرمایا کہ

”تم آخرت میں اپنے رب کو دیکھو گے، اور اس میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی جیسے تم بدر (چودھویں کے چاند) کو دیکھتے ہو، یا روشن دن میں سورج کو۔“ (۲)

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ

..... أَنَّ النَّاسَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ هَلْ تُنَادُونَ فِي الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ دُونَهُ سَحَابٌ قَالُوا لَا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَهَلْ تُنَادُونَ فِي الشَّمْسِ لَيْسَ دُونَهَا سَحَابٌ قَالُوا لَا قَالَ فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ كَذَلِكَ

”..... لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم قیامت کے دن کیا اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: چودھویں رات کا چاند دیکھنے میں کیا تم کو کوئی شک ہوتا ہے جب اس پر ابر نہ ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا سورج دیکھنے میں تم کو کوئی شک ہوتا ہے جب اس پر کوئی ابر بھی نہ ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پس تم اپنے رب کو بھی اسی طرح دیکھو گے۔“ (۳)

بخاری ہی کی ایک دوسری روایت کے مطابق ایک دفعہ چودھویں رات کے چاند کو دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم سے نبی ﷺ نے فرمایا:

أَمَّا أَنْتُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا لَا تُصَافُونَ وَلَا تُصَابُونَ فِي زُرُوتِهِ

”بے شک تم عنقریب اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح اسے دیکھ رہے ہو اور اُسکے دیکھنے میں تمہیں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی یا یوں فرمایا کہ کوئی شبہ نہ ہوگا۔“

اسی مقام پر جریر کی روایت میں اتنا اور ہے کہ

(۱) صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب معنی قول اللہ عزوجل (وَلَقَدْ ذَرَأْنَا نُفُورًا فِي الْأَخْرَى)

وہل رأی النبی ﷺ ربہ لیلۃ الامراء، صفحہ ۳۰۳ (۲) ایضاً، صفحہ ۳۰۴

(۳) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ باب ۵۱۹ فضل السجود، صفحہ ۳۹۳

سَتَرُونَ رَبَّكُمْ عَيْنًا“ ”تم اپنے رب کو کھلم کھلا دیکھو گے۔“ (۱)

قرآن و حدیث کا تو یہ فیصلہ ہو کہ کوئی اللہ کو نہیں دیکھ سکتا مگر مسلک پرستوں کے کارنامے ملاحظہ فرمائیے کہ جب چاہتے ہیں انہیں اللہ کا دیدار ہو جاتا ہے! چنانچہ تبلیغی نصاب (فضائل اعمال) میں زکریا کا ندھلوی صاحب لکھتے ہیں کہ احمد بن حنبل نے اللہ کی بہترین شکل میں زیارت کی۔ (2) ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں متعدد لوگوں سے اپنے رب کو دیکھنے کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

عَنْ أَبِي زَيْدٍ أَنَّهُ قَالَ رَأَيْتُ رَبِّي فِي الْمَنَامِ فَقُلْتُ كَيْفَ الطَّرِيقُ إِلَيْكَ
فَقَالَ أَتَرُكُ نَفْسَكَ وَتَعَالَ وَقِيلَ رَأَى أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ رَبَّهُ فِي الْمَنَامِ
فَقَالَ يَا أَحْمَدُ كُلُّ النَّاسِ يَطْلُبُونَ مِنِّي إِلَّا أَبَا زَيْدٍ فَإِنَّهُ يَطْلُبُنِي وَ
لَعَلَّ سَبَبَهُ أَنَّهُ قِيلَ لِأَبِي زَيْدٍ مَا تُرِيدُ فَقَالَ أُرِيدُ أَنْ لَا أُرِيدَ

”بایزید (بسطامی) سے روایت ہے فرمایا: میں نے اپنے رب کو خواب میں دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ تجھ تک آنے کا راستہ کس طرح ہے۔ فرمایا کہ تو اپنے نفس کو ترک کر دے اور چلا آ۔ اور کہا جاتا ہے کہ احمد بن حنبل نے اپنے رب کو خواب میں دیکھا، اللہ نے فرمایا: اے احمد سب لوگ مجھ سے مانگتے ہیں سوائے بایزید کے کہ وہ تو مجھے ہی مانگتا ہے۔ اور شاید یہی سبب ہو کہ جب بایزید سے کہا گیا کہ تو کیا جانتا ہے تو کہا کہ میں جانتا ہوں کہ میں کچھ نہ جانتا ہوں۔“ (3)

قَالَ الْغَوْثُ الْأَعْظَمُ رَأَيْتُ الرَّبَّ تَعَالَى فَسَأَلْتُ يَا رَبِّ مَا مَعْنَى الْعِشْقِ
قَالَ يَا غَوْثُ الْأَعْظَمُ اِعْشُقْ لِي اِعْشُقْ بِي وَالْعِشْقُ أَنَا وَفَرِّغْ قَلْبَكَ
وَتَقَلِّبْكَ عَنْ سِوَايَ.....

(1) صحيح بخاری: جلد ۱، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب ۳۷۵، فضل صلوٰۃ الفجر والحديث ۳۱۵

(2) فضائل اعمال: صفحہ ۳۳۶- ان بنی احمد بن حنبل کے حوالے سے اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنی کتاب نشر الطیب کے صفحہ ۵۸ پر قرآن وحدیث کے مذکورہ بالا فیصلے کے خلاف یہ بات بھی لکھی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تھا

(3) شرح فقہ اکبر: صفحات ۹۹، ۱۰۰

”غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا پھر میں نے سوال کیا اے رب! عشق کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا اے غوث الاعظم رضی اللہ عنہ! عشق میرے لیے کر، عشق مجھ سے کر اور میں خود عشق ہوں اور اپنے دل کو، اپنی حرکات کو میرے ماسوا سے فارغ کر دے“ (1)

فَقَدْ نُقِلَ أَنَّ الْأَمَامَ أَبَا حَنِيفَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَبَّ الْعِزَّةِ فِي الْمَنَامِ
تَسْعًا وَتِسْعِينَ مَرَّةً ثُمَّ رَأَاهُ مَرَّةً أُخْرَى تَمَامَ الْمِائَةِ
”نقل کیا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے کہا کہ میں نے اللہ رب العزت کو خواب میں ننانوے مرتبہ دیکھا تھا۔ پھر ایک دفعہ اور دیکھا تو سو پورے ہو گئے۔“ (2)

یوسف بنوری صاحب نے اپنے والد زکریا صاحب کے لیے لکھا کہ
”حق تعالیٰ کی زیارت کا شرف تو بیشمار مرتبہ حاصل ہوا؛ ایک دفعہ جب ویدار
پرانوار کی سعادت نصیب ہوئی حق و جل ذکرہ نے فرمایا: زکریا! تمہاری مثال میرے
سامنے ایسے ہے جیسے کہ ایک ماں کے گود میں تین دن کا بچہ ہو، بچہ نہیں جانتا کہ ماں اس
کے ساتھ کیا کیا کر رہی ہے۔“ (3)

شیخ فخر الدین نظامی نامی ایک صوفی نے ایک مرید کی خواہش پر اللہ کو دیکھنے کی
آسان ترکیب اسے یہ بتائی کہ عشاء کی نماز ادا کیے بغیر سو جانا، اس نے ایسا نہ کیا، اور
زیارت نہ ہو سکی؛ ایک دفعہ عشاء کی سنتیں نہیں پڑھیں اور سو گیا تو نبی ﷺ کی زیارت ہوئی
اور سنتیں نہ پڑھنے کا گلہ کیا، انہوں نے فوراً سنتیں پڑھیں۔ شیخ سے بیان کیا تو ارشاد ہوا
کہ اگر فرض بھی نہ پڑھتے تو اللہ کی زیارت ہو جاتی اور اللہ بھی یہی سوال کرتا۔ (4) شاہ
ولی اللہ اپنی کتاب ”فیوض الحرمین“ کی تمہید میں لکھتے ہیں:

(1) الرسالة الغوثية: صفحہ 9<

(2) شرح فقہ اکبر: صفحہ ۷۸

(3) بینات، اگست ۱۹۷۵ء میں ”بصائر وعبر“ کے عنوان سے شائع ہونے والا یوسف بنوری صاحب کا مضمون جو انہوں
نے اپنے والد زکریا صاحب کی وفات پر لکھا اور اس میں ان کے محیر العقول ”کارنامے“ بیان کیے۔ لگتا ہے کہ
مسلک پرستوں میں ایسا کرنے کی بھی ایک رسم پڑ گئی ہے: عبدالحق دہلوی نے اخبارالانوار نامی کتاب کے آخر میں
اپنے والد کے اسی طرح کارنامے بیان کیے، شاہ ولی اللہ نے انفاس العارفین میں اپنے والد کے کارنامے بیان کیے،
رضانہاں بریلوی کے بیٹوں نے اپنے والد کے کارنامے تحریر کیے، مفتی شفیع عثمانی کے مفتی بیٹوں نے بھی اس
روایت کو برقرار رکھا اور اسی طرح ”میرے والد میرے مرشد“ نامی کتاب لکھ کر ان کے کارنامے بیان کیے۔

(4) الخیر، مارچ، ۱۹۹۶ء، صفحہ ۳۴

”اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے کہ اس نے مجھے ۱۱۴۳ھ میں حج بیت اللہ اور زیارت رسول خدا ﷺ کی توفیق عطا فرمائی۔ اس سے اعلیٰ نعمت یہ حاصل ہوئی کہ میرا حج مشاہدہ اور معرفت الہی کے ساتھ ہوا، کوئی حجاب اور رکاوٹ پیش نہیں آئی.....“ (۱)

یعنی بغیر کسی رکاوٹ کے اللہ کا مشاہدہ کیا۔ وہ اپنے مریدوں کو رویت باری تعالیٰ کے لیے یہ مراقبہ تعلیم فرمایا کرتے تھے:

”..... نماز کی ہیئت میں بیٹھے اور منہ دل کے وسط کی طرف جھکالے۔ آنکھیں بند کر لے اور چشم باطن سے دل کو دیکھے اور تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ یہ عمل اپنے کمال کو پہنچے گا تو تشبیہ کا حجاب اٹھ جائے گا اور سالک حقیقتاً اللہ تعالیٰ کو دیکھ لے گا۔“ (۲)

ان کے والد صاحب کے واقعات تو عقل و خرد کی تمام حدود و پھیلاؤنگ گئے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب ان کا ایک واقعہ لکھتے ہیں:

فرماتے تھے ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا حق تعالیٰ میرے گھر تشریف لاتے ہیں۔ میں گھر کی تنگی، سامان کی بے ترتیبی اور وہ تمام حالات جو بزرگوں کی موجودگی میں نامناسب ہیں، سے غفل اور شرمندہ ہوں لیکن اُس طرف سے بے انتہا لطف و کرم مبذول ہوتا ہے۔ علی الصبح اتفاقاً حافظ عبداللطیف کے گھر گیا۔ انہوں نے مجھے گھر کے اندر بٹھایا۔ پھر گھر کی تنگی سے حیا و خجالت کا اظہار شروع کر دیا۔ میں نے کہا آج رات میں نے حق سبحانہ و تعالیٰ کو دیکھا، میں بھی اسی طرح عرقِ ندامت میں غرق تھا، اور اس طرف سے بے انتہا لطف و کرم کا اظہار ہوتا رہا۔ راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ واقعہ بھی حق تعالیٰ کی مدد سے مخلوقات میں تصرفات پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس واقعہ میں حق پر دلالت کرنے والا خود حق کی صورت میں ظاہر ہوا۔ (۳) ★

اس سے متصل اگلا واقعہ اتنا شرمناک ہے کہ جسے نقل کرتے ہوئے حیا آتی ہے اور دل یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں نے ان واقعات کے ذریعے دین کی کیا خدمت کی؟

(۱) فیوض الحرمین: بحوالہ آئینہ سلوک، صفحہ ۷۳

(۲) رساقل شاہ ولی اللہ: (الانتباه فی سلاسل اولیاء اللہ) صفحہ ۲۴۳

(۳) انفاس العارفین: صفحات ۶۵، ۶۶

★ یعنی کہ اللہ کو دیکھتے دیکھتے یہ خود بھی اللہ بن گئے! استغفر اللہ

خلاصہ اس واقعہ میں شاہ ولی اللہ کے والد اللہ تعالیٰ سے بصورتِ زن ہم آغوش ہوئے! اور انہی شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے شاہ اسماعیل صاحب اپنے پیر صاحب بریلوی کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

”ایک دن حضرت حق جل و علی نے آپکا دواہنا ہاتھ خاص اپنے دست قدرت میں پکڑ لیا اور کوئی چیز امور قدسیہ سے جو کہ نہایت رفیع اور بدیع تھی، آپکے سامنے کر کے فرمایا کہ ہم نے تجھے ایسی چیز عنایت کی ہے اور، اور چیزیں بھی عطا کریں گے۔ تا آنکہ ایک شخص نے آپکے پاس حاضر ہو کر بیعت کی درخواست کی اور چونکہ آپ ان ایام میں علی العموم بیعت نہیں لیا کرتے تھے، اس لیے اس شخص کی درخواست کو قبول نہ فرمایا۔ جب اس شخص نے نہایت الحاح اور اصرار کیا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ ایک دو روز توقف کرنا چاہیے۔ بعد ازاں جو کچھ مناسب وقت ہوگا، اس پر عمل کیا جائیگا۔ پھر آپ اجازت اور استفسار کے لیے جناب حق میں متوجہ ہوئے۔ اور عرض کیا کہ ہند گان در گاہ سے ایک بندہ اس امر کی درخواست کرتا ہے کہ مجھ سے بیعت کرے۔ اور آپ نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا ہے۔ اور اس جہان میں جو کوئی کسی کا ہاتھ پکڑتا ہے، ہمیشہ دستگیری کی پاس کرتا ہے اور حضرت حق کے اوصاف کو اخلاق مخلوقات کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں۔ پس اس معاملہ میں کیا منظور ہے۔ اس طرف سے حکم ہوا کہ جو شخص تیرے ہاتھ پر بیعت کریگا، اگرچہ وہ لکھو کھاہی کیوں نہ ہوں، ہم ہر ایک کو کفایت کریں گے۔“ (1)

مفتی شفیع عثمانی کی اولاد اپنے مسلک کے اکابرین کی پبلسٹی کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہے [خیر اب تو میزانِ بنک قائم کر کے نوٹ چھاپنے کا بیڑہ بھی اٹھا رکھا ہے]؛ ان کے ”ولی“ بیٹے نے ”روشن جہر وکے“ کے عنوان سے روزنامہ امت، کراچی کے ذریعے اپنے مسلک کی اشاعت و ترویج اور اپنے اکابرین کی تعریف و تشہیر کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے [اسی لیے برسوں چھپنے والی مودودی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن کی جگہ اب ان کے باپ کی تفسیر معارف القرآن اس اخبار کی روزانہ ذینت بنتی ہے] اکابرین دیوبند کے حالات قلمبند کرتے ہوئے کئی مہینوں تک قاسم نانوتوی صاحب کے بڑے مبالغہ آمیز احوال لکھے ہیں۔ مؤرخہ یکم جولائی، ۲۰۰۹ء کے کالم میں سوانح قاسمی [جلد ۱، صفحہ ۱۳۲] کے حوالے سے قاسم نانوتوی صاحب کو ہونے والی زیارتِ الہی کا حال لکھا کہ

انہوں نے خود کو اللہ کی گود میں بیٹھا ہوا دیکھا! یہ تو شکر ہے کہ انہوں نے اللہ کی گود میں بیٹھنے کا ہی ذکر کیا ہے ورنہ شیخ عبدالحق ”محدث“ دہلوی نے تو ”اخبار الاخیار“ میں شیخ محمد ملاوہ کے کارنامے بیان کرتے ہوئے لکھا کہ ایک دن شیخ ملاوہ توالی سنتے ہوئے وجد کر رہے تھے، ایک ہندو نے ان کی کوٹھڑی میں جھانکا تو دیکھا کہ ”یہ مسلمان، خدا کو اپنی گود میں لئے ناچ رہا تھا“ اور اگر اس کے ساتھی اس کو اس کھڑکی سے باہر نہ گھسیٹ لیتے تو وہ ”اس کی طرف چل دیا تھا اور اس کے پیروں پر گر کر اس کے مذہب میں شامل ہو گیا ہوتا۔“ (1)

یوسف لدھیانوی دیوبندی کو جب ان کے مخالفین نے قتل کر دیا تو ان کے سلسلے کے ایک پیر صاحب نے دیکھا کہ فرشتے قطار در قطار مرحبا مرحبا پکار رہے ہیں، دو فرشتے مرحبا مرحبا کے نعرے لگاتے انہیں اوپر لے جا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تین دن تک مرحبا مرحبا کہہ کر ان کا استقبال کیا۔ (2)

بڑے تعجب کی بات ہے کہ اللہ کو اس کے سب سے افضل بندے یعنی انبیاء علیہم السلام اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تک نہ دیکھ سکے، وہ اس کی تمنا ہی کرتے رہے، مگر یہ مسلک پرست اور صوفی نجانے کون سی ہستیاں ہیں جو اللہ کو بھی دیکھ لیتی ہیں! اللہ ان کے گھر تشریف لاتا ہے، یہ اللہ سے گلے ملتے ہیں، ہاتھ ملاتے ہیں، باتیں کرتے ہیں، اللہ ان کا استقبال کرتا ہے، ان سے باتیں کرتا ہے، انہیں اپنی گود میں بٹھاتا ہے بلکہ یہ لوگ بھی اللہ کو اپنی گود میں اٹھالیتے ہیں!



کتاب ہذا کے اس باب کے رد میں ملا مجیب نے حسب معمول تفسیری اقوال اور ”الشفاء“ وغیرہ جیسی تیسرے چوتھے درجے کی غیر مستند کتابوں سے استدلال کرتے ہوئے اپنے اکابرین کا دفاع کیا ہے۔ اس دفاع میں انہوں نے البتہ یہ تصرف اپنی طرف سے شامل

(1) اخبار الاخیار: صفحہ ۲۴۶

(2) ماہنامہ بینات کراچی، ”شہید نمبر“ دسمبر ۲۰۰۰ھ: صفحہ ۴۹۶

کر دیا کہ رویت باری تعالیٰ خواب میں ہوتی ہے بیداری میں نہیں، اسی لیے اپنی کتاب ناحق میں سرخی جمائی ہے: ”خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت“ حالانکہ گزشتہ صفحات میں بیان کیے گئے بعض صوفیوں جیسے عبدالقادر جیلانی، شاہ ولی اللہ وغیرہ کے واقعات میں خواب میں دیکھنے کا کوئی ذکر نہیں یعنی بیداری میں دیکھنے کی بات کی ہے۔ شاہ ولی اللہ کے اپنے واقعے میں تو انہوں نے صاف لکھ دیا کہ کوئی حجاب باقی نہ رہا؛ اور جو وظیفہ انہوں نے اللہ کو دیکھنے کا اپنے مریدوں کو تلقین کیا اس میں سونے یا خواب کا کوئی ذکر نہیں بلکہ آنکھیں بند کر کے مراقبہ کرنے اور چشم تصور سے اللہ کو دیکھنے کا ذکر ہے اور صراحت ہے کہ جب ”یہ عمل اپنے کمال کو پہنچے گا تو تشبیہ کا حجاب اٹھ جائے گا اور سالک حقیقتاً اللہ تعالیٰ کو دیکھ لے گا“

نبی ﷺ کو رویت باری تعالیٰ ہونے کے مسئلے پر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا صحیح بخاری میں مروی قول فیصل پیچھے گزر چکا ہے کہ انہیں نبی ﷺ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو نہیں بلکہ جبریل علیہ السلام کو دیکھا۔ مگر یہ مسلک پرست لوگ محدثین کے اصول کے خلاف، صحت و ثقاہت کے اعتبار سے پہلے طبقے کی صحیح بخاری کی اس اصح اور مرفوع حدیث پر دوسرے طبقے کی ترمذی وغیرہ کی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی موقوف روایت کو ترجیح دیتے ہیں جو کہ ان کا اپنا ذاتی قول ہے جبکہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے۔ ملا مجیب اور ان کے ہم خیال مسلک پرستوں کی یہ کور چشمی و کور باطنی ہے جو انہیں یہ مرفوع حدیث نظر نہیں آتی اور دعویٰ کر دیتے ہیں کہ

”انہوں نے بھی ظاہر نصوص سے ہی استنباط کر کے نفی کی جن کا جواب دیا جاسکتا ہے اور اس بارے میں کوئی حدیث ذکر نہیں کرتیں اگر کوئی حدیث ہوتی تو ذکر کرتیں جبکہ وہ جبرامت (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما) سے زیادہ علم نہیں رکھتیں.....“ (صفحہ ۱۴۹)

ان مسلک پرستوں کی دینی بے خونی و بے باکی کا یہ حال ہے کہ جن مسائل میں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دو ٹوک انداز میں قرآن و حدیث کے دلائل سے فیصلہ فرمایا ہو تو ان احبار و رہبان کا مبلغ علم انہیں مجبور کرتا ہے کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علم کا انکار کر دیں۔ آخر وہ ایسا کیوں نہ کریں کہ ان کے ”شیخ الاسلام“ ابن تیمیہ صاحب جن کے تبحر علمی کے لیے یوسف بنوری صاحب نے لکھا کہ ان کے والد بہت قدردان تھے اور داد دیا کرتے تھے

(بصائر و عبر، ماہنامہ البینات کراچی، اگست ۱۹۷۵ء مطابق رجب، ۱۳۹۵ھ)، انہوں نے بھی سماع موتی کے مسئلے پر یہی انداز اختیار کیا تھا:

”امام ابن تیمیہؒ نے امام احمدؒ کی نصرت میں جو کتاب لکھی ہے (جس کا نام الانتصار للامام احمدؒ ہے) اس میں وہ لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے قلیب بدر کے کفار کے سماع کا جو انکار کیا ہے وہ اس میں معذور ہیں کیونکہ وہ اس موقع پر موجود نہ تھیں اور ان کو یہ ارشاد نہیں پہنچا اور دوسرے ان کی طرح معذور نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ مسئلہ ضروریات دین کی طرح معلوم ہو گیا ہے [عبارت ابن تیمیہ المنحة الوهبیہ ص ۱۳ مصنفہ علامہ دین سلیمان البغدادی]۔ (بحوالہ سماع الموتی از سر فر از خان صفدر، صفحہ ۲۲۴)

بریلوی مکتبہ فکر کو علم غیب، دیوبندیوں کو رویت باری تعالیٰ اور اہلحدیثوں کو سماع موتی کے مسئلے میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا معذور اور ضروریات دین تک سے عاری نظر آتی ہیں جنہوں نے ان مسائل میں ان مسالک کا رد کیا ہے، اور اگر کہیں انہی ام المؤمنین سے منسوب ضعیف روایات ان مسلک پرستوں کے ہاتھ لگ جائیں جیسے حجرہ عائشہ میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین کے بعد عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ان سے حیا کرتے ہوئے اوڑھ لپیٹ کر حجرے میں آنا، وغیرہ تو گویا دین کی بنیادیں ہاتھ آجاتی ہیں اور پھر ان کے ضعف کو بالائے طاق رکھ کر اپنے باطل موقف کے ثبوت میں انہیں بڑے دھڑلے سے پیش کیا جاتا ہے جیسا کہ ملاحظہ کیا ہے!

”اکابرین امت کو اللہ تعالیٰ کی زیارت“ کی سرخی جما کر ملاحظہ کیا جائے تو خواب میں اللہ کو دیکھنے کے کچھ واقعات لکھے ہیں جن کا ماخذ وہی رطب و یابس پر مشتمل مذکورہ غیر مستند کتابیں ہیں۔ گزشتہ صفحات ”دین تصوف“ کے تحت مذکور صوفیوں کے واقعات کی طرح یہ واقعات بھی لگتا ہے ایک دوسرے کو دیکھ کر گھڑے گئے ہیں مثلاً جس طرح امام ابو حنیفہ سے منسوب کیا ہوا ہے کہ انہوں نے چالیس سال تک عشاء کے وضوء سے فجر پڑھی، تو حنبلی پیچھے کیوں رہتے، انہوں نے احمد بن حنبل اور عبد القادر جیلانی سے بھی ایسا ہی واقعہ منسوب کر دیا؛ امام ابو حنیفہ نے ننانوے مرتبہ اللہ کی زیارت کی تو دل میں کہا کہ اگر اب سوویں مرتبہ اللہ کی زیارت ہوئی تو یہ پوچھوں گا کہ..... حنبلی کیسے پیچھے رہ سکتے تھے لہذا انہوں نے بھی دعویٰ کر دیا کہ امام احمد بن حنبل کو ننانوے مرتبہ اللہ کی زیارت ہوئی تو دل میں کہا کہ

اگر اب سوویں مرتبہ اللہ کی زیارت ہوئی تو یہ پوچھوں گا کہ..... دیکھیں کیسے مکھی پر مکھی بٹھائی گئی ہے!

ملاحظہ کیجیے کہ بخاری و مسلم کی حدیث نقل کرتے ہیں کہ نیک خواب اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں، اور پھر خامہ فرسائی فرماتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ کے دیدار سے بڑھ کر کونسا خواب نیک ہو سکتا ہے؟ اور چونکہ حضور ﷺ نے فرمایا یہ نیک خواب اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں یعنی جب اللہ تعالیٰ چاہے بندہ کو دکھائے تو اس میں بندے کے اختیار کو دخل نہیں اب خود سوچو کیا اللہ تعالیٰ کو قدرت نہیں کہ خواب میں بندے کو اپنی زیارت کراوے؟“ (صفحہ ۱۵۳)

قارئین! ان سے کوئی پوچھے کہ کسی صحیح حدیث سے ثابت کر سکیں گے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی؟ کیا وہ اس کے اہل نہ تھے! آپ نے نوٹ کیا ہو گا کہ بالکل بریلویوں والا وہی انداز ہے جس سے وہ اپنے باباؤں کو داتا گنگلیہ، غوث و مشکل کشا، حاجت روا اور فریادرس، وغیرہ ثابت کرتے ہیں۔ اللہ کی قدرت کا حیلہ اختیار کر کے پھر بتائیے کیا چیز باقی رہ جاتی ہے جو ممکنات سے مستثنیٰ رہ سکے! مشرکین کے عقائد کا رد، توحید باری تعالیٰ کے دلائل بلکہ پورے اسلام کی تعلیمات بے معنی ہو جائیں گی! کسی بھی چیز کو اللہ کی قدرت کے کھاتے میں ڈال کر ممکن الوقوع بنا دیا جائے گا مثلاً بدکارہ عورتوں کو بہانہ ہاتھ آجائے گا کہ جو اللہ رب العزت مریم کو بغیر باپ کے عیسیٰ علیہ السلام دینے پر قادر تھا کیا وہ انہیں بغیر باپ کے بچے دینے کی قدرت نہیں رکھتا؟ اب بتائیے ان پر حدود آرڈیننس کا اطلاق کیسے ہو گا؟ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس طرح کے حیلوں کی پھر کوئی حد نہ رہے گی۔ ہر برائی کو اللہ کی قدرت کے کھاتے میں ڈال کر روا کر دیا جائے گا!

پچھلے صفحات میں روایت باری تعالیٰ کی نفی میں بخاری کی مروی حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نقل کی گئی تھی جس میں آپ نے قرآن کی اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے اللہ کو دیکھنے کے دعویدار کو جھوٹا قرار دیا تھا کہ

لَا تَدْرِكُهُ الْبَصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْبَصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (النعام: ۱۰۳)

”کوئی نگاہ اس کو نہیں پاسکتی، مگر وہ نگاہوں کو پالیتا ہے، اور وہ نہایت لطیف اور خبردار ہے۔“

اپنے اکابرین کا دفاع کرنے کے لیے اندھی تقلید کرتے ہوئے ملا مجیب نے بغیر کسی ثبوت کے دعویٰ کر دیا کہ

”اس میں اور اک کا ذکر ہے اور اور اک کسی شی کے احاطہ کا نام ہے تو اس میں احاطہ کرنے کی نفی ہے واقعی اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں ہو سکتا اور احاطہ کی نفی سے ویدار کی نفی نہیں ہوتی جس طرح ہم آسمان کو دیکھتے ہیں لیکن اس کا احاطہ نہیں کر سکتے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہم حقیقت کا اور اک کر سکتے ہیں۔

اگر بالفرض اس آیت میں ویدار کی نفی مان لی جائے تو اس میں ہماری موجودہ آنکھوں سے ویدار کی نفی ہوگی جب کہ خواب میں ان آنکھوں سے ویدار نہیں ہوتا۔“ (صفحہ ۱۵۵)

ملا جی! قرآن کی آیات میں اس طرح عقلی گھوڑے دوڑانے سے پہلے اپنے ممدوح شیخ الحدیث کا فرمان بھی تو پیش نظر رکھتے جن کا دیگر اکابرین کے ساتھ آپ نے اپنی اس کتاب ناحق میں دفاع کیا ہے اور ان کے کہے کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کے مقابلے میں پیش کیا ہے۔ کاندھلوی صاحب نے اپنے تبلیغی نصاب میں لکھا ہے کہ قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرنے کی ممانعت ہے، جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا تو اگر ٹھیک بھی کہتا ہے بھی خطا کی۔ اس خطا کار مولوی نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ قرآن کی ایک اور آیت کو بھی اپنی اسی باطل استدلالی خرد پر چڑھایا ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بَأْذَنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ (الشوریٰ: ۵۱)

”اور کسی بشر کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ اُس سے بات کرے مگر الہام (کے ذریعے) سے یا پر دے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے تو وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے القاء کرے؛ بے شک وہ عالی مرتبہ (اور) حکمت والا ہے۔“

قرآن کی مندرجہ بالا آیت کے لیے ملا موصوف عقده کشائی کرتے ہیں کہ

”اس آیت میں یہود کے اس دعویٰ کی تردید ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے مکلام ہوئے تو ویدار بھی ہوا۔ اور اس آیت میں عالم دنیا میں ویدار کی نفی ہے اور خواب کی

زیارت عالم دنیا میں نہیں بلکہ عالم منام میں ہے اور معراج کی رات حضورؐ کو جو زیارت ہوئی وہ عالم سماوی میں تھی نہ کہ عالم دنیا میں اور پھر نفی بیداری میں ان آنکھوں سے دیدار ہونے کی ہے جس کے ہم قائل نہیں۔“ (صفحہ ۱۵۵)

مولوی صاحب! بیداری میں آنکھوں سے اللہ کو دیکھنے کے بارے میں یہ کہنے سے پہلے کہ ہم اس کے قائل نہیں، محولہ بالا اپنے اکابرین کے واقعات ضرور پڑھ لیجیے جن میں کہیں بھی خواب میں دیکھنے کا ذکر نہیں، جیتے جاگتے، حقیقتاً سر کی آنکھوں سے دیکھنے کا ذکر ہے۔ اب چاہیے تو یہ کہ مولوی صاحب اپنے اسی موقف پر قائم رہتے ہوئے کم از کم بیداری میں اللہ کو دیکھنے کے دعویداروں پر فتویٰ صادر فرماتے اور ساتھ ہی وہ اصول اور ضابطے بھی مع حوالہ بیان کر دیتے جن کی بنیاد پر یہ تمیز کی جاسکے کہ خواب میں اللہ کے دیدار کا اصل حقدار کون ہے کیونکہ ہر فرقہ اور مسلک انہی کی طرح دیدار الہی کا دعویدار ہے اور خود کو حق پر سمجھتے ہوئے دوسروں کے دیدار الہی کی نفی کرتا ہے۔ اور قرآن میں رائے زنی کرنے سے پہلے اپنے شیخ الحدیث کا فتویٰ بھی ایک دفعہ پھر پڑھ لیجیے۔ اور ذرا سوچیے کہ اللہ کو خواب میں دیکھنے کا دعوے دار کیا اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے کیونکہ اس باب کے شروع میں نبی ﷺ کا فرمان نقل کیا جا چکا ہے کہ تم آخرت میں اپنے رب کو دیکھو گے اور یہ بھی کہ تم لوگ یہ جان رکھو کہ تم میں سے کوئی مرنے سے پہلے اپنے رب کو نہیں دیکھ سکے گا۔

اسی مقام پر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی دیدار الہی کی تمنا و خواہش کا ذکر کیا تھا جس کے بارے میں ملاحظہ فرمائیے یہ ”لن ترانی“ فرماتے ہیں کہ انہوں نے بیداری میں دیدار کی درخواست کی تھی نہ کہ خواب میں۔ یہ خواب کا شوشہ ان موصوف کا اپنا چھوڑا ہوا ہے اور قرآنی آیات میں رائے زنی ہے ورنہ اس کا کوئی ذکر نہیں۔ ہمارے اس فیصلے پر کہ کسی صحابی سے دیدار الہی ہونا منقول نہیں، ملاحظہ فرمائیے جو گوہر افشانی کی ہے، وہ پورے اسلام کی عمارت کو ڈھانے کے لیے کافی ہے۔ فرماتے ہیں کہ

”مقول نہ ہونا نہ تو نہ ہونے کی دلیل ہے اور نہ ہو سکنے کی دلیل ہے۔“

تو بتائیے پھر پیچھے کیا باقی بچا؟ کون سی ایسی بات ہے جو اس حیلے کے ذریعے جائز نہ ٹھہرائی جائے گی اور کون سا کفر و شرک اور بدعت روا ٹھہرنے سے بچ جائے گا؟ مغرب کے فرضوں کی تین ہی رکعت ہیں، چوتھی رکعت منقول نہیں: مولوی صاحب کے بقول اس کا منقول نہ ہونا اس کے نہ ہونے کی دلیل تو نہیں لہذا پڑھی جاسکتی ہے؟ اذان کا اختتام لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پر ہوتا ہے، محمد رسول اللہ کا اس میں ذکر نہیں: مولوی صاحب کی دلیل سے عدم ذکر عدم ثبوت کو مستلزم نہیں لہذا اذان کے آخر میں محمد رسول اللہ کہا جاسکتا ہے؟ اذان کے شروع میں صلوٰۃ و سلام کے خطاب الفاظ پڑھنا منقول نہیں، اس کے درمیان میں حی علی الفلاح کے بعد حی علی خیر العمل پڑھنا منقول نہیں، جنازہ پڑھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا منقول نہیں، مردے کو دفنانے کے بعد قبر پر اذان دینا منقول نہیں، تیجہ، چہلم، عرس، برسی، وغیرہ منانا منقول نہیں، مرنے والوں کا سوگ منانا، نبی ﷺ کا جشن ولادت منانا، بچوں کی سالگرہ منانا، وغیرہ منقول نہیں: ملا جی کے بقول ان کا ذکر نہ ہونا ان کے نہ ہونے کی تو دلیل نہیں، لہذا سب جائز ہیں! بتائیے کوئی حد رہے گی اس طرح کے ناجائز کاموں کو اس حیلے سے جائز کرنے کی؟

نبی ﷺ کی زیارت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَوَّلَ الَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ مَبِيدُهُ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أَحَدِكُمْ يَوْمٌ وَلَا يَرَانِي ثُمَّ لَا يَرَانِي أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ مَعَهُمْ

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے، تم لوگوں پر ضرور ایسا زمانہ آئے گا جب تم مجھے نہ دیکھ سکو گے اور مجھے دیکھنا تمہیں اپنے مال و عیال سے زیادہ محبوب ہو گا۔“ (1)

اس میں نبی ﷺ نے اپنی وفات کی طرف اشارہ فرمایا کہ میری صحبت کو غنیمت سمجھتے ہوئے دین کی باتیں جلد سیکھ لی جائیں ورنہ میری وفات کے بعد تو پھر یہ موقع نہ ملے گا اور تم مجھے دیکھ بھی نہ سکو گے خواہ تم کو یہ اپنے اہل و عیال اور مال و متاع سے بھی زیادہ پسندیدہ کیوں نہ ہو۔ مسلک پرستوں کی کتب کا مطالعہ کیا جائے تو جا بجا یہ چیز دیکھنے میں آتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ باجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے رفیق اعلیٰ رب سے ملاقات کو ترجیح دینے کے باوجود (تفصیل عنوان ۴ کے ذیل میں گزر چکی ہے) ان لوگوں سے دنیا میں آکر ملاقات فرماتے رہتے ہیں۔ خواب میں آنا تو کوئی بڑی بات ہی نہیں، جسد غصری کے ساتھ بھی بعض ”پہنچے ہوئے“ لوگوں سے ملنے آ جاتے ہیں :

”حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے نماز ظہر سے پہلے حضور سرور عالم ﷺ کو دیکھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے فرزند تو لوگوں کو نصیحت کیوں نہیں کرتا۔ میں نے عرض کیا میں غبی ہوں، فصحاء بغداد کے سامنے کیا تقریر کروں۔ حضور نے فرمایا: اپنا منہ کھول۔ میں نے منہ کھول دیا۔ حضور نے سات مرتبہ اپنا لعاب و بہن مبارک میرے منہ میں ڈالا اور فرمایا: نصیحت کر اور لوگوں کو خدا کی راہ کی طرف بلا۔ چنانچہ میں نماز

(1) صحیح مسلم جلد ۶، کتاب الفضائل باب فضل النظر الیہ او تمنیہ، صفحہ ۶۰

ظہر کے بعد بیٹھ گیا۔ خلائق کا ہجوم ہوا۔ حضرت مولانا علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے۔ فرمانے لگے: اے فرزند وعظ کیوں نہیں کہتا۔ میں نے کہا واداجان مجھ پر رعب طاری ہے۔ آپ نے فرمایا: اے فرزند اپنا منہ کھول۔ میں نے منہ کھول دیا۔ آپ نے چھ مرتبہ اپنا لعاب دہن میرے منہ میں ڈالا۔“ (1)

انہی ”عجمی“ جیلانی صاحب کے متعلق شیخ عبدالحق دہلوی لکھتے ہیں کہ

”عبدالقادر جیلانی کی مجلس مبارک میں کل اولیاء رحمن و انبیاء کرام جسمانی حیات کے ساتھ اور ارواح کے ساتھ، اور جن و ملائک تشریف فرما ہوتے تھے اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم بھی تربیت و تائید کے لیے جلوہ فرما ہوتے تھے۔* اور حضرت خضر علیہ السلام تو اکثر اوقات آپ کی مجلس مبارک میں بسر کرتے تھے اور جس سے بھی حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات ہوتی تو اس کو آپ کی مجلس میں حاضر ہونے کی تاکید فرماتے۔ نیز ارشاد فرماتے کہ جس کو بھی فلاح و نجات کی خواہش ہو تو اس کے لیے واجب ہے کہ وہ آپ کی مجلس میں ہمیشہ حاضری دیا کرے۔“ (2)

صوفیوں کے واقعات پر مبنی کتاب ”نزہۃ البساتین / روض الریاحین“، جس کا ”قصص الاولیاء“ کے نام سے اشرف علی تھانوی صاحب کا ترجمہ دارالاشاعت کراچی نے شائع کیا ہے، اس کی آخری حکایت (صفحہ ۷۴۵) میں لکھا ہے کہ محمد کر دی جب چاہتے، ان کو زیارت رسول ﷺ ہو جاتی۔

اپنی کتاب ”اصلاح ذات البینین“ میں اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں کہ ”دہلی میں ایک بزرگ تھے سید حسن رسول نما۔ ان کی یہ کرامت تھی کہ بیداری میں جس کو چاہتے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرا دیا کرتے تھے مگر اس کے ساتھ ہی یہ قید بھی تھی کہ دوہزار روپے* لیا کرتے تھے۔“

(1) فتاویٰ ابن حجر مکی، بحوالہ بیاض الاولیاء: صفحہ ۲۶۰

☆ اسی بات کو رضا خان صاحب بریلوی نے حدائق بخشش (حصہ دوم، صفحہ ۶) میں اس طرح نظم کیا ہے :

۔ ولی کیا مرسل آئیں خود حضور آئیں وہ تیری وعظ کی محفل ہے یا غوث

(2) اخبار الاخیار: صفحہ ۳۲ / کرامات غوث الاعظم: صفحہ ۳۶

☆ انیسویں صدی کے ان دوہزار روپوں کی قدر قیمت کا اندازہ آج اکیسویں صدی میں کیا جاسکتا ہے کہ

لاکھوں تو ہوگی! تعویذ گنڈوں، جھاڑ پھونک کی طرح یہ بھی کس قدر منافع بخش کاروبار تھا!

مگر جب ان ”رسول نما“ صاحب کی اپنی بیگم صاحبہ نے اس بات کی خواہش کی تو حسب معمول پیسے مانگے اور نہ ہونے پر انہیں بڑھاپے میں دلہن بنا کر زیارت رسول ﷺ کروادی۔^(۱)

صوفیوں کی کرامات بیان کرنے والی اپنی دوسری کتاب ”حکایات اولیاء“ میں لکھا کہ قاضی پور کے رافضیوں نے قاسم نانوتوی صاحب سے ”کہا کہ اگر آپ بیداری میں ہم کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا دیں اور حضور اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمادیں کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں تو ہم اہلسنت والجماعت میں داخل ہو جائیں گے، فرمایا کہ تم اس پر پختہ رہو تو میں بیداری میں زیارت کرانے کیلئے تیار ہوں۔ مگر یہ ردافض کچھ کہے ہو گئے۔“^(۲)

انہی تھانوی صاحب کی کتاب ”اعمال قرآنی“ جس میں زیارت رسول ﷺ کے کئی وظیفے لکھے گئے ہیں، اس میں مفتی شفیع عثمانی صاحب نے بھی کچھ اضافے کیے ہیں اور زیارت رسول ﷺ کا وظیفہ بتاتے ہوئے لکھا ہے:

”عالم بیداری میں زیارت: شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے چند بزرگوں کی حکایات لکھی ہیں کہ ان کو بارہا رسول کریم ﷺ کی زیارت بیداری میں کھلی آنکھوں ہوئی ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ صاحب جلالین کو ۳۵ مرتبہ دولت عظمیٰ بیداری میں نصیب ہوئی، ان بزرگوں سے اس کا سبب پوچھا گیا تو بتلایا کہ درود شریف کی کثرت اس کا سبب ہے۔ (انتہی) مگر یہ ظاہر ہے کہ اس مقام بلند تک پہنچنے کے لیے نرا زبانی جمع خرچ کافی نہیں، دل میں رسول کریم ﷺ کی پوری محبت اور زیارت کا شوق ہونا اور ظاہری و باطنی گناہوں سے بچنا ضروری ہے، جیسا کہ ان حضرات کا حال تھا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ نعمت عظمیٰ اپنے فضل سے بطفیل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نصیب فرمائیں۔“^(۳)

(۱) بحوالہ اشرف الحکایات: صفحات ۱۶، ۱۷ اور ساتھ ہی اس کی تاویل بھی پیش کر دی کہ بڑھاپے میں دلہن بنا کر انہیں شرمندہ کرنا مقصود تھا اور بندہ جب شرمسار ہو تو پھر اس کی دعاء قبول ہو جاتی ہے، اسی لیے ان کی زیارت رسول کی خواہش پوری ہو گئی! سبحان اللہ!

(۲) حکایات اولیاء: حکایت نمبر ۲۶۶، صفحہ ۲۴۲ [اس کے حاشیے میں بتایا کہ یہ اس لیے کہا کہ اس طرح تصرف کرنے کی انہیں قدرت حاصل تھی]

(۳) مطبوعہ دارالاشاعت، صفحہ ۱۵۸۔ ان سب کے متفق علیہ بزرگ امداد اللہ مہاجر کی صاحب نے تو بیداری میں زیارت رسول ﷺ کا بہت آسان طریقہ تجویز کیا ہے کہ نبی ﷺ کی صورت مثالیہ کا تصور کر کے درود

مقام حیرت ہے کہ اصحاب رسول ﷺ تو بعد الوفات زیارت سے محروم رہے، لیکن ان ”بزرگانِ دین“ کے لیے اللہ تعالیٰ کے قانون کو تبدیل کر دیا گیا اور رسول ﷺ کی عالم برزخ سے عالم دنیا میں آمد کو اس قدر عام کر دیا گیا کہ کبھی آکر دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھتے ہیں! (۱) کبھی مدرسہ دیوبند کے حساب کتاب جانچنے آ جاتے ہیں! (۲) علمائے دیوبند سے تو اس کثرت سے ملاقاتیں ہوتی ہیں کہ ان میں رہ کر اردو زبان بھی سیکھ لی ہے! (۳) شاہ ولی اللہ صاحب اپنے سفر مدینہ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اسی طرح زیارت رسول اللہ ﷺ بھی زیارت مبصرہ ہوئی، اندھوں والی زیارت نہیں ہوئی۔ سو یہ زیارت شریفہ میرے لیے تمام نعمتوں سے اعلیٰ وارفع ہے۔“ (۴)

یعنی یہ کوئی خیالی یا نومی زیارت نہ تھی بلکہ آنکھوں دیکھی ”یعنی زیارت“ تھی۔ انہی شاہ ولی اللہ کو اگر بوقت موت اپنے بچوں کی کم عمری کی فکر ہوتی ہے تو آکر دلاسہ دیتے ہیں:

”تو کا ہے کا فکر کرے ہے، جیسے تیری اولاد ویسی ہی میری۔“ (۵)

جب مولوی قاسم نانوتوی صاحب کے خلاف انگریز تفتیش کرنے لگے تو موصوف نے فرمایا:

”میں اکثر دیکھتا ہوں کہ حضرت ﷺ تشریف لاتے ہیں اور اپنی رواء مبارک میں مجھے ڈھانپ کر کبھی اندر لاتے ہیں کبھی باہر لیجاتے ہیں۔ سوتے اور جاگتے اکثر اوقات یہی منظر آنکھوں کے سامنے رہتا ہے کہ حضور رواء مبارک میں لیے رہتے ہیں اور الگ کرنا نہیں چاہتے۔“ (۶)

شریف پڑھے اور داہنی طرف یا احمد، بائیں طرف یا محمد کی ضربیں لگائیں اور یاد رسول اللہ ایک ہزار بار پڑھیں، بیداری میں سر کی آنکھوں سے نبی ﷺ کی زیارت ہو جائے گی! (حکایات امدادیہ [ضیاء القلوب] صفحہ ۴۵)

(۱) مبشرات دارالعلوم: صفحہ ۴۵/ دارالعلوم کا ”دیوبند نمبر“: صفحہ ۳۹-۴۰ بحوالہ ”دیوبندیت“: صفحہ ۱۲

(۲) حکایات اولیاء: حکایت نمبر ۴۳۹، صفحہ ۳۸۳

(۳) البراہین القاطعہ: صفحہ ۳۰

(۴) فیوض الحرمین: بحوالہ آئینہ سلوک، صفحہ ۷۷

(۵) حکایات اولیاء: حکایت نمبر ۱۸ [تذکرۃ اشریاء، اشرف الاخلاق اور تدریج مشلِ نچشت میں بھی اس کو بیان کیا گیا ہے]

(۶) حکایات اولیاء: حکایت نمبر ۲۳۴، صفحہ ۲۱۵ [یہ بھی دلچسپ حقیقت ہے کہ ان مسلک پرستوں کے عقائد و نظریات کی طرح ان کی کرامتی حکایات و واقعات میں بھی مماثلت و یکسانیت پائی جاتی ہے: نبی ﷺ کا اپنی حفاظت میں لینے کا اسی طرح کا ایک واقعہ بریلوی مسلک کے الیاس قادری صاحب کے لیے بھی گھڑا گیا ہے جو ان کی کتاب ”فیضانِ سنت“ کے آغاز میں درج ہے۔]

ان لوگوں کے اس عقیدے کا پچھلے صفحات میں ذکر آچکا ہے کہ:

”نبی ﷺ قبر میں زندہ ہیں، اور پیش کیے گئے سلام کو سنتے اور جواب دیتے ہیں، اور دور سے پڑھے گئے سلام کو فرشتے پہنچاتے ہیں“

اب یہ بات ذرا غور طلب ہے کہ بقول ان کے، جس وقت اللہ کے رسول ﷺ شاہ ولی اللہ کو نسلی دینے ان کے پاس دہلی میں تھے، یا حساب کتاب چیک کرنے دیوبند گئے ہوئے تھے، یا اسی طرح ان کے اکابرین سے ملنے تشریف لے گئے تھے، یا ان لوگوں کے جنازوں میں شرکت فرماتے تو اس وقت تو قبر نبوی خالی ہو گئی اور پڑھا گیا سلام بے کار گیا! نیز بتائیں کہ مرنے والوں اور دنیا والوں کے درمیان ایک آڑ، اور موت کے بعد قیامت ہی میں زندہ کیے جانے کی آیات* کیا بے اثر ہو گئیں؟

نبی ﷺ کے خواب میں آنے کے واقعات کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔* ان لوگوں کو ذرا سی اونگھ آئی اور رسول ﷺ آ موجود ہوئے! یوسف بنوری صاحب کے والد کے واقعات تولیفیہ معلوم ہوتے ہیں: پڑوسی کو قرض نہیں دیا تو فوراً خواب میں آکر تادیب فرمائی، بلی کو مار کر گھر سے نکال باہر کیا تو خواب میں آکر تنبیہ کی، جب بیمار پڑ گئے تو نبی ﷺ خواب میں آکر فرمانے لگے کہ

”جب تم بیمار ہوتے ہو تو میں بھی بیمار ہو جاتا ہوں، جب تمہارے سر میں درد ہوتا ہے تو میرے سر میں بھی درد ہوتا ہے۔“ (1)

صرف یہی نہیں، بلکہ بنفس نفیس تشریف لا کر ان کے ملازم بادشاہ خان سے یہ بھی فرماتے ہیں کہ

★ سورۃ المؤمنون: ۱۵، ۱۶، ۱۰۰ وغیرہ

☆ واضح رہے کہ کوئی کسی کے خواب میں نہیں آتا، کسی کے دماغ میں گھس کر اس کے خیالات میں دخل انداز نہیں ہوتا بلکہ یہ خود سونے والے کے اپنے خیالات ہوتے ہیں جو وہ کسی کو خواب میں دیکھتا ہے کیونکہ خواب قدرت ربانی کا ایک نفسیاتی مظاہرہ ہوتا ہے۔ انسان بیداری میں جن چیزوں یا واقعات کا مشاہدہ کرتا ہے یا ان میں غور و فکر کرتا ہے تو ان میں سے کچھ کو اس کا تحت الشعور محفوظ کر لیتا ہے اور حالت نوم میں وہ ابھر کر شعور کی سطح پر نمایاں ہو جاتے ہیں۔ لہذا یہ کہنا درست نہیں کہ فلاں پیغمبر یا بزرگ خواب میں آئے۔

(1) بینات، اگست ۵، ۱۹۷۷ء، صفحہ ۷

”تو ہی زکریا کی خدمت نہیں کر رہا، میں بھی یہ کام کر رہا ہوں۔“ (1)

یہ بات قابل غور ہے کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد کیسے شدید ابتلائی دور آئے، لیکن نبی ﷺ بھی نہ تو امہات المؤمنین کے یہاں آئے اور نہ صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے (رضی اللہ عنہم اجمعین)، نہ خواب میں اور نہ بیداری میں! ذرا غور کریں کہ کیسے بے باک و جری ہیں یہ پرستارانِ مسلک کہ اپنے والد اور بزرگوں کی شان بڑھانے کے لیے اُن کی کرامتوں کے من گھڑت واقعات بیان کرتے ہوئے رسول ﷺ کی شان گرانانہ کے گویا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے!

مزید ملاحظہ فرمائیے! حاجی امداد اللہ مہاجر کی صاحب کے خواب میں آکر ان سے فرمایا:

”ہماری زیارت کے لیے مدینہ طیبہ آؤ۔“

یہ حکم ملتے ہی وارفتگی میں افتاں و خیزاں بغیر کسی زاد راہ اور ساز و سامان کے حاضری کے لیے فوراً چل پڑے۔ دربار میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا:

”مہربان آقا نے اپنے محبوب امتی کو سلام کا جواب مرحمت فرما کر عزت کے عرشِ کمال

اور محبت کے بامِ عروج پر پہنچا دیا..... اس کے بعد آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف

سے واپسی کا اشارہ ہوا اور آپ واپس تشریف لے آئے۔“ (2)

ایک دوسرے خواب میں انہی حاجی صاحب کی بھوج سے فرماتے ہیں کہ:

”اٹھ! تو اس قابل نہیں کہ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا پکائے، اس کے مہمانوں کا کھانا

میں پکاؤں گا۔“ (3)

”تبلیغی نصاب“ کے مصنف زکریا کاندھلوی صاحب کے خادم نے نبی ﷺ کو دیکھا اور زکریا

صاحب کی طرف سے صلوٰۃ و سلام عرض کر کے ان کی صحت کے لیے درخواست کی تو نبی

ﷺ نے فرمایا کہ ان کے لیے تو ہم خود دعا کرتے ہیں، ان کو یاد دلانے کی ضرورت نہیں،

پھر فوراً ہی دعا میں مشغول بھی ہو گئے۔ (4) ان کے ایک دوسرے مرید صاحب نے

(1) بینات، اگست ۱۹۷۵ء، صفحہ ۸

(2) گنبدِ خضریٰ: صفحہ ۴۳۸ نیز تاریخ مشائخِ چشت: صفحہ ۲۴۷

(3) امداد الشائق: صفحہ ۲۴۷ نیز تاریخ مشائخِ چشت، صفحہ ۲۴۸ و مقدمہ امداد السلوک: صفحہ ۴۰

(4) بہجۃ القلوب: صفحہ ۲۶

”حضور اقدس ﷺ کی زیارت کی تو صلاۃ و سلام کے بعد عرض کیا کہ حضرت بہت فکر مند ہیں کہ کس منہ سے سامنا ہوگا۔ حضورؐ نے فرمایا: اِنَّہٗ حَبِیْبُنَا.....“ (1) یعنی وہ تو ہمارے محبوب ہیں [انہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں!]

مدینے کے ایک عالم شیخ سعید تھرونی کے خواب میں آکر بتایا کہ وہ ہندی عالم خلیل احمد سہارنپوری صاحب کے جنازے میں شرکت کے لیے تشریف لائے ہیں۔ (2)

مولوی برکات احمد کی وفات کے دن مولوی امیر احمد نے خواب میں نبی ﷺ کو گھوڑے پر جاتے دیکھا تو پوچھا کہ کہاں تشریف لے جاتے ہیں۔ فرمایا برکات احمد کے جنازے کی نماز پڑھنے۔ رضا خاں بریلوی کہتے ہیں کہ

”الحمد للہ یہ جنازہ مبارکہ میں نے پڑھایا“

یعنی یہ صاحب نبی ﷺ کے امام بنے اور آپ ﷺ نے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی! مزید یہ کہ نبی ﷺ نے صرف نماز ہی نہیں پڑھی بلکہ ان کو دفن کرنے کے لیے ان کی قبر میں بھی اترے، چنانچہ رضا خاں بریلوی فرماتے ہیں کہ ان برکات احمد صاحب کو دفن کرتے وقت جب میں ان کی قبر میں اترتا تو مجھے

”وہ خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی بار روضہ انور کے قریب پائی تھی۔“ (3)

یعنی خاں صاحب کے ساتھ نبی ﷺ بھی برکاتی صاحب کو دفن کرنے قبر میں اترے ہوئے تھے! اور ان بریلوی خاں صاحب کو جب

”ایک رات جی میں سید الانبیاء ﷺ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا، مواجہہ شریف میں کھڑے ہو کر درود و سلام کا نذرانہ پیش کرتے رہے لیکن زیارت سے مشرف نہ ہو سکے۔ جب بے قراری حد سے گزری تو از خود رفتگی کے عالم میں غزل خواں ہو گئے:

وہ سوئے لالہ زار ہوتے ہیں تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
اور جب حسرت دید اپنی انتہا کو پہنچ گئی تو مقطع عرض کیا:

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا تجھ سے کتنے ہزار پھرتے ہیں

(1) آپ بیٹی: جلد ۲، صفحہ ۱۵۲۹

(2) تذکرۃ الخلیل: صفحہ ۳۲۷

(3) ملفوظات: حصہ دوم، صفحہ ۲۷

★ ان کے اپنے مجموعہ کلام میں اسے بضم ”کاف“ کہتے ”لکھا ہے۔ (حدائق بخشش: حصہ اول، صفحہ ۳۰)

یہ کہنا تھا کہ قسمت جاگ اٹھی اور چشمِ سر سے حالتِ بیداری میں دیدارِ مصطفیٰ ﷺ سے سرفراز ہوئے۔“ (1)

شاہ ولی اللہ کا بیان کردہ ان کے والد صاحب کی بیماری میں نبی ﷺ کے آنے کا واقعہ تو ”لکھنے کے قابل“ ہے کہ اس میں غیبِ دانی کے کئی شاہکار بیک وقت جمع ہو گئے ہیں :

حضرت والد فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مجھے بخار آگیا اور اس بیماری نے طول پکڑا اور زندگی سے ناامید ہو گیا۔ مجھے اونگھ آگئی۔ اس غنودگی میں حضرت شیخ عبدالعزیز ظاہر ہوئے۔ فرماتے تھے، بیٹا! حضرت پیغمبر ﷺ تمہاری عیادت کے لیے تشریف لارہے ہیں اور ممکن ہے آپ اس طرف سے تشریف لائیں اور تمہارے پاؤں اس طرف ہیں، تیری چارپائی کو اس طرح رکھنا چاہیے کہ تیرے پاؤں اس طرف نہ ہوں۔ مجھے افاقہ ہوا۔ بات کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں تھی۔ میں نے حاضرین کو اشارہ کیا۔ انہوں نے میری چارپائی اس طرف پھیر دی۔ اسی وقت آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا ”کیف حائلک یا بنی“ بیٹا! تیرا کیا حال ہے؟ ان الفاظ کی حلاوت مجھ پر غالب آگئی۔ عجیب وجد اور آہ و بکا کا مجھ سے ظہور ہوا۔ حضور ﷺ نے مجھے اس طرح گود میں لے لیا کہ آپ کی ریش مبارک میرے سر پر تھی۔ آپ کی قمیص مبارک آنسو سے تر ہو گئی۔ آہستہ آہستہ اس وجد کو سکون آگیا۔ پھر میرے دل میں خیال گزرا کہ ایک عرصہ سے مجھے موئے مبارک کی آرزو ہے۔ کس قدر عظیم کرم ہوا اگر اس قسم کی کوئی چیز عنایت فرمائیں۔ آپ اس خیال سے واقف ہو گئے۔ ریش مبارک پر ہاتھ پھیرا اور موئے مبارک میرے ہاتھ میں پکڑا دیے۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ یہ دونوں بال بیداری میں میرے پاس رہیں گے۔ آپ اس خیال سے بھی واقف ہو گئے۔ فرمایا یہ دونوں بال اس عالم میں بھی باقی رہیں گے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے مجھے صحت کلی اور طویل زندگی کی بشارت دی۔ پھر مجھے افاقہ ہو گیا۔ میں نے چراغ طلب کیا۔ وہ دونوں بال میرے ہاتھ میں نہیں تھے۔ میں غمگین ہوا اور آنحضرت ﷺ کی جناب میں توجہ کی۔ مجھ پر غنویت طاری ہوئی اور آنحضرت ﷺ متمثل ہوئے۔ فرمایا: میرے بیٹے! تجھے آگاہ ہونا چاہیے کہ میں نے وہ دونوں بال احتیاط کے طور پر تمہارے منکبہ کے نیچے محفوظ کر دیئے ہیں، وہاں سے تو انہیں حاصل کرے گا۔ جب مجھے افاقہ ہوا تو میں نے انہیں وہاں سے لے کر عزت و احترام سے ایک جگہ حفاظت سے رکھ لیا۔ اس کے بعد بخار بالکل جاتا رہا اور مجھ پر کمزوری طاری ہو گئی۔ اقرباء نے سمجھا یہ موت کی برووت ہے۔ وہ روتے تھے اور مجھ میں بات کرنے کی طاقت نہیں تھی۔ میں سر سے اشارہ کرتا تھا۔ کچھ دیر بعد میری اصلی طاقت لوٹ آئی اور مجھے صحت کلی حاصل ہو گئی۔ (2)

(1) سوانح اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۹۰ بحوالہ چودھویں صدی ہجری کی ایک عظیم شخصیت:

صفحہ ۱۸، نیز گنبدِ خضریٰ، صفحہ ۴۴

(2) انفاس العارفین: صفحہ ۴۷، ۵۵

شاہ ولی اللہ صاحب نے ”فیوض الحرمین“ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے حرم مدینہ میں نبی ﷺ سے اپنی سینکڑوں ملاقاتوں اور ان میں عجیب و غریب اسرار و رموز سیکھنے کے احوال بیان کیے ہیں۔ اس کتاب کا تو ہر صفحہ ہی نبی ﷺ سے عالم بیداری و تصور کی ملاقاتوں کا حال پیش کر رہا ہے اس لیے اس کا کیا اقتباس پیش کیا جائے۔ اسی طرح اپنی دوسری کتاب ”در ثمین“ میں اپنے چالیس ایسے واقعات بیان کیے ہیں جنہیں موصوف نے ”حدیث“ کا نام دیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ انہوں نے نبی ﷺ سے براہ راست سن کر نقل کیے ہیں! حرمین کی زیارت کے موقع پر حسنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے شاہ صاحب کو ایک قلم دیا اور نبی ﷺ نے اپنی چادر اوڑھائی تو ان پر ”علم و عرفاں“ کے خزانے عیاں ہو گئے* اور پھر تو اس قلم سے وہ ”شاہکار“ نکلے کہ دنیا نے سر دھنے! جن کے کچھ نمونے پچھلے صفحات میں تصوف کے ذیل میں پیش کیے گئے ہیں۔ القول الجلیل (صفحہ ۲۲۲) میں لکھتے ہیں کہ ان کے والد نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا اور ان سے بیعت کی تو نبی ﷺ نے انہیں نفی و اثبات کی تعلیم دی یعنی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا ذکر کرتے ہوئے لَا إِلَهَ پر گردن کو اُٹھا دیکیں یا کہیں اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عوداً اوپر نیچے گھمانا۔ اسی طرح زکریا علیہ السلام کو بھی دیکھا جنہوں نے انہیں اسم ذات کی تعلیم فرمائی۔ ان شاہ صاحب کے بیٹوں کے ہی تربیت کردہ سید احمد بریلوی صاحب کے ”طریق سلوک نبوت اور طریق سلوک ولایت“ کے ”کمالات“ بیان کرتے ہوئے ان کے مرید (شاہ ولی اللہ کے پوتے) شاہ اسماعیل صاحب نے لکھا ہے کہ

”آپ نے جناب رسالت مآب صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور آنجناب ﷺ نے تین عدد چھوہارے اپنے ہاتھ مبارک سے آپ کو کھلائے اس طرح کہ ایک ایک چھوہارا اپنے ہاتھ مبارک سے لے کر حضرت سید صاحب کے منہ میں رکھتے تھے اور بعد ازاں کہ آپ بیدار ہوئے، اس رویائے حقہ کا اثر ظاہر باہر اپنے نفس میں پاتے تھے۔ اور اسی خواب کی بدولت ابتدائے سلوک نبوت حاصل ہو گیا۔ بعد ازاں ایک دن جناب ولایت مآب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو خواب میں دیکھا۔ پس جناب علی

★ البتہ قرآن کی رو سے انہیں ”لَھُوَ الْحَدِیْثُ“ ضرور کہہ سکتے ہیں۔ (سورۃ لقن: آیت ۶)

★ حجة الله البالغة، فیوض الحرمین، در ثمین: بحوالہ تذکرہ شاہ ولی اللہ: صفحہ ۲۶۸، ۲۶۹

مرتضیٰؑ نے آپ کو اپنے ہاتھ مبارک سے غسل دیا۔ اور آپ کے بدن کی خوب اچھی طرح سے شست و شو کی جس طرح والدین اپنے بیٹوں کو نہلاتے اور شست و شو کرتے ہیں۔ اور جناب فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا نے نہایت عمدہ اور قیمتی لباس اپنے ہاتھ مبارک سے آپ کو پہنایا۔ پس اس واقعہ کے سبب سے کمالات طریق نبوت نہایت جلوہ گر ہوئے اور اجتباۓ ازلی جو کہ ازل الازل میں پوشیدہ تھی منصفہ ظہور پر جلوہ گر ہوئی اور عنایات رحمانی اور تربیت ربانی بلا واسطہ آپ کے حال کی متکفل ہوئی اور پے در پے معاملات اور بے شمار واقعات وقوع میں آئے۔“ (1)

انہی شاہ اسماعیل صاحب کے غیر مقلد معتقد، تقلید سے متنفر و بیزار اور حدیث پر عمل کرنے کے دعویدار، اہلحدیثوں کے نہایت معتبر عبد اللہ غزنوی صاحب فرماتے تھے کہ

”مجھے ہفتے میں ایک بار ضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جاتی ہے۔“ (2)

اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں کہ

”حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کو حضور ﷺ کی زیارت روز ہوا کرتی تھی.....“ (3)

حسین احمد مدنی صاحب فرماتے ہیں کہ

”مدینہ میں ایک شخص کھانے کے ساتھ وہی بھی کھا رہا تھا جو ترش تھی۔ زبان سے نکل گیا کہ مدینہ کی وہی کھٹی ہے۔ اسی شب نبی ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ مدینے کی وہی کھٹی ہے، جہاں کی میٹھی ہو، وہاں چلے جاؤ۔ وہ صاحب بہت پریشان ہوئے۔ مدینے کے دوسرے بزرگ سے واقعہ بیان کیا تو مشورہ دیا کہ حمزہ کے مزار پر جائیے اور ان کے وسیلے سے دعا کیجیے۔ وہ گئے اور دعا کی۔ شب میں حمزہ کی زیارت ہوئی، فرمایا اگر ایمان کی سلامتی چاہتے ہو تو فوراً مدینہ چھوڑ دو۔“ (4)

سلاسل طیبہ نامی رسالے میں اپنے بیعت ہونے اور تصوف کے کسی خاص سلسلے کے تمام پیروں کے وسیلے سے مناجات کرنے کے مختلف ”شجرہ مبارکہ“ بیان کرتے ہوئے یہی حسین احمد مدنی صاحب لکھتے ہیں کہ

(1) صراط مستقیم: صفحہ ۲۲۱

(2) کرامات اہلحدیث: صفحہ ۲۵

(3) حسن العزیز: جلد ۴ صفحہ ۳۲۰ بحوالہ عملیات و تعویذات، صفحہ ۲۰۴

(4) بحوالہ الاشرف، نومبر، ۱۹۹۱ء، صفحہ ۱۳

”وہی تین دن گزرے تھے کہ منزل رابغ کی شب میں جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت باسعادت خواب میں نصیب ہوئی۔ یہ سب سے پہلی زیارت آنحضرتؐ کی تھی۔ آنحضرتؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ کر قدموں پر گر گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کیا مانگتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت جو کتنا ہیں پڑھ چکا ہوں وہ یاد ہو جائیں اور جو نہیں پڑھی ہیں ان کے متعلق اتنی قوت ہو جائے کہ مطالعہ میں نکل سکوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تجھ کو دیا۔“ (1)

مفتی اعظم پاکستان شفیق عثمانی صاحب نے ایک ”عارف باللہ“ کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ ہر سال حج کرتے اور

”پھر زیارت روضہ رسول اللہ صلعہ کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ حاضری دربار کے وقت والہانہ اشعار قصیدہ آنحضرتؐ اور آپ کے صاحبزادے حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی شان میں لکھ کر روضہ اقدس کے سامنے پڑھا کرتے تھے۔“

ایک دفعہ ایک رافضی نے ایسا کرنے پر ان کی زبان کاٹ دی۔ انہوں نے کٹی زبان ہاتھ میں لے کر ”روضہ اقدس“ پر واقعہ بیان کیا۔ رات کو نبی ﷺ صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ ان کے خواب میں آئے اور ان کی کٹی ہوئی زبان جوڑ دی۔ بیدار ہونے پر واقعی جڑی ہوئی پائی۔ (2) نیز بیان کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے فاقے میں روضہ اقدس پر حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور کہا کہ آج میں آپ کا مہمان ہوں۔ نبی ﷺ نے اس کے خواب میں آکر اس کو ایک روٹی دی جو اس نے خواب میں ہی کھانی شروع کر دی۔ جب آنکھ کھلی تو پچی ہوئی روٹی ہاتھ میں تھی۔ (3)

کبھی کسی کے خواب میں آکر اس کے اپنے مخصوص مسلک پر جیسے رہنے کی تاکید کرتے ہیں۔ مختلف مسالک سے وابستہ لوگ جو ایک دوسرے پر کفر، بدعت و ضلالت کے فتوے لگاتے ہیں، یہ سب ایسے واقعات بیان کرتے ہیں جن میں نبی ﷺ نے ان کے مسلک کی تائید کی ہوتی ہے۔ نام نہاد احمدیہ ”حضرات“ شخصی تقلید پر حنفی مقلدین کو بہت زیادہ تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور مؤخر الذکر انہیں ”غیر مقلد“ کا لقب دے کر خود

(1) سلاسل طیبہ: صفحہ ۳

(2) کشکول: صفحات ۳۸، ۳۹

(3) کشکول: صفحات ۳۸، ۳۹

انہیں ہی گمراہ قرار دیتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان دونوں فرقوں کے مشترکہ ”بزرگ اکابر“ شاہ ولی صاحب اپنے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کی طبیعت تقلید کی سرے سے انکاری تھی مگر خود نبی ﷺ نے انہیں فقہ کے چاروں مذہبوں کی تقلید کا حکم دیا۔^(۱)

تبلیغی جماعت والوں میں یہ بات مشہور ہے کہ ان کے بزرگ عبد الوہاب صاحب نے خواب میں نبی ﷺ کے سامنے رائے و مذاکرہ سکھ بند تبلیغی کام پیش کیا تو آپ ﷺ نے اس سے اتفاق کیا اور خوش ہو کر منظوری کی سند بھی دی؛ اور یہ بھی کہ ان کے اکابرین میں سے ایک دوسرے صاحب مفتی زین العابدین کو خواب میں آکر کہا کہ عبد الوہاب سے کہہ دو کہ زیادہ بھیڑ جمع نہ کرے، بس تین سو تیرہ^{۳۱۲} چاہئیں۔ اور یہ بات تو تقریباً ہر تبلیغی کہتا ہے جس کا ذکر ابوالحسن علی ندوی صاحب نے ”حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت“ نامی کتاب (صفحہ ۸۴) میں بھی کیا ہے، کہ مولوی الیاس صاحب نے اس تبلیغ کا کام نبی ﷺ کے حکم سے شروع کیا۔

ان ہی مولوی الیاس صاحب کی ایما اور اصرار پر ان کے بھتیجے اور داماد زکریا کاندھلوی صاحب نے تبلیغی کام کرنے کے لیے فضائل درود، فضائل حج، فضائل صدقات وغیرہ کے نام سے کتابیں لکھیں، جنہیں پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ کی خواب میں زیارت تو گویا ایک کھیل ہے جس نے چاہا کھیل لیا۔ ”بہجۃ القلوب“ نامی رسالے (جس کا ایک واقعہ پہلے بیان کیا گیا) میں تو خود انہی زکریا صاحب کے چالیس شہ پارے جمع کیے گئے ہیں جن میں ان کی نبی ﷺ سے خواب اور بیداری میں ملاقاتوں کے حیران کن احوال بیان کیے گئے ہیں۔

عنوان ۸ کے تحت انہی کاندھلوی صاحب کی کتاب ”فضائل درود“ کے حوالے سے لکھا جا چکا ہے کہ شاعر جامی کو اپنی قبر پر آنے سے روکنے کے لیے کیسے اللہ کے رسول ﷺ بار بار امیر مکہ کے خواب میں آکر اسکو جامی کے آنے کی اطلاع دے کر اسے روکنے کا کہتے رہے! ”جہاد افغانستان“ کے ”روح رواں“ مفتی رشید احمد کے نظریات کی تبلیغ کرنے والے ان کے نقیب رسالے ”بچوں کا اسلام“ میں بھی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ

”قاویائیت کی سازشیں جاری ہیں اور اس کے خلاف کام کرنے کی ہدایات خوابوں میں علماء کرام کو خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں۔“ (1)

بچوں کی ذہن سازی اور اپنے مسلک کی تبلیغ کرتے ہوئے اسی رسالے میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے مولوی اللہ وسایا صاحب نے یہ بھی لکھا کہ ان کے ایک مولوی کو قادیانیوں نے تقریر نہیں کرنے دی تو اسی رات کو عیسیٰ علیہ السلام کی خواب میں زیارت ہوئی۔ مولوی صاحب کہنے لگے:

”حضرت آپ کیسے اس دنیا میں آگئے۔ ابھی تو حضرت مہدی کا ظہور بھی نہیں ہوا، و حال نہیں نکلا.....“ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ”محمد علی جانبدہری! تم جب لوگوں کے سامنے میری حیات بیان نہیں کرو گے تو پھر مجھے خود اپنی حیات کی دلیل بن کر آنا پڑے گا۔“ اس پر صبح کو مولانا نے کئی گھنٹے تک جی بھر کر تقریر کی۔ کسی کو دخل دینے کی جرأت نہ ہوئی۔“ (2)

غرضیکہ نہ ختم ہونے والے قصے ہیں۔ جب ان سے کہا جائے کہ تم نے تو نبی ﷺ کو نہیں دیکھا تو پھر خواب میں تمہیں کیسے یقین ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو ہی دیکھا تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہی تھے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ بے شک آپ ﷺ نے جو فرمایا، درست فرمایا۔ مگر یہ نہیں فرمایا کہ مجھے زندگی میں نہ دیکھنے والوں کو وہ خواب کے ذریعے دھوکے میں نہیں ڈال سکتا اور دوسو سے کے ذریعے یہ تاثر نہیں دے سکتا کہ میں تمہارا نبی ہوں، تاکہ جس نے نبی ﷺ کو نہیں دیکھا ہے وہ اس کے فریب میں آجائے۔

اب اس معقول بات سے گریز کرنے کے لیے دوسری بات کہی جاتی ہے کہ خواب میں آنے والی صورت اگر قرآن و حدیث کے مطابق کوئی بات کہے تو وہ نبی ﷺ ہی کی صورت ہوگی کیونکہ شیطان حق بات نہیں بتا سکتا۔ یہ بات بھی درست نہیں، کیونکہ بخاری کی روایت میں آتا ہے کہ شیطان نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آیت اکرسی کی فضیلت بتائی اور نبی ﷺ نے اس کی تصدیق ان الفاظ میں فرمائی:

(1) بچوں کا اسلام مؤرخہ ۹ جنوری ۲۰۰۵ء: صفحہ ۶۷

(2) بچوں کا اسلام مؤرخہ ۶ فروری ۲۰۰۵ء: صفحہ آخر

أَمَّا أَنَّهُ قَدْ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ

”واقعہ اس نے تم کو صحیح بات بتائی، حالانکہ وہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔“ (1)

معلوم ہوا کہ شیطان کبھی سچی بات بھی بتا سکتا ہے۔ مزید برآں شیطان کسی حق بات کے ذریعے باطل میں مبتلا کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو شیطان سے خبردار کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ:

لَا يَغْوِيَنَّكُمُ بِاللَّهِ الْغَوُورُ (النمل: ۳۳، فاطر: ۵، الحديد: ۱۳ وغیرہ)

”(ہوشیار رہو!) وہ دھوکہ باز (شیطان مردود) ہرگز تم کو اللہ کے بارے میں دھوکہ نہ دے“

یعنی شیطان اللہ کے بارے میں بھی دھوکہ دے سکتا ہے تب ہی تو اللہ تعالیٰ اس بابت چوکنارہنے کی تاکید کر رہا ہے۔ یعنی یہ بالکل ممکن ہے کہ شیطان کسی کے خواب میں رسول اللہ ﷺ کا حلیہ دکھا کر اور اپنی طرف سے کچھ بتا کر یہ فریب دے سکتا ہے کہ خواب دیکھنے والے کو رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی اور جو کچھ اس موقع پر سنا وہ ارشاد نبوی تھا! مگر ستم دیکھیے کہ قرآن وحدیث کی پیروی کے دعویدار اسے سند جواز فراہم کرنے پر مصر ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ کا پورا حلیہ محفوظ ہے۔ خواب میں یا کشف میں اس کو رسول اللہ ﷺ اسی حلیہ کے ساتھ نظر آئیں اور اس حالت میں اس بزرگ نے رسول اللہ ﷺ سے کسی حدیث کی تصدیق کرائی تو اس پر عمل جائز ہے.....“ (2)

دراصل یہ خواب کا معاملہ ایک کاروبار کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ بہت سے لوگ نبی ﷺ کے خواب میں آنے کا قصہ سنانا کر اپنی فضیلت اور بزرگی کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ لطیفہ یہ ہے کہ وہ بریلویوں کے خواب میں بھی آتے ہیں (3) جنہیں دیوبندی بدعتی اور اہل حدیث مشرک کہتے ہیں، اور دیوبندیوں کے خواب میں بھی آتے ہیں (4) جنہیں بریلوی گستاخ

(1) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الکفالة، باب ۳۹ ۱۴ اذاکل رجال، صفحہ ۹۰۹

(2) نور محمدی: صفحہ ۲۹

(3) الیاس قادری کی ”فیضان سنت“، رضا خاں بریلوی کے ملفوظات، اور بریلوی مکتبہ فکر کی دیگر کتب میں ایسے متعدد واقعات لکھے ہوئے ہیں۔

(4) فضائل حج اور فضائل درود کے آخر میں دی گئی حکایتوں میں ایسے بہت سے واقعات نقل کیے گئے ہیں۔

رسول و کافر قرار دیتے ہیں اور اہل حدیث انہیں بھڑکا ہوا سمجھتے ہیں۔ اہل حدیث بھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے خواب میں آکر مقلدین (بریلوی و دیوبندی وغیرہ) کی نفی فرمائی۔^(۱) یہ وہ لوگ ہیں جنہیں باقی دو فرقے وہابی کا لقب دیتے ہیں، بریلوی کافر اور دیوبندی گمراہ قرار دیتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شیعہ بھی نبی ﷺ کو دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں^(۲) جن کے متعلق باقی تینوں فرقوں کی مختلف رائے ہے، بعض علانیہ کافر و مشرک کہتے ہیں اور بعض انہیں گمراہ سمجھتے ہیں۔

اپنی تصانیف کو مقبولیت دینے کے لیے بھی یہ ہتھکنڈہ استعمال کیا جاتا ہے اور دیباچوں میں ان کے مصنف دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی کتاب کو بارگاہ رسالت سے سند قبولیت عطا کی گئی ہے: الحمد للہ احسان الہی ظہیر صاحب نے قادیانیوں کے خلاف کتاب ”القدایانیہ“ لکھی تو نبی ﷺ کی زیارت کی اور کتاب کی قبولیت کی خوشخبری حاصل کی۔^(۳) دیوبندی زکریا کاندھلوی صاحب نے تبلیغی نصاب کی کتب فضائل وغیرہ لکھیں تو نبی ﷺ نے خواب میں آکر اپنی پسند، خوشی اور رضامندی کا اظہار کیا۔^(۴) اسی طرح بریلوی الیاس قادری صاحب نے اپنی جماعت کا تبلیغی نصاب ”فیضان سنت“ مرتب کیا تو نبی ﷺ نے خواب میں آکر بے حد خوشی ظاہر کی اور اس کتاب کو اپنی امت کے لیے تحفہ قرار دیا۔^(۵) حد تو یہ ہے کہ تصوف کا بنیادی نظریہ ”وحدت الوجود“ ایجاد کر کے اللہ کے دینِ خالص کو

(۱) انfas العارفین میں شاہ ولی اللہ نے اپنے، اپنے والد اور تایا وغیرہ کے خواب میں نبی ﷺ کے آنے کے کئی واقعات لکھے ہیں۔ ماضی قریب میں احسان الہی ظہیر صاحب نے بھی زیارت رسول کا دعویٰ کیا تھا۔ حوالے کے لیے ملاحظہ ہو موصوف کی کتاب ”مرزائیت اور اسلام“، صفحہ ۲۱

(۲) ان کی لکھی ہوئی واقعہ گربا کی کتابوں میں ایسے کئی قصے ہیں کہ نبی ﷺ نے خواب میں آکر اپنے نواسے کی شہادت کی اطلاع دی، مقام شہادت دکھلایا، وغیرہ

(۳) مرزائیت اور اسلام: صفحہ ۱۲

(۴) بہجۃ القلوب: ابتدائی ۶ صفحات

(۵) فیضان سنت: صفحہ ۳ [شاید اسی لیے ان کے ”عطاری“ مریدوں کا پھیلا ہوا اس کتاب میں لکھا خطابیہ صیغے کا خود ساختہ درود و سلام پگھوں اور سڑکوں پر جھڑی سائز میں لکھ کر ساتھ میں یہ بھی لکھا جاتا ہے کہ ”تو اب کا تحفہ... آقا کی پیاری امت کے لیے“]

یکسر بدل ڈالنے والے ابن عربی ”محی الدین“ صاحب نے بھی اپنی کتاب ”فصوص الحکم“ کی ابتداء اس طرح کی:

”بعد حمد و صلوة کے کہتا ہوں کہ میں نے ایک رویا مبشرہ میں جو مجھ کو دکھائی گئی، رسول اللہ ﷺ کو دیکھا محرم ۷۲۷ھ کے اخیر عشرہ میں محروسہ دمشق میں اور آپ کے دست مبارک میں ایک کتاب تھی اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ کتاب فصوص الحکم ہے، اس کو لو اور لوگوں پر اسکو ظاہر کرو وہ اس سے نفع حاصل کریں گے۔“ (1)

اس طرح نبی ﷺ کے خواب میں آنے کے عقیدے کی حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ سب بے بنیاد باتیں اور اپنے اپنے مسلک کے دفاع اور برتری کی چالیں ہیں اور در حقیقت نبی ﷺ پر افتراء ہیں۔ یہ لوگ نبی ﷺ کے فرامین سے کیسے بے خبر ہیں کہ:

مَنْ يَقُلْ عَلَى مَا لَمْ يَأْمُرْ بِهِ فَلْيَتَّبِعْهُ أَمْ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ

”جو مجھ سے وہ بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“ (2)

لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلْجِ النَّارَ

”مجھ پر جھوٹ نہ باندھنا کیونکہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا وہ جہنم میں جائے گا۔“ (3)

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَّبِعْهُ أَمْ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ

”جس نے مجھ پر کوئی جھوٹ باندھا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“ (4)

یہ لوگ اللہ کے نبی ﷺ پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ آپ نے خواب میں آکر یہ فرمایا، وہ فرمایا حالانکہ ایک بھی صحیح روایت نہیں ملتی کہ نبی ﷺ وفات کے بعد کبھی کسی صحابی کے خواب میں آئے ہوں اور کچھ ارشاد فرمایا ہو، جبکہ آپ ﷺ کے بعد امت پر کیسے کیسے کڑے وقت آئے:

• ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں عرب بدوؤں نے ارتداد کیا، زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہو گئے؛

(1) خصوص الکلم فی فصوص الحکم: صفحہ ۶

(2) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب العلم، باب ۸۰ اثم من كذب على النبي ﷺ، صفحہ ۱۵۳

(3) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب العلم، باب ۸۰ اثم من كذب على النبي ﷺ، صفحہ ۱۵۳

(4) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب العلم، باب ۸۰ اثم من كذب على النبي ﷺ، صفحہ ۱۵۲

• عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں سخت قحط آیا کہ ہر جگہ خاک اڑنے لگی اور اس سال کا نام ہی عام الرمادہ (یعنی راکھ کا سال) پڑ گیا؛

• عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں باغیوں نے سر اٹھایا اور انہیں شہید کر دیا؛

• علی رضی اللہ عنہ کے دور میں جنگ جمل، صفین اور نہروان میں مسلمانوں کی تلواروں نے مسلمانوں کا خون کیا، ایسے وقت میں نبی ﷺ کی رہنمائی کی شدید ضرورت تھی۔

یہاں تو محض پڑوسی کو قرض نہ دینے اور بلی کو مارنے پر نبی ﷺ کو خواب میں بلانے کے دعوے کیے جاتے ہیں اور ایک بیمار کی عیادت و خدمت کے لیے بھی، اگر مر جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کے لیے بھی، اور آنے والے مہمانوں کا کھانا پکانے کے لیے بھی، لیکن وہاں اتنے شدید مصائب میں بھی وہ کسی کے خواب میں نہیں آئے! کیا یہ لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی افضل اور نبی ﷺ سے اقرب ہیں کہ آپ ﷺ اکثر ان کے خوابوں میں آتے رہتے ہیں (باوجودیکہ انہوں نے آپ ﷺ کو اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا)، جسد عنصری یعنی گوشت پوست کے دنیاوی جسم کے ساتھ شاہ ولی اللہ کے پاس دلاسہ دینے آ جاتے ہیں، عبدالقادر جیلانی صاحب کی مجلس میں آکر وعظ سنتے ہیں، حساب چیک کرنے دیوبند چلے جاتے ہیں، ان سے کثرت اختلاط سے ان کی اردو زبان بھی بولنی آگئی.....! کیا یہ سب اللہ کے دین کے ساتھ مذاق نہیں؟

رسول اللہ ﷺ کے علاوہ یہ لوگ دوسری متوفی ہستیوں کو بھی دنیاوی جسم کے ساتھ بلالیتے ہیں جیسے مولوی قاسم نانوتوی صاحب نے، بروایت اشرف علی تھانوی صاحب، بعد از وفات جسد عنصری کے ساتھ آکر دو مولویوں کے باہمی تنازعے سے اپنے شاگرد محمود حسن صاحب کو دور رہنے کی تنبیہ کی۔^(۱) اور انہی نانوتوی صاحب کے سوانح نگار کے

(۱) حکایات اولیاء: حکایت ۲۴۶، صفحہ ۲۲۲ نیز سوانح قاسمی: جلد ۱، صفحہ ۳۰۳ کا حاشیہ۔ شاید اسی وجہ سے ان مسلک پرستوں کی عقائد کی کتابوں میں لکھا ہوا کہ ”کاملین کی روحوں کا عالم عنصری میں کبھی تصرف بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔“ (عقائد الاسلام: صفحہ ۱۷۱) تب ہی تو شاہ ولی اللہ صاحب یہ دعویٰ کر گئے کہ ان کے والد شاہ عبد الرحیم صاحب نے میری مرید کے ہر سلسلے کے بزرگ یعنی عبدالقادر جیلانی، بہاء الدین نقشبند، معین الدین چشتی وغیرہ کی ارواح سے طریقت سیکھی اور دوسروں کو ان کے سلسلے میں مرید کرنے کی اجازت حاصل کی۔ (قول جمیل: صفحہ ۲۲۲)

مطابق موصوف نے اپنے اسی شاگرد کے شاگرد مولوی کے ایک مخالف واعظ سے مناظرے کے وقت حاضر ہو کر اپنے ”پڑشاگرد“ کی زبان سے خود بول کر اُس واعظ کو شکست دے کر دیوبندیت کا سکہ جمادیا۔^(۱)

بیداری کی طرح خواب میں بھی یہ لوگ ان متوفین سے اسی طرح ”اکتساب فیض“ کے بھی دعوے کرتے ہیں جیسے یوسف بنوری صاحب کے والد نے بقول خود پوری جامع بخاری خواب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی (خواہ وہ ان کے پیدا ہونے سے بھی ایک ہزار سال پہلے فوت ہو چکے ہوں!) اور اسی طرح اس کی شریح فتح الباری اور عمدۃ القاری خود ان کے شارحین امام حجر عسقلانی اور امام بدر الدین عینی سے، جو تقریباً پانچ سو سال قبل فوت ہو چکے تھے، خواب میں پڑھیں۔^(۲) اور جیسے اشاعتیوں کے مولوی عبدالغنی جاجروی نے برسوں پہلے فوت ہو جانے والے اپنے بانی جماعت مولوی حسین علی الوانی سے ”پورے قرآن کا ترجمہ“ پڑھا۔^(۳) یا جیسے امداد اللہ مہاجر کی صاحب کا واقعہ، جنہوں نے جبرئیل و میکائیل کو بھی خواب میں دیکھا؛^(۴) جب یہ موصوف حکم الہی ”بیت اللہ کے سفر میں زادراہ لے لیا کرو“ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بغیر کسی زادراہ کے ”مہاجر کی“ ہو گئے تھے اور نودن تک فاقہ کرنے پر سینکڑوں سال پہلے وفات پا جانے والے معین الدین چشتی اجمیری صاحب برزخ کی تمام رکاوٹوں کو عبور کرتے ہوئے دنیا میں تشریف لے آئے اور اپنے اس چشتی مرید کی دستگیری فرمائی اور قرآن کی کئی آیتوں کی گویا نفی فرمادی، مثلاً

☆ ”دنیا والوں اور مرنے والوں کے درمیان قیامت تک ایک آڑ ہے۔“ (البقرہ: ۱۰۰)

☆ ”کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے لوگوں کو ہلاک کر دیا، اب وہ ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔“ (الن: ۱۳)

(۱) سوانح قاسمی: جلد ۱، صفحہ ۳۳۰

(۲) بینات، اگست ۱۹۷۵ء، صفحہ ۷

(۳) نغمہ توحید، مارچ ۱۹۹۱ء، صفحہ ۱۸

(۴) تاریخ مشائخ چشت: صفحہ ۲۴۶

☆ ”اس زندگی کے بعد ہمیں موت آکر رہے گی اور قیامت کے دن ہی دوبارہ اٹھائے جاؤ گے“

(المومنون: ۱۵، ۱۶)

☆ ”اللہ روحوں کو موت کے وقت قبض کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں تو سوتے ہیں،

پھر جن پر موت کا حکم کر چکنا ہے انہیں روک رکھتا ہے۔۔۔“ (الزمر: ۴۲)

☆ ”اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اسکے سوا کوئی اس تکلیف کو دور کرنے والا نہیں۔“

(الانعام: ۱۷، یونس: ۱۰۷)

حاجی صاحب کے الفاظ نقل کرنے کو دل چاہتا ہے جنہیں قرآن (جس میں مندرجہ بالا آیات بھی شامل ہیں) کی تفسیر لکھنے والے ان کے ”خليفة خاص“ اشرف علی تھانوی صاحب نے بیان کیا ہے۔ پڑھیے اور داد دیجیے کہ ان لوگوں نے دین کی کیسی زبردست، لاثانی، بے نظیر و بے مثال ”خدمت“ کی ہے:

”جب اوّل اوّل مکہ مکرمہ آیا فقر و فاقہ کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ نوروز تک بجز زمر شریف کے کچھ نہ ملا۔ تین چار دن کے بعد بعض احباب سے قرض مانگا انہوں نے باوجود وسعت انکار کیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ امتحان ہے۔ پس عہد کر لیا کہ اب قرض بھی نہ لوں گا اور ضعف سے یہ حالت تھی کہ نشست و برخاست دشوار تھی۔ آخر نوں دن خواجہ اجیری عالم واقعہ میں تشریف لائے اور فرمایا کہ اے امداد اللہ تم کو بہت تکالیف اٹھانی پڑیں اب تیرے ہاتھوں پر لاکھوں روپیہ کا خرچ مقرر کیا جاتا ہے۔ میں نے انکار کیا کہ یہ امانت بہت سخت ہے۔ ارشاد ہوا کہ اچھا تمہاری مرضی مگر اب باحتیاج خرچ تمہیں ملا کرے گا۔ تب سے بلا منت دیگرے مصارف روزمرہ چلتے ہیں۔“ [امداد المشتاق: صفحہ ۱۱۰]

البتہ داد دینے سے پہلے اس فتوے پر ایک نظر ضرور ڈال لیجیے گا جو فقہ حنفی کی کتابوں اور فتاویٰ کے مجموعوں میں لکھا ہوا ہے جنہیں ان کے مدرسوں میں بھی پڑھایا جاتا ہے، اور جو لازماً ان کے ”حکیم الامت حضرت تھانوی“ صاحب نے بھی ضرور پڑھا ہو گا:

وفي البزازیة قال علماؤنا من قال ارواح المشايخ حاضرة تعلم يكفر

”البزازیہ میں ہے کہ ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ جو یہ کہے کہ مشائخ کی روحيں حاضر ہوتی

ہیں اور تعلیم دیتی ہیں یا ان کو علم بھی ہوتا ہے (یعنی حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہیں) ایسے

شخص کی تکفیر کی جائے گی۔“ [بحر الرائق شرح كنز الدقائق از ابن نجيم: جلد ۵ صفحہ ۱۱۴]

اس فتوے کی روشنی میں گزشتہ صفحات میں بیان کردہ فوت شدہ ہستیوں کی روحوں کے حاضر ہونے، لوگوں کے حالات سے باخبر رہنے، انہیں تلقین و ارشاد کرنے، ان سے گفت و شنید کرنے، وغیرہ کے متعدد واقعات کی حیثیت معلوم ہو جاتی ہے۔ ان بے شمار واقعات میں شاہ ولی اللہ سے منقولہ وہ واقعات بھی شامل کر لیے جائیں جو ان کے والد کے ساتھ پیش آئے (جو کتاب کے آخری عنوان ”يُخْلِصُ عَوْنُ“ کے تحت صفحات ۶۶۵ تا ۶۶۸ پر دیکھے جاسکتے ہیں، یہاں بخوف طوالت نقل نہیں کیے جارہے) اور مسلک پرستوں کے وہ اشعار بھی جو ان کی عبادت گاہوں میں لہک لہک کر پڑھے جاتے ہیں کہ

۵ مومنوں خوشیاں مناؤ کملی والا آگیا

۵ آگئے سرکار آگئے سرکار

۷ سرکار کی آمد مر حبا..... نور کی آمد مر حبا

۷ آقا کی آمد مر حبا..... محبوب کی آمد مر حبا

۷ خود محمد ہیں تشریف لائے ہوئے..... ایسی رونق فضا آج کی رات ہے



کتاب ہذا کے اس باب کے رد میں ملاحظہ فرمائیے اور ملاحظہ فرمائیے کہ اپنی کتابوں میں وہی پرانے فنکارانہ دلائل دے کر اپنے اکابرین کے کہے کو درست ثابت کرنے اور اپنے مسلک پرست بھائیوں کو گمراہی کے گڑھے میں ہی پڑا رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ اپنے مخصوص انداز میں ”علیہ السلام“ دکھاتے ہوئے فوراً حدیث میں تحریف کرنے اور حدیث کو مسخ کرنے کا فتویٰ داغ دیا اور اس معقول بات کو کہ جن لوگوں نے نبی ﷺ کو اپنی زندگی میں نہیں دیکھا وہ خواب میں کیسے پہچانیں گے کہ نبی ﷺ کو دیکھ رہے ہیں، یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ سوال فضول ہے بلکہ شیطانی و سوسہ ہے کیونکہ جو اللہ خواب میں اپنے پیغمبر کی زیارت کرا سکتا ہے وہ تعارف بھی کرا سکتا ہے! اور اس کے لیے ایک مثال یہ گھڑی کہ جس طرح مشہور و معروف شخصیات جیسے صدر، وزیر اعظم، گورنر وغیرہ کی آمد پر ماحول خود بخود ایسا

بن جاتا ہے کہ ہر شخص بلکہ وہ بھی جس نے انہیں پہلے نہ دیکھا ہو، با آسانی پہچان لیتا ہے کہ یہ وہی شخصیت ہے جس کے نام سے ہم متعارف تھے، اسی طرح نبی ﷺ کی زیارت پر ماحول خود تعارف کر دیتا ہے اور آپ ﷺ کی پہچان میں کوئی دشواری نہیں ہوتی.....

مولوی صاحب کی دی ہوئی مثال ان کی عقل کی ہی طرح ناقص ہے جو زیارت کی صورت مسئلہ پر صادق نہیں آتی کیونکہ مذکورہ شخصیات کی آمد سے پہلے بکثرت اعلانات اور وسیع تشہیر کے ذریعے ایسا ماحول بنایا جاتا ہے اور پھولوں کے ہار اور کیمروں کی کھٹا کھٹ، صحافیوں کا ایک ہی شخص کے گرد ہجوم ظاہر کر دیتا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جس کی آمد کا اتنے عرصے سے ڈھنڈورا پیٹا جا رہا تھا۔ کیا نبی ﷺ کی بھی خواب میں آمد سے قبل اس طرح کے اعلانات اور تشہیر وغیرہ کا اہتمام کیا جاتا ہے؟ نیز یہ اعلان کرتا کون ہے؟ وہی ساء قرین تو نہیں جو اپنے دوستوں کو اسی طرح کی باتیں بھاتا ہے:

يُوجِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ ذُخِرَ الْقَوْلُ غُرُودًا [الانعام: ۱۱۲]

مزید یہ کہ اگر یہ مذکورہ شخصیات اپنے حشم خدم کے جلو میں ایک ساتھ کہیں آجائیں تو پہلے سے نہ دیکھنے والے لوگ یہ نہیں جان پاتے کہ فلاں کون ہے اور فلاں کون اور اس کے لیے وہ پوچھتے ہی رہتے ہیں جبکہ نبی ﷺ کی زیارت کے دعویدار تو اس طرح کے احوال اکثر سناتے ہیں کہ نبی ﷺ کو دیکھا اور ساتھ میں فلاں فلاں صحابہ بھی تھے یعنی انہوں نے فرداً فرداً سب کو پہچان لیا جیسے شاہ ولی اللہ نے اپنے والد کے لیے لکھا کہ نبی ﷺ نے ان کو خواب میں ایک روٹی دی جس میں سے انہوں نے ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی ان کے مانگنے پر کھائی لیکن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مانگنے پر انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ پھر میرے پاس کیا بچے گا؟ (فضائل درود: صفحہ ۱۲۱، نیز در ثمن اور انفاس العارفین میں بھی بیان ہوا)

ملا تو نسوی نے ہمارے اس موقف کو تحریف و مسخ حدیث سے تعبیر کیا ہے کہ

”حدیث کے الفاظ میں متن ذاتی یعنی جس نے مجھے دیکھا صاف بتا رہے ہیں کہ یہاں وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے زندگی میں نبی ﷺ کو ان کی اصل شکل میں دیکھا تھا“ (یہ مزاحیہ میل: صفحہ ۱۲)

اور پھر گو ہر افشانی فرمائی ہے کہ جس شخص کو عربی زبان سے ذرا بھی مناسبت ہوگی وہ با آسانی سمجھ سکتا ہے کہ عربی گرامر کی رو سے یہ حدیث نبوی کا غلط معنی اور غلط مطلب ہے.....

قارئین! محولہ مقام پر اور یہاں بھی لکھا ہوا دیکھا جاسکتا ہے کہ ہم نے مَنْ رَأَىٰ کے معنی یہی کیے ہیں کہ ”جس نے مجھے دیکھا۔“ یہ الفاظ صحابہؓ کو مخاطب کر کے سنائے گئے جو نبی ﷺ کے سامنے زندہ موجود تھے اور جنہوں نے نبی ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا تھا۔ اور مذکورہ الفاظ سے صحابہؓ ہی مراد ہونا اس روایت کے اگلے الفاظ فَسَيَرَانِي فِي الْيَقَظَةِ سے ثابت ہے جن میں بتایا گیا کہ وہ عنقریب مجھے بیداری میں بھی دیکھے گا: فَاَنْ تَعْقِبَ اور حرف سین سے مضارع کو مستقبل قریب کے لیے خاص کر دینا اس امر کو یقینی بنانا ہے نبی ﷺ کو جو خواب میں دیکھے گا وہ بیداری میں بھی ضرور دیکھے گا۔ نبی ﷺ کو آج خواب میں دیکھنے کے دعویٰ کیا یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اس فرمان کے مطابق انہوں نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھنے کے بعد ہی بیداری میں بھی دیکھا؟

ملاحظہ فرمائیے! اس طرح کے کسی دعوے کو تو پیش نہیں کیا البتہ خواب میں دیکھنے کے ساتھ ساتھ بیداری میں سر کی آنکھوں سے نبی ﷺ کی زیارت کرنے کو اپنے مخصوص انداز میں حسب عادت تفسیری اقوال اور تیسرے چوتھے درجے کی کتابوں سے ثابت کرنے کی سعی باطل ضرور کی ہے۔ امر تعجب ہے کہ ان مسلک پرستوں کو اپنے باطل عقائد ثابت کرنے کے لیے محکم قرآنی آیات اور طبقہ اولیٰ کی احادیث صحیحہ کیوں نہیں ملتیں! آخر یہ اُن کتابوں سے ہی کیوں استدلال کرتے ہیں جنہیں محدثین رطب و یابس سے پُر اور غیر مستند قرار دیتے ہوئے لائق استناد نہیں سمجھتے! ان موصوف نے بھی اللہ کی قدرت کا سہارا لے کر قیامت تک آنے والے انسانوں کو نبی ﷺ کی زیارت ہو جانا ممکن بتایا ہے اور مَنْ رَأَىٰ کے مَنْ کو عام کر کے صحابی غیر صحابی، مومن و کافر سب کو شامل کر دیا ہے! اور ساتھ ہی اس خیال کو بھی رد کر دیا ہے کہ شیطان تو نبی ﷺ کے بارے میں دوسوہ بھی نہیں ڈال سکتا۔ البتہ ان باتوں کے ثبوت میں بھی کوئی آیت اور کوئی حدیث نہیں پیش کی، اور کربھی کیسے سکتے ہیں کہ انکا معیار تو صرف ہم خیال مسلک پرستوں کے باطل اقوال ہی ہیں اور بس! قرآن میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آخرت کی جو ابد ہی سے متنبہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ (سورۃ لقمان: ۳۳)

”پس دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ ہی فریب دینے والا (شیطان) تمہیں اللہ کے بارے میں کوئی فریب دے“

شیطان جب اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی فریب میں مبتلا کر سکتا ہے جس سے بچنے کی آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے، تو پھر نبی ﷺ کے بارے میں ایسا کرنا کیوں ناممکن ہوا! ان مسلک پرستوں نے بجائے اس کے کہ نبی ﷺ کو خواب میں نہ دیکھ سکنے کے صحیح موقف کو تسلیم کرتے ہوئے اس شیطانی جرأت کی جڑ ہی کاٹ دیتے کہ اپنے باطل تصورات، عقائد و نظریات، شخصی فضائل و تصنیفات کی تائید و توثیق، تعریف و توصیف نبی ﷺ سے بذریعہ خواب منسوب کر دی جاتی ہے (جس کی مثالیں گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہیں)، یہ خود ساختہ اصول مقرر کیا ہے کہ خواب میں دیا گیا نبی ﷺ کا مزعومہ فرمان قرآن و حدیث پر پیش کیا جائے گا، جو موافق ہو گا وہ حق ہو گا اور جو مخالف ہو گا وہ دیکھنے والے کے سننے میں خلل پر محمول ہو گا۔ ملا مجیب نے تو اس مذکورہ معمول بہ باطل عمل کی اس طرح حمایت کر کے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی کہ خواب کے ذریعے کسی مسلک کے حق ہونے کی تائید اگر نبی ﷺ فرمادیں تو پھر نور علی نور!

اپنے اس اصول کی رُو سے ملا جی بتائیں کہ بریلوی، دیوبندی، شیعہ اور اہلحدیث، یہ چاروں فرقے اور مسلک اپنے اکابرین سے، خواہ علماء ہوں یا صوفیاء، اس طرح کے واقعات نقل کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خواب میں آکر ان کی تائید کی، ان کی کتابوں کی تعریف کی (مثالیں پچھلے صفحات میں دیکھی جاسکتی ہیں)، جبکہ یہ سب ایک دوسرے کی تکفیر، تضلیل اور تبطیل میں برسپہ کار ہیں، تو پھر صحیح کیا ہوا؟ ان کے نظریات و تصنیفات یا ان کے خوابوں کے واقعات؟ اب یہ مولوی صاحب اپنے ”نور علی نور“ استدلال کی حیثیت پر ذرا غور کر لیں۔

جیسا کہ اوپر بتایا گیا، ملا مجیب نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھنے کے ساتھ ساتھ بیداری میں سر کی آنکھوں سے دیکھنے کو حق ثابت کیا ہے اور اس کے لیے اُن احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں نبی ﷺ کے معجزانہ طور پر انبیاء علیہم السلام کو دیکھنے کا ذکر ہے۔ نبی ﷺ کو جاگتی آنکھوں سے دیکھنے کے لیے البتہ انہوں نے انہی مذکور ماقبل تفسیری اقوال اور

غیر مستند کتابوں سے استدلال کیا ہے جو کہ ان کی عادت ہے۔ ساتھ ہی یہ حیلہ بھی تراشا ہے کہ یہ زیارت جسم عنصری کی نہیں بلکہ جسم مثالی کی ہوتی ہے۔ اور ہٹ دھرمی اور اکابر پرستی کی انتہا دیکھیے کہ فرماتے ہیں کہ

”اگر کسی نے جسم عنصری میں زیارت ہونا ذکر کیا ہے تو بھی مراد جسم عنصری سے یعنی جسم عنصری نہ ہوگا بلکہ جسم مثالی جسم عنصری کی شکل اختیار کر کے ذریعہ کویدار ہوا ہوگا ورنہ جسم عنصری تو قبور مطہرہ میں ہی ہوتا ہے۔“ (صفحہ ۱۷۰)

اللہ تعالیٰ ان مولویوں کو ایمان نصیب فرمائے کہ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے کیسی ڈھٹائی سے بے دریغ حق کو جھٹلاتے اور جھوٹ پر جھوٹ بولے جاتے ہیں۔ لعنة الله على الكاذبين

محولہ عبارت میں مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جسم عنصری تو ”قبور مطہرہ“ میں ہی ہوتا ہے اور زیارت صرف جسم مثالی کی ہوتی ہے اور جو دعویٰ کرتا ہے کہ جسم عنصری ہی دیکھا تو اس سے بھی یہی جسم مثالی مراد ہوتا ہے نہ کہ حقیقی جسم عنصری! مولوی صاحب یہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ آخر وہ کونسی رکاوٹ حائل ہے جس کی وجہ سے قادر اکل رب جسم عنصری کی زیارت کرانے پر قادر نہیں اور زیارت کے لیے اُسے جسم مثالی کی ضرورت پڑتی ہے؟ یاد رہے کہ آپ کے پیرو مشائخ اپنے مریدوں کے پاس جسم عنصری میں بھی چلے آتے ہیں جیسے اشرف علی تھانوی صاحب نے امداد المشتاق میں اپنے پیر امداد اللہ صاحب کے پاس معین الدین چشتی صاحب کا عالم واقعہ میں تشریف لانے کا قصہ بیان کیا (صفحہ ۱۱۰) اور مدرسہ دیوبند کے دو مولویوں کا جھگڑا نمٹانے کے لیے مہتمم مدرسہ مولوی رفیع الدین کے پاس مولوی قاسم نانوتوی کا مرنے کے بعد جسم عنصری میں تشریف لانے کا واقعہ حکایات اولیاء میں لکھا (صفحہ ۲۲۲)۔ بات اگر اللہ کے دیدار کے ثبوت کی ہو تو سب کچھ ممکن ہو جاتا ہے، اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کی آیت بھی اپنے استدلال میں پیش کر دی جاتی ہے لیکن جب معاملہ نبی ﷺ کی زیارت ثابت کرنے کا ہو تو نہ جانے کیوں پھر جسم مثالی اور عالم مثال کی اصطلاحوں کی ضرورت پیش آ جاتی ہے؟ یہ دور لگی کیوں ہے؟ اور نیچے کی عبارت تو مولوی صاحب کے استدلال کا پل کھولنے کے لیے کافی ہے جس میں موصوف دعویٰ کرتے ہیں کہ

روحیں چکر لگاتی ہیں۔ اب اگر کوئی پوچھے کہ جسم کے بغیر روح کا چکر لگانا کیا معنی رکھتا ہے تو پھر شاید آواگون اور تناخ جیسا کوئی فلسفہ ارشاد ہوگا! پچھلے صفحات میں اللہ تعالیٰ کا یہ اٹل فیصلہ نقل کیا جا چکا ہے کہ مرنے والے کی روح قیامت سے پہلے دنیا میں واپس نہیں آسکتی (سورہ مؤمنون: ۱۶) اور یہ کہ زندوں اور مردوں کے درمیان قیام تک کے لیے ایک آڑ ہے (مؤمنون: ۱۰۰) لیکن ملا مجیب نے اللہ تعالیٰ کے اس قانون کی مخالفت پر مبنی روحوں کی نقل و حرکت سے متعلق آلوسی کے تفسیری قول کی بنیاد پر یہ عمارت کھڑی کر دی کہ

”جب عام روحوں کو اس طرح چکر لگانے کی اجازت مل جاتی ہو تو انبیاء کرام اور ان میں سے افضل الانبیاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کیلئے برزخ کیوں آڑ بن جاتی ہوگی اور وہ کیوں کسی ولی اللہ اور دارالعلوم دیوبند اور شیخ عبدالقادر جیلانی کے پاس نہیں آسکتی؟“ (صفحہ ۱۷۰)

خط کشیدہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ مولوی موصوف کے نزدیک بھی برزخ ایک آڑ ہے البتہ یہ اور بات ہے کہ وہ آڑ اپنی صفات کھو بیٹھی! اپنے اکابرین کے فرمان کو درست ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے فرمان تک کو جھٹلانے کی اس جرأتِ رندانہ پر ہم صرف یہ آیت ہی پڑھ سکتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی ہٹ دھرمی پر شکوہ کیا ہے کہ:

مَا تَكْفُرُ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا

بعد از وفات نبی ﷺ کا صحابہ کے خواب میں آکر کچھ نصیحت ارشاد فرمانے جیسے واقعات کا احادیث صحیحہ میں موجود نہ ہونے کے بارے میں ہمارے بیان کو تو ملا مجیب نے ہمارے مطالعے کو اردو کی چند کتابوں اور رسالوں تک محدود ہونے پر محمول کر لیا اور اس کے رد میں بزعم خویش چند روایت بھی پیش کر دیں حالانکہ ان روایات میں کسی ایک میں بھی یہ صراحت نہیں کہ یہ زیارت بعد از وفات ہوئی یا پہلے، لیکن بیداری میں زیارت رسول ﷺ ثابت کرنے کے لیے انہیں رطب و یابس سے بھری اپنی ممدوح کتابوں میں بھی کوئی کمزور سی روایت یا قول نہیں مل سکا ورنہ حسب معمول ڈھیر لگا دیتے۔ اب کیا کیا جائے کیونکہ اس سے تو ان کے اکابرین کے نبی ﷺ کو بیداری میں دیکھنے کے واقعات جن کو کتاب ہذا میں بیان کیا گیا ہے، جھوٹے اور من گھڑت ٹھہریں گے! براہو اس ابلیس لعین کا جس نے اپنے

ساتھیوں کو ایسی صورت سے نمٹنے کے لیے بھی فنکارانہ چالیں سکھائی ہیں؛ اس سوال کے جواب میں کہ صحابہ کرام ؓ میں سے تو کسی نے بھی نبی ﷺ کو وفات کے بعد بیداری میں نہیں دیکھا، علامہ موصوف یہ گل افشانی فرماتے ہیں کہ

”کس کتاب میں ہے کہ زیارت نہیں ہوئی؟ بات یہ ہے کہ نقل نہ ہونا نہ ہونے کی دلیل نہیں اگر بالفرض ایسا ہوا بھی ہو تو بعض اوقات مفضل کو ایک سعادت حاصل ہو جاتی ہے جو افضل کو حاصل نہیں ہوتی تو اس کا انکار درست نہیں ہوتا۔“ (صفحہ ۱۷۰)

کتاب ہذا کے پچھلے عنوان میں ہم نے نشانہ ہی کر دی ہے کہ عدم ذکر پر عدم ثبوت لازم نہ آنے کا یہ مولویانہ داؤ کتنے مفسدات کا دروازہ کھولتا ہے۔ علامہ موصوف نے اپنی دانست میں یہ پھول تو بکھیر دیئے مگر اس کی انہوں نے کوئی مثال پیش نہیں کی ورنہ ہمیں بھی پتہ چل جاتا کہ ان متقی و مومن ”افضل“ صحابہ کرام ؓ کے مقابلے میں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں قیامت تک لیے ساری انسانیت کے لیے نمونہ قرار دیا ہے (البقرہ: ۱۳۸)، کوئی ”مفضل“ مسلک پرست، باوجود اپنے باطل عقائد و اعمال کے، کس طرح نبی ﷺ کو جاگتی آنکھوں سے بیداری کی حالت میں دیکھنے اور بات چیت کرنے کا شرف حاصل کر لیتا ہے؟

ختم نبوت پر ضرب

محمد عربی ﷺ کو آخری نبی ماننا مبادیاتِ دین میں سے ہے اور آپ کے بعد کسی کو بھی کسی بھی معنی میں نبی ماننا اسلام کی تعلیمات کے یکسر خلاف ہے، کفر ہے اور اس کا قائل دینِ اسلام سے خارج ہے۔ قربِ قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی کسی نئے نبی کی حیثیت سے نہ ہو گا بلکہ وہ اسی نبوت کے ساتھ تشریف لائیں گے جو انہیں محمد ﷺ سے پہلے عطا کی گئی، البتہ ان کی شریعت بعثتِ محمدی کے بعد منسوخ ہو چکی ہے اور بعد از نزول وہ محمد ﷺ کی شریعت کی ہی پیروی کریں گے۔

آج یہ مسلک پرست ”مجلس تحفظِ ختم نبوت“ بنا کر قادیانیوں کے خلاف برسربیکار ہیں، صرف اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے رسول ﷺ کے آخری نبی ہونے کا انکار کیا ہے؛ حالانکہ یہ راہ تو ان کے اسلاف نے ہی ان کو دکھائی ہے۔ ملاحظہ ہوں ان کے اسلاف کے ختم نبوت سے متعلق ارشادات :

- 1- ”نبوت کلی طور پر بند نہیں ہوئی۔“ (ابن عربی) (1)
- 2- ”نبی ﷺ کے آنے سے صرف تشریلی نبوت ختم ہوئی نہ کہ مقام نبوت۔“ (ابن عربی) (2)
- 3- ”اس امت میں ایسے اشخاص بھی ہیں جن کا درجہ اللہ کے نزدیک نبوت میں انبیاء سے مل گیا ہے۔“ (ابن عربی) (3)
- 4- ”یاد رکھو کہ مطلق نبوت نہیں اٹھی، صرف شریعت والی نبوت اٹھ گئی ہے۔“ (عبد الوہاب شعرائی) (4)
- 5- ”انبیاء کو تو نبی کا نام دیا گیا ہے اور ہم امتی لقبِ نبوت پاتے ہیں۔ ہم سے نبی کا نام روکا گیا ہے باوجود اس کے کہ حق تعالیٰ ہمیں خلوت میں اپنے اور اپنے رسول کے کلام کے معنی کی خبر دیتا ہے، اور یہ مقام رکھنے والا انسان انبیاء الاولیاء میں سے ہوتا ہے۔“ (عبد القادر جیلانی) (5)

(1) فتوحاتِ مکہ: جلد ۲، صفحہ ۲۴ (2) فتوحاتِ مکہ: جلد ۲، صفحہ ۱۰۰
 (3) فتوحاتِ مکہ: جلد ۱، صفحہ ۵۴۵ (4) البیواقیت والجواب: جلد ۲، صفحہ ۲۷
 (5) البیواقیت والجواب: صفحہ ۴۳، ۴۴

- 6۔ ”نیک کی راہ میں جدوجہد کر کہ تجھے امت کے اندر نبوت مل جائے۔“ (جلال الدین رومی) (1)
- 7۔ ”خاتم الرسول کی بعثت کے بعد آپ کے قبیحین کا آپ کی پیروی اور وراثت کے طور پر کمالات نبوت کا حاصل کرنا آپ کے خاتم الرسل ہونے کے منافی نہیں۔“ (محمد اصف ثانی) (2)
- 8۔ ”بعد آنحضرت کے مجر و کسی نبی کا ہونا محال نہیں بلکہ صاحب شرع جدید ہونا البتہ منقطع ہے۔“ (مولوی عبدالحی فرنگی محل) (3)
- 9۔ ”اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد بھی کوئی نبی فرض کیا جائے تو بھی خاتمیت محمدیہ میں فرق نہ آئیگا کیونکہ فخر عالم ﷺ خاتم فقط اس معنی کے نہیں کہ آپ سب سے پچھلے زمانہ کے نبی ہیں (جیسا کہ عوام کا خیال ہے) بلکہ جیسے آپ خاتم زمانی ہیں ویسے ہی آپ خاتم ذاتی اور خاتم ربی نبی تھے یعنی جس قدر کمالات اور مراتب نبوت ہیں وہ سب آپ کی ذات ستودہ صفات پر ختم ہیں۔ زمانہ نبوت بھی آپ پر ختم ہے، مکان نبوت بھی آپ پر ختم ہے اور مراتب نبوت بھی آپ پر ختم ہیں۔ اور اسی طرح اگر فرض کیجیے آپ کے زمانے میں بھی اس زمین یا کسی اور زمین میں یا آسمان میں کوئی نبی ہو تو وہ بھی اس وصف نبوت میں آپ ہی کا محتاج ہوگا اور اس کا سلسلہ نبوت بہر طور آپ پر ختم ہوگا اور کیوں نہ ہو عمل کا سلسلہ علم پر ختم ہوتا ہے جب علم ممکن البشر ہی ختم ہو لیا تو پھر سلسلہ علم و عمل کیا چلے۔ غرض اختتام اگر بائیں معنی تجویز کیا جاوے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے مگر جیسے اطلاق خاتم النبیین اس بات کو مقتضی ہے کہ اس لفظ میں کچھ تاویل نہ کیجیے اور علی العموم تمام انبیاء کا خاتم کیسے.....“ (4)
- ”اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجیے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے بالجملہ ثبوت اثر مذکور و نا مثبت ہے، معارض و مخالف خاتم النبیین نہیں۔“ (5)
- (مولوی قاسم نانوتوی)

(1) مثنوی مولانا روم: دفتر چہارم، صفحہ ۷۸

(2) مکتوبات: دفتر اول، مکتوب نمبر ۳۰۱

(3) دافع الوسواس فی اثر ابن عباس: صفحہ ۱۶

(4) تحذیر الناس: صفحہ ۷۷

(5) تحذیر الناس: صفحہ ۳۴

- ۱۔ قد بے سایہ ظل کبریا ہے تو اس بے سایہ ظل کا ظل ہے یا غوث (1)
- ۲۔ اشارہ میں کیا جس نے قمر چاک تو اس مہ کا مہ کامل ہے یا غوث (2)
- ۳۔ احد سے احمد اور احمد سے تجھ کو کُن اور سب کُن مکن حاصل ہے یا غوث (3)
- ۴۔ انجام وے آغاز رسالت باشد ایں کہ گو ہم تابع عبد القادر (4)
- (یعنی عبد القادر جیلانی کے بعد پھر سے آغاز رسالت ہوگا اور وہ نیا رسول بھی شیخ عبد القادر جیلانی کے تابع ہوگا)
- (رضاخاں بریلوی)

کتاب ہذا کے گزشتہ مضامین کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ یہ پرستارانِ مسلک محض دعوائے نبوت پر ہی نہیں ٹھہرے بلکہ دعوائے الوہیت میں بھی پیچھے نہیں رہے!



کتاب ہذا کے اس باب کے رد میں ملاحظہ فرمائیے کہ اپنے اکابرین کا دفاع کرتے ہوئے اس کے مؤلف کو قادیانیوں کا ایجنٹ ظاہر کیا ہے اس لیے قادیانیوں کے کفر اور ان کی دشمنی اسلام سرگرمیوں سے برأت و بیزاری کا اعلان کرنے کے لیے اس باب کے شروع میں ایک وضاحتی پیرے کا اضافہ کیا گیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے کہ کتابِ ناحق میں اپنے اکابرین کو بچانے کے لیے بڑے پاپڑیلے ہیں اور ان کے مذکورہ بالا اقوال کی تاویلیں کرتے ہوئے انہیں مستدرک حاکم میں مروی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منسوب اس قول کی وضاحت قرار دیا ہے کہ سات زمینوں میں اسی طرح نبی آتے رہے اور ان کے لیے بھی ہماری زمین کی طرح آدم و نوح، ابراہیم و عیسیٰ علیہم السلام گزرے ہیں۔

(1) حقائق بخشش: حصہ دوم، صفحہ ۵۵

(2) حقائق بخشش: حصہ دوم، صفحہ ۶

(3) حقائق بخشش: حصہ دوم، صفحہ ۷

(4) حقائق بخشش: حصہ دوم، صفحہ ۶۰

اصول حدیث کے مبتدی کو یہ بتایا جاتا ہے کہ کسی روایت کی صحت کو جانچنے کے لیے دو چیزیں دیکھی جاتی ہیں: روایت اور درایت۔ روایت اُن راویوں کا سلسلہ ہے جن سے ہوتے ہوئے کوئی حدیث ناقل محدث تک پہنچتی ہے جبکہ درایت وہ وصف ہوتا ہے جو متن حدیث کے اندر پایا جاتا ہے جس میں اس کا نصوص قرآن و حدیث کے مطابق ہونا، وغیرہ شامل ہوتا ہے۔ اگر حاکم کی یہ محولہ روایت درست بھی ہو جیسا کہ ملا مجیب نے لکھا ہے، تب بھی درایت یہ باطل ہے کیونکہ قرآن اور صحیح احادیث میں صراحت کے ساتھ بتا دیا گیا کہ محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا لہذا اتنی لغاطی دکھانے کی ضرورت ہی نہ تھی، سیدھی طرح سے کہہ دیا جاتا کہ یہ اثر باطل ہے۔ لیکن ایسا بالکل نہیں کہ مذکورہ اثر کی وضاحت میں ہی یہ سب کچھ کہا گیا جو اوپر نقل ہوا اور جیسا کہ ملا مجیب نے فصوص الحکم کی شرح وغیرہ کے حوالے سے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ”فاضل بریلوی“ کے مذکورہ صدر چار اشعار پڑھ کر دیکھ لیں، ایسی کوئی بات نہیں بلکہ صاف طور سے نبی ﷺ کے بعد عبدالقادر جیلانی کی نبوت کی بات کی گئی ہے۔ اور پہلے چھ اقوال بھی بار بار پڑھ کر دیکھیے صاف الفاظ میں غیر نبی کو مقام نبوت ملنے کی بات کی گئی ہے۔ مگر ملا مجیب نے منصب نبوت کو بھی لغوی اور اصطلاحی طور پر تقسیم کر دیا اور مرسومہ خواب اور مبشرات، کشف و الہام کو مبینہ طور پر ”بعض اجزاء و کمالات نبوت“ کا نام دے کر صوفیوں کو لغوی اعتبار سے مقام نبوت کا حامل قرار دے دیا! ذَلِك قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ

قرآن و حدیث کا مطالعہ کریں تو ملا مجیب کی یہ ساری کارفرمائیاں باطل ٹھہرتی ہیں کیونکہ قرآن کی رُو سے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اللہ کی طرف سے الہام ہوا کہ وہ اپنے بیٹے کو دودھ پلائیں، اگر خوف محسوس کریں تو دریا میں ڈال دیں، ہم انہیں واپس تمہاری طرف لوٹا دیں گے (القصص: ۷) اور بعد کے واقعات نے ثابت کیا کہ ایسا ہی ہوا، لیکن کسی حدیث میں انہیں لغوی اعتبار سے بھی مقام نبوت یا ”بعض اجزاء و کمالات نبوت“ کا حامل نہیں قرار دیا گیا۔ عبداللہ بن زید بن عبد ربہ ؓ کو خواب میں اذان کے کلمات سکھائے گئے، اس سے پیشتر عمر ؓ بھی ایسا ہی خواب دیکھ چکے تھے (سنن ابی داؤد: جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ،

باب ۱۷: بدأ الاذان، صفحہ ۲۱۲)؛ نبی ﷺ نے اس درست الہام کی روشنی میں اذان کے لیے انہی کلمات کو کہنے کا حکم دے دیا، لیکن ان میں سے کسی بھی صحابی کو ”بعض اجزاء و کمالات نبوت“ کا حامل نہیں ٹھہرایا گیا؛ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں ان کے وہ فیصلے بھی ہیں جو بعد میں قرآن کا حصہ بن گئے؛ غزوہ بدر کے کافر قیدیوں کو قتل کر دینے، ازواج مطہرات کے پردہ کروانے، واقعہ اُفک کو بہتان قرار دینے، وغیرہ جیسے فاروقی فیصلوں کی تائید نزول وحی کے ذریعے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمائی مگر ان موافقاتِ ربانی پر بھی کسی نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو لغوی اعتبار سے سے بھی مقام نبوت رکھنے والا نہیں کہا، نہ ہی کسی نے انہیں ”نبی الاولیاء“ قرار دیا۔ تو پھر یہ صوفی کیسے جھوٹے اور من گھڑت کشف و الہام کا دعویٰ کر کے لغوی نبوت یا ”بعض اجزاء و کمالات نبوت“ کے حامل بن کر ”انبیاء الاولیاء“ ہو سکتے ہیں؟ شروع باب میں نقل کیے گئے ان صوفیاء کے اقوال پر ایک نظر پھر ڈال لی جائے، خاص کر درج ذیل اقوال کہ

”انبیاء کو تو نبی کا نام دیا گیا ہے اور ہم امتی لقبِ نبوت پاتے ہیں۔ ہم سے نبی کا نام روکا گیا ہے باوجود اس کے کہ حق تعالیٰ ہمیں خلوت میں اپنے اور اپنے رسول کے کلام کے معنی کی خبر دیتا ہے، اور یہ مقام رکھنے والا انسان انبیاء الاولیاء میں سے ہوتا ہے۔“
(عبد القادر جیلانی)

”نبی کی راہ میں جدوجہد کر کہ تجھے امت کے اندر نبوت مل جائے۔“
(جلال الدین رومی)



اللہ اور خدا

کسی بھی چیز، جگہ یا شخصیت کے نام کو اسم کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں: مَعْرِفَہ اور نِکِرَہ۔ معرفہ خاص نام کو اور نکرہ عام نام کو کہتے ہیں۔ معرفہ کی چھ اقسام ہیں جن میں ایک اسم علم ہے۔ اسم علم کسی کے ذاتی نام کو کہتے ہیں جیسے زید، بکر، خالد وغیرہ۔ مالک کائنات اور سارے جہانوں کے رب کا اسم ذات ”اللہ“ ہے، باقی سارے نام صفاتی ہیں۔ اسم ذات کا ترجمہ نہیں کیا جاتا۔ ایک زبان کے اسمائے علم ہر زبان میں اسی حالت میں رہتے ہیں اور انہیں کسی حال میں بھی تبدیل نہیں کیا جاتا۔ جیسے کسی کا نام اگر اصغر ہو تو اسے دنیا کی ہر زبان میں اصغر ہی کہیں گے۔ ایسا نہیں ہو گا کہ یورپ والے انگریزی میں ترجمہ کر کے اسے ”اسمال“ (small) یا ”لٹل“ (little) کہنے لگیں اور وہ ایران جائے تو اسے ”کو تاہ“ یا ”کو چک“ کے نام سے پکارا جائے۔ بالکل اسی طرح لفظ ”اللہ“ کا ترجمہ خدا، گاڈ، جگوان وغیرہ نہیں ہو سکتا۔ ماراڈیوک پکٹھال نے عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کرنے کے بعد قرآن پاک کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔ پہلی ہی آیت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں لفظ ”اللہ“ کو انگریزی زبان میں مستعمل ”گاڈ“ (God) نہیں لکھا بلکہ ”اللہ“ (Allah) ہی لکھا اور نیچے حاشیے میں اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی:

“I have retained the word *Allah* throughout, because there is no corresponding word in English. The word *Allah* (the stress is on the last syllable) has neither feminine nor plural, and has never been applied to anything other than the unimaginable Supreme Being. I use the word "God" only where the corresponding word *ilah* is found (1) in the Arabic.”

★ یہ وسعت قلبی کی کمی، تنگ نظری، کوتاہ بینی یا کسی لسانی و قومی عصبیت کا مظہر نہیں جیسا کہ بعض لوگ اس کا الزام عائد کرتے ہیں، بلکہ یہ عین تقاضائے ایمانی ہے کہ اس میں مشرکین کے شعار سے بیزاری و لاتعلقی کا اظہار ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(1) Holy Quran: English translation by Marmaduke Pickthal, published by Taj Company Limited, Karachi, page-1

”میں نے شروع سے آخر تک لفظ ’اللہ‘ ہی استعمال کیا ہے کیونکہ انگریزی میں اس کے جوڑ کا کوئی لفظ نہیں۔ لفظ ’اللہ‘ (آخری حصے پر زور ہے) کا نہ کوئی مونث ہے اور نہ ہی جمع، اور ناقابل تصور ہستی اعلیٰ کے سوا اس کا اطلاق کبھی کسی پر نہیں ہوا ہے۔ میں لفظ ’گاؤ‘ کو صرف اسی جگہ استعمال کرتا ہوں جہاں عربی میں اس کا متبادل لفظ ’الہ‘ مل جاتا ہے۔“

جیسا کہ پکتھال نے بھی اشارہ کیا ہے، ایک قابل توجہ نکتہ یہ بھی ہے کہ لفظ اللہ کی جمع و تانیث بھی نہیں بنائی جاسکتی جبکہ انگریزی لفظ God کے لیے gods اور goddess کی تراکیب بطور جمع اور مونث استعمال کی جاتی ہیں۔ اسی طرح فارسی لفظ ”خدا“ کے لیے ”خدایگان“ اور ”خدایان“ بطور جمع استعمال ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے معلوم اسماء حسنیٰ میں لفظ ”خدا“ شامل نہیں۔ اسی طرح ”نماز“، ”روزہ“ اور ”دروود“ کے الفاظ استعمال کرنا بھی مناسب نہیں۔ * قدیم عادت کو بدلنا چاہیے اور ان کے لیے وہی الفاظ

★ واضح رہے کہ آتش پرست مجوسی، پارسی اپنی عبادت کو فارسی الاصل ہونے پر ”نماز“ ہی کہتے ہیں چنانچہ ٹی وی پر انٹرویو دیتے ہوئے مشہور پارسی رہنما بائرام آواری نے بتایا کہ وہ اپنے دن کا آغاز ”نماز“ سے کرتے ہیں۔ اسی طرح لفظ ”روزہ“ بھی ان کے فارسی لفظ ”روز“ کی ہی ایک شکل ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو ان دشمنان اسلام کے شعار سے بیزاری ہونی چاہیے اور ان کی شباهت سے گریز کرنا چاہیے۔ مجوسیوں کی سر زمین ایران سے تعلق رکھنے والے حکمرانوں کے طویل تسلط میں یہ ”نماز“، ”روزہ“ کی اصطلاحات برصغیر کے مسلمانوں میں جڑ پکڑ گئیں۔ لفظ ”دروود“ فارسی مصدر ”وریدن“ کا مشتق ہے جس کے معنی چیرنا پھاڑنا ہیں۔ چیر پھاڑ کرنے والا خونخوار وحشی ”دروندہ“ اسی مصدر سے بنتا ہے۔ لغات میں ”دروود“ کو فارسی زبان کا اسم ظاہر کر کے اس کے معنی رحمت و مغفرت کی وہ دعائے جاتے ہیں جو نبی ﷺ کے لیے کی جاتی ہے، لیکن اس کا مصدر نہیں بتایا جاتا، ورنہ اس کا عیب ظاہر ہو جائے۔ کتاب ہذا میں جہاں جہاں یہ فارسی تراکیب مجبوراً استعمال ہوئی ہیں، وہاں ان کے ذریعے قاری کی توجہ ان کی اصل منسوبات کی طرف مبذول کروائی گئی ہے ورنہ اگر ان کے بجائے عربی کی اصل اصطلاحات ہی لکھی جاتیں تو غیر مستعمل اور نامانوس ہونے کی وجہ سے ایک تو قاری کا ذہن لاعلمی کی وجہ سے مدعا ہائے اصلیہ کی طرف نہ جاتا اور دوسرے یہ کہ عادت بگڑ جانے کی وجہ سے پڑھنے میں ثقل محسوس ہوتا اور عبارت میں بھی وہ روانی و سلاست باقی نہ رہتی۔

استعمال کرنے چاہئیں جو قرآن میں آئے ہیں یعنی ”صلوٰۃ“ اور ”صوم“۔ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ کے معلوم ناموں میں تو ”رب“، ”ستار“، پروردگار، کردگار، پالن ہار، ایزد وغیرہ جیسے نام بھی نہیں ہیں تو پھر ان کا استعمال بھی ممنوع ہو۔ بے شک یہ نام ان معلوم ننانوے اسمائے حسنیٰ میں شامل نہیں، لیکن یہ نام اللہ کی بے شمار صفات میں سے چند صفات کو ظاہر کرتے ہیں اس لیے ان کا استعمال درست ہے۔ اگرچہ ”خدا“ بھی ”مالک“ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن ساتھ ہی اس کے پیچھے مشرکانہ تصور بھی موجود ہے جس کی وجہ سے اس لفظ کے استعمال سے گریز ضروری ہے۔

لفظ ”خدا“ آتش پرست لوگ اپنے خود ساختہ خیر و شر کے دو خداؤں یعنی ”یزداں“ اور ”اہرمن“ کے لیے استعمال کرتے تھے۔ نبی ﷺ کی ساری زندگی اور خلفائے راشدین کے پورے دور میں یہ لفظ کہیں استعمال نہیں ہوا۔ کسی بھی حدیث یا آیت میں یہ لفظ موجود نہیں، بلکہ عربی ادب کا پورا ذخیرہ اس لفظ سے خالی ہے۔ یہ لفظ ایرانی آتش پرستوں کے باطل تصورات کا مظہر ہے۔ مزید یہ کہ دیسی عیسائی اس لفظ کو بطور ضد ”اللہ“ کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ بائبل کے اردو اور دیسی زبانوں میں کیے گئے تراجم پڑھ لیں، کہیں بھی لفظ ”اللہ“ لکھا نہیں ملے گا بلکہ ”خدا“ ہی ملے گا۔ اردو زبان میں تمام عیسائی لٹریچر میں ”خدا“ اور ”خداوند“ ہی لکھا جاتا ہے۔ اور ستم یہ ہے کہ یہ لوگ یہ الفاظ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ مسلمان اس لفظ ”خدا“ سے مشرکانہ نسبت رکھنے کی وجہ سے گریز کریں، مگر مسلک پرستوں کی ہر تحریر اور ہر محفل میں یہ لفظ بکثرت استعمال ہوتا ہے، اور اگر کوئی نکیر کی جائے تو اس کے استعمال کے درست ہونے پر اصرار کیا جاتا ہے۔ یوسف لدھیانوی صاحب اور ان کے جانشین سعید جلالپوری صاحب نے کئی دفعہ اپنے ہفتہ واری کالم میں اس کو صحیح قرار دیا۔ کیسا اثر ہے جو سیت و نصرانیت کا ان لوگوں پر! اور کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ بڑے بڑے مفکرین و مفسرین اس بنیادی نکتے سے نا آشنا رہے جبکہ ایک نو مسلم محمد ماراڈیوک نے اس حقیقت کو پالیا اور اس نے اپنے ترجمہ قرآن کا آغاز اسی نکتے کی وضاحت سے کیا!

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے کہ
 وَ لِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا ۚ وَ ذَرُوْا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ
 اَسْمَآئِہٖ سَیْجِرُوْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ (الاعراف: ۱۸۰)

”اللہ کے لیے ہیں سب اسماء حسنیٰ سوا اس کو انہی ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو
 اس کے ناموں میں الحاد (کج روی) اختیار کرتے ہیں۔ ان کو اس کی سزا مل کر رہے گی۔“

کتاب ہذا کے اس باب کے رد میں ملا مجیب اور ملا تونسوی نے اپنی کتابوں میں اپنے اکابرین
 کا دفاع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ”خدا“ استعمال کرنا بالکل جائز لکھا ہے۔ ملا تونسوی تو
 چونکہ ہم سے باپ مارے کا بیر رکھتے ہیں اس لیے کسی مقام پر اپنے غیظ و غضب کا اظہار کیے
 بغیر نہیں رہتے۔ چنانچہ اس باب کے مندرجات کو انہوں نے فضول اور غلو قرار دیا ہے۔ ان
 مولویوں نے مغالطہ آرائی کرتے ہوئے لفظ ”خدا“ کے لیے لکھا ہے کہ یہ ”اللہ“ کا اسم ذاتی
 نہیں ہے بلکہ اسم صفت ”مالک“ کا فارسی ترجمہ ہے۔ فارسی کی حد تک تو یہ درست ہے کہ مالک
 مکان کو خدائے خانہ، بادشاہ اور خاوند کو خدائے مجازی یا خدائے مجازی کہتے ہیں لیکن اردو کے لحاظ
 سے ایسا نہیں ہے جس میں یہ لفظ ہمیشہ ”اللہ“ کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ راقم کے پاس اردو اور
 انگریزی کے علاوہ بیروت کی مطبوعہ عربی زبان کی بائبل بھی ہے، عربی کی بائبل میں لفظ
 ”اللہ“ کو انگریزی بائبل میں گاڈ لکھا گیا ہے اور اردو میں اس کا ترجمہ ”خدا“ کیا گیا ہے۔ فتح
 محمد جالندھری دیوبندی کا ترجمہ قرآن ”فتح الحمید“ پڑھ لیں، قرآن میں جہاں جہاں لفظ ”اللہ“
 آیا ہے، انہوں نے اس کا ترجمہ ”خدا“ ہی کیا ہے اور جس جس جگہ اسم صفت ”مالک“ آیا ہے،
 اس کا ترجمہ مالک ہی کیا ہے، خدا نہیں کیا مثلاً قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ (ال عمران ۳۸) کا ترجمہ
 اس طرح کیا ہے: ”کہو کہ اے خدا (اے) بادشاہی کے مالک“ یعنی ”اللہ“ کا ترجمہ ”خدا“ اور
 ”مالک“ کا ترجمہ ”مالک“ ہی کیا ہے۔ آخر یہ مسلک پرست اس بات کو کیوں نظر انداز
 کر دیتے ہیں کہ اس فارسی لفظ کو ایرانی آتش پرست اپنے خود ساختہ خدائے خیر اور خدائے شر
 کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ان آتش پرستوں کی نقل کرتے ہوئے ان مسلک پرستوں کو
 کوئی گناہ کیوں نظر نہیں آتا حالانکہ ایرانی شیعہ مذہب سے حد درجہ بغض و عناد بھی رکھتے ہیں؟

علماء کو مولانا کہنا

مولیٰ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی آقا، کار ساز، مددگار اور رب وغیرہ کے ہیں۔ آزاد کردہ غلام کے لیے بھی لفظ مولیٰ استعمال ہوتا ہے، جیسے سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اور اسی معنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا ”تم ہمارے بھائی اور مولیٰ ہو۔“ (۱)

مؤخر الذکر کو چھوڑ کر اس لفظ کے باقی سارے معنی و مفہوم صرف اللہ ہی کے لائق ہیں اور اس کے بندوں کو ان ناموں سے پکارنا شرک ہے۔ قرآن میں بھی مولیٰ ان ہی معنوں میں اللہ نے اپنے لیے استعمال کیا ہے:

أَنْتَ مَوْلَانَا (البقرہ: ۲۸۶) ”اے اللہ تو ہی ہمارا مولیٰ (رب) ہے۔“

بَلِ اللّٰهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ (آل عمران: ۱۵۰)

”اللہ ہی تمہارا مولیٰ (مددگار) ہے، اور وہ سب سے اچھا مدد کرنے والا ہے۔“

هُوَ مَوْلَانَا (التوبہ: ۵۱) ”وہ (اللہ) ہی ہمارا مولیٰ (کار ساز) ہے۔“

فَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ مَوْلَاكُمْ (الانفال: ۴۰) ”پس جان لو کہ اللہ ہی تمہارا مولیٰ ہے“

نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ (الانفال: ۴۰ / الحج: ۷۸)

”وہ (اللہ) بہترین مولیٰ (مالک) اور بہترین مددگار ہے۔“

هٰذَا لِكِ تَبْلُوْا كُلَّ نَفْسٍ مَّا اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمْ الْحَقِّ (یونس: ۳۰)

”وہاں (آخرت میں) ہر شخص اپنے اعمال کی آزمائش کر لے گا جو اس نے آگے بھیجے ہوں گے، اور وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا حقیقی مولیٰ ہے“

ثُمَّ رُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقُّ (النعام: ۲۶)

”پھر وہ سب اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا حقیقی مولیٰ ہے۔“

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَّ اَنَّ الْكَافِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (محمد: ۱۱)

”اور یہ اس لیے کہ بے شک اللہ مومنین کا مولیٰ ہے، اور کافروں کا کوئی مولیٰ (مددگار) نہیں۔“

وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ (التحریم: ۲) ”اور اللہ ہی تمہارا مولیٰ (مالک) ہے۔“

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ (التحریم: ۳) ”تو بے شک اللہ ہی اُس کا مولیٰ (حامی و کارساز) ہے۔“

حدیث میں بھی مولیٰ کے یہی معنی ہیں۔ غزوہ احد کے دن کفار بڑے فخر سے کہہ رہے تھے: لَنَّا عِزٌّ وَلَا عِزٌّ لَكُمْ یعنی ہمارے لیے عِزٌّ* ہے اور تمہارے لیے عِزٌّ نہیں ہے۔ اس پر نبی ﷺ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ وہ کہیں: اللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ یعنی اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔ (۱) اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کے سوا کسی دوسرے کو مولیٰ کہنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ مسلم نے روایت کیا:

لَا يَقْبَلُ الْعَبْدُ لِسَيِّدِهِ مَوْلَاًى..... فَاِنَّ مَوْلَاكُمْ اللّٰهُ

”غلام اپنے آقا کو مولیٰ نہ کہے..... کیونکہ تمہارا مولیٰ اللہ ہے۔“ (۲)

لیکن مسلک پرست یہی لفظ مولیٰ جمع متکلم کی ضمیر متصل ”نا“ لگا کر ترکیب ”مولانا“ یا ”مولینا“ اپنے علماء کے لیے عام استعمال کرتے ہیں، اور اس کو برا سمجھنے کا سوچ بھی نہیں سکتے، بلکہ جو ایسا نہ کہے الٹا اسے برا سمجھتے ہیں۔ ہمارے ایک ساتھی نے خود سنا کہ تبلیغ والوں کے اکابرین میں سے ایک صاحب نے علماء کی تعظیم و تکریم پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ جو ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے، چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور علمائے دین کی قدر نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ اس کے بعد جناب موصوف نے علماء کی بے ادبی سے متنبہ کیا اور اس کی مثال دیتے ہوئے بتایا کہ جس نے انہیں مولانا کے بجائے مولوی کہا تو

★ یہ ان کا ایک بڑا بت تھا۔

(۱) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب المغازی، باب ۴۸۴ غزوہ احد، صفحہ ۵۸۷

(۲) صحیح مسلم: جلد ۵، کتاب قتل الحیات، باب حکم اطلاق لفظ العبد والامۃ والمولیٰ والسید، صفحہ ۴

اس نے ان کی بے ادبی کی، کیونکہ مولوی کہنا سوائے ادب ہے۔ جب ان لوگوں نے قرآن و حدیث کے مقابلے میں اپنے اکابرین کی بات کو ترجیح دے کر اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے مقابلے میں رب بنالیا* تو ضروری تھا کہ ان کو رب والے خطابات سے بھی نوازا جاتا، چنانچہ اسی لیے انہیں مولانا یا مولینا لکھا اور پکارا جاتا ہے!

ممکن ہے کہ اپنی علمیت پر نازاں، یہ لوگ اس تشریح کو تنقید و تنقیص کا نشانہ بنائیں اور مذکورہ قبل سورۃ التحریم کی آیت

وَاِنْ تَطَهَّرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ
وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ (التحریم: ۴)

”اور اگر پیغمبر (کی ایذا) پر باہم اعانت کرو گی تو اللہ اور جبریل اور نیک کردار مسلمان ان کے حامی (اور دوست وار ہیں) اور ان کے علاوہ (اور) فرشتے بھی مددگار ہیں۔“

[ترجمہ ان مسلک پرستوں کے موقف کی رعایت سے ان کے اپنے ترجمے فتح الحمید سے لیا گیا ہے]

کو بنیاد بنا کر کہیں کہ مولیٰ کے معنی دوست بھی ہیں اور ہم اپنے علماء کو انہی معنوں میں اس لفظ سے مخاطب کرتے ہیں۔ حیرت ہے کہ برسوں مدرسوں میں صرف و نحو کی گتھیاں سلجھانے، عربی قواعد پڑھنے پڑھانے میں عمریں کھپا دینے والوں نے عربی گرامر سے ثابتہ اس آسان سی بات پر غور نہیں کیا کہ اس آیت میں ”مولیٰ“ یعنی مالک صرف اللہ تعالیٰ کو کہا گیا ہے اور باقی تین یعنی جبرئیل، فرشتے اور صالح مؤمنین صرف مددگار ہیں۔ اس آیت کی نحوی ترکیب یہی ثابت کرتی ہے ورنہ اگر جبرئیل اور نیک مؤمنین بھی اس ولایت میں شامل ہوتے تو پھر نحوی اعتبار سے حرف مشبہ بالفعل ”اِنَّ“ اپنے قاعدے کے مطابق اپنے اسم ”اَللّٰهُ“ کے ساتھ ساتھ ان اسماء کو بھی نصب دیتا اور جملہ اسمیہ کے اصول کے تحت منصوب ہونے کے بعد تینوں کی ایک ہی اعرابی حالت واقع ہوتی اور مبتداء و خبر کے اصول کے تحت تینوں کی ایک ہی خبر ہوتی لیکن اصل آیت میں یہ اسم ”اَللّٰهُ“ کی طرح منصوب نہیں بلکہ مرفوع واقع ہوئے ہیں اور اگلے مرفوع اسم ”وَالْمَلَائِكَةُ“ کے ساتھ معطوف

ہو کر یکساں اعرابی حالت کی مابعد خبر میں داخل ہیں اس طرح جو خبر ملائکہ سے متعلق ہے وہی ان کی بھی ہے یعنی یہ سب نبی ﷺ کے مددگار ہیں، مولیٰ نہیں، مولیٰ تو صرف اللہ ہی ہے۔

امید ہے کہ ہمارے مخاطب مولویان تو اس کو سمجھ ہی گئے ہوں گے، عام قارئین کو آسان الفاظ میں یہ بتانا مقصود ہے کہ **هُوَ مَوْلَاهُ**، (وہ مولیٰ ہے) خبر ہے اور اس کا اسم **فَإِنَّ** اللہ (بیشک اللہ) ہے اور **بَعْدَ ذَلِكَ ظَعِيرٌ** (اس کے بعد مددگار ہیں) ایک دوسری خبر ہے اور اس کا مبتداء **وَجَبْرَيْنَ وَصَالِحِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةِ** (جبریل، صالح مؤمنین اور فرشتے) ہے اگر یہ دو کے بجائے ایک ہی خبر ہوتی تو پھر قواعد کی رو سے اس خبر کے تمام اسم ایک ہی اعرابی حالت میں ہوتے اور ایسا نہ ہوتا کہ کوئی مفتوح یعنی زبر کے ساتھ اور کوئی مضموم یعنی پیش کے ساتھ ہو؛ اِنَّ کا اثر جیسا کہ اسم اللہ پر پڑا ہے کہ اُس کو نصب دے کر اللہ کر دیا ہے، باقی تینوں اسماء کو بھی اسی طرح نصب دیتا اور انہیں **وَجَبْرَيْنَ وَصَالِحِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةِ** کے بجائے **وَجَبْرَيْنَ وَصَالِحِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةِ** کر دیتا لیکن چونکہ ایسا نہیں ہے اس لیے ثابت ہوا کہ مولیٰ ہونے کی خبر صرف اسم اللہ کے ساتھ ہے باقی تین اسماء یعنی جبریل، صالح مؤمنین اور فرشتوں کے ساتھ نہیں اور ان کی خبر دوسری ہے یعنی وہ مددگار ہیں، مولیٰ نہیں۔ اس بات کو قرآن کی اُس آیت کی مثال سے سمجھا جاسکتا ہے جس میں وضوء کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔ سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ (المائدہ: ۶)

”اے ایمان والو! جب تم صلوٰۃ کے لیے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو دھو لیا کرو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک اور سروں کا مسح کر لیا کرو اور پیروں کو ٹخنوں تک دھو لیا کرو.....“

مذکورہ آیت سے پتہ چلا کہ مغسولات تین ہیں: چہرہ، ہاتھ کہنیوں تک اور پیر ٹخنوں تک اور مسح صرف سر کا کرنا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ **فَاغْسِلُوا** کے امر کا اثر **وُجُوهَكُمْ**، **أَيْدِيَكُمْ** اور **أَرْجُلَكُمْ** پر پڑنے سے یہ تینوں منصوب ہو کر مفتوح یعنی حالت زبر میں **وُجُوهَكُمْ**، **أَيْدِيَكُمْ** اور **أَرْجُلَكُمْ** ہو گئے اور سر پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا

اور وہ **وَامْسَحُوا** کے امر سے حرف جر ”ب“ آنے کی وجہ سے حالت جزی میں مکسور یعنی زیر کے ساتھ **بِرْءُؤْسِكُمْ** آیا ہے ورنہ حرف جر کے بغیر یہ **رْءُؤْسِكُمْ** تھا؛ اور **وَامْسَحُوا** کے امر کا کوئی اثر پیروں پر نہیں پڑا ورنہ اگر سر کے مسح کی طرح بغیر موزوں کے پیروں پر بھی مسح کیا جاتا جیسا کہ شیعہ مسلک پرست کرتے ہیں تو پھر یہ خبر مرکب ہو جاتی اور عربی قواعد کے مطابق حرف جر اس خبر میں آنے والے ہر اسم کو جر دے دیتا [جیسا کہ **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ** میں **اللّٰهُ**، **الرَّحْمٰنُ**، **الرَّحِیْمُ** تینوں اسم کو دیا ہے] اور **اَزْجَلِكُمْ** بھی **اَزْجَلِكُمْ** ہو جاتا لیکن چونکہ ایسا نہیں ہے اس لیے پیروں کے ساتھ بھی وہی عمل کیا جائے گا جو **اَزْجَلِكُمْ** کی ہی اعرابی حالت میں واقع ہونے والے دوسرے دو اسم **وُجُوْهَكُمْ** اور **اَیْدِیْكُمْ** کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی پیروں کو بھی چہرے اور ہاتھوں کی طرح دھویا جائے گا اور بغیر موزوں کے ان کا مسح نہیں کیا جائے گا، مسح صرف سر کا ہو گا۔ امید ہے وضوء کی اس مثال سے سورہ تحریم کے لفظ ”مولیٰ“ کے اطلاق کی بھی وضاحت ہو گئی ہوگی۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر مولانا بمعنی دوست استعمال ہوتا ہے تو پھر یہ لفظ صرف علماء ہی کے لیے کیوں مخصوص ہو؟ کیا دوسرے لوگ دوست نہیں ہو سکتے؟ ان کی یہ تاویل قطعاً باطل ہے کیونکہ عوام الناس جنہیں دین کا شعور نہیں وہ تو ہر داڑھی ٹوپی والے کو مولانا کہہ دیتے ہیں، لیکن جو لوگ کسی مسلک سے وابستہ ہوں اور اپنے زعم میں دین کی سمجھ بھی رکھتے ہوں تو وہ مولانا صرف ان ہی لوگوں کو کہتے ہیں جنہیں وہ ”عالم دین“ سمجھتے ہیں۔ اور یہ نام نہاد علماء دین تو اس لفظ کے استعمال میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ جس شخص نے کسی مسلکی مدرسے میں سات آٹھ سال درس نظامی پڑھ کر سند فراغ حاصل نہ کی ہو اسے یہ ہرگز مولانا نہیں کہتے، اور ان کے نزدیک تو کسی کے نام کے ساتھ مولانا کا سابقہ اسکے عالم ہونے کی پہچان ہے۔ صحابہ کرام ؓ میں کتنے بڑے بڑے علماء تھے، کیا انہوں نے کبھی کسی عالم کے لیے مولانا کا لفظ استعمال کیا؟ کیا وہ علم دوست نہیں تھے یا اپنے ساتھیوں پر مہربان نہ تھے؟

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ اللہ کے بجائے اس کے بندوں کو مولیٰ کہنے والے لوگ اپنے باطل استدلال کے لیے ترمذی کی یہ حدیث پیش کر دیتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلَيْ مَوْلَاهُ

”جس کا میں مولیٰ ہوں تو علی بھی اس کے مولیٰ ہیں۔“ (1)

اور کہتے ہیں کہ دیکھو مولیٰ کے معنی دوست کے بھی ہیں اور نبی ﷺ نے ان ہی معنی میں خود کو اور علی رضی اللہ عنہ کو مولیٰ کہا۔ علی رضی اللہ عنہ کو الوہی صفات سے متصف کر کے مولا علی مولا علی اور ”مولا سلامت رکھے یا علی مدد کہنے والوں کو“ جیسی پکاریں لگانے والے شیعہ مسلک پرست بھی اس روایت کو بطور استدلال پیش کر دیتے ہیں حالانکہ یہ روایت ہی درست نہیں، چنانچہ اس کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ نیز یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اگر یہ لفظ دوست کے معنوں میں ہو تو صرف علماء ہی کے لیے کیوں؟ کیا دوسرا کوئی دوست نہیں؟

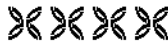
ایک قابل توجہ تشریح اس مذکورہ روایت کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ ابوطالب کی مفلسی، کثرت عیال اور عمرتِ حال کی وجہ سے علی رضی اللہ عنہ کی پرورش نبی ﷺ کے گھر ہوئی جس کی وجہ سے لوگ انہیں نبی ﷺ کا مولیٰ یعنی غلام یا آزاد کردہ غلام سمجھنے لگے۔ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب نبی ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کے نکاح کی رضامندی معلوم کی تو انہوں نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ لوگ علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کا غلام سمجھتے ہیں اس لیے غلام سے نکاح کرنے پر شاید کچھ باتیں بنیں۔ اس خدشے کو رد کرنے کے لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ

(1) جامع ترمذی، جلد ۲، ابواب المناقب، باب مناقب علی رضی اللہ عنہ، صفحہ ۷۷۲۔ ”حضرت علامہ ڈاکٹر پروفیسر طاہر القادری“ صاحب نے تو اس ولایت کو ثابت کرنے کے لیے ایک ضخیم کتاب ہی لکھ ڈالی ہے جس میں ضعیف روایات کی بھرمار کر کے استدلال کیا گیا ہے۔

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلَيْ مَوْلَاہُ

”جس کا میں مولیٰ ہوں تو علی بھی اس کے مولیٰ ہیں۔“

یعنی جس کا میں غلام ہوں، علی بھی اسی کے غلام ہیں، میری طرح وہ بھی اللہ کے بندے ہیں۔ تو جہاں اور جس مقام پر بھی یہ الفاظ بولے گئے، ان کا یہی مطلب تھا کہ علی میرے غلام نہیں ہیں بلکہ یہ بھی میری طرح اللہ ہی کے غلام ہیں، جس کا میں غلام ہوں، اُسی کے علی بھی غلام۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالحق والصواب



کتاب ہذا کے اس باب کے رد میں مُلّا مجیب اور مُلّا تونسوی نے اپنی کتابوں میں اُن آیات اور احادیث سے استدلال کرتے ہوئے جن میں غیر اللہ کے لیے ”سید“ اور مختلف معانی میں ”مولیٰ“ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان کا استعمال اللہ کے سوا دوسروں کے لیے بھی جائز ہے ورنہ اگر یہ شرک ہو تو پھر اس شرک کے مرتکب اللہ اور اس کے رسول بھی ٹھہریں گے۔ (معاذ اللہ) ان سے پہلے ”فضائل درود“ میں نبی ﷺ پر صلوة و سلام کے الفاظ میں ”سیدنا و مولینا“ کے جواز میں زکریا کاندھلوی صاحب نے اسی طرح کی تقریر کی ہے جسے مُلّا تونسوی نے بھی نقل کیا ہے، اور اس میں دعویٰ کیا ہے کہ اللہ اور غیر اللہ دونوں کے لیے یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں مگر اللہ کے لیے کامل اور اکمل معنوں میں جبکہ غیر اللہ کے لیے دوسرے معنوں میں اور مثال اس کی رؤف رحیم کی دی ہے جو اللہ اور نبی ﷺ دونوں کے لیے قرآن میں استعمال ہوا ہے۔ (ملّا تونسوی نے صفحہ ۷۴ پر سورہ البینہ کا حوالہ دیا ہے جو کہ غلط ہے۔ مذکورہ الفاظ سورہ توبہ کی آیت ۱۲۸ میں آئے ہیں۔ اسی طرح مُلّا مجیب نے صفحہ ۳۲ پر بخاری کے حوالے سے ”اسلام یا مسلک پرستی“ کی عبارت نقل کرتے ہوئے نبی ﷺ کے فرمان: انت اخونا و مولانا کے لیے صحابی کا نام ”زید بن خارجہ“ لکھا ہے حالانکہ ہر دو جگہ پر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ لکھا ہوا ہے۔)

ملا مجیب نے تو خیر اپنے انداز میں گفتگو کی ہے لیکن ملا تو نسوی نے بازاری پن کی حد کرتے ہوئے کتاب ہذا کے مصنف کا ”روحانی باپ“ بھی تلاش کر لیا۔ یا تو کسی نسلی سقم کی وجہ سے مولوی صاحب کا خاندانی پس منظر ہی کچھ اس طرح کا ہے یا پھر ان کی تربیت ہی ایسی کی گئی ہے کہ تمیز، تہذیب، ادب، وغیرہ سے بالکل تہی داماں ہیں۔ یا پھر مدرسوں کی طویل حرام خوری، چندوں اور عطیوں کی چکاچوند، صدقات، خیرات، زکوٰۃ، فدیات کی ریل پیل نے ان کے اندر سے حیا و شرم کا مادہ ختم کر کے بے غیرتی اور بے شرمی بھر دی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ”جوہر“ انہیں اپنے ”روحانی باپ“ رضا خاں بریلوی سے وراثت میں ملے ہوں جن کی زبان میں یہ گفتگو کرتے ہیں، جن کے انداز میں یہ دلائل دیتے ہیں اور جو اپنے حریف دیوبندیوں پر انہی کی طرح بہت تشدد دتھے۔

ان مولویوں نے مذکورہ آیات و احادیث سے محدود اور متعینہ معنوں میں ان الفاظ کا جو از کشید کرنے کی سعی تو کر دیکھی لیکن ایک بھی حدیث ایسی پیش نہ کر سکے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ جس طرح آج یہ مسلک پرست بلا کسی استثنیٰ اپنے ہر ہر مولوی کو ”مولانا“ کہتے ہیں، صحابہ، تابعین یا تبع تابعین بھی اسی طرح سے یہ لفظ استعمال کرتے تھے۔ مگر چونکہ ملا تو نسوی سے تو شیطان کی گاڑھی چھنتی ہے اس لیے یہاں بھی اس نے انہیں فنکارانہ داؤ بھایا کیونکہ **يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ ذُخِرَ الْقَوْلُ غُرُورًا** لہذا بڑی ڈھنساکی سے کہتے ہیں کہ

”لغت عرب کے لحاظ سے لفظ مولا، ادنیٰ سے اعلیٰ کے لیے بولا جاسکتا ہے لیکن ہمارے عرف میں مولانا کا لفظ علماء دین پر اتنی کثرت سے استعمال ہوا ہے کہ ان کے ساتھ مختص ہو گیا ہے حتیٰ کہ جب کسی شخص کے لیے مولانا کا لفظ بولا جاتا ہے تو ذہن فوراً اس طرف چلا جاتا ہے کہ وہ عالم دین ہو گا تو یہ ہمارا عرف ہے کہ غیر عالم کیلئے مولانا استعمال نہیں ہوتا جیسا کہ علیہ السلام حضرات انبیاء کیلئے کہتے، رضی اللہ عنہ صحابہ کے لئے اور رحمۃ اللہ علیہ بزرگان دین کے لئے مختص ہے۔ اسی طرح عرفاً مولانا، علماء کے لئے مختص ہو چکا ہے۔ شرعاً اور لغت کسی عالم کے لئے مولانا کے لفظ کی ممانعت نہیں ہے۔ جبکہ مسعودیوں نے ”رضی اللہ عنہ“ کا کلمہ صرف کیٹین مسعود الدین کے لئے مخصوص کر رکھا ہے، حالانکہ ہر مسلمان کے لئے یہ وعائیہ کلمہ استعمال کیا جاسکتا ہے۔“ (صفحہ ۳۹۱)

فرمان رسول ﷺ: "إِذَا لَمْ تَسْتَجِبْ فَأَصْنِعْ مَا شِئْتَ" جب تم میں حیلہ رہے تو جو چاہے کرو" کا اطلاق ملا تو نسوی پر پوری طرح سے ہوتا نظر آتا ہے۔ واللہ ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ شیطان مسلک پرستوں کو اتنا جری اور بے باک بنا دیتا ہے کہ حیاء و شرم سے بالکل عاری کر دیتا ہے۔ قرآن اور احادیث صحیحہ، آثار و تعامل صحابہ ﷺ کے ہوتے ہوئے کسی "عرف" کی کیا حیثیت ہے! خود کو مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي کا مصداق قرار دے کر نبی ﷺ اور صحابہ ﷺ کے راستے پر چلنے کے دعویداروں کے لیے کیا نبی ﷺ اور صحابہ ﷺ کا عمل قابل تقلید نمونہ نہیں کہ اس کی مخالفت کرتے ہوئے اور اکابر پرستی کی تمام حدود سے تجاوز کر کے انہوں نے اپنے علماء کے لیے یہ لفظ "مولانا" مختص کر لیا ہے؟

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ مَّعَيَتْهُمُهَا أَنْعُمٌ وَ آبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَى (النجم: ۲۳)

”یہ صرف چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے انہیں دے رکھے ہیں، اللہ نے تو ان کی کوئی سند نازل نہیں کی، یہ لوگ محض ظن (فاسد) اور خواہشات نفس کے پیچھے چل رہے ہیں، حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔“

اور یہ بات قابل غور ہے کہ علیہ السلام، رضی اللہ عنہ، رحمۃ اللہ علیہ جیسے دعائیہ کلمات کا بالترتیب انبیاء، صحابہ اور اولیاء کے لیے مخصوص ہونا قرآن و حدیث کا حکم نہیں؛ یہ صرف نبی غیر نبی، صحابی غیر صحابی وغیرہ میں تمیز پیدا کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں ورنہ التحیات کے کلمے: اَلْسَلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ کی رو سے اللہ کے ہر مومن صالح بندے کے لیے علیہ السلام کے دعائیہ الفاظ استعمال کیے جاسکتے ہیں (شیعوں کی طرح اس میں صرف خاندان علی ﷺ کی تخصیص نہیں) اور اسی طرح قرآن کی آیت:

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ (البینہ: ۸)

”اللہ تعالیٰ ان (مومنین صالحین) سے راضی ہوا اور وہ اُس سے راضی ہوئے؛ یہ (رضا) ہر اس شخص کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرا“

کے مطابق رضی اللہ عنہ کے الفاظ اللہ سے ڈرنے والے ہر ایماندار نیک بندے کے لیے استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ یہ ملا تو نسوی کا بہتان ہے جو اس نے ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کی دعوت کو لے کر چلنے والوں کو اپنی اس کالی کتاب میں ہر جگہ ”مسعودی“ اور ”عثمانی“ لکھا ہے؛ یہ اس کا ٹھنڈ باطن ہے جو جگہ جگہ ظاہر ہو جاتا ہے۔

اور یہ تو بد باطنی کی انتہا ہے جو اس مولوی نے ہم پر یہ تہمت لگائی ہے کہ ”رضی اللہ عنہ“ کا کلمہ ہم نے صرف ڈاکٹر عثمانی کے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔ ہم نے اپنے لٹریچر میں آج تک کبھی ڈاکٹر صاحب کے نام کے ساتھ یہ دعائیہ کلمہ نہیں لکھا۔ آخرت کی جواب طلبی سے بے خوف اس مولوی میں اگر ذرہ برابر بھی خوف الہی موجود ہو یا شرم و حیا کی کوئی ادنیٰ سی رمت باقی بچی ہو تو وہ یہ بہتان لگانے پر اللہ سے توبہ کرے ورنہ وہ جگہ دکھائے جہاں ہم نے یہ الفاظ ڈاکٹر صاحب کے لیے مخصوص کیے ہوں۔ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا..... یہ مولوی تو کیا دکھائے گا ہم دکھا سکتے ہیں کہ غیر صحابی کے لیے اس نے اپنی کتاب میں کتنے ہی مقامات پر خود یہ الفاظ استعمال کیے ہیں مثلاً صفحہ ۴۱۱ پر حسن بصری اور ابراہیم نخعی کے لیے، صفحہ ۴۱۲ پر شہاب زہری اور حماد کے لیے، صفحہ ۴۷۸ پر یحییٰ بن سعید کے لیے، صفحہ ۵۰۲ پر ملا علی قاری کے لیے، وغیرہ وغیرہ۔ انہی ملا علی قاری صاحب کی شرح فقہ اکبر کی عبارت میں اللہ کو دیکھنے کے بارے میں عنوان ۱۶ کے تحت صوفی عبد القادر جیلانی کے لیے ”غوث الاعظم رضی اللہ عنہ“ کے الفاظ پچھلے صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ سے منسوب کیے گئے ہیں یعنی (معاذ اللہ) خود اللہ تعالیٰ نے انہیں اس طرح پکارا کہ ”اے غوث الاعظم رضی اللہ عنہ“.....! مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ اور تو اور یہ لوگ اپنے اکابرین کے لیے بھی یہ لفظ استعمال کرتے ہیں! مفتی شفیع عثمانی کے دارالاشاعت کی مطبوعہ ”کلیات امدادیہ“ کے آخری صفحے پر دیوبندیوں کے پیر امداد اللہ مہاجر کی کے لیے رضی اللہ عنہ کے الفاظ لکھے گئے ہیں۔

اور انہی پیر صاحب کے حکم پر مرتب کی گئی ان کے مرید ”حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانوی“ جو مفتی شفیع عثمانی کے پیر بھی تھے، ان کی ”اعمال قرآنی“ نامی کتاب میں بھی غیر صحابی کے لیے یہ دعائیہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یہ وہ غلیظ کتاب ہے جس میں قرآن کی آیات لکھ کر عورت کے زیر ناف باندھنے اور شرم گاہ سے ذرا اوپر رحم پر لٹکانے اور باندھنے کے تعویذ لکھے گئے ہیں۔^(۱) ”اعمال قرآنی“ کے حصہ اول کے خاتمے پر صفحہ ۲۱ پر ”تعویذات مفید عام“ کی سرخی کے تحت تھانوی صاحب نے لکھا ہے کہ

”ناظرین کتاب ہذا کی خدمت مبارک میں التماس ہے کہ بعض تعویذات و دعا جناب حافظ محمد عبداللہ صاحب امام جامع مسجد کانپور کو جامع کلمات صوری و معنوی حضرت مولانا حاجی حافظ سید محمد عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ خلف اکبر قطب زمان حضرت شاہ غلام رسول

ثبوت کے لیے ملاحظہ فرمائیے حفاظت حمل کے لیے تعویذ ۳۵ حصہ اول، صفحہ ۱۰ اور عورت کا خون استحضار روکنے کا تعویذ ۳۵، حصہ دوم، صفحہ ۱۴۵، اعمال قرآنی مطبوعہ تاج کمپنی لیمیٹڈ ان کی دوسری مشہور کتاب ”بہشتی زیور“ جو قریب ایک صدی کے تقریباً ہر دیوبندی کے گھر میں موجود ہوتی ہے، اس کے نویں حصے میں ایام ماہواری کی کمی اور زیادتی روکنے کے لیے جو دو تعویذ دیئے گئے ہیں ان کے لیے بھی لکھا ہے کہ قرآن کی آیات لکھ کر گلے میں اس طرح ڈال دیں کہ تعویذ رحم پر پڑا رہے: صفحہ ۹۱، ۹۲۔ اور مقام رحم بتانے کے لیے اسی نویں حصے کے صفحہ ۳۳ پر ”رحم کی بیماریاں“ کی سرخی کے تحت لکھا ہے کہ ”عورتوں کے جسم میں ناف کے نیچے تین چیزیں ہیں: سب سے اوپر مثانہ اس کے نیچے دبا ہوا رحم جس میں بچہ رہتا ہے اس کے نیچے دبی ہوئی انتڑیاں، جب رحم پر کوئی دوا لگنا ہو تو ناف کے نیچے لگائیں.....“ تو جو تعویذ رحم پر ڈالنے کے لیے دیا جائے گا وہ عورت کے زیر ناف باندھا یا لٹکا یا جائے گا۔ اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان مسلک پرستوں کے دل میں اللہ کی پاک کتاب کا کتنا ادب و احترام ہے! انہی تھانوی صاحب کے پڑمید یعنی مرید کے مرید، مفتی شفیع عثمانی کے بیٹے، میزبان بینک کے صدر، مفتی تقی عثمانی صاحب نے بھی قرآن کی یہ عظمت اور قدر و منزلت بتائی کہ اپنی کتاب ”فقہی مقالات“ مطبوعہ مبین اسلامک پبلشرز، لیاقت آباد، کراچی [جلد ۴، صفحہ ۱۴۶] میں بطور علاج پیشاب سے سورہ فاتحہ لکھنے کا ذکر کیا اور جب اس پر گرفت کی گئی تو بازار سے وہ ساری کتابیں اٹھوائی گئیں اور اب جس صفحے پر وہ بیان تھا، وہ صفحہ کاٹ کر دوسرا صفحہ اس پر چپکا کر فروخت کی جاتی ہے۔ جس کو اس کا ثبوت درکار ہو، ہم سے رابطہ کرے، دونوں کتابیں دکھائی جاسکتی ہیں۔

صاحب رسول نما رضی اللہ عنہما سے ونیز بزرگان دین سے ملے تھے۔ جناب حافظ صاحب نے اس کے چھاپنے کی اجازت عام کر دی ہے تاکہ جمیع حضرات اس سے فائدہ اٹھائیں.....“

اور پھر اس کے بعد بیضے سے بچاؤ کے لیے جو تعویذ لکھا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

۷۸۶

”الہی بحر مت شیخ محمد صادق اکابر اولیاء ولد حضرت شیخ احمد سرہندی
مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہما از شر بلائے وبا نگہدار۔ اللہ شافی۔ اللہ کافی“

ڈھٹائی، جھٹ دھرمی اور بے غیرتی کی حد سے گزرتے ہوئے ملاّتو نسوی نے ”ہویٰ پرستی کی انتہا“ کی سرخی جما کر اپنے زعم میں ”اتنے سارے دلائل“ کا حوالہ دے کر ہم پر قرآن و حدیث کو جھٹلانے، اجماع امت کو چھوڑنے اور خواہش پرستی پر اڑنے کی تہمت لگائی ہے۔ گویا اپنے خصائل کو ہم پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ قارئین! گزشتہ صفحات سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ قرآن و حدیث کو جھٹلانے والا کون ہے: سنت رسول ﷺ اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم پر گامزن ہم مسلمین یا پھر اپنے خود ساختہ ”عرف“ پر ڈٹے یہ مسلک پرست؟ اور یہیں سے ان کے مزعومہ اجماع امت کی حقیقت بھی آشکارا ہو گئی جس کا دعویٰ یہ اپنے ہر عقیدے اور نظریے کے لیے کر دیتے ہیں۔ دیوبندی یا کسی مخصوص مسلک کے کچھ لوگوں کا قرآن و حدیث اور آثار و تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف کسی مسئلے پر متفق ہو جانا کون سے ”اجماع“ کی تعریف میں آتا ہے؟ ایسا اجماع اصول فقہ کی کس کتاب میں لکھا ہوا ہے؟ شاید ملاّتو نسوی کے ترنڈہ والے مدرسے میں ہی پڑھایا جاتا ہو؟

توہین رسالت

عنوان ۳۵ کے تحت تبلیغی نصاب میں نقل کردہ جھوٹی روایت کہ آدم علیہ السلام نے جب نبی ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی، اس کے آخری حصے یعنی **قَوْلَا لَنَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ** کی حقیقت پر کچھ تفصیل سے عرض کیا گیا ہے۔ اس روایت کے شروع میں آدم علیہ السلام پر گناہ کرنے اور نبی ﷺ کا وسیلہ پکڑ کے شرک کرنے کی تہمت لگائی گئی ہے۔* بلکہ اس جھوٹ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے منسوب کر کے اس میں اللہ رب العزت اور نبی محترم ﷺ پر بھی تہمت لگائی گئی ہے، اور قرآن کا بھی صریح کفر کیا گیا ہے کیونکہ قرآن میں تو اللہ نے آدم علیہ السلام کی دعا کی ایک دوسری ہی صورت بیان کی ہے۔ انبیاء علیہم السلام تو معصوم ہوتے ہیں، اللہ ہر معصیت سے ان کی حفاظت فرماتا ہے، اور زندگی کے ہر معاملے میں ان کی رہنمائی کی جاتی ہے۔ چنانچہ جب آدم علیہ السلام سے اس ممنوعہ امر کا ارتکاب ہو گیا، تو انہوں نے اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کے کلمات سیکھے:

فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (البقرہ: ۳)

”پھر آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے (اور توبہ و استغفار کی) تو اس نے ان کا قصور معاف کر دیا، بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔“

مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ دعاء جو اللہ نے آدم علیہ السلام کو سکھائی اور جس کے ذریعے ان کی توبہ قبول ہوئی، قرآن میں سورۃ الاعراف میں بیان کی گئی ہے، یعنی

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا كَثِيرًا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف: ۲۳)

”اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہماری مغفرت نہ کی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“

مگر تبلیغی نصاب کی روایت میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد بتایا گیا ہے کہ جب آدم ﷺ سے گناہ ہو گیا تو انہوں نے آپ ﷺ کے وسیلے سے دعا کی تب ان کی توبہ قبول ہوئی۔ کیسا انکار ہے یہ قرآن و حدیث کا، افتراء ہے اللہ پر اور تہمت ہے انبیاء علیہم السلام پر!! تبلیغی نصاب کی اس جھوٹی روایت کو بیان کرنے والے ذرا قرآن و حدیث کا بیان بھی ملاحظہ فرمائیں۔ مالک فرماتا ہے کہ

فَنَ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ط إِنَّهُ لَا يَفْقَهُ الْفَجْرُ مُؤْنٌ (یونس: ۱۷)
 ”تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور اس کی آیتوں کو جھٹلائے؟
 بے شک (یہ) فجر میں فلاح نہ پائیں گے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ

”مجھ پر جھوٹ نہ باندھنا کیونکہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا وہ جہنم میں جائے گا۔“ (۱)

ہو سکتا ہے کہ تبلیغی نصاب میں اس روایت کو لکھنے والے ”شیخ الحدیث“ کا دفاع کرتے ہوئے ان کے معتقدین فرمائیں کہ شیخ نے یہ روایت کتب احادیث سے نقل کی ہے اس لیے اس میں ان کا کیا دوش؟ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جس شخص کو ”شیخ الحدیث“ کہتے ان کی زبانیں نہیں سوکھتیں، وہ تو فن حدیث سے نا بلند ثابت ہوا۔ کیا حدیث کے اس ماہر استاد کی نظر اس روایت کی جرح پر نہیں گئی کہ اس نے بلا تحقیق ایسی روایت نقل کر دی جس سے اللہ اور اس کے نبیوں پر افتراء پر دازی ہوتی ہے!

ابن تیمیہ اپنی کتاب الوسیلہ میں لکھتے ہیں کہ

”یہ حدیث حاکم نے اپنی مستدرک میں عبد اللہ بن مسلم الفہری عن اسماعیل بن سلمہ سے روایت کر کے کہا ہے کہ یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے اس کتاب میں عبد الرحمن سے روایت کی اور صحیح قرار دی..... حالانکہ حاکم کا یہ روایت کرنا سخت قابل مواخذہ ہے کیونکہ خود انہوں نے کتاب البدل میں تصریح کر دی ہے کہ عبد الرحمن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ سے

موضوع حدیثیں روایت کی ہیں۔ یہ عبد الرحمن بن زید باتفاق محدثین ضعیف ہے، بہت غلطیاں کرتا ہے۔ احمد بن حنبل، ابوزرعہ، ابو حاتم، نسائی اور دارقطنی نے اس کی تضعیف کی ہے۔ ابو حاتم بن حبان کا قول ہے کہ وہ حدیث کو دانستہ منقلب کر دیا کرتا تھا، چنانچہ بکثرت مرسل حدیثیں مرفوع بنا دی ہیں اور موقوف متصل، اسی لیے نظروں سے گر گیا ہے۔ حاکم پر اس حدیث اور ایسی ہی دوسری حدیثوں کی تصحیح کی وجہ سے ائمہ نے سخت نکتہ چینی کی ہے اور کہا ہے کہ وہ ایسی حدیثوں کی بھی تصحیح کر جاتے ہیں جو محدثین کے نزدیک جھوٹ اور موضوع ہوتی ہیں۔ اسی لیے علمائے حدیث محض حاکم کی تصحیح پر کبھی اعتماد نہیں کرتے۔“ (1)

زکریا صاحب نے صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر اتہام طرازی میں تمام حدود سے تجاوز کر دیا! اپنی کتاب فضائل درود میں اس طرح گل افشانی فرمائی:

۴۶۔ حافظ ابو نعیم حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ باہر جا رہا تھا۔ میں نے ایک جوان کو دیکھا کہ جب وہ قدم اٹھاتا ہے یا رکھتا ہے تو یوں کہتا ہے: اللہم صل علی محمد و علی آل محمد۔ میں نے اس سے پوچھا کیا کسی علمی دلیل سے تیرا یہ عمل ہے؟ (یا محض اپنی رائے سے) اس نے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے کہا سفیان ثوری۔ اس نے کہا کیا عراق والے سفیان۔ میں نے کہا ہاں! کہنے لگا تجھے اللہ کی معرفت حاصل ہے۔ میں نے کہا ہاں ہے۔ اس نے پوچھا کس طرح معرفت حاصل ہوئی؟ میں نے کہارات سے دن نکالتا ہے، دن سے رات نکالتا ہے، ماں کے پیٹ میں بچے کی صورت پیدا کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ کچھ نہیں پہچانا۔ میں نے کہا پھر تو کس طرح پہچانتا ہے؟ اس نے کہا کسی کام کا پختہ ارادہ کرتا ہوں اس کو فتح کرنا پڑتا ہے اور کسی کام کے کرنے کی ٹھان لیتا ہوں مگر نہیں کر سکتا۔ اس سے میں نے پہچان لیا کہ کوئی دوسری ہستی ہے جو میرے کاموں کو انجام دیتی ہے۔ میں نے پوچھا یہ تیرا درود کیا چیز ہے؟ اس نے کہا، میں اپنی ماں کے ساتھ حج کو گیا تھا۔ میری ماں وہیں رہ گئی (یعنی مر گئی)۔ اس کا منہ کالا ہو گیا اور اس کا پیٹ پھول گیا جس سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ کوئی بہت بڑا سخت گناہ ہوا ہے اس سے۔ میں نے اللہ جل شانہ کی طرف دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو میں نے دیکھا کہ تہامہ (حجاز) سے ایک ابر آیا، اس سے ایک آدمی ظاہر ہوا۔ اس نے اپنا مبارک ہاتھ میری ماں کے منہ پر پھیرا جس سے وہ بالکل روشن ہو گیا، اور پیٹ پر پھیرا تو ورم بالکل جاتا رہا۔ میں نے

ان سے عرض کیا کہ آپ کون ہیں کہ میری اور میری ماں کی مصیبت کو آپ نے دور کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تیرا نبی محمد ﷺ ہوں۔ میں نے عرض کیا مجھے کوئی وصیت کیجیے تو حضورؐ نے فرمایا کہ جب کوئی قدم رکھا کرے یا اٹھایا کرے تو اللہ صلی علی محمد و علی آل محمد پڑھا کر۔ (نہجۃ) یا رب صل وسلم دائماً ابداً۔ علی حبیبک خیر الخلق کلہم (۱)

اس ایک حکایت میں نبی ﷺ پر کیا کیا الزامات نہیں لگائے گئے! ایک طرف انہیں عورت کی حالت سے باخبر ہونے پر عالم الغیب ثابت کیا گیا ہے تو دوسری جانب حاضر و ناظر بتایا گیا ہے کہ مدینے کی قبر سے نکل کر* ابر میں بیٹھ کر وہاں موجود ہوئے؛ تیسری طرف انہیں متصرف فی الامور اور مشکل کشا بھی ثابت کیا گیا ہے کہ ہاتھ اٹھے ہی تھے کہ عورت کی مصیبت دور کر دی۔ اور چوتھی طرف نامحرم عورت کے جسم پر ہاتھ پھیرنے کی تہمت بھی اس معصوم اور آخری نبی پر لگائی گئی ہے! غور فرمائیے، کیسا شدید حملہ کیا ہے ناموس رسالت پر! کہاں ہیں وہ لوگ جو عیسائیوں کی جانب سے توہین رسالت کے قانون کو ختم کرنے کے مطالبے پر جان کی بازی لگا دینے اور ناموس رسالت پر مر مٹنے کا عہد کرتے ہیں؟ کیا ان شیخوں اور علماؤں کے دل میں ذرا بھی احترام ہے ناموس رسالت کا، یا یہ محض لفاظی اور بیان بازی ہی ہوتی ہے؟ یہ ایک مزید لطیفہ ہے کہ اس توہین رسالت کے قانون کے دفاع میں آواز بلند کرنے والے انہی ”شیخ الحدیث“ صاحب کے مسلک کے پیروکار ہوتے ہیں مگر انہیں اپنے شیخ کی یہ کھلی توہین، توہین ہی نظر نہیں آتی بلکہ الٹا نشانہ ہی کرنے والے کے مخالف ہو جاتے ہیں! نظر آئے بھی تو کیسے کیونکہ یہ تو اپنے علماء و مشائخ کو رب بنائے بیٹھے ہیں اور ان کے فرمائے ہوئے کو فرمان الہی سے بڑھ کر اہمیت دیتے ہیں!

(۱) فضائل درود، صفحات ۱۱۶، ۱۱۷

★ ان لوگوں کا یہ عقیدہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ نبی ﷺ مدینے کی قبر میں زندہ ہیں۔

✱ کتاب ہذا کی مخالفت میں لکھی جانے والی ذیرہ اسماعیل خان کے مولوی مجیب الرحمن کی کتاب میں اسی روش پر عمل کرتے ہوئے دعویٰ کیا گیا ہے کہ ویسے تو یہ ہاتھ پیٹ کے اوپر سے ہوا میں پھیرا گیا تھا لیکن اگر پیٹ پر بھی پھیرا گیا تو کچھ حرج نہیں کیونکہ نبی ﷺ امت مسلمہ کے باپ ہیں اور باپ اپنی بیٹی کے پیٹ پر ہاتھ پھیر سکتا ہے! [شاید یہ بے حیا مولوی ایسا ہی کرتے ہو گئے!] مولوی صاحب آپ تو حدیث کے استاد ہیں، اپنے شیخ

اِتَّخَذُوا اَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ

کس کس بات کی نشاندہی کی جائے، ان لوگوں کے پھیلانے ہوئے کس کس کفر و شرک کو احاطہ تحریر میں لایا جائے ظُلْمْتُمْ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ! فاضل مصنف کی تاریخ مشائخ چشت، فضائل درود، فضائل حج؛ اشرف علی تھانوی کی کتاب حکایات اولیاء، جمال الاولیاء، قصص الاولیاء؛ صوفیوں کی سوانح و سیر اور کرامات کی کتابوں میں درج سینکڑوں ہزاروں

الحديث کے دفاع میں ضعیف و موضوع روایات کی بھرمار کر کے آپ نے اس کا ثبوت دیا ہے، آپ کی نظر سے تو وہ صحیح احادیث ضرور گزری ہوں گی کہ نبی ﷺ کسی خاتون سے اسلام کی بیعت لیتے وقت بھی اس سے ہاتھ مَس نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے بیعت کے لیے پردے کے پیچھے سے ہاتھ بڑھایا تو نبی ﷺ نے اپنا ہاتھ یہ کہہ کر کھینچ لیا کہ مجھے کیا معلوم کہ یہ کسی عورت کا ہاتھ ہے یا مرد کا؛ بتایا کہ عورت کا ہاتھ ہے؛ فرمایا کہ تو پھر اس نے مہندی سے اپنے ناخن رنگلین کیوں نہیں کیے۔ (سنن ابی داؤد؛ جلد ۳؛ کتاب الترجل، باب فی الخضاب للنساء، صفحہ ۲۸۳) قرآن میں اللہ کا ارشاد ہے کہ: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابْنًا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب: ۴۰) یعنی (اے ایمان والو!) محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ وہ تو رسول اللہ ہیں اور نبیوں کے خاتم۔ اگر یہ کہا جائے کہ مردوں کے نہیں عورتوں کے باپ تھے تو پھر نبی ﷺ کسی عورت کو اپنی زوجیت میں نہیں لے سکتے تھے۔ اور ایک باپ کے لیے بھی اپنی بالغہ بیٹی کے پیٹ پر ہاتھ پھیرنے کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ آپ کے فقہی مسائل میں تو محرم رشتے دار سے بھی خلوت ممنوع بتائی جاتی ہے۔ مولوی صاحب نے ایک حیلہ یہ بھی تراشا ہے کہ نبی ﷺ کو اس امت کا طبیب قرار دے کر اپنے اکابر کے مذکورہ صریح باطل قول کو یہ کہہ کر جائز ٹھہرانے کی کوشش کی ہے کہ طبیب کو مریض کا جسم چھونے کی رخصت ہے۔ حیرت ہے کہ اکابر پرستی کا دبیز پردہ آنکھوں سے دل و دماغ تک بھی پکڑ گیا اور انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ یہ کون سا طریقہ علاج ہے اور وہ بھی اپنے اور عورت کے مرنے کے بعد! کیا کسی لاش کا بھی علاج کیا جاتا ہے! اس علاج سے اس مردہ عورت کو کیا فائدہ ہوا؟ کیا صحابہ کرام میں سے بھی کسی کا اس طرح علاج کیا گیا؟ مردہ معالج کے مردہ مریض کا علاج کرنے کے واقعات دیگر عجوبوں کے ساتھ اسی مسلک پرستانہ دین میں نظر آئیں گے!

اپنے اکابر کی بیان کردہ مذکورہ بقیہ حکایت میں نبی ﷺ کے لیے حاضر و ناظر و عالم الغیب ہونے کے بارے میں دیئے گئے عقائد کا دفاع کرتے ہوئے مولوی موصوف نے ترنہ کے علاوہ تسوی کی طرح و بی دلائل دیئے ہیں جو بریلوی مسلک والے اپنے ان عقائد کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں، اور اس طرح انہوں نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ یہ دونوں مسلک درحقیقت ایک ہی ہیں، بس نام کا فرق ہے!

حکایتیں پڑھ لیں؛ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے کیسا تمسخر کر رہی ہیں، توحید کے پرچے اڑا رہی ہیں، شریعت کی دھجیاں بکھیر رہی ہیں، اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کے پرزے پرزے کر کے اس کی ایک اور ہی شکل پیش کر رہی ہیں جس کا کتاب و سنت سے کوئی تعلق نہیں! نہ جانے کہاں سے لوگ اتنا دل گردہ لے آتے ہیں کہ معصوم انبیاء علیہم السلام پر بھی شرک و کفر کی تہمت لگا دیتے ہیں! ایک اور صاحب جنہیں داعی حق گردانا جاتا ہے، محمد بن عبد الوہاب نجدی حنبلی - جن کے مناقب اور مدح و تعریف میں مسلک پرستوں نے باقاعدہ کتابیں تصنیف کی ہیں (خاص طور پر اہل حدیث مسلک کا توہر داعی اور لکھنے والا انہیں مرد مجاہد، مجدد دین، توحید کا علمبردار، وغیرہ گردانتا ہے)، انہوں نے اپنی تصنیف ”کتاب التوحید“ میں ایک انتہائی کمزور بات تحریر کی ہے۔ انہوں نے قرآنی آیت:

فَلَمَّا أَتَاهُمَا صَاحِبًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا أُتْهُمَا ۖ فَتَعَلَّىٰ اللَّهُ عَمَّآ يُشْرِكُونَ

(الاعراف: ۱۹۰)

”جب اُس نے ان دونوں کو ایک تندرست بچہ دیا تو انہوں نے اُس کی اس عطا میں اُس کا شریک مقرر کیا۔ سو اللہ ان کے شرک سے برتر ہے“

نقل کر کے غیر اللہ کی عبودیت کے نام مثلاً عبد عمر، عبد کعبہ وغیرہ رکھنا حرام قرار دیا اور عبد المطلب کو اس سے مستثنیٰ رکھا؛ پھر اس آیت کی تفسیر میں ایک غیر ثابتہ روایت^۱ کے ذریعے آدم و حواء علیہما السلام کو اس کا مصداق ٹھہرایا۔ لکھتے ہیں کہ جب حوا حاملہ ہوئیں تو شیطان نے آکر انہیں ڈرایا کہ تم اس بچے کا نام عبد الحارث رکھنا ورنہ میں ایسا کروں گا ویسا کروں گا۔ انہوں نے نہ مانا۔ بچہ پیدا ہو کر مر گیا۔ دو دفعہ ایسا ہوا۔ تیسری دفعہ جب حوا حاملہ ہوئیں تو شیطان نے آکر پھر وہی مطالبہ کیا۔ اس دفعہ انہیں بچے کی محبت آگئی اور انہوں نے اس کا نام عبد الحارث رکھ دیا۔ اور اس طرح انہوں نے اطاعت کا شرک کیا، عبادت کا نہیں۔^(۱)

© جامع قرمذی: جلد ۲، ابواب التفسیر، تفسیر سورة الاعراف، صفحہ ۲۴۸

(۱) کتاب التوحید: صفحات ۷۴ تا ۷۵

عجبدی صاحب کو اتنی جرأت کیوں نہ ہوتی اور وہ کیوں نہ ایسا کفر بکتے جبکہ ان کے امام اور مقتداء احمد بن حنبل صاحب نے بھی، (جن کے عقیدے کو اختیار کرنا یہ بہت بڑی نعمت سمجھتے تھے جیسا کہ ان کی اسی کتاب التوحید کے مقدمے کے صفحہ ۱۹ پر درج ہے، جس کا پہلے حوالہ دیا جا چکا ہے) جو مسئلہ خلق قرآن کے چمپئن تھے اور اس پر عباسی خلفاء مامون الرشید اور معتصم باللہ سے کوڑے کھانے کی وجہ سے اہل حق تسلیم کیے گئے جس پر ان کی بڑی شہرت ہوئی، انہوں نے اپنی ضخیم مسند میں نبی ﷺ سے یہ قول منسوب کیا ہے کہ آدم وحوٰ علیہما السلام نے بچہ مر جانے کے خوف سے اس کا نام عبدالحارث رکھ دیا، اور یہ سب شیطان کے حکم سے ہوا۔^(۱)

انبیاء علیہم السلام پر تہمت اور الزام تراشی کی انتہا تو ان صاحب نے کی جنہیں یہ مسلک پرست لوگ ”داتا گنج بخش“ کہتے ہیں جن کا اصل نام علی ہجویری حسن جلابی تھا۔ ہجویری صاحب نے اپنی کتاب ”کشف المحجوب“ میں جس کی تعریف میں مسلک پرست رطب اللسان رہتے ہیں، انتہائی جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے داؤد علیہ السلام پر یہودیوں کی طرف سے اور نبی ﷺ پر منافقوں کی طرف سے لگائے گئے جھوٹے الزامات کو درست ثابت کر کے ان محترم انبیاء علیہما الصلوٰۃ والسلام کی شان میں انتہائی گھناؤنی بات لکھی

علمائے بنی اسرائیل نے اپنے محسن انبیاء علیہم السلام پر طرح طرح کے جھوٹے الزامات لگا کر ان کے کردار کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے اور انہیں اپنی کتب مقدسہ میں درج کر دیا ہے تاکہ اپنی بدکرداری اور اللہ کی نافرمانی کو جواز مل جائے کہ ہمارے انبیاء ہی اس کردار کے تھے اس لیے ہم اگر ایسے ہیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے! چنانچہ آج بھی جو تورات عہد نامہ عتیق یا قدیم کے نام سے بائبل کے پہلے حصے میں پائی جاتی ہے اس میں جہاں دوسرے متعدد انبیاء علیہم السلام مثلاً آدم،^(۲) نوح،^(۳) ابراہیم،^(۱) لوط،^(۲)

(۱) مسند احمد: (۵/۱۱) حدیث سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۱۹۶۱۰، جلد ۵، صفحہ ۶۳۷

(۲) بائبل: کتاب پیدائش، باب ۲، آیت ۲۵

(۳) بائبل: کتاب پیدائش، باب ۹، آیت ۲۰ وغیرہ

یعقوب، (3) ہارون (4) اور سلیمان (5) وغیرہ [وعلیٰ کلہم الصلوٰۃ والسلام] کے کردار پر بڑے رکیک اور انتہائی شرمناک جھوٹے الزامات لگائے گئے ہیں وہیں داؤد علیہ السلام جیسے اللہ کے عبادت گزار اور اللہ سے ڈرنے والے اپنے محسن کا دامن کردار بھی انہوں نے ایک بہت بڑے الزام سے داغدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہرچند کہ نقل کفر کفر نہ باشد، لیکن عصمت انبیاء و عظمت انبیاء کے پیش نظر اسے نقل کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ بطور اشارہ خلاصۃً اتنا کافی ہو گا کہ ان ظالموں نے اتنے برگزیدہ پیغمبر کو ایک عام آدمی سے بھی گیا گزرا بنا دیا، ان پر اتہام عائد کیا کہ وہ اپنے ایک فوجی کی بیوی سے ملوث ہوئے اور پھر اس سے شادی کے لیے اس کے شوہر کو ایک حیلے سے مروا دیا۔ جو شخص اس واقعے کی تفصیل جاننا چاہے وہ بائبل، کتاب سموئیل دوم، باب 11 اور 12 پڑھ لے۔ بنی اسرائیل چونکہ اپنے انبیاء علیہم السلام پر فحش قسم کے الزامات عائد کرنے میں بڑے بیباک تھے اور ایسی ایسی باتیں جو ایک عام سطح کے شریف آدمی سے منسوب کرتے ہوئے بھی انسان کو حیاء اور جھجک محسوس ہوتی ہے، وہ بغیر ہچکچاہٹ کے اپنے برگزیدہ نبیوں اور عالی ظرف محسنوں کی طرف بے محابا منسوب کر دیتے تھے۔ چنانچہ انہی لچر خرافات میں سے ایک یہ بھی واقعہ ہے جس کو بائبل میں نمک مرچ لگا کر بیان کیا گیا ہے۔

مدینے کے منافقوں نے بھی اسی طرح کی حرکت آخری نبی مکرم و محترم محمد ﷺ کے ساتھ کی اور زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے ساتھ آپ ﷺ کی شادی کی بڑی مکروہ وجہ بتائی جس

(1) بائبل: کتاب پیدا کش، باب 13، آیت 9 / باب 12، آیت 10، 20 وغیرہ

(2) بائبل: کتاب پیدا کش، باب 19، آیت 30 وغیرہ

(3) بائبل: کتاب پیدا کش، باب 21، آیات 20 تا 21

(4) بائبل: کتاب خروج، باب 32، آیت 6 تا 7 / کتاب گنتی، باب 12، آیات 1 تا 3

(5) بائبل: کتاب سلاطین اول، باب 2، آیت 23 وغیرہ، باب 11 آیت 13 تا 14

کو طہری اور ابن اثیر نے اپنی تاریخ کی کتابوں میں بڑے رنگ آمیزانہ انداز میں پیش کیا۔*
 من شاء فليرجع اليهما قرآن میں سورۃ الاحزاب کی آیات ۳۶ تا ۴۰ میں اللہ تعالیٰ نے
 اس واقعے کی تفصیل بیان کر کے ان اعتراضات و الزامات کی تردید فرمائی اور اپنے رسول ﷺ
 کے دامن کو ان جھوٹے الزامات کے داغ سے صاف کر دیا۔

★ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ان باتوں کو تاریخ کی دروغ گوئی سمجھ کر درخور اعتنا نہ جانے لیکن اس کو کیا کیجیے کہ جو
 لوگ اپنی پہچان ہی ”حدیث“ کو قرار دیتے ہیں وہ تک ان ایسی خرافات کو بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ نام نہاد
 ائمہ شیخوں کے مفتاد احمد ابن قیم صاحب نے بھی اپنی کتاب ”الجواب الکافی“ (صفحات ۳۵۲، ۳۵۳) میں داؤد
 القسریؒ اور نبی ﷺ کے حوالے سے یہ دونوں باتیں عورتوں سے عشق کے استدلال میں بیان کی ہیں! مگر جس
 طرح شاہ اسماعیل دہلوی کی ”تقویۃ الایمان“ نامی کتاب میں تصرف کر کے ان کے معتقدوں نے ”اللہ کچھ
 دے شیخ عبدالقادر کے واسطے“ کے الفاظ نکال دیے ہیں تاکہ اپنے مدوح کے بیان کردہ وسیلے کے شرک
 پر پردہ ڈالا جاسکے، اسی طرح ابن قیم کی مذکورہ کتاب کے مترجم ندوی صاحب نے تصرف فرماتے ہوئے صفحہ
 ۲۵۳ پر زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا واقعے کے ساتھ ”غلط واقعہ“ کی سرخی اپنی طرف سے بڑھادی جبکہ اراکین
 العربی، بیروت، لبنان کی مطبوعہ اصلی عربی کتاب کے صفحہ ۱۸۱ پر ایسی کوئی سرخی موجود نہیں، نہ ہی مصنف
 نے اسے کہیں ”غلط واقعہ“ قرار دیا ہے۔ اسی طرح مترجم صاحب نے صفحہ ۳۵۳ پر اور یاحتی کے واقعہ کا ترجمہ
 کرتے ہوئے ”یہودی و سیدہ کاری“ کی سرخی بڑھادی ہے جبکہ اصل کتاب کے مذکورہ صفحے پر اس کا کوئی وجود
 نہیں۔ مترجم صاحب نے ابن قیم کے قصور پر پردہ ڈالنے کی کوشش میں ایک مزید تصرف کرتے ہوئے صفحہ
 ۳۷۲ پر داؤد القسریؒ کے مذکورہ واقعے کے آخر میں اپنی طرف سے ان الفاظ کا اضافہ کر دیا کہ ”در اصل یہ واقعہ
 سرے ہی سے بناوٹی اور اسرائیلی روایات کا ملغوبہ ہے“ جبکہ اصل کتاب میں ایسا کوئی بیان نہیں (ملاحظہ فرمائیے
 اس کا صفحہ ۱۸۹)۔ اسی طرح مترجم موصوف نے صفحہ ۳۷۳ پر زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واقعے کے بارے
 میں یہ الفاظ بڑھادیے کہ ”نہیں یہ ہے تمام واقعہ، نہ اس میں قلب و نگہ کی بات ہے، نہ عشق و معاشقہ کی“
 جبکہ ابن قیم نے ایسی کوئی بات سرے سے لکھی ہی نہیں (ملاحظہ فرمائیے اس کا صفحہ ۱۸۹) بلکہ انہوں نے تو ان
 دونوں واقعات کو بالکل درست جانتے ہوئے عورتوں سے محبت ہو جانے کے ثبوت میں انہیں پیش کیا ہے۔ یہ
 ان کے اندھے معتقدین (بلکہ مقلدین) ہیں جو اپنے اسلاف کی غلطیوں کا وقار کر رہے ہیں! ان کے صریح
 کفر پر بھی انہیں اللہ کی رحمت کا مستحق سمجھتے ہوئے ان کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ کا دعائیہ کلمہ لکھتے اور
 پڑھتے ہیں! یہ اکابر پرستی ہے جو از روئے قرآن ان کے لیے آخرت میں حسرت و افسوس کا سبب ہوگی!

قرآن و حدیث کی تعلیمات کے ذریعے انبیاء علیہم السلام کے مقام و مرتبے، مناقب و فضائل، ان کی سیرت و کردار کی بلندی، اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں ان کے اخلاص و استقامت اور اللہ کی بارگاہ میں جو ابد ہی اور ہر حال میں اسی سے رجوع کرنے کے احساس ذمہ داری کو واضح کر کے ان کو انسانیت کے لیے اللہ کی بندگی کا ایک قابل تقلید نمونہ قرار دیا گیا ہے؛ لیکن اس قدر واضح تصریحات کے باوجود ایسے شقی القلب دعویداران ایمان و اسلام کی جرأت و جسارت دیکھیے کہ ان نفوس قدسیہ کی عصمت اور ان کے کردار کو داغدار کرنے والے اعتراضات و الزامات کے سلسلے میں کتاب و سنت کی سچی تعلیمات اور ان کے محکم دلائل کی طرف رجوع کرنے کے بجائے اسرائیلی روایات اور ان میں بیان کیے گئے من گھڑت قصے کو اپنی جھوٹی اور نفس پرستانہ تاویلات کی بنیاد بناتے ہیں! ججویری صاحب کی جرأت ملاحظہ کیجیے کہ یہود اور دوسرے دشمنان اسلام کی طرف سے داؤد علیہ السلام اور اللہ کے آخری رسول ﷺ پر لگائے جانے والے مذکورہ بالا الزامات کو نہ صرف درست تسلیم کیا ہے بلکہ تصوف کی اصطلاحات کے ذریعے ان کی دلپسند تاویل بھی کر دی تاکہ ان کے اندھے عقیدت مند ان کی گستاخانہ جرأت پر بد مزہ ہونے کے بجائے، ان کی صوفیانہ تاویل اور گمراہ کن موذگانی پر جھوم جھوم جائیں! لکھتے ہیں:

جیسا کہ داؤد جب بحالت صحت تھے۔ ان کے تمام افعال ان کی طرف سے وجود میں آتے تھے۔ اور اس وقت تک ان کے افعال کو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ہی مضاف فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد ہے: و قتل داؤد جالوت (اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو)۔ اور ہمارے آقا و مولیٰ سید عالم ﷺ حالت سکر میں تھے تو آپ کا ہر وہ فعل جو آپ کی طرف سے ظہور میں آیا اللہ تعالیٰ نے اس کی اضافت اپنی طرف فرمائی اور کہا: وما رمیت اذ رمیت ونسكن الله رمی (اور وہ کنکریاں تم نے اے محبوب نہیں پھینکیں، جب تم نے پھینکیں، وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں تھیں)..... تو جب فعل حق مضاف ہو بندے کی طرف تو بندہ بخود قائم ہوتا ہے۔ اور جب بندہ کا فعل حق کی طرف مضاف ہو تو بندہ بحق قائم ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ داؤد کی نظر مبارک وہاں پڑی جہاں پڑنی نہ چاہیے تھی، یعنی ایک عورت پر جو اور یا کی بیوی تھی، جسے دیکھا وہ ان پر حرام تھی۔ اور جب بندہ بحق قائم ہو گیا، جیسے حضور ﷺ، کہ نظر تو آپ کی بھی پڑی اسی طرح زید کی بیوی پر، مگر وہ زید پر حرام ہو گئی، اس لیے کہ وہ نظر جو داؤد کی تھی وہ محل صحو میں تھی، اور یہ

نظر جو حضور ﷺ کی تھی یہ محلِ سر میں تھی۔ (کشف المحجوب: باب صحو و سکر، صفحہ ۳۳۹)

(

نحن نعوذ بالله من تلك هفوات الشياطين و اننا برآء منهم و مما يقولون
ہم اللہ کی پناہ پکڑتے ہیں اس ابلیسی یا وہ گوئی سے اور اس کے کہنے والوں سے اپنی مکمل
بیزاری و لاتعلقی کا اعلان کرتے ہیں۔

آج کل ملک میں توہینِ رسالت کے قانون کا بہت غلغلہ ہے۔ جہاں عیسائی حلقے اور ان
کے اعوان و انصار انسانی حقوق، آزادیِ نسواں اور معذور بچوں کی تعلیم و فلاح و بہبود کے نام
پر چہار جانب سے کروڑوں ڈالرز کے فنڈز ہڑپ کرنے والی مذہب بیزار INGOs کے
منسوخ کیے جانے کا مطالبہ کرتی ہیں، وہاں بعض مسالک اس کے باقی رکھنے پر مصر ہیں۔
ناموسِ رسالت کی حفاظت تقاضہ ایمان ہے اور اس قانون کو باقی رکھنے کا مطالبہ بالکل جائز
اور حق بجانب ہے لیکن یہ قانون ان مسلک پرستوں کے ہاتھوں کھیل بنا ہوا ہے۔ معاندین
اپنے مخالف پر توہینِ رسالت کا جھوٹا مقدمہ قائم کر کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈلوادیتے
ہیں۔ قرآن و حدیث کی تعلیمات سے بے بہرہ اہل اقتدار اس قانون کی حدود و قیود، اس کے
اطلاق و نفاذ سے لاعلم، ہاتھ میں ڈنڈا لے کر ان کے پیچھے ہولیتے ہیں:

- اگر نبی ﷺ کو قرآن و حدیث کے فیصلے کے مطابق (تفصیل آگے آ رہی ہے) بشر کہد یا تو مقدمہ قائم!
- اگر حدیثِ نبویؐ پیش کی جائے کہ حشر میں سب لوگ بے لباس اٹھیں گے اور سب سے پہلے ابراہیم
ﷺ کو لباس پہنا یا جائے گا، (۱) تو فوراً مقدمہ قائم!
- اگر نبی ﷺ کو از روئے قرآن و حدیث بشر مانا جائے، عالم الغیب نہ مانا جائے (تفصیل پیچھے بیان کی جا چکی ہے)
تو فوراً مقدمہ قائم!

غرضیکہ اپنے مسلکی بغض و عناد کے اظہار کا ایک اچھا ذریعہ ان کے ہاتھ آ گیا ہے۔ حالانکہ ان
کے لٹریچر کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ توہینِ رسالت کے یہ لوگ خود اصل مرتکب ہیں اور

(1) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الانبیاء، باب ۳۱۲ قول اللہ تعالیٰ وَاتَّخِذُوا لِلَّهِ اِٰبْرَہِیْمَ حَلِیْلًا صفحہ ۳۰۱

یہ خود سب سے بڑے گستاخ رسول ہیں۔ ثبوت کے لیے حدائق بخشش (حصہ سوم، صفحہ ۷۳) میں درج وہ اشعار پڑھیے جو بریلوی مذہب کے مجدد صاحب نے حرم نبوی اور مومنوں کی ماں ﷺ کی شان میں کہے ہیں جنہیں کوئی حیا دار آدمی زبان پر بھی نہیں لاسکتا* اور یہ ”مجدد“ صاحب یہ بھی کہتے تھے کہ نبی ﷺ نے ان کی اقتداء میں ان کے مرید کی نماز جنازہ پڑھی۔ (۱) اسی مذہب کا فتویٰ ہے کہ

”حضرت مسیح پہلی آمد میں ناکامیاب رہے اور یہود کے ڈر کے مارے کام تبلیغ رسالت سرانجام نہ دے سکے۔“ (۲)

ایک بریلوی پیر صاحب اپنے پیر و مرشد کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

..... لاکھوں چلائے آپ نے ٹھوکر کے زور سے اٹھتا نہیں مسیح سے مارا فرید کا (۳)

اور ایک دوسرے صاحب یوں خامہ فرسائی فرماتے ہیں:

..... خادم ہیں تیرے سارے جتنے حسیں جہاں کے یوسف سے تجھ پہ قرباں شیریں مقال والے (۱)

★ اسی طرح ”تقویۃ الایمان“ نامی کتاب لکھ کر چارواگ عالم میں توحید کا درس دینے والے شاہ اسماعیل صاحب نے اپنی دوسری کتاب ”صراط مستقیم“ میں لکھا کہ ان کے پیر صاحب کو علی ﷺ نے غسل دینے کے بعد ان کا بدن پونچھا اور رسول اللہ ﷺ کی بیٹی فاطمہ ﷺ نے کپڑے پہنائے۔ (صفحہ ۲۲۱)

(۱) ملفوظات حصہ دوم، صفحہ ۲۷

(۲) جامع الفتاویٰ انوار شریعت: جلد ۳، صفحہ ۳۸

(۳) دیوان محمدی: صفحہ ۱۲۴ ... مسیح علیہ السلام کی توہین میں ہمارے علامہ صاحب بھی کسی سے کم نہیں۔

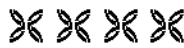
ہماری مراد شاعر علامہ اقبال سے ہے جن کی برسی و پیدائش کے دنوں پر شائع ہونے والے خصوصی ایڈیشنز، رسائل و جرائد و کتب میں ان کی ویداری و دینی خدمات کے بارے میں کیسے کیسے بلند آہنگ دعوے کیے جاتے ہیں، مگر دہلی میں ایک صوفی کے مزار پر جا کر جو کچھ انہوں نے فرمایا وہ ان دعوؤں کو باطل ٹھہراتا ہے۔ موصوف نے نظام الدین اولیاء کی شان میں فرمایا:

..... فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا بڑی جناب تیری، فیض عام ہے تیرا

..... تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

(روزنامہ جنگ، مورخہ ۲۵ اپریل ۲۰۰۳ء، صفحہ ۷، نفیس صدیقی کا کالم التجائے مسافر)

اور یہ بات تو ان کی کتابوں تفریح الخاطر، کرامات غوث اعظم، اخبار الاخبار وغیرہ میں عام لکھی ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی صاحب کی محفل وعظ میں تمام انبیاء علیہم السلام اپنے جسموں اور روحوں کے ساتھ شرکت فرماتے تھے، یعنی شیخ صاحب منبر پر بیٹھ کر وعظ فرماتے اور تمام انبیاء علیہم السلام نیچے بیٹھ کر سماعت فرماتے! کیا یہ واقعات توہین رسالت کے زمرے میں نہیں آتے؟ کیا ان واقعات کی اشاعت و تبلیغ کرنے والوں کے خلاف توہین رسالت کا مقدمہ نہ قائم کیا جائے؟ فالی اللہ المشتکی



کتاب ہذا کے اس باب کے رد میں ملا مجیب اور ملا تونسوی نے اپنی کتابوں میں کوئی دلائل نہیں دیئے۔ شاید انہیں بھی یہ تسلیم ہے کہ ان کے اکابرین نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا ہے ورنہ وہ اس کے دفاع میں کچھ نہ کچھ ضرور کہتے کیونکہ اس کتاب کے ہر عنوان اور موضوع پر انہوں نے خامہ فرسائی فرمانا فرض سمجھا ہے۔ البتہ ملا مجیب نے اس

- (1) انوار علی پور: صفحہ ۱۰۔ اپنے پیر صاحب کی تعریف میں مبالغہ کرتے کرتے توہین رسالت کر جانے میں توحید کے دعویدار بھی پیچھے نہیں رہے۔ یہ المیہ ہے کہ دوسروں کے لیے جن باتوں پر کفر و شرک، بدعت و ضلالت و معصیت کے فتوے دیئے جاتے ہیں، وہی باتیں ان کے اکابرین کے لیے، عین ایمان و یقین، توحید و سنت، ہدایت و معرفت، اجر و ثواب ٹھہرائی جاتی ہیں! کربلا کے شہداء کے لیے مرثیہ گوئی پر شیعوں کے لیے کیا کچھ نہیں کہا جاتا، مگر جب دیوبندیوں کے ”قطب ارشاد“ رشید احمد گنگوہی صاحب اس وارفانی سے اپنے مقام ابدی کی طرف کوچ فرماتے ہیں تو ان کے عقیدت مند مرید محمود حسن صاحب مرثیہ لکھتے ہوئے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں اور یہ تک فرمادیتے ہیں کہ
- ۔ قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں عید سو کا ان کے لقب ہے یوسف غنی
 - ۔ مسیحائے زماں پہنچا فلک پر چھوڑ کر سب کو چھپا چاہ لحد میں وائے قسمت ماہ کنعانی
 - ۔ وفات سرور عالم کا نقشہ آپ کی رحلت تھی ہستی گر نظیر، ہستی محبوب سبحانی
 - ۔ غرروں کو زندہ کیا زندہ کو مرنے نہ دیا اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم
- (بحوالہ الدیوبندیات از عبد العزیز مراد آبادی، مکتبہ فکر رضا، کھیوڑہ)

باب کے آخری حصے کا دفاع ضرور کیا ہے۔ زیارتِ رسول ﷺ کے باب میں نبی ﷺ کو بیداری میں دیکھنا ممکن ثابت کرنے کے لیے روحوں کو ملا صاحب نے گھومنے پھرنے والا بتا کر نبی ﷺ کی روح کو جسم مثالی میں ایک طرف دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھنے اور شاہ ولی اللہ کے کسمن بچوں کی کفالت کی ذمہ داری لینے ہندوستان پہنچا دیا تو دوسری طرف شیخ عبدالقادر جیلانی کا وعظ سننے ان کی خانقاہ واقع بغداد پہنچا دیا جس میں ملا موصوف کو ناموس رسالت کی کوئی توہین و تحقیر نظر نہیں آئی بلکہ عین ممکن اور امر واقعہ بتایا ہے! اسی پر قیاس کر کے پھر امداد اللہ مہاجر مکی کے مہمانوں کا کھانا پکانے، بیماروں کی عیادت کرنے، مردوں کا جنازہ پڑھانے، نبی ﷺ کا ہندوستان آنے وغیرہ کے گزشتہ صفحات میں منقول چشم کشا واقعات بھی ان کے نزدیک امر واقعہ ٹھہریں گے؟ عنوان ۱۷ کے تحت ان باطل تصورات کی حقیقت بیان کر دی گئی ہے۔ من شاء فلیرجع الیہ

مہدی کا ظہور

مسلک پرستوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ قرب قیامت میں امام مہدی ظاہر ہوں گے اور وہ تمام برائیوں کا خاتمہ کر دیں گے۔ اس ایک مسئلے پر تمام مسلک متفق ہیں خواہ بریلوی ہوں یا دیوبندی، شیعہ ہوں یا اہل حدیث۔ یہ ان کا شاید واحد و اکلوتا متفقہ و مسلمہ عقیدہ ہے جس کا اظہار یہ لوگ اپنی تحریروں میں کرتے رہتے ہیں۔ اور اس کے دفاع میں آج تک کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔

”مجدد مائتہ حاضرۃ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی“ سے جب پوچھا گیا کہ ”قیامت کب ہوگی، ظہور مہدی کب ہوگا“ تو فرمایا

”..... بعض علوم کے ذریعے سے مجھے ایسا خیال گذر رہا ہے کہ شاید ۱۸۳۷ھ میں کوئی اسلامی

سلطنت باقی نہ رہے اور ۱۹۰۰ھ میں حضرت امام مہدی ظہور فرمائیں۔“ (1)

”حکیم الامت“ اشرف علی تھانوی نے اپنی ”امت“ کو عقائد کی تعلیم دیتے ہوئے لکھا:

”اللہ و رسول نے جتنی نشانیاں قیامت کی بتائی ہیں سب ضرور ہونے والی ہیں۔ امام مہدیؑ

ظاہر ہونگے اور خوب انصاف سے بادشاہی کریں گے۔“ (2)

”مسعودی ایس سی کی جماعت المسلمین پر ایک نظر“ نامی کتاب میں مذکورہ تنظیم پر تنقید کرتے ہوئے اہل حدیث محقق لکھتے ہیں کہ

”عسلیؑ اور امام مہدی جب آئیں گے تو اسی مذہب اہل حدیث پر ہوں گے۔ کیونکہ یہی اصل

اسلام ہے۔“ (صفحہ ۷)

قادیانیوں کے رد میں لکھی جانے والی چار جلدوں کی ضخیم کتاب ”تحفہ قادیانیت“ میں یوسف لدھیانوی صاحب نے بھی مرزا قادیانی کے دعووں کو غلط ثابت کرتے ہوئے

(1) ملفوظات: حصہ اول، صفحہ ۱۱۲

(2) بہشتی زیور: حصہ اول، باب عقیدوں کا بیان، عقیدہ ۳۸، صفحہ ۳۷ نیز ساتویں حصے کے صفحہ ۴۴ پر قیامت کی نشانیوں اور اس کا کچھ حال بیان کرتے ہوئے تو بلا حوالہ ظہور مہدی کی ایک مفصل کہانی بیان کی گئی ہے۔

”ظہور مہدی“ پر متعدد مضمون لکھے۔ اپنے ۲۴ اپریل ۱۹۹۲ء کے کالم میں اس سے متعلق ایک سوال کے جواب میں ”امام مہدی“ کا آنا حق بتایا اور ستم یہ کیا کہ ”فقہ اکبر“ نامی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے اس خلاف قرآن و حدیث عقیدے کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کر دیا حالانکہ امام ابو حنیفہ نے اس نام کی کوئی کتاب نہیں لکھی بلکہ یہ ابو مطیع بلخی نے لکھی ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ابو حنیفہ نے اپنی زندگی میں کوئی کتاب تصنیف ہی نہیں کی۔ ان سے منسوب جو کچھ بھی تحریریں ملتی ہیں وہ ان کے شاگردوں محمد، ابویوسف، زُفر، حسن، وغیرہ کی تالیفات ہیں۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ قرآن و حدیث پر یقین رکھنے والے ایک موحد مومن تھے اور انہوں نے ایسے کسی بھی باطل عقیدے کی تبلیغ و اشاعت نہیں کی۔ ان کے اندھے مقلد بغیر تحقیق کے اپنے امام پر بھی جھوٹ باندھتے ہیں!

دراصل ان لوگوں کو اپنے اس باطل عقیدے کی تائید مسند احمد کی اس جھوٹی روایت سے ملتی ہے کہ نبی ﷺ نے مہدی کی خوشخبری سنائی کہ وہ اختلاف کے زمانے میں ظاہر ہو کر عدل و انصاف عام کریں گے، ظلم و ستم ختم کر دیں گے، کوئی محتاج نہ رہے گا، وہ سات، آٹھ یا نو سال رہیں گے اور اس کے بعد کوئی خیر باقی نہ رہے گی۔

ابوداؤد نے اپنی سنن کی تیسری جلد میں ”کتاب المہدی“ کے تحت گیارہ روایتیں نقل کی ہیں جن میں سے تین روایتیں خلفاء کے قریش میں سے ہونے کے متعلق ہیں۔ چار میں نبی ﷺ کا قول بیان کیا کہ اگر دنیا کا ایک دن بھی رہ جائے گا تو اللہ اس کو اتنا طویل کر دے گا کہ اس میں ایک شخص مجھ سے یا میرے اہل میں سے اٹھے گا، اس کا نام میرے نام پر اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام پر ہو گا، اور وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ تین روایات میں اس کا نام مہدی بتایا جس میں سے ایک میں اتنا اضافہ بھی ہے کہ وہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد سے ہو گا۔ دو میں اس کا کوئی نام نہ لیا۔ اور ایک حدیث میں بروایت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی ﷺ کا قول بیان کیا کہ ماوراء النہر سے ایک شخص نکلے گا جس کا نام حارث ہو گا، اس کے آگے ایک شخص منصور نامی ہو گا جو آل محمد کو اقتدار دے گا جس طرح قریش نے رسول اللہ ﷺ کو اقتدار دیا، واجب ہے کہ

ہر شخص اس کی مدد کرے اور اس کی بات مانے۔ ایک روایت میں اس کی مدت سات سال بتائی اور دوسری میں نو سال۔ غرضیکہ ساری کی ساری روایات مختلف فیہ ہیں۔ مزید برآں یہ روایات سند ابھی کمزور ہیں جن کی صحت پر محدثین نے شدید جرح کی ہے*۔

ترمذی نے پہلی جلد میں ابواب الفتن کے تحت ”مہدی“ کے عنوان سے چار روایات نقل کی ہیں جنہیں حسن اور صحیح قرار دیا ہے، جبکہ ان چاروں روایتوں کی سند بے حد ضعیف ہے اور ان کے راوی مجروح ہیں۔ محدثین کے مطابق ترمذی نے اسی طرح موضوع کی حد تک پہنچی ہوئی روایتوں کو صحیح اور حسن کہہ دیا ہے کہ وہ حدیث کی صحت کے معاملے میں بہت تساہل اور فراخ دل واقع ہوئے تھے۔ ان کے اس تساہل و تسامح کی وجہ سے محدثین ان کی تحسین (یعنی کسی حدیث کو حسن کہنے) پر اعتماد نہیں کرتے۔ تحسین تو الگ رہی، بقول حافظ ذہبی، ترمذی کی تو تصحیح (یعنی کسی حدیث کو صحیح کہنے) پر بھی علماء اعتماد نہیں کرتے۔ نیز فرمایا کہ ترمذی کی تحسین سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے*۔

یہ بات قابل غور ہے کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب احادیث میں نزول عیسیٰ ﷺ کے باب ملتے ہیں۔ خود ترمذی نے بھی اپنی جامع میں ”مہدی“ کے باب کے ساتھ ہی نزول عیسیٰ ﷺ کا باب باندھا ہے جس میں وہ روایت نقل کی ہے جو صحیحین اور دیگر کتب احادیث میں بھی پائی جاتی ہے کہ:

نبی ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا کہ وہ زمانہ قریب ہے جب عیسیٰ منصف حاکم بن کر نازل ہوں گے، صلیب توڑ دلائیں گے، خنزیر کو مار ڈالیں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے، مال و

★ ملاحظہ فرمائیے ”مقدمہ ابن خلدون“: باب سوم، فصل المہدی، صفحہ ۹۰۳۔ اس موضوع پر الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ کی مطبوعہ علامہ تمنا عادی کی ”انتظار مہدی و مسیح“، عبید اللہ سندھی کی ”عقیدہ نزول مسیح و مہدی“، عبد الرحمن کاندھلوی کی ”عقیدہ ظہور مہدی“ وغیرہ بھی کافی مفید ہیں۔ البتہ انہوں نے ظہور مہدی کی وضعی روایات کی بناء پر جہاں اس عقیدے کو باطل قرار دیا ہے وہیں صحیح روایات سے ثابتہ نزول مسیح ﷺ کا بھی رد کر دیا ہے، جو کہ صحیح نہیں۔

★ میزان الاعتدال جلد ۲، صفحہ ۳۵۴، جلد ۳ صفحہ ۲۰۷

دولت کی بہتات ہوگی اور کوئی اسے لینے والا نہ ہوگا، یہاں تک کہ ایک سجدہ لوگوں کی نگاہ میں دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوگا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو روایت کرنے کے بعد کہا کہ اگر اس کی تصدیق چاہتے ہو تو قرآن کی اس آیت کو پڑھ لو:

وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ
يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا (النساء ۱۵۹)

”اہل کتاب میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو اُن کی موت سے پہلے اُن پر ایمان نہ لے آئے اور قیامت کے روز وہ اُن پر گواہی دیں گے۔“ (۱)

یہ بات غور طلب ہے کہ جو کام ان کے زعم میں امام مہدی چند سالوں میں انجام دے دیں گے تو پھر وہی کام کرنے کے لیے عیسیٰ علیہ السلام کا نزول کیا معنی رکھتا ہے؟ یا پھر جو کام عیسیٰ علیہ السلام انجام دیں گے اس کے کرنے کے لیے کسی مہدی کے ظہور کی کیا حاجت؟ گویا کہ یہ دونوں عقیدے باہم متضاد و متصادم ہیں یعنی ظہور مہدی کے ہوتے ہوئے نزول عیسیٰ علیہ السلام اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کے پیش نظر کسی ظہور مہدی کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ مگر علامہ اقبال صاحب کا فرمانا ہے کہ

..... ہو جس کی نگہ زلزله عالم افکار

یہاں قارئین کی توجہ ہم اس حدیث کی طرف مبذول کروانا چاہتے ہیں جسے ابن ماجہ نے بیان کیا ہے اور جس کی سند میں امام شافعی بھی شامل ہیں، کہ

وَلَا الْمَهْدِي إِلَّا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ”اور عیسیٰ ابن مریم کے علاوہ کوئی مہدی نہیں۔“ (۲)

اب اس واضح اور صریح حدیث کے بعد یہ مسلک پرست ظہور مہدی کے اپنے اس عقیدے پر غور کرنے کی زحمت فرمائیں کہ کیا یہ باطل، بے اصل اور لغو ٹھہرتا ہے یا نہیں؟

(۱) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب بدء الخلق، احادیث الانبیاء، باب ۳۴۹ نزول عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام، صفحہ ۳۵۴ / صحیح مسلم: جلد ۱، کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام، صفحہ ۲۵۵ / ترمذی، جلد ۱، ابواب الفتن، باب نزول عیسیٰ علیہ السلام، صفحہ ۸۴

(۲) سنن ابن ماجہ: کتاب الفتن، باب ۲۴ شدۃ الزمان، صفحہ ۴۵۸

جاننا چاہیے کہ ظہورِ امام مہدی خالصتاً ایک شیعہ عقیدہ ہے۔ ان کے گیارہویں امام حسن عسکری لا ولد فوت ہو گئے اور یوں امامت کا ان کا خود ساختہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ مگر اس کو جاری رکھنے کے لیے یہ چال چلی کہ حسن عسکری کی وفات کے بعد ان کی ایک لونڈی کو امام کے حمل کا دعویٰ کیا گیا اور بعد از مرگ پیدا ہونے والے ان کے اس مزعومہ لڑکے کو پوشیدہ رکھا گیا اور اسے بارہواں امام، امام مہدی، امام منتظر یعنی وہ امام قرار دیا گیا جس کا انہیں انتظار تھا۔ لیکن شیعہ مکتب فکر کی ”حق الیقین“، ”جلاء العیون“ مصنفہ ملا باقر مجلسی؛ ”احتجاج طبرسی“، ”الحکومة الاسلامیہ“ مصنفہ آیت اللہ خمینی، ”چودہ ستارے“ وغیرہ کتب میں اس لڑکے کے بارے میں بڑی دیومالائی قسم کی باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ ان کے مطابق ”امام قائم آل محمد المہدی المنتظر“ ۲۵۵ھ یا ۲۵۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کو چھپا کر رکھا جاتا تھا، اس لیے ان کو کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا۔ ۲۶۰ھ میں اپنے والد کی وفات سے صرف دس دن پہلے غائب ہو گئے اور وہ تمام چیزیں اور سارا سامان جو علیؑ اور سارا سامان لے کر ہر امام کے پاس رہتا تھا مثلاً علیؑ کا جمع کیا ہوا اصلی اور پورا کامل قرآن جس میں چالیس پارے اور سترہ ہزار آیات تھیں، قدیم آسمانی کتابیں یعنی تورات، زبور، انجیل اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے صحیفے اپنی اصل نازل شدہ شکل میں، مصحف فاطمہ، الجفر، الجامعہ والا بورا، انبیاء سابقین کے معجزات، عصائے موسیٰؑ، قمیص آدمؑ، سلیمانؑ کی انگوٹھی، غرض سارا سامان لے کر یہ ۴۵ سال کے صاحبزادے تن تنہا اپنے شہر مبرا منن دہی (یعنی وہ چھپا دیا گیا، کس نے دیکھا) کے غار میں روپوش ہو گئے۔ قیامت سے پہلے نکل کر آئیں گے اور ابو بکر و عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کی قبروں سے نکالیں گے، زندہ کر کے دنیا بھر کے گناہگاروں کے گناہوں کی سزا میں دن رات میں ان دونوں کو ہزار بار مار ڈالیں گے اور ہزار بار پھر زندہ کریں گے (معاذ اللہ!) شیعہ مذہب کی کتب میں اس سے بھی زیادہ سخت اور سنگین باتیں لکھی ہوئی ہیں، جن کے خلاف کارروائی کا یہ مسلک پرست پر زور مطالبہ کرتے ہیں مگر کرسی اقتدار کی ہوس میں ان کے ساتھ اتحاد کر لیتے ہیں، ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے ہیں، ان کے ساتھ باہم شیر و شکر ہو جاتے ہیں، ان سے گلے مل کر تصویریں کھینچواتے ہیں! ان کو ووٹ ڈال کر ان کی حمایت کرتے ہیں!

بڑے تعجب کی بات ہے کہ شیعوں کے تقیہ، تبرّاء، تحریف قرآن، ماتم، متعہ، وغیرہ کا تو یہ مسلک پرست خوب پرچار کرتے ہیں اور اس پر انہیں کافر قرار دیتے ہیں۔ ان کے تکفیری نعروں سے تو دیواریں کالی نظر آتی ہیں۔ ان کی ایک ذیلی تنظیم کی سپاہ کا تو مشن ہی شیعوں کے خلاف ”جہاد“ ہے اور جن کی پہچان ہی ان کا یہ سلوگن بن گیا ہے کہ ”کافر کافر، شیعہ کار“۔ مگر افسوس کہ ”کافر“ قرار دیئے جانے والے ان شیعوں ہی کے ایک عقیدے ”ظہور مہدی“ کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ البتہ اس میں یہ فنکاری کی ہے کہ اس ”ظہور مہدی“ کے عقیدے میں بھی تفریق کر دی ہے یعنی شیعوں کے امام مہدی الگ اور سُنیوں کے امام مہدی الگ! شیعوں کی مخالفت کی وجہ سے شیعوں کے امام مہدی کا تو انکار کر دیا لیکن سُنیوں کے امام مہدی کو اپنے ایمان کا جزو بنالیا! جون ۱۹۹۴ء میں قومی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے اس تنظیم کے اُس وقت کے سربراہ نے اعلان کیا کہ

”امام مہدی کی شخصیت تمام اہل اسلام کے نزدیک قابل احترام ہے۔ بلاشبہ وہ قرب قیامت میں تشریف لائیں گے اور خدا کی زمین پر خدا کا نظام عملی طور پر نافذ کر کے دنیا کو امن و سکون کا گہوارہ بنا دیں گے۔ ان کا اسم گرامی ”محمد“ ان کے والد ماجد کا اسم گرامی ”عبداللہ“ اور والدہ کا اسم مبارک ”آمنہ“ ہوگا۔ ابھی وہ پیدا نہیں ہوئے۔ میں اس امام مہدی کا احترام اپنا جزو ایمان سمجھتا ہوں.....“ (1)

اسی تنظیم کے سرپرست نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی اور اس کے پہلے ہی صفحے پر لکھا:

”حضرت امام مہدی علیہ الرضوان کے ظہور اور دنیا میں ان کی آمد کے بارے میں مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے کہ قرب قیامت میں ان کی پیدائش ہوگی۔ وہ اپنے اور والدین کے نام میں آنحضرت ﷺ کے مشابہ ہوں گے۔ ان کا ظہور خانہ کعبہ میں حجر اسود اور مقام ابراہیمؑ کے درمیان ہوگا۔ حضرت امام مہدی علیہ الرضوان کے ظہور کی ساٹھ سے زائد علامات احادیث میں موجود ہیں۔ ان کے ظہور کے سات سال بعد عیسیٰؑ کا نزول ہوگا۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ بھی متفقہ اور اجماعی ہے۔“ (2)

(1) حضرت امام مہدی: صفحہ ۱

(2) حضرت امام مہدی: صفحہ ۱۵

مسلک پرستوں کے ان اقوال کی بدولت آج امت کسی مہدی کے ظہور کی منتظر ہے! کراچی میں نیٹی جیٹی* کے پل پر بھی ایک مجمع ان کا انتظار کرتا ہے، گویا وہ سمندر سے ظاہر ہونگے!! ۱۴ شعبان کی رات میں یہاں ایک اژدہا ہوتا ہے جو ”امام مہدی منتظر“ کے نام اپنی حاجتیں ایک پرچی پر لکھ کر آٹے میں دبا کر اس پل سے نیچے سمندر میں ڈال دیتے ہیں۔

ان کے اس باطل عقیدے کی وجہ سے اکثر و بیشتر دھوکہ باز لوگ خود کو مہدی ظاہر کر کے اپنا ایک حلقہ بنا لیتے ہیں اور لوگوں کا مال و ایمان لوٹتے ہیں۔ تاریخ میں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں جبکہ کسی جاہ پرست شخص نے حکومت حاصل کرنے کے لیے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے پیلوں کے ساتھ حکومت کے خلاف بغاوت کی۔ مغل بادشاہ اکبر کے زمانے میں مہدی ہونے کا دعویٰ کرنے والے محمد جو پوری کے معتقد آج بھی موجود ہیں جو ”مہدویہ رابطہ کمیٹی پاکستان“ کے نام سے سندھ کے علاقوں شہدادپور، حیدرآباد وغیرہ میں اپنی تحریک چلا رہے ہیں۔ ان کی ترقی یافتہ شکل بلوچستان کا ذکری فرقہ ہے۔ لا الہ الا اللہ مہدی رسول اللہ کا کلمہ پڑھنے والا یہ ذکری فرقہ جس کے عقائد و اعمال دین اسلام کے یکسر خلاف ہیں، اسی تصور مہدی کی پیداوار ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے سابق ذکری داعی عبدالحق بلوچ کی تصنیف ”ذکری مسئلہ“ مطبوعہ دارالحدیث، تربت، بلوچستان۔ مرزا غلام قادیانی نے بھی اسی باطل عقیدے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا جو ترقی کر کے پھر مسیح موعود اور پھر دعوائے نبوت میں تبدیل ہو گیا۔ آج بھی کراچی میں رنچھوڑ لائن کے علاقے میں بنوری ٹاؤن سے فارغ التحصیل مولوی عتیق الرحمن گیلانی نام کے ایک شخص نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہوا ہے (جس کی تشہیر و تبلیغ ”ضرب حق“ نامی اخبار کے ذریعے کی جاتی ہے)، اور گوہر شاہی صاحب کی گوہر افشانیوں سے کون واقف نہیں جو مہدی ہونے کا دعویٰ کر کے اگلی منزل کی طرف گامزن تھے۔ لیکن اپنے منصوبوں کی تکمیل سے پہلے ہی وہ بہت سی حسرتیں دل میں لے کر اس جہانِ ناپائیدار سے اپنے ”ابدی مقام“ کی طرف کوچ کر گئے اور ان کے اندھے عقیدت مند اب بھی ان ناتمام حسرتوں کی تکمیل میں مصروف عمل ہیں۔ ”وا حسرتا“

★ یہ اصل میں نے ٹو جیٹی (Native Jetty) ہے جو غلط العام سے نیٹی جیٹی بن گیا۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی اہمیت سے خالی نہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

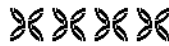
لَا تَقُومُوا السَّاعَةَ حَتَّى يَبْعَثَ دَجَالُونٌ كَذَّابُونَ قَرِيباً مِنْ ثَلَاثِينَ
كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ

”قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تیس کے قریب جھوٹے دجال نہ ظاہر ہو جائیں، ان میں سے ہر ایک یہی دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔“ (1)

اگرچہ مہدی ہونے کا دعویٰ نبوت کا دعویٰ تو نہیں، لیکن یہ اس کا پیش خیمہ ضرور ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا، مرزا غلام قادیانی نے نبوت کے دعوے سے پہلے مہدی ہونے کا ہی دعویٰ کیا تھا۔ مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمے میں ایسے ہی جھوٹے مدعیان سے متعلق نبی ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے کہ:

يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَالُونٌ كَذَّابُونَ يَأْتُونَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيثِ
بِمَالِكٍ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ فَآيَاكُمْ وَآيَاتُهُمْ لَا يُضِلُّونَكُمْ
وَلَا يَفْتِنُونَكُمْ

”آخری زمانے میں ایسے دجال اور جھوٹے پیدا ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی باتیں لائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے۔ تم ان سے بچ کر رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو گمراہ کر دیں اور فتنے میں ڈال دیں۔“ (2)



کتاب ہذا کے اس باب کے رد میں ملا تونسوی نے تو اپنے اکابرین کے دفاع کی کوئی سعی نہیں کی البتہ ملا مجیب نے بلا ضرورت صفحے کا لے کیے ہیں۔ ظہور مہدی کے شیعہ عقیدے کی تائید کرنے کے لیے انہوں نے ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کی روایات کو بنیاد بنایا ہے جن کے لیے مورخ ابن خلدون کا کہنا ہے کہ ساری کی ساری ضعیف اور متکلم فیہ ہیں۔ ملا موصوف

(1) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب المناقب، باب ۳۸۷ علامات النبوة فی الاسلام، صفحہ ۲۰۶

(2) مقدمہ صحیح مسلم: باب النہی عن الروایة عن الضعفاء والاحتیاط فی تحملها، صفحہ ۳۰

نے یہ حوالہ دینے پر راقم کی گرفت کی ہے کہ ”ترمذی محدث عظیم اور فن حدیث و علل و اسماء رجال کے ماہر و امام تھے“ اور علامہ ابن خلدون ان کے دامن گرفتہ تھے تو محض ان کے کہنے سے ترمذی کی روایات پر اعتراض کی کیا حقیقت ہے! قارئین! پیچھے دیکھا جاسکتا ہے کہ ترمذی کے تساہل پر اعتراض اور ان کی تحسین و تصحیح پر جرح ہم نے نہیں کی بلکہ حافظ ذہبی جیسے محدثین نے کی ہے۔ مگر موصوف نے اس کو درخور اعتنا نہیں سمجھا اور مہدی کی روایات کو متواتر قرار دے دیا اور اس کے لیے انہیں دلیل فراہم کرنے والے وہی سیوطی صاحب وغیرہ ہیں جن کی دین اسلام پر پہلے ہی بہت ”مہربانیاں“ ہیں۔ یہ البتہ ان لوگوں کی زیادتی ہے کہ ان مزمومہ ”متواتر“ روایات میں ترمذی کی تین، ابوداؤد کی نو اور ابن ماجہ کی سات روایات میں بخاری کی ایک اور مسلم کی وہ دور روایات بھی زبردستی شامل کر لیں جن میں نزول عیسیٰ ﷺ کے موقع پر آپ ﷺ کا مسلمانوں کے امیر کی اقتداء میں صلوة ادا کرنا بیان ہوا ہے۔ مذکورہ روایات میں مسلمانوں کے امیر کا ذکر ہے جسے سیوطی وغیرہ صاحبان نے ”امام مہدی“ بنادیا! بریلویوں، دیوبندیوں کی کتابیں پڑھ کر اندازہ ہوا کہ سیوطی، قاضی عیاض، علاء علی قاری وغیرہ جیسے لوگوں کو یہ ملکہ حاصل تھا کہ اپنے باطل استدلال کی تائید کے لیے روایات کا رُخ جدھر چاہتے موڑ لیتے اور پھر ان روایات سے جو چاہتے ثابت کر دکھاتے تھے! اسی وجہ سے ان لوگوں کی تصنیفات محدثین نے لائق استناد نہ سمجھیں۔ یہ بات سمجھ سے بالا ہے کہ ہر باطل موضوع کو ثابت کرنے والی روایات حدِ تواتر کو کس طرح پہنچ جاتی ہیں؟ اصول حدیث میں تو یہ پڑھایا جاتا ہے کہ اوثق راوی کے خلاف اگر کم ثقہ راوی کوئی روایت پیش کرے گا تو وہ روایت شاذ روایت کہلائے گی اور اگر ضعیف راوی ثقہ راوی کی مخالفت میں کوئی روایت لائے گا تو وہ منکر روایت کہلائے گی جو ضعیف روایات کی ہی قسمیں ہیں اور اوثق اور ثقہ راوی کی روایات کو بہر حال ترجیح حاصل ہوگی۔ مگر یہ لوگ بخاری و مسلم کی صحیح روایات پر تیسرے چوتھے طبقے کی روایات کو ترجیح دیتے ہیں! حد یہ ہے کہ مذکورہ روایات کے راویوں کو بخاری و مسلم کا راوی بتا کر ان روایات کو درست قرار دیتے ہیں۔ اگر ان روایات میں بخاری و مسلم کا کوئی راوی موجود ہو تو بھی یہ ان کے صحیح ہونے کی

دلیل نہیں کیونکہ ان میں دوسرے بہت سے ضعیف اور شیعہ راوی شامل ہیں اور ظہور مہدی ایک شیعہ عقیدہ ہے۔ ہمارے کتابچے ”ایمان خالص - قسط دوم“ میں ابن حجر کی اصول حدیث کی کتاب *مغیبة الفکر* (صفحہ ۷۳) سے امام بخاری کا یہ اصول نقل کیا گیا ہے کہ ایہ راوی جو حدیث میں اپنے فاسد عقیدے کی تائید میں روایت لائے تو اس کی یہ روایت رد کر دی جائے گی اور صحیح مذہب برقرار رکھا جائے گا۔

اب ترمذی، ابو داؤد اور ابن ماجہ کی مذکورہ روایتوں کی حیثیت دیکھیے :

ترمذی کی پہلی روایت جسے انہوں نے حسن صحیح کہا ہے، اس میں عاصم بن بہدلہ ہے جس کے لیے محمد بن سعد کہتے ہیں کہ ثقہ ہے مگر (روایت حدیث میں) بہت غلطیاں کرتا ہے۔ یہی روایت سنن ابی داؤد میں بھی ہے۔ ترمذی کی دوسری روایت میں بھی جسے انہوں نے پہلی کی طرح حسن صحیح کہا ہے، عاصم بن بہدلہ ہے اور یہ روایت بھی سنن ابو داؤد میں موجود ہے۔ ترمذی کی تیسری روایت جس کی انہوں نے تحسین کی ہے، اس میں زید العمی ہے جس کے لیے یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ضعیف ہے، علی بن مدینی بھی ضعیف کہتے ہیں، ابو داؤد کہتے ہیں کہ وہ کچھ بھی نہیں۔ اس روایت میں ابو الصدیق الناجی بھی ہے جس کے لیے محمد بن سعد کہتے ہیں کہ اس کی روایات میں کلام کیا جاتا ہے اور انہیں منکر ٹھہرایا جاتا ہے۔

سنن ابی داؤد کی مذکورہ روایات میں سے پہلی میں تو کسی مہدی کا کوئی تذکرہ نہیں، قریش سے خلفائے کا ہونا بیان ہوا ہے۔ دوسری روایت میں الاسود بن سعید الہمدانی ہے جسے ابن القطان نے مجہول الحال کہا ہے۔ تیسری روایت میں ابو بکر بن عیاش بن سالم ہے جسے احمد بن حنبل نے اکثر خطا کرنے والا، العجلی نے روایت میں بعض غلطیاں کرنے والا اور الساجی نے وہم کرنے والا بتایا ہے۔ اس کی دوسری سند میں عبید اللہ بن موسیٰ ہے جسے محمد بن سعد شیعہ بتاتے ہیں؛ فطر بن خلیفہ ہے جسے العجلی قدرے شیعہ بتاتے ہیں اور عاصم بن بدہلہ جسے محمد بن سعد کثیر الخطا کہتے ہیں۔ چوتھی روایت میں فطر بن خلیفہ شیعہ راوی ہے۔ پانچویں میں عبد اللہ بن جعفر الرقی ہے جس میں نسائی کے مطابق تغیر پیدا ہو گیا تھا اور ابن

حبان کے مطابق روایات میں اس کا اختلاط فحش تو نہ ہوتا لیکن اکثر مخالف ہوتا۔ اس میں علی بن نفیل بھی ہے جس کے لیے امام عقیلی کا کہنا تھا کہ مہدی سے متعلق اس کی مروی حدیث کی کوئی متابعت نہیں کرتا اور نہ ہی وہ روایات پہچانی جاتی ہیں۔ یہ روایت ابن ماجہ نے بھی نقل کی ہے۔ چھٹی روایت میں سہل بن تمام ہے جس کے لیے ابن حبان کا کہنا تھا کہ خطاء کرتا تھا؛ ابو زرہ رازی کہتے کہ کذاب تو نہ تھا لیکن وہی تھا۔ اس کی سند میں عمران بن داؤد القطان بھی ہے جس کے لیے بخاری کہتے کہ وہم کرتا ہے؛ ابو نضرہ منذر بن مالک بھی ہے جسے ابن حبان خاطی بتاتے تھے۔ ساتویں روایت میں معاذ بن ہشام ہے جس کے لیے یحییٰ بن معین کا کہنا تھا کہ وہ حجت نہیں ہے؛ ابن عدی کہتے کہ اکثر غلطی کرتا ہے۔ ہشام بن ابی عبد اللہ بھی ہے جسے امام الجلی قدری بتاتے تھے۔ صالح ابی الخلیل بھی ہے جس کے لیے ابن عبد البر کہتے کہ اس (کی روایت) کو حجت نہیں بنایا جائے گا۔ اس کے استاد راوی کے لیے ایک مبہم اسم ”صاحب“ استعمال ہوا جس کے بارے میں نہیں معلوم کہ کون تھا۔ اس کی دوسری سند میں البتہ عبد اللہ بن الحارث کا نام آیا ہے مگر اس میں پہلی سند کے خلاف مہدی کے قیام کی مدت سات کے بجائے نو سال بتائی گئی ہے۔ اس کی ایک اور سند میں عبد الصمد ہے جسے ابن قانع خاطی کہتے؛ ہمام ہے جسے محمد بن سعد اکثر غلطی کرنے والا کہتے؛ ابو العوام ہے جسے بخاری وہی بتلاتے۔ نویں روایت میں ہارون بن المغیرہ ہے جس کے لیے ابو داؤد کہتے کہ شیعوں میں سے ہے؛ ذہبی بھی کہتے اس میں شیعیت ہے، ابن حبان کہتے کہ اکثر خطاء کرتا ہے؛ سلیمانی بتاتے کہ فیہ نظر یعنی اس میں کچھ سقم نظر آتا ہے۔ عمرو بن ابی قیس ہے جس کے لیے ابو داؤد کہتے کہ اس کی حدیث میں خطاء پائی جاتی ہے؛ عثمان بن ابی شیبہ کہتے کہ حدیث کے معاملے میں تھوڑا وہم ہو جاتا تھا؛ ذہبی بھی اسے وہی بتاتے تھے۔ ابو اسحاق عمرو بن عبد اللہ ہے جسے ابن حبان مدلس بتاتے؛ مطرف بن طریف ہے جس کے لیے عثمان بن ابی شیبہ کہتے کہ ثابت نہیں ہے؛ ابو الحسن ہے جو مجہول ہے؛ ہلال بن عمرو ہے جسے ذہبی مجہول ٹھہراتے۔

ابن ماجہ کی سات روایات میں سے پہلی میں معاویہ بن ہشام ہے جس کے لیے الساجی بتاتے کہ وہم کرتا ہے؛ ابن حبان بتاتے کہ اکثر خطا کرتا ہے۔ یزید بن زیاد ہے جس کے لیے احمد بن حنبل کے نزدیک اس کی احادیث کی کوئی حیثیت نہیں؛ یحییٰ بن معین کہتے کہ قوی نہیں؛ ابو زرہ رازی کہتے کہ لین یعنی ڈھیلا آدمی ہے، اس کی حدیث لکھی جائے پر اسے حجت نہ بنایا جائے؛ ابو حاتم الرازی کہتے قوی نہیں ہے؛ ابن عدی کہتے کہ اس کی حدیث کو ضعیف بتا کر لکھا جائے۔ دوسری روایت میں محمد بن مروان الثقفی ہے جس احمد بن حنبل ضعیف کہتے؛ ابو زرہ رازی کہتے کہ وہ کچھ بھی نہیں؛ زید النعمی بھی ہے جس کے لیے یحییٰ بن معین کی جرح گزر چکی ہے کہ اسے ضعیف کہتے، علی بن مدینی بھی ضعیف کہتے اور ابو داؤد بے حیثیت قرار دیتے۔ اس کی سند میں ابو الصدیق الناجی بھی ہے جس کے لیے محمد بن سعد کی جرح اوپر گزر چکی ہے کہ اس کی مرویات میں کلام کیا جاتا اور آگے روایت کرنے سے انکار کر دیا جاتا۔ تیسری روایت میں عبد الرزاق ہے جسے ابن حبان خطا کاروں میں سے کہتے۔ چوتھی روایت میں یاسین بن شیمان ہے جس کے لیے بخاری کہتے کہ فیہ نظر یعنی اس میں کچھ سقم نظر آتا ہے؛ ذہبی اس کو ضعیف بتاتے تھے۔ پانچویں روایت وہی علی بن نفیل والی ہے جسے ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے اور اس کی جرح اوپر گزر چکی ہے۔ چھٹی روایت میں ہدیہ بن عبد الوہاب ہے جسے ابن حبان اکثر غلطی کرنے والا بتاتے؛ سعد بن عبد الحمید ہے جس کے لیے ابن حبان کا کہنا تھا کہ منکر روایات بیان کرتا ہے؛ علی بن زیاد الیمامی ہے جسے بخاری منکر الحدیث اور بے حیثیت بتاتے جبکہ عقیلی اس کی تضعیف کرتے؛ عکرمہ بن عمار ہے جسے ابو حاتم الرازی اپنی حدیث میں اکثر وہم کرنے والا بتاتے۔ ساتویں روایت میں حرمہ بن یحییٰ المصری ہے جس کے لیے ابو حاتم الرازی کا کہنا تھا کہ اس کو حجت نہ بنایا جائے۔ عبد اللہ بن لہیعہ بن عقبہ ہے جس کی حدیث کو احمد بن حنبل حجت نہیں کہتے تھے؛ یحییٰ بن معین اس کی ساری حدیثوں کو بے حیثیت بتاتے تھے؛ عمرو بن الفلاس ضعیف الحدیث قرار دیتے اور بتاتے کہ میں نے اس کی مرویات کی کتابوں کو جلا دیا۔ ابو زرہ عمرو بن جابر الحضرمی ہے جسے ابن البرقی اس کی شیعیت کے سبب ضعیف قرار دیتے؛ احمد بن

حنبل کہتے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے، جابر سے منکر روایات نقل کرتا ہے؛ جو زبانی کہتے کہ یہ جہالت و حماقت کی وجہ سے غیر ثقہ ہے؛ نسائی بھی اسے ثقہ نہیں ٹھہراتے۔

اتنی کثیر جروح کی روشنی میں قارئین کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ابن خلدون نے غلط نہیں کہا کہ مہدی کی روایتیں مجروح، متکلم فیہ اور ناقابل قبول ہیں؛ اور اس کی تحقیق پر اعتماد کر کے ہم نے بھی کوئی غلطی نہیں کی۔ سطور بالا کی رو سے ہمارا موقف ہے کہ ظہور مہدی کا عقیدہ شیعوں کا عقیدہ ہے اور قرآن و صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ ملائجیب نے ہم پر اعتراض کیا ہے کہ اس عقیدے کو خلاف قرآن و حدیث قرار دیتے ہوئے ہم نے کسی آیت اور حدیث کا حوالہ نہیں دیا۔ ہم نے اس باب کے شروع میں عرض کر دیا تھا کہ یہ عقیدہ نزول عیسیٰ ﷺ کے متوازی قائم کیا گیا ہے اس لیے نزول عیسیٰ ﷺ سے متعلق سورۃ النساء کی آیت ۱۵۹ اور سورۃ الزخرف کی آیت ۶۱ کے خلاف ہے اور ان متعدد احادیث صحیحہ کے خلاف ہے جن میں قرب قیامت نزول عیسیٰ ﷺ کا بیان آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلک پرستی سے بچنے اور قرآن و حدیث کی پیروی کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

مخصوص مسلک کی پیروی

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہی اصل دین ہے اور اس سے انحراف بے دینی ہے۔ قرآن و حدیث کے مقابلے میں مسلکی تحفظات اور شخصیات کے وقار کا تحفظ و دفاع قرآن و حدیث کا انکار اور مسلک پرستی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زندگی کو رہتی دنیا تک کے لوگوں کے لیے بہترین نمونہ بنایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: ۲۱)
 ”بیشک تمہارے لیے رسول اللہ (کی زندگی) میں بہترین مثال ہے“

اور اس پر چلنے کی بار بار تاکید کی :

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر: ۷)
 ”اور جو چیز تم کو رسول دیں وہ لے لو، اور جس سے وہ منع کریں (اس سے) باز رہو۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ (النساء: ۵۹، وغیرہ)
 ”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا
 أَعْمَالَكُمْ (محمد: ۳۳)

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔“

رسول ﷺ کی اطاعت و اتباع دراصل اللہ کی مغفرت، رحمت اور محبت کا ذریعہ ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ
 ذُنُوبَكُمْ ط (آل عمران: ۳۱)

”(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا“

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا
(النساء: ۶۹)

”اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے بڑا فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہداء اور صالحین، اور ان کا ساتھ بہت ہی اچھا ہے“

اور رسالت کا مقصد ہی اطاعت بتایا :

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ط (النساء: ۶۴)

”اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے فرمان کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے“

اور اطاعت رسول تو اصل میں شرط ایمان ہے جس کے بغیر ایمان ہی نہیں :

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○ (الأنفال: ۱)

”اگر ایمان رکھتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو“

اور جس نے بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، اس نے کامیابی پائی :

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ○ (الاحزاب: ۷)

”اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو بے شک وہ بڑی کامیابی حاصل کرے گا“

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ط وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○ (النساء: ۱۳)

”اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، اللہ اس کو (ایسی) جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بڑی کامیابی ہے“

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ (النور: ۵۲)

”اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اور اللہ سے ڈرے گا اور اس کی

نافرمانی سے بچے گا تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔“

اطاعت رسول ﷺ جہاں رحمت، مغفرت، ایمانیت اور فوز و فلاح کا ذریعہ ہے وہیں اس سے روگردانی اللہ کے غضب اور بڑے خسران کا سبب بھی ہے:

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ (آل عمران: ۳۲)
 ”(اے نبی!) آپ (ان لوگوں سے) کھد بیجیے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ نہ مانیں تو اللہ بھی کافروں کو پسند نہیں کرتا“

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا ۚ
 وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ○ (النساء: ۱۳)

”اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے نکل جائے گا، اللہ اس کو جہنم میں ڈالے گا، جہاں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کو ذلت کا عذاب ہوگا“

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ○ (الاحزاب: ۳۶)
 ”اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے، تو وہ صریح گمراہ ہو گیا“

وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا ○ (الفتح: ۱۷)

”اور جو روگردانی کرے گا، (تو) وہ (اللہ) اسے دردناک سزا دے گا“

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا (الحج: ۲۳)
 ”اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو ایسوں کے لیے جہنم کی آگ ہے، ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے“

اطاعت رسول بھی اللہ ہی کا حکم ہے، اس لیے جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی تو اس نے دراصل اللہ کا حکم مانا:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۚ (النساء: ۸۰)

”جس شخص نے رسول کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی“

حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا ﷺ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ عَصَى مُحَمَّدًا ﷺ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ

”پس جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی تو اس نے اللہ کی نافرمانی کی“ (۱)

اور یہ صرف اس لیے کہ:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ (النجم: ۳، ۴)

”وہ (رسول) اپنے جی سے کوئی بات نہیں کہتے، یہ تو وحی ہوتی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے“

نبی ﷺ کے طریقے سے چمٹے رہنا ہدایت یافتہ ہونے کی ضمانت ہے جو خود نبی ﷺ نے ان الفاظ میں دی ہے:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُم بِهِمَا: كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّتَ رَسُولِهِ
”میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک ان سے چمٹے رہو گے ہر گز گمراہ نہ ہو گے:

(وہ ہیں) اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔“ (۲)

سورۃ المائدہ آیت ۴ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی تکمیل فرمادی ہے اور حبیب اکرم ﷺ نے درج ذیل حدیث میں دی:

إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنْ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ
كِتَابَ اللَّهِ وَأَنْتُمْ مَسْئُولُونَ عَنِّي فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ قَالُوا نَشْهَدُ
إِنَّكَ قَدْ بَلَغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ

”میں تم میں وہ چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر اس کو پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ ہے اللہ کی کتاب؛ اور تم سے میرے متعلق سوال کیا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ صحابہ نے کہا کہ ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے بیشک پیغام پہنچادیا اور اسے ادا کر دیا اور نصیحت کر دی۔“ (۳)

(۱) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الاعتصام، باب ۱۲۰۹ الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ، صفحہ ۹۱۸

(۲) مؤطا امام مالک: کتاب الجامع، باب النهی عن القول فی القدر، صفحہ ۶۲

(۳) سنن ابن ماجہ: جلد ۲، کتاب المناسک، باب ۸۴ حجة رسول اللہ ﷺ، صفحات ۶۶۳-۶۶۸/

سنن ابی داؤد: جلد ۲، کتاب المناسک، باب ۳۸، صفة حجة النبی ﷺ، صفحہ ۷۷-۷۸

اس تمہید کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ نبی ﷺ کے ہر فرمان پر عمل کرنا لازم ہے۔ ان سے ثابت ہر فعل (سوائے معجزات و مستثنیات کے جو نبوت کا خاصہ تھے) واجب العمل ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو لازم کر لینا اور باقی کو ترک کر دینا اطاعت رسول ﷺ ہر گز نہیں بلکہ نافرمانی ہے۔ چنانچہ خود کو اہل سنت کہلانے والے لوگ اسی نافرمانی کے مرتکب نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اپنا ایک مسلک بنالیا ہے جسے وہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت دیتے ہوئے ”حنفی مسلک“ کہتے ہیں حالانکہ امام موصوف کے یہ عقائد و اعمال نہ تھے جن کے حامل یہ لوگ ہیں، اور نہ ہی انہوں نے کوئی الگ مسلک تشکیل دیا، یہ تو ان کے بعد کے مقلدین کی اختراع ہے۔ چنانچہ رکوع سے پہلے اور بعد میں رفع الیدین (یعنی دونوں ہاتھوں کو کاندھوں تک اٹھانا) ^(۱) اور عدم رفع (یعنی نہ اٹھانا) ^(۲) دونوں عمل صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ لیکن مسلک پرستوں نے کسی ایک طریقے کو لازم کرتے ہوئے دوسرے کا انکار کر دیا ہے۔ نبی ﷺ نے تراویح کو تطوع یعنی نفل ہی رکھا اور ترک نفل پر کوئی مواخذہ نہیں البتہ اجر سے محرومی رہتی ہے۔ لیکن انہوں اسے سنت مؤکدہ قرار دیا اور اس کے تارک کو گناہ گار اور شفاعت نبوی سے محروم ٹھہرا دیا۔ اس تراویح میں نبی ﷺ سے آٹھ، دس، بارہ اور بلاتعین اس سے بھی زیادہ رکعات پڑھنا ثابت ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیس یا زیادہ رکعات پر بھی تعامل تھا۔ ^(۳) چاہیے تو یہ تھا کہ سنت کی پیروی کی جاتی اور کسی ایک طریقے کو ہی لازم قرار نہ دیا جاتا، مگر انہوں نے ایک تعداد مقرر کر لی ہے اور باقی کو خلاف سنت قرار دے کر صحیح

(۱) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب ۴، رفع الیدین اذا کبر و اذا رکع و اذا رفع، صفحہ ۳۷۰

صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب الصلوٰۃ، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین، صفحہ ۷۷

(۲) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب ۵۳۵ سنة الجلوس فی التشہد، صفحہ ۴۰۲

جامع ترمذی: جلد ۱، ابواب الصلوٰۃ، باب رفع الیدین عند الركوع، صفحہ ۱۳۶/ سنن ابی ابوداؤد:

جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب ۲۶۹ من لم یذكر الرفع عند الركوع، صفحہ ۲۹۸/ سنن نسائی: جلد ۱،

کتاب الافتتاح، باب ۶۱۹ ترک ذلک، صفحہ ۳۴۳

(۳) مشکوٰۃ: جلد ۱، ابواب قیام شہر رمضان، صفحہ ۲۷۷/ مؤطا امام مالک: کتاب الصلوٰۃ، باب

قیام رمضان، صفحہ ۱۰۰

احادیث کا انکار کر دیا ہے۔ یہ لوگ روزانہ کی سنت مؤکدہ کی بارہ رکعتیں ہی لازم سمجھتے ہیں حالانکہ دس رکعتیں بھی نبی ﷺ سے ثابت ہیں۔ (1) صلوٰۃ الوتر ایک مخصوص انداز ہی میں مغرب کے فرضوں کی طرح تین رکعتیں دو قعدوں اور ایک سلام کے ساتھ اور دعائے قنوت کے لیے تکبیر کہہ کر ہاتھوں کو کانوں کی لُٹ سے لگا کر ادا کرتے ہیں۔ اور اس میں بھی اس دعا کے خلاف جو نبی ﷺ نے حسن (رضی اللہ عنہ) کو سکھائی تھی (2) ایک دوسری ہی دعا پڑھتے ہیں جو صحاح ستہ کی کسی صحیح روایت میں نہیں ملتی۔ ایک وتر پڑھنا جائز سمجھتے ہیں (3) جبکہ بخاری و مسلم و دیگر کتب صحاح کی کتاب الوتر میں وتر کی ایک ہی رکعت ثابت ہے۔ (4) دیگر احادیث میں ایک سلام سے ۳، ۵، ۷ اور ۹ وتروں کا بھی ذکر ملتا ہے لیکن ان سب میں وتر کی ایک ہی رکعت ہوتی ہے باقی نوافل ہوتے ہیں کیونکہ وتر کے معنی ہی ایک ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اللہ ”وتر“ ہے اور ”وتر“ کو پسند کرتا ہے۔ (5) سجدہ سہو کے لیے احادیث میں دو طریقے آئے ہیں: پہلا طریقہ یہ ہے کہ اگر غلطی سلام پھیرنے سے پہلے یاد آجائے یا سبحان اللہ کہہ کر مقتدیوں کی طرف سے یاد دلا دی جائے تو صلوٰۃ مکمل ادا کرنے کے بعد سلام سے پہلے دو سجدے سہو کے کیے جائیں اور ان کے بعد کچھ نہ پڑھا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ کہ اگر غلطی سلام پھیرنے کے بعد یاد آئے یا یاد دلا دی جائے تو بغیر صلوٰۃ دہرائے بیٹھے بیٹھے ہی دو سجدے سہو کے کر لیے جائیں اور سلام نہ پھیرا جائے۔ (6) (مسلم کی ایک روایت میں سلام پھیرنے

(1) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب التہجد، باب ۴۳، التطوع بعد المكتوبة، باب ۴۸، صفحہ ۵۲۱،

باب ۴۸، الركعتين قبل الظهر، صفحہ ۵۲۳

(2) سنن ابی داؤد: جلد ۱، باب ۴۹۵، قنوت فی الوتر، صفحہ ۵۳۲

(3) یوسف لدھیانوی صاحب کار و زمانہ جنگ کراچی میں کالم مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۹۹۲ء

(4) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الوتر، باب ۶۲، ما جاء فی الوتر و باب ۶۲، ساعات الوتر، صفحہ

۴۶۲/صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب صلوٰۃ المسافرين، باب صلوٰۃ اللیل و عدد رکعات النبی

ﷺ فی اللیل و ان الوتر رکعة و ان الركعة صلاة صحيحة، صفحہ ۲۵۱

(5) ابوداؤد، ترمذی و نسائی، بحوالہ مشکوٰۃ، جلد ۱، باب الوتر، صفحہ ۲۶۹

(6) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب التہجد، باب ۵۷، یتفکر الرجل الشیء فی الصلوٰۃ، صفحہ ۵۳۸

تا باب ۸۲، السهو فی الفرض و التطوع، صفحہ ۵۴۲/صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب المساجد،

باب السهو فی الصلوٰۃ و السجود له، صفحہ ۱۳۱

کا بھی ذکر ہے اور زیادہ روایتوں میں صرف دو سجدوں ہی کا ذکر ہے) صحیحین کی قوی روایت کی روش سے یہ دونوں طریقے ہی زیادہ رائج ہیں، مگر مسلک پرستوں نے یہ طریقہ رائج کر لیا ہے کہ التحیات پڑھنے کے بعد ایک طرف سلام پھیر کر دو سجدے کیے جائیں، پھر التحیات پڑھیں اور دعاؤں کے بعد دونوں طرف سلام پھیر جائے۔ راقم نے ان صحیح احادیث کی صریح خلاف ورزی دیوبندیوں کے مدرسہ الجامعۃ الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن میں دیکھی جسے یوسف بنوری نے قائم کیا تھا اور جو کراچی میں ان کا دوسرے نمبر کا سب سے بڑا مدرسہ ہے۔ اس میں ظہر کی نماز پڑھاتے ہوئے مسجد کے امام رشید الحسن صاحب پہلے قعدے میں بیٹھنے کے بجائے کھڑے ہو گئے، پیچھے پڑھنے والے سینکڑوں علماء میں سے کسی نے بھی سبحان اللہ کہہ کر امام کو غلطی پر متنبہ کرنے والی حدیث پر عمل نہیں کیا، نہ اس وقت نہ سلام پھیرتے وقت۔ امام نے جب سلام پھیر دیا تو پھر مؤذن نے بتایا کہ پہلا قعدہ چھوٹ گیا۔ امام صاحب نے سجدہ سہو کر کے سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے کی بجائے دوبارہ چاروں رکعتیں پڑھائیں!

یہ بات قابل غور ہے کہ ان مسلک پرستوں کو صحیح احادیث سے کیسی چڑ ہے کہ ان کے بیشتر افعال صحیح احادیث یعنی سنت نبوی کے خلاف ہی ملیں گے! ظہر، مغرب، عشاء کی صلوٰۃ کے بعد دو نوافل بھی پڑھے جاتے ہیں، اگرچہ ممنوعہ اوقات کے علاوہ جس وقت جتنے چاہیں نوافل ادا کیے جائیں، مگر انہوں نے وقت اور تعداد مقرر کر دی ہے۔ جمعہ کے روز دو اذانیں دیتے ہیں جبکہ عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں دوسری اذان صرف بازار میں لوگوں کو مطلع کرنے کے لیے دی جاتی تھی۔^(۱) خطبے کی اذان کا جواب دینا ممنوع سمجھتے ہیں جبکہ صحابہ رضی اللہ عنہم خود اس اذان کا جواب دیتے تھے اور بتاتے تھے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو ایسا ہی کرتے ہوئے دیکھا۔^(۲) دوران خطبہ نوافل ادا کرنے سے منع کرتے ہیں جبکہ نبی ﷺ کا حکم ہے کہ جو جمعہ کے لیے آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو بھی دو رکعتیں مختصر سی پڑھ لے،^(۳)

(۱) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الجمعة، باب ۵۷۹، التاذهین عند الخطبة، صفحہ ۴۳۲

(۲) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الجمعة، باب ۵۷۷، یحییٰ الامام علی المنبر اذا سمع النداء، صفحہ ۴۳۱

(۳) صحیح مسلم: کتاب الجمعة، صفحہ ۳۲۸

اور سلک غطفانی رحمۃ اللہ علیہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ روک کر دوران خطبہ دور کعتیں پڑھنے کا حکم دیا۔^(۱) انہوں نے جمعہ کی چودہ اور دن بھر کی نمازوں کی اڑتالیس رکعتیں مقرر کر دی ہیں جن کا احادیث صحاح میں کہیں ذکر نہیں۔ اقامت کے لیے لازمی دو دو الفاظ ادا کرتے ہیں جو صحیح اور قوی حدیث کے خلاف ہے۔^(۲) صلوٰۃ العیدین میں زائد تکبیریں چھ ہی کہتے ہیں جبکہ بارہ بھی مروی ہیں۔^(۳) اگرچہ دونوں کی روایات سنداً ضعیف ہیں لیکن مسلسل تعامل کی وجہ سے دونوں پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ باجماعت صلوٰۃ میں سورۃ الفاتحہ کی قرأت کے اختتام پر زور سے آمین کہنے کو برا جانتے ہیں، جبکہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم جہر یعنی زور سے کہنے کا ہی ہے۔^(۴) ہر صلوٰۃ کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی و انفرادی دعا کرتے ہیں حالانکہ کسی ایک صحیح روایت سے بھی ثابت نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی صلوٰۃ کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوں۔ صلوٰۃ الاستسقاء میں بھی پہلے دعا کی بعد میں صلوٰۃ ادا کی۔^(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب جمعہ کو قیام اللیل کے لیے مخصوص کرنے سے منع فرمایا ہے۔^(۶) لیکن لاکھوں مسلک پرست اپنے اپنے مراکز میں کھانے بستر کے ساتھ بڑے اہتمام سے قیام کرتے ہیں اور اسے بہت فضیلت کی بات سمجھتے ہیں۔ بعض تو شب قدر سے اس کا موازنہ کرتے ہیں چنانچہ ہمارے ساتھیوں نے خود اپنے کانوں سے کراچی میں تبلیغی جماعت کے مرکز ”مدنی مسجد“ میں سنا کہ شب جمعہ کے اجتماع میں تقریر سننے کے لیے مجمع کو اکٹھا کرنے والے صاحب فرمانے لگے:

”آج کی رات بہت مبارک ہے، بعض حضرات کو شبہ ہے کہ شب قدر افضل ہے یا شب جمعہ۔“

مزید برآں اس شب کو اپنے تبلیغی مرکز میں کھانے بستر کے ساتھ قیام کرنے اور مسلک پرستانہ بیانات سننے کو یہ لوگ ”خروج فی سبیل اللہ“ (یعنی اللہ کے راستے میں نکلنا) کہتے ہیں جس

(۱) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الجمعة، باب ۵۸۶ اذا رآه الامام و باب ۵۸۷ من جاء والامام یخطب، صفحہ ۴۳۸

(۲) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الاذان، باب ۳۹۲ الاذان مشنی مشنی، صفحہ ۳۲۶

(۳) جامع ترمذی: جلد ۱، ابواب العیدین، باب تکبیر فی العیدین، صفحہ ۲۲۴

(۴) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الاذان، باب ۵۰۳ جہر الماموم بالتامین، صفحہ ۳۸۵ وغیرہ

(۵) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الاستسقاء، باب ۶۵۵ رفع الامام یدہ فی الاستسقاء، صفحہ ۴۷۵

(۶) صحیح مسلم: جلد ۳، کتاب الصوم، باب کراهۃ افراد یوم الجمعة بصوم لایوافق عاداتہا، صفحہ ۱۳۹

کی ترغیب قرآن کی انہی آیات کے ذریعے دیتے ہوئے جن میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی فضیلت، حکم اور اجر کا بیان ہے، ان کے کارکن یہ بات عام کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ شبِ جمعہ تولیۃ القدر سے بھی افضل ہے اور اس کا قیام شبِ قدر میں جاگنے سے بھی افضل ہے کیونکہ یہ اللہ کے راستے میں نکل کر کیا جاتا ہے!

یہ ان بہت سے اعمال میں سے چند ہیں جن سے ان کی قرآن و حدیث سے ہٹ کر ایک خود ساختہ مسلک کی پیروی کا ثبوت ملتا ہے اور ان سے بہت سی صحیح احادیث کا عملاً انکار ہوتا ہے، اور ایک طرح سے قرآن کا ہی انکار ہو جاتا ہے کیونکہ حدیث رسول کا انکار قرآن کا انکار ہے۔

دیوبندی مسلک کی ایک مقتدرہ شخصیت ”حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی“ صاحب نے اپنی کتاب ”نشر الطیب“ (صفحہ ۱۲۱) میں نبی ﷺ کے سرمہ لگانے سے متعلق دونوں آنکھوں میں تین تین اور دائیں میں تین اور بائیں میں دو سلاخیوں والی دو مختلف روایتوں میں یہ تطبیق کی ہے کہ دونوں طرح سے عادت تھی یعنی کبھی دونوں آنکھوں میں تین تین سلاخیاں اور کبھی دائیں میں تین اور بائیں میں دو۔ یعنی ہر دو طریق پر عمل کی ترغیب دی ہے۔ دوسرے متعدد موضوعات پر مروی بالکل مختلف روایات میں بھی اسی طریقے سے تطبیق فرمائی ہے۔ اسی مسلک کی ایک دوسری معتبر شخصیت جس کو یہ لوگ ”شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلوی“ کہتے ہیں، ان موصوف نے بھی شاکل ترمذی کی شرح میں متعدد عنوانات کے تحت مروی بکثرت متعارض اور مختلف فیہ روایات میں اسی انداز سے جمع و تطبیق کی ہے۔ مسکنی لٹریچر کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مختلف فیہ روایات میں جمع و تطبیق کا یہ انداز ان لوگوں میں عام ہے۔ تو کیا اوپر بیان کردہ مثالوں میں بھی یہی تطابقی انداز نہیں اپنایا جاسکتا تھا کہ کبھی ایک حدیث پر عمل کر لیا جاتا اور کبھی دوسری پر؟ یہاں پر صرف ایک ہی طریقہ [اور وہ بھی غیر مستند یا کمزور] اختیار کر کے ایک مخصوص مسلک کیوں تشکیل دیا گیا؟ جب ان اعمال میں ہر طریقے پر عمل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے تو پھر مذکورہ صدر مختلف فیہ امور میں کیوں ایک ہی طریقے پر اصرار کیا جاتا ہے؟

یہاں اتباع سنت کا کیوں خیال نہیں رکھا جاتا؟ یہاں اصول تطبیق کیوں کارآمد نہیں؟ یہاں پھر کیوں غیر مستند اور کمزور اعمال پر اڑتے اور ایسا کرنے کو افضل گردانتے ہیں؟

تبلیغ والوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہم جو فقہ حنفی کی تقلید کر رہے ہیں تو مسائل کے استخراج و استنباط میں اگر امام ابو حنیفہ سے کوئی غلطی ہوئی تو ان کی یہ اجتہادی غلطی قابل معافی ہوگی اور ہمارا بھی کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ یعنی اس طرح ان کی تقلید کی بنیاد شک پر ہے، اور انہیں اس کے سو فیصد درست ہونے کا بھی یقین نہیں! مسلک پرستی میں آگے بڑھ کر یہ بھی کہنے لگتے ہیں کہ

”ہر وہ آیت جو اس طریقے کے مخالف ہو جس پر ہمارے اصحاب ہیں وہ یا تاویل ہے یا منسوخ ہے اور اسی طرح جو حدیث اس قسم کی ہو وہ تاویل ہے یا منسوخ۔“ (۱)

یعنی آیت یا حدیث اگر اپنے مسلک کے مطابق ہے تب تو وہ سر آنکھوں پر، لیکن اگر وہ اپنے مسلک کے مخالف ہو تو کوشش کریں گے کہ اس کی تاویل کر کے اس کو اپنے مسلک کے مطابق بنالیں اور اگر اس کی کوئی ایسی تاویل ممکن نہ ہو سکی تو کہیں گے کہ وہ آیت یا حدیث منسوخ ہے۔ گویا آیت یا حدیث کا چھوڑنا گوارا ہے مگر اپنا مسلک چھوڑنا گوارا نہیں! یا اسفیٰ

۵۔ خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

مغل بادشاہ اکبر کے ہم عصر احمد سرہندی صاحب جنہیں دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث سبھی ”مجدد الف ثانی“ کہتے ہوئے ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں، ان کے ایک مکتوب میں اس طرح سے مسلک پرستی کے جذبات کا اظہار کیا گیا ہے:

”اشارہ سبب کے جواز کے بارہ میں احادیث نبی ﷺ بہت وارد ہیں۔ اور فقہ حنفی کی بعض روایات بھی اس بارہ میں آئی ہیں جیسے کہ مولانا نے رسالہ میں لکھی ہیں۔ اور جب فقہ حنفی کی کتابوں میں اچھی طرح ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ سبب کے جواز کی روایتیں اصول کی روایتوں اور ظاہر مذہب کے برخلاف ہیں۔

(۱) تاریخ فقہ اسلامی: مترجمہ عبدالسلام ندوی، صفحہ ۳۴۶/ مترجمہ حبیب احمد ہاشمی، صفحہ ۳۸۰

اور یہ جو امام محمد شیبانی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ اشارہ کرتے تھے، اس واسطے ہم بھی اشارہ کرتے ہیں۔ اور ہم کہتے ہیں جس طرح کہ نبی ﷺ رکھا کرتے تھے۔ پھر اس نے کہا ہے کہ یہ میرا اور ابو حنیفہ کا قول ہے۔ امام محمد شیبانی کا یہ قول روایات نو اور سے ہے نہ روایات اصول سے۔ جیسے کہ فتاویٰ غرائب میں ہے.....

جب روایات معتبرہ میں اشارہ کی حرمت واقع ہوئی ہو اور اس کی کراہت پر فتویٰ دیا ہو اور اشارہ وعقد سے منع کرتے ہوں اور اس کو اصحاب کا ظاہر اصول کہتے ہوں، تو پھر ہم مقلدوں کو مناسب نہیں کہ احادیث کے موافق عمل کر کے اشارہ کرنے کی جرأت کریں.....

اور یہ جو ترغیب الصلوٰۃ میں کہا ہے کہ تشہد میں انگشت شہادت اٹھانا علماء متقدم کی سنت ہے، لیکن علماء متاخرین نے منع کیا ہے، اس واسطے کہ جب رافضیوں نے اس میں مبالغہ کیا تو سنیوں نے ترک کر دیا۔ سنی سے رافضی کی تہمت کا دور کرنا روایات معتبرہ کے مخالف ہے کیونکہ ہمارے اصحاب کا ظاہر اصول عدم اشارہ اور عدم مقدم ہے۔ پس عدم اشارہ علماء ماتقدم کی سنت ہے اور ترک کی وجہ تہمت کی نفی کا باعث نہیں ہے۔“ (1)

مفتی شفیع عثمانی صاحب کے صاحبزادے، میزان بنک کے صدر، مفتی تقی عثمانی صاحب نے تقلید کی ضرورت پر ایک مستقل کتاب ہی تصنیف فرمادی ہے جس میں لکھتے ہیں کہ

”اگر اتفاقاً کوئی حدیث ایسی نظر آجائے جو بظاہر اس امام مجتہد کے مسلک کے خلاف معلوم ہوتی ہو تب بھی اس کا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے امام مجتہد کے مسلک پر عمل کرے اور حدیث کے بارے میں یہ اعتقاد رکھے کہ اس کا صحیح مطلب میں نہیں سمجھ سکا یا یہ کہ امام مجتہد کے پاس اس کے معارض کوئی قوی دلیل ہوگی۔“ (2)

اسی سے آگے موصوف فرماتے ہیں کہ اپنے امام کے مسلک سے چمٹے رہنے اور مخالف حدیث کی تاویل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ

”اگر ایسے مقلد کو یہ اختیار دیدیا جائے کہ وہ کوئی حدیث اپنے امام کے مسلک کے خلاف پاکر امام کے مسلک کو چھوڑ سکتا ہے، تو اس کا نتیجہ شدید افراط فری اور سنگین گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔“

(1) مکتوبات امام ربانی: جلد ۱، مکتوب نمبر ۳۱۲، صفحہ ۷۷

(2) تقلید کی شرعی حیثیت: صفحہ ۸۷

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ تو اپنے رسول کے طریقے کو انسانیت کے لیے بہترین اسوہ قرار دے، اس کی اطاعت کی تاکید فرمائے، آپ ﷺ سے جو کچھ ملے اس کو اختیار کرنے کا حکم دے..... لیکن یہ مفتی ابن مفتی ایسا کرنے کو ”شدید افراتفری اور سنگین گمراہی“ ٹھہرائیں! موصوف نے اپنے تقلیدی موقف کی حمایت میں شاہ ولی اللہ کی کتاب ”حجۃ اللہ البالغہ“ سے ایک اقتباس اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۱۲۸ پر نقل کیا ہے۔ کاش وہ اس اقتباس سے متصل درج ذیل الفاظ بھی نقل کر دیتے جو ان کی مندرجہ بالا تحریر کی بالکل صحیح ترجمانی کرتے ہیں:

”نہایت تعجب کی بات ہے کہ فقہائے مقلدین میں سے بعض کو اپنے امام کا ضعف ماخذ ہو جایا کرتا ہے۔ اس کے ضعف کو کوئی چیز دفع نہیں کرتی۔ اس پر بھی وہ اس امام کی تقلید ہی کیے جاتا ہے اور جس شخص کے مذہب پر قرآن و حدیث اور صحیح قیاسات کی شہادت ملتی ہے اس کو بالکل ترک کر دیتا ہے۔ اس کو انہی امام کے مذہب سے وابستگی رہتی ہے بلکہ ایسے ایسے حیلے کرتا ہے جن سے ظاہر قرآن و حدیث کو دفع کر دے اور بعید و باطل تاویلیں ان میں گڑھتارے تاکہ اپنے مقتدا کی حمایت کرے۔“ (1)

یہی شاہ صاحب نقل کرتے ہیں کہ

سُئِلَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ إِذَا قُلْتُ قَوْلًا وَكِتَابُ اللَّهِ يُخَالِفُهُ قَالَ اتْرُكُوا قَوْلِي بِكِتَابِ اللَّهِ فَيَقِيلُ إِذَا كَانَ خَبَرُ الرَّسُولِ ﷺ يُخَالِفُهُ قَالَ اتْرُكُوا قَوْلِي بِخَبَرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَيَقِيلُ إِذَا كَانَ قَوْلُ الصَّحَابَةِ يُخَالِفُهُ قَالَ اتْرُكُوا قَوْلِي بِقَوْلِ الصَّحَابَةِ

”ابو حنیفہؒ سے سوال کیا گیا، جب آپ کا قول کتاب اللہ کے مخالف ہو فرمایا میرا قول کتاب اللہ کے بالمقابل چھوڑ دو۔ سوال ہوا، جب آپ کا قول حدیث رسول صلعم کے مخالف ہو فرمایا میرا قول حدیث کے بالمقابل چھوڑ دو۔ سوال ہوا، جب آپ کا قول اقوال صحابہؓ کے مخالف ہو فرمایا اقوال صحابہ کے بالمقابل میرا قول چھوڑ دو۔“ (2)

(1) حجۃ اللہ البالغہ: باب ۸۵ کی فصل، صفحہ ۲۲۹ نیز عقد الجید: صفحات ۶۳، ۶۴

(2) عقد الجید: صفحات ۹۴، ۹۵

لیکن انہی شاہ صاحب کا دم بھرنے والے اور اس فرمان عالی شان کو ارشاد فرمان والے امام ابو حنیفہ کے مقلدوں کا یہ حال ہے کہ کسی صورت اپنے امام کے قول کو نہیں چھوڑتے اور حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں! ملاحظہ فرمائیے مسلک پرستوں کا یہ حیلہ:

”حدیث کا ضعیف ہو جانا غیر مقلدوں کے لئے قیامت ہے کیونکہ ان کے مذہب کا دار و مدار ان روایتوں پر ہی ہے۔ روایت ضعیف ہوئی تو ان کا مسئلہ بھی فنا ہوا۔ مگر حنیفوں کے لئے کچھ مضر نہیں۔ کیونکہ حنیفوں کے دلائل یہ روایتیں نہیں ان کی دلیل صرف قول امام ہے۔ قول امام کی تائید یہ روایتیں ہیں۔ ہاں امام کی دلیل قرآن و حدیث ہیں۔ مگر امام صاحب کو جب حدیثیں ملیں تو صحیح تھیں کہ ان کی اسنادیں یہ نہ تھیں جو مسلم بخاری کی ہیں اگر پولیس ملزم کو جیل میں دیدے تو پولیس کی دلیل حاکم کا فیصلہ ہے نہ کہ تعزیرات ہند کے دفعات ہاں حاکم کی دلیل یہ دفعات ہیں یہ بات یاد رکھو۔ تقلید اللہ کی رحمت ہے غیر مقلدین رب کا عذاب۔“ (1)

یعنی مقلد کے لیے حجت قول امام ہے، حدیث نبوی نہیں!

تقلیدی مسالک، جو کہ شاہ ولی اللہ کی شخصیت کے بہت معتقد ہیں اور ان کی تحریریں اپنے مسلکی استدلال میں بطور ثبوت پیش کرتے ہیں، شاہ صاحب کے اس قول پر بھی ذرا غور فرمائیں:

فَإِنْ بَلَغْنَا حَدِيثًا مِنَ الرَّسُولِ الْمَعْصُومِ الَّذِي فَرَضَ اللَّهُ عَلَيْنَا طَاعَتَهُ
بِسَنَدٍ صَالِحٍ يَدُلُّ عَلَى خِلَافِ مَذْهَبِهِ وَتَرَكْنَا حَدِيثَهُ وَاتَّبَعْنَا ذَلِكَ
التَّخْمِينَ فَمَنْ أَظْلَمُ مِنَّا وَمَا عُدُّنَا يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ

”امام کے مذہب کے خلاف اگر کوئی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جن کی اطاعت اللہ نے ہم پر فرض کی ہے) کی سند صحیح سے ملی، اور ہم نے حدیث کو چھوڑ کر اس اندازہ اور تخمینہ کا اتباع کیا، تو ہم سے بڑا ظالم کون ہے۔ اور ہمارے پاس اس دن کے لیے کیا عذر ہے جس دن رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوئے ہوں گے۔“ (2)

(1) جاء الحق: صفحہ ۷۳

★ خط کشیدہ عربی عبارت کا ترجمہ ہم نے قوسین میں دے دیا ہے جو مترجم نے نہ جانے کیوں چھوڑ دیا۔

(2) عقد الجید: صفحہ ۷۷

اللہ کے رسول ﷺ کے طریقے کے خلاف چلنے پر، جب کہ وہ واضح بھی ہو جائے، وعید بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ
الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (النساء: ۱۱۵)

”اور جو شخص ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے
سوا کسی اور راستے پر چلے تو جہنم ہی چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن)
جہنم میں داخل کر دیں گے، اور وہ بری جگہ ہے۔“

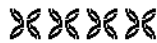
یہاں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی عرض کر دیا جائے کہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ
آجانے کے بعد پھر ایمان والوں کا اپنا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا بلکہ اب تو اس فیصلے کی خندہ
پیشانی سے اطاعت ہی ان کے ایمان کا تقاضا ہوتا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ
لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا
مُبِينًا (الاحزاب: ۳۶)

”اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول
کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے
رسول کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہ ہو گیا۔“

مسلک پرستوں کا یہ طرزِ عمل کس قدر افسوسناک ہے کہ صرف وہی احادیث اخذ
کرتے ہیں جن سے ان کے عقائد و اعمال کی تائید ہوتی ہو خواہ وہ کتنی ہی ضعیف حتیٰ کہ
موضوع ہی کیوں نہ ہوں، اور جن مستند و صحیح احادیث سے ان کے مزعومہ عقائد و اعمال کا
ابطال ہوتا ہو ان کو اپنے فنِ دینداری کے شکنجے میں کس کر اپنا مطلب کشید کر لیتے ہیں!
چنانچہ بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث، وغیرہ مسلکوں کے مناظراتی لٹریچر کا مطالعہ کریں تو اس
کا مشاہدہ بکثرت نظر آئے گا۔ بریلوی مسلک اپنے مخصوص عقائد و مسائل جیسے نبی ﷺ اور
اولیاء کو عالم الغیب، حاضر و ناظر، مالک و مختارِ کل، مشکل کشا، حی و قیوم، ثابت کرنے وغیرہ؛

دیوبندی مسلک تراویح کی صرف بیس رکعات کو جائز اور کم کو ناجائز ثابت کرنے وغیرہ؛
 الحمدیث مسلک تراویح کی صرف آٹھ رکعات ثابت کرنے، فاتحہ خلف الامام، ہاتھ سینے پر
 باندھنے، وغیرہ کے لیے ایسے داؤ پیچ لگاتے ہیں کہ اسماء الرجال اور اخذ حدیث کے فنی اصول
 واقعی ”فنی“ (funny) ہو جاتے ہیں اور کوئی اصول باقی نہیں رہتا! مجروح راوی مدوح بن
 جاتے ہیں، جرح تعدیل میں بدل جاتی ہے، روایات کا ضعف، رواۃ کا تفرد، عدم سماع،
 تدلیس، سند کا انقطاع و ارسال، وغیرہ سب الٹ کر بے معنی ہو جاتے ہیں! * اور لطف یہ کہ
 جو لوگ محض کسی کی تحقیق پر اعتماد کرنے کو ہی ”تقلید“ سے متہم کر کے ہر وقت شرک
 شرک کا وظیفہ پڑھتے رہتے ہیں وہ نام نہاد ”غیر مقلد“ تک جب اپنے مخصوص مسائل کے
 دفاع اور مخالفین کے مسائل کے رد کے لیے اس میدان میں اترتے ہیں تو اصول فقہ و
 اصول حدیث کی اصطلاحات جنہیں ان فنون کے ائمہ نے ہی وضع کیا ہے، خوب استعمال
 کرتے نظر آتے ہیں! ائمہ کے اقوال اور جروح رواۃ پر بغیر کوئی دلیل طلب کیے اُمتنا و
 صَدَقْنَا کہتے ہوئے روایات کے قوی و ضعیف، صحیح و غلط ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں اور اس
 کو تقلید بھی نہیں سمجھتے! تو پھر تقلید اور ہے کیا؟ شاید اسی موقع پر کہا جاتا ہے کہ
 صَٰلِحُ خُودِ رَا فُضِیْحَتِ دِیْکَرِ اِی رَا فُضِیْحَتِ



کتاب ہذا کے اس باب کے رد میں مَلّا تو نسوی نے تو اپنی کالی کتاب میں کوئی صفحہ کالا
 نہیں کیا البتہ مَلّا مجیب نے اپنی ناحق کتاب میں ناحق اتنی محنت کر کے شواہد جمع کیے تاکہ صحیح
 احادیث کے خلاف ان کا مسلک حق ثابت ہو جائے! اے کاش کہ وہ صحیح احادیث سے چشم
 پوشی کرنے اور فقہ حنفی کے مسائل کی وکالت کرنے کی بجائے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے
 مذکور ما قبل ارشاد پر عمل کرتے ہوئے فقہ حنفی کو ہی چھوڑ دیتے اور صحیح حدیث پر عمل کرتے!

★ کتاب ہذا اور ہماری دیگر تحریروں کی مخالفت میں لکھی جانے والی کتابوں میں بھی دیوبندی، بریلوی اور
 الحمدیث مسلک والوں نے اسی طرح کیا ہے۔

۔ بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا..... ”مسلک پرست“ کو بھی میسر نہیں ”مسلمان“ ہونا

وتر کے ایک ہونے کے ثبوت میں ہم نے پچھلے صفحات میں ترمذی و ابوداؤد کی حدیث لکھ دی تھی کہ اللہ وتر ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے۔ اسی سے ہم نے یہ اخذ کیا تھا چونکہ اللہ ایک ہی ہے، اس لیے وتر کے معنی ایک ہوئے، مگر علامہ عجیب نے ہانک لگا دی کہ یہ جھوٹ ہے، کسی کتاب لغت میں وتر کا معنی ایک نہیں۔ ہم نے صحیح مسلم کا بھی حوالہ دیا تھا جس میں پورا باب ہی وتر کی ایک رکعت ثابت کرنے پر باندھا گیا ہے: **صلوة اللیل و عدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل و ان الوتر رکعة و ان الم رکعة صلاة صحيحة** یعنی باب رات کی صلوٰۃ کا اور نبی ﷺ کی رات کی صلوٰۃ کی تعداد رکعات کا اور یہ کہ وتر ایک رکعت ہے اور یہ کہ ایک رکعت پڑھنا صحیح ہے۔ بخاری و مسلم کی متفق علیہ احادیث بھی ہم نے لکھی تھیں جن میں نبی ﷺ کا واضح فرمان اس بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ تہجد کی صلوٰۃ کے آخر میں ایک رکعت پڑھ کر سب کو وتر بنا دیا جائے۔ ابوداؤد کی بھی حدیث لکھی تھی جس میں نبی ﷺ کا واضح فرمان موجود ہے کہ جو تم میں سے چاہے پانچ رکعت سے وتر کرے، جو چاہے تین سے کرے اور جو چاہے ایک سے ہی کرے، ایک سلام سے کئی رکعات پڑھنا بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے، اس صورت میں وتر سے طاق تعداد مراد ہوتی ہے، مگر یہ ان سب کے خلاف امام ابو حنیفہ سے منسوب قول پیش کرتے ہیں کہ ایک رکعت سے وتر کرنا صحیح نہیں۔ اگر امام صاحب نے اس حدیث سے لاعلمی میں واقعی ایسا کہا تھا تو اب ان کے اس قول کے خلاف یہ صحیح حدیث ملنے پر امام صاحب کے قول کو امام صاحب کے اپنے فرمان کے بموجب دیوار پر مار دینا چاہیے تھا۔ مگر ۛ بس کہ دشوار ہے.....

وتر میں دعائے قنوت پڑھنے کے لیے نبی ﷺ کی سکھائی گئی دعاء کے علاوہ ایک دوسری ہی دعاء: **اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَغِيْثُكَ**..... الخ پڑھنے کو ترجیح دینے کی وجہ بتاتے ہوئے یہ عقدہ کشائی کرتے ہیں کہ یہ آیات قرآنی کی صورت میں نازل ہوئی تھی پھر اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی اور بطور دعاء باقی رہ گئی اور آپ ﷺ قنوت نازلہ میں اس کو پڑھتے تھے۔ حوالہ دیا ہے سیوطی صاحب کی الاتفاق کا جن کے پہلے ہی اسلام پر بے حد ”احسانات“ ہیں۔ دعائے

قنوت میں ہاتھ اٹھانے کے لیے ان کو حوالہ ملا بخاری کی جزء رفع الیدین کا حالانکہ یہ پوری کتاب ہی ان کے موقف کے خلاف ہے کیونکہ اس میں رکوع سے پہلے اور بعد رفع یدین کی سینکڑوں روایات جمع کی گئی ہیں۔ اس جزء سے جو دو روایتیں ملا موصوف نے نقل کی ہیں ان میں عبد اللہ بن مسعود اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت پڑھنا نقل ہوا ہے۔ خفیوں کی طرح ہاتھ اٹھا کر دوبارہ باندھ لینا اور بندھے ہاتھوں دعائے قنوت پڑھنے کا ان روایات میں کوئی اشارہ تک نہیں۔ ملا مجیب کی اس حرکت پر یہاں ہم ان کے ہم مسلک ملا تونسوی کے الفاظ بلا تبصرہ نقل کرنا چاہتے ہیں جو انہوں نے ہم پر اعتراض کرتے ہوئے اپنی کالی کتاب میں لکھے ہیں جبکہ ملا مجیب جیسے ان کے اپنے ہم مذہب ہی اس کا مصداق ہیں:

”جب ضرورت پڑے تو اصولوں کا سہارا لیا جاتا ہے اور جب ضرورت نہ ہو تو سارے اصول بالائے طاق رکھ دیئے جاتے ہیں، یہ اسلام نہیں بلکہ ہوی پرستی ہے۔“

ملا مجیب کی کٹ جتنی اور ہٹ دھرمی ملاحظہ کیجیے کہ طبقہ ثانی میں شامل سنن اربعہ میں مروی دعائے قنوت کو تیسرے چوتھے طبقے کی کتابوں کی دعاء پر ترجیح دینے کے ہمارے جائز، معقول اور درست موقف کو محض مسلک پرستی کی بنیاد پر رد کرتے ہوئے گل افشانی کرتے ہیں کہ

”کسی عمل یا دعا کو صحاح ستہ میں نقل ہونے کی بناء پر ترجیح دینا نہ قرآن مجید کا بیان کردہ معیار ترجیح ہے نہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس لیے اللھم اھدنی کو اس بناء پر رائج ٹھہرانا درست نہیں کہ یہ ابوداؤد و ترمذی جیسی صحاح ستہ میں شمار ہونے والی کتابوں میں ہے۔“ (صفحہ ۳۱۰)

مولوی صاحب کی نظر سے یہ آیت ضرور گزری ہوگی کہ

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ
الْبُشْرَىٰ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿١﴾ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ
أَحْسَنَهُ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿٢﴾

(الزمر: ۱۸/۱۷)

”اور جنہوں نے طاعت کی بندگی سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف اناہت اختیار کی، ان کے لیے بشارت ہے، تو میرے بندوں کو بشارت سناؤ؛ جو بات کو سنتے ہیں اور احسن قول کی اتباع کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور یہی لوگ سمجھ بوجھ والے ہیں۔“

اب شاید مولوی صاحب کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہ صحاح ستہ کی اصطلاح کس طرح وجود میں آئی اور اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کا درجہ صحیح بخاری کو کس طرح ملا اور محدثین نے صحت و ثقافت کے اعتبار سے کتب احادیث کے طبقات کیوں بنائے، صحیح اور متواتر، مرسل اور منقطع، منکر اور شاذ وغیرہ روایات کی اصطلاحات کس طرح اختیار کی گئیں اور یہ کہ ہم کیوں احسن قول کی اتباع پر زور دیتے ہیں؟ مگر شاید نہیں کیونکہ ۛ بس کہ دشوار ہے.....

اسی طرح اپنے دیگر مسائل کا دفاع کرتے ہوئے نماز جمعہ کے لیے دو اذانیں کہنے کے جواز میں اس طرح لب کشائی فرماتے ہیں:

”جواب: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اذانیں دو ہو گئیں اور اس وقت سے آج تک اسی پر عمل ہوتا چلا آ رہا ہے تو اس پر پوری امت کا اجماع ہوا اس اجماع کے خلاف کوئی ایک روایت بھی جناب نہیں پیش کر سکتے جس میں ممانعت کی گئی ہو یا کسی صحابی، تابعی اور تبع تابعی وغیرہم نے مخالفت کی ہو اور اجماع بھی دلائل شرعیہ میں سے ایک مستقل دلیل ہے اور حدیث نبوی کے مطابق اس پر عمل کرنا لازمی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين“ (مشکوٰۃ)

تم پر میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل لازم ہے۔

اور آج کے دور میں تو اس پر عمل زیادہ ضروری ہے کیونکہ لوگوں میں غفلت اور دین سے بے نیازی بڑھ رہی ہے۔“ (صفحہ ۳۱۴، ۳۱۵)

شاید یہ کنویں کے مینڈک کی طرح اپنے ہم مسلکوں کو بھی ”پوری امت“ سمجھتے ہیں اور بس ان کا کسی مسئلے پر متفق ہو جانا ان کے نزدیک انعقاد اجماع کے لیے کافی ہوتا ہے!

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّهِ كَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوهُ أَهْوَاءَهُمْ

سنت رسول کے ساتھ سنت خلفائے راشدین کا حوالہ دے کر دوسری اذان کی ضرورت پر زور دینے والے یہ مسلک پرست بتائیں کہ مسجد میں ہی جمعے کی دو اذانیں دینا کس صحابی یا

خلیفہ راشد کی سنت تھی؟ عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی دوسری اذان صرف بازاروں میں دی جاتی تھی، مسجد میں نہیں۔ ان مسلک پرستوں کا نہ سنت رسول ﷺ پر عمل ہے اور نہ سنت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، بلکہ الشیطان سَوَّیَ لَهُمْ وَأَمَلَىٰ لَهُمْ!

فرمان رسول ﷺ تو مولوی صاحب نے خود ہی لکھ دیا کہ ہم پر سنت رسول ﷺ کی اتباع لازم ہے؛ اگر سنت رسول ﷺ سے کوئی چیز نہ ملے تو پھر تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم ہمارے لیے حجت ہے۔ لیکن ہمیں تو یہاں سنت رسول مل رہی ہے تو پھر کیوں اس سے چشم پوشی کرتے ہوئے ایک ایسے عمل پر اصرار کیا جائے جو تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت نہیں اور جس کو اس کی کسی دوسری صورت میں صرف مخصوص حالات میں مخصوص مقام پر کیا گیا۔ اگرچہ دین سے دوری آج زیادہ ہے مگر لاؤ ڈاؤن سپیکر کی آواز، درست وقت بتانے والے آلات، وغیرہ نے انسان کو اس بات سے بے نیاز کر دیا ہے کہ بازاروں میں دوسری اذان دی جائے۔ اس کی اب ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ مسجد میں دی گئی مسنون اذان کی آواز بازاروں میں بھی با آسانی پہنچ جاتی ہے اور اگر بجلی نہ ہونے کی وجہ سے آواز نہ بھی پہنچ سکے تب بھی گھڑیوں کا نظام جماعت کا مقررہ وقت بتانے کے لیے کافی ہوتا ہے اور یہ یاد دہانی کہ اب اللہ کے حکم کے پورا کرنے کا وقت آگیا ہے: فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ۔

میں رکعات تراویح کی حمایت میں دلائل دینے کے لیے انہوں نے اپنے ہم مسلکوں کی طرح قیام رمضان اور قیام اللیل کو الگ الگ کر دیا اور ہمارا دونوں کو ایک سمجھنا ضد اور ناانصافی ٹھہرایا۔ میں رکعات کا ثبوت دینے کے لیے انہیں صحاح ستہ سے حسب معمول کوئی حوالہ نہ مل سکا اور آٹھ رکعات کے قول کے بزعم خویش سخت مجروح ہونے کی وجہ سے میں رکعات کے قول کو راجح قرار دے دیا؛ چونکہ یہ قول بھی ضعیف ہے اس لیے دل کے چور کو یہ کہہ کر چھپا دیا کہ جس حدیث کو عملاً امت قبول کر لے اس کی سند پر بحث کی ضرورت ہی نہیں رہتی؛ اور دعویٰ کیا ہے کہ اس کو صحابہ، تابعین اور تبع تابعین وائمہ مجتہدین اور پوری امت نے قبول کر لیا ہے اور پھر آگے چل کر حسب معمول اس پر بھی اجماع کا دعویٰ داغ دیا جو ان کے تقریباً ہر مسئلے کے لیے ریڈی میڈ موجود رہتا ہے! جیسا کہ پہلے

عرض کیا گیا، ”پوری امت“ سے مراد ان کی شاید اپنے مخصوص مسلک کے پیروکار ہی ہوتے ہیں اور انہی کا کسی مسئلے پر اتفاق ان کا مزعومہ اجماع ہوتا ہے! ہمارے لیے اللہ کے آخری رسول ﷺ کا طریقہ ہی کافی ہے۔ صحیح حدیث میں تراویح کی کوئی مقررہ تعداد ثابت نہیں، لہذا حسب استعداد جتنا چاہے قیام کریں: **فَأَقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ**

”عمل بالا حدیث کا انوکھا معنی“ کی سرخی لگا کر صلوٰۃ کے ارکان کی مختلف روایات میں جمع و تطبیق کے لیے دونوں پر عمل کرنے سے متعلق ہمارے موقف کا مذاق اڑاتے ہوئے علماؒ مجیب نے ہانک لگائی ہے کہ پوری امت مسلمہ میں ایسا کوئی شخص نہیں جو رفع یدین کرتا بھی ہو اور نہ بھی کرتا ہو بلکہ کرنے والے ہیں یا نہ کرنے والے اور یہ کہ کبھی کرنا اور کبھی نہ کرنا عمل بالحدیث ہے اور ایسا نہ کرنا انکار حدیث ہے تو امت مسلمہ کے سب افراد منکر حدیث ٹھہریں گے..... قارئین! آپ نے گزشتہ صفحات میں ان کے حکیم الامت صاحب اور شیخ الحدیث صاحب کا فیصلہ پڑھ لیا ہو گا کہ سرمہ لگانے کے لیے سلاخیوں کی مختلف تعداد کی روایات میں تطبیق اس طرح دی جائے کہ کبھی ایک پر عمل کیا جائے اور کبھی دوسری پر۔ مقام حیرت ہے کہ سرمے کی سلاخیوں کے لیے تو تطبیق کا یہ انداز اپنایا جاسکتا ہے کہ دونوں سنتوں پر عمل ہو جائے لیکن رفع الیدین کے لیے ایسا کرنے پر ہم پر عقل ناقص اور ناسمجھی کی پھبتیاں کستے ہیں! شاید اس لیے کہ یہ ان کے لیے شجر ممنوعہ ہے کیونکہ ان کے امام نے اس کو نہیں اختیار کیا۔ ”ذوالوجہین“ کا یہی انداز ہوتا ہے: ایک بات کو بطور دلیل استعمال کرتے ہیں تو دوسرے موقع پر اپنے خلاف پا کر اسی بات کی تردید کر دیتے ہیں! یہی تو مسلک پرستی ہے کہ نبی ﷺ کے قول و فعل کو نہیں دیکھتے بلکہ اپنے امام کے قول و فعل پر جان دیتے ہیں! اور یہی تو اس باب میں ہم نے ثابت کیا تھا جس کے رد کی علماؒ موصوف نے عبث کوشش کی ہے۔ ان مسلک پرستوں سے یہ آیت پوچھتی ہے کہ:

هَآنَتُمْ هَآؤَلَاءِ جَدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ اَمْ مَنْ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿١١٢﴾

مغفور تابعی کی تذلیل

ان سطور کا مقصد یہاں امیر المؤمنین یزید رحمہ اللہ کا مقدمہ لڑنا اور کسی کو بری الذمہ یا قصور وار ٹھہرانا ہرگز نہیں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ مگر دل کو ٹھیس اس وقت لگتی ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث کے ساتھ یہ توحید کے علمبردار مشق ستم کی روش اپناتے ہیں۔ نبی ﷺ نے تو بشارت دی تھی کہ

أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ

”میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (یعنی قسطنطنیہ) پر چڑھائی کرے گا اس کے لیے بخشش ہے۔“ (1)

اس حدیث کو روایت کرنے والے محدث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہی کی دوسری روایت سے ثابت ہے کہ وہ پہلا لشکر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کے بیٹے یزید کی سپہ سالاری میں قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوا۔ (2) چنانچہ اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس مہم میں شرکت فرمائی۔ میزبان رسول ابو ایوب خالد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کا ضعیف العمری کے باوجود اس لشکر میں شامل ہونا بخاری کی اسی روایت میں مذکور ہے۔ یہ روایت آج بھی ترکی میں ان کی قبر پر تعمیر کیے جانے والے ممنوعہ مزار پر آویزاں ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے ارشاد کے مطابق تو یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ بخشے بخشائے ہیں اور جو شخص مغفور ہو وہ اللہ کی رحمت کا مستحق ہوتا ہے نہ کہ لعنت کا۔ مزید یہ کہ حدیث میں نبی ﷺ کا ارشاد بھی مروی ہے کہ

لَا تَمِسُ النَّارُ مُسْلِمًا رَانِي أَوْ رَانِي مَنْ رَانِي

(1) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب الجہاد، باب ۳، ما قبل فی قتال الروم، صفحہ ۱۸

(2) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب التہجد، باب ۵۰، صلوة النوافل بالجماعة، صفحہ ۵۲۶

”اس مسلمان کو جہنم کی آگ نہ چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا (یعنی صحابی) یا اسے دیکھا جس نے مجھے دیکھا (یعنی تابعی)۔“ (۱)

لیکن ان کے دشمنوں کے پروپیگنڈے کے نتیجے میں آج یہ لفظ ”یزید“ گالی بن گیا ہے۔ کسی کو لعن طعن اور انتہائی ذلیل کرنے کے لیے اسے یزید کہہ دیا جاتا ہے۔ ظلم و جبر کے لیے بھی یہ لفظ بطور محاورہ و استعارہ استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ”دنیاۓ اسلام“ پر ڈھائے جانے والے ناگفتہ بہ مظالم پر امریکی صدر کو ”یزید وقت“ قرار دے کر لعنت ملامت کی جاتی ہے۔ شدہ شدہ نویت بایں جار سید کہ آج کوئی اپنے بچوں کا یہ نام رکھنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اور اس کو اس مقام تک پہنچانے میں ان مسلک پرستوں کا پورا پورا ہاتھ ہے۔

جلال الدین سیوطی صاحب لکھتے ہیں :

”خداوند تعالیٰ آپ کے قاتل اور زیادہ اور یزید تینوں پر لعنت کرے۔“ (۲)

مدرسہ دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب ”در تحقیق اثبات شہادت امام حسین و کردار یزید“ [صفحات: ۷۷، ۷۸] میں لکھا ہے کہ

”جس وقت کہ امیر معاویہؓ نے یزید پلید کو اپنا ولی عہد بنایا وہ علانیہ فاسق نہ تھا.....“

دوسرے مقامات پر انہی موصوف اور ان کے ہم مسلکوں نے اس طرح خامہ فرسائی فرمائی ہے:

”زیادہ سے زیادہ اس کے بادے میں ہے کہ ان پوشیدہ خرابیوں کے باعث کہ یزید رکھتا تھا منافقوں کی طرح بیعت رضوان میں شریک تھے، اور نفاق کی وجہ سے ان کو اللہ کی رضا نصیب نہ ہوئی۔ اسی طرح یزید بھی اس بشارت کی فضیلتوں سے محروم رہا۔“ (۳)

”ہاں ان کے انتقال کے بعد یزید نے پر پرزے نکالنے شروع کیے اور دل کی خواہش نفس اور ہاتھ کو جام شراب پر لے گید کھلم کھلا فسق کرنے لگا اور نماز چھوڑ دی.....“ (۴)

(۱) جامع ترمذی: جلد ۲، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل من رای النبی ﷺ، صفحہ ۸۱۸

(۲) تاریخ الخلفاء: صفحہ ۲۶۲

(۳) مکتوبات قاسمی: صفحہ ۳۸

(۴) مکتوبات قاسمی: صفحہ ۳۹

”تاہم اہل سنت کے اصولوں پر کوئی و شواری باقی نہیں رہی کیونکہ یزید اس صورت میں یا کھلم کھلا فاسق تھا، نماز کا ترک کرنے والا وغیرہ یا بدعت کا مرتکب تھا کیونکہ وہ نواصب کے سرداروں میں سے تھا، ان سب پہلوؤں کے پیش نظر اس کی عام خلافت کا منعقد ہونا مسلم نہیں.....“ (1)

”حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ یزید پلید سے خلافت مغموبہ کے طالب ہوئے یہاں تک کہ نوبت شہادت کو پہنچی۔“ (2)

”تغلب یزید پلید مثل آفتاب روشن ہو گیا.....“ (3)

”کافر کہنے سے احتیاط رکھے مگر فاسق بیشک تھا.....“ (4)

”یزید فاسق تھا اور فاسق کی ولایت مختلف فیہ ہے۔“ (5)

”اس کو مخفور کہنا بھی سخت نادانی ہے کیوں کہ اس میں بھی کوئی نص صریح نہیں۔“ (6)

”یزید بلاشبہ فاسق تھا۔“ (7)

”اس کی حرکات ناشائستہ درجہ کفر کو پہنچی ہوئی تھیں۔“ (8)

”اس کے ظلم و جور اور تعدی و فسق میں کوئی کلام نہیں ہے۔“ (9)

”کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید نہیں کہہ سکتا* نہ ہی میں برداشت کر سکتا ہوں کہ کوئی

مسلمان اپنے آپ کو یزید کہے۔“ (10)

”اس میں کوئی شک نہیں کہ یزید فاسق تھا۔“ (11)

(1) مکتوبات قاسمی: صفحہ ۵۲

(2) ہدایۃ الشیعہ: صفحہ ۲۸۰

(3) ہدایۃ الشیعہ: صفحہ ۹۵

(4) فتاویٰ رشیدیہ: صفحہ ۴۹

(5) امداد الفتاویٰ: جلد چہارم، صفحہ ۴۶۵

(6) امداد الفتاویٰ: جلد پنجم، صفحہ ۴۲۵، ۴۲۷

(7) انور شاہ کشمیری: عرف الشذی علی جامع الترمذی، باب ما جاء فی حرمة مکة، صفحہ ۳۳۲

(8) مکتوبات شیخ الاسلام: جلد ۱، صفحہ ۲۶۸

(9) عزیز الرحمن: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، جلد ۱، صفحہ ۷۸

★ انہیں شاید معلوم نہیں کہ یزید بن معاویہ ؓ کے بعد تاریخ اسلام میں کتنے ہی ”یزید“ نام کے افراد منصب

خلافت پر فائز ہوئے۔ ان مسلک پرستوں کے متفق علیہ صوفی بزرگ ”بایزید“ بسلطانی کو کس کھاتے میں رکھا

جائے گا؟ ہاں کہیں اپنی بات پر اڑے رہنے کے لیے ”یزید“ اور ”بایزید“ میں کوئی فرق نہ نکال لیجیے گا!

(10) مقدمات امیر شریعت: صفحہ ۲۵۷

(11) معارف السنن شرح ترمذی از یوسف بنوری

حبیب الرحمن اعظمی نے اپنے مضمون مطبوعہ النجم، لکھنؤ بابت جمادی الاولیٰ والاخریٰ ۱۳۴۹ھ صفحہ ۳۹، میں یزید کو ننگ انسانیت، ناپاک اور خبیث قاتل قرار دیا۔

بریلوی مسلک کے مجدد صاحب کی بھی سینے۔ جب ان سے شاہ اسماعیل دہلوی کی بابت سوال کیا گیا تو ارشاد فرمایا:

”میرا مسلک یہ ہے کہ وہ یزید کی طرح ہے اگر کوئی کافر کہے منع نہ کریں گے اور خود کہیں گے نہیں۔“ (۱) *

اور اپنی کتاب ”انکوبۃ الشہابیۃ“ میں بقلم خود اور ان کے معتقدین نے اپنی مسکلی کتابوں ”تجانب اہل السنۃ“، ”کشف ضلال“ وغیرہ میں بکثرت شاہ موصوف کی تکفیر کی ہے۔ اور اس طرح سے یزید کی بھی تکفیر کر دی کیونکہ مشبہ بہ کی تکفیر کی تو مشبہ کی خود بخود تکفیر ہو گئی۔ ان مجدد صاحب کے ایک مقلد کی یہ دریدہ دہنی تو سب کو پیچھے چھوڑ گئی:

”وہابی چونکہ یزید علیہ اللعنة پر صلاۃ و سلام پڑھتے ہیں لہذا ان کے سلام کا جواب دینے اور سلام کہنے سے مسلمان امت مصطفیٰ ﷺ سے خارج ہو جاتا ہے۔“ (۲)

ان کے اسلاف کے ارشادات بھی ملاحظہ فرمائیے:

”یزید سعادت توفیق سے محروم اور زمرہ فساق میں داخل ہے۔ لعن کا مستحق ہے۔“ (۳)

”ہمارے نزدیک مبغوض ترین افراد میں ہے۔“ (۴)

ایک مغفور بندے کے لیے کیا ایسے الفاظ لکھنا جائز ہیں؟ جبکہ اللہ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الْأَسْمُ الْفُسُوقُ
بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (الحجرات: ۱۱)

”اور ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ، اور نہ برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد برا نام (رکھنا) گناہ ہے، اور جو توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں۔“

(۱) ملفوظات: حصہ اول، صفحہ ۱۲۴

★ وہ کیا ”مجدد“ نہ اندازے! اس مغفور تابعی کی تکفیر کی ترغیب و تشہیر کی اس سے بڑھ کر بھی کوئی مثال ہو سکتی ہے؟

(۲) مقیاس و پایبیت: صفحہ ۶۵۹

(۳) احمد سرہندی معروف بہ مجدد الف ثانی: مکتوبات ربانی، بحوالہ مجلہ الخیر، جولائی ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۵

(۴) عبدالحق دہلوی: تکمیل الایمان، بحوالہ مجلہ الخیر، جولائی ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۵

مفتی شفیع عثمانی صاحب نے ایک کتابچہ ”شہید کربلا“ کے نام سے لکھا، اور اس میں بھی واقعہ کربلا کی بنیاد پر یزید کے متعلق اسی طرح کے ناپسندیدہ خیالات کا اظہار کیا۔ پھر یہ ایک طرح کی ریت پڑ گئی کہ ہر مکتب فکر کا کوئی بھی شخص جو ذرا نمایاں ہو تا وہ اس موضوع پر ضرور خامہ فرسائی کرتا اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنا گویا جزو ایمان سمجھتا۔ چنانچہ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ مارکیٹ میں انجمن خدام اہلسنت چکوال کی ”فسق یزید“، افتخار الحسن بریلوی کی ”کفر یزید“، شفیع اکاڑوی کی ”امام عالی مقام اور یزید پلید“، حبیب چشتی کی ”شہر یزید“ اور اسی طرح کی متعدد کتابیں دستیاب ہیں جن میں واقعہ کربلا وغیرہ کے سبب سے یزید کو مذکورہ صدر احادیث کی فضیلت سے خارج کر کے لعن طعن کیا گیا ہے۔ یہ لوگ اپنی تحریروں میں تاریخ طبری اور تاریخ ابن اثیر وغیرہ کی جھوٹی روایات پر بھروسہ کرتے ہیں طبری اور ابن اثیر نے اپنے شیعہ مذہب کو پھیلانے کے لیے صحابہ دشمنی میں وہ گل کھلائے ہیں کہ غیرت ایمانی و حمیت دین ان کو نقل کرنے میں مانع ہے۔ افسوس اور دکھ ہوتا ہے کہ یہ مسلک پرست ایک طرف تو شیعوں کو کافر قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف ان ہی شیعہ مؤرخین کی جھوٹی باتوں کو قرآن و حدیث پر ترجیح دیتے ہوئے آگے پھیلاتے ہیں اور ان ہی پر اپنے عقیدے کی بنیاد استوار کرتے ہیں۔ طبری وہ مؤرخ ہے جس نے اپنی تاریخ میں نبی ﷺ پر زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کے سلسلے میں منافقین کی لگائی ہوئی تہمت کو درست مانا ہے۔^(۱) اور ابن اثیر صاحب وہ شخصیت ہیں جنہوں نے نہ صرف اس بہتان کو درست مانتے ہوئے اسے نقل کیا بلکہ انہوں نے داؤد اللہ پر گزشتہ صفحات میں نقل کیے گئے یہودیوں کی طرف سے لگائے گئے الزامات کو بھی صحیح تسلیم کرتے ہوئے بیان کر دیا ہے۔^(۲) ان ہی طبری اور ابن اثیر صاحبان نے جہاں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جنگ جمل کا سبب قرار دیا وہیں سورۃ النجم کی تلاوت کے دوران نبی ﷺ کی آواز کے ساتھ شیطان کی آواز میں مشرکین مکہ کے بتوں لات، منات و عزیٰ کی تعریف کرنے کی جھوٹی بات بھی لکھی۔^(۳)

(۱) تاریخ طبری: جلد ۱، صفحہ ۲۷۴

(۲) تاریخ ابن اثیر: جلد ۲، صفحات ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸

(۳) تاریخ طبری: جلد ۱، صفحہ ۱۰۲/ تاریخ ابن اثیر: جلد ۲، صفحہ ۱۱۲

یہ بات قابل غور ہے کہ ایک طرف تو ان مؤرخین نے اتہام طرازی کرتے ہوئے ابلیسی اثر کے تحت نبی ﷺ کے شیطان کی اضافہ کردہ آیات تلاوت کرنے کے جھوٹے واقعے کو نقل کیا تو دوسری طرف اسی جھوٹے واقعے کو بنیاد بنا کر بھارت کے ملعون سلمان رشدی نے بدنام زمانہ کتاب The Satanic Verses لکھ ڈالی۔ (لعنة اللہ علیہ وعلیٰ اعداؤه وعلیٰ مثلہ الف الف مرۃ)

ایسے اسفل الذہن لوگوں سے جو افضل الخلائق انبیاء علیہم السلام اور جلیل القدر صحابہ علیہم الرضوان تک کو بھی نہ چھوڑیں، کیا یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے دشمنوں (بنو امیہ، خصوصاً آل معاویہ) کے متعلق درست بات کہیں گے؟ چنانچہ انہوں نے اور ان ہی جیسے دوسرے لوگوں نے کربلا اور حترہ کے واقعات میں انتہائی مبالغہ اور کذب و افتراء سے کام لیا ہے اور انہیں ناقابل یقین بنا دیا ہے۔ یہ انتہائی ظلم ہے کہ مفتی شفیع وغیرہ صاحبان نے ان کو درست جانا۔ جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تک کا کوئی وقار نہ ہو اور جو علانیہ کفر و شرک میں مبتلا ہوں تو ان سے کیا توقع کہ وہ کسی تابعی کا خیال کریں!

محمود احمد عباسی صاحب نے اپنی کتابوں ”خلافت معاویہؓ و یزیدؓ“ اور ”تحقیق مزید“، عظیم الدین صدیقی صاحب نے ”حیات سیدنا یزیدؓ“ اور ”واقعہ کربلا اور سیدنا یزیدؓ“، اور دیگر مصنفین نے اپنی تصانیف میں تاریخی شواہد و دلائل کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ واقعہ کربلا جیسا بیان کیا جاتا ہے حقیقت میں ایسا نہیں۔ حسینؑ نے آخر میں یزید رحمہ اللہ کے پاس جانے کی درخواست کی جس پر ان کے شیعیان نے انہیں ان کے ساتھیوں سمیت گھیر کر قتل کر دیا اور اپنے اس جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے یزید رحمۃ اللہ کو مورد الزام ٹھہرایا۔ انہیں فاسق، شرابی، زانی اور نہ جانے کیا کیا قرار دیا اور بناوٹی غم و افسوس میں ماتم و نوحہ گری شروع کر دی۔ عباسی صاحب نے مصدقہ شہادتوں کے ذریعے یزید رحمۃ اللہ کو ان الزامات سے پاک ثابت کیا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس معاملے میں اعتدال کی روش اختیار کی جاتی اور زبان نبوت سے ایک تابعی کے مغفورو مرحوم ہونے کی گواہی کے بعد زبان طعن کو لگام دی جاتی اور تحقیق احوال کے بعد صحیح شواہد و دلائل کو قبول کیا جاتا، لیکن اس کے بالکل برعکس راہ اختیار کی گئی۔ قاری طیب صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند، نے

”شہید کر بلا اور یزید“ کے نام سے ایک کتاب لکھی اور تمام معقول دلائل کی پرزور تردید کی اور اُن تمام جھوٹی باتوں اور الزامات کو درست قرار دیا جو یزید رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب تھیں۔ یوسف لدھیانوی صاحب نے بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ”گمراہ کن عقائد و نظریات اور صراطِ مستقیم“ نامی کتاب میں اپنے مضمون ”یزید کے بارے میں مسلکِ اعتدال“ میں یہی روش اپنائی ہے۔ بریلوی مسلک کی مذکورہ بالا تینوں کتابیں بھی اس فکر کی ترجمانی کرتی ہیں۔

مفتی شفیع صاحب نے اپنے مذکورہ کتابچے میں حسین ؑ کے یزید رحمۃ اللہ کی بیعت نہ کرنے کو بہت سراہا ہے، مگر انہیں اللہ کے رسول ﷺ کے یہ ارشادات بھی ملحوظ رکھنے چاہیے تھے کہ:

”جو شخص اپنے امیر کی ناگواریات دیکھے وہ صبر کرے کیونکہ جو کوئی بھی حاکم سے بالشت بھر جدا ہوا، پھر اسی حال میں مرا تو اس کی موت جاہلیت کی سی موت ہوگی۔“ (1)

”..... ایسے لوگ ہوں گے جو میری سنت پر نہیں چلیں گے اور میرے طریقے کے سوا دوسری راہ پر چلیں گے؛ ان میں اچھی باتیں بھی ہوں گی اور بری بھی۔ (راوی حذیفہ ؓ نے) پوچھا: پھر اس کے بعد برائی ہوگی؟ فرمایا ہاں؛ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو جہنم کے دروازے کی طرف لوگوں کو بلائیں گے، جو ان کی بات مانے گا، اس کو جہنم میں ڈال دیں گے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! ان لوگوں کا حال ہم سے بیان فرمائیے۔ فرمایا: ان کا رنگ ہمارا سا ہی ہوگا اور ہماری ہی زبان بولیں گے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر اس زمانے کو پاؤں تو کیا کروں؟ فرمایا: مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہنا اور ان کے امام کے ساتھ۔ عرض کیا: اگر جماعت اور امام نہ ہوں؟ فرمایا تو سب فرقوں کو چھوڑ دینا خواہ تمہیں کسی درخت کی جڑ کو مرتے دم تک چننا پڑے۔“ (2)

(1) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الفتن، باب ۱۱۱۱ قول النبی ﷺ سترون بعدی امور اتنکرونیھا، صفحہ ۸۳۳ نیز کتاب الاحکام، باب ۱۱۳۲ السمع والطاعة للامام مالم تکن معصیة، صفحہ ۸۵۵/ صحیح مسلم، جلد ۵، کتاب الامارات، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن وفي كل حال، صفحہ ۳۰

(2) صحیح مسلم، جلد ۵، کتاب الامارات، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن وفي كل حال، صفحہ ۳۶

”..... میرے بعد وہ لوگ حاکم ہوں گے جو میری راہ پر نہ چلیں گے، میری سنت پر عمل نہیں کریں گے اور ان میں ایسے لوگ ہوں گے جن کے دل شیطان کے سے اور بدن آدمیوں کے سے ہوں گے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! اس وقت میں کیا کروں؟ فرمایا: اگر تو ایسے زمانے میں ہو تو امیر کی سن اور اطاعت کر اگرچہ وہ تیری پیٹھ پھوڑے اور تیرا مال لے لے، اس کی بات سنے جا اور اس کا حکم مانتارہ۔“ (1)

”تجھ پر لازم ہے سنا اور اطاعت کرنا، تکلیف میں اور راحت میں، خوشی میں اور رنج میں اور اس وقت بھی جب تیرا حق کسی اور کو دے دیں۔“ (2)

”سنو اور اطاعت کرو اگرچہ (یہ حاکم) ہاتھ پیر کٹا ہوا جشتی غلام ہی کیوں نہ ہو۔“ (3)

”اگر تمہارے اوپر ایک کالا غلام، ہاتھ پیر کٹا ہوا، حاکم کیا جائے جو حکومت کرے اللہ کی کتاب کے مطابق تو اس کی اطاعت کرو اور اس کا حکم مانو۔“ (4)

”مسلم پر سماع و طاعت واجب ہے خواہ پسند ہو یا ناپسند، سوائے اس کے کہ کسی معصیت کا حکم کیا جائے کیونکہ معصیت میں کوئی سماع و طاعت نہیں۔“ (5)

”نبی ﷺ نے صحابہ کو بیعت کرتے وقت ان سے جو عہد لیے ان میں یہ بھی تھے کہ ہم بیعت کرتے ہیں سماع و طاعت پر، خوشی و ناخوشی میں، سختی اور آسانی میں، حق تلفی ہونے میں، اور اہل امر سے جھگڑانہ کرنے میں مگر جب کھلا کفر دیکھیں جو اللہ کے پاس حجت ہو۔“ (6)

”جس سے پہلے بیعت کر لو اسی کی بیعت پوری کرو اور ان کا حق ادا کرو اللہ تعالیٰ ان سے سمجھ لے گا جو اس نے ان کو دیا ہے۔“ (7)

(1) صحیح مسلم، جلد ۵، کتاب الامارات، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن وفي كل حال، صفحہ ۱۳۸

(2) صحیح مسلم، جلد ۵، کتاب الامارات، باب وجوب طاعة الامراء في غير معصية و تحريمها في المعصية، صفحہ ۱۲۸

(3) صحیح مسلم، جلد ۵، کتاب الامارات، صفحہ ۱۲۹

(4) صحیح مسلم، جلد ۵، کتاب الامارات، صفحہ ۱۳۰

(5) صحیح مسلم، جلد ۵، کتاب الامارات، صفحہ ۱۳۰

(6) صحیح مسلم، جلد ۵، کتاب الامارات، صفحہ ۱۳۲

(7) صحیح مسلم، جلد ۵، کتاب الامارات، باب وجوب الوفاء ببيعة الخليفة الاول فالاول، صفحہ ۱۳۳

”میرے بعد تمہاری حق تلفی ہوگی اور ایسی باتیں ہوں گی جن کو تم برا جانو گے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پھر ایسے وقت میں جو رہے تو اس کو آپ کیا حکم کرتے ہیں؟ فرمایا: تم اس حق کو ادا کرنا جو تم پر ہے (یعنی اطاعت و فرمانبرداری) اور جو تمہارا حق ہے وہ تم اللہ سے چاہنا۔“ (1)

”جو شخص کسی امام سے بیعت کرے اور اس کو اپنا ہاتھ دے دے اور اس کی تابعداری کی دل سے نیت کرے تو حسب استطاعت اس کی اطاعت کرے۔ اب اگر کوئی دوسرا امام نزع کرتا ہوا آئے تو اس کی گردن مار دو۔“ (2)

”جب دو خلیفوں سے بیعت کی جائے تو جس سے آخر میں بیعت ہوئی ہو اس کو مار ڈالو۔“ (3)

”قریب ہیں فتنے اور فساد، پھر جو کوئی اس امت کے اتفاق کو بگاڑنا چاہے تو اس کو تلوار سے مارو چاہے جو کوئی بھی ہو۔“ (4)

”تمہارے بہتر حاکم وہ ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو اور وہ تمہیں پسند کرتے ہیں اور وہ تمہارے لیے دعا کرتے ہیں اور تم ان کے لیے دعا کرتے ہو؛ اور تمہارے برے حاکم وہ ہیں جن سے تم بغض رکھتے اور وہ تم سے بغض رکھتے ہیں اور تم ان پر لعنت کرتے ہو اور وہ تم پر لعنت کرتے ہیں۔ عرض ہوا کہ یا رسول اللہ! ہم ایسے برے حاکموں کو تلوار سے دفع نہ کر دیں؟ فرمایا: نہیں، جب تک وہ نماز جو تم میں قائم کرتے رہیں؛ اور جب تم کوئی بات اپنے حاکموں سے ایسی دیکھو تو دل سے اس کو برا جانو لیکن ان کی اطاعت سے باہر نہ ہو۔“ (5)

یزید رحمہ اللہ کی بیعت توڑنے کو صحابہ کرام ؓ نے سخت ناپسند کیا سوائے چند کے، اور لوگوں کو اس فعل سے روکنے کی کوشش بھی کی۔ چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ:

”جب مدینے والوں نے یزید کی بیعت توڑ ڈالی تو عبد اللہ بن عمر ؓ اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے گھر والوں، لونڈی، غلاموں، اولاد، وغیرہ کو جمع کیا اور کہنے لگے: میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے، ’ہر دغا باز کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا کھڑا کیا جائے گا۔‘ دیکھو ہم تو اس

(1) صحیح مسلم: جلد ۵، کتاب الامارات، باب وجوب الوفاء ببيعة الخليفة الاول فالاول، صفحہ ۱۳۴

(2) صحیح مسلم: جلد ۵، کتاب الامارات، باب وجوب الوفاء ببيعة الخليفة الاول فالاول، صفحہ ۱۳۵

(3) صحیح مسلم: جلد ۵، کتاب الامارات: باب اذا بويع لخليفتين، صفحہ ۱۴۱

(4) صحیح مسلم: جلد ۵، کتاب الامارات: باب حكم من فرق امر المسلمين وهو مجتمع، صفحہ ۱۴۱

(5) صحیح مسلم: جلد ۵، کتاب الامارات: باب خيار الائمة و شرارهم، صفحہ ۱۴۳

شخص (یزید) سے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے موافق بیعت کر چکے ہیں، اب میں اس سے بڑھ کر کوئی دعا بازی نہیں سمجھتا کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے موافق ایک شخص سے بیعت کی جائے پھر اس سے لڑنے کا سامان کیا جائے۔ اور دیکھو مدینے والو! تم میں سے جو یزید کی بیعت توڑ کر دوسرے سے بیعت کرے تو اس میں اور مجھ میں کوئی تعلق نہیں رہا۔“ (1)

اس سے کوئی یہ اندازہ نہ لگائے کہ [معاذ اللہ] حسین ؑ کا خاتمہ جاہلیت پر ہوا۔ بلکہ انہوں نے آخری وقت میں اپنے موقف سے رجوع کر کے یزید کی بیعت کے لیے دمشق کی طرف سفر شروع کر دیا تھا، مگر کوفیوں نے راستہ روکا اور ان کو شہید کر دیا۔

معاویہ ؓ اللہ ﷻ اور یزید رحمۃ اللہ پر ایک الزام یہ بھی عائد کیا جاتا ہے کہ انہوں نے خلافت کو بادشاہت میں بدل دیا اور بیت المال کو ذاتی مال سمجھ لیا۔ ابو الاعلیٰ مودودی صاحب نے تو اس موضوع پر ”خلافت و ملوکیت“ کے نام سے ایک ضخیم کتاب ہی لکھ ڈالی، اور جمہوریت کو راضی کرنے کے مقصد کے حصول میں شیعہ مورخین کے بل بوتے پر عثمان ؓ اللہ ﷻ پر اقرباء پروری کا اتہام بھی عائد کر ڈالا۔ یہ بغض صحابہ کی بدترین مثالوں میں سے ایک ہے۔ اس میں یہ روایت پیش کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: خلافت تیس سال رہے گی پھر بادشاہت ہوگی۔ اور یہ تیس سال علی ؓ اللہ ﷻ کی خلافت پر تمام ہو گئے، حالانکہ یہ محل نظر ہے۔ صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا قول یہ ہے کہ

”یہ خلافت تمام نہ ہوگی جب تک کہ مسلمان میں بارہ خلیفہ نہ ہولیں، اور یہ سب خلیفہ قریش میں سے ہوں گے۔“ (2)

معاویہ ؓ اللہ ﷻ اور یزید رحمۃ اللہ علیہ بالترتیب چھٹے اور ساتویں خلیفہ تھے، اور نبی ﷺ کے ارشاد کے مطابق ان کے بعد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تک پانچ خلیفہ اور ہوئے اور یہ سب قریش میں سے تھے۔

(1) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الفتن، باب ۱۱۱۱ اذا قال عندقوم شیانہم خراج فقال بخلافہ، صفحہ ۸۴۴

(2) صحیح مسلم: جلد ۵، کتاب الامارات، باب الناس تبع لقریش والخلافۃ فی قریش، صفحہ ۱۱۱

ابن تیمیہ اور ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ قططنیہ کے لشکر میں یزید کی سرکردگی میں حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی شرکت کی، اور ان کے سوتیلے بھائی محمد بن علی رحمۃ اللہ نے گواہی دی کہ یزید پر شرابی وزانی کی تہمتیں جھوٹی ہیں۔ لیکن اگر ان کو تاریخی بات کہہ کر قبول نہ کیا جائے اور ان تہمتوں کے درست ہونے ہی پر اصرار کیا جائے تو یہ بات بھی غور طلب ہے کہ یزید پر الزامات بھی تو تاریخ ہی سے لیے گئے ہیں لہذا وہ کیسے صحیح ہو سکتے ہیں؟ تاریخ کی بات ہونے کے لحاظ سے اگر تعدیل غلط ہے تو پھر جرح یعنی الزامات اور تہمتیں بھی غلط ہوں گی! مگر مقام حیرت ہے کہ جب صوفیوں کے غلط عقائد کو قرآن و حدیث کے واضح دلائل کی روشنی میں کفریہ اور شرکیہ ثابت کر کے فیصلہ صادر کیا جاتا ہے تو یہی قرآن و حدیث کے جاننے کے دعویدار ”علماء کرام“ ان کے دفاع پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں جبکہ ان صوفیوں کی شان میں قرآن و حدیث میں کوئی فضیلت وارد نہیں ہوئی لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس رشتے دار تابعی کا (جسے بزبان رسالت ایک زبردست فضیلت بھی حاصل ہے)، احادیث مذکورہ کی روشنی میں دفاع کیا جائے تو یہی ”علماء کرام“ اس کے خلاف ضخیم کتابیں لکھ ڈالتے ہیں اور ان کی زبانیں وہ کچھ اگلنے لگتی ہیں جو گزشتہ صفحات میں نقل کیا گیا! صد حیف!

دراصل یہ سارا کھوٹا احمد بن حنبل اور ان کے مریدوں کا پھیلایا ہوا ہے۔ کہنے کو تو انہیں امام بخاری کا استاد کہا جاتا ہے، مگر بخاری نے ان سے ایک بھی روایت براہ راست نقل نہیں کی۔ بلکہ مسند احمد کی روایتیں صحیح بخاری کی روایتوں کی ضد ہیں۔ چنانچہ وہ بخاری کی ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے مقابلے میں علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت و وصیت و امامت، شیعین و عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت کے مقابلے میں فضیلت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں ظہور مہدی وغیرہ کی جھوٹی روایتیں لائے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ بعض روایتیں تو وہ ایسی لائے ہیں جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تہمت لگتی ہے مثلاً عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جمع قرآن کے وقت سورۃ التوبہ سے پہلے اپنی مرضی سے بسم اللہ نہ لکھنا، (1) امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا (نوذ باللہ) شراب پینا، (2) وغیرہ۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ

نبی ﷺ کا اپنی وفات کے ۵۰ سال بعد صحابہؓ کے خواب میں آکر کر بلا میں حسینؑ کے شہید ہونے کی اطلاع دینے، مقام شہادت دکھانے، شہیدوں کا خون بوتل میں بھرنے، آہ و بکا کرنے، وغیرہ کی نادر روایات بھی ان ہی احمد بن حنبل صاحب کی مُسند میں موجود ہیں۔ اسی گروہ حنابلہ نے الہدایہ والنہایہ، منہاج السنۃ، فتاویٰ ابن تیمیہ اور مسند احمد میں واقعہ حُمرہ کے حوالے سے موضوع روایتیں لا کر یزید مغفور و مرحوم کے کردار کو داغدار کیا ہے۔

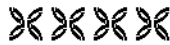
ابن حنبل ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مسلمانوں میں خلاف قرآن اس عقیدے کو رواج دیا کہ مردہ قبر میں جا کر زندہ ہو جاتا ہے۔^(۱) اور اس عقیدے کو ان کے مقلدوں ابن تیمیہ و ابن قیم کے علاوہ ابن کثیر، ابن حجر، وغیرہ نے خوب خوب پھیلایا۔ پھر یہی عقیدہ مسلمانوں میں قبر پرستی کا سبب بنا، اور اسی عقیدے نے بے انتہا کفر و شرک پھیلایا۔ اگر قبر میں مدفون ہستی کو (خواہ کسی بھی درجے وحیثیت کی ہو)، بفرمانِ الہی حواس سے عاری بے جان مردہ سمجھا جاتا تو پھر کوئی اسے سنانے کیوں آتا۔ مگر اس عقیدے نے مردے کو دیکھنے سننے والا زندہ بنادیا۔ حالانکہ اللہ کا اٹل قانون ہے کہ قیامت سے پہلے کوئی مردہ زندہ نہیں ہو سکتا۔^(۲) لیکن ان لوگوں نے قرآن کے خلاف اس عقیدے کا پرچار کیا۔ نتیجتاً ہر قبر میں مردہ زندہ سمجھا جانے لگا۔ پھر اس پر فن تعمیر کے شاہکار قبے اور عالیشان مزارات بنے، نذرانے پیش ہوئے اور چادریں چڑھیں، انہیں دودھ اور عرق گلاب سے غسل دیا گیا، بوسے دیئے گئے، ان پر سروں کو جھکایا گیا، وہاں منتیں، مرادیں، اولاد، کشادگی رزق، وسعت کاروبار طلب کی گئی اور وہ کچھ کیا گیا کہ دین اسلام پارہ پارہ ہو گیا، توحید تار تار ہو گئی۔ اور اس میں آج تک کوئی کمی نہ آئی بلکہ اس مشرکانہ طرز عمل میں روز افزوں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔

مندرجہ بالا وضاحت اور ارشاد نبوی کی روشنی میں مسلمانوں کو چاہیے کہ عثمان و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر زبانِ طعن دراز کرنے سے اجتناب کریں اور بغض یزید سے دور

(۱) مناقب احمد بن حنبل: صفحہ ۱۶۸ / طبقات حنابلہ: جزء اول، صفحہ ۳۴۴

(۲) سورۃ المومنون آیات ۱۵، ۱۶

رہیں اور ایک مغفور تابعی کو لعن طعن، سب و شتم کر کے جہنم کا سامان نہ کریں۔ اسی طرح دوسرے صحابی رسول علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد پر بھی کوئی طعن و تشنیع و تنقید نہ کی جائے۔ وہ لوگ اللہ کے سچے ولی تھے، ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک اور سروں کا تاج ہیں۔ لیکن ان کی محبت میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔ ان سے عقیدت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان جیسے ایمان و عقائد کو اختیار کیا جائے، ان جیسی اعلیٰ زندگی گزاری جائے۔ ان سے تعلق صرف زبانی جمع خرچ کی حد تک اور محض سیاست چکانے کے لیے نہ ہو بلکہ اس کو واقعی عملی شکل دے کر آخرت سنوارنے کی سعی ہو۔ اللہ اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین



کتاب ہذا کے اس باب کے رد میں ملا تونسوی کو شاید کوئی دلائل نہیں مل سکے لیکن ملا عجیب نے اس پر ستائیس صفحے کالے کر دیئے اور نبی ﷺ کی مغفرت کی بشارت کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے یزید رحمۃ اللہ علیہ کو جہنمی ثابت کرنے پورا زور آزمایا ہے۔ ایک چکوالی ملا قاضی مظہر کی ”خارجی فتنہ - بحث فسق یزید“ اور ایک دوسرے ہم مسلک کی ”سیدنا علی و حسین“ ان کی تحقیق کا محور ہے۔ یزید رحمۃ اللہ علیہ کی کردار کشی کے لیے ان کے دلائل الاتقان، شرح الصدور، تاریخ الخلفاء، البدایہ، المعارف، طبری، ابن اثیر وغیرہ کی تحریریں ہیں۔ آخر الذکر دو شیعہ مؤرخ ہیں جن کا خاندان معاویہ رضی اللہ عنہ سے بغض کسی تعارف کا محتاج نہیں، اور اول الذکر تین کتابیں ان سیوطی صاحب کی ہیں جن کے اسلام پر پہلے ہی بہت ”احسانات“ ہیں۔ اور ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ کی ہر بات کو انہوں نے آنکھ بند کر کے تسلیم کر لیا لیکن اُس بات کو انہوں نے غیر صحیح کہہ دیا جس میں حسین رضی اللہ عنہ کی تیسری شرط بیان ہوئی ہے کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو تا کہ میں یزید سے خود معاملہ طے کروں؛ اور اس کی وجہ اس کا راوی ابو مخنف ہے۔ قارئین! اس سے پہلے ہم آپ کے سامنے گزشتہ ابواب کے آخر میں یہ بتا آئے ہیں کہ ان مسلکی مولویوں کا احادیث کی قبولیت و اخذ کا کیا معیار ہے: ان کے نزدیک کوئی ضعیف روایت بھی ضعیف نہیں رہتی کیونکہ کئی ضعیف روایتیں مل کر قوی روایت بن جاتی ہیں، موضوع روایت بھی بالمعنی صحیح ہے، اخبار احاد بھی

متواتر المعنی ہیں، کذاب بھی محض ”خطاکار“ ٹھہرتے ہیں کہ ان کے نزدیک کذب جھوٹ نہیں صرف خطا ہے! محدثین نے اگر ان کے خلاف پڑنے والی روایات کے راویوں پر جرح کی ہے تو اسے متعصب، غیر وزنی، مبہم اور غیر مفسر قرار دے کر رد کر دیا؛ تلقی بالقبول کے انوکھے اور نرالے اصول کے تحت ہر طرح کی روایت قابل قبول بنادی جس کے لیے کسی سند وغیرہ کو دیکھنے کی بھی حاجت باقی نہیں رکھی..... اب کیا ایسے، بے خوف، جری اور نڈر آدمی کی ان بے باکیوں کا کوئی جواب دیا جاسکتا ہے؟

ص جواب جاہلاں باشد خموشی!

ان کی جو نشانہ ہی گزشتہ سطور میں کی جا چکی ہے، وہ ان کے فریب کا پردہ چاک کرنے کے لیے کافی ہے۔ البتہ ان سوالوں کے جواب دینے کی ضرورت کوشش کریں گے جو موصوف نے ہم سے پوچھے ہیں:

ملا موصوف نے مذکورہ صدر تحریروں کی روشنی میں اپنے زعم میں فسق یزید ثابت کر کے، اہل مدینہ و مکہ کے خروج سے متعلق ان کی محولہ روایت کی بنیاد پر سوال کیا ہے کہ صحابہ و تابعین اور اولاد اصحاب رضی اللہ عنہ نے کیوں یزید کے خلاف تلوار اٹھائی؟ کیا یہ سب لوگ دور جاہلیت کی مردہ عصیت کی بناء پر لڑ پڑے تھے؟ کیا ان کی شہادت و لڑائی سے ذرا بھی یزید کا فسق آشکارا نہیں ہوتا؟ کیا انہیں خواہ مخواہ لڑ کر جان دینے کا شوق تھا؟

دراصل یہ کر بلا کا معرکہ جس طرح سے ذاکرین و داعظین پیش کرتے ہیں، کوئی کفر و اسلام کی جنگ نہ تھی، اس میں حد درجہ غلو کر کے بات کو کیا سے کیا بنادیا گیا۔ جنگ جمل کے بعد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دار الخلافہ کوفہ منتقل کر دیا۔ خاندان علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کوئی حامیوں نے بنو امیہ کے مقابلے میں اولاد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسند خلافت پر بٹھانے کے

★ تو پھر جھوٹ اور جھوٹے کے لیے قرآن و حدیث میں کون سے الفاظ آئے ہیں؟ کیا صرف خطا کرنے پر ہی قرآن میں لعنت اللہ علی الذکابین کہہ کر اللہ کی لعنت کا مستحق بنادیا گیا اور دروغ گوئی کی مذمت کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کذب بیانی کو گناہ کبیرہ میں شمار کیا، اس پر جہنم میں ٹھکانہ بنانے کی وعید سنائی، تو کیا محض ایک خطا پر ہی اتنا کچھ کہا؟؟

لیے اس دہلی چنگاری کو پھر سے دہکانے کی کوشش کی جو علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائے جانے کے وقت بھڑکی تھی۔ ان کوفیوں نے حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لیے سینکڑوں خطوط لکھے چنانچہ حسین رضی اللہ عنہ اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ نکلے لیکن جب ان کے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل رحمہ اللہ نے، جنہیں تحقیق احوال کے لیے پہلے بھیج دیا گیا تھا اور جن کے ہاتھ پر کوفیوں نے شروع میں بظاہر بیعت بھی کر لی تھی، انہیں کوفیوں کی منافقانہ روش اور بیعت سے پھر جانے کی اطلاع بھجوائی تو حسین رضی اللہ عنہ نے شام کا رخ کیا۔ پھر جب حسین رضی اللہ عنہ اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ شام کے راستے میں واقع کربلا پہنچے تو ان کوفیوں نے اپنے خطوط تلف کرنے کے لیے حسین رضی اللہ عنہ کے قافلے کے خیمے جلادیئے اور پکڑے جانے کے خوف سے پورے قافلے کو شہید کر دیا۔ بات تو بس اتنی ہی تھی جس کو حق و باطل کی گھڑی ہوئی داستان کا رنگ دے کر فرقہ وارانہ کشمکش کی بنیاد فراہم کر دی گئی! یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ وہاں کوئی جنگ لڑنے نہیں گئے تھے ورنہ صرف خاندان کے بہتر افراد ہی نہ جاتے بلکہ فوج اور اسلحہ بھی ساتھ ہوتا۔ ان کوفیوں نے یہ طرز عمل بعد میں مصعب بن زبیر اور عبدالملک بن مروان کے ساتھ بھی اختیار کیا۔ ان کی بے وفائی اور دغا بازی کی وجہ سے کوفی لایو فی (کوفے والا کبھی وفا نہیں کرے گا) کا محاورہ ان کے لیے بطور ضرب المثل استعمال ہونے لگا۔

ملا مجیب نے حاکم سے جدا نہ ہونے سے متعلق ہماری منقولہ مسلم کی حدیث کے حوالے سے یزید رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت توڑنے کے تناظر میں پوچھا ہے کہ کیا وہ صحابہ جاہلیت کی موت مرے جنہوں نے یزید کی بیعت توڑ دی تھی؟ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جاہلیت کی موت مرنے والے کہنے والا مسلمان ہو سکتا ہے؟ پھر یزید کی وکالت کا الزام لگاتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مجروح کرنے اور ان کا ادب و احترام پس پشت ڈال دینے کی تہمتیں بھی عائد کی ہیں حاشا للہ! ہم اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے چہ جائیکہ زبان پر ایسی بات لائیں۔ سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ! ہم نے اپنی تحریر میں کہیں بھی ایسی بات نہیں کہی، یہ ملا مجیب کا محبت باطن ہے جو ایسی باتیں کشید کرتا ہے۔ یہ ناموس صحابہ پر حملہ ہے جو اسلام سے خارج

کرنے کے لیے کافی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے: **كُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى** (الحجید: ۱۰) ”اللہ نے ان سب سے اچھا وعدہ کر رکھا ہے۔“۔ صحابہ کرام اور اہل بیت علیہم السلام سے محبت تو ایمان کا لازمی تقاضا ہے اور ان کے لیے گستاخانہ و ناشائستہ الفاظ استعمال کرنے کو ہم ایمان کے منافی سمجھتے ہیں۔ ملا مجیب کے اسلاف کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ناموس پر حملوں کے واقعات قارئین نے عنوان ۲ کے تحت پڑھ لیے ہونگے، لگتا ہے یہ اسی کی باقیات ہیں جو ملا مجیب کے ذہن میں سمائی ہوئی ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ

ملا موصوف نے اعتراض اٹھایا ہے کہ ہم نے جو مسلمانوں کو تلقین کی ہے کہ بغض یزید رحمۃ اللہ علیہ سے دور رہیں اور ایک مغفور تابعی کو لعن طعن و سب و شتم کر کے جہنم کا سامان نہ کریں تو اس طرح کہہ کر ہم نے اپنے مدوح یزید کو خود ہی جہنم رسید کر دیا کیونکہ مغفور تابعی پر محض لعن طعن ہی داخلہ جہنم کا سبب بن سکتی ہے تو کیا اس سے لڑنا ایسا نہیں؟ اور مزید خامہ فرسائی فرمائی ہے کہ جو صحابہ اور تابعین اس کے مقابلے میں آئے ان کے بارے میں ہمارا عقیدہ جہنمی ہونے کا ہے یا جنتی ہونے کا؟ اور اگر حدیث قسطنطنیہ کی بشارت کی وجہ سے یزید پر لعن طعن جہنم کا سبب ہے تو قسطنطنیہ کی لڑائی میں شریک صحابی حسین رضی اللہ عنہ سے لڑنا جہنم کا سامان نہیں؟

گزشتہ صفحات میں ہم واضح کر آئے ہیں کہ کربلا کے واقعے کو بنو امیہ کے مخالف راویوں اور شیعہ مؤرخین نے حق و باطل کا معرکہ بنا دیا اسی طرح کئے اور مدینے پر چڑھائی کرنے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا جنگ کر کے شہید ہونے کے واقعات میں مبالغہ آرائی نے ان سب کو ناقابل قبول بنا دیا ہے۔ ہمارا ایمان تو یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر دین سیکھنے اور قیامت تک دوسروں کے لیے نمونہ بن جانے والے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی یزید رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کر کے نہیں توڑی۔ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو بیعت کی ہی نہیں تھی تو توڑنے کا کیا سوال۔ ان کو بیعت پر مجبور کرنے کے لیے یزید رحمۃ اللہ علیہ کا جو بھی کردار رہا ہو واقعہ کربلا اور حرہ میں جس قسم کے بھی معاملات رہے ہوں، ہمیں زبان طعن دراز کرنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان روک دیتا ہے کہ

أَوَّلُ حَيْشٍ مِّنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ
 ”میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (یعنی قسطنطنیہ) پر چڑھائی کرے گا اس کے لیے بخشش ہے۔“

کیونکہ نبی ﷺ نے جو کچھ فرمایا، وحی الہی کے مطابق فرمایا، اس لیے نبی ﷺ کے فرمان یا اللہ تعالیٰ کے علم غیب پر شک کرنا ایمان کے منافی ہے۔ اسی طرح سے فرمان الہی:

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ
 بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي
 تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (التوبة: ۱۰۰)

”مہاجرین اور انصار میں سے جو سابقین اولین ہیں اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اُس سے راضی ہیں؛ اللہ نے ان کے لیے (جنت میں) ایسے باغات بنائے ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ عظیم کامیابی ہے۔“

اور مناقب صحابہ رضی اللہ عنہم کی دیگر آیات اور نبی ﷺ کے متعدد فرامین کو ہم مورخین کی روایات پر ترجیح دیتے ہوئے اپنی زبانیں لگام میں رکھتے ہیں۔

علیین و سچین میں برزخ کی تقسیم

یہ بھی مسلک پرستوں کا مشہور عقیدہ ہے کہ علیین اور سچین عالم ارواح یا برزخ کے دو طبق ہیں، اوپر والے کو علیین کہتے ہیں جس میں انبیاء، صحابہ، اولیاء، صلحا و دیگر مومنین کی رو حیں رہتی ہیں اور نچلے طبق کو سچین کہتے ہیں، جہاں کفار و فساق کی رو حیں مقید ہیں۔

۱۲۹۲ھ میں لکھی جانے والی ”عقائد الاسلام“ نامی کتاب، جس میں بزعم خویش اسلامی عقائد بیان کیے گئے ہیں، اور جسے دیوبندیوں کے اسلاف قاسم نانوتوی، حبیب الرحمن، انور شاہ کاشمیری، مفتی کفایت اللہ صاحبان نے بے حد پسند فرمایا اور ہر مسلمان کو اس کا مطالعہ کرنے اور اسے گھر میں رکھنے کی تلقین کی، اس کتاب میں لکھا ہے کہ

”اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ جو لوگ دنیا میں قوت نظریہ و قوت عملیہ میں کامل ہیں تو وہ لوگ مرکز عالم قدس یعنی علیین میں کہ جو برزخ ہے، حشر تک رہتے ہیں اور جو لوگ علم و عمل میں ناقص تھے وہ ہمیشہ وہاں عذاب پاوے گا اور طرح طرح کے عقوبات اٹھاوے گا اور سچین میں کہ دوزخ کا اوّل درجہ ہے، رہے گا۔“ (1)

”مومن حشر تک علیین میں آرام اٹھاتے ہیں اور کافر حشر تک سچین میں عذاب پاتے ہیں۔“ (2)

”جب انسان اس منزل فانی کو چھوڑتا ہے تو وہ دوسرے عالم میں پہنچتا ہے۔ اس عالم غیر محسوس میں نیکیوں کا مقام عالم بالا یعنی علیین ہے اور بدوں کا سچین جن کی رو حیں کثافت و ظلمت کی وجہ سے اوپر نہیں چڑھ سکتیں۔“ (3)

(1) عقائد الاسلام: صفحات ۱۶۲، ۱۶۳

(2) عقائد الاسلام: صفحہ ۱۶۹

(3) عقائد الاسلام: صفحہ ۱۷۱

”احادیث میں جزا و سزا کا مقام علیین اور سچین بھی آیا ہے۔“ (1) ★

بریلوی مسلک کے مجدد صاحب فرماتے ہیں:

”..... قبر میں کون ہے؟ جسم کہ روحیں تو علیین یا جنت یا آسمان یا چاہ زمزم وغیرہا مقامات عز و اکرام میں ہیں جس طرح ارواح کفار سچین یا نار یا چاہ واوی برہوت وغیرہا مقامات ذلت و آلام میں۔“ (2)

”مقام علیین ساتویں آسمان کے اوپر ہے۔“ (3)

قرآن وحدیث کی پیروی کے دعویدار اہلحدیثوں کا قول بھی ملاحظہ فرمائیے:

”قرآن وحدیث میں واضح ارشادات موجود ہیں کہ روح کو چاروں مراحل موت وزیست میں فنا نہیں۔ وہ جب سے پیدا ہوئی ہے، زندہ رہنے کے لیے پیدا ہوئی ہے۔ اب دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر وہ زندہ ہیں تو کہاں رہتی ہیں، تو اس کا واضح جواب یہ ہے کہ کافروں کی روحیں ”سچین“ اور مومنوں کی ”علیین“ میں۔ یہ مقام کہاں واقع ہیں؟ یہ جاننے کے نہ ہم مکلف ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں، کیونکہ یہ برزخی زندگی کا معاملہ ہے۔“ (4)

(1) عقائد الاسلام: صفحہ ۱۶۸

★ انہوں نے احمد و نسائی کے حوالے سے روح کے قبض ہونے کے بعد آسمانوں میں لے جائے جانے اور اس کے استقبال اور علیین و سچین میں قیام کے بارے میں حدیث بیان کی ہے جبکہ نسائی کی روایت میں علیین اور سچین کا کوئی ذکر نہیں۔ البتہ صرف مسند احمد میں ایک ہی روایت تین سندوں سے آئی ہے (مسند احمد جلد ۵/۳/۲۸۸)، حدیث البراء بن عازب، احادیث نمبر ۱۸۰۶۳، ۱۸۰۶۴، ۱۸۰۶۵، ۱۸۰۶۶۔ اور یہ بات قابل غور ہے کہ ان تینوں سندوں میں منہال بن عمرو اور زاذان جیسے سخت ضعیف راوی موجود ہیں جن پر محدثین نے سخت جرح کی ہے جو ہماری کتاب ”غذاب برزخ“ اور ”ایمان خالص - قسط دوم“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ نیز ان روایات میں مروی الفاظ: اکتبوا کتاب عبدی فی علیین (یعنی میرے بندے کا اعمال نامہ علیین میں لکھ دو)، اکتبوا کتابہ فی سچین فی الارض السفلی (اس کا اعمال نامہ سچین میں سب سے نچلی زمین میں لکھ دو)، ان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ علیین و سچین لکھے ہوئے دور جسٹریں نہ کہ مقام۔

(2) روحوں کی دنیا: صفحہ ۳۱

(3) روحوں کی دنیا: صفحہ ۱۷۵

(4) شریعت و طریقت: ۳۱۶

”سوال و جواب کے بعد مومن آدمی کی روح کو علیین میں ٹھہرایا جاتا ہے جبکہ کفار منافقین اور مشرکین کی ارواح کو سحین میں بند کر دیا جاتا ہے۔ یاد رہے علیین کتاب کا نام بھی ہے جس میں اہل ایمان کے نام درج کئے جاتے ہیں اور جگہ کا نام بھی ہے جہاں اہل ایمان کی ارواح قیامت تک قیام کرتی ہیں۔ اسی طرح سحین کتاب کا نام بھی ہے جس میں کفار و مشرکین کے نام لکھے جاتے ہیں اور سحین جگہ کا نام بھی ہے جہاں کفار اور مشرکین کی ارواح قیامت تک قید کی جاتی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب!“ (1)

ان کے ”شیخ الاسلام حضرت العلامة مجتہد العصر حافظ عبد اللہ محدث روپڑی صاحب“
سماع موتی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”روح جب منتقل ہوگئی تو وہ علیین یا سحین میں پہنچ کر بہت دور چلی جائے گی اور اتنی دور سے سماع ناممکن ہے۔“ (2)

”اس کے علاوہ اور سنیے۔ اوھر کہتے ہیں کہ قبر میں ”جسم“ ہے، ”روح“ نہیں، اور اوھر کہتے ہیں ”قبر جنہاں وی جیوے ہو“۔ جیسے کس سے جب روح ہی نہیں۔ مزارات سے فیوض ظاہری و باطنی کس طرح ملتے ہیں؟ کس قدر متضاد باتیں ہیں۔ ہم تو پہلے ہی کہتے ہیں کہ برے لوگوں کی روحن سحین میں ہیں اور ”نیکوں“ کی علیین میں ہیں۔ اس لیے اگر قبروں پر جانا ہو تو موت کی یاد کے لیے اور ان کے حق میں دعا کے لیے جانا چاہیے.....“ (3)

”منکر نکیر کے آنے سے تھوڑی دیر پہلے اس کی روح علیین یا سحین سے لوٹا کر اسے ہوش میں لایا جاتا ہے تاکہ وہ سوالوں کے جواب دے سکے۔“ (4)

”رسول اللہ اپنی قبر مبارک میں زندہ نہیں (جیسا کہ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے)۔ آپ کی روح اعلیٰ علیین میں ہے جہاں سے وہ سلام کا جواب دینے کے لیے لوٹائی جاتی ہے۔ اگر آپ قبر میں زندہ ہوں تو روح کے لوٹائے جانے کا کچھ مطلب نہیں نکلتا۔“ (5)

ان کے علماء اپنے فوت شدہ بزرگوں کے لیے علیین میں درجات کی بلندی کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ (6)

(1) قبر کا بیان: صفحہ ۴

(2) توحید الرحمن: صفحات ۱۰۳، ۱۰۴

(3) توحید الرحمن: صفحہ ۱۰۵

(4) روح، عذاب قبر اور سماع موتی: صفحہ ۱۵

(5) روح، عذاب قبر اور سماع موتی: صفحہ ۵۴

(6) صراط مستقیم اور اختلاف امت: صفحات ۱۶۰، ۱۶۸

قرآن میں بھی ان علیین اور سچین کا ذکر آیا ہے، مگر کس انداز میں:

إِنَّ كِتَابَ الْفَجَارِ لَفِي سَجِينٍ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَجِينٌ ۝ كِتَابٌ مَرْقُومٌ ۝
وَلَيْ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۝ (المطففين ۷، ۸، ۹)

”بیشک گناہگاروں کا اعمال نامہ سچین میں ہے اور تمہیں کیا معلوم کہ سچین کیا ہے؟ وہ ایک لکھا ہوا دفتر ہے۔ اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے تباہی ہے۔“

إِنَّ كِتَابَ الْبَرِّ لَفِي عِلِّيِّينَ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ ۝ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ۝ يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ۝ (المطففين ۱۸، ۱۹، ۲۰)

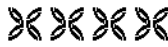
”بیشک نیک لوگوں کا اعمال نامہ علیین میں ہے، اور تمہیں کیا معلوم کہ علیین کیا ہے؟ وہ ایک لکھا ہوا دفتر ہے۔ جس کے پاس مقرب (فرشتے) حاضر رہتے ہیں۔“

مندرجہ بالا آیات سے صاف واضح ہے کہ علیین اور سچین دو دفتروں کے نام ہیں جن میں نیک اور بد لوگوں کے اعمال کا ریکارڈ ہے۔ لیکن ان لوگوں نے عالم برزخ کے ہی دو حصے کر ڈالے۔ یہی ان کا طریق ہے کہ ہر چیز میں تفریق کر ڈالتے ہیں، چاہے وہ ایک امت مسلمہ ہی کیوں نہ ہو جسے انہوں نے فرقوں میں تقسیم کر دیا، خواہ برزخ کہ اسے بھی نہ بخشا اور اس کے دو طبقات بنا ڈالے، حالانکہ برزخ کا معاملہ ایسا ہے کہ دنیا والوں کو اس کا اور برزخ والوں کو دنیا والوں کا ذرا سا بھی ادراک نہیں، ”یہ قیامت تک کے لیے ایک آڑ ہے“ (المومن: ۱۰۰)۔ یہ اللہ کا قانون ہے جس کو توڑنے کی اجازت کسی کو نہیں دیتا اور نہ ہی کوئی اس قانون سے بالا یا مستثنیٰ ہے۔ مگر اس کے برخلاف، یہ مسلک پرست اس امت کو عقیدہ دیتے ہیں کہ

”مومن کی روح خاص کر اولیائے حق اور مصلحائے امت کی رو میں جسم سے جدائی کے بعد اس عالم مادی میں تصرف کی قوت رکھتی ہیں اور ان ارواح کا تصرف قانون الہی کے مطابق ہوتا ہے۔“ (۱)

(۱) اہل اللہ کی عظمت علمائے دیوبند کی نظر میں از اخلاق حسین قاسمی، مطبوعہ جمعیتہ مکتبہ دہلی، صفحہ ۳۴۔
قارئین خط کشیدہ الفاظ پر ذرا غور فرمائیں ان میں روحوں کا دنیا میں آکر تصرف کرنا اللہ کے قانون سے ثابت

”علماء دیوبند ہرگز یہ نہیں کہتے کہ اللہ کے علاوہ غیب کی کوئی بات کسی کو بھی معلوم نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح وہ اس بات کے بھی قائل نہیں ہیں کہ انسان اپنی زندگی میں یا مرنے کے بعد سرے سے کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ ہاں وہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ کسی کو اللہ تعالیٰ نے اتنی قوت نہیں دی ہے کہ وہ جب چاہے غیب کی بات معلوم کر لے یا جب چاہے کوئی تصرف کر لے۔ ہر انسان کو چاہے وہ اس دنیا میں ہو یا عالم برزخ میں، اسے اللہ کی اجازت اور اس کا فیض ضروری ہے۔ جب تک اجازت ہے تب تک عالم برزخ سے بھی کچھ روحوں آکر دنیا والوں کی مدد کرتی ہیں اور انہیں بعض باتیں بتا دیتی ہیں۔“ (۱)



کتاب ہذا کے اس باب کے رد میں ملا تونسوی کو شاید کوئی دلائل نہیں مل سکے لیکن ملا حبیب نے اس پر بھی خامہ فرسائی فرمانا اپنا فرض جانا ہے اور قرآن کی کوئی آیت یا حدیث پیش کیے بغیر عالم برزخ کو علیین اور سجین کے دو طبقات میں تقسیم ثابت کیا ہے۔ اس عنوان پر انہیں اپنی پسندیدہ چوتھے طبقے کی کتابوں سے بھی کوئی دلیل نہیں ملی البتہ ہمارے مہربان سیوطی اور ابن کثیر وغیرہما جن کے دین اسلام پر پہلے ہی بہت ”احسانات“ ہیں، ان کی تفسیروں کے حوالے ہر موضوع اور عنوان پر ہر مسلک پرست کی ”رہنمائی“ کرنے کے لیے یہاں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ ان کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ ”کتاب مرقوم“ دراصل ”سجین“ کی نہیں بلکہ ”کتاب الفجار“ کی تفسیر ہے یعنی ”لکھا ہوا دفتر“ سجین نہیں بلکہ فجار کا اعمال نامہ ہے۔ چونکہ عربی آیات لکھتے ہوئے بھی اردو کی طرح بکثرت غلطیاں کی ہیں اس لیے ”تفنی“ کا لفظ ہی اڑا دیا کہ یہ ”فجار کا اعمال نامہ“ کہاں لکھا ہوا ہے۔ ملا نے اپنی بے مثل قرآن دانی کا اظہار کرتے ہوئے عقدہ کشائی فرمائی ہے کہ

ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے! نہ جانے یہ قانون کون سی کتاب میں لکھا ہے؟ اللہ کی کتاب میں تو یہی لکھا ہے کہ مردے قیامت تک دنیا میں واپس نہیں آسکتے، کوئی تصرف نہیں کر سکتے کہ ان کی روحوں اور دنیا کے درمیان قیامت تک کے لیے ایک ناقابل عبور آڑ حائل ہوتی ہے۔ (سورۃ المؤمنین: ۱۵، ۱۶، ۱۰۰ وغیرہ)

”آپ کو کیا معلوم سمجھین کیا ہے؟ یہ سوال یہ بات فرما کر صرف اس کی ہیبت [شاید ہیبت کہنا چاہتے ہیں جو سمجھین کی ہیبت کی وجہ سے کہہ نہ سکے] کی طرف اشارہ ہے لیکن اس سوال کا جواب نہیں دیا گیا۔ اور یہ ایسے ہے جیسے سورۃ الحاقہ میں قیامت کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا الحاقۃ، ما الحاقۃ، وما ادرک ما الحاقۃ حاقۃ، وہ کیا حاقۃ، اور آپ کو کیا معلوم ہے حاقۃ۔ لیکن اس کے جواب میں کچھ نہیں فرمایا گیا ایسے ہی وما ادرک ما سمجھین سوال ہے لیکن جواب ذکر نہیں کیا گیا.....“ (صفحہ ۳۲۳)

مولوی صاحب! کیوں قرآن کو کھیل بنایا ہوا ہے؟ جس طرح الْقَارِعَةُ ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۲﴾ وَمَا اَدرَکُ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۳﴾ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے حالات کی منظر کشی فرمائی ہے اس طرح الْحَاقَّةُ ﴿۱﴾ مَا الْحَاقَّةُ ﴿۲﴾ وَمَا اَدرَکُ مَا الْحَاقَّةُ ﴿۳﴾ کہہ کر بھی اللہ تعالیٰ نے قیامت کے احوال بیان کیے ہیں؛ کیا اس میں عاد و ثمود کے عذابات، فرعون وغیرہ کی نافرمانی کا انجام، قیامت میں نفخ صور، آسمان کے پھٹ جانے، اعمال نامے کی دائیں یا بائیں ہاتھ میں تقسیم اور انجام کار جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے اور جہنم کے عذاب کا مزہ چکھنے کا ذکر نہیں؟ ملا جی! آپ تو فخر یہ کہتے ہیں مدارس میں قرآن سکھایا جاتا ہے تو اس تعلم کے دوران آپ نے یہ نہیں سیکھا کہ قرآن میں جہاں بھی وَمَا اَدرَکُ کہہ کر کسی اہم چیز کی طرف توجہ مبذول کروائی گئی ہے اس کے بعد اس کی تفسیر اور وضاحت ہی بیان ہوئی ہے۔ زیر بحث آیات کے علاوہ یہ آیات قابل توجہ ہیں جن کو نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا، اس لیے ان کے صرف نمبر لکھے جا رہے ہیں : المذثر: ۲، المرسلات: ۴،

الانفطار: ۱، ۱۸، الطارق: ۲، البلد: ۲، القدر: ۲، القارعة: ۱، ۳، الہمزہ: ۵

یہ تو سمجھین کے ساتھ ان کا معاملہ تھا، علیین کے ساتھ تو اور ہی فنکاری دکھائی ہے! فرماتے ہیں کہ

”۔۔۔ یشہدہ المقربون کی ایک اور تفسیر بھی کی گئی ہے کہ شہد یشہد کا معنی ہے حاضر ہونا اور مقربون سے مقرب بندے مراد ہیں یعنی جس میں حاضر ہوتے ہیں مقرب بندے یعنی جہاں علیین میں اعمال نامے ہیں وہیں اللہ کے مقرب بندے یعنی ان کی ارواح بھی وفات کے بعد حاضر ہوتی ہیں۔ اس تفسیر کے مطابق علیین میں مقربین کی روحوں کا موجود ہونا قرآن مجید سے ثابت ہوگا۔“ (صفحہ ۳۲۳)

ملاّ عجیب نے درج بالا تفسیر کے لیے قرآن کی کسی آیت اور کسی صحیح یا ضعیف حدیث کا بھی حوالہ نہیں دیا، یہاں تک کہ اپنی پسندیدہ تفسیری کتابوں کا بھی کوئی حوالہ نہیں دیا جن سے وہ اپنے مسلک کے ہر باطل کو حق ثابت کرتے ہیں۔ گویا کہ یہ تفسیر ان کی اپنی ہی گھڑی ہوئی ہے۔ افسوس صد افسوس کہ صحاح خود بدلنے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں۔

آگے چل کر تفسیری حوالوں کے ذریعے سچین کا ساتویں زمین کے نیچے جہنم کے ایک کنویں کا ہونا اور علیین کا ساتویں آسمان پر جنت میں ہونے کا دعویٰ کرنے کے بعد آخر میں یہ پیوند بھی لگاتے ہیں کہ اس سے یہ بات نکالنا غلط ہو گا کہ روحیں جب جنت یا دوزخ میں ہوتی ہیں تو ان کا اجسام عنصریہ سے تعلق بھی نہیں ہوتا ایسا ہرگز نہیں..... اجسام عنصریہ کے ساتھ روحوں کے تعلق پر علماء امت کا اجماع ہے معتزلہ کے سوا کوئی بھی اس کا منکر نہیں ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مسلک پرستوں کو ایمان نصیب فرمائے! کیسے بے خوف ہو کر ایک جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے جھوٹ پر جھوٹ بولے جاتے ہیں اور جھوٹ کے ان پلندوں پر ”علماء امت“ کے اجماع کا دعویٰ داغ دیتے ہیں! اور جو اس دروغ گوئی کا انکار کرے، اسے معتزلہ قرار دے ڈالتے ہیں! واقعی شیطان نے اپنے قرینوں (دوستوں) کو بڑا ہی جری بنا دیا ہے۔

حق کو چھپانا

حق چھپانے والوں کے متعلق اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ ۚ ط (البقرہ: ۱۴۰)

”اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اس کو اپنی کو چھپائے جو اسکے پاس اللہ کی طرف سے آئی ہے“

اور ایسے لوگوں کے لیے سخت وعید بتائی کہ

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۚ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ (البقرہ: ۱۵۹)

”جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی واضح نشانہوں اور ہدایتوں کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم نے ان کو لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے اپنی کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے، ایسوں پر اللہ اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔“

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۶۰﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالتَّغْفِيرِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۶۱﴾ (البقرہ: ۱۶۰، ۱۶۱)

”جو لوگ (اللہ کی) کتاب سے (ان) آیتوں اور ہدایتوں کو جو اللہ نے نازل فرمائی ہیں چھپاتے ہیں اور ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) حاصل کرتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے اللہ قیامت کے دن نہ بات کرے گا اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا، اور ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی اور مغفرت چھوڑ کر عذاب خرید لیا۔ یہ جہنم کے عذاب پر کیسے صابر ہیں!“

اور پھر یہ فیصلہ فرمادیا کہ:

..... وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلْهُمَا اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (المائدہ: ۴۴، ۴۵، ۴۷)

”..... جو لوگ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہی لوگ کافر ہیں..... وہی لوگ ظالم ہیں..... وہی لوگ فاسق ہیں۔“

ترمذی نے بھی اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ:

مَنْ سُبِّلَ عَنْ عِلْمِهِ عَلَيْهِ ثُمَّ كَتَمَهُ أَنْجَحَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ بِإِجَامِهِ مِنَ النَّارِ
 ”جس شخص سے کچھ پوچھا جائے، اور وہ اس کو جانتا ہو پھر بھی اس کو چھپائے، تو قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔“ (1)

ستمان حق کی مذمت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ان واضح ارشادات کے باوجود مسلک پرست علماء حقیقت کو چھپاتے ہیں۔ اس کی بہت سی مثالوں میں ایک مثال یہ ہے کہ ہفت روزہ اخبار جہاں، کراچی، میں ایک مسکلی عالم حافظ بشیر احمد غازی آبادی صاحب جو بظاہر ”کتاب و سنت کی روشنی میں“ سوالوں کے جواب دیتے تھے جیسا کہ ان کے کالم کا عنوان تھا، ان سے جب ایک سائل نے مندرجہ ذیل شرکیہ الفاظ:

۔ حقیقت میں دیکھو تو خواجہ خدا ہے..... ہمیں درپہ خواجہ کے سجدہ روا ہے
 ۔ اللہ کے پہلے میں وحدت کے سوا کیا ہے..... جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمدؐ سے

اور عنوان ۱ کے تحت دیئے گئے اسی قسم کے دوسرے اشعار کے بارے میں دریافت کیا تو حافظ موصوف نے یہ کہہ کر حق کو چھپا دیا کہ

”ہم دین کے طالب علم ہیں، ایسے مسئلے میں آپ ہماری رہنمائی فرمائیں کہ آپ کی کیا رائے ہے؟“ (2)

اگر حافظ صاحب یہ بتا دیتے کہ ان اشعار میں کھلا شرک ہے، قرآن و سنت کا مذاق اڑایا گیا ہے، اللہ کو گالیاں دی گئی ہیں، کیونکہ حدیث قدسی میں ہے کہ جو اللہ کے ساتھ ذات کا شرک کرتا ہے وہ اللہ کو گالی دیتا ہے، (3) لہذا ایسے اشعار کہنے والا مشرک ہے جس کی بخشش

(1) جامع ترمذی: جلد ۲، ابواب العلم، باب کتمان العلم، صفحہ ۲۲۲

(2) اخبار جہاں، ۱۶-۲۳ دسمبر ۱۹۸۴ء، صفحہ ۳۳

(3) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب بدء الخلق کا پہلا باب، صفحہ ۲۳۰

ہی نہیں،^(۱) اور اس پر جنت حرام ہے،^(۲) (جب تک کہ سچی توبہ نہ کرے) تو ان کا کالم ہی بند ہو جاتا، روزگار چھن جاتا، کمائی کا ذریعہ بند ہو جاتا، اور نام نہاد عاشقان رسول اور عاشقان اولیاء جو حقیقت میں دشمنان و گستاخان رسول اللہ و اولیاء اللہ ہیں، ان کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ کرتے۔

عیدین پر خاص عید کے حوالے سے معافہ کرنا (یعنی گلہ ملنا) کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، لہذا اس کو لازم سمجھنا عین بدعت ہے، اور اہل علم پر واجب ہے کہ اس کا برملا اظہار کریں۔ مگر عید پر بڑے بڑے اجتماعات میں ایک لفظ بھی اس پر ادا نہیں کیا جاتا۔ کیا یہی قرآن و حدیث کی خدمت ہے؟ کیا یہی کتاب سنت کی اشاعت ہے؟ کیا یہی نظام مصطفیٰ ہے؟ صرف اس خوف سے کہ فتنہ پھیلے گا اور لوگ مخالفت کریں گے، حق بیان نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا ستان کیا جاتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حق کے پہنچانے میں کسی فتنے اور مخالفت کی قطعی کوئی پرواہ نہیں کی تو اپنے زعم میں انبیاء کے وارث ہونے کے دعویدار ایسا کیوں کرتے ہیں جبکہ ان کے معتقد بھی لاکھوں ہیں جو آنکھ بند کر کے ان کی بات کو مؤنذیٰ من اللہ سمجھتے ہیں؟ کیا ان کے لیے رسول ﷺ کا طریقہ کافی نہیں؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں چار جگہ پر غیر اللہ کے نام سے منسوب نذر و نیاز کو مردار، بہتے ہوئے خون اور خنزیر کے گوشت کی طرح حرام قرار دیا ہے۔^(۳) مگر مسلک پرست اس پر زبان کھولنا فتنے کا سبب سمجھتے ہیں، خواہ ستان حق ہو جائے۔ اسی لیے یہ لوگ اور ان کے تابعین جعفر صادق کے نام کے کونڈے، اولیں قرنی کے نام شب برأت کا حلوہ، حسین علیہ السلام کے نام کا محرم کا مالیدہ، شربت اور حلیم، عبدالقادر جیلانی کے نام کی گیارہویں، نبی ﷺ کے نام کی بارہویں، وغیرہ کی نیاز کا کھانا لے لیتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو کھا لیتے ہیں* اور کچھ

(۱) سورة النساء: ۵۸، ۵۹

(۲) المائدة: ۷۲

(۳) البقرة: ۱۷۳ / المائدة: ۳ / الانعام: ۱۴۵ / النحل: ۱۱۵

★ تبلیغی جماعت والوں کے نزدیک توبہ ان معنوں میں حلال ہو جاتا ہے کہ اس طرح سے لوگوں میں جوڑ پیدا ہوگا۔

چھت پر ڈال دیتے ہیں۔ نہ کوئی لینے سے انکار کرتا ہے، اور نہ ان کے حرام ہونے کے متعلق ہی کچھ لب کشائی کرتا ہے۔

تصویر کشی کی نبی ﷺ نے کس قدر مذمت فرمائی ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ فرمایا قیامت میں سب سے زیادہ عذاب تصویریں بنانے والوں کو ہوگا، آپ ﷺ نے تصویریں مٹانے کا حکم دیا، تصویر والے پردے کو اتار کر پھینک دیا، جہاں تصویریں ہوتیں آپ ﷺ وہاں تشریف نہ لے جاتے، اور فرماتے کہ فرشتے ایسی جگہوں پر نہیں آتے جہاں تصویریں ہوں، اور تصویر بنانے والوں پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی^(۱) لیکن ان سب وعیدوں کے باوجود مسلک پرستوں کو دیکھیں کہ کیسے اہتمام سے اپنی تصاویر روزانہ اخبارات میں چھپواتے ہیں، ان کی تقریبات میں تصویر کشی کا خاص انتظام کیا جاتا ہے اور اس پر لطف یہ کہ ملک میں اسلامی شریعت، نظام مصطفیٰ کے نفاذ کا مطالبہ بھی منہ بھر کر کیا جاتا ہے!!



کتاب ہذا کے اس باب کے جواب میں علامہ مجیب اور علامہ تونسوی کا خاموشی اختیار کرنا اور اس کے رد میں کوئی دلائل نہ دینا یہ ثابت کرتا ہے کہ ان کے اکابرین سے واقعی استہان حق کا ارتکاب ہوا ہے اور ہوتا رہتا ہے یعنی یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے!

(۱) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب اللباس، باب ۵۳، "التصاویر" باب ۵۴، من صور صورة.....،

دین کو پیشہ بنانا

قرآن میں مالک کا صاف ارشاد ہے کہ

وَلَا تَشْتَرُوا بِإِيمَانِكُمْ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ وَإِيَّامِي فَاتَّقُونِ ○ (البقرہ: ۴۱)

”اور نہ بیچو میری آیات کو (دنیا کی) قلیل قیمت پر اور صرف مجھ سے ڈرتے رہو۔“

اللہ کے رسول ﷺ نے بھی یہی فرمایا کہ:

اقْرءُوا الْقُرْآنَ وَلَا تَعْلَمُوا فِيهِ وَلَا تَخْشَوْا عَنْهُ وَلَا تَأْكُلُوا بِهِ

وَلَا تَسْتَكْبِرُوا بِهِ

”قرآن پڑھو اور اس میں غلو نہ کرو اور اس سے اعراض نہ کرو، اس کو ذریعہ معاش نہ بناؤ اور نہ

ہی اس سے بہت سے دنیاوی فوائد حاصل کرو“ (1)

اِتَّخِذْ مُؤَدِّنًا لَا يَأْخُذْ عَلَىٰ إِذَانِهِ أَجْرًا

”مؤذن ایسا مقرر کرو جو اپنی اذان پر اجرت نہ لیتا ہو۔“ (2)

اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی فتویٰ ہے کہ

”اذان، نماز، امامت، حج، تعلیم قرآن و حدیث اور فقہ پر اجرت لینا ناجائز اور حرام ہے۔“ (3)

مگر اس کے باوجود ان مسلک پرستوں کا جو کتاب و سنت اور فقہ حنفی کے پیرو ہونے کے دعوے کرتے ہیں اور ملک میں اپنے مسلک کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں، تعامل دیکھیں کہ اذان دینے پر اجرت، امامت کرانے کی اجرت، نکاح پڑھانے کی اجرت، قرآن پڑھانے کی اجرت، حتیٰ کہ نومولود بچے کے کان میں اذان دینے تک کی اجرت وصول کرتے ہیں اور اس

(1) مسند احمد: (۳/۴۴۳) حدیث عبدالرحمن بن شبل، حدیث نمبر ۱۵۴۲۳، جلد ۴، صفحہ ۴۷۲

(2) جامع ترمذی: جلد ۱، ابواب الصلوٰۃ، باب کراہیۃ ان یأخذ المؤذن علی الاذان اجرا، صفحہ

۱۲۱/ سنن ابی داؤد: جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۹۰، اخذ الاجر علی التاذین، صفحہ ۲۲۹، وغیرہ

(3) الہدایہ: صفحہ ۲۸۷

کو ناجائز اور حرام تو کجا، عین ثواب اور دین کی خدمت سمجھتے ہیں۔ مدرسہ و مسجد کے لیے دھڑا دھڑ چندے وصول کرتے ہیں خواہ کوئی سود کا کاروبار کرنے والا دے یا اور کوئی حرام کار، یہ اس کی تحقیق ضروری نہیں سمجھتے۔ فضائل سنانا کر سب سے پیسے اکٹھے کرتے ہیں، اور اس مقصد کے لیے ان کے بے شمار سفراء و نمائندے رسیدیں و سندیں لیے ملک و بیرون ملک کے طول و عرض میں پھرتے رہتے ہیں۔

یہ دین کے تاجر محولہ بالا آیت سن کر فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو یہودیوں کے لیے نازل ہوئی ہے۔ صحابی رسول حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی یہی کہا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

”کتنے اچھے ہیں تمہارے بھائی بنی اسرائیل کہ بیٹھا بیٹھا سب تمہارے لیے اور کڑوا کڑوا سب ان کے لیے۔ ہر گز نہیں۔ اللہ کی قسم تم ان ہی کے قدم بقدم چلو گے۔“ (1)

تمام الہامی مذاہب حق ہیں، اصلاً ایک ہیں (باختلاف جزئیات و فروعات) اور سارے انسان امت واحدہ۔⁽²⁾ ایسا نہیں ہے کہ ایک مذہب کی محرّمہ اور ممنوعہ اشیاء (ماسوائے چند مخصوص مستثنیات) دوسرے مذہب میں حلال ہو جاتی ہوں یا گناہ ثواب میں بدل جاتا ہو۔ دینی امور پر اجرت اگر اہل یہود کے لیے حرام ہے تو اہل اسلام کے لیے بھی کسی آیت یا حدیث کی روشنی میں حلال نہیں کیونکہ شریعت روزِ اوّل سے ایک ہی چلی آرہی ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ط (الشوری: ۱۳)

”اس (رب) نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا ہے جس کے اختیار کرنے کا حکم نوح کو دیا تھا اور جس کی (اے نبی!) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔“

تبلیغ والے اکثر اپنی ترغیبات میں کہتے ہیں کہ اگر تم اللہ کے دین کا کام کرو گے (یعنی ان کی رائے و نڈمار کہ سُنکد بند مسلکی تبلیغ) تو اللہ گھر بٹھا کر کھلائے گا۔ اور مثال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دیتے ہیں

کہ نبوت ملنے کے بعد انہوں نے کوئی معاش اختیار نہیں کیا۔ انہیں معلوم ہو کہ نبی ﷺ نے کبھی بھی دین کو کھانے کمانے کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ ہمیشہ محنت کی۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی نبی بھیجے، سب نے بکریوں کی گلہ بانی کی۔ (1) رسول اللہ ﷺ نے بھی یہ کام کیا۔ (2) اور بھی دوسرے کام کیے۔ دینی امور پر کبھی کسی نے اجرت نہیں لی۔ بلکہ ان کا تو یہ جواب ہوتا تھا کہ

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

(الشعراء: ۱۳۵: ۱۳۵ وغیرہ)

”اور میں اس (دین) پر تم سے اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو تمام جہانوں کے پالنے والے کے ذمے ہے۔“

نبی ﷺ اور آپ کے گھر والوں کے لیے صدقے کا مال جائز نہ تھا۔ (3) مانگ کر کھانے سے آپ ﷺ منع فرماتے تھے۔ (4) بغیر کسب کیے آپ ﷺ کھا نہیں سکتے تھے کیونکہ خود فرماتے تھے کہ:

مَا أَكَلْنَا أَحَدًا طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِّنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ

”کسی آدمی کے لیے اس سے بہتر کوئی روزی نہیں کہ اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھائے۔“ (5)

اس لیے نبی ﷺ بھی لازماً کسب معاش کرتے تھے۔ نبوت ملنے سے پہلے نبی ﷺ تجارت کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ خدیجہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا عرب کی مالدار خاتون تھیں۔ نبوت ملنے کے بعد ان کا مال اور جو نبی ﷺ نے تجارت سے کمایا تھا، کام آتا رہا۔ سورۃ الفرقان کی درج ذیل آیت پر غور کریں:

وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ (الفرقان: ۷)

”وہ (مشرکین مکہ) کہتے کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔“

(1) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب بدء الخلق، باب ۳۳۱۔ یعکفون علی اصنام، صفحہ ۳۳۳

(2) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الاجارات، باب ۴۰۱ رعی الغنم علی قراریط، صفحہ ۸۸۵

(3) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الزکوٰۃ، باب ۹۴۳ ما یدکرفی الصدقة علی النبی ﷺ، صفحہ ۶۴۰

(4) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الزکوٰۃ، باب ۹۴۳ الاستغفاف عن المسئلة، صفحات ۶۳۳، ۶۳۴

(5) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب البیوع، باب ۱۲۹۱ کسب الرجل وعمله بیده، صفحہ ۸۲۸

اس آیت سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ نبی ﷺ کسب معاش کرتے تھے اور اسی مقصد کے تحت آپ کا بازاروں میں آنا جانا ہوتا تھا جس پر مشرکین اعتراض کرتے تھے کیونکہ وہ نبی کو عام انسانوں کی مانند نہیں مانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتراض کا اس طرح جواب دیا کہ

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَ
يَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ (الفرقان: ۲۰)

”اور ہم نے آپ سے پہلے بھی جتنے پیغمبر بھیجے سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے“

اس سے نبی ﷺ کے کسب معاش کی مزید تائید ہو گئی اور اس طرف بھی اشارہ ہوا کہ گزشتہ سارے پیغمبر بھی کسب معاش کیا کرتے تھے۔ مدینہ ہجرت کے بعد یہودیوں سے حاصل شدہ جائیداد، غزوات سے موصول مال خمس اور غنیمت وغیرہ سے آپ کے اور آپ کے اہل خانہ کے مصارف پورے ہوتے تھے۔

صحاح ستہ کی کتاب البیوع کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ تمام صحابہ محنت مزدوری کر کے اپنی روزی کماتے تھے۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ کر کوئی نہیں کھاتا تھا۔ عائشہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ محنت مزدوری کر کے کسب معاش کرتے تھے جس سے ان کے بدن سے پسینے کی بو آتی۔ اس لیے ان سے کہا گیا کہ وہ غسل کر لیا کریں تو بہتر ہو۔ ^(۱) اصحاب صفہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ بھی جن کی یہ لوگ مثال دیتے ہیں، صبح کام کاج کیا کرتے اور اس کے بعد علم حاصل کرتے۔ کسی صحابی نے بھی دین کو پیشہ نہیں بنایا۔ وہ سب حلال رزق کمانے اور کھانے والے تھے۔ عائشہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت ہے کہ

لَمَّا اسْتَخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ قَالَ لَقَدْ عَلِمَ قَوْمِي أَنَّ جَوْفَتِي لَمْ
تَكُنْ تَعْجِزُ عَنْ مُؤَنَةِ أَهْلِ وَشُغْلَتْ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِينَ فَيَأْكُلُ الْإِنْسَانُ
بَكْرٍ مِنْ هَذَا الْمَالِ وَاحْتَرَفَ لِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ

(۱) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب البیوع، باب (۲۹۱) کسب الرجل وعمله بیہدہ، صفحہ ۸۲۸

”جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے کہا کہ میری قوم جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرے گھروالوں کی کفالت کے لیے ناکافی نہیں تھا، لیکن اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا ہوں اس لیے ابو بکر کے گھر والے بیت المال میں سے کھائیں گے اور ابو بکر مسلمانوں کا مال تجارت سے بڑھاتا رہے گا۔“ (1)

عمر رضی اللہ عنہ کے اندر دینی علوم کے حصول کی بہت طلب تھی لیکن یہ بھی آپ کو کسب معاش سے نہ روکتی تھی، چنانچہ اس کے لیے آپ نے ایک متبادل انتظام کر رکھا تھا:

قَالَ كُنْتُ أَنَا وَجَارَتِي مِنَ الْأَنْصَارِ فِي بَنِي أُمَيَّةَ بْنِ زَيْدٍ وَهِيَ مِنْ عَوَالِي الْمَدِينَةِ وَكُنَّا تَتَنَاقَبُ النُّزُولَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَنْزِلُ يَوْمًا وَ أَنْزِلَ يَوْمًا فَإِذَا نَزَلْتُ جِئْتُهُ بِخَبَرِ ذَلِكَ الْيَوْمِ مِنَ الْوُحَى وَغَيْرِهِ وَإِذَا نَزَلَ فَعَلَنَ مِثْلَ ذَلِكَ

”آپ فرماتے تھے کہ میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی دونوں بنی امیہ بن زید کے گاؤں میں رہا کرتے تھے جو مدینہ کے بلند علاقے میں ہے، ہم دونوں باری باری نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوتے تھے۔ ایک روز وہ آتا اور ایک روز میں۔ جس دن میں آتا تو اس دن (مجلس نبوی) کی ساری خبریں، وحی وغیرہ (جو اس دن آپ ﷺ پر آتیں) اس کو بتاتا۔ اور جس دن اس کی حاضری ہوتی تو وہ بھی ایسا ہی کرتا۔“ (2)

اور یہ نافعہ معاش کی مصروفیات کی وجہ سے ہوتا ورنہ مجلس نبوی سے غیر حاضری اور علوم نبوت سے دوری انہیں گوارا نہ تھی اگرچہ وہ باتیں انہیں بعد میں معلوم ہو جاتی تھیں۔ اپنے اس شوق اور اپنی غیر حاضری میں بیان ہونے والی حدیثوں سے لاعلم رہنے پر افسوس کا اظہار انہوں نے اس موقع پر کیا جب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ وہ اس لیے ان کے دروازے سے واپس ہو گئے کہ تین دفعہ سلام کرنے پر بھی جواب نہ آیا تھا اور یہی فرمان نبوی تھا کہ تیسری دفعہ پر بھی سلام کا جواب نہ ملے تو لوٹ جاؤ۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

(1) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب البيوع، باب ۱۲۹، كسب الرجل وعمله بيده، صفحه ۸۲۸

(2) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب العلم، باب ۶۹، التناوب فی العلم، صفحه ۳۶

أَخْفَى عَلَى هَذَا مِنْ أَمْرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُمَا فِي الصَّفْقِ بِأَلَسَاقِ يَعْنِي الْخُرُوجَ إِلَى تِجَارَةٍ

”مجھ کو بازاروں میں مصروفیت یعنی تجارت نے رسول اللہ ﷺ کے اس حکم سے غافل رکھا“ (1)

اور یہ بات تو اسکولوں کی کتابوں میں پڑھائی جاتی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ بہت بڑے تاجر تھے۔ روم و فارس سے آپ کی تجارت ہوتی تھی۔ علی رضی اللہ عنہ بھی کسب معاش کرتے تھے۔ بخاری کی کتاب البیوع میں مدینے کے یہودی سناروں سے ان کے کاروباری معاملات روایت کیے گئے ہیں۔ (2) غرض سارے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم حکم نبوی کی روشنی میں اپنے ہاتھ سے ہی اپنی روزی کما تے تھے، اور کسی ایک نے بھی دین کو کھانے کمانے کا ذریعہ نہیں بنایا تھا۔ فقہاء و محدثین بھی کسب رزق کیا کرتے تھے، آج کے مولویوں کی طرح ہاتھ پیر توڑ کر نہیں بیٹھ جاتے تھے! امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کپڑے کی تجارت کے قصے تو خود ان کے مقلدین ہی بیان کرتے ہیں۔

دینی امور پر اجرت لینے کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کے اقدام کو بطور جواز پیش کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ائمہ مساجد کے وظیفے مقرر کیے۔ سچ یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت انتہائی خوشحالی اور مالی فراوانی کا دور تھا۔ فتوحات کی کثرت کی وجہ سے مال غنیمت کے ڈھیر لگے رہتے تھے جسے ساری مملکت کی رعایا میں تقسیم کر دیا جاتا تھا جس طرح آج کی فلاحی ریاستوں میں ملک کی آبادی کے وظائف مقرر کیے جاتے ہیں۔ احادیث و آثار کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ ان وظائف کو سبقت اسلام، جنگوں میں شرکت، نسبت و قرابت رسول ﷺ کی بنیاد پر تقسیم فرمایا کرتے تھے، چنانچہ غزوہ بدر میں شرکت کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پانچ پانچ ہزار درہم سالانہ دیئے جاتے، (3) مہاجرین اولین

(1) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب البیوع، باب ۲۸۵ الخروج فی التجارة، صفحہ ۸۲۵

(2) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب البیوع، باب ۳۶۷ ما قبل فی الصواع، صفحہ ۸۳۳

(3) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب المغازی، احادیث غزوہ بدر

(شہود المملکۃ بدرآ کے بعد کا بلا عنوان) باب ۴۹، صفحہ ۵۷۰

کو چار چار ہزار درہم سالانہ دیئے جاتے،^(۱) نبی ﷺ کو زیادہ پیارا ہونے کی وجہ سے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پانچ سو درہم زیادہ دیتے،^(۲) رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بارہ ہزار اور پھوپھی صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چھ ہزار دیتے، امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو دس دس ہزار دیتے لیکن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نبی ﷺ سے زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے دو ہزار زیادہ دیتے، اصحاب بدر رضی اللہ عنہم کے فرزندوں کو دو ہزار دیئے جاتے لیکن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹوں حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو قرابت رسول ﷺ کی وجہ سے زیادہ دیتے، اہل یمن اور شام و عراق کے حاجت مندوں کو علی الترتیب دو ہزار، ایک ہزار اور نو سو دیئے جاتے۔ غرضیکہ مملکت اسلامی کے ہر مسلمان فرد کو وظیفہ دیا جاتا تھا، حتیٰ کہ نو مولود کو بھی سو درہم دیئے جاتے تھے۔^(۳) ثابت ہوا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ائمہ مساجد کے لیے کوئی وظیفہ مقرر نہیں کیا۔ وہ دین کا علم رکھنے والے تھے۔ نبی ﷺ کے تربیت یافتہ تھے، آپ ﷺ کی صحبت میں رہ کر احکام شریعت کو اچھی طرح سیکھ چکے تھے۔ ان کے علم دین میں آگے ہونے کی تو خود زبان نبوت نے کئی دفعہ گواہی دی،^(۴) وہ ایک ایسا کام کیسے کر سکتے تھے جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہو کیونکہ

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا

(الاحزاب: ۳۶)

”اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔“

(۱) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب المناقب، باب ۴۵۹، ہجرت النبی ﷺ، صفحہ ۵۲۸

(۲) جامع ترمذی: جلد ۲، ابواب المناقب، باب مناقب زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، صفحہ ۸۰۵

(۳) عمر فاروق: صفحات ۷۷، ۷۸، ۷۹

(۴) صحیح بخاری، جلد ۲، کتاب المناقب، مناقب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، صفحہ ۴۳۳، ۴۳۴

اس لیے یہ کہنا صریح بہتان و افتراء ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ائمہ مساجد کے وظیفے مقرر کیے ورنہ پھر یہ بتایا جائے کہ وظیفہ پانے والی خواتین اور شیر خوار بچے کس مسجد میں امامت کرتے تھے؟ اور کیا وہ امامت کے اہل بھی ہیں؟ یہ بات بھی یاد رہے کہ اس وقت خلیفہ وقت یا عمال امامت کے فرائض بلا معاوضہ سرانجام دیتے تھے، ائمہ مساجد کی الگ سے کوئی تفرری نہیں کی جاتی تھی۔

دینی امور پر اجرت لینے کے جواز میں بخاری کی یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللَّهِ

”سب سے زیادہ اجرت لینے کے لائق تو اللہ کی کتاب ہے۔“ (1)

یہ ان کی فریب دینے کی ایک اور کوشش ہے ورنہ یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ یہ دینی امور پر اجرت لینے کی اجازت نہیں ہے بلکہ ایک استثنائی معاملہ ہے۔ یہ الفاظ نبی ﷺ نے اس وقت ارشاد فرمائے جب صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے ان بکریوں کے متعلق آپ ﷺ سے پوچھا جو انہوں نے ایک ایسی بستی والوں سے لی تھیں کہ جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس دور دراز علاقے میں مہمانی سے انکار کر دیا تھا حالانکہ یہ ملک عرب کا صدیوں سے دستور تھا کہ حلیف قبیلے آنے والے قافلوں کی خاطر مہارت کرتے تھے، اور اسی لیے ان کی مہمان نوازی مشہور تھی۔ جب ان بستی والوں کے سردار کو بچھونے کاٹ لیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے قافلے میں سے ایک نے بطور تازیانہ ان سے کچھ بکریوں کے عوض اس پر دم کر دیا۔ لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان بکریوں کے استعمال میں تردد تھا۔ بہر حال، نبی ﷺ نے صورت حال کا پورا پس منظر معلوم کر کے اجازت دے دی۔ اس سے پچھلی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے وہ بکریاں تقسیم کرائیں اور اپنا بھی حصہ لگوا لیا۔ اگر یہ اجرت کا معاملہ ہوتا تو پھر یہ صرف اسی صحابی کا حق تھا جس نے دم کیا تھا اور مذکورہ انداز میں اس کی تقسیم عام ہر گز نہ کی جاتی۔

(1) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الطب، باب ۲۵، الشرط فی الرقیہ بقطیع من الغنم، صفحہ ۳۲۸

پس ثابت ہوا کہ کسی بھی دینی خدمت پر معاوضہ وصول کرنا از روئے قرآن و حدیث جائز نہیں۔ اس لیے دین کو پیشہ بنانے والوں کو اس حرام کمائی سے توبہ کرنی چاہیے اور اللہ کا فرمان اور اس کے رسول ﷺ کی حدیث یاد رکھنی چاہیے :

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۖ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ (البقرہ: ۱۷۵، ۱۷۶)

”جو لوگ (اللہ کی) کتاب سے ان (آیات اور ہدایات) کو جو اللہ نے نازل فرمائی ہیں، چھپاتے ہیں اور ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) حاصل کرتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے اللہ قیامت کے دن نہ بات کرے گا اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا، اور ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی اور مغفرت چھوڑ کر عذاب خرید لیا۔ یہ جہنم کے عذاب پر کیسے صابر ہیں!“

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ایک شاگرد نے جس کو انہوں نے قرآن پڑھایا تھا، تحفہ کے طور پر ایک کمان دی۔ اس کے متعلق جب نبی ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنْ كُنْتُ تُحِبُّ أَنْ تَطُوقَ طَوْقًا مِنْ نَّارٍ فَأَقْبِلْهَا

”اگر تم پسند کرتے ہو کہ آگ کا طوق پہنو تو اس کو قبول کر لو۔“ (1)

ایک دوسری جگہ اس طرح فرمایا کہ

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغَىٰ بِهِ وَجْهُ اللَّهِ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ

عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرَفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ، يَعْنِي رِيحَهَا

”جو شخص اللہ کی رضا چاہنے والا علم کسی دنیاوی غرض کے لیے حاصل کرے تو قیامت کے دن وہ جنت کی خوشبو تک نہ پاسکے گا۔“ (2)

(1) سنن ابی داؤد: جلد ۳، کتاب الاجارۃ، باب ۶، کسب المعلم، صفحہ ۳۷

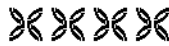
(2) سنن ابی داؤد: جلد ۳، کتاب العلم، باب ۳۰، فی طلب العلم لغير الله، صفحہ ۱۳۱

مسلک پرست لوگ اعمال کے فضائل بتانے کے لیے سنن بیہقی وغیرہ جیسی کتابوں کی کمزور روایتوں کے حوالے بہت دیتے ہیں۔ اسی کتاب میں نبی ﷺ سے یہ قول بھی منسوب کیا گیا ہے کہ:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ يَتَأَخَّرُ بِهِ النَّاسُ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَوَجْهُهُ عَظْمٌ
لَيْسَ عَلَيْهِ نَحْمٌ

”جو شخص قرآن کو اس لیے پڑھے کہ اس کے ذریعے سے لوگوں سے کھائے تو وہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کا چہرہ ہڈی ہو گا جس پر گوشت نہ ہو گا۔“ (1)

نوٹ:- اسی موضوع پر ہمارے دو مستقل کتابچے بھی موجود ہیں: ”دینداری اور دکانداری“ اور ”کیا دینی امور پر اجرت جائز ہے؟“



کتاب ہذا کے اس باب کے رد میں ملاً مجیب اور ملاً تونسوی نے اپنی کتابوں میں جو دلائل دے کر اپنے ہم مسلک پیشہوروں کو دین کی دکان داری کرنے کا جواز فراہم کیا ہے، وہ قریب قریب وہی دلائل ہیں جو ایک دوسرے پیشہ ور ملاً خاکی جان دامانوی نے بھی اپنی کسی اجرتی تحریر میں پیش کیے ہیں اور جن کا تفصیلی پوسٹ مارٹم ہم نے اپنے رسالے ”جبل اللہ“ کے شمارہ ۲۲ میں بعنوان ”فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ“ اچھی طرح سے کر دیا ہے۔ من شاء فلیرجع الیہ۔ باقی کچھ دلائل کا یہاں جائزہ لیا جاتا ہے۔

یہ لوگ فقراء و مساکین اور عالمین زکوٰۃ وغیرہ میں تقسیم صدقات سے متعلق سورہ توبہ کی آیت سے استدلال کرتے ہوئے دینی امور پر اجرت کا جواز کشید کرتے ہیں حالانکہ عالمین زکوٰۃ کو حاکم مقرر کرتا ہے جبکہ تعلیم قرآن، امامت و مؤذنی کے لیے توبہ پیشہ ور خود ہی دوڑ دھوپ کر کے اچھی سے اچھی جگہ تلاش کرتے ہیں جہاں زیادہ سے زیادہ مال ملے۔

پھر یہ تو زکوٰۃ صدقات وغیرہ کے مال کی تقسیم ہے، کیا یہ لوگ زکوٰۃ صدقات کا مال کھاتے ہیں؟ اپنی حرام کمائی کا جواز فراہم کرنے کے لیے یہ بھی بہانہ کرتے ہیں کہ علماء معطلین پر جو شرائط اور قیود عائد کی جاتی ہیں کہ فلاں فلاں مسجد میں پڑھانا ہے، فلاں علم اور فلاں کتاب پڑھانی ہے، اتنا وقت پڑھانا ہے، وغیرہ تو تنخواہ انہی قیود اور اوقات کا معاوضہ ہے۔ یہ ان لوگوں کا محض ڈھکوسلہ ہے کہ انہیں قیود کا پابند کیا جاتا ہے، یہ تو خود ہی تلاش کر کر کے زیادہ سے زیادہ معاوضے والی مساجد و مدارس ڈھونڈتے ہیں، یہ قیدیں تو خود اختیاری ہیں۔ جو کام خالص لوجہ اللہ کیا جاتا ہے اس میں خلوص و خشیت کے جذبات کا رفرما ہوتے ہیں اور اجر کی طلب میں وقت کی قید سے بالاتر ہو کر کام کیا جاتا ہے ورنہ جو کام پیشہ ورانہ انداز میں محض اجرت کے لیے کاروباری طور پر کیا جاتا ہے اس میں پھر اسی طرح وقت کی پابندی کی باتیں ہوتی ہیں۔ ثبوت کے لیے روزنامہ نوائے وقت کراچی کی ۲۰ ستمبر ۱۹۹۳ء کی اشاعت ملاحظہ فرمائیے جس میں یہ خبر چھپی کہ پنجاب کے ایک گاؤں کی مسجد کے امام نے رات کو کسی میت کی نماز جنازہ پڑھانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس کی ڈیوٹی کا وقت ختم ہو چکا ہے جو بس عشاء تک تھی، اب اگر اور ٹائم دوگے تو پڑھاؤں گا!

دم کر کے اس کے بدلے میں بکریاں وصول کرنے والی روایت کو ان پیشہ وروں نے دانت سے پکڑا ہوا ہے حالانکہ یہ اجرت کا معاملہ ہی نہیں تھا مگر یہ لوگ بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ اجرت کا نہیں تھا تو پھر کھانے کے علاوہ کیوں وصول کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ اجرت تو صرف کام کرنے والے کو ہی دی جاتی ہے یا پورے قافلے کو؛ وہ بکریاں تو سارے قافلے میں تقسیم کر دی گئیں بلکہ نبی ﷺ جو قافلے میں بھی شامل نہیں تھے، انہوں نے بھی اپنا حصہ لگوایا۔ کیا دینی امور پر اجرت لینے والے لوگ اپنی اجرت میں دوسروں کا حصہ لگاتے ہیں؟ ہر گز نہیں؛ ہمارا مشاہدہ تو یہ ہے کہ مسجد سے خطیر رقم لینے والا مسجد میں ایک پھوٹی کوڑی بھی کبھی نہیں دیتا! حد تو یہ ہے کہ یہ ظالم اپنی حرام خوری کا جواز ثابت کرنے کے لیے نبی ﷺ کو بھی اس کاروبار میں شامل کر لیتے ہیں اور مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت سے (قطع نظر اس کی صحت کے) بتاتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دم کر کے ایک بکری لی حالانکہ یہ اجرت

تھی ہی نہیں کہ اسے طے ہی نہیں کیا گیا تھا، نبی ﷺ ایک سفر میں تھے اور ایک عورت کے بچے پر دم کیا گیا تو اس نے ہدیہ تین بکریاں عنایت کیں جن میں سے دو لونادی گئیں۔ مگر یہ لوگ تفسیری حوالوں اور سیوطی وغیرہ کی تحریروں کی بنیاد پر اس مالِ حرام کو جائز و حلال ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ اجرتیں مقرر کی تھیں۔ اور انہی حوالوں کی روشنی میں ہمارے پیش کردہ دلائل کو رد کرتے ہیں: کہتے ہیں کہ حکم الہی: وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا کا تعلق یہودیوں سے ہے جو ہاتھ سے لکھ کر کتاب اللہ کے احکامات بدل دیا کرتے تھے؛ نبی ﷺ کے فرمان: اقْرَأُوا الْقُرْآنَ وَلَا تَاْكُلُوْا مِنْهُ کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ یہ بخاری کی دم کر کے بکریاں لینے والی روایت سے منسوخ ہو گئی ہے اور دوسرے یہ کہ یہ تو احمد بن حنبل کی مروی روایت ہے جسے ہم قرآن کے خلاف عقیدہ دینے والا قرار دیتے ہیں!

بلاشبہ ہم احمد بن حنبل کو ایسا ہی کہتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے شاگرد کو خط لکھ کر عودِ روح کے عقیدے کو ایمان کا حصہ بتایا جبکہ قرآن اس کی نفی کرتا ہے کہ قیامت سے پہلے روح نہیں لوٹ سکتی۔ احمد بن حنبل کی روایت ہم نے آپ مولویوں کے لیے پیش کی تھی جنہیں آپ امام تسلیم کرتے ہیں۔

نبی ﷺ کے فرمان: ”مَوْكُنْ اِيْمًا مَّقْرُرًا رُجُوْا اِذَا نَزَلَ بِرَاجِرَتِ نَهْلٍ“ کے بارے میں بغیر کسی دلیل کے دعویٰ کر دیتے ہیں کہ یہ استحباب اور خلافِ اولیٰ پر محمول ہے جو جواز کے قریب ہے اور اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی کہ خبر واحد ہے۔ ملا جی دراصل یہ آپ کے خلاف ہے اسی لیے ”ثابت نہیں ہوتی“ ورنہ اپنے مطلب کی بات ہو تو خبر واحد بھی بلا اعتراض قبول ہے! ملا تونسوی نے نسائی کے کسی حاشیہ کا حوالہ دیتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ابو محذورہ رَضِيَ اللہُ عَنْہُ کو اذان پوری کرنے کے بعد چاندی کی تھیلی عطا فرمائی جس سے اجرت کا جواز معلوم ہوتا ہے، مگر ان میں اتنی بھی دیانت نہیں کہ کم از کم یہی بتا دیتے کہ یہ حاشیہ کس کا لکھا ہوا ہے! ظاہر ہے ان کے کسی پیشہ ور ہم مسلک کا ہی لکھا ہوا ہوگا (پھر بھی آخر چھپنے کی کیا ضرورت تھی!) جس کو اس حدیث میں اذان پر اجرت لینے کی واضح ممانعت نظر نہیں آتی اور اگر نظر بھی آئی تو اس کے جواز کے لیے اس طرح قیاسی گھوڑے

دوڑائے کہ ممکن ہے نبی ﷺ نے ان کو افضل طریقہ پر عمل کرنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا ہو!

علم دین کو دنیاوی غرض کے لیے سیکھنے پر جنت کی خوشبو سے بھی محروم ہونے سے متعلق فرمان نبوی کے بارے میں گل افشانی فرماتے ہیں کہ اس میں نیت درست کرنے کی بات ہے کہ نیت درست ہو تو بحالت اضطراب بقدر ضرورت وظیفہ لینے کی اس حدیث میں ہرگز کوئی مذمت نہیں۔ ہم کوئی نام لیے بغیر عرض کرتے ہیں سینٹ اور قومی اسمبلی میں اپنی اکیلی دیکلی سیٹوں کی اہمیت کے بل بوتے پر نمایاں حیثیت حاصل کرنے والے اپنے ”کروڑی کل“ مولویوں کی بے پناہ جائیدادوں کا اندازہ کر کے پھر ”حالت اضطراب“ اور ”بقدر ضرورت“ اور ”قوت لایموت“ جیسی خود اختیاری و خود ساختہ اصطلاحات کی آپ ہی ذرا تشریح فرمادیجیے گا اور سورہ بقرہ کی اس آیت کی بھی تفسیر فرمادیجیے گا جسے آپ لوگ اپنی دکانداری کا جواز نکالنے کے لیے پیش کرتے ہیں جس میں ان ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کو کہا گیا ہے جن کی فاقہ کشی اور ضرورت مندی چہرے سے ظاہر ہوتی ہے اور جو لوگوں سے مانگتے نہیں ہیں۔

تعلیم قرآن پر بغیر مانگے بھی دیئے جانے پر آگ کے طوق کی وعید والی روایت کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ اس کی سند میں کئی راوی متکلم فیہ ہیں اور وہ کئی راوی مغیرہ بن زیاد اور اسود بن ثعلبہ ہیں جن پر ضعف اور جہل کی جرح نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف روایت ہے۔ اسی طرح کے مضمون کی ابن ماجہ کی روایت کو بھی علاؤننسوئی نے ضعیف اور منکر قرار دیا اور اپنی دیرینہ بازاری زبان میں ہم پر چڑھائی کر دی کہ ان کی پیش کردہ روایتوں پر رجال کی کتابیں کھول کر جروح ثابت کرتے ہیں اور اپنے موقف میں ضعیف و منکر روایت پیش کرتے ہیں، دھوکہ دیتے ہیں، دجل و فریب پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ... وہ...

اس سے پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ ان پیشہ ور مولویوں کا احادیث کی قبولیت و رد کا کیا معیار ہے۔ اپنے مطلب کی روایت کیسی ہی کیوں نہ ہو بہر حال قبول ہے؛ خبر واحد بھی ہو تو قبول ہے کیونکہ کسی کی جرح تو ثابت نہیں اور اگر جرح ہو بھی تو مبہم اور غیر مفسر بلکہ متعصب کہہ

کر رکڑ کر دی جاتی ہے؛ روایت ضعیف بھی ہو تو روا ہے کہ موضوع تو نہیں اور کئی ضعیف مل کر تو ویسے بھی قوی بن جاتے ہیں؛ روایت اگر موضوع بھی ہو تو کچھ ضرر نہیں دیتی کہ بالمعنی درست ہوتی ہے؛ راوی کذاب بھی ہو تب بھی کچھ حرج نہیں کہ کذب بمعنی خطا ہے؛ اگر یہ سب حیلے بھی نہ چل سکیں تب بھی کوئی نقصان نہیں کہ امت نے بہر حال قبول کر لیا اور اب کسی سند کی بھی حاجت نہیں؛ تلقی بالقبول کے ذریعے ہر غلط صحیح ہے، اپنے ہم مسلکوں نے اتفاق کر لیا تو بس اجماع امت منعقد ہو گیا، اب جو اس کا انکار کرے وہ معتزلی ٹھہرے.....

قارئین کی معلومات کے لیے یہاں ہم وہ الفاظ نقل کرنا چاہتے ہیں جو ہم نے اپنے کتابچے ”وینداری یاد کا نداری“ میں اس اعتراض کی حقیقت واضح کرنے کے لیے لکھے ہیں:

نمبر ۲ کے تحت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی گئی ہے جس میں تعلیم قرآن پر اجرت لینا تو درکنار تحفہ تک لینے سے سختی سے روکا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ”پیشہ ورویندار“ اس کو روکا کر نا ضروری خیال کرتے ہیں اور اسے ضعیف ثابت کرنے کے لیے فن وینداری کا پورا زور صرف کر دیتے ہیں۔ اس حدیث پر ان کی رو و قدح کا لب لباب محض اتنا ہے کہ اس کا ایک راوی اسود بن ثعلبہ مجہول اور دوسرا المغیرہ بن زیاد ضعیف ہے۔

دراصل یہ حدیث ان پیشہ وروں کی راہ میں ایک مضبوط رکاوٹ ہے اور اس میں باطل تاویل کے کیے جانے کا بھی کوئی امکان نہیں چنانچہ اس میں امکان بھر طبع آزمائی کی جاتی ہے کہ کسی بھی طرح اس روایت کو ضعیف ثابت کر دیا جائے۔ مگر حقیقت یہ ان کی سعی حاصل ہے کیونکہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو:

قَالَ شُعَيْبٌ: حَدِيثُ عُبَادَةَ هَذَا أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ الطَّحَاوِيُّ ۱۰/۲، وَأَحْمَدُ ۳۱۵/۵ وَأَبُو نُعَيْمٍ فِي ”أَخْبَارِ أَصْبَهَانَ“ ۸۲/۲، وَابْنُ بَيْهَقٍ ۱۲۵/۶ أَكْثَرُهُمْ مِنْ طَرِيقِ مَغِيرَةَ بْنِ زِيَادٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ، وَالْأَسْوَدُ بْنُ ثَعْلَبَةَ تَجْهَوْنُ، لَكِنَّهُ لَمْ يَنْفَرِدْ بِهِ، فَقَدْ أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ ۳۲۲/۵ وَأَبُو دَاوُدَ (۳۲۱۷) مِنْ طَرِيقَيْنِ، عَنْ بَشْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، بْنِ يَسَارٍ، حَدَّثَنِي عُبَادَةُ بْنُ نُسَيْبٍ، عَنْ جُنَادَةَ بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ ۳۵۶/۳ وَوَافَقَهُ الذَّهَبِيُّ

شعب کہتے ہیں کہ عبادہ کی اس حدیث کو لحاوی ۲/۱۰ اور احمد ۵/۳۱۵ اور ابو نعیم نے اخبار اصبحان ۲/۸۲ اور بیہقی ۶/۱۲۵ نے بھی تخریج کیا ہے۔ ان تمام نے مغیرہ بن زیاد کی اسی سند سے اس کو بیان کیا ہے اور اسود بن ثعلبہ مجہول ہے لیکن وہ اس میں منفرد نہیں ہے، مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۲۴ اور ابوداؤد حدیث نمبر ۳۴۱ میں دو طریقوں سے اس کو روایت کیا ہے۔ (حدیث کا دوسرا طرق ہے) عن بشر بن عبد اللہ بن یسار حدیثی عبادہ بن نسی عن جنادہ بن امیہ عن عبادہ بن الصامت اور اس کو حاکم نے جلد ۳ صفحہ ۳۵۲ پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے اس میں اس کی موافقت کی ہے۔

اس حوالے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ عبادہ بن الصامت کی حدیث اسود بن ثعلبہ اور مغیرہ بن زیاد کے علاوہ دوسرے راویوں سے بھی مروی ہے۔ اس طرح حدیث کے دو طرق یادو سندیں ہوئیں بنا بریں اسود بن ثعلبہ کی جہالت اور مغیرہ بن زیاد کے مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے اس روایت کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ دین کی دکانداری کرنے والوں پر اس حدیث کی صحت ثابت کرنے کا فیصلہ کن حوالہ ان کے اپنے پیشوا ناصر الدین البانی کا ہے۔ انہوں نے عبادہ بن الصامت کی زیر بحث حدیث اپنی کتاب ”صحیح سنن ابی داؤد“ میں تخریج کی ہے اور اس کے دونوں طرق کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے صحیح سنن ابی داؤد، جلد ۲، صفحہ ۶۵۵۔ کیا یہ لوگ اس روایت کو اب بھی ماننے پر تیار نہیں ہیں؟ بلا تحقیق حدیث کو ضعیف قرار دینا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اس حدیث کو رد کرنے کا پہلے ہی فیصلہ کر لیا گیا ہے اور پھر اس کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے ادھر ادھر سے ”تحقیقی نوادرات“ اور ”شہ پارے“ جمع کر کے پیش کیے جاتے ہیں۔ [اقتباس ”دینداری یا دکانداری“ صفحات ۱۰، ۱۱]

عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زیر نظر حدیث چونکہ ان مولویوں کی حرام خوری کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی جو کہ قرآن پڑھانے کی مقررہ تنخواہ تو درکنار کسی ہدیئے تحفے کی بھی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتی، اس لیے اس کو ضعیف قرار دے ڈالا اور نہ اس کے علاوہ کوئی ضعیف روایت ہرگز ضعیف نہیں بشرطیکہ ان کے باطل عقائد و نظریات اور اعمال کے ثبوت میں موسید ہو! مسلک پرستوں کا یہ ایک عمومی حربہ ہے کہ اپنے باطل عقائد و اعمال کے خلاف صحیح بھی غلط اور ہر طرح سے قابل رد ہے جبکہ ان کی تائید کرنے والا غلط بھی درست اور ہر طرح سے قابل قبول ہے! **وَيَنْتَظِرُونَ لِقَاءَ قَوْمِهِمْ...**

اذان، نماز، امامت، حج، تعلیم قرآن و حدیث و فقہ پر اجرت لینا ناجائز اور حرام ہونے سے متعلق امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے کے بارے میں یہ حیلہ تراشا کہ صاحب ہدایہ، علامہ شامی، فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین پانچ سو علماء وغیرہم نے آج کے دور میں ان امور پر اجرت لینا اس وجہ سے جائز قرار دیا ہے کہ پہلے یہ اجرت بیت المال سے دی جاتی تھی جو اب موقوف ہو گئی ہے اس لیے دین کو باقی رکھنے کے لیے اس کو جائز رکھا جائے ورنہ علوم دین برباد ہو جائیں گے۔ غور کریں، یہ ہے ان کی فنکاری: اپنے مفاد کے خلاف اپنے ”امام اعظم“ کے فتوے کو بھی پس پشت ڈالنے سے دریغ نہیں کرتے! قارئین! یہ ان کے دل کے بہلاوے ہیں اور شیطان نے ان کے کر توت کو ان کے سامنے مزین کر دیا ہے ورنہ بتایا جائے کہ امام ابو حنیفہ جن کا یہ فتویٰ ہے اور جو ان مسلک پرستوں کے دعوے کے مطابق ہزاروں لوگوں کو قرآن و حدیث و فقہ کی تعلیم دیتے تھے، اور جن کے دلائل شاگرد امام محمد اور امام ابو یوسف کا بھی (بنو عباس کے دور میں قاضی القضاۃ مقرر ہونے سے پہلے) یہی حال تھا، ان لوگوں کو کون سے بیت المال سے وظیفے دیئے جاتے تھے؟ یہ لوگ تو اس عظیم تعلیم و تعلم کے باوجود (جس کے یہ مسلک پرست بلند بانگ بہت دعوے کرتے ہیں) اپنے ہاتھ سے کام کر کے کسب معاش کرتے تھے۔

ملاؤ نسوئی نے پیشہ دروں کے انداز میں جس طرح تقریباً ہر عنوان پر سرخیوں پر سرخیاں جمائی ہیں کہ اس پر پندرہ دلائل، اس پر بیس دلائل، اس پر اتنے اور اس پر اتنے، اسی طرح دینی امور پر اجرت کو جائز ٹھہرانے کے لیے انہوں نے چھبیس دلائل دیئے ہیں اور لطیفہ یہ ہے کہ اپنی پسندیدہ تیسرے چوتھے طبقے کی کتابوں کی ناقابل استدلال روایتوں کے ساتھ قرآن کی وہ آٹھ آیات بھی پیش کی ہیں جو محتاج مساکین کو صدقات دینے، یتیم کی کفالت کرنے والے کو فقیر ہونے کی صورت میں مال یتیم سے بقدر ضرورت لے لینے، موسیٰ علیہ السلام کو بکریوں کو پانی پلانے کی نیکی کا صلہ دینے، نبی ﷺ کو مال غنیمت اور فے سے خمس ادا کرنے، مطلقہ ماں سے اپنے بیٹے کو دودھ پلانے کا معاوضہ دینے، عورتوں کو نکاح کی مہر دینے اور نیکی کا صلہ نیکی ہونے سے متعلق ہیں اور اپنی مزعومہ ہر دلیل کے بعد اپنا مطلب

کشید کرتے ہوئے دینی امور پر اجرت کو جائز ٹھہرایا ہے! یہ امر توجہ طلب ہے کہ اگر مہر عورت کے نکاح کا معاوضہ ہے تو یہ معاوضہ صرف عورت کو ہی کیوں دیا جاتا ہے، نکاح تو مرد کا بھی ہوتا ہے، اس کی اجرت کہاں گئی اور کون دے گا؟ آخر میں ملا مجیب نے اشرف علی تھانوی اور ملا تونسوی نے مفتی شفیع عثمانی کی تحریروں سے استدلال کرتے ہوئے ان دینی امور پر اجرت کو جائز اور ضروری قرار دیا ہے اگرچہ ان کے پیش کردہ تفسیری حوالے، فتاویٰ اور آراء سب کے سب تعلیم قرآن اور اذان سے متعلق ہیں، روایات بھی دم سے متعلق ہیں، لیکن امامت کا اجرت کا جواز انہوں نے نہ جانے کہاں سے نکالا ہے؟

باب کے اختتام پر ملا مجیب نے راقم کو ”محرف و مفسد“ کہہ کر دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں اور ملا تونسوی نے ”گندی تعبیریں گندے ذہن کی عکاس ہیں“ کی سرخی جما کر ان مسلک پرستوں کو دین کو دکانداری بنا کر نماز فروش، اذان فروش وغیرہ کہے جانے پر اپنی سو قیادہ زبان کے خوب ہی جوہر دکھائے ہیں۔ ملا جی آپ کی یہ پوری کتاب ہی آپ کی تہذیب، تمیز، تربیت وغیرہ کی ترجمانی کرتی ہے اور اس میں جو ”عالی“ القابات اور ”پاکیزہ“ زبان آپ نے ہمارے لیے استعمال کی ہے ان سے آپ کا اپنا تعارف بخوبی ہو جاتا ہے کہ کہیں سے بھی نہیں لگتا کہ یہ کوئی معزز و محترم عالم دین ہیں بلکہ تحریری انداز پکار پکار کر اپنے لکھنے والے کی حقیقت کی گواہی دیتا ہے کہ یہ کون شخص ہے۔ عالم دین تو اللہ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں اور دین کو کمائی کا ذریعہ بنانے والوں کی حیثیت تو سورہ اعراف میں واضح کر دی گئی ہے:

وَإِنَّ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي أُتِيْنُهُ أَيْتِنَا فَأَنْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ
الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْعَوْنِ ﴿١٤٤﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَنَعِزَّنَهُ
أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحَبَّلَ عَلَيْهِ
يَلْهَثُ أَوْ تَتْرَكُهُ يَلْهَثُ ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا
فَاقْصُصْ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١٤٥﴾ سَاءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِينَ
كَذَبُوا بِآيَاتِنَا وَأَنْفُسُهُمْ كَانُوا بِظُلْمٍ ﴿١٤٦﴾ [الاعراف: ١٤٤ تا ١٤٦]

”اور ان کو اُس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں، پھر اس نے انہیں چھوڑ دیا تو شیطان اُس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہوں میں ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اُس (کے درجے) کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا تو اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے اور یوں ہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔ یہی مثال اُن لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ تو ان سے یہ قصہ بیان کرو تا کہ وہ فکر کریں۔ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اُن کی مثال بری ہے اور انھوں نے نقصان (کیا تو) اپنا ہی کیا۔“

ملاّ تونسوی نے کتاب کے اختتام پر ہم سے دو سوال بھی پوچھے ہیں: ایک سوال تو قرآن مجید کی چھپائی کی اجرت لینے اور اس کی خرید و فروخت سے متعلق ہے اور دوسرا یہ کہ ہم کن کاموں کو دینی امور سمجھتے ہیں اور کن کو نیکی جانتے ہیں۔ پہلے کے بارے میں فرمایا کہ اگر اس کو حرام اور ناجائز بتایا تو خرید و فروخت کی زد میں آیا ہوا قرآن کیسے قابل اعتماد ہو گا اور اگر یہ کہا کہ کاغذ وغیرہ کی قیمت لینا جائز ہے تو پھر معلمین قرآن بھی وقت کی تنخواہ لیتے ہیں، قرآن کی نہیں۔ دوسرے کے بارے میں اپنے مذکورہ صدر چھپیس دلائل کے بارے میں بتایا کہ یہ سب نیکی کے کام تھے جن پر معاوضہ لیا گیا تو پھر دوسرے نیک کاموں پر اجرت لینا کیوں ناجائز ہوا اور اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ اور ان کے دلائل بھی مانگے ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں، یہ وقت کی پابندی، محبوس ہو جانا، وغیرہ ان مولویوں کے ہتھکنڈے ہیں جو انہیں ان کے دیرینہ رفیق نے بھائے ہیں: **يُؤَيِّدُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْفَقْرِ غَوْرًا**! ان کو کوئی وقت کا پابند نہیں بناتا، کوئی ان پر قیدیں نہیں لگاتا، یہ لوگ تو خود ہی تلاش و جستجو سے ایسی مساجد اور مدارس میں امام و مدرس لگتے ہیں جہاں انہیں زیادہ سے زیادہ مال ملے۔ رمضان میں ملاّ تونسوی کے علاقے اور اطراف و جوانب سے حفاظ کی ٹولیاں کراچی اور دوسرے بڑے شہروں پر یلغار کر دیتی ہیں تاکہ تراویح میں قرآن سنا کر زیادہ سے زیادہ معاوضہ وصول کریں۔ کراچی کی اکثر مساجد کے امام اور مدارس کے معلمین انہی علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں جو محض مال کمانے اتنی دور آئے ہوئے ہیں۔ ذرا غور فرمائیے! مسلک پرستوں کے مؤذن نے اپنے حجرے سے نکل کر اذان دی، ہر شعبہ

زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ آس پاس سے نکل کر مسجد کی طرف چل پڑے، دکاندار اپنی دکانیں چھوڑ کر، مزدور اور دستکار اپنی مزدوری اور کام چھوڑ کر، مختلف خدمات فراہم کرنے والے اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر؛ ملاّ تو نسوی بھی اپنے حجرے سے نکلے، تین چار رکعت پڑھائیں اور پھر واپس اپنے پتکھے دار آرام وہ حجرے میں تشریف لے گئے، باقی لوگ بھی اپنے اپنے کاموں پر واپس چلے گئے، مؤذن صاحب بھی اپنی کوٹھڑی میں جاگھسے یا کسی بچے کو قرآن کی ٹیوشن پڑھانے چل دیئے، یہ سلسلہ اسی طرح تقریباً ہر نماز کے وقت دہرایا جاتا ہے۔ جب سارے لوگ اپنے اپنے کام کرتے ہوئے بھی وقت کی پابندی کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں تو پھر یہ مؤذن اور ملاّ تو نسوی جیسے لوگوں کو کس نے قید میں جکڑا ہے، یہ بھی نکلیں اور کوئی کام کریں، کپڑے بیچیں جیسے امام ابو حنیفہ بیچا کرتے تھے، پھل فروٹ، سبزی، کریانہ کچھ بھی بیچیں مگر اذانیں اور نماز نہ بیچیں، قرآن کی تعلیم نہ بیچیں بلکہ اللہ سے اجر کی طلب میں بلا معاوضہ پڑھائیں۔

اور جہاں تک مصحف قرآن کی خرید و فروخت کا تعلق ہے تو، اس کو بھی کاروبار نہ بنایا جائے بلکہ مخیر لوگ یہ کام بھی فی سبیل اللہ کریں جو ان کے لیے باعثِ اجر ہو اور یہ سلسلہ بلا رکاوٹ چلتا رہے۔ ایسا کرنے سے قرآن پر اعتماد اور یقین میں کس طرح کمی آسکتی ہے؟ جب اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے تو یہ ان شاء اللہ محفوظ ہی رکھا جائے گا خواہ مسلک پرست فجار کے ہاتھوں یا پیشہ ور دینی تجار کے ہاتھوں۔

اب رہا ان کا دوسرا سوال، تو مومن کی زندگی کا ہر عمل نیکی ہے، عبادت ہے، اگر اللہ کے حکم اور نبی ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو۔ دیانتداری سے گاڑی چلانے والا ڈرائیور اور آخرت کی جواب دہی کا احساس رکھتے ہوئے لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کے لیے نگرانی کرنے والا چوکیدار بھی نیکی کے عامل اور اجر کے مستحق ہیں، لیکن یہ وہ دینی امور نہیں جن کی اجرت اور معاوضہ لینے سے قرآن و حدیث میں منع کیا گیا ہے ورنہ پھر تو کسب معاش کے ایک مومن کا ہر عمل ناجائز ٹھہرے گا لیکن چونکہ خود ہر نبی نے اپنے ہاتھ سے کسب معاش کیا، تمام صحابہ اور اولیاء اللہ بھی اپنے ہاتھ سے کام کر کے کسب معاش کرتے تھے اس لیے

یہ سب کام جائز ٹھہریں گے اور ان پر معاوضہ وصول کرنے میں کوئی کلام نہیں مگر دعوت دین، اللہ کی کتاب کی تعلیم، امامت، مؤذنی، نکاح خوانی وغیرہ جیسے امور پر کسی نبی اور صحابی نے کوئی معاوضہ وصول نہیں کیا اس لیے صرف یہی کام وہ دینی امور ٹھہریں گے جن پر اجرت لینا ناجائز ہوگا اور اس پر اجر اللہ ہی سے مطلوب ہوگا۔ اس کے دلائل قرآن و حدیث اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہ ہیں جن کو ہم نے اس باب کے شروع میں اور اپنے کتابچوں ”دینداری یاد دانداری“ اور ”دینی امور پر اجرت“ میں بالتفصیل بیان کیا ہے۔ من شاء فلیرجع الیہن

قرآن کو مشکل بنانا

زکریا کا ندھلوی صاحب ”فضائل قرآن“ میں لکھتے ہیں کہ:

”قرآن شریف کے دو معنی ہیں: ظاہری اور باطنی۔ ظاہری معنی کو ہر شخص سمجھتا ہے اور باطنی معنی کو ہر شخص نہیں سمجھتا۔

صوفیوں کے نزدیک ظاہری معنی قرآن کے الفاظ ہیں اور باطنی معنی اس کا مطلب جو حسب استعداد مختلف ہوتے ہیں۔“ (1)

یہ اللہ کے رسول پر بہتان ہے۔ نبی ﷺ نے سب کو قرآن مجید کے ہمیشہ ایک ہی معنی بتائے جو کبھی بھی مختلف نہیں ہوئے۔ نبی ﷺ کو مالک الملک نے حکم دیا کہ:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ (المائدہ: ۶۷)

”اے رسول! (لوگوں تک) پہنچا دو جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے، اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔“

پچھے عنوان ۱۶ کے تحت بخاری کی حدیث نقل کی گئی تھی جس میں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا تھا کہ

وَمَنْ حَدَّثَكَ أَنَّكَ كُتِبَ فَقَدْ كَذَبَ / فَقَدْ أَعْظَمَ عَلَى اللَّهِ الْفِرْيَةَ

”جس شخص نے تم سے یہ کہا کہ نبی ﷺ نے کچھ چھپایا تو بیشک اس نے جھوٹ کہا/ اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا“

اور پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سورۃ المائدہ کی مندرجہ بالا آیت ہی تلاوت کی تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں تمام حاضرین سے اس بات پر شہادت طلب کی

کہ نبی ﷺ نے اللہ کا پیغام ان تک پہنچا دیا۔ ان سب لوگوں نے اس بات کی گواہی دی کہ بیشک آپ نے بلا کم و کاست مالک کا پیغام ان تک پہنچا دیا۔ اس پر نبی ﷺ نے اللہ کو گواہ بنایا۔^(۱) اللہ نے وحی نازل فرمائی :

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدہ: ۳)

”آج کے دن میں نے مکمل کر دیا تمہارے لیے تمہارا دین“

اور اس طرح آخری مہر ثبت کر کے محمد ﷺ کی نبوت کے مشن کی تکمیل کا اعلان فرمادیا۔^(۲) آپ ﷺ نے ان لوگوں کو کوئی دو قسم کے معنی نہیں بتائے تھے۔ انداز قرأت کے لیے البتہ یہ بتایا کہ:

اِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْزَفٍ فَاَقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ

”بیشک یہ قرآن سات قرأتوں پر نازل ہوا ہے پس جو تم اس میں سے آسانی سے پڑھ سکو پڑھ لو“^(۳)

لیکن معنی ہر لفظ کے ایک ہی بتائے۔ کتب احادیث میں تفسیر کے ابواب میں مختلف سورتوں کے مطالب بیان کیے گئے ہیں جن میں عام و خاص، ظاہر و باطن کی کوئی تخصیص نہیں۔ نبی ﷺ نے اپنے ”باطن“ میں کچھ نہیں رکھا بلکہ سب کچھ ”ظاہر“ کر دیا۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ قرآن کے ایک باطنی معنی بھی ہیں جو صرف ”خواص“ جانتے ہیں، تو یہ مندرجہ بالا آیت و حدیث کی روشنی میں نبی ﷺ پر صریح تہمت بلکہ اللہ تعالیٰ کے اوپر الزام ہے کیونکہ نبی ﷺ تو اپنی مرضی سے نہ کچھ کہتے اور نہ کرتے تھے۔ ایسا کہنا رسالت کو مشکوک بنانا ہے کہ نعوذ باللہ قرآن کے باطنی معنی اللہ کے رسول ﷺ نے عام نہیں کیے اور صرف ”خواص“ کے لیے مختص کر دیئے! یاد رکھیے کہ یہ ”خواص و عوام“ اور ”ظاہر و باطن“ وغیرہ جیسی اصطلاحات انہی خانقاہی صوفیوں کی اختراعات ہیں جن کے ذریعے وہ قرآن کو

(۱) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب المناسک، باب ۱۰۹۴، الخطبة ایام منی، صفحہ ۱۷۷

(۲) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب التفسیر، باب ۶۶۵، تفسیر سورة المائدة، صفحہ ۸۳۷/

صحیح مسلم: جلد ۳، کتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ، صفحہ ۲۵۰

(۳) متفق علیہ: بحوالہ مشکوٰۃ، جلد ۱، کتاب فضائل القرآن، باب اختلاف قرأت صفحہ ۷۸

اپنے من پسند ”باطنی معنی“ دے کر اپنے آستانے چلاتے ہیں۔ مَا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَنٍ..... وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ (سورۃ النجم)

اللہ کے رسول ﷺ کی خاص و عام سب کے لیے ایک ہی دعوت تھی کہ

قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَقْلِبُوا "تم لا الہ الا اللہ کہدو، کامیاب ہو جاؤ گے۔" (۱)

اب ان لوگوں کی مرضی کہ اس دعوت میں بھی فرق ڈال دیں اور کہیں کہ ”عوام“ کی توحید لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے اور ”خواص“ کی توحید لَا هُوَ إِلَّا هُوَ، جیسا کہ امام غزالی صاحب نے فرمایا۔ (۲)

اپنے زمانے کا بدنام فرقہ ”باطنیہ“ جس کی موجودہ شکل آج کے آغا خانی اسماعیلی ہیں، یہ فرقہ بھی اسی عقیدے کا حامل تھا کہ قرآن کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی۔ اور پھر ان باطنی معنوں کا تعین وہ اپنی مرضی، سہولت نفس، آزادانہ صوابدید اور خواہش پرستی سے کرتے تھے۔ اسی طرح یہ صوفی منشا مسلک پرست اور ان کے پیچھے چلنے والے، قرآن کے الفاظ کے وہ معنی و مطالب اخذ کرتے ہیں جن سے ان کے باطل عقائد پر ضرب نہ پڑے، بلکہ تائید و تصدیق ہو [علی ہجویری کی کشف المحجوب، شاہ ولی اللہ کی انفس العارفين وغیرہ پڑھ کر دیکھ لیں، ثبوت مل جائے گا کہ کس طرح اللہ کی آیات کو انہوں نے اپنے باطل استدلال کی خواہش پر چڑھا کر اپنے من پسند معنی کشید کیے ہیں!]- اور جب ان کے سامنے قرآنی آیات پیش کی جائیں جو ان کے عقائد کا رد کریں اور ان کے اسلاف و اکابرین کے کفریہ و شرکیہ ملفوظات و تاویلات کی تردید کر دیں، تو کہنے لگتے ہیں کہ ان آیات کا شان نزول کچھ اور ہے! یہ نام نہاد

(۱) مسند احمد: (۳/ ۴۹۲) (حدیث ربیعۃ بن عباد الدیلی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ) حدیث نمبر ۱۵۵۹۳، جلد ۴، صفحہ ۵۴۔ یعنی اگر تم نے اس بات کا تہہ دل سے اقرار کر لیا کہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوسرا الہ، معبود، ذات، و سنگیر، مشکل کشا، غوث اور غوث الاعظم (یعنی سب سے بڑا فریاد رس)، بگڑی بنانے اور جھوٹی بھرنے والا نہیں، تو جان رکھو کہ کامیابی تمہارے قدم چومے گی، اس دنیائے فانی میں بھی تم اللہ کے پسندیدہ بندوں میں شامل رہو گے اور مرنے کے بعد بھی سرخرو کی تمہارا مقدر بنے گی۔

(۲) مجموعہ رسائل امام غزالی (مشکوۃ الانوار): جلد ۱، صفحہ ۴۷۳

”علم کے سمندر“ اور ”پہاڑ“ اتنی سی بات نہیں سمجھتے کہ کوئی حکم بیشک کسی خاص وقت اور موقع ہی پر نازل ہوتا ہے اور جب ضروری سمجھا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا شان نزول بیان بھی کر دیا جو صحیح احادیث میں موجود ہے لیکن اس کا حکم عام ہوتا ہے جس کا اطلاق تمام ادوار، ازمہ و اوقات کے لیے ہوتا ہے۔ اسی لیے یہ لوگ عوام کو قرآن مجید ترجمے سے نہیں پڑھنے دیتے۔ طوطے کی طرح پڑھنے تک محدود رکھتے ہیں، فضائل میں الجھائے رکھتے ہیں، اور اگر کوئی سمجھنا بھی چاہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ترجمے سے نہ پڑھنا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے، اس کو سمجھنا تو بڑے بڑے علماء کا کام ہے، اور اس کو سمجھنے کے لیے تو پندرہ علوم درکار ہیں۔ تبلیغی جماعت والے اپنی تقریروں میں اس قسم کی باتیں اکثر بیان کرتے ہیں۔ بعض تو ان مزعومہ مطلوبہ علوم کی تعداد اور زیادہ بتاتے ہیں۔

لوگ ان ”سند یافتہ علماء“ کے اقوال کو وحی الہی کا درجہ دیتے ہوئے قرآن کو سمجھنا گویا ”گناہ“ سمجھتے ہیں اور اس طرح ان نام نہاد علماء کی ایماء پر اس کلام ہدایت کے ساتھ یہ معاملہ کیا جاتا ہے کہ اسے سمجھا نہیں جاتا اور آج دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہوگی جسے لوگ بغیر سمجھے پڑھتے ہوں۔ یہ ظلم تو صرف کتاب اللہ ہی کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے جس کے محرک یہی قائل اللہ اور قائل رسول اللہ ﷺ پڑھنے پڑھانے والے مسلک پرست ہوتے ہیں! جس کتاب کو انہوں نے اتنا مشکل بنا کر پیش کیا ہے، اس کے لیے اس کا منزلِ علیم و خمیر رب بار بار ارشاد فرماتا ہے کہ

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ..... (القر: ۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰)

”ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے۔“

اور پھر ہر دفعہ حکمیہ اور استفہامیہ انداز میں دعوت دیتا ہے کہ

فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ ”پھر ہے کوئی اس کو سمجھنے والا“

مگر زکریا کا ندھلوی صاحب نے اس کے معنی ہی بدل ڈالے تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس میں غور و تدبر کر کے کوئی ان لوگوں کے خلاف قرآن عقائد کے بارے میں استفسارات شروع کر دے! مترجمین نے اس آیت کا ترجمہ یہی کیا ہے کہ اللہ نے قرآن کو سمجھنے، سوچنے،

غور و فکر کرنے، نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے، مگر کاندھلوی صاحب نے ترجمہ کیا کہ

”بے شک ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لیے آسان بنا دیا۔“ (فضائل قرآن: صفحہ ۱۶۲)

چلیے چھٹی ہوئی! اس طرح عوام کا کام تو آسان ہو ہی گیا اور ”دینی کاروبار“ کے شائقین کا کام بھی بن گیا، اب اس کو رٹتے رہیے اور اس میں غور و فکر کرنے کی مشقت سے دور رہیے کہ یہ ان کے زعم میں ”علماء“ کا کام ہے۔ یوں عوام تو اللہ کے کلام سے لاعلم و جاہل رہتے ہیں اور مولویوں کی چودھر ایٹ قائم رہتی ہے!

کاندھلوی صاحب کا اس آیت کا یہ ترجمہ قرآن مجید کی معنوی تحریف کا بدترین شاہکار ہے جس کے نتائج بے حد خطرناک ہیں، عوام اللہ کی کتاب کے احکام سے لاعلم رہتے ہیں اور ان کے بتائے ہوئے کفریہ شرکیہ عقائد و اعمال اختیار کر کے انجام کار خود پر جہنم واجب کر لیتے ہیں۔ اس فعل شنیع کا ارتکاب یہود بھی کرتے تھے اور ان پر لعنت کے اسباب میں ایک یہ بھی تھا کہ

يُحَذِّرُونَ الْكَلِمَةَ عَنْ مَوَاضِعِهِ (انشاء: ۲۲ / المائدہ: ۱۳)

”وہ بھیڑ دیتے ہیں کلمات کو ان کے مقام سے“

یعنی کتاب اللہ کے کلمات کا مطلب ہوتا کچھ اور بیان کیا جاتا کچھ۔ یہی کام کاندھلوی صاحب نے بھی کیا کہ سورۃ القمر کی آیت کے معنی تھے کیا اور بیان کیے کیا! یہ آیت اس سورہ میں چار جگہ تو اسی طرح اور ایک جگہ تھوڑے سے فرق کے ساتھ آئی ہے، اور ان پانچوں جگہوں پر اقوام نوح، عاد، ثمود، لوط اور آل فرعون کا مختصر احوال بیان کر کے بتایا گیا ہے کہ ان سب نے جب اللہ کے بھیجے ہوئے نبیوں اور رسولوں کو جھٹلایا اور ان کی دعوت قبول نہ کی تو اللہ نے کن کن دردناک عذابوں میں انہیں مبتلا کیا، اور ہر دفعہ بتایا کہ قرآن نصیحت حاصل کرنے کا آسان ذریعہ ہے جس سے اگر کوئی قوم ہدایت حاصل کر کے راہ راست پر آجائے تو اللہ کے عذاب سے بچ سکتی ہے۔



کتاب ہذا کے اس باب کے رد میں ملا مجیبؒ نے اپنے اکابرین کا بھرپور دفاع کیا ہے اور سیوطیؒ کی الاتقان اور آلوسیؒ کی روح المعانی وغیرہ کے حوالوں سے قرآن کے ظاہری اور باطنی دو معنوں کے بارے میں زکریا کاندھلوی کے فرمائے ہوئے کو اپنے زعم میں بالکل درست اور ”حدیث“ کے مطابق ثابت کیا ہے۔ ان کا فرمانا بالکل درست ہے کہ یہ حدیث کے مطابق ہے اگر یہ حدیث نبی ﷺ کی حدیث کے بجائے ”تھوڑی حدیث“ ہو!

قرآن کے سات حروف پر نازل ہونے سے متعلق گزشتہ صفحات میں بیان کردہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت کے مقابلے میں ناقابل اعتبار کتابوں کے حوالے سے یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ قرآن سات حروف پر اترا ہے، اس کے ہر حرف کے لیے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ اصول حدیث کی رو سے ایسی روایت منکر کہلاتی ہے جو ضعیف راوی قوی راوی کے خلاف بیان کرے۔ آگے جا کر آلوسی کے حوالے سے دعویٰ کرتے ہیں کہ

”جس شخص کو تھوڑا سا عقل بلکہ ایمان کا ادنیٰ ذرہ بھی حاصل ہو اس کیلئے مناسب نہیں کہ وہ قرآن مجید کے باطنی معانی پر مشتمل ہونے کا انکار کرے“

اور پھر ہم پر طنز کرتے ہیں کہ قرآن کے باطنی معنوں کا انکار کر کے آلوسیؒ کے نزدیک ہم تھوڑی سی عقل سے بھی خالی اور ایمان کے ذرے سے بھی محروم ہیں۔ (صفحہ ۳۱۲) ملا موصوف کی اس جسارت پر ہم کچھ جواب دینے کے بجائے ان سے صرف اتنا ہی عرض کریں گے کہ اپنے اکابرین کی اس طرح چاپلوسی کی آلودہ باتیں کرنے سے پہلے آئینے میں اپنی شکل دیکھ لیا کریں کیونکہ یہ اوصاف آپ ہی کے اندر بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں ورنہ مسلک پرستی چھوڑ کر ایمان لے آتے، مسلک پرست اکابرین کا دفاع کرنے کے بجائے اللہ کی کتاب اور نبی ﷺ کی احادیث کا دفاع کرتے.....

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ
وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ [البقرة]

لگتا ہے کہ ملا مجیب کا مشہور منکر حدیث غلام پرویز کے بیان کردہ باطنی معنوں پر بھی ایمان ہے اور شاید یہ علم انہیں وہیں سے ورثے میں ملا ہے۔ یہ علامہ پرویز ظاہری معنوں

کے ساتھ ساتھ باطنی معنوں پر بھی بے حد اصرار کرتے تھے کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ”باطنی معنوں“ پر اٹھائی ہوئی ان کی انکارِ حدیث کی پوری عمارت زمیں بوس ہو جاتی۔

”ایک مغالطہ“ کی سرخی جما کر صوفیوں کی وکالت کرتے ہوئے، قرآن کے ظاہری و باطنی معنوں سے متعلق ان کے اقوال کا دفاع کرتے ہیں کہ ان کے باطنی معنی نصوص ظاہرہ اور احکام شریعت کے خلاف ہرگز نہیں ہوتے بلکہ ظاہری اور باطنی معنی باہم موافق ہوتے ہیں اور باطنیہ فرقے کی طرح ان کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ قرآن کے ظاہری معنی مراد ہی نہیں ہیں۔ (صفحہ ۲۱۳)

یہ محض مغالطہ آرائی ہے ورنہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اگر صوفیاء کے ظاہری و باطنی معنی نصوص اور احکام شریعت کے مطابق اور باہم موافق ہوتے تو پھر علوم قرآنی کے حصول کو صوفیاء اشاعت و وقت نہ سمجھتے، اسے بے حقیقت اور ہلکا جانتے ہوئے اس کے طالب سے ”مولانا روم“ کی طرح یہ نہ کہتے کہ **سُخَاوِا پِیشِ سَکَا اِنْدَا خَتِیْمِ**

یعنی ”مغز“ ہم نے لے لیا ہے اور ”علم ظاہر“ کو ہڈیوں کی طرح کتوں کے آگے ڈال دیا ہے۔ ان علوم قرآن کے رد میں انہی ”مولانا روم“ کا یہ شعر بھی ہے:

علم جوئی از کتب ہائے فسوس ذوق جوئی تو ز حلوائے سُبُوس
”تو کتا بوں میں علم تلاش کرتا ہے! ہائے افسوس تو بھوسی کے حلوے سے مزہ چاہتا ہے“

جیسا کہ عنوان^{۱۳} میں بتایا گیا ان صوفیوں کی علوم قرآنی سے بیزاری اور بغض سے متعلق بیسیوں حوالے موجود ہیں: ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ اشراق، لاہور، بابت فروری ۱۹۹۲ء۔ بالفرض صوفیوں کے پیش کردہ باطنی معنی نصوص ظاہرہ اور احکام شریعت کے خلاف نہیں ہوتے بلکہ ظاہری اور باطنی معنی باہم موافق ہوتے ہیں تو سورۃ الحج کی آخری آیت: **وَاَعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ** کا صوفی ترجمہ کہ اللہ کی بندگی کرو یقین کامل حاصل ہونے تک، شریعت کی کس نص سے ثابت ہے؟ قرآن سے ہی پتہ چلتا ہے کہ یہاں ”یقین“ کے معنی موت ہیں جیسا کہ سورۃ المدثر میں آیا ہے: **مَجْرِمِیْنِ** سے جب جہنم میں جانے کا سبب پوچھا جائے گا تو:

قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمَصْلِيِّينَ وَلَمْ نَكُ نَطْعُمُ الْمُسْكِينِ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ
الْخَائِضِينَ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ حَتَّى أَتَانَا الْيَقِينُ (المدثر: ۲۳-۲۶)

”وہ کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی ہم مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے اور ہم باطل پرستوں کے ساتھ مل کر (حق کا) انکار کرتے تھے اور ہم بدلے کے دن کو جھٹلاتے تھے یہاں تک ہمیں (اسی حالت میں) موت آگئی۔“

اس آیت میں اگر ”یقین“ کے معنی وہ لیے جائیں جو صوفیوں کے بیان کردہ ہیں، تو اس آیت کے جو معانی ہو جائیں گے، اس کا قارئین بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

ملاّ مجیب کے زیر نظر استدلال کی روشنی میں یہ بات قابل غور ہے کہ عنوان^{۱۳} میں پیش کردہ صوفیوں کے صریح کفریہ اقوال جن کی علی ہجویری نے کشف المحجوب میں، شاہ ولی اللہ نے انقاس العارفين میں، امداد اللہ مہاجر کی اور اشرف علی تھانوی نے امداد المشتاق، حکایات اولیاء، وغیرہ میں، اور ملاّ مجیب نے اپنی زیر نظر ناقص کتاب میں تاویل میں کرنے کی کوشش کی ہے، وہ اقوال بھی کیا نصوص شرعیہ کے خلاف نہیں اور ان کے ظاہری و باطنی معنی باہم موافق ہیں؟

اسی مقام پر ملاّ مجیب نے اللہ تعالیٰ کو قرآن مجید کا مصنف کہنے پر ہم پر خوب بمباری کی ہے اور اس کی گھن گرج میں ہماری غلطی سے اپنا مطلب نکالتے ہوئے اپنے مسکلی امام کو ان کتابوں کا مصنف بنا کر چھوڑا جو ان کے شاگردوں نے ان سے سن کر مرتب کی تھیں۔ چلیں ہم اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے اپنے الفاظ واپس لیتے ہیں، آپ بھی اپنا یہ دعویٰ واپس لے لیں کہ امام ابو حنیفہ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔

سورة القمر کی آیت : وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ ”ہم نے اس قرآن کو فصاحت کے لیے آسان کر دیا ہے“ جس کا ترجمہ کاندھلوی صاحب نے یہ کیا ہے کہ ”بے شک ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لیے آسان بنا دیا“، اس ترجمے کو درست ثابت کرنے کے لیے اور اپنے اکابرین کو قرآن کی معنوی تحریف سے بری ثابت کرنے کے لیے بھی ملاّ مجیب نے بڑے پاپڑیلے ہیں۔ ان کا دار و مدار چونکہ تفسیری اقوال پر ہی ہے جو بے سند ہر طرح کی روایتوں، ذاتی آراء

و شخصی اقوال سے بھری ہوتی ہیں، اس لیے انہی کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ قرآن کے دس مفسروں نے اس کا یہی مطلب نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں زیر نظر آیت سے متعلق عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگرد مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو بھی پیش کیا ہے کہ ہونا قرأت یعنی ہم نے اس کی قرأت کو سہل بنا دیا ہے؛ اور چونکہ بخاری نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اس لیے اس تفسیر کو انہوں نے بخاری کی تفسیر بھی قرار دے دیا! یاد رکھیے ترجمہ اور چیز ہے تفسیر اور؛ ترجمہ جن الفاظ کا کیا جاتا ہے تو انہی میں محدود رہا جاتا ہے، ان سے تجاوز کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی لیکن تشریح و تفسیر میں وضاحت کے لیے دیگر آیات و احادیث کے فہم کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ ہونا قرأت کسی طرح بھی یَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِذِكْرٍ کا ترجمہ نہیں ہو سکتا، تشریح میں ایسا کہا جاسکتا ہے لیکن ذکر یا کاندھلوی صاحب نے تو لفظ بلفظ ترجمہ کرتے ہوئے ذکر کو حفظ سے بدل دیا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ
 ”بے شک ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لیے آسان بنا دیا“

اور ہٹ دھرمی دیکھیں کہ ملام موصوف فرماتے ہیں:

”بہر حال یہ ہرگز تحریف معنوی نہیں کتب لغت میں بھی ذکر کے دونوں معنی ہیں نصیحت حاصل کرنا، یاد کرنا۔“ (صفحہ ۲۱۶)

بے شک ذکر کے مذکورہ دونوں معنی صحیح ہیں لیکن کیا یہ دونوں معنی کسی لفظ کے لیے یک وقت استعمال ہو سکتے ہیں؟ کیا ذکر الہی کو اللہ کی یاد کے علاوہ اللہ کی نصیحت بھی کہہ سکتے ہیں؟ کیا وَادْذَكِّرُونِي اَذْكُرْكُمْ کا ترجمہ ”تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا“ کے علاوہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”تم مجھ سے نصیحت حاصل کرو میں تم سے نصیحت حاصل کروں گا“ (معاذ اللہ)؟ ذکر بمعنی یاد کرنا (to remember) تو ہو سکتا ہے لیکن ذکر بمعنی حفظ کرنا (to memorize) کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا اور کاندھلوی صاحب اور ان کے مددوح مفسرین نے ذکر کے مؤخر الذکر معنی مراد لیے ہیں جو درست نہیں۔ یہ لوگوں کو مولویوں کا محتاج اور دست نگر بنائے رکھنے کی سازش ہے جس کے دفاع کی ملام مجیب نے ایک عبث کوشش کی ہے۔ مسلک

پرستوں کے زیر نظر موقف سے قرآن کی اُن آیات کے بالکل ہی مختلف اور بے جوڑ معانی ہونگے جن میں یہ لفظ ”ذکر“ اور اس کے مشتقات آئے ہیں، مثلاً:

وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ (الصّٰفّٰت: ۱۳)

”اور انہیں جب نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحت قبول نہیں کرتے“

مسلک پرستوں کے مطابق اس کا ترجمہ ہوگا:

”اور جب انہیں حفظ کروایا جاتا ہے تو وہ حفظ نہیں کرتے“

وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ (المائدہ: ۵۶)

”اور وہ نصیحت قبول نہیں کرتے مگر یہ کہ اللہ چاہے تو“

مسلک پرستوں کے مطابق اس کا ترجمہ یوں ہوگا:

”اور وہ حفظ نہیں کرتے مگر یہ کہ اللہ چاہے تو“

ذِكْرُكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَأَعْبُدُوهُ أَفَلَا تَذْكُرُونَ (یونس: ۳)

”یہ اس لیے کہ اللہ تمہارا رب ہے پس تم اس کی بندگی کرو؛ پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے“

مسلک پرستوں کے مطابق اس کا ترجمہ یوں ہوگا:

”یہ اس لیے کہ اللہ تمہارا رب ہے پس تم اس کی بندگی کرو؛ پس تم حفظ کیوں نہیں کرتے“

عَالِهِ مَعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَّا تَذْكُرُونَ (النمل: ۶۲)

”کیا اللہ کے ساتھ دوسرا بھی کوئی الٰہ ہے؟ تم کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔“

مسلک پرستوں کے مطابق اس کا ترجمہ یوں ہوگا:

”کیا اللہ کے ساتھ دوسرا بھی کوئی الٰہ ہے؟ تم کم ہی حفظ کرتے ہو۔“

فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيْسًا تَعْلَمَانِ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى (طہ: ۴۴)

”پس تم دونوں اس (فرعون) سے نرم گفتگو کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرے یا خوف کھائے۔“

مسلک پرستوں کے مطابق اس کا ترجمہ یوں ہوگا:

”پس تم دونوں اس (فرعون) سے نرم گفتگو کرنا شاید وہ حفظ کر لے یا ڈر جائے۔“

وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (البقرة: ۲۲۱)

”اور وہ اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں“

مسلک پرستوں کے مطابق اس کا ترجمہ یوں ہو گا:

”اور وہ اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ لوگ حفظ کر لیں“

كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ ذَكَّرْهُ (عبس: ۱۲، ۱۱)

”ہرگز نہیں (بلکہ) یہ تو ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اسے یاد رکھے“

مسلک پرستوں کے مطابق اس کا ترجمہ یوں ہو گا:

”ہرگز نہیں (بلکہ) یہ تو ایک نصیحت ہے پھر جو چاہے اسے حفظ کر لے“

فَإِنَّمَا يَسْتَرْزِقُهُ بِمِلْسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (الدخان: ۵۸)

”بیشک ہم نے اس (قرآن) کو تمہاری زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ وہ لوگ اس سے نصیحت

حاصل کریں“

مسلک پرستوں کے مطابق اس کا ترجمہ یوں ہو گا:

”بیشک ہم نے اس (قرآن) کو تمہاری زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ لوگ اسے حفظ کر لیں“

اگر يَتَذَكَّرُونَ سے حفظ ہی مراد ہو تا جیسا کہ کاندھلوی صاحب اور ان کے فدائین و دافعیین کا دعویٰ ہے تو پھر اس کے لیے ”تمہاری زبان میں آسان کر دیا۔“ کی کوئی خصوصیت نہ ہوتی جس کو یہاں اور دیگر مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے کیونکہ حفظ تو غیر اہل زبان بھی با آسانی کر لیتے ہیں بلکہ اہل زبان کے مقابلے میں غیر اہل زبان حفاظ ہی زیادہ ہیں۔

اختصار کے پیش نظر ہم نے صرف چند آیات پیش کی ہیں ورنہ ایسی سینکڑوں آیات ہیں جن کے معانی مسلک پرستوں کے موقف کے تحت بالکل ہی بدل جائیں گے۔ قارئین چاہیں تو یہ آیات ملاحظہ کر سکتے ہیں: الاعراف: ۳، یونس: ۳، النحل: ۹۰، ابراہیم: ۲۵، الزمر: ۲۷، بنی اسرائیل: ۴۱، التوبہ: ۱۲۶، الانفال: ۵۷، الانعام: ۱۲۶، آل عمران: ۷۷، عبس: ۴، الاعلیٰ: ۱۰، القصص: ۴۳، الفجر: ۲۳، الزلزلہ: ۳۵، ص: ۲۹، وغیرہ۔

آیات قرآنی میں تبدیلی

مسلک پرستوں نے جہاں اللہ کی کتاب کے خلاف عقائد و اعمال اپنائے ہیں وہاں اس سچی کتاب کا مذاق بھی اڑایا ہے اور اس کی آیات ہی بدل ڈالی ہیں۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے عربی حروف تہجی کو بے ترتیب کر کے آٹھ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور انہیں اس میں شامل حروف کے مجموعے کا نام دے دیا ہے یعنی اَبْجَد (ا، ب، ج، د، هُوَ، حِطِّي، كَلِمَن، سَعْفَص، قِرْشَت، تَتَّخَذ، ظَضَّغ، جو حکایتاً ایک نجومی کے آٹھ بیٹے بتائے جاتے ہیں۔ پھر ان حروف کو ایک سے لے کر ایک ہزار تک نمبر دے ڈالے * انہیں حروفِ ابجد کہا جاتا ہے۔ یہ حروف تعویذ گنڈوں میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ کسی بھی آیت کے حروف کو علیحدہ علیحدہ لکھا جاتا ہے پھر ان حروف کے لیے جو اعداد مخصوص کر دیئے گئے ہیں ان سب کو آپس میں جمع کر لیا جاتا ہے اور وہ مجموعہ اعداد اس آیت کا نعم البدل سمجھا جاتا ہے، جیسا کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے لیے ۷۸۶ عام کر دیا گیا ہے، حالانکہ یہ مجموعہ اعداد کسی کلمہ کفر کے الفاظ کا مجموعہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ ایک ہندو دیوتا کی تعریف میں کہے جانے والے الفاظ ”ہرے کرشنا“ کے اعداد کا مجموعہ بھی یہی ۷۸۶ ہی ہے۔ یہ اللہ کی آیات کے ساتھ ظلم ہے۔ اللہ کی نشانیاں بدلنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ بنی اسرائیل جو یہی کچھ کرتے تھے ان پر قیامت تک کے لیے اللہ نے لعنت فرمائی ہے:

سَلَّ بَنِي إِسْرَآءِیْلَ كَمَآ أَفْسَيْنَهُمْ مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۖ وَمَن يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنِّ
بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (البقرہ: ۲۱۱)

★ ۱-ا، ۲-ب، ۳-ج، ۴-د، ۵-ه، ۶-و، ۷-ز، ۸-ح، ۹-ط، ۱۰-ی، ۱۱-ک، ۱۲-ل، ۱۳-م، ۱۴-ن، ۱۵-س، ۱۶-ع، ۱۷-ف، ۱۸-ص، ۱۹-ق، ۲۰-ر، ۲۱-ش، ۲۲-س، ۲۳-ت، ۲۴-ث، ۲۵-خ، ۲۶-ذ، ۲۷-ظ، ۲۸-ض، ۲۹-غ، ۳۰-۱۰۰۰

”بنی اسرائیل سے پوچھو کہ ہم نے ان کو کتنی کھلی نشانیاں دیں۔ اور جو شخص اللہ کی نعمت کو اپنے پاس آنے کے بعد بدل دے تو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔“

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَآحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿٢٨٠﴾
جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَيَنْسَوْنَ الْقُرْآنَ ﴿٢٨١﴾ (ابراہیم: ۲۸۰، ۲۸۱)

”کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کے احسان کو کفر سے بدل دیا، اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتار دیا، (وہ گھر) جہنم ہے جس میں وہ لوگ داخل ہوں گے، اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔“



کتاب ہذا کے اس باب کے جواب میں ملا مجیبؒ اور ملا تونسویؒ کا خاموشی اختیار کرنا اور اس کے رد میں کوئی دلائل نہ دینا یہ ثابت کرتا ہے کہ ان کے اکابرین سے واقعی بنی اسرائیل کے یہودیوں کی طرح اس جرم کا ارتکاب ہوا ہے کہ انہوں نے اللہ کی آیات بدل ڈالی ہیں!

تخلیق کائنات کس کے لیے؟

نبی ﷺ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے بریلوی مسلک کے احمدیہ خان صاحب لکھتے ہیں: (1)

”حضور ﷺ تمام عالم کی اصل ہیں۔ وکل الخلق من نوری اور اصل کا اپنی فرع میں، مادہ کا سارے مشتقات میں، ایک کا سارے عددوں میں رہنا ضروری ہے۔

۔ ہر ایک ان سے ہے وہ ہر اک میں ہیں وہ ایک علم حساب کے بنے دو جہاں کی وہی بنائی وہ نہیں جو ان سے بنا نہیں“

اس سے پہلے ان کے مجدد صاحب نے اپنی کتاب ”الاستمداد“ میں یوں طبع آزمائی فرمائی:

۔ اُن کے نام کے صدقے جس سے جیتے ہم ہیں جلاتے یہ ہیں
اُس کی بخشش اِن کا صدقہ دیتا وہ ہے ولاتے یہ ہیں
اُن کا حکم جہاں میں نافذ قبضہ کُل پہ رکھتے یہ ہیں

اس پر شرح لکھتے ہوئے ان کے صاحبزادے نے یہ سخن طرازی دکھائی کہ

”ائمہ دین فرماتے ہیں، دنیا جس طرح اپنی ابتداء میں حضور ﷺ کا محتاج تھا، اگر حضور نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا، یوں ہی اپنی بقا میں حضور کا محتاج ہے، حضور نہ ہوں تو کچھ بھی نہ ہو۔“ (2)

اس موضوع پر انکی مستقل تصانیف ہیں مثلاً اَلْأَمْنُ وَالْعُلَى، دولت مکیہ، سلطنتِ مصطفیٰ ﷺ وغیرہ، جن میں یہ بات باصراحت کہی گئی ہے کہ یہ جہاں تو خلق ہی صرف نبی ﷺ کے لیے کیا گیا ہے۔

بریلویوں، دیوبندیوں دونوں کے متفق علیہ رہنما امداد اللہ مہاجر کی صاحب کے درج ذیل اشعار میں بھی یہی بات دہرائی گئی ہے:

- ۔ محمد کی مرضی ہے مرضی خدا کی
 ۔ نہوتے تو کچھ بھی نہوتا یقین ہے
 (1) محمد سا مخلوق میں کون ہے
 اسی کا طفیل ہے یہاں جون ہے
 ۔ نہ پیدا اگر ہوتا احمد کا نور
 (2) نہ ہوتا دو عالم کا ہرگز ظہور
- ۔ ہے امین فخر افلاک وہ
 ۔ باعث ایجاد عالم ہے تو ہی
 ۔ گر نہ ہوتا پیدا وہ شاہ کلو
 ۔ ہے وہ سرمایہ وجود کائنات
 ۔ ہے وہ بیشک بالیقین نخل وجود
 ۔ ہے یہ سب اسکے لیے اے نیک بخت
 ۔ ہے وہی شاہجانب اس کے خیل
 (3) تاجدار کشور لولاک وہ
 موجب بنیاد آدم ہے تو ہی
 یہ نہ ہوتا وہ نہ ہوتا میں نہ تو
 دونوں عالم سے ہے مقصود اسکی ذات
 اول و آخر وہی اصل وجود
 واسطے پھل کے ہی بوتے ہیں درخت
 (4) وہ یہاں آئے ہیں سب سے پیشتر
 ہوتے کب ارض و سما جن و بشر

ان کے اسلاف میں سیوطی صاحب نے لکھا ہے:

”حضرت آدمؑ جس وقت آب و گل میں تھے، اس وقت بھی حضرت محمدؐ بھی تھے۔ اور جو یثاق اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے لیا تھا، اس میں آپؐ سب سے مقدم تھے۔ جس وقت اللہ جل شانہ نے اَنْسَتْ بِرَبِّكُمْ فرمایا تو سب سے پہلے سرکارِ دو عالمؐ نے بَیٰی فرمایا۔ حضرت آدمؑ اور جملہ مخلوقات آپؐ ہی کی خاطر پیدا کی گئیں۔ نام مبارک عرش، آسمانوں، جنتوں اور عالم ملکوت کی دیگر اشیاء پر لکھا گیا۔ ملائکہ ہر لمحہ آپؐ کا ذکر کرتے ہیں۔“ (5)

- (1) کلیات امدادیہ (نالہ امداد غریب): صفحہ 91
- (2) کلیات امدادیہ (جہاد اکبر): صفحہ 108
- (3) کلیات امدادیہ (مثنوی تحفة العشاق): صفحہ 131
- (4) کلیات امدادیہ (غذائے روح): صفحہ 156
- (5) خصائص کبریٰ: جلد 2، صفحہ 325

زکریا کاندھلوی صاحب نے اپنی کتاب فضائل ذکر میں ایک روایت نقل کی ہے کہ:

”حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرت آدم (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) سے جب گناہ صاور ہو گیا (جس کی وجہ سے جنت سے دنیا میں بھیج دیئے گئے تو ہر وقت روتے تھے اور دعاواستغفار کرتے رہتے تھے ایک مرتبہ) آسمان کی طرف منہ کیا اور عرض کیا اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں وحی نازل ہوئی کہ محمد کون ہیں (جن کے واسطے سے تم نے استغفار کی) عرض کیا کہ جب آپ نے مجھے پیدا کیا تھا تو میں عرش پر لکھا ہوا دیکھا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو میں سمجھ گیا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اونچی ہستی کوئی نہیں ہے جن کا نام تم نے اپنے نام کیسا تھ رکھا۔ وحی نازل ہوئی کہ وہ خاتم النبیین ہیں تمہاری اولاد میں سے ہیں لیکن وہ نہ ہوتے تو تم بھی پیدا نہ کئے جاتے۔“ (۱)

اس روایت پر تبصرہ تو ان شاء اللہ آگے آئے گا، یہاں اس کے خط کشیدہ حصے پر کچھ عرض کرنا ہے۔

تبلیغی نصاب، جس کا نام بدل کر اب ”فضائل اعمال“ رکھ دیا گیا ہے اور ”فضائل ذکر“ جس کا ایک حصہ ہے، قرآن سے متعارض، متضادم، منکر، موضوع اور ضعیف روایتوں اور بناوٹی قصوں کا مجموعہ ہے۔ بعض روایتیں نقل کرنے کے بعد مصنف موصوف نے ان کے نیچے عربی میں ان کی صحت پر چند کلمات لکھے ہیں، لیکن ان کا ترجمہ نہیں لکھا، جس سے ان کے پڑھنے والے لاکھوں تبلیغ والوں کو یہ نہیں معلوم ہو پاتا کہ یہ حدیث من گھڑت ہے، اور یہ اندھے مقلدین اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فرمان سمجھ کر دل سے لگاتے ہیں، اور اس کی اشاعت ساری دنیا میں کرتے پھرتے ہیں۔ لطیفہ یہ ہے کہ تبلیغی نصاب میں شامل کتب فضائل کے متعلق ان کے مصنف زکریا کاندھلوی صاحب نے یہ بھی لکھ دیا کہ یہ کتابیں نبی ﷺ کی بارگاہ میں پیش کی گئیں جنہیں نبی ﷺ نے قبول فرمایا۔ (۲) یعنی گویا ان میں بیان کی گئی تمام باتیں بالکل درست ہیں اور قبولیت نبوی کی سند رکھتی ہیں۔ دوسرے الفاظ

(۱) فضائل ذکر: فضائل اعمال، صفحہ ۳۳۳۔ اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی اپنی کتاب ’نشر الطیب‘ کے صفحہ ۹ پر یہ سب کچھ لکھا ہے۔

(۲) بلجۃ القلوب: صفحہ ۱۲

میں یہ نبی ﷺ پر تہمت ہے کہ یہ سب غلط باتیں آپ ﷺ کی اجازت سے کی جا رہی ہیں! تبلیغی نصاب کے کفر و بطلان کے تفصیلی جائزے کے لیے دیوبند سے شائع شدہ تابش مہدی کی کتاب ”تبلیغی نصاب - ایک مطالعہ“ مطبوعہ البدر بک کارپوریشن، ریگل چوک، کراچی، ضرور پڑھی جائے جسے اب اضافوں کے ساتھ ادارہ اشاعت القرآن و حدیث، کورٹ روڈ، کراچی نے شائع کیا ہے، نیز مرکز الدعوة والاارشاد، لاہور کی کتاب ”تبلیغی جماعت - تحقیقی جائزہ“ بھی اس سلسلے میں مزید رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ ان کے علاوہ بھی بازار میں اس موضوع پر کئی کتابیں دستیاب ہیں۔

مندرجہ بالا روایت کے نیچے ذکر یا صاحب نے عربی میں درج ذیل تبصرہ کیا ہے:

اخرجه الطبرانی في الصغير والحاكم و ابو نعیم والبيهقي كلاهما في الدلائل وابن عساکر في الدر وفي مجمع الزوائد رواه الطبرانی في الاوسط والصغير وفيه من لم اعرفهم قلت و يؤيد الاخر الحديث المشهور و
لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ قَالَ الْقَارِي فِي الْمَوْضُوعَاتِ الْكَبِيرِ مَوْضُوعٌ

تابش مہدی صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

”طبرانی اور حاکم نے جامع صغیر میں دیا ہے، ابو نعیم اور بیہقی دونوں نے دلائل میں دیا ہے۔ طبرانی نے جامع اوسط اور جامع صغیر میں اس کو دیا ہے۔ اور کہتے ہیں اس میں جتنے راوی ہیں میں انہیں نہیں پہچانتا۔ میں کہتا ہوں کہ دوسری مشہور حدیث لولا کہ لما خلقت الافلاک (حدیث مشہور تو ہے مگر موضوع گھڑی ہوئی ہے) اسکی تائید کرتی ہے۔ ملا علی قاری موضوعات کبیر میں اس کو موضوع کہتے ہیں۔“ (۱)

★ الموضوعات الکبیر: صفحہ ۱۰۱

(۱) تبلیغی نصاب - ایک مطالعہ، صفحہ ۱۰۹۔ کتاب ہذا کے رد میں کفر و شرک پر مبنی مسلکی عقائد کا دفاع کرنے کے لیے لکھی جانے والی تحریروں میں اس ترجمے کے حوالے سے بھی لعن طعن کی گئی ہے۔ جیسا کہ عنوان ۳۶ میں وضاحت کی گئی ہے، مذکورہ عربی عبارت کا ترجمہ ایک دیوبندی مسلک کی کتاب سے بعد مکمل حوالہ صرف اس لیے پیش کیا گیا تھا تا کہ مسلک پرستوں کو یہ احساس دلایا جاسکے کہ تمہارے اپنے بھی کچھ لوگ اس کے باطل ہونے کا احساس و شعور رکھتے ہیں اس لیے عبرت پکڑی جائے! اور تابش مہدی کا انتخاب بھی صرف اس

لیے کیا گیا تھا کہ اسی مقام پر چند سطور قبل ان کی کتاب کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ لیکن علمی ضابطہ اخلاق کے مطابق پوری دیانت کے ساتھ مصنف اور کتاب کا نام اور صفحے کا نمبر دیتے ہوئے سن و عن ترجمہ نقل کیا گیا تھا۔ اگر اُس میں انہوں نے کوئی غلطی کی تھی تو اس کی ذمہ داری ناقل پر عائد نہیں ہوتی۔ ڈیرہ اسماعیل خان کے مولوی مجیب الرحمن نے مذکورہ ترجمے کو مترجم اور ناقل کی جہات پر محمول کرتے ہوئے اپنا جو ترجمہ لکھا ہے اس میں انہوں نے وہ الفاظ بھی داخل کر دیئے ہیں جو اصل عبارت میں موجود ہی نہیں۔ اور اس ترجمے میں بھی درج ذیل خط کشیدہ الفاظ کے بعد کی عبارت چھوڑی ہے:

لکن معناه صحیحہ و فی التشرف معناه ثابت و یؤید الاول ما ورد فی غیر روایۃ

من انه مکتوب علی العرش و اوراق الجنة لا اله الا الله محمد رسول الله كما بسط

طرقه السیوطی فی مناقب الالی فی غیر موضع و بسط له شواہد ایضاً فی تفسیرہ فی

سورۃ الم نشرح

اپنا مقصد پورا کرنے کے بعد آگے چل کر انہوں نے مولویانہ حربوں کے ذریعے تیسرے اور چوتھے درجے کی کتابوں کے حوالوں سے ان زیر بحث روایتوں کو درست ثابت کرنے کی شعبدے بازی کی ہے۔ ان طبقات حدیث کی تفصیل جاننے کے لیے دیکھیے حجتہ اللہ البالغہ، صفحہ ۴۱۲۔ مولوی صاحب کی جگہ کی جگہ دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مسلک پرستی کیا شے ہوتی ہے جو سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کر دیتی ہے! ہمارا اثبات کیا ہوا پر کفر یہ و شرکیہ عقیدہ و عمل عین حکم دین ٹھہرتا ہے! بدعت سنت ثابت کر دی جاتی ہے! اللہ اس کے رسول کی نافرمانی کو اطاعت و فرمانبرداری ثابت کر دیا جاتا ہے! غلط صحیح بنا دیا جاتا ہے! باطل کے رد میں جو آیات و احادیث ہم پیش کرتے ہیں ان کا موضوع بحث سے کوئی واسطہ نہیں ٹھہرتا! اگر ہم اپنے موقف میں صحیح احادیث پیش کریں تو اس کے رد میں اپنے دفاع میں ضعیف روایات اور تفسیری اقوال کی بھرمار لگا دی جاتی ہے! ہماری ثابت کی ہوئی ضعیف روایات درست ہی ٹھہرتی ہیں! ان کے ضعف سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا بلکہ متعدد ضعیف روایات مل کر قوی بن جاتی ہیں! ہماری پیش کردہ جرح و زنی جرح نہیں ہوتی، مبہم اور غیر مفسر ٹھہرتی ہے! اگر اس کا ٹوڑ نہ ہو سکے تو متعدد ٹھہرتی ہے! ان کی پیش کردہ واضح اور صریح ضعیف روایات (جیسا کہ زیر نظر روایت لولاک جس کو ان کے اپنے علامہ علی قاری صاحب نے الموضوعات الکبیر میں نقل کیا ہے) مع تفسیری اقوال درست ہیں جن سے ان کا ہر باطل عقیدہ و عمل درست ثابت ہو جاتا ہے! بہر حال ضعیف روایت بھی چلتی ہے کیونکہ وہ موضوع تو نہیں ہوتی! اگر صریح موضوع روایت بھی ہو جیسا کہ زیر نظر روایت، تو بھی کچھ حرج نہیں کیونکہ ”موضوع کا زیادہ سے زیادہ یہ مطلب ہے کہ ان الفاظ سے یہ حدیث نہیں ہے نہ یہ کہ اس مفہوم کی حدیث بالکل صحیح نہیں ہے.....“ یعنی بالمعنی صحیح ہوتی ہے اور روایت بالمعنی کرنا صحیح ہے! اسی گر کے ذریعے لولاک والی موضوع روایت کے لیے کہہ دیا گیا کہ معاً صحیح ہے! پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ جس قول کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے یعنی جس بات کو عام مقبولیت حاصل ہو جائے تو پھر اس کے لیے سند وغیرہ

بہر حال یہ تو خود مصنف نے بھی تسلیم کر لیا کہ یہ روایت من گھڑت ہے، مگر فنکاری یہ دکھائی کہ خط کشیدہ الفاظ کے لیے لکھ دیا کہ یہ مشہور حدیث ہے۔ اب آئیے اس نام نہاد مشہور حدیث کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھ کر اس کی حیثیت معلوم کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ملاحظہ ہو:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۖ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا ۖ لَكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢﴾ (البقرہ: ۲۱، ۲۲)

”لوگو! اپنے رب کی بندگی کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم متقی بنو، جس نے تمہارے لیے زمین کو کچھونا اور آسمان کو چھت بنایا، اور آسمان سے پانی برساکر انواع و اقسام کے میوے پیدا کیے تمہارے لیے۔ پس کسی کو اللہ کا ہمسرہ بناؤ، اور تم جانتے تو ہو۔“

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِمَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ﴿٣﴾ (البقرہ: ۲۹)

”وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لیے پیدا کیں۔“

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا ۖ لَكُمْ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمْ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ

دیکھنے کی بھی حاجت نہیں! یہ مولویانہ داؤ پیچ دیکھ کر پوچھنے کو دل چاہتا ہے کہ مولوی صاحب پھر کیا چیز غلط باتی رہ جاتی ہے؟ سب کچھ ہی تو ثابت ہو جاتا ہے آپ کی روایات و تفاسیر سے! عقیدہ و نظریہ خواہ کتنا ہی ردی ہو، کفر و شرک پر مبنی ہو، تفسیری اقوال سے ثابت ہو جاتا ہے! عمل کتنا ہی مبتدع کیوں نہ ہو، اس کے ثبوت کے لیے بھی بے شمار تفسیری اقوال و روایات تو موجود ہیں! بریلوی اور شیعہ بھی تو یہی طرز عمل اختیار کرتے ہیں، پھر ان پر تنقید کیوں؟ جب سب کچھ صحیح ہے تو پھر محدثین نے اعتبارِ صحت پر روایات کے طبقات کیوں بنائے؟ تیسرے اور چوتھے طبقے کی روایات جن میں رطب و یابس کی بھرمار ہے، کیا لائقِ استناد ہیں؟ روایات کے ضعف کو خود تسلیم کرتے ہوئے بھی بڑی ڈھٹائی سے کہہ دیا جاتا ہے کہ موضوع تو نہیں، اور ضعیف روایت قابلِ استدلال ہے۔ جان لیجیے! کمزور روایت پر جو استدلال ہوگا وہ کمزور ہی ہوگا اور قوی پر قوی۔ ہمارا استدلال قوی ہے کیونکہ اس کی بنیاد قوی روایت پر ہے۔

بِأَمْرِهِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمْ الَّأَنْهَارَ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمْ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآبِّينَ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمْ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۖ ﴿٣٣﴾ (ابراہیم: ۳۳-۳۴)

”اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے تمہارے لیے پھل پیدا کیے اور کشتیوں (اور جہازوں) کو تمہارے لیے مسخر کیا تاکہ دریا (اور سمندر) میں اس کے حکم سے چلیں، اور نہروں کو بھی تمہارے لیے مسخر کیا، اور سورج اور چاند کو تمہارے لیے کام میں لگا دیا کہ دونوں (دن رات) ایک دستور پر چل رہے ہیں، اور رات اور دن کو بھی تمہارے لیے مسخر کر دیا۔“

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (الحق: ۲۰۰)
”کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے مسخر کر دیا تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔“

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ (البقرہ: ۲۱)
”اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ اس میں آرام کرو اور دن کو روشن بنایا (کہ اس میں کام کرو)، بیشک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے“

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا (یونس: ۶)
”وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو، اور دن کو روشن بنایا (تاکہ تم اس میں کام کرو)۔“

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمْ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلُكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٣٤﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِنْهُ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْتَفِرُونَ ﴿٣٥﴾ (الباقہ: ۱۳-۱۴)

”اللہ ہی تو ہے جس نے دریا کو تمہارے لیے مسخر کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کے فضل سے معاش تلاش کرو، اور تاکہ شکر کرو۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے حکم سے تمہارے لیے مسخر کر دیا۔ جو لوگ غور کرتے ہیں اس میں ان کے لیے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔“

وَالْأَرْضُ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ۝ (الرعد: ۱۰)

”اور اسی نے زمین بچھا کی خلقت کے لیے۔“

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۖ (صود: ۷)

”اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا، (تمہارے پیدا کرنے سے) مقصود یہ ہے کہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔“

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِيَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۖ (الکاف: ۷)

”ہم نے بنائی جو (چیز) زمین پر ہے، اس کی آرائش کے لیے تاکہ لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں کون اچھے عمل کرنے والا ہے۔“

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۖ (الملك: ۲۱)

”بڑی برکت والا ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں اقتدار ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے۔“

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٢١﴾ (الذاریات: ۵۶)

”اور میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر اپنی بندگی کے لیے۔“

ان آیات سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ کائنات کی تخلیق کن لوگوں کے لیے ہے اور اس کی تخلیق کا مقصد اور وجہ وجود کائنات کیا ہے۔ اللہ نے انسانوں اور جنوں کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ اس کی بندگی کریں، اس کے احکامات بجالائیں۔ زمین پر موجود ہر شے ان ہی جن و انس کے لیے بنائی، کائنات کو ان کے لیے مسخر کر دیا، اس میں موجود ہر چیز کو ان کے کام میں لگا دیا، اور انبیاء علیہم السلام کو ان کی رہنمائی کے لیے بھیجا تاکہ وہ آزمائے کہ ان میں کون ان چیزوں کو نبی کی رہنمائی میں اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کر کے سرخرو ہوتا ہے اور کون نفس پرستی کا شکار ہو کر حد سے بڑھتا ہے اور اپنے مالک کی ناراضگی مول لیتا ہے۔ پھر

ان کے اس طرز عمل پر جزا و سزا کا فیصلہ کرے۔ یہ کونین کی تخلیق کا مقصد اور وجہ وجود کائنات۔ اللہ کے رسول ﷺ بھی ایک مخلوق تھے اور دیگر بندوں کی طرح انہیں بھی اللہ نے اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا تھا اور اپنے دوسرے رسولوں کی طرح ان کی بھی رہنمائی اور تربیت فرمائی تھی۔

احادیث کو پرکھنے کی اولین کسوٹی قرآن مجید ہے۔ حدیث قرآن کا انکار نہیں بلکہ اس کی تشریح کرتی ہے۔ اصول فقہ کی مشہور کتاب اصول الشاشی میں لکھا ہے:

”اور بوجہ اختلاف حال راویوں کے علماء حنفیہ نے خبر آحاد پر عمل کرنے کی یہ شرط کی ہے کہ وہ خبر واحد کتاب اور سنہ مشہورہ کے مخالف نہ ہو اور ظاہر کے مخالف بھی نہ ہو کیونکہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تكثر بكم الاحادیث بعدی فاذا روى بكم عني حدیث فاعرضوه علی کتاب الله فما وافق فاقبلوه وما خالف فردوه یعنی میرے بعد بہت حدیثیں میری طرف سے تمہارے پاس پہنچیں گی۔ جب کوئی حدیث میری طرف سے تمہارے پاس روایت کی جائے اس کو کتاب اللہ کے سامنے پیش کرو۔ موافق ہو تو قبول کرو اور اگر وہ حدیث کتاب اللہ کے مخالف ہو تو اس کو رد کرو۔“ (صفحہ ۱۰۹، ۱۰۸)

ایک محتاط اور اسلم راہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جو صحیح روایت اپنے ظاہر میں قرآن سے ٹکراتی ہو اس کی قرآن کے مطابق تطبیق و تاویل کر لی جائے۔ اسماء الرجال اور جرح و تعدیل حدیث کے راویوں کو جانچنے کے فن ہیں۔ میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب، لسان المیزان، تہذیب الکمال، وغیرہ جیسی کتابوں میں رواۃ احادیث کے مفصل حالات درج ہیں جن کی مدد سے اور دیگر کتب فنون سے، قطع نظر ان کے مرتبین کے عقائد و نظریات کے، احادیث کی صحت و ضعف کو پرکھا جاتا ہے۔ توثیق و تضعیف پر کلام کرنے کا مروجہ یہی معیار ہے۔ زکریا کاندھلوی صاحب کی نقل کردہ من گھڑت روایت کی حیثیت میزان الاعتدال، جلد ۱، صفحہ ۱۶۲ پر دیکھی جاسکتی ہے، جہاں پر اس موضوع روایت کے راوی عبد الرحمن بن زید بن اسلم پر حدیث گھڑنے کا حکم لگایا گیا ہے۔

جو لوگ قرآن کے خلاف اس روایت کو نبی ﷺ کا قول کہتے ہیں وہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان بھی سن لیں:

مَنْ يَقُلْ عَلَى مَالِهِ أَقْلٌ فَلْيَتَّبِعْهُ أَمْقَعَدَهُ مِنَ النَّارِ

”جو مجھ سے وہ بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“ (1)

لَا تَكْذِبُوا عَلَىٰ فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَىٰ فَلْيَلْجِ النَّارِ

”مجھ پر جھوٹ نہ باندھنا کیونکہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا وہ جہنم میں جائے گا۔“ (2)

مَنْ كَذَبَ عَلَىٰ فَلْيَتَّبِعْهُ أَمْقَعَدَهُ مِنَ النَّارِ

”جس نے مجھ پر کوئی جھوٹ باندھا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“ (3)

مَنْ كَذَبَ عَلَىٰ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعْهُ أَمْقَعَدَهُ مِنَ النَّارِ

”جس نے عمدہ مجھ پر جھوٹ باندھا، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“ (4)

حیرت ہے کہ اکابر پرستی کے مرض نے ان ”علماء“ کو جھوٹ پھیلانے اور کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو جھٹلانے میں کیسا جری بنا دیا ہے! اللہ اپنی پناہ میں رکھے اور اس فعل سے بچائے۔ آمین



کتاب ہذا کے اس باب کے رد میں ملا مجیب کی فریب کاری گزشتہ صفحات کے حاشیے بیان کر دی گئی ہے کہ کس طرح ”الموضوعات الکبیر“ کی بڑی گھڑی ہوئی روایتوں میں سے اس روایت لولاک کو بڑی فنکاری سے ”بالمعنی“ صحیح قرار دے کر اپنے اکابرین کا دفاع کیا ہے! اگرچہ سند موضوع ہونے کے علاوہ درایتاً بھی یہ روایت ناقابل قبول ہے کیونکہ یہ

(1) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب العلم، باب ۸۰۱، ثم من كذب على النبي ﷺ، صفحہ ۱۵۳

(2) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب العلم، باب ۸۰۱، ثم من كذب على النبي ﷺ، صفحہ ۱۵۳

(3) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب العلم، باب ۸۰۱، ثم من كذب على النبي ﷺ، صفحہ ۱۵۳

(4) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب العلم، باب ۸۰۱، ثم من كذب على النبي ﷺ، صفحہ ۱۵۲

نیز صحیح مسلم، جلد ۱، مقدمہ، صفحہ ۲۷ / ترمذی، جلد ۲، ابواب العلم، باب فی تعظیم

الكذب على رسول الله ﷺ، صفحہ ۲۲۸، وغیرہ

روایت ان تمام آیات کے خلاف ہے جن میں تخلیق کائنات کسی فرد واحد کے لیے نہیں بلکہ تمام انسانیت کے لیے بتائی گئی ہے مگر ملا مجیبؒ جنہیں خلاف عادت اس روایت کی حمایت میں اس دفعہ کوئی ضعیف روایت یا تفسیری قول بھی نہ مل سکا، اب کی بار انہوں نے قصیدوں کے اشعار کا حوالہ دے کر کام چلانے کی کوشش کی ہے۔ اور مذکورہ آیات سے اس روایت کی تطبیق کرتے ہوئے بغیر کسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی کا حوالہ دیئے، بالکل بریلویوں کے انداز میں یہ گہرا فحشانی فرمائی ہے کہ

”یہ بھی محض مغالطہ ہے کیونکہ یہ آیات اور حدیث لولا کہ ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہیں اس لیے کہ حدیث اور آیات میں تطبیق دے کر معنی یوں ہو جائے گا نبی کریمؐ کی برکت سے یہ سب چیزیں تمہارے لیے بنائی ہیں اگر نبی کریمؐ نہ ہوتے تو نہ تم ہوتے نہ تمہارے فائدے کے لیے یہ چیزیں پیدا کی جاتیں اب دونوں میں کوئی تعارض نہ رہا یہ ایسا ہے جیسے آپ کسی خاص دوست کے کہنے پر کسی آدمی کا کام کر دیں تو آپ اس کو کہتے ہیں کہ اس شخص کی وجہ سے میں نے تمہارا یہ کام کر دیا۔“ (صفحہ ۲۲۴)

اور سنئے کہ اگر خلاف شریعت یہ نوادرات قابل توجہ نہ بھی ہوں
 ”تو بھی حدیث آیات کے خلاف نہیں کیونکہ آیات میں فرمایا تم سب انسانوں کیلئے یہ سب چیزیں پیدا کیں اب جب سب انسانوں کیلئے پیدا کیں تو سارے انسانوں کے سردار کیلئے بطریق اولیٰ پیدا کیں تو بھی تعارض نہ رہا۔“ (ایضاً)

پچھلے صفحے پر ہم نے میزان الاعتدال جلد ۲، صفحہ ۱۰۶ کا حوالہ دیا تھا کہ وہاں اس موضوع روایت کی حقیقت دیکھی جاسکتی ہے۔ ملا مجیبؒ نے سمجھتی کسی ہے کہ انہیں میزان الاعتدال کے کسی بھی صفحے اور جلد میں اس روایت کا تذکرہ تو کیا نام و نشان بھی نہیں ملا۔ چونکہ اس عنوان پر ہم اپنے کتابچے ”وسیلے کا شرک“ میں تفصیلی کلام کر چکے ہیں، اس لیے کتاب ہذا میں اختصار سے کام لیتے ہوئے اس موضوع روایت کے راوی عبد الرحمن بن زید بن اسلم پر حدیث گھڑنے کا حکم لگائے جانے سے متعلق محدثین کی جرح نقل نہیں کی تھی اور صرف کتاب کا حوالہ دے دیا تھا کہ وہاں پر اس کی حقیقت دیکھی جاسکتی ہے۔ بہر حال مطلب یہ تھا کہ فن حدیث کے لحاظ سے اس روایت کو محدثین نے موضوع (گھڑی ہوئی)

بتایا ہے کیونکہ اس میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم راوی ہے اور اس پر (حدیث گھڑنے کا) یہ حکم لگایا گیا ہے۔

مستدرک حاکم کی زیر نظر روایت کے حوالے سے ہم یہاں کتاب الوسیلہ سے ابن تیمیہ کے کچھ الفاظ نقل کرتے ہیں (یاد رہے کہ یہ ان کی اصل کتاب ”قاعدة جلیلة فی التوسل والوسیلة“ کا اردو ترجمہ ہے، جس کا حوالہ ”شفاعت“ کے باب میں پہلے دیا جا چکا ہے اور وہاں وضاحت کر دی گئی تھی کہ ابن تیمیہ سے عقیدے کا اختلاف رکھنے کے باوجود ہم نے کیوں ان کی کتاب سے استفادہ کیا ہے)۔ یہ وہی ابن تیمیہ ہیں جن کے بارے میں دیوبندیوں کے ایک بہت بڑے مدرسے کے بانی یوسف بنوری صاحب نے اپنے والد زکریا بنوری کی وفات پر لکھے جانے والے مضمون میں اپنے والد کے محیر العقول کارنامے بیان کرتے ہوئے لکھا کہ ان کے والد ”ابن تیمیہ وابن القیم کے قدردان تھے اور ان کے تبحر علمی کی داد دیا کرتے تھے۔“

[بصائر وغیرہ، ماہنامہ بینات کراچی، رجب ۱۳۹۵ھ] ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ

حضرت آدم اور دعائے معافی: اسی طرح وہ حدیث بھی ہے جو عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ دادا کے واسطے سے حضرت عمرؓ سے مرفوعاً و موقوفاً روایت کی ہے کہ.....

یہی حدیث حاکم نے اپنی مستدرک میں عبد اللہ بن مسلم الفہری عن اسطعلیل بن سلمہؓ سے روایت کر کے کہا ہے: ”یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے اس کتاب میں عبدالرحمن سے روایت کی اور صحیح قرار دی۔“

ابو بکر الاجریؒ نے بھی اسے کتاب الشریعہ میں عبد اللہ بن اسطعلیل بن ابی مریم بن عبدالرحمن بن زید بن اسلم سے، نیز ایک دوسرے طریق سے موقوفاً اس طرح روایت کیا ہے.....

حاکم پر نکتہ چینی اور عبدالرحمن کی تضعیف: حالانکہ حاکم کا یہ روایت کرنا سخت قابل مواخذہ ہے کیونکہ خود انہوں نے کتاب المدخل میں تصریح کر دی ہے کہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ سے موضوع حدیثیں روایت کی ہیں۔ یہ عبدالرحمن بن زید با اتفاق محدثین ضعیف ہے، بہت غلطیاں کرتا ہے، احمد بن حنبلؒ، ابو زرہؒ، ابو حاتمؒ، نسائیؒ، دارقطنیؒ، وغیرہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔ ابو حاتم بن حبان کا قول ہے کہ حدیث کو نادانستہ مقلوب کر دیا کرتا تھا چنانچہ بکثرت مرسئل حدیثیں مرفوع بنا دی ہیں اور موقوف، متصل، اسی لئے نظر سے گر گئی۔

حاکم پر اس حدیث اور ایسی ہی دوسری حدیثوں کی وجہ سے ائمہ نے سخت نکتہ چینی کی ہے اور کہا ہے وہ ایسی حدیثوں کی بھی تصحیح کر جاتے ہیں جو محدثین کے نزدیک جھوٹ اور موضوع ہوتی ہیں۔ اسی لئے علماء حدیث محض حاکم کی تصحیح پر کبھی اعتماد نہیں کرتے۔ یہ درست ہے کہ حاکم کی تصحیح کردہ اکثر حدیثیں صحیح ہیں، لیکن صحیح کرنے والوں میں ان کا درجہ وہی ہے جو کسی ایسے ثقہ راوی کا ہو سکتا ہے جو روایت میں بہت غلطی کرتا ہے اگرچہ محفوظ روایتیں بھی اُس کے پاس بکثرت ہیں۔

حاکم و دیگر محدثین: اس فن میں حاکم کی تصحیح سے کمزور کسی کی تصحیح نہیں، برخلاف حاتم ابن حبان البقی کے کہ جن کی تصحیح حاکم سے کہیں بالاتر ہے۔ اسی طرح ترمذی، دارقطنی، ابن خزیمہ، ابن مندہ وغیرہ صحیح حدیث ہیں کہ گو ان کی کسی کسی پر رائے میں نزاع ہے مگر وہ حاکم سے کہیں زیادہ ماہر ہیں۔” [صفحہ ۱۹۶]

انہی ابن تیمیہ صاحب نے کتاب الاستغاثہ میں اس روایت کو بے اصل قرار دیا [صفحہ ۶۲۴] اور واضح کیا کہ یہ من گھڑت روایات کی قسم سے ہے جنہیں کسی حکم شرعی کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا مگر جو لوگ دلائل احکام سے جاہل ہیں، وہی ایسا کر سکتے ہیں۔ [صفحہ ۶۰] مسلک پرستوں کی ایک اور معتبر شخصیت شاہ عبدالعزیز دہلوی صاحب نے بستان المحدثین میں لکھا ہے کہ مستدرک حاکم پر کسی کے لیے عمل کرنا جائز نہیں جب تک کہ اسے امام ذہبی کی تعقیبات کا علم نہ ہو جائے جو انہوں نے مستدرک پر کی ہیں [جلد ۳، صفحہ ۴۴]۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ بلاشبہ مستدرک میں شرط صحت پر بہت سی احادیث ہیں لیکن اس میں من گھڑت روایات بھی ہیں۔ [جلد ۳، صفحہ ۱۰۴۲] خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں الحاکم کے ترجمے میں ابواسحاق ابراہیم بن محمد نیشاپوری کے حوالے سے لکھا ہے کہ حاکم نے بخاری و مسلم کی شرائط کے زعم میں احادیث جمع کی ہیں مگر اصحاب حدیث نے اس کا انکار کر دیا اور ان کی طرف التفات نہ کیا اور نہ ہی ان کے فعل کی تصویب کی۔ [ایضاً]

جس شخص کی حاکم نے کتاب الضعفاء میں خود شدید تضعیف کی اور جس سے روایت کرنے سے احتراز کیا، ان کا اسی کی روایت کی تصحیح کرنا ایک بہت عجیب و غریب معاملہ ہے۔ معلوم نہیں ان سے یہ بات پوشیدہ رہی یا انہوں نے خیانت کا ارتکاب کیا کیونکہ شیخین

رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا سے تعرض کے سوا اس طرح کی باتوں پر ان کی شہرت شیعہ ہونے کی بھی تھی۔ امام ذہبی ابن طاہر کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں ابو اسماعیل انصاری سے حاکم کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ حدیث کے امام ہیں، ثقہ ہیں لیکن رافضی خبیث؛ ابن طاہر کہتے ہیں کہ ابو اسماعیل شیعوں کے معاملے میں شدید متعصب تھے، اللہ تعالیٰ انصاف کو پسند کرتا ہے، وہ رافضی نہیں فقط شیعہ تھے؛ ذہبی کہتے ہیں کہ بہر حال وہ شیعہ تھے رافضی نہیں۔ [میزان الاعتدال: جلد ۳، صفحہ ۶۰۸/ تذکرۃ الحفاظ: جلد ۳، صفحہ ۲۳۳]

بہر حال یہ راوی منفرد ہے اور ساقط الاعتبار ہے۔ بخاری اور ابو حاتم کے مطابق علی بن المدینی عبد الرحمن بن زید بن اسلم کو بہت زیادہ ضعیف قرار دیتے تھے؛ ابو داؤد، دیکھتے تھے کہ زید بن اسلم کی ساری اولاد ضعیف ہے؛ ابو زرہ نے بھی اسے ضعیف کہا؛ ابن حبان کے مطابق وہ روایات میں ہیر پھیر کر دیتا تھا اور اسے پتہ بھی نہ چلتا یہاں تک کہ اس کی روایات میں کثرت سے مرسل روایات مرفوع ہو گئیں اور موقوف مسند، لہذا اس کو ترک کرنا لازم ہو گیا؛ ابن سعد کے مطابق اس کی اکثر حدیثیں بہت ضعیف ہیں؛ ابن خزمہ کے مطابق اس کے حافظے کی خرابی کی وجہ سے وہ اس قابل نہیں کہ اہل علم اس کی روایات کو حجت بنائیں..... [حدیث کے اماموں کی جرح نقل کرنے کے بعد] جو زجانی نے کہا کہ زید کی اولاد ضعیف ہے؛ اور حاکم اور ابو نعیم نے کہا کہ وہ اپنے باپ سے موضوع روایات نقل کرتا ہے؛ ابن جوزی نے کہا کہ اس کے ضعف پر محدثین کا اجماع ہے۔ [تفصیل کے لیے دیکھیے تہذیب التہذیب: جلد ۶، صفحہ ۱۷۹ تا ۱۸۰/ میزان الاعتدال: جلد ۲، صفحہ ۵۶۲ تا ۵۶۶]

زیر نظر روایت کئی جہات سے من گھڑت ثابت ہوتی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ سے یہ قول منسوب کرنا کہ محمد نہ ہوتے تو اے آدم میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آدم علیہ السلام محمد ﷺ کے سبب پیدا کیے گئے اور یہ بالکل باطل ہے کیونکہ مومنوں کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات)

”اور میں نے جن و انسانوں کو مگر اپنی بندگی کے لیے۔“

نیز

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (النحل)

”اور بیشک ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے تاکہ لوگ اللہ کی بندگی کریں اور طاغوت سے اجتناب کریں۔“
پس آدم علیہ السلام بھی اللہ کی عبادت کے لیے پیدا کیے گئے، محمد ﷺ کی وجہ سے نہیں ورنہ اگر آدم علیہ السلام کو محمد ﷺ کے سبب پیدا کیا گیا ہوتا تو پھر ان کے سوا دوسرے انبیاء وغیرہ کو کیوں پیدا کیا گیا اور پھر محمد ﷺ کی ذات کو کس لیے پیدا کیا گیا؟ سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرنے اور ان کی تعریف کرنے کے بعد فرماتا ہے:

وَاُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ فَبِهِدَاهِمِ اقْتَدِهْ

”یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی تھی پس (اے نبی ﷺ!) تم انہی کی ہدایت کی پیروی کرو۔“

اور صحیح حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ کسی بندے کے لیے یہ کہنا زیبا نہیں کہ میں یونس بن متی (رحمۃ اللہ علیہ) سے افضل ہوں؛ اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آکر نبی ﷺ کو کہا: یا خیر الدبیریۃ یعنی اے بہترین مخلوق۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ تو ابراہیم (رحمۃ اللہ علیہ) تھے۔ اور ایسا بطور تواضع نہیں کہا۔ [مستفاد من البصائر للمتوسلین بابل المتقاہر از علما طاہر: صفحات ۴۱ تا ۴۲]

ملاؤ نسوی نے اپنی کالی کتاب میں وہی جارحانہ زبان استعمال کرتے ہوئے جو شاید ان کی مجبوری ہے کہ یہی کچھ سیکھا ہے، کائنات کی تخلیق کا مقصد ذات نبوی کو قرار دیتے ہوئے حسب معمول اس پر بھی امت کے اتفاق اور اجماع کا دعویٰ داغ دیا ہے اور جنّ و انس کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی بندگی بتانے کے ہمارے موقف کو ”نرمغالطہ اور دھوکہ بلکہ دینی لحاظ سے مسعودیوں کی یک چشمی کی بلکہ کور چشمی کی مثال“ قرار دیا ہے۔ درحقیقت مغالطہ آرائی اور دھوکہ دہی کی راہ خود انہوں نے اپنائی ہوئی ہے اور ان کی ”یک چشمی بلکہ کور چشمی“ کا ثبوت یہ ہے کہ صفحہ ۳۴ پر دلیل ۳ کے تحت جو روایت اپنے موقف میں پیش کی ہے اس کا حوالہ ”موضوعات کبیر“ یعنی بڑی گھڑی ہوئی روایات کی نشاندہی کرنے والی کتاب کا دیا ہے مگر چونکہ ان کی مسلک پرستی یک چشمی کی متقاضی ہے اور یہ ایک آنکھ بھی کوری چٹی ہے اس لیے اس سے یہ لوگ حق دیکھ ہی نہیں سکتے اور انہیں ”موضوعات کبیر“ بھی لکھا ہوا نظر نہیں آتا بس لولا کہ لکھا دیکھا تو سمجھ گئے کہ بس اپنا کام بن گیا! دو صفحے بعد دلیل ۵ کے تحت پھر اسی کتاب کا حوالہ دیا ہے لیکن اب شاید

خیال آگیا کہ اس ٹکڑے سے قارئین بھی متوجہ ہو جائیں گے لہذا اب اپنی طرف سے اضافے کر کے کام چلایا اور ترجمے میں وہ الفاظ بڑھادیئے جو اصل عبارت میں موجود نہیں لیکن اصل عبارت کا زور توڑنے کے لیے ضروری تھے۔ آگے چل کر مواہب لدنیہ اور مدارج النبوة وغیرہ جیسی رطب و یابس سے بھری کتابوں اور کچھ قصیدوں کے حوالے سے دعویٰ کیا ہے کہ زیر نظر روایت لولاک بالکل درست ہے۔ جن کو چشموں کو اس موضوع روایت کا قرآن سے متصادم و متخالف ہونا نظر نہیں آتا، ان سے پھر قبولِ حق کی کوئی توقع رکھنا بالکل عبث ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کی آنکھوں پر پردہ ہٹائے تو ہٹے ورنہ مسلک پرستی تو اسے دبیز سے دبیز تر ہی کرتی جائے گی۔ دراصل

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ

اور پھر

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلَّغُوا إِلَيْكَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ

ایصال ثواب

مسلک پرستوں کا مشہور عقیدہ ہے کہ صدقات، خیرات اور اعمال خیر کا ثواب زندہ، مردہ سب لوگوں کو ایصال کیا جاسکتا ہے، اور ان کے مطابق وہ ان کو بلا شک و شبہ پہنچتا ہے۔ اس عقیدے پر بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث، شیعہ، سنی تمام مسالک متفق ہیں۔ ان کی تحریروں میں اس کا اثبات عام کیا جاتا ہے۔ * ایک جگہ اس کو تفصیل سے اس طرح بیان کیا ہے کہ:

”ہمارا مسلک یہ ہے کہ عبادات نقلی کی جتنی صورتیں بھی ہو سکتی ہوں، خواہ مالی، خواہ بدنی، خواہ انسانی، ہر قسم کی نقل عبادت کا ثواب کسی دوسرے کو بخشا جاسکتا ہے۔ پھر مالی عبادت خواہ کپڑے کی شکل میں خواہ کھانے کی شکل میں خواہ نقد کی شکل میں ہو، ہر قسم کا ایصال ثواب جائز اور درست ہے۔ علمائے دیوبند میں سے کوئی بھی اس کا منکر نہیں ہے۔“ (1)

دارالعلوم، کراچی کے نائب مفتی صاحب نے ایک کتابچے میں ایصال ثواب کی ترغیب دیتے ہوئے اسے مزید وسعت دے دی کہ:

”ایصال ثواب برحق ہے اور یہ زندہ اور مردہ دونوں کو ہو سکتا ہے (شامیہ) اس لیے اپنی اولاد اور ماں باپ کو ان کی زندگی میں اور ان کے انتقال کے بعد دونوں صورتوں میں ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔۔ ایصال ثواب کرنے والے کے ثواب میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی بلکہ دوسروں کو ثواب پہنچانے کا اس کو مزید ثواب ملے گا۔ (طریقہ): اے اللہ! جو کچھ میں نے پڑھا ہے اس کا ثواب تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو پہنچا دیجیے، خواہ ان کا انتقال ہو چکا ہو یا فی الحال زندہ ہوں یا آئندہ قیامت تک پیدا ہوں گے، انسان جنات سب کو پہنچا دیجیے۔“ (2)

* یوسف لدھیانوی صاحب نے روزنامہ جنگ میں جمعہ کو شائع ہونے والے اپنے کالم ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ میں کئی دفعہ اس کا اظہار کیا، مثلاً یکم مئی ۱۹۹۳ء۔ ان کے بعد ان کے ”خلیفہ خاص“ سعید جلاپوری یہ کام کرتے رہے۔ دیگر اخبارات و ذرائع اہلارغ کے ذریعے ہر مکتب فکر کے دینی مسائل کے جواب دینے والے دوسرے افراد بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ مزید حوالوں کے لیے ملاحظہ فرمائیے: بہشتی زیور، حصہ ششم، باب ۳ فاتحہ کا بیان، صفحہ ۴۸؛ تفسیر عثمانی، صفحہ ۳۲، حاشیہ ۸، صفحہ ۵۸، حاشیہ ۲ اور دارالعلوم دیوبند سے جاری ہونے والے فتوؤں کا مجموعہ ”فتاویٰ محمودیہ“، جلد ۱، صفحات ۴۲، ۱۸۴، ۱۸۷۔

(1) دیوبند سے بریلی تک: صفحہ ۱۳۲

(2) چند ٹیکیاں اور ایصال ثواب کا طریقہ از مفتی عبدالرؤف سکھری، مطبوعہ گاباسنر، اردو بازار، کراچی، صفحات ۵۳ تا ۵۶

تبلیغی جماعت کا نصاب مرتب کرنے والے زکریا کاندھلوی صاحب، اس نصاب میں ”بذل الجہود شرح سنن ابی داؤد“ سے، جسے ان کے پیر صاحب خلیل سہارنپوری، جن کی مرتبہ ”عقائد علمائے دیوبند“ کے حوالے سے کتاب ہذا میں ان مسلک پرستوں کے عقائد کا ثبوت دیا گیا ہے، نقل کرتے ہیں کہ (۱)

”..... صدقہ کا ثواب میت کو پہنچنے میں مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہی مذہب حق ہے اور بعض لوگوں نے جو یہ لکھ دیا ہے کہ میت کو اس کے مرنے کے بعد ثواب نہیں پہنچتا، یہ قطعاً باطل ہے اور کھلی ہوئی خطا ہے۔ یہ قرآن کے خلاف ہے، یہ حضور اقدس ﷺ کی احادیث کے خلاف ہے، یہ اجماع امت کے خلاف ہے اس لئے یہ قول ہرگز لائق التفات نہیں۔

..... جو شخص روزہ رکھے یا نماز پڑھے یا صدقہ کرے اور اس کا ثواب دوسرے شخص کو بخش دے خواہ وہ شخص جس کو بخشا ہے زندہ ہو یا مردہ اس کا ثواب اس کو پہنچتا ہے اس میں کوئی فرق نہیں کہ جس کو ثواب بخشا ہے وہ زندہ ہے یا مردہ۔“

یہ عقیدہ دراصل اس لیے بنایا گیا ہے تاکہ دین کو کھانے کمانے کا ذریعہ بنانے والوں کی دکان چلتی رہے، مردوں کو ثواب ایصال کرنے کے بہانے رسمی قرآن خوانیاں ہوتی رہیں، پکوان سکتے رہیں، مٹھائیاں تقسیم ہوتی رہیں، مولوی صاحبان کو ہدیئے دیئے جاتے رہیں، کپڑوں کے نذرانے پیش ہوتے رہیں، اور یہ دینی پیشہ ور اسی طرح ضعیف العقیدہ لوگوں کے مال پر ہاتھ صاف کرتے رہیں..... ان ہی جیسے لوگوں کی شان میں مالک کائنات نے فرمایا :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالْمُهَنِّينَ لَا يَسْمَعُونَ
أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ (التوبة: ۳۴)

”اے ایمان والو! (ہوشیار رہو، ان) مولویوں اور پیروں کی اکثریت لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتی ہے اور انہیں اللہ کے راستے سے روکتی ہے۔“

آئیے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس عقیدے کے باطل ہونے کا جائزہ لیں :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بِنِعْعٍ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ^ط (البقرة: ۲۵۴)

”اے ایمان والو! ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے اس دن کے آنے سے پہلے خرچ کر لو جس دن نہ کوئی لین دین، نہ دوستی، اور نہ سفارش کام آئے گی۔“

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بِنِعْعٍ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ (ابراہیم: ۳۱)

”(اے نبی!) میرے مومن بندوں سے کہدو کہ صلوٰۃ قائم کریں اور اس دن کے آنے سے پیشتر کہ جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہوگا اور نہ دوستی (کام آئیگی) ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے پوشیدہ طور سے اور ظاہر آخر خرچ کرتے رہیں۔“

وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ^ط (البقرة: ۱۱۰)

”اور جو نیکی بھی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے یہاں پاؤ گے۔“

وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ وَأَعْظَمُ أَجْرًا^ط (الزلزل: ۲۰)

”اور جو نیکی بھی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے یہاں بہتر اور ثواب میں زیادہ پاؤ گے۔“

وَأَنْفِقُوا مِنْ مَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۰﴾ (المفقون: ۱۰)

”اور خرچ کر لو اس (مال) میں سے جو ہم نے تمہیں دیا ہے قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے تو (اس وقت) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار تو نے مجھے تھوڑی سی اور مہلت کیوں نہ دی تاکہ میں خیرات کر لیتا اور نیکو کاروں میں شامل ہو جاتا۔“

غور کیجیے! اگر مرنے والے کو ثواب پہنچتا ہوتا تو وہ کبھی ایسا نہ کہتا کیونکہ اس کے پیچھے اس کے چاہنے والے خوب خیرات کر رہے ہوتے، مساجد میں مولوی صاحبان کو چندہ دے رہے ہوتے، غریبوں کو کھانا کھلا رہے ہوتے، مختلف تقریبات مثلاً سوئم، چہلم، برسی، عرس وغیرہ کے موقع پر قرآن پڑھے جارہے ہوتے، تو پھر وہ ایسے حسرتناک الفاظ کس

لیے کہتا۔ اگر ایسا ہونے لگتا تو انہیں تو کسی قسم کی کوئی فکر ہی نہیں ہونی چاہیے تھی کہ پیچھے بہت کافی انتظام موجود ہوتا۔ مزید دیکھیے :

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَرَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا
تُسْأَلُونَ عَنْهَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (البقرہ: ۱۳۳، ۱۳۱)

”یہ ایک گروہ تھا جو گزر گیا، ان کے لیے ان کا کیا ہوا اور تمہارے لیے تمہارا کیا ہوا، اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔“

لَنَا أَعْمَالُنَا وَرَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۚ (البقرہ: ۱۳۹ / القصص: ۵۵ / الشوریٰ: ۱۵)

”ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال“

لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا
اَكْتَسَبَتْ ۚ (البقرہ: ۲۸۶)

”اللہ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں ٹھہرا۔ جس نے جو کمائی کی ہے اس کا فائدہ اسی کو ملے گا اور جو برائی کرے گا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا۔“

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا نَفْسِكُمْ ۖ وَمَا تَنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ
وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿۹۱﴾ (البقرہ: ۲۷۰)

”اور تم جو مال خرچ کرو گے تو اس کا فائدہ تم ہی کو ہے۔ اور تم تو جو خرچ کرو گے اللہ کی خوشنودی کے لیے کرو گے۔ اور جو خیرات تم کرو گے تو تمہیں پورا اجر ملے گا اور تم پر ظلم نہ ہوگا۔“

ثُمَّ تَوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۹۲﴾ (البقرہ: ۲۸۱)

”پھر ہر شخص کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔“

فَكَيْفَ إِذَا جُمِعْتُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ قَفَّ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَا
كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۹۳﴾ (آل عمران: ۲۵)

”پھر کیا حال ہوگا جب ہم ان کو ایسے دن جمع کریں گے جس (کے آنے) میں کچھ شک نہیں، اور (جب) ہر ایک کو اس کے کیے کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔“

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُقَضَّرًا وَمَّا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ ﴿۹۴﴾ (آل عمران: ۳۰)

”اس دن ہر ایک اپنے کیے ہوئے اچھے اور برے اعمال اپنے سامنے پائے گا۔“

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (الانعام: ۱۶۴)

”ہر ایک جو کام کرتا ہے تو وہی اس کا ذمہ دار ہوتا ہے، اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔“

هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الاعراف: ۱۳۷ / سبہ: ۳۳)

”یہ جیسے عمل کرتے ہیں ویسا ہی ان کو بدلہ ملے گا۔“

سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الاعراف: ۱۸۰)

”وہ جو کچھ کر رہے ہیں، عقرب اس کا بدلہ پائیں گے۔“

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ (انفال: ۶۰)

”اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے، اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا، اور تمہارا ذرا بھی نقصان نہ کیا جائے گا۔“

هَٰذَا لِكَيْ تَبْلُغُوا كُلَّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ (یونس: ۳۰)

”وہاں (آخرت میں) ہر شخص جانچ لے گا جو کچھ اس نے پہلے کیا تھا۔“

وَأَنْ كَذَّبُوا فَقُلْ أِنِّي أَخْشَىٰ اللَّهَ وَنِعْمَ عَمَلُكُمْ أَنْتُمْ بَرِيءُونَ مِمَّا آتَمَّوْا

أَنَابَرِيٍّ مِمَّا تَعْمَلُونَ (یونس: ۴۱)

”اور اگر یہ تمہیں جھٹلائیں تو کہہ دو کہ مجھ کو میرے اعمال (کا بدلہ ملے گا)، اور تم کو تمہارے اعمال (کا)، تم میرے اعمال کے جوابدہ نہیں ہو اور میں تمہارے اعمال کا جوابدہ نہیں ہوں۔“

هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ (یونس: ۵۲)

”تم ان ہی اعمال کا بدلہ پاؤ گے جو تم (دنیا میں) کرتے رہے۔“

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا وَتُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ

لَا يُظْلَمُونَ (الزلزل: ۱۱۱)

”اس دن ہر شخص اپنی طرف سے جھگڑا کرنے آئے گا اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔“

إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ تَقَاتُوا وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ط (نہی: اسرائیل ۷)

”اگر تم نے کوئی نیکی کی تو اپنے لیے، اور اگر برائی کی تو اپنے لیے۔“

مِنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا (بنی اسرائیل: ۱۵)
”جو ہدایت پر آتا ہے تو اپنا ہی بھلا کرتا ہے، اور جو گمراہ ہوتا ہے تو اپنا ہی برا کرتا ہے۔“

هَلْ تَجْزُونَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۹۰﴾ (النمل: ۹۰)
”تم کو تو ان ہی اعمال کا بدلہ ملے گا جو تم کرتے رہے ہو۔“

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ط (الحکوت: ۶)
”اور جو شخص کوشش کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لیے محنت کرتا ہے۔“

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا نَفْسَ لَهُ يَمْهَدُونَ (الروم: ۴۴)
”جس شخص نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اُسی پر ہے، اور جس نے نیک عمل کیے تو ایسے لوگ اپنے لیے ہی راہ درست کرتے ہیں۔“

وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ط (الن: ۱۲)
”جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لیے کرتا ہے۔“

وَمَنْ تَزَكَّىٰ فَإِنَّمَا يَتَزَكَّىٰ لِنَفْسِهِ ط (فاطر: ۱۸)
”اور جس نے پاکیزگی اختیار کی تو اپنے لیے۔“

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (الن: ۵۴)
”پس آج کسی جان پر کوئی ظلم نہ ہو گا اور تمہیں کسی عمل کی جزا نہیں ملے گی سوائے اس کے جو تم نے کیے۔“

وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (الطہ: ۳۹)
”اور تمہیں ان ہی اعمال کی جزا ملے گی جو تم نے کیے۔“

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ (الزمر: ۷۰)
”اور ہر شخص کو پورا بدلہ ملے گا جو اس نے کیا۔“

الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ط لَا ظْلَمَ الْيَوْمَ ط (الزمر: ۷۰)
”آج کے دن ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، آج (کسی کے ساتھ) ظلم نہ ہو گا“

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ
لِّلْعَبِيدِ ﴿٢٧﴾ (الم سجدہ: ۲۷)

”جو نیک کام کرے گا تو اپنے لیے، اور جو برے کام کرے گا تو ان کا ضرر اسی کو ہوگا، اور تمہارا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔“

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۚ (الجماعہ: ۱۵)

”جو کوئی نیک عمل کرے گا تو اپنے لیے، اور جو برے کام کرے گا تو اپنے لیے۔“

الْيَوْمَ نَجْزِي مَنْ كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (الجماعہ: ۲۸)

”آج تم کو اس کا بدلہ دے دیا جائے گا جو کچھ تم (دنیا میں) کرتے رہے ہو۔“

وَبِكُلِّ دَرَجَةٍ مَّا عَمِلُوا ۖ وَلِيُوقِيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يَظْلَمُونَ (الاحقاف: ۱۹)

”اور لوگوں نے جیسے کام کیے ہوں گے ان کے مطابق سب کے درجے ہوں گے تاکہ ان کو ان کے اعمال کا پورا بدلہ دے اور ان کے ساتھ زیادتی نہ کی جائے گی۔“

إِنَّمَا نَجْزِي مَنْ كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (الطور: ۱۶)

”بے شک تم کو ان ہی اعمال کی جزا ملے گی جو تم نے کیے۔“

أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۖ وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۚ وَأَنَّ
سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ۖ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ﴿٣٨﴾ (النجم: ۳۸)

”یہ کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے، اور یہ کہ اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی، پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔“

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۚ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۚ يَوْمَئِذٍ يَصُدُّ
النَّاسُ أَشْتَاتًا ۚ لِيُرَوْا أَعْمَالُهُمْ ۚ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا
يَرَهُ ۚ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۚ (الزلزال: ۸، ۹، ۷)

”اس دن لوگ گروہ گروہ ہو کر آئیں گے تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھا دیئے جائیں، تو جس نے ذرہ بھرتی کی ہوگی تو وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی تو وہ اسے دیکھ لے گا“

قرآن سے اتنے حوالوں کا انتخاب اس لیے کیا گیا ہے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ اتنے اہم مسئلے پر قرآن خاموش نہیں، نہ ہی اس نے اس سلسلے میں کوئی مجمل انداز اختیار کیا ہے بلکہ پوری شرح و بسط کے ساتھ بار بار اس کی حقیقت کو اظہر من الشمس کیا ہے۔ قرآن اس بات پر فیصلہ ہے کہ ایک آدمی کا کیا ہوا عمل صرف اسی کی ذات تک محدود ہے، دوسرے کو منتقل نہیں کیا جاسکتا* احادیث بھی اس فیصلے پر شاہد ہیں۔ مسلم، ابوداؤد اور نسائی کی روایت ہے کہ:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ⁽¹⁾

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان مرتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین قسم کا عمل باقی رہتا ہے: صدقہ جاریہ، علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے، اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔“

ایک دوسری روایت اس طرح ہے کہ:

★ ”راہِ حق“ کے نام سے ایک تحریر ناخق لکھنے والے مولوی مجیب نے ہم پر الزام عائد کیا ہے کہ ایصالِ ثواب کے عقیدے کے رڈ کے لیے ہم نے منکرینِ حدیث کا نہ ہلوتی اور پرویز کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور وہی آیتیں پیش کی ہیں جو انہوں نے کی ہیں۔ سبحانک ہذا بہتان عظیم! اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ راقم نے ان منکرینِ حدیث کی مذکورہ کتابیں پڑھنا تو درکنار دیکھی بھی نہیں ہیں؛ اور مذکورہ صدر آیات کا انتخاب بھی کئی بار پورے قرآن کا مطالعہ کر کے کیا ہے، جس وقت کہ راقم کے پاس مجملہ المفہرس بھی نہ تھا ورنہ آیتوں کے انتخاب کے لیے پورے قرآن کے بار بار مطالعے کی ضرورت نہ پیش آتی اور ذرا سی دیر میں متعلقہ تمام آیات با آسانی یکجا مل جاتیں۔ یہ مولوی صاحب کی ہٹ دھرمی ہے کہ بجائے حق کو تسلیم کرنے کے الٹا بہتان طرازی پر اتر آئے اور ناخق الزامات عائد کرنے شروع کر دیے۔ دراصل یہ ان کے اپنے ہی خصائل ہیں جو یہ ہم پر تھوپ کر اپنا مطلب حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

(1) صحیح مسلم: جلد ۴، کتاب الوصیۃ، باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاته، صفحہ ۲۵۷/ سنن ابی داؤد: جلد ۲، کتاب الوصایا، باب ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱، ۰، ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳

يَتَّبِعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثَةً فَيَرْجِعُ اثْنَانِ وَيَبْقَى مَعَهُ وَاحِدٌ يَتَّبِعُهُ أَهْلُهُ
وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ فَيَرْجِعُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقَى عَمَلُهُ

”میت کے پیچھے تین چیزیں جاتی ہیں: اس کے گھر والے، اس کا مال اور اس کا عمل۔ گھر والے اور مال تو واپس آجاتے ہیں اور عمل ساتھ رہ جاتا ہے۔“ (1)

فن دیداری کے ”ماہرین“ اس دلیل کو سن کر فوراً بخاری کی یہ روایت پیش کر دیتے ہیں کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ وفات پا گئیں اور وہ ان کے پاس موجود نہیں تھے، وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میری والدہ فوت ہو گئیں اور میں ان کے پاس موجود نہیں تھا، اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا وہ ان کو فائدہ دے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہاں۔ اس پر انہوں نے ایک باغ صدقہ کر دیا۔ (2)

صحیح بخاری (3) اور دیگر کتب احادیث (4) میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کی وفات کا واقعہ مختلف راویوں نے بیان کیا ہے۔ ان سب روایات کو سامنے رکھا جائے تو صحیح صورت حال واضح ہوتی ہے کہ یہ دراصل نذریا وصیت کا معاملہ ہے، چنانچہ والدہ کی وفات کے

(1) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الرقاق، باب ۸۴۶۔ سكرات الموت، صفحہ ۶۰۰

(2) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب الوصایا، باب ۲۳۔ اذا قال ارضی اوبستانى صدقة عن امی صفحہ ۵۵

(3) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب الوصایا، باب ۲۷۔ ما يستحب لمن يتوفى فجاءة ان يتصدقوا عنه وقضاء النذر عن الميت، باب ۲۸۔ الاشهاد فی الوقف والصدقة، صفحہ ۵۸، ۵۷، ۵۶، ۵۵، ۵۴، ۵۳، ۵۲، ۵۱، ۵۰، ۴۹، ۴۸، ۴۷، ۴۶، ۴۵، ۴۴، ۴۳، ۴۲، ۴۱، ۴۰، ۳۹، ۳۸، ۳۷، ۳۶، ۳۵، ۳۴، ۳۳، ۳۲، ۳۱، ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱۔ نیز جلد ۳، کتاب الایمان والنذور، باب ۹۰۱۔ من مات وعليه نذره، صفحہ ۶۷۰

(4) صحیح مسلم: جلد ۴، کتاب الوصیت، باب وصول ثواب الصدقات الی الميت، صفحہ ۲۵۶ نیز کتاب النذر کی پہلی روایت، صفحہ ۲۶۵/سنن ابی داؤد: جلد ۲، کتاب الوصایا، باب ۷۷۹۔ ماجاء فی من مات من غیر وصیة يتصدق عنه، صفحہ ۲۳۹ نیز کتاب النذر، باب ۶۲۶۔ قضاء النذر عن الميت، صفحہ ۶۰۶/جامع ترمذی: جلد ۱، کتاب النذور والایمان، باب قضاء النذر عن الميت، صفحہ ۵۷۹/سنن نسائی: جلد ۲، کتاب الوصایا، ابواب ۱۸۰۳۔ اذا مات الفجاءة هل يستحب لاهله ان يتصدقوا عنه، ۱۸۰۴۔ فضل الصدقة عن الميت، ۱۸۰۵۔ ذکر الاختلاف علی سفیان، صفحات ۵۸۲ تا ۵۸۸/سنن ابن ماجہ: جلد ۲، کتاب الوصایا، باب ۸۔ من مات ولم یوص هل يتصدق عنه، صفحہ ۴۷۱/موطا امام مالک، کتاب النذور والایمان، باب، صفحہ ۳۵۶ نیز کتاب الاقضية، باب ۳۲۔ صدقة الحی عن الميت، صفحہ ۵۵۲

بعد سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بارے میں نبی ﷺ سے آکر دریافت کیا۔ نبی ﷺ نے ولی کی حیثیت سے اُن کو اُن کی والدہ کی نذر پوری کرنے کی اجازت دی کیوں کہ نذر کا معاملہ قرض کی طرح ہوتا ہے، جس طرح مرنے والے کے ذمے کوئی قرض ہو تو اس کی ادائیگی اس کے ولی کے ذمے ہوتی ہے، اسی طرح کسی نے اللہ کے لیے کوئی نذر مانا ہو تو وہ بھی قرض کی طرح سے ہے۔ اگر اپنی زندگی میں اسے اس نذر کو پورا کرنے کی مہلت نہ ملے تو اس کے پورا کرنے کی وصیت کر جائے۔ میت کی اس وصیت کے پورا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تاکید حکم دیا ہے [سورۃ النساء، رکوع ۲]۔ اگر وصیت کرنے کا موقع نہ ملے تو بھی اس کا ولی اسے پورا کرے گا۔ الغرض اس نذر اور وصیت سے متعلق واقعے سے ایصالِ ثواب کا جواز نکالنا قرآن و صحیح احادیث کا انکار ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایصالِ ثواب کا کوئی تصور نہ تھا اور وہ اس سے قطعاً نا آشنا تھے۔ مزید یہ کہ مذکورہ حدیث میں آئے ہوئے الفاظ ”إِنْ قَضَيْتُ بِهٖ عَنْهَا“ (اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں) سے بھی ایصالِ ثواب کا معاملہ ثابت نہیں ہوتا۔

بعض لوگ اُن روایات سے بھی میت کو ثواب ایصال کرنے کا ثبوت کشید کرتے ہیں جن میں نبی ﷺ نے پوچھنے والے کو مرحومہ بہن یا ماں وغیرہ کی طرف سے روزے رکھنے یا حج کرنے کی اجازت دی اور اس کی توجیہ اس طرح کی کہ چونکہ میت کی طرف سے اس کا قرض ادا کرنا ضروری ہے اس لیے یہ روزے (یا حج وغیرہ) اللہ کا قرض تھا جسے ادا کیا جائے۔ صحاح ستہ کی کتاب الوصایا اور کتاب المذنب والایمان میں منقول ان روایات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معاملات بھی نذر سے ہی متعلق تھے، یعنی مرنے سے پہلے مرحومین نے کوئی نذر مانا تھی، ان کا اس نذر کو پورا کرنے کا پختہ ارادہ تھا، تاہم موت نے انہیں وقت نہ دیا، بعض تو مرنے سے پہلے اس کی وصیت کر گئے اور بعض ایسا نہ کر سکے، اور اسی وصیت کو پورا کرنے کے لیے مذکورہ حکم الہی کے تحت نبی ﷺ نے میت کی طرف سے روزوں یا حج کی اجازت دی۔ ان تینوں قسم کی روایتوں میں ایصالِ ثواب کا کوئی ثبوت نہیں۔ مندرجہ بالا آیات قرآنی و احادیث نبوی ﷺ اس بات پر شاہد ہیں کہ میت کو اس کے لپنے کیے ہوئے اعمال کا ہی ثواب ملتا ہے، دوسروں کے اعمال کا نہیں۔ البتہ مومنوں کی طرف سے کی گئی دعائے مغفرت مومن مرحومین کو فائدہ دیتی ہے جیسا کہ نماز جنازہ میں میت کے لیے دعا کی جاتی ہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيَّتِنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا
وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا

”اے اللہ مغفرت فرما ہمارے زندوں اور مردوں کی، ہمارے غائب و حاضر کی، ہمارے
چھوٹوں اور بڑوں کی، ہمارے عروڑوں اور عورتوں کی۔“ (1)

اسی طرح صلوٰۃ خمسہ وغیرہا میں پڑھے جانے والے تشہد کے کلمات اَلْسَلَامُ عَلَیْنَا
وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ کا فائدہ بھی مردہ صالح مومن کو پہنچتا ہے جس کا بیان پچھلے
صفحات میں گزر چکا ہے۔ اور مومن والدین کو اپنی اس مومن اولاد کے نیک اعمال کا بھی
ثواب پہنچے گا جسے انہوں نے ایمان خالص اور اعمال صالحہ کی راہ پر ڈالا اور ان کی اچھی تربیت
کی۔ اس میں اتنی وسعت اور ہے کہ جس مومن کی دعوت و تبلیغ سے جو بھی راہ ہدایت پر
آکر ایمان خالص اختیار کر کے اعمال صالحہ کرے گا تو اس کے اجر میں کمی کیے بغیر اس کے
اعمال کا ثواب اُس مومن کو بھی ملے گا جس نے اسے اس راہ پر لگایا تھا۔ دلیل اس کی یہ
فرمان رسول ﷺ ہے:

مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورٍ مَنْ تَبِعَهُ وَلَا
يُنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ دَعَا إِلَى الضَّلَالَةِ كَانَ عَلَيْهِ
مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا

”جو شخص ہدایت کی طرف بلائے تو اسے ان لوگوں کا بھی ثواب ملے گا جو اس کی اتباع کریں
اور اس سے ان (ہدایت پر آنے والوں) کے اجر میں کچھ کمی نہ ہوگی، اور جو شخص گمراہی کی طرف
بلائے تو اس کو ان لوگوں کا بھی گناہ ملے گا جو اس کی اتباع کریں اور اس سے ان (گمراہ ہو جانے
والوں) کے گناہوں میں کچھ کمی نہ ہوگی۔“ (2)

گزشتہ سطور میں مرنے کے بعد اعمال غیر کے ثواب پہنچنے سے متعلق ہر دو افراد کے
لیے مومن ہونے کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ غیر مومن کو کسی عمل خیر کا اجر نہیں ملتا:

(1) جامع ترمذی: جلد ۱، ابواب الجنائز، باب ما یقول فی الصلوٰۃ علی المیت، صفحہ ۳۷۷

(2) صحیح مسلم: جلد ۶، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة اوسنة، صفحہ ۲۷۶

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ
مِنَ الْخَسِرِينَ (آل عمران: ۸۵)

”اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور ایسا شخص آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو گا۔“

ایک بات بہر حال ذہن میں رہے کہ یہ مذکورہ اعمال خیر خالصتاً عمل کرنے والے ہی کے اعمال نہیں بلکہ ان میں اُس میت کا بھی حصہ ہے جس کی کوششوں سے وہ ایسے اعمال صالح کرنے کے قابل ہوا۔ ورنہ یہ بڑی مضحکہ خیز بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک شخص نے ساری زندگی قرآن کھول کر بھی نہ دیکھا، بڑا گناہ کیا۔ اور اب اگر اس کے مرنے کے بعد اس کے سونم، چالیسویں، برسی وغیرہ کے موقع پر سینکڑوں قرآن پڑھ کر بخشے جائیں تو کیا وہ اس گناہ سے چھوٹ جائے گا؟ ایک شخص نے پوری زندگی ایک پھوٹی کوڑی بھی کسی محتاج کو نہیں دی، تو کیا اس کے مرنے پر ہزاروں روپے کے صدقات خیرات دے کر اس کے گناہ کو ختم کیا جاسکتا ہے؟ ایک آدمی نے کبھی بھول کر بھی مسجد کا رخ نہ کیا، نہ گھر ہی میں کبھی صلوٰۃ ادا کی، رمضان کے رمضان آئے اور گزر گئے، اسے کبھی بھی روزے رکھنے کا خیال تک نہ آیا، اس کے پاس مال و دولت کی کثرت تھی، بیت اللہ جانے آنے کے اخراجات برداشت کر سکتا تھا، لیکن اس کے دل میں حج کی کبھی خواہش بھی نہ پیدا ہوئی، تو کیا اس کے درثناء اس کی طرف سے نمازیں پڑھ پڑھ کر، روزے رکھ کر، حج کر کے اس کے گناہ عظیم کو ختم یا کم کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اس کا تو نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ دلیل۔ انسان کے صرف وہی کچھ کام آئے گا جو اس نے خود کیا ہے، دوسروں کا کیا ہوا تو انہی کے لیے ہے۔ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ [انجیم ۲۸۸] اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اپنے چچا عباس، پھوپھی صفیہ، بیٹی فاطمہ ؓ اور دوسرے رشتہ داروں کو یہی تاکید کی کہ

”میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا، تمہیں تمہارا عمل نجات دلائے گا۔“

[صحیح مسلم: کتاب الایمان، باب بیان ان من مات علی الکفر

فہو فی النار ولا تنالہ شفاعۃ ولا تنفعہ قرابۃ المقربین، صفحہ ۳۴۷]

اگر ایصالِ ثواب ہونے لگتا تو پھر تو شریعت کے ساتھ بڑا مذاق ہوتا۔ ساری زندگی معصیت میں گزاری جاتی اور مرتے وقت وصیت کر دی جاتی کہ میرے لیے اتنے اتنے قرآن پڑھے جائیں، آیت کریمہ کا وظیفہ ہو، اتنے نوافل ادا کیے جائیں، اتنا صدقہ فلاں کو اور اتنا فلاں کو دیا جائے، ہر جمعرات کو مولوی صاحب کو مرغ مُسَلَّم، حلوہ..... یہ..... وہ..... بھیجا جائے،* وغیرہ اتنے سارے نام نہاد ”اعمال خیر“ کا ایصالِ ثواب ان صاحب کی نجات کے لیے کافی ہوتا۔ اور پھر یقیناً یہ ظلم بھی ہوتا کہ صاحب اثر دمال کے لیے تو پیسہ لے کر قرآن خوانی کرنے والے پیشہ ور مولوی اور ان کی جماعتیں سینکڑوں قرآن ختم کر دیتیں، مال کے عوض مولوی صاحب سے پڑھے بے پڑھے قرآنوں کا ثواب حسب خواہش تعداد میں خرید لیا جاتا اور مردے کو ایصال کر دیا جاتا اور بے چارے غریب مزدور کے لیے ایک قرآن بھی نہ بخشا جاتا کہ پیسے کے زور پر اس کے لیے ثواب خرید کر ایصال کرنے والا کوئی نہ

★ مصطفیٰ رضا خاں نے ”وصایا شریف“ نامی کتابچے میں اپنے والد رضا خاں بریلوی صاحب کی متعدد وصیتیں نقل کی ہیں جو انہوں نے بسترِ مرگ پر کی تھیں جن میں ہر جمعرات کو ایصالِ ثواب کے لیے انوارِ اقسام کے متعدد کھانوں کا اہتمام کرنا بھی شامل ہے۔ جب ساری زندگی اسی طرح ایصالِ ثواب کے نام پر مال ہڑپ کرتے ہوئے گزرے گی تو دنیا سے جاتے ہوئے آخری وقت میں بھی انہی کھانوں کا تو خیال آئے گا! ان کا دفاع کرنے والے ان کے ہم مسلک کہتے ہیں کہ وہ تو غریبوں کی مدد کے لیے کھانوں کا اہتمام کرنے کی وصیت کی تھی۔ سبحان اللہ! غریبوں کی مدد کیا اسے مرغن کھانے کھلا کر اوپر سے سوڈے کی بوتل پلا کر ہی ہو سکتی ہے! کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ طرح طرح کے یہ ڈھیروں کھانے اپنے پیڑوں میں اتارنے کے بجائے اس ضیافت پر صرف ہونے والی خطیر رقم غریبوں میں تقسیم کر دی جاتی اور وہ اس سے اپنی ضروریات پوری کر لیتے؟ غریبوں کی مدد کے نام پر چٹارے اڑانے کا یہ کون سا مسنون طریقہ ہے؟ ایسا کرنا کس کی سنت ہے؟ نبی ﷺ سے تو ایسا کرنا ہرگز ثابت نہیں۔ واضح رہے کہ لذتِ کام و دہن اور حقے پان کے شوقین ان خاں صاحب کے پیروکار اپنی مساجد سے نبی ﷺ کے لیے پکار پکار کر صلوٰۃ و سلام کے اپنے مختصرہ طریقے میں ان موصوف کو بھی شامل کرتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ ۛ وہ رضا اعلیٰ حضرت بریلی کے شاہ..... جن کا سٹی مناتے ہیں یوم رضا

جن کی اک اک ادا سنت مصطفیٰ... اُس امام اہلسنت پہ لاکھوں سلام

ہوتا یا اس میں اس کی قدرت نہ ہوتی ! لیکن اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا [الم اسجد: ۴۶]، اس لیے اس نے اس مذاق اور ظلم کی گنجائش ہی نہیں رکھی۔

ایک بات اور بھی قابل غور ہے کہ جو شخص کوئی بھی عمل خیر کرتا ہے تو اس کا ثواب اس کے ہاتھ میں نہیں ہوتا کہ جس کو چاہے تقسیم کرتا پھرے۔ اسے تو اس کا بھی مکمل یقین نہیں ہوتا کہ آیا یہ عمل قبول ہوا بھی یا نہیں اور اس کا ثواب ملا بھی یا نہیں۔ تو پھر وہ کیسے ثواب ایصال کر سکتا ہے۔ مزید برآں قرآن میں یہ بھی ارشاد ہے جیسا کہ پہلے لکھا گیا کہ:

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ (البقرہ: ۲۸)

”اور اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہ آ سکے گا اور نہ اسکی طرف سے سفارش قبول کی جائے گی، نہ اسکی طرف سے بدلہ لیا جائے گا، اور نہ ان کی کسی طرح مدد کی جائے گی۔“

وَاحْشُوا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَارٍ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ (النس: ۳۳)

”اور ڈرو اس دن سے جب کوئی باپ بیٹے کے اور بیٹا باپ کے کام نہیں آئے گا، بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔“

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۖ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۖ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۖ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۖ (نمل: ۳۳-۳۷)

”اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اپنے باپ سے، اپنی بیوی سے، اپنے بیٹے سے۔ ہر شخص اپنی فکر میں لگا ہو گا اور دوسرے سے بے پروا ہو گا۔“

ثابت ہوا کہ ہر ایک کا اپنا ایمان و عمل ہی آخرت میں کام آئے گا نہ کہ دوسروں کا عمل، البتہ یہ اللہ کا بے انتہا فضل و کرم ہے کہ وہ مومنوں اور ان کی مومن اولاد کو جنت میں ایک جا کر دے گا اور کم مرتبہ والے کو اعلیٰ مقام پر پہنچا دے گا، چنانچہ فرمایا:

الَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ (الطور: ۲۱)

”اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی (راہ) ایمان میں ان کے پیچھے چلی، ہم ان کی اولاد کو بھی ان (کے درجے) تک پہنچادیں گے، اور ان کے اعمال میں سے کچھ کم نہ کریں گے، ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے رہن رکھا ہوا ہے۔“

مزید برآں، ایصالِ ثواب کے عقیدے میں کچھ عقلی پہلو بھی نکلتے ہیں۔ دنیا میں تمام امور کی ضد موجود ہے۔ اس عقیدے کے ماننے والے بتائیں کہ اگر ثواب ایصال کیا جاسکتا ہے تو کیا گناہ اور عذاب بھی ایصال کیا جاسکتا ہے؟ نیک عمل کر کے اپنی پسندیدہ ہستیوں کو ان کا ثواب منتقل کیا جاسکتا ہے تو کیا برے کاموں کا گناہ اور وبال بھی اپنے دشمنوں کو بھیجا جاسکتا ہے؟ کیا ایسا ممکن ہے کہ کھانا ایک آدمی کھائے اور پیٹ دوسرے کا بھر جائے؟ بہت سارے لوگوں کی بھوک مٹانے کے لیے کوئی شخص خوراک سے حاصل ہونے والی قوت و توانائی دوسروں کو ایصال کر دے اور وہ سب سیر ہو جائیں؟ ظاہر ہے کہ ان سارے سوالوں کا جواب نفی میں ہے ورنہ عدل و انصاف کا خون ہو جائے کہ گناہ کوئی کرے اور اس کے ایصال کے سبب سزا کسی بے قصور کو ملے! کھانے کی قوت اگر ایصال ہو سکتی تو پھر دنیا میں غذائی و دیگر وسائل کی کمی کوئی مسئلہ ہی نہ ہوتی، فصلیں کاشت کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہ ہوتی کہ ایک آدمی کھاتا اور سارے جہاں والوں کو اس کی قوت ایصال کر دیتا جس طرح نیک اعمال کا ثواب ایصال کرنے والے کرتے ہیں کہ ایک ہی عمل ابتدائے انسانیت سے لے کر انتہا تک کل انبیاء و اولیاء، مومنین و مسلمین کو ایصال کر دیتے ہیں!

کیا ان دلائل کے بعد بھی اب کوئی ایصالِ ثواب پر اصرار کرے گا؟ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ اور قرآن کو ماننے کا دعویٰ کرنے والے ذرا غور فرمائیں کہ ان کا رب اپنی کتاب قرآن مجید میں کیا ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَسْتَوْفُوا
الْخَيْرَةَ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا

(الاحزاب: ۳۶)

”اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہ ہو گیا۔“

ماننے والے کے لیے تو ایک آیت ہی کافی ہے اور نہ ماننے والے کے لیے پورا قرآن بھی کھول کر رکھ دیا جائے تو نہ مانے۔ جن لوگوں نے قرآن و حدیث کی پیروی پر اپنے اکابرین کے اقوال کو فوقیت دے رکھی ہے، ان کا انداز کچھ اس طرح کا ہو جاتا ہے جس طرح کا انداز پاکستانی ”مفتی اعظم“ کے صاحبزادے ولی رازی صاحب نے ہفتہ واری کالم میں دینی مسائل کے جواب دیتے ہوئے اپنایا: رسول اللہ ﷺ کو ثواب ایصال کرنے کے بارے میں فرمایا:

”حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ نفلی عبادات خواہ وہ مالی ہوں یا جسمانی، ان کا ثواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ کر کے ان کے وسیلے سے اپنے مہرودوں کو ایصال کریں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصال کیا جاسکتا ہے۔ میرا اپنا معمول بھی یہ ہے نوافل و صدقات کا ثواب آپ کی خدمت میں ہدیہ کر کے صحابہ و تابعین اور اپنے بزرگوں اور مرحومین کیلئے ایصال کرتا ہوں۔“

[روزنامہ امت، کراچی، مورخہ ۶ مئی ۲۰۰۵ء، کالم ”دین کی دنیا“]

اس کالم کے ساتھ مذکورہ اخبار ہی میں اپنے دوسرے کالم ”روشن جھروکے“ کے ذریعے دوسرے فرقہ پرستوں کی طرح غیر محسوس طریقے سے اپنے مسلک کی تبلیغ اور اپنے اکابرین کا پرچار کرنے والے یہ رازی صاحب، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے پر راضی نظر نہیں آتے * تب ہی اپنے کالموں میں اس طرح کے جوابات دیتے رہتے ہیں کہ مجھے یہ (مسئلہ کوئی مخصوص عمل) قرآن و حدیث اور آثار صحابہ میں نہیں ملا لیکن اس پر عمل کر لیا جائے تو کوئی حرج نہیں کہ ہمارے اسلاف کا معمول بہ رہا ہے.....!

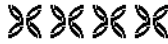
ایک بات واضح ہو جانے کے بعد اگر کوئی طرزِ کھن پر اڑے تو اس کے لیے سخت وعید ہے:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ

مُنْتَقِمُونَ (السجدة: ۲۳)

* حالانکہ پچھلے صفحے پر لکھی سورۃ الاحزاب کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی یہ شان بیان کی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے کوئی امر مقرر ہو جانے کے بعد پھر ان کا اپنا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ اور سورۃ النساء میں تو اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر یہاں تک فرمادیا کہ وہ شخص ایمان والا ہی نہیں ہو سکتا جو نبی کے فیصلے پر راضی نہ ہو۔ (آیت ۶۵)

”اور اُس سے بڑا ظالم کوئی نہیں جس کو اس کے رب کی آیتوں سے سمجھایا گیا، پھر بھی اُن سے منہ موڑ گیا۔ بیشک ہم کو ان مجرموں سے انتقام لینا ہے۔“
اللہ ہمیں اپنے انتقام سے محفوظ فرمائے۔ آمین



کتابِ ہذا کے اس باب کے رد میں مُلا مجیب اور مُلا تونسوی نے اپنی کتابوں میں اپنے اکابرین کے ہر باطل عقیدے اور عمل کی طرح ایصالِ ثواب کے نظریے کا بھی دفاع کیا ہے اور اس کے ذریعے سے پیشہ ور مولویوں نے پیٹ بھرنے کے جو طور طریقے ایجاد کر رکھے ہیں انہیں سندِ جواز فراہم کی ہے۔ عالمِ اسباب میں ایک دوسرے کے عمل سے فائدہ اٹھانے، صالحِ مومنین کو اپنے عمل سے فائدہ پہنچانے، نمازِ جنازہ میں میت کے لیے دعائے مغفرت کرنے، میت کا قرض ادا کرنے، میت کی نذر اور وصیت پوری کرنے، حج بدل کرنے، نبی ﷺ کا اپنی امت کی طرف سے قربانی کرنے، قیامت کے دن شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے دوسروں کو فائدہ پہنچنے وغیرہ کی روایات سے استدلال کرتے ہوئے انہوں نے اپنا مطلب بھی کشید کر لیا کہ مال اور اعمال کا ثواب مردے کو ایصال کیا جاسکتا ہے۔

قارئین! گزشتہ صفحات میں ہم ذکر کر آئے ہیں کہ دعاء کا فائدہ مومن میت کو ہونا بصراحت ثابت ہے؛ وصیت بھی صرف وہی فائدہ دے گی جو نذر سے متعلق ہو یعنی میت نے اگر مرنے سے پہلے کوئی نذر مانی ہو مگر اسے پورا کرنے کی زندگی نے مہلت نہ دی تو اگر اس کے پورا کرنے کی وصیت کی تو ایسی وصیت کا ایفاء فائدہ پہنچائے گا ورنہ ہر وصیت فائدہ نہ دے گی جیسا کہ مُلا مجیب نے پندرہ صفحے کالے کر کے آخر میں راقم پر منحصر میں پڑنے کا شوشہ چھوڑتے ہوئے اپنی مطلب براری کی ہے کہ وصیت کو مانتے ہیں تو پھر یہ وصیت کیوں نہیں مانتے کہ اتنی دیگیں چڑھائی جائیں، مولوی کو اتنے نذرانے دیئے جائیں..... بات چونکہ مولوی کے نذرانے کی بھی تھی اس لیے ایک مولوی نے اس کا دفاع تو کرنا ہی تھا، مال اور وہ بھی پیشہ ور مولوی چھوڑ دے، ناممکن! مولوی تو دوسرے کی جیب کا مال ہڑپ کرنے کے چکر میں رہتا ہے، وہ پاس آتے مال کو کیسے چھوڑ سکتا ہے!

سابقہ سطور میں نذر کے بارے میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ مثل قرض ادا کرنے کی اجازت دی گئی اور اس موضوع پر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ہی روایات مختلف انداز سے نقل کی گئی ہیں۔ حج بدل کی صحیح روایات میں بھی نذر کا ہی معاملہ تھا۔ بہر حال ایصالِ ثواب کی جو شکل مسلک پرستوں میں رائج ہے کہ تلاوتِ قرآن مجید کر کے، نوافل پڑھ کر، کھانا پکوا کر ثواب مُردوں کو پہنچاتے ہیں، یہ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے مگر ہٹ دھرمی دیکھیے کہ ان کے کاندھلوی مولوی دعویٰ کرتے ہیں کہ ایصالِ ثواب ثابت کرنے والی کثیر روایت اگرچہ اخبار احاد ہیں مگر متواتر ہیں!

انہوں نے ہمارے دلائل کو ”اشکال“ کا نام دے کر اس طرح رد کرنے کی کوشش کی ہے کہ گزشتہ صفحات میں بیان کردہ چالیس آیات کے لیے ہانک لگا دی کہ یہ تو کفار اور یہود کے متعلق ہیں کہ ان کو آخرت میں اعمالِ خیر کی جزاء نہیں ملے گی، انبیاء کے اعمال کا ان کو فائدہ نہ ہو گا..... وغیرہ۔ قارئین! آپ ایک ایک آیت پڑھ کر دیکھ لیں، اندازہ ہو جائے گا کہ ان آیات میں یہود و نصاریٰ کا کوئی شخص نہیں، ایک اصولی اور قانونی بات بیان کی گئی ہے جو تاقیامت نافذ العمل ہے کہ انسان کو اپنی کوشش کا بدلہ ہی ملے گا، اپنے اعمال کی ہی جزاء ملے گی، جو بھی نیکی کی جائے گی تو اپنے لیے ہی کی جائے گی، وغیرہ وغیرہ۔

گزشتہ صفحات میں قارئین نے پڑھ لیا ہو گا کہ ایصالِ ثواب کے بدعی نظریے سے متعلق ہم نے لکھا تھا کہ نیک اعمال کر کے ان کا ثواب ایصال کرنے والا یہ ثواب اپنے ہاتھ میں تھوڑا ہی لیے پھرتا ہے کہ جس کو چاہے ایصال کر دے۔ اس کے رد میں ملا مجیب نے یہ حیلہ گھڑا ہے کہ میت کی نذر پوری کرنے کا ثواب جس طرح میت کو پہنچتا ہے اسی طرح دوسرے اعمال کا بھی پہنچتا ہے۔ قارئین! یہ شیطان نے ان کو جواب سُبھایا ہے ورنہ قرآن و حدیث کی پیروی کا دعویٰ کرنے والوں کو کم از کم یہ تو دیکھنا چاہیے کہ میت کی نذر پوری کرنے پر اس کو ثواب پہنچنے کی خبر تو مخبر صادق ﷺ نے دی تھی، باقی اور اعمال کے ثواب پہنچنے کی خبر کس نے دی؟ فرماتے ہیں کہ ایصالِ ثواب کرنے والے کو ثواب پہنچانا اور تقسیم کرنا نہیں پڑتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا اور اللہ تعالیٰ یہ ثواب پہنچاتا اور تقسیم کرتا ہے جیسے نبی ﷺ نے اپنی امت کی طرف سے قربانی کرتے وقت کہا کہ اے اللہ یہ میری امت

کی طرف سے ہے۔ قارئین! یہ بھی باطل استدلال ہے۔ ایصالِ ثواب کرنے والا یہ نہیں کہتا کہ یہ فلاں کی طرف سے ہے بلکہ وہ کوئی عمل کر کے کہتا ہے کہ اے اللہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچادے۔ اور اس طرح کرنا بھی قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ کیا کسی صحابی سے اس طرح کرنا کسی روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے کوئی عمل کر کے اس کا ثواب کسی کو ایصال کیا ہو؟ طبقہ اولیٰ کی کوئی صحیح حدیث تو انہیں ملے گی نہیں البتہ رطب و یابس سے بھری تفاسیر اور سیوطی وغیرہ کی تصانیف انہیں یہاں بھی خالی دامن نہیں لوٹائیں گی بلکہ کچھ نہ کچھ ضرور ہاتھ لگے گا، بعید نہیں کہ دلائل کا انبار ہاتھ آجائے! ملا مجیب کے باقی دلائل کا بھی یہی حال ہے کہ اسی طرح کے فکارانہ داؤ پیچ لگا کر ایصالِ ثواب کے اس باطل نظریے کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے۔

ملاؤ نسوی نے بھی اسی طرح کے دلائل پیش کرتے ہوئے قریباً پچاس صفحے کا لے لے کیے ہیں مگر وہ اپنی بازاری زبان سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے کیونکہ اسی بازار کے ہی تو یہ پیشہ ور ہیں۔ انہوں نے ہمیں ”لمحہ اور زندگی“ وغیرہ قرار دیتے ہوئے قرآن کی اُن دس آیات سے ایصالِ ثواب کا ثبوت کشید کیا ہے جن میں ایک دوسرے کے لیے دعاء و استغفار کا ذکر ہے اور وجہ استدلال یہ بتائی کہ دعاء بھی تو ایک عمل ہے جب اس کا فائدہ پہنچ سکتا ہے تو دوسرے اعمال کا کیوں نہیں پہنچ سکتا۔ ملا جی اگر اسی طرح کے عقلی ڈھکوسلے آپ لوگوں نے دینے ہوتے ہیں تو پھر کم از کم خود کو مانا علیہ و اصحابی کا مصداق یعنی اُس راستے پر گامزن قرار نہ دیا کریں جو نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا راستہ ہے کیونکہ ان ہستیوں سے آپ لوگوں کی طرح ایصالِ ثواب کرنا ثابت نہیں۔ مگر ان کی ہٹ دھرمی دیکھیے کہ ان دس آیات کے بعد بیسیوں احادیث کو بھی تختہ مشق بناتے ہوئے دعویٰ جڑ دیتے ہیں کہ نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم دونوں سے ایسا کرنا ثابت ہے۔ سب سے زیادہ ستم انہوں نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر کیا ہے جو ان لوگوں کی سب سے مضبوط دلیل ہے۔ بارہا بتایا جا چکا ہے کہ یہ ایک ہی روایت مختلف طریقے سے آئی ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی والدہ نے صدقے کی نذر مانی تھی مگر مرتے دم تک یہ نذر پوری نہ کر سکیں، سعد رضی اللہ عنہ جو اس نذر سے واقف تھے وہ بوقت وفات موجود نہ تھے کہ وصیت کی جاتی، ان کی وفات کے بعد اس نذر کو پورا کرنے کے لیے نبی ﷺ سے پوچھا گیا تو نبی ﷺ نے قرضِ میت کی ادائیگی کی طرح نذر

میت پورا کرنے کی اجازت دی؛ کسی روایت میں ایفائے نذر کے لیے ام سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصیت کر جانے کا بھی ذکر ہے اور اکثر میں نہیں ہے۔ مختلف الفاظ والی اس ایک ہی روایت کو یہ لوگ الگ الگ شمار کر کے اشتہار بازی کرتے ہیں کہ ایصالِ ثواب پر اتنی احادیث اور اتنی احادیث حالانکہ یہ ایصالِ ثواب کا معاملہ ہی نہیں تھا بلکہ سیدہ اسیدہا ایفائے نذر کا مسئلہ تھا اس لیے ان مسلک پرستوں کا یہ اعتراض نذر ہوا ہو جاتا ہے کہ وصیت کا عذر غلط بلکہ عجوبہ ہے کہ وصیت ہو تو ثواب پہنچے اور وصیت نہ ہو تو نہ پہنچے، بہر حال ثواب پہنچ جاتا ہے۔

علاؤتوسوی کی مسلک پرستی اور اکابر پرستی کے کٹر پین کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ جب کسی مسئلے میں کوئی آیت یا حدیث پیش کرتے ہیں تو اس پر تشریح و تبصرے کا مآخذ ان کے اکابرین کی تفاسیر و شروح ہوتی ہیں یعنی صرف اپنے بڑوں کا لکھا ہی نقل در نقل کرتے رہتے ہیں۔ حدیث ۲۲ کی سرخی کے تحت ایسی ہی ایک تفسیر سے ایک روایت یہ نقل کر کے ایصالِ ثواب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ

”ایسا کوئی گھرانہ نہیں جس میں کوئی فرد فوت ہو جائے اور وہ اس کی وفات کے بعد اس کی طرف سے صدقہ خیرات نہ کریں مگر حضرت جبریل علیہ السلام اس صدقہ کو نوری طبق میں رکھ کر اس میت کو بطور ہدیہ پیش کرتے ہیں پھر قبر کے کنارے پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں اے گہری قبر والے یہ تیرا ہدیہ ہے تیرے اہل نے تیری طرف بھیجا ہے تو اسے قبول کر لے اور وہ ہدیہ قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتا ہے اور اس کے وہ ہمسائے جن کی طرف ہدیہ نہیں بھیجا جاتا غمگین ہوتے ہیں۔“ (صفحہ ۳۸۶)

وفات النبی ﷺ کے بعد ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس بات پر روتی تھیں کہ اب آسمان سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا؛ اب جبریل علیہ السلام کے ذریعے غیب کی خبریں نہیں آئیں گی۔ مگر یہ مسلک پرست اس حدیث کے خلاف وفات النبی ﷺ کے بعد بھی جبریل علیہ السلام کو دنیا میں لے آتے ہیں اور قبروں پر بھی پہنچا دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ ان لوگوں کا اصرار ہے کہ ہر مردہ

دنیا کی قبر میں ہی ہوتا ہے۔ یعنی نبی ﷺ کی وفات کے بعد بھی جبریل علیہ السلام کا زمین پر آنا جانا منقطع نہیں ہوا، یہ سلسلہ برابر جاری ہے!

برسبیل تذکرہ عرض ہے کہ ملا تونسوی کے ہم مسلک زکریا کاندھلوی صاحب نے بھی اپنی فضائل صدقات میں اس طرح کے واقعات لکھے ہیں کہ ایک عورت نے مرنے کے بہت عرصے بعد اپنے بیٹے کے خواب میں آکر کفن شکستہ ہو جانے کا شکوہ کیا، اُس نے نیا کفن صدقہ کر دیا تو اگلے دن خواب میں اپنی ماں کو اسی کفن میں ملبوس دیکھا جبکہ دوسرے مردوں کو پھٹے پرانے کفن میں دیکھا! رضا خاں بریلوی کے ملفوظات میں بھی ایسا ایک واقعہ لکھا ہے البتہ اس میں اُن کے پسندیدہ مسئلہ علم غیب کی کار فرمائی بھی شامل کر دی گئی ہے کہ اُس مردے نے اپنے بیٹے کو کفن بھیجنے کی ترکیب بھی بتلا دی کہ فلاں شخص دو ایک دن میں مرنے والا ہے، اس کے کفن میں ہی میرے لیے بھی کفن رکھ دیا جائے۔ اگرچہ وہ شخص صحت مند تھا لیکن دوسرے ہی روز مر گیا اور حسب ترکیب وہ کفن عالم برزخ میں پہنچ گیا جسے اس نے خواب میں اُس مردے کو پہنے ہوئے بھی دیکھ لیا! اسی طرح کے واقعات کو بنیاد بنا کر پیشہ ور مولوی لوگوں سے یہ کہہ کر مال بٹورتے ہیں کہ خواب میں تمہارے باپ کو بے لباس دیکھا، اب جوڑا صدقہ کرو؛ بھوکا دیکھا لہذا کھانا کھاؤ، ماں کو پیاسا دیکھا لہذا شربت تقسیم کرو..... اور چونکہ عالم برزخ تک کھانے پینے کی لائن تو مولوی کے پیٹ سے ہوتی ہوئی گئی ہے اس لیے مولوی کو کھلایا پلایا جائے گا تو عالم برزخ میں اپنے عزیزوں کے پیٹ میں جائے گا اور مولوی کو پہنایا ہو اسی اپنے عزیزوں کے تن پر پہنچے گا! تو پتہ چلا کہ یہ سب کھانے پینے کے دھندے ہیں!

مذکورہ بالا اور اس جیسی تیسرے چوتھے درجے کی روایات سے جب یہ ملا جلی استدلال کرتے ہیں جن کی حقیقت کا انہیں بھی علم ہوتا ہے تو دل کا چور اس طرح باہر آ جاتا ہے کہ ”مشرقی ہوشیار باش!“ جیسی سرخیاں لگا کر اپنے ہم مسلکوں کو دلا سے دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان مذکورہ ضعیف روایات پر ہماری جروح قبول نہ کی جائیں کیونکہ یہ روایات تلقی بالقبول کے ”سنہری اصول“ کے تحت درست ہیں اور انہیں اس وقت تک ضعیف نہ مانیں

جب تک خود اللہ تعالیٰ یا نبی ﷺ کا کوئی فرمان پیش نہ کیا جائے کہ یہ ضعیف ہیں..... قارئین! آپ نے ایصالِ ثواب کے مال سے پیٹ پھلانے والے ان مولویوں کی فنکاری ملاحظہ فرمائی؟ شیطان نے ان کو کیسا جری بنا دیا ہے! کس دھڑلے سے جھوٹ بولتے ہیں! اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ اپنے کسی فرمان کے بارے میں نہیں بتاتے کہ یہ صحیح ہے یا ضعیف بلکہ یہ بات ان فرامین کو نقل کرنے والوں کے احوال سے پتہ چلتی ہے۔ روایات کی ثقاہت و ضعف کا علم کتبِ احادیث سے نہیں ہوتا بلکہ کتبِ رجال سے ہوتا ہے جن کے مرتبین اگر بالفرض ان مسلک پرستوں کی طرح ہی بد عقیدہ تھے تب بھی کوئی حرج نہیں کہ فرمان رسول ﷺ پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ إِنَّ اللَّهَ يُؤَيِّدُ هَٰذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ ”بیشک اللہ تعالیٰ فاجر آدمی کے ذریعے بھی اس دین کی مدد کرتا ہے۔“

علماءِ تونسوی نے ہر مسئلے کی طرح اس مسئلے پر بھی اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ قارئین ان کے اس طرح کے اجماع کی حقیقت سے واقف ہوں گے کہ اپنے ہم مسلک چند افراد کا کسی باطل نظریے و عمل پر اتفاق رائے کر لینے کو یہ ”پوری امت کے اجماع متواتر“ کا نام دے دیتے ہیں!

اپنے مسلکی بھائی علماءِ مجیب کی طرح علماءِ تونسوی نے بھی ہماری پیش کردہ آیات کو رد کر دیا ہے اور ان سے متعلق ہمارے موقف کے بارے میں گل افشانی فرمائی ہے کہ قرآن کا غلط مطلب بیان کر کے سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش ہے۔ انہوں نے البتہ شدت کے ساتھ تفصیلی رد کیا ہے اور بریلویوں کی طرح بار بار اپنا مطلب اخذ کر کے قارئین کو ہم سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ چالیس میں سے چار آیتیں جن کو موصوف نے علماءِ مجیب کی طرح عقدہ کشائی فرمائی ہے کہ یہ کفار و مشرکین سے معلق ہیں، لیکن اس بات کو انہوں نے اپنے انداز میں کہہ کر جس طرح اپنے بازاری پن کا ثبوت دیا ہے، وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے:

”ان سب آیات کا تعلق کفار سے ہے نہ کہ مسلمانوں سے اور کافروں کو اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ تمہیں صرف اپنے اعمال بد کی سزا دی جائے گی دوسروں کے اعمال کی تمہیں سزا نہ دی جائے گی کیونکہ یہ تو ظلم ہے لیکن حویٰ پرستوں نے ان آیات سے یہ غلط اصول نکالا کہ ایک کے عمل کا

دوسرے کو نفع نہیں ہوتا اور پھر اس غلط اصول کو بنیاد بنا کر ایصالِ ثواب کا انکار کر دیا حالانکہ ان آیات کا تعلق مسلمانوں سے ایصالِ ثواب سے قطعاً نہیں ہے۔ درحقیقت یہ ہوئی پرست اور فرقہ سنا مسعودی قرآن کے نام پر ہوئی پرستی کو ہوا دے رہے ہیں اور اسلام کے نام پر فرقہ پرستی پھیلا رہے ہیں اور یہ ہوئی پرست قرآن مجید کے نام پر الحاد اور زندہ کی ترویج کر رہے ہیں اور یہ ہوئی پرست قرآن مجید کی تحریف سے بھی باز نہیں رہتے جیسا کہ مذکورہ بالا چار آیات میں تحریف کر کے ان کو اپنی خواہش کے مطابق بنانے کی کوشش کی ہے اور ان سب کے باوجود دعویٰ قرآن ماننے کا ہے اور اسلام اپنانے کا ہے اور کاروبارِ سادہ کا سادہ اسلام کے بھی خلاف ہے اور قرآن کے بھی خلاف ہے:

کارِ شیطان میکند نامش مسلمان..... گر اینست مسلمان لعنت بر مسلمان“ (صفحہ ۷۹۴)

یہ محض مغالطہ آرائی ہے۔ جزاء و سزا میں مسلم مؤمن اور کافر مشرک کی کوئی تخصیص نہیں۔ قرآن کا یہ قانون ہے کہ خواہ مؤمن ہوں یا کفار، جزا خود اپنے ہی اعمال کی ملے گی، اگر جہنم ملے گی تو اپنے اعمال کی سزا میں اور اگر جنت ملے گی تو اپنے اعمال کی جزاء میں:

اَلْيَوْمَ تَجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ^ط (المومن: ۱۷)
 ”آج (روزِ قیامت) ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا۔“

جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الواقعة: ۲۴)
 ”(اہل جنت عیش و آرام میں ہونگے) اپنے اعمال کے بدلے میں۔“

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ^ق جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (السجدة: ۱۷)

”پس کسی نفس کو نہیں معلوم کہ ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان چھپا کر رکھا گیا ہے، ان اعمال کے بدلے جو وہ کرتے رہے۔“

كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ (الحاقة: ۲۳)

”(اہل جنت) مزے سے کھاؤ پیو ان اعمال کے صلے میں جو تم ایامِ گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو“

طوالت سے بچنے کے لیے صرف یہ چار آیتیں ہی نقل کی ہیں ورنہ قرآن میں ایسی سو سے زیادہ آیات ہیں۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ جزاء و سزا کے اس قانون سے متعلق قرآن میں

بتایا گیا ہے کہ پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، ذرا سا بھی ظلم نہ ہوگا، ایک جھلی، ایک دھاگے کے برابر ظلم نہ ہوگا (النساء: ۳۹، ۱۲۴/ بنی اسرائیل: ۷۱/ مریم: ۶۰) البتہ مومنین مخلصین کو اچھا کام کرنے پر جزاء کے ساتھ ساتھ انعام بھی دیا جائے گا (النبا: ۳۶)۔ اللہم اجعلنا منهم

دراصل اس عبارت میں انہوں نے اپنی رونمائی کروائی ہے کیونکہ ان میں جن باتوں کا ہم پر الزام عائد کیا گیا ہے، ہم تو ان سے سخت متنفر اور بیزار ہیں البتہ یہ ساری باتیں ان دیوبندی مسلک پرستوں میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں: اسلام کے نام پر دیوبندی فرقہ بنا کر فرقہ پرستی کو فروغ بھی دے رہے ہیں، قرآن کے نام پر الحاد و زندقہ بلکہ کفر و شرک بھی یہی پھیلا رہے ہیں اور دین کو پیشہ بنا کر اسلامی تعلیمات کے خلاف کاروبار بھی انہوں نے ہی اپنایا ہوا، ہم تو ان سب باتوں سے قطعاً تعلق ہیں؛ کتاب ہذا شاہد ہے کہ ہمارا کوئی عقیدہ و عمل قرآن و حدیث کے خلاف نہیں، نہ ہی ہم نے کسی دینی خدمت کا کبھی کوئی معاوضہ ہی وصول کیا ہے بلکہ ہم ہر دینی خدمت اللہ سے اجر کی طلب میں بجاتے ہیں، مگر یہ دیوبندی ایک طرف لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈال کر ان کو کفر و شرک کے گڑھے میں پھنسا دیتے ہیں دوسری طرف ایصالِ ثواب کے نام پر اپنے اندھے مقلدین کی جیبیں صاف کرتے ہیں، کوئی دینی کام بلا معاوضہ نہیں کرتے، سب کے رئیس مقرر کیے ہوئے ہیں، ان کی ہر چیز بکتی ہے، ہر کام کا معاوضہ وصول کرتے ہیں، جنازہ پڑھانے تک کا معاوضہ مصلے کے کپڑے کی شکل میں وصول کر لیتے ہیں! روزنامہ نوائے وقت کراچی کی مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۹۳ء کی اشاعت میں چھپنے والی خبر کے مطابق صوبہ پنجاب کے علاقے کے ایک مولوی نے عشاء کے بعد نماز جنازہ پڑھانے کے لیے مطالبہ کیا کہ اس کی ڈیوٹی ختم ہو چکی ہے اگر اور ٹائم دیں تو جنازہ پڑھائے گا ورنہ نہیں۔ ایسے ہی لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے مومن بندوں کو خبردار کیا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَسْأَلُونَ
أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (البقرة: ۳۳)

”اے ایمان والو! احبار (مولویوں) اور رہبان (پیروں) کی اکثریت لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھا جاتی ہے اور اللہ کے راستے سے بھی روکتی ہے۔“

اور جہاں تک قرآنی آیات میں ہم پر تحریف کے الزام کا تعلق ہے تو گزشتہ صفحات میں ہم کافی شرح و بسط سے بتا چکے ہیں اس کا مرتکب کون ہے؟ ہم یا ان مسلک پرستوں کے اکابرین؟ نیز اس الزام کا تفصیلی پوسٹ مارٹم ہم نے اپنے رسالے ”جبل اللہ“ کے شمارہ ۲۵ میں بعنوان ”مَنْ اَصْكَنَ ذَا بَ“ اچھی طرح سے کر دیا ہے۔ من شاء فليرجع اليه

”ایک اور آیت کا غلط مطلب“ کی سرخی لگا کر ملا تو نسوی نے ایصالِ ثواب کے رد میں ہماری پیش کردہ سورہ مزمل کی آخری آیت کو اپنے باطل استدلال کی خداداد پرچڑھا کر اپنے سیاہ اعمال نامے کو مزید سیاہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس آیت میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ جو نیکی بھی اپنے لیے آگے بھیجی جائے گی وہ اللہ کے یہاں بہت بہتر اور ثواب میں بڑھا چڑھا کر ملے گی یعنی دوسروں کے اعمال پر نیکی کرنے کے بجائے اپنے اعمالِ خیر کا ذخیرہ آخرت کے خزانے میں جمع کروانا چاہیے، مگر ملا تو نسوی صاحب کی تفسیری و معنوی تحریف دیکھیے کس طرح سے اپنی دکان باقی رکھنے کے مساعی ہیں، فرماتے ہیں:

قارئین کرام! اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ترغیب دے رہے ہیں کہ جو کچھ تم اپنے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر کے جاؤ گے وہ تمہارے لئے افضل اور بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ تم وصیت کر جاؤ کہ میرے مرنے کے بعد اتنا اتنا مال صدقہ خیرات کرو دینا یا فلاں کارِ خیر میں لگا دینا وغیرہ وغیرہ۔ تو اس آیت میں موتی کے لئے ایصالِ ثواب کی قطعاً نفی نہیں کی گئی اس آیت سے ایصالِ ثواب کی نفی سمجھنا قلت تدبر اور سوئے فہم کا نتیجہ ہے اس آیت میں تو ترغیب دی گئی ہے کہ پیچھے والے کی خیرات اور صدقہ سے تمہارے لئے وہ بہتر ہے جو تم اپنے ہاتھ سے دے جاؤ گے۔ اگر آیت سے یہی مطلب لیا جائے کہ آدمی کو صرف اور صرف اپنے ہاتھ کا دیا کام آتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد جو صدقہ خیرات کیا جاتا ہے اس کا ثواب اس کو نہیں پہنچتا تو مر حومین کے لئے دعاء مغفرت اور نماز جنازہ اور ان کی وصیت کے مطابق صدقہ خیرات وغیرہ سب کی نفی ہو جائے گی حالانکہ ہویٰ پرست مسعودی ان امور کے قائل ہیں تو معلوم ہوا کہ اس آیت سے ایصالِ ثواب کی نفی قطعاً نہیں ہوتی اثبات ہے کہ پیچھے والوں کے صدقہ خیرات سے تمہارے اپنے ہاتھ کا دیا ہوا صدقہ و خیرات بہتر اور اجر و ثواب میں بڑا ہے اور جائز پیچھے والا بھی ہے۔“ (صفحہ ۲۹۸)

اور ”پیچھے والا“ اس لیے جائز ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ مولوی کو ہی تو ملتا ہے، اگر اس کو بھی ناجائز کہہ دیتے تو اپنے پیٹ پر لات مارتے جو کہ ان پیشہ وروں کے لیے ناممکن ہے۔ تو پتہ چلا کہ اصل میں یہ پیٹ کا معاملہ ہے، مرنے کے بعد ایصالِ ثواب کے لیے صدقات و خیرات کا سلسلہ چلتا رہے گا تو مولوی کا پیٹ بھی بھرتا رہے گا اور اس کی جیب بھی گرم رہے گی!

سورہ نجم کی آیت: قَدْ يَسِّرَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ چوں کہ اس مسئلے پر صریح اور واضح کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے، اور صرف یہی ایک آیت مولویوں کے اس ایصالِ ثواب کے ذریعے کھانے پینے کے دھندے کو باطل ٹھہرانے کے لیے کافی ہے، لہذا اپنی دکان بچانے کے لیے اس آیت کو زیادہ مشق ستم بنایا ہے اور اس کی معنوی تحریف و تاویل کے دس جواب گھر لیے ہیں کہ

❧ یہ منسوخ ہے؛

❧ یہ شریعتِ موسوی و ابراہیمی سے متعلق ہے،

❧ اس میں کافر انسان کا بیان ہوا ہے، اللہ کے عدل کا ذکر ہے؛

❧ آدمی کی نیت کو بیان کیا گیا ہے؛

❧ قَدْ يَسِّرَ لِلْإِنْسَانِ کا لام بمعنی علیٰ ہے یعنی یہ بتایا ہے کہ ہر آدمی کو صرف اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھانا ہو گا کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا؛

❧ سعی ایمان کا ذکر ہے؛

❧ ہر قسم کے اعمال کی نفی اور حصر نہیں ہے کہ آدمی کو بجز اپنی سعی کے کسی کے عمل کا نفع نہ پہنچے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اپنی سعی و محنت کا ثمرہ بہت زیادہ حاصل ہوتا ہے بہ نسبت ایصالِ ثواب کے؛

❧ تمملیک کو بتایا ہے کہ انسان کسی غیر کی سعی و محنت کا مالک نہیں بن سکتا جب تک وہ اس کو بہہ اور تمملک نہ کر دے؛

❧ اور یہ کہ سعی ایمانی مراد ہے آخرت میں دوسرے کا ایمان کام نہ آئے گا اور

❧ حدیث میں سعی عملی مراد ہے کہ ایک کا عمل دوسرے کے لیے کارآمد ہو گا۔

علاجی خواہ مخواہ میں یہ گھوڑے دوڑانے کی کیا ضرورت ہے، بالکل سیدھی سی بات ہے، اگر نہیں ماننا تو صاف کہہ دیں کہ جی ہم اس آیت کو نہیں مانتے، یہ اتنی قیل و قال کر کے کتاب اللہ کی آیت کو چوں چوں کا مرہ کیوں بنا دیا کہ اصل بات ہی نہ جانے کہاں کھو گئی، کچھ کا کچھ ہو گیا! آخر میں ملا تو نسوی نے اپنے کاندھلوی مفتیوں کے حوالے سے ایصالِ ثواب کے حق میں اپنی پرانی عادت کے مطابق کسی خود ساختہ اجماع کا دعویٰ داغ دیا اور ساتھ ہی یہ گل افشانی بھی فرمادی کہ

”معلوم ہوا کہ غیر کے اعمال سے نفع اٹھانا ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر کتاب و سنت کی روشنی میں اجماع امت ہو چکا ہے اور اجماع بھی حجت شرعیہ ہے لہذا ہولی پرستوں کا یہ اصول کہ ایک کے عمل سے دوسرا نفع نہیں اٹھا سکتا قرآن، حدیث اور اجماع امت کے خلاف ہے۔“ (صفحہ ۵۰۶)

قارئین! گزشتہ صفحات میں ایصالِ ثواب پر قرآن و حدیث کا حکم آپ پڑھ چکے ہیں اور اس کو جھٹلانے کے لیے مسلک پرست مولویوں نے جو فنکاری دکھائی ہے وہ بھی آپ کے سامنے آچکی ہے، اول تو قرآن و حدیث کے خلاف کسی اجماع کی کوئی حیثیت نہیں خواہ پوری امت ہی یکجا ہو جائے تاہم ایسا ہرگز نہیں ہو ابلکہ صرف دیوبندی اکابرین کے کسی فرمان پر ان کے اندھے مقلدین کا اُمناء و صدقنا کہہ دینا ہی ان کا ”اجماع امت“ ہوتا ہے اور اس طرح یہ مطمئن ہو جاتے ہیں! بھلے ہوتے رہیں، کل یوم الفصل، یوم الدین، یوم التغابن اور یوم الجزاء انہیں حق پہ چل جائے گا لیکن اس وقت تو یہ لوگ کہہ رہے ہوں گے:

وَيَوْمَ يَعِضُ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿٥٦﴾ يُؤْتِنِي لَيْتَنِي لِمَ اتَّخَذْتُ لَنَا خَلِيلًا ﴿٥٧﴾ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا ﴿٥٨﴾ قَالَ الرَّسُولُ يَرْبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ﴿٥٩﴾

(الفرقان: ۳۰ تا ۳۷)

”اے کاش کہ میں نے رسول کا راستہ اختیار کیا ہوتا؛ اے کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا، اس نے تو مجھ تک نصیحت آجانے کے بعد بھی مجھے گمراہ کر دیا، بیشک شیطان تو انسان کو غواہینے والا ہے۔ اور رسول بھی اس وقت کہیں گے کہ اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔“

دعاء میں ہاتھ اٹھانا

مسلک پرستوں کی کسی بھی مسجد میں چلے جائیں، ان کے کسی بھی اجتماع میں شرکت کر کے دیکھ لیں، اتباع سنت کا دعویٰ کرنے والے ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنے کی بدعت میں مبتلا نظر آئیں گے۔ تبلیغی جماعت والوں کا تو کہنا ہی کیا۔ یہ تو اپنے چلوں میں ہر تھوڑی دیر بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرتے ہیں۔ ”دعوتِ اسلامی“ کے نام سے بریلوی مسلک کی تبلیغ کرنے والوں کا بھی یہی انداز ہے۔ رائے ونڈ، ملتان، وغیرہ کے اجتماعات میں (جنہیں یہ مسلک پرست ”سنّتوں بھرا“ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، جہاں لاکھوں فرقہ و مسلک پرست اپنے زعم میں ”احیائے سنت“ کے لیے جمع ہوتے ہیں اور جہاں پر عوام کو ”میٹھی میٹھی سنّتیں“ سیکھنے کے لیے تحریص دلائی جاتی ہے)، اجتماع کے اختتام پر نصف گھنٹے کی ایک طویل اجتماعی دعا ہوتی ہے جس میں سب کے سب ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرتے ہیں۔ رمضان کی ستائیسویں شب میں باجماعت صلوٰۃ التَّسْبِيح پڑھ کر ”رقت انگیز“ اجتماعی دعا کرنے کی خوب تشہیر کی جاتی ہے جس کے اجتماعات میں لوگوں کی خوب بھیڑ ہوتی ہے۔ اختتامِ تراویح کے موقع پر لائسنس بند کر کے بھی زار و قطار روتے ہوئے اجتماعی دعاؤں کے پروگرام ہوتے ہیں۔ لطیفہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے چھ دعوتی تبلیغی نمبروں میں سے یہ پہلا نمبر ہے کہ

”اللہ سے سب کچھ ہونے کا یقین اور مخلوق سے کچھ نہ ہونے کا یقین، محمد ﷺ کے طریقوں میں دونوں جہاں کی کامیابی اور غیروں کے طریقوں میں دونوں جہاں کی ناکامی کا یقین کلمے کا مقصد ہے۔“

سنت کی اہمیت اور اس کے فضائل بیان کرتے ہوئے یہ لوگ ایک ضعیف حدیث کی بھی خوب تبلیغ کرتے ہیں کہ:

مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فُسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ

”جس نے میری امت میں فساد کے وقت میری سنت کو اختیار کیا تو اس کے لیے سو شہیدوں کا

اجر ہے۔“ (1)

اور سنت کے فضائل میں اپنے تبلیغی بیانات میں یہاں تک بھی کہہ جاتے ہیں کہ ”وہ حصہ زمین جو نبی ﷺ کے جسم سے مس کر رہا ہے علی الاطلاق اللہ کے کعبے، عرش و کرسی سے بھی افضل ہے تو جو طریقہ آپ ﷺ کے جسم سے نکلا وہ کتنا افضل ہوگا۔“

لیکن افسوس کہ خود ان کا یہ عمل سنت رسول ﷺ کے خلاف ہے۔ ان کے رہبر و رہنما، مقتدا و منتہی یوسف لدھیانوی صاحب اس کو شریعت کا حکم کہتے، لیکن ثبوت میں کوئی آیت یا حدیث پیش نہیں کرتے۔ (۱) سنت سے اعراض اور ہٹ دھرمی کا یہ عالم ہے کہ خلاف سنت اس عمل کو ثابت کرنے کے لیے ان کے علماء نے ضخیم کتابیں تصنیف کر ڈالی ہیں جن میں ضعیف، موضوع اور غیر متعلقہ روایات کی بھرمار کر کے اپنے اس غیر مسنون عمل کو مسنون ثابت کرنے کی سعی نامراد کی گئی ہے۔

جلیل القدر صحابی رسول، انس بن مالک رحمہ اللہ، جنہوں نے نبی ﷺ کی دس سال خدمت کی (۲) اور آپ ﷺ کے شب و روز کے معمولات کا بغور مشاہدہ کیا، روایت کرتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِّنْ دُعَائِهِ إِلَّا فِي الْاِسْتِسْقَاءِ وَ
اِنَّهُ يَرْفَعُ حَتَّى يَرَى بَيَاضَ اَبْطَيْنِهِ

”نبی ﷺ کسی بھی دعائیں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، سوائے استسقاء (یعنی بارش کے لیے پڑھی جانے والی نماز) کے جس میں آپ ﷺ اتنے ہاتھ اٹھاتے تھے کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔“ (۳)

اس روایت سے مسلک پرست لوگ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس حدیث میں دعائیں ہاتھ اٹھانے کا مطلق انکار نہیں ہے بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ نماز استسقاء کی دعائیں تو نبی ﷺ ہاتھ اتنے زیادہ اوپر اٹھاتے تھے کہ بغلیں نظر آ جاتیں لیکن دوسری دعاؤں میں ہاتھ اتنے زیادہ بلند نہ کرتے۔ ان کا یہ کہنا محل نظر ہے اور مغالطہ دینے کی باطل کوشش ہے،

(۱) اختلاف امت اور صراط مستقیم: حصہ اول، صفحہ ۱۱۳

(۲) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب النکاح، باب ۹۴، ہدیۃ العروس، صفحہ ۱۰۵

(۳) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الاستسقاء، باب ۶۵۵، رفع الامام یدہ فی الاستسقاء، صفحہ ۷۷

کیونکہ حدیث میں ”فِي شَيْءٍ مِّنْ دُعَائِهِ“ کے الفاظ آئے ہیں جو حالتِ کمرہ میں ہیں جن سے ہر دعا میں ہاتھ اٹھانے کی نفی ظاہر ہوتی ہے سوائے استسقاء کے، جس کا استثنیٰ حدیث میں ان الفاظ کے آگے مذکور ہے۔ استسقاء کی احادیث کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ بغلوں کی سفیدی کا نظر آنا اس وجہ سے تھا کہ ہاتھوں کو چہرے کے برابر سامنے کی طرف پھیلا یا گیا تھا اور ہتھیلیوں کا رخ زمین کی طرف تھا اور ان کی پشت آسمان کی طرف۔^(۱)

نبی ﷺ صلوٰۃ کے اختتام پر تکبیر کہتے تھے؛ عبد اللہ بن عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں کہ میں تو نبی ﷺ کی صلوٰۃ کا ختم ہونا اس وقت پہچانتا تھا جب تکبیر کی آواز سننا تھا۔^(۲) عائشہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں کہ

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُولُ:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ^(۳)

”نبی ﷺ سلام پھیر کر اپنی جگہ پر اتنی دیر سے زیادہ نہ بیٹھے کہ یہ کہہ لیں:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔“ *

(۱) صحیح مسلم: جلد ۳، کتاب الاستسقاء، صفحہ ۳۴۲ /

سنن ابی داؤد: جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب ۴۱۰، رفع الیدین فی الاستسقاء، صفحہ ۴۳۷

(۲) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب ۵۴۹، ذکر بعد الصلوٰۃ، صفحہ ۴۰۸

(۳) صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ، صفحہ ۴۹

★ مسلک پرستوں نے ان الفاظ میں بھی حیناً وَہیناً لِلسَّلَامِ، عَلَیْکَ یَرْجِعُ السَّلَامُ وَادْخَلْنَا ذَا السَّلَامِ، وغیرہ کا اضافہ کر لیا ہے۔ (ضیاء القلوب: کلیات امدادیہ، صفحہ ۶۴) ! نہ جانے کیوں انہیں نبی ﷺ کی سنت میں اضافے کا اتنا شوق ہے! اذان کے بعد کی دعا ہو یا روزہ افطار کرنے کی، انہوں نے سب میں اضافہ کر لیا ہے۔ کیا ان کے لیے رسول ﷺ کا طریقہ کافی نہیں؟ اللہ نے توبہ بتایا ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (الاحزاب: ۲۱)

”در حقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے، یعنی ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور

یومِ آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس سختی سے نبی ﷺ کے طریقے پر کاربند رہتے تھے اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے کہ سعید بن مسعود نے سوار سے اتر کر وتر پڑھے تو عبد اللہ بن عمر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے ان سے کہا: اَلَيْسَ لَكَ فِي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أُسْوَةٌ ”کیا تیرے لیے رسول ﷺ کا طریقہ اچھا نہیں۔“ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں۔ عبد اللہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تو سواری پر ہی وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔

(صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب المساجد، باب جواز صلوٰۃ النافلة علی الدابة فی السفر حیث توجہت، صفحہ ۲۲۱)

یہ حدیث تو بتا رہی ہے کہ امام اپنی جگہ پر دعا مانگنا تو کجا، اگر اتنی دیر سے زیادہ بیٹھے کہ مندرجہ بالا کلمات کہہ لے تو وہ نبی ﷺ کی سنت کی مخالفت کا مرتکب ٹھہرے گا! صحیحین کی کتاب الصلوٰۃ میں ذکر بعد الصلوٰۃ کے ابواب میں متعدد روایات نقل کی گئی ہیں جن کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ صلوٰۃ کی ادائیگی کے بعد مختلف طرح کے اذکار کرتے تھے ”ہا“ ”ہو“ کی ضربیں نہیں لگاتے تھے جیسا کہ بعض مسلک پرست لگاتے ہیں، عورتیں فوراً کھڑی ہو جاتیں اور اپنے گھروں کو چلی جاتی تھیں۔ ایک بھی صحیح روایت ایسی نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ نبی ﷺ سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی یا انفرادی دعا کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آئین آئین پکارتے تھے۔ صبح و شام کے معمولات اور دیگر مواقع کی دعائیں کتب احادیث میں بکثرت منقول ہیں، لیکن یہ کسی ایک حدیث میں بھی نہیں کہ یہ دعا ہاتھ اٹھا کر مانگی جاتی۔ تو پھر صلوٰۃ کے بعد اجتماعی و انفرادی دعا کا کیا ثبوت ہے؟

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کا فرمان روایت کرتے ہیں:

أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثَرُوا الدُّعَاءَ

”بندہ سجدہ کی حالت میں اپنے رب سے قریب ہوتا ہے، پس تم سجدے میں کثرت سے دعا کیا کرو۔“⁽¹⁾

نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم آخری قعدہ میں کثرت سے دعائیں کیا کرتے تھے، اور پھر سلام پھیر کر اللہ کا ذکر کرتے تھے، اس کی تسبیح، تکبیر، تحمید و تہلیل بیان کرتے تھے۔⁽²⁾ صحاح ستہ کے مؤلفین نے اپنے مجموعہ احادیث میں قیام، رکوع، قومہ، سجود، جلسہ اور قعدہ میں دعا کرنے کے باب باندھے ہیں اور ان میں بکثرت روایات لائے ہیں۔ بخاری کے سوا کسی نے صلوٰۃ کے بعد دعا کرنے کا باب نہیں باندھا۔ لیکن بخاری نے بھی ”دعا بعد الصلوٰۃ“ کے باب میں سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر وغیرہ کے اذکار کی وہی روایتیں نقل کی ہیں⁽³⁾ جو انہوں نے اس سے پہلے ذکر بعد الصلوٰۃ کے باب میں نقل کی تھیں، ورنہ دعا انہوں نے بھی کوئی نقل نہیں کی، نہ انفرادی نہ اجتماعی، نہ ہاتھ اٹھا کر نہ بغیر ہاتھ اٹھائے۔

(1) صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب الصلوٰۃ، باب ما يقال في الركوع والسجود، صفحہ ۷۷

(2) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب ۵۴۹۔ ذکر بعد الصلوٰۃ، صفحہ ۴۰۸

(3) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الدعوات، باب ۵۰۔ الدعاء بعد الصلوٰۃ، صفحہ ۵۲۶

احادیث و تاریخ میں ایسے مواقع ملتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے (لیکن یہ بھی فرض نماز کے بعد نہ تھے) مثلاً غزوہٴ اوطاس میں عبید بن عامر اشعریؓ کے گھٹنے میں تیر لگنے سے زخم آیا۔ انہوں نے اپنے بھتیجے ابو موسیٰ اشعریؓ کو نبی ﷺ کے پاس بھیجا کہ میرا سلام کہیں اور میرے لیے دعا کی درخواست کریں۔ نبی ﷺ نے وضو کیا اور ہاتھ اٹھا کر ان کے لیے دعا کی۔^(۱) ایک سریہ میں خالد بن ولیدؓ نے بنی خدیجہ کے لوگوں کو غلط فہمی کی بنیاد پر قتل کر ڈالا، نبی ﷺ کو اطلاع ہوئی تو دو مرتبہ ہاتھ اٹھا کر کہا: ”اے اللہ! خالد نے جو کیا، میں اس سے بری ہوں۔“^(۲) غزوہٴ بدر کے موقع پر صرف نبی ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی، کوئی آمین آمین نہیں کہہ رہا تھا، بلکہ ابو بکرؓ نے تو نبی ﷺ کے پھیلے ہوئے ہاتھ پکڑ کر کہا کہ بس۔^(۳) حج کے دوران صفا و مروہ کی سعی کرتے ہوئے دعا میں ہاتھ بلند کیے۔^(۴) لیکن یہ صرف انفرادی فعل تھا، اور مزید یہ کہ ان میں سے کوئی بھی دعا فرض صلوٰۃ کا سلام پھیر کر نہیں کی گئی۔ اس سے صرف اتنی گنجائش نکلتی ہے کہ غیر عربی دان جو آخری قعہ میں عربی میں دعا نہیں مانگ سکتے اور ان کو کوئی خصوصی دعا مانگنی ہو جو احادیث میں منقول نہیں تو وہ کسی بھی موقع پر اللہ سے دعا کر لیں۔ ہر نماز کے بعد دو دو تین تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر انفرادی یا اجتماعی دعا کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ ابو داؤد، ترمذی اور بیہقی وغیرہ کی وہ روایتیں جن میں ہتھیلیوں کے رخ سے دعا کرنا اور دعا مانگ کر ہاتھ منہ پر پھیرنا، اللہ کا دعا میں پھیلے ہاتھوں کے خالی لوٹانے میں شرم محسوس کرنا، وغیرہ بیان کیا گیا ہے کمزور روایتیں ہیں اور صحیحین کا پاسنگ بھی نہیں۔ دوسرے یہ کہ ان روایتوں سے بھی صلوٰۃ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت نہیں ہوتا۔



(۱) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب المغازی، باب ۵۲، ۵۲، غزوةٴ اوطاس، صفحہ ۶۹۹

(۲) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب المغازی، باب ۵۲، ۵۲، بحث النبی ﷺ خالد بن الولیدؓ،

الی بنی خدیجہ، صفحہ ۷۰۸

(۳) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب المغازی، باب ۷۰، ۷۰، قصۃٴ غزوہٴ بدر، صفحہ ۵۴۵

(۴) سنن ابی داؤد، بحوالہ مشکوٰۃ: جلد ۱، کتاب المناسک، فصل ثانی، صفحہ ۵۷۱

کتاب ہذا کے اس باب کے رد میں ملا مجیب نے حسب عادت غیر مستند کتب احادیث کی روایات کی بنیاد پر دعویٰ کیا ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا تو ہر نماز کے بعد نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی سنت ہے اور اس کے کرنے کا تو نبی ﷺ نے بڑی تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے۔ جہاں انہوں نے غیر مستند روایات سے استدلال کیا ہے وہیں بخاری و مسلم و دیگر کتب صحاح کی اُن متعدد روایات سے بھی استخراج کیا ہے جن میں ”دُبُرِ صَلَوة“ میں نبی ﷺ کا دعاء کرنا بیان ہوا ہے۔ یہ لفظ ”دبرِ صَلَوة“ توجہ کا حامل ہے کیونکہ اسی مقام پر تسبیح و تحمید، تہلیل و تکبیر کہنا، معوذات کی تلاوت کرنا بھی آیا ہے اور مختلف استعاذے و دعائیں کرنا بھی مروی ہے۔ المنجد اور قاموس الوحید کے مطابق دُبُر کسی بھی چیز کے پچھلے یا آخری حصے کو کہتے ہیں؛ دبرِ الصلوة کے دونوں معنی آئے ہیں منقضاہا و آخرها یعنی نماز کا اختتام یا آخری حصہ۔ احادیث کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دعاء صَلَوة کے اندر ہے اور اذکار صَلَوة کے بعد؛ محدثین نے اس پر باب باندھیں ہیں کہ دعاء فی الصلوة اور ذکر بعد الصلوة۔ بخاری کے باب دعاء بعد الصلوة سے مغالطہ ہو سکتا ہے جیسا کہ ملا مجیب کو ہوا، لیکن اس باب میں بھی کسی دعاء کا ذکر نہیں بلکہ اذکار ہی بیان ہوئے ہیں۔ ابوداؤد کی ایک حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دبرِ صَلَوة میں دعاء کرنے کا مطلب صَلَوة کے پچھلے حصے یعنی سلام پھیرنے سے پہلے کا مقام ہے اور جب دبرِ صَلَوة میں اذکار کا بیان ہو تو اس کا مطلب سلام پھیرنے کے بعد صَلَوة کا پچھلا حصہ مراد ہو گا۔ حدیث یہ ہے:

قَتَتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا مُتَتَابِعًا فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَصَلَاةِ الصُّبْحِ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ يَدْعُو عَلَى أَحْيَاءٍ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ عَلَى رَعْلٍ وَذُكْوَانَ وَعَصِيَّةٍ وَيَوْمٍ مِنْ خَلْفَهُ

”رسول اللہ ﷺ نے برابر ایک مہینے تک قنوت پڑھی ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء میں اور فجر میں ہر صَلَوة کے آخر میں، جب آخری رکعت میں سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہتے تھے، بدو دعاء کرتے تھے بنو سلیم کے چند قبیلوں پر، رعل اور ذکوان اور عصیہ پر اور جو پیچھے ہوتے وہ آمین کہتے تھے۔“ (سنن ابی داؤد: جلد ۱، کتاب الصلوة، باب ۵۰۰، القنوت فی الصلوة، صفحہ ۵۳۹)

یعنی سلام پھیرنے سے پہلے آخری رکوع کے بعد کے مقام کو بھی دہر صلوٰۃ کہا گیا جہاں قنوت پڑھی گئی۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ دعاء جب مانگی جائے گی تو سلام پھیرنے سے پہلے اور سلام پھیرنے کے بعد تسبیح و تحمید، تہلیل و تکبیر و دیگر اذکار کیے جائیں گے۔ جن روایات میں صراحت کے ساتھ سلام پھیر کر دعاء کرنے کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد یہی اذکارِ مسنونہ ہیں۔ اگر مسلک پرستوں کی طرح ہر نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعائیں کرنا نبی ﷺ اور صحابہ کا معمول ہوتا تو اس عمل کثیر کو نقل کرنے والے صحابہؓ بھی کثیر تعداد میں ہوتے یا کم از کم صحاح ستہ میں کوئی تو روایت ایسی ہوتی جو مسلک پرستوں کے مروجہ اس لازمی عمل کو مسنون ثابت کرتی! علّاٰ حجب کو اپنے باطل عقائد و اعمال کے ثبوت کے لیے صحاح ستہ سے جب کوئی روایت نہیں ملتی تو پھر وہ اپنے پرانے داؤ پیچ استعمال کرتے ہیں کہ ان روایات کا ضعیف ہونا بھی کچھ مضر نہیں کیونکہ

”کئی ضعیف احادیث مل کر قوی ہو جاتی ہیں بالخصوص جبکہ امت نے عملاً ان کو قبول کر لیا ہو۔“

(صفحہ ۱۳۶)

”قرآن و حدیث میں یہ کہیں اصول نہیں ہے کہ وہی احادیث صحیح ہیں جو بخاری و مسلم میں ہوں اور دوسری احادیث صحیح نہیں۔“ (ایضاً)

”پھر صحیحین میں کہیں ایسی روایت نہیں ہے جو ان روایات کے خلاف ہاتھ اٹھانے کی نفی کرتی ہو۔“ (ایضاً)

گزشتہ صفحات میں کہیں ہم بتا چکے ہیں کہ روایات کے قبول و رد کے اصول قرآن و حدیث میں نہیں ملتے بلکہ یہ اصول جنہوں نے وضع کیے ہیں، انہی کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ صحیح روایات کے ہوتے ہوئے ضعیف روایات پر اصرار کرنا اور ان کی بنیاد پر کوئی عقیدہ و عمل اختیار کرنا صرف یہ سمجھتے ہوئے کہ کوئی ضعیف روایت مل کر قوی ہو جاتی ہیں، اصول حدیث کی کتابوں میں نہیں ملتا بلکہ یہ ان مسلک پرستوں کا اپنا خود ساختہ اصول ہے۔ روایات کی صحت و ضعف کے اعتبار سے ان کے طبقات مقرر کرنا اور بخاری و مسلم کو پہلے طبقے میں رکھنا ہمارا نہیں بلکہ محدثین کا ہی وضع کردہ اصول ہے۔ انسؓ سے مروی بخاری کی ”لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِّنْ دُعَائِهِ“ والی روایت اس مسئلے میں قول فیصل کی

حیثیت رکھتی ہے جو مسلک پرستوں کے اس عمل کی نفی کر دیتی ہے کہ ہر نماز کے بعد ہاتھ اٹھاٹھا کر اجتماعی و انفرادی دعائیں کرتے ہیں۔ اس صحیح، صریح، واضح اور قطعی روایت کے خلاف انس رحمہ اللہ سے منسوب سیوطی وغیرہ کی کتب میں مروی روایات اصول حدیث کی رو سے شاذ یا منکر روایات ٹھہریں گی جس سے بخاری کی مذکورہ روایت کے خلاف استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ اور ویسے بھی انس رحمہ اللہ سے منسوب حلیۃ الاولیاء کی روایت فجر میں بنو سلیم پر بددعا کرنے سے متعلق ہے جس کا ذکر پیچھے منقول ابو داؤد کی روایت میں آچکا ہے کہ سلام پھیرنے سے پہلی صلوٰۃ کے اندر ہی پڑھی گئی قنوت کے بارے میں ہے۔

بخاری کی اس مذکورہ روایت کے ساتھ ساتھ ہم نے اس باب میں وہ روایات بھی نقل کی ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔ ملا مجیب ہمارے استدلال پر طنز کرتے ہیں کہ جب پہلی روایت سے ہر دعاء میں ہاتھ اٹھانے کی نفی ہو گئی تو پھر بعد کی روایات میں اس نفی کا کیا ہوا؟ ”فِي شَيْءٍ مِنْ دُعَائِهِ“ کی نکارت کہاں گئی؟ مولوی صاحب! نفی بھی برقرار ہے اور نکارت بھی کہیں نہیں گئی، یہیں موجود ہے، آپ ذرا مسلک پرستی کی عینک اتاریں تو آپ کو بھی نظر آجائے گی۔

یہ مسلک پرست اس روایت کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس حدیث میں دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا مطلق انکار نہیں ہے بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ نماز استسقاء کی دعاء میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اتنے زیادہ اوپر اٹھاتے تھے کہ بغلیں نظر آجائیں لیکن دوسری دعاؤں میں ہاتھ اتنے زیادہ بلند نہ کرتے۔ یہ اپنے بدعی مسلک کے دفاع کے لیے حدیث کی فکارانہ معنوی تحریف ہے۔ حدیث کے الفاظ تو یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی بھی دعائیں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے سوائے استسقاء کے..... اس عموم حدیث میں دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا مطلق انکار ہے اور ساتھ ہی استسقاء میں ہاتھ اتنے بلند کرنے کا ذکر ہے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آجائے۔ ہمارے اس موقف کو رد کرتے ہوئے اور اس کے خلاف بیان کردہ مسلک پرستوں کی مذکورہ بالا تاویل کو ہمارے محل نظر اور مغالطہ دینے کی باطل کوشش کہنے پر ملا مجیب صاحب طنز کرتے ہیں کہ

”تو جناب ہی کوئی مجتہد نہ تاویل کر لیں تاکہ جناب کے بیان کیے ہوئے مواقع تو مستثنیٰ ہو جائیں اور فی شئی دعائے کی نکارت اور ہر دعاء میں ہاتھ اٹھانے کی نفی بھی باقی رہے؟ آج جناب نفی بھی کرتے ہیں اور اثبات بھی کرتے ہیں کسی ایک پہلو پر ثابت قدم رہئے۔“ (صفحہ ۱۴۳)

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مروی بخاری کی دوسری روایت جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سلام پھیر کر اپنی جگہ اتنی دیر سے زیادہ نہ بیٹھتے کہ کوئی یہ کہہ لے:

اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

اس کے بارے میں ملا مجیب نے یہ فنکارانہ داؤ لگا یا ہے کہ

”اولاً تو آپ ﷺ کا یہ معمول ہر نماز کے بعد کا نہ تھا بلکہ ان نمازوں کے بعد کا تھا جن میں عورتیں بھی جماعت میں شامل ہوتی تھیں اور اتنی تھوڑی مقدار اپنی حالت پر بیٹھنے کی غرض یہ ہوتی تھی کہ عورتیں مسجد سے نکل گھروں کو پہنچ جائیں پھر آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف منہ پھیر لیتے تھے۔“ (صفحہ ۱۴۴)

(مولوی صاحب کے اس دعوے پر خیال ہوتا ہے کہ موصوف جبریل علیہ السلام سے تعلق میں ہیں کیونکہ غیب کی باتیں سوائے اس ایک ذریعے کے کہیں سے حاصل نہیں ہو سکتیں!)

اس کے بعد بلا حوالہ روایت بیان کی ہے کہ نبی ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد عورتیں چلی جاتیں اور نبی ﷺ کے صحابہ کہ طرف رخ کرنے سے پہلے اپنے گھروں میں داخل ہو جاتیں۔

اللهم انت السلام..... انہ کہنے میں ایک منٹ بھی نہیں لگتا۔ عورتوں کا چند سیکنڈ میں مسجد سے نکل کر شہر کے دور دراز علاقوں میں واقع اپنے گھروں میں داخل ہو جانا، ناممکنات میں سے ہے۔ ہاں اگر صوفیوں والی کوئی کرامت ہو جاتی ہو تو پھر کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ صوفیوں کے تو چند سیکنڈ میں ہفت عالم کی سیر کر آنے کے بھی دعوے ہیں!

پھر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منسوب نبی ﷺ کے ہر نماز کے بعد عذاب قبر اور نار جہنم سے بچنے کی دعاء کرنے کی نسائی کی روایت کے حوالے سے دعویٰ کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کا سلام پھیر کر اپنی جگہ تھوڑی دیر ٹھہرے رہنے کا معمول ان نمازوں کے بعد کا تھا جن کے بعد سنتیں ہیں ورنہ جن کے بعد سنتیں نہیں وہاں تو نبی ﷺ کافی دیر تک بیٹھتے تھے۔ پھر ہم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر ہماری تطبیق پسند نہیں تو خود ہی تاویل کر کے ہم پر مہربانی فرمائیں

کیونکہ نسائی کی روایت بخاری کی روایت کے بظاہر خلاف ہے تو دونوں میں بہر صورت تطبیق کرنا اور ایک میں تاویل ضروری ہے۔

مولوی صاحب! تاویل کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ یہ روایت ہی ضعیف ہے۔ اس کی راوی جسرہ کے بارے میں بخاری کا کہنا تھا کہ اس کے پاس عجائبات ہیں یعنی عجیب و غریب روایتیں بیان کرتی ہے؛ ابن حجر کہتے تھے کہ اس کی روایات کو باطل سمجھا جاتا تھا۔ اگر یہ روایت درست ہو تب بھی یہ ”دبر صلوٰۃ“ میں دعاء کرنے کے بارے میں ہے جس کو ہم سابقہ سطور میں بتا چکے ہیں کہ اس سے سلام پھیرنے سے پہلے دعاء کرنا مراد ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ”دعاء قبل السلام“ کا باب باندھا گیا ہے اور اس میں متعدد دعائیں روایت کی گئی ہیں۔ بخاری کی کتاب الجنازہ اور مسلم کی کتاب المساجد میں بھی یہ روایت ہے مگر وہاں یہ اس طرح آئی ہے کہ پھر اس یہودیہ کے عذاب قبر کے بارے میں سوال کے بعد نبی ﷺ ہر صلوٰۃ میں عذاب قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

علامہ عجیب نے اپنے زیر بحث باب کا اختتام ان الفاظ پر کر کے اپنے نفس کو فریب دیا ہے:

”الغرض دعاؤں میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے انفرادی دعا ہو یا اجتماعی بالخصوص فرض نماز

کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور سنت ہے۔“ (صفحہ ۱۴۶)

مولوی صاحب! ایک طرف تو آپ کہتے ہیں کہ مستحب ہے دوسری طرف کہتے ہیں سنت ہے! کسی ایک بات پر قائم رہیے۔ (مولوی صاحب کے الفاظ ان کی طرف لوٹتے ہیں کہ ”کسی ایک پہلو پر ثابت قدم رہئے“) کیوں اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں؟ مولوی صاحب! ہمارا مشاہدہ تو یہ کہتا ہے کہ نہ مستحب ہے نہ سنت بلکہ مسلک پرستوں کے نزدیک یہ فرض عین ہے۔ یقین نہ آئے تو کسی وقت نماز کے بعد حسب معمول ہاتھ اٹھا کر با آواز بلند اجتماعی دعاء نہ کیجیے، پھر دیکھیے اس کے رد عمل میں لوگ آپ کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ قرآن و حدیث کے ان واضح اور صریح احکامات کے باوجود لوگ یہ کہتے ہوئے عام سنے گئے ہیں کہ جب تک دعاء ہاتھ اٹھا کر نہ مانگیں تسلی ہی نہیں ہوتی!

عورتوں اور مردوں کی صلوٰۃ میں فرق

اشرف علی تھانوی صاحب نے بہشتی زیور کے حصہ دوم میں عورتوں کے لیے صلوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ لکھا ہے۔ تقی عثمانی صاحب اور دیگر مضعفین کے بھی صلوٰۃ سکھانے کے کتابچے دستیاب ہیں۔ ان کے اخبارات، رسائل و جرائد بھی اکثر و بیشتر عورتوں کی صلوٰۃ کے مسائل لکھتے رہتے ہیں۔ ان سب میں قیام، رکوع، سجود اور قعدہ وغیرہ کا طریقہ اس طریقے سے مختلف بتایا جاتا ہے جس طرح مرد کرتے ہیں، اور اس طرح ان لوگوں نے مردوں اور عورتوں کی صلوٰۃ علاحدہ علاحدہ کر دی، حالانکہ کسی بھی مستند اور صحیح حدیث میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ عورتیں مردوں سے مختلف طریقے سے صلوٰۃ ادا کریں، اللہ کے رسول ﷺ کا عورت مرد دونوں کو یکساں حکم تھا کہ

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أَصَلِّي

”تم صلوٰۃ اس طرح ادا کرو جس طرح مجھے ادا کرتے دیکھتے ہو۔“ (۱)

لہذا اس حکم نبوی کی تعمیل میں تمام صحابہ اور صحابیات ﷺ اسی طرح صلوٰۃ ادا کرتے تھے جس طرح اللہ کے رسول ﷺ کو پڑھتے دیکھا۔ ارکان صلوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ مرد و عورت دونوں میں ایک جیسا تھا، یہ مسلک پرست لوگ ہیں جنہوں نے عورت اور مرد کی صلوٰۃ میں بھی تفرقہ ڈال دیا!

یوسف لدھیانوی صاحب کا اپنی کتاب ”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ (۲) میں مستند و صحیح احادیث کے مقابلے میں ضعیف اور مرسل روایات کو بنیاد بنا کر عورتوں کو سجدے میں جسم زمین سے چمٹا دینے کا حکم کرنا ایک باطل فعل ہے۔* یہ لوگ اس مختلف قسم کے قیام و قعود، رکوع و سجود کے لیے کہتے ہیں اس میں زیادہ حیا کا اظہار ہے۔ گویا کہ ان

(۱) صحیح بخاری، جلد ۱، کتاب الاذان، باب ۴۰۸، الاذان للمسافر، صفحہ ۳۳۳

(۲) حصہ دوم، صفحہ ۳۳۵، ۳۳۶

* یہی انداز بریلوی و دیوبندی مسالک کی تبلیغی کتب، رسائل و جرائد اور مفتی رشید لدھیانوی کے ہفت روزہ ”خواتین کا اسلام“ وغیرہ میں خواتین کو دینی مسائل بتاتے ہوئے اپنایا جاتا ہے۔

کی خواتین حیا میں رسول ﷺ کی ازواج اور بیٹیوں اور صحابیات سے آگے بڑھ گئی ہیں جو سب کی سب مذکورہ بالا فرمان رسول ﷺ کی تعمیل میں اسی طرح صلوٰۃ ادا کرتی تھیں جس طرح کہ نبی ﷺ ادا فرماتے تھے اور جس طرح دوسرے صحابہ ادا کرتے تھے!



کتاب ہذا کے اس باب کے رد میں ملا مجیب اور ملا تونسوی نے اپنی کتابوں میں انہی دلائل کا اعادہ کر کے اپنے اکابرین کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے جن کا ذکر ہم نے سابقہ سطور میں کیا ہے۔ ملا تونسوی کا اکابر پرستی میں ہمارے دلائل کے رد میں برفردختہ ہو کر عالم دین کے مقام و منزلت سے اترو ساقیانہ انداز اپنانا قارئین کے سامنے پچھلے صفحات میں بار بار آچکا ہے لیکن ملا مجیب کی ابتدائی تحریر دیکھ کر ہمیں توقع نہ تھی کہ یہاں پہنچ کر وہ بھی اپنے مذکورہ دینی بھائی کی روش پر چل پڑیں گے! عورتوں مردوں کی صلوٰۃ میں کوئی فرق نہ ہونے کے بارے میں ہمارے موقف کی بنیاد پیچھے مذکور فرمان نبوی ہے کہ صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي یعنی تم صلوٰۃ اس طرح ادا کرو جس طرح مجھے ادا کرتے دیکھتے ہو۔ ہمارے اس موقف کو ملا مجیب نے ”نرا مغالطہ“ قرار دیتے ہوئے ہانک لگائی ہے کہ یہ حدیث اس کی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس میں صلوا اور رایتہم دونوں جمع مذکر حاضر کے صیغے ہیں اس لیے مخاطب اس فرمان کے مرد ہیں نہ کہ عورتیں۔ ہمیں حیرت ہے کہ دفاق المدارس کا فارغ التحصیل، درس نظامی کا فاضل، عربی کے بالکل ابتدائی قاعدے سے بھی ناواقف ہے! روایت لولاک سے متعلق زکریا کاندھلوی کی فضائل ذکر کی ایک عربی عبارت کے ترجمے پر جو ہم نے تابلش مہدی دیوبندی کی کتاب سے باحوالہ نقل کیا تھا، ملا مجیب نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس سے ہماری انتہائی جہالت آشکارا ہوتی ہے اور ہم جاہلوں کو ”حضرت شیخ الحدیث“ پر اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ ملا مجیب کا یہ تبصرہ پوری طرح سے خود انہی پر صادق آ رہا ہے۔ موصوف کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ جب مذکر و مؤنث دونوں کو خطاب کیا جاتا ہے تو صیغہ مذکر کا ہوتا ہے اور جب الگ الگ خطاب کیا جاتا ہے تو پھر مخاطب کی جنس کے اعتبار سے صیغہ اختیار کیا جاتا ہے یعنی آدمیوں کے لیے مذکر کا صیغہ اور عورتوں

کے لیے مؤنث کا صیغہ۔ صَلُّوا میں اجتماعی خطاب ہے جو مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں سے بھی کیا گیا ہے۔ اسی طرح رَزَايَعُمْ میں بھی مرد و عورت دونوں شامل ہیں۔ ملاجی کیا خیال ہے كُلُّوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تَشْرَبُوْا میں کھانے پینے کی اجازت صرف مردوں کو ہے عورتوں کو نہیں، اسراف نہ کرنے کی ممانعت صرف مردوں کو ہے اور عورتوں کو نہیں؟ قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں ایسی مثالیں بے شمار ملیں گی۔ ملاجیب کے اپنے الفاظ میں ان کے مذکورہ موقف سے ”ان کی انتہائی جہالت آشکارا ہوتی ہے۔ ایسے جاہلوں کو (ہم) پر اعتراض کا کوئی حق نہیں۔“

موصوف نے دوسرا موقف یہ اختیار کیا ہے کہ اس فرمان میں عورتوں سے خطاب نہ ہونے کا یہ بھی قرینہ ہے کہ عورتیں تو آخری صف میں ہونے کی وجہ سے نبی ﷺ کو نہ دیکھنے کے سبب آپ کی نماز کی کیفیت سے ناواقف ہوتی تھیں۔ موصوف کے اس موقف سے بھی ”ان کی انتہائی جہالت آشکارا ہوتی ہے۔“ اول تو صلوٰۃ کی ادائیگی صرف دیکھنے پر موقوف ہی نہیں [احاطہ نظر میں ہونے والا ہر کام بلا نظر اٹھائے بھی ایک حد تک دکھائی دے جاتا ہے ورنہ نظر کو صلوٰۃ میں نیچے رکھنے کی بہت تاکید ہے اور اس کو اوپر اٹھانے پر سخت وعید آئی ہے]، وعظ و نصیحت کے دوران صلوٰۃ کی ادائیگی صحابہ اور صحابیات کو سکھادی گئی تھی جس میں دونوں کو ایک ہی طریقے سے صلوٰۃ ادا کرنا سکھایا گیا تھا، مردوں اور عورتوں کے کوئی الگ الگ طریقے تعلیم نہیں کیے گئے، اور اسی تعلیم کی پابندی کا اس زیر نظر فرمان نبوی میں ذکر ہے کہ جس طرح مجھ سے صلوٰۃ ادا کرنا سیکھا ہے اسی طرح سے ادا کیا کرو؛ دوسرے یہ کہ نبی ﷺ کے دور کی مسجد نبوی آج کی طرح وسیع و عریض نہ تھی، چھوٹی سی کچی مسجد تھی، نمازیوں کا ازدحام نہیں تھا کہ امام نظر ہی نہ آئے۔ اگر امام نظر نہیں آتا تھا تو پھر نبی ﷺ نے امام کی غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے اَلتَّسْبِيْهِ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيْقِ لِلنِّسَاءِ کا حکم کیوں دیا؛ صحابیات اگر نبی ﷺ کو امامت کراتے دیکھ ہی نہیں سکتی تھیں تو پھر نبی ﷺ کے حکم کے مطابق تالی بجا کر سہو کی نشاندہی کس طرح کر سکتی تھیں؟

اس کے بعد ملا مجیب نے عورتوں کی نماز مردوں سے مختلف ہونے کے بارے میں مذکورہ مرسل اور ضعیف روایات پر اصرار کرتے ہوئے انہیں قابل استدلال ٹھہرایا ہے اور ہمیں چیلنج دیا ہے کہ ”کسی بھی کتاب سے ایسا فرمان نبوی پیش کریں کہ عورتوں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کی طرح نماز پڑھنے کا حکم دیا ہو چاہے ضعیف حدیث ہی ہو۔“ یہ ملا مجیب کی ہٹ دھرمی ہے اور اس سے بھی ”ان کی انتہائی جہالت آشکارا ہوتی ہے۔“ مولوی صاحب ”کسی بھی کتاب“ اور ”چاہے ضعیف حدیث ہی ہو“ کی کیا بات کرتے ہیں، صحاح ستہ بلکہ حدیث کی ہر کتاب میں نبی ﷺ کے ہزاروں ایسے فرامین موجود ہیں جن میں نبی ﷺ نے صحابہ اور صحابیات دونوں کو اراکین صلوٰۃ کی ادائیگی سکھاتے ہوئے ایک ہی طریقہ تعلیم فرمایا: قیام میں استقبال قبلہ، وضع ذراعین، رکوع میں پیٹھ کو جھکانے، سجدہ کے لیے سبع عظام کا زمین پر لگانے، قعدہ کے لیے دائیں پیر کو کھڑا رکھنے اور بائیں پر بیٹھنے کے بارے میں عورتوں اور مردوں دونوں کو یکساں طریقہ سکھائے۔ ہر کتاب کی ہر حدیث کا ہر وہ صیغہ جو صلوٰۃ کی ادائیگی کے لیے جمع مذکر حاضر کے امر میں ہو، اُس سے عورت و مرد دونوں ہی یکساں طور پر مراد لیے جائیں گے جب تک کہ الگ سے تخصیص نہ کر دی جائے اور تخصیص کرنے والی وہ تمام روایات جو مسلک پرست پیش کرتے ہیں مرسل اور ضعیف ہیں۔ ملا مجیب مُصر ہیں کہ ”مسائل کا استنباط صحیح احادیث کی طرح ایسی ضعیف احادیث سے بھی ہوتا ہے جو موضوع نہ ہوں (بشرطیکہ صحیح احادیث سے معارض بھی نہ ہوں)۔“ مولوی صاحب! ہمیں بہت افسوس ہے کہ اپنے اکابرین کی اندھی تقلید نے آپ کی بینائی متاثر کر دی ہے ورنہ آپ کو بخوبی نظر آ جاتا کہ سجدے میں عورتوں کے زمین سے چٹ جانے، رانیں ملا لینے اور قعدے میں تربع کرنے یعنی بائیں سرین پر بیٹھنے اور دونوں پیروں کو بائیں طرف نکال دینے کے بارے میں بیہقی وغیرہ کی روایات بخاری کی صَلُّوْا کَمَا زَايْتُمُوْنِیْ اُصْلَحَ والی زیر بحث صحیح حدیث سے معارض ہیں اس لیے ناقابل استدلال ہیں۔

ملا تونسوی صاحب نے بھی انہی بیہقی وغیرہ کی مذکورہ صدر مرسل اور ضعیف روایات پر اصرار کرتے ہوئے عورتوں کی نماز کا مردوں کی نماز سے مختلف ہونا نبی ﷺ کا حکم قرار دیا

ہے۔ اس فرق کو بیان کرنے سے پہلے انہوں نے ”اتفاقی فرق“ کی سرخی کے تحت کچھ خارجی فرق بیان کر کے اپنے زعم میں ہمارے موقف کو غلط ٹھہرانے کی کوشش کی ہے کہ عورت و مرد کی صلوٰۃ میں کوئی فرق نہیں۔ مولوی صاحب نے بڑے ”عالمانہ“ انداز میں ثابت کیا ہے کہ فرق تو ہے:

☞ مرد و عورت ایک صف میں نہیں کھڑے ہو سکتے؛

☞ عورت امامت نہیں کر سکتی جبکہ مرد کر سکتا ہے؛

☞ عورت کے لیے ٹخنے کھولنا ممنوع ہے جبکہ مرد کے لیے حرام ہے.....

ارے مولوی صاحب! ان فروق کی بات کون کرتا ہے، یہ سب صلوٰۃ سے باہر کی باتیں ہیں، ہم تو ہیئتِ صلوٰۃ یعنی نماز کی کیفیت کی بات کرتے ہیں کہ اس میں عورت و مرد کے لیے کوئی فرق نہیں؛ اس باب کے شروع میں ہم نے قیام و قعود، رکوع و سجود کے مقامات کا ذکر بھی کیا تھا جن میں مسلک پرست ضعیف روایات کی بنیاد پر فرق کا دعویٰ کرتے ہیں اور ہم بخاری کی صحیح و صریح، واضح اور قطعی روایت کی بنیاد پر اس فرق کو باطل کہتے ہیں۔

صَلُّوا كَمَا دَأَيْتُمُوْنَ اَصْحٰبِیْہِ کے فرمان نبوی سے متعلق عقدہ کشائی فرماتے ہیں کہ یہ حکم ایک وفد کو دیا گیا تھا جسے سیاق و سباق سے ہٹا کر ہم نے پیش کیا ہے۔ بیشک یہ فرمان نبوی مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کے وفد کی نبی ﷺ سے ملاقات کے بعد روانگی کے موقع پر جاری ہوا لیکن اس میں حکم عام ہے۔ ملاؤ نسوی نے چونکہ نہ ماننے کی قسم کھا رکھی ہے اس لیے بالکل بریلویوں کے سے انداز میں گل افشانی فرماتے ہیں کہ

”اگر اس حدیث کے ٹکڑے کو عام بھی رکھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ بالکل نماز ایسے پڑھی جائے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی مرد و عورت سب بالکل اسی طرح نماز پڑھیں کیونکہ اس عمومی ضابطے میں کئی امور مستثنیٰ ہیں مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو مصلیٰ پر کھڑے ہو کر امامت کے فرائض سرانجام دیا کرتے تھے لیکن عورتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح مصلیٰ پر کھڑے ہو کر امامت کے فرائض ادا نہیں کر سکتیں اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بوقت امامت قرأت فرمایا کرتے تھے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مرد و عورتیں قرأت نہیں کیا کرتے تھے حالانکہ وہ دیکھ رہے ہوتے تھے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) قرأت فرما رہے تھے کیونکہ یہ امور اس عمومی ضابطے سے مستثنیٰ ہیں بعینہ اسی

طرح مرد و عورت کی نماز کے فرق والے امور مستثنیٰ ہیں اور تقریباً ہر عمومی ضابطے سے کچھ چیزیں مستثنیٰ ہو کر رہتی ہیں لہذا مستثنیٰ امور اس سے خارج ہیں۔“ (صفحہ ۴۱۴)

قارئین! ان کے ”ساء قریناً“ نے ان کو زخرف القول تلقین کر کے یہ فنکارانہ داؤد پیچ سکھائے ہیں ورنہ حق یہی ہے کہ نبی ﷺ نے عورت و مرد دونوں کو ایک جیسی صلوٰۃ ادا کرنے حکم دیا جس طرح وہ ادا فرماتے تھے۔ جو امور مستثنیٰ ہیں جیسے قرآن کی تلاوت سنتے ہوئے خاموش رہنا، قعدے میں کی گئی دعاؤں کا مقتدیوں کو علم نہ ہونے کی بناء پر اپنی حسب پسند دعاء کرنا، وغیرہ، یہ وہ امور ہیں جنہیں مستند احادیث میں بیان کر دیا گیا ہے اور مؤخر الذکر تو بدیہی ہے۔ لیکن جن فروق کا یہ مسلک پرست دعویٰ کرتے ہیں، وہ صحیح احادیث سے معارض ضعیف روایات میں بیان کیے گئے ہیں اور صحیح کو چھوڑ کر ضعیف سے استدلال کرنا عدم خلوص اور نفس پرستی کی غمازی کرتا ہے۔ اگر عورتیں نبی ﷺ کو امامت کرتے دیکھ کر نبی ﷺ کی طرح امامت نہیں کر سکتی تھیں تو مرد کب ایسا کر سکتے تھے! مرد و عورتیں دونوں اس وقت مقتدی ہوتے تھے اور کوئی مقتدی مقتدی رہتے ہوئے امامت نہیں کر سکتا خواہ مرد ہی کیوں نہ ہو۔ کیا یہ بے ٹکا انداز استدلال سفیہانہ نہیں؟

عورت و مرد کی نماز میں مزعومہ فرق بتانے والی مسلک پرستوں کی پیش کردہ روایات کو ہمارے ضعیف، مرسل و معلول کہنے پر بھی ملا تو نسوی نے خوب داویلا کیا ہے۔ اور رُولاہ احادیث و ناقدین و جراحین کے مزعومہ غلط عقائد پر ہماری تنقید و برأت اور اُن کا اسی پر جان دینے کا وہی پرانا راگ الاپا ہے جو وہ ہر دفعہ ضعیف و من گھڑت روایات پیش کرتے وقت الاپتے ہیں تاکہ ان کے معتقدین ان کے دلائل سے مطمئن رہیں اور ان روایات پر ہماری پیش کردہ محدثین کی جروح کو خاطر میں نہ لائیں ورنہ ان موضوع روایات کو صحیح ثابت کرنے کا تعلق بالقبول کا وضع کردہ ان کا ”سنہرا اصول“ پھر کارگر کیسے ہو گا یہ بات ہم کئی دفعہ واضح کر چکے ہیں کہ ان روایات کی صحت و ضعف، راویوں کی ثقاہت و عدالت کو ثابت کرنے کے لیے کتب رجال کے حوالے ہم صرف ان مسلک پرستوں کے لیے ہی دیتے ہیں جو ان کتابوں کے مرتبین پر ایمان لاتے ہیں خواہ ان کے عقائد کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ اور جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو حق و باطل میں فرق کر دینے والے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بقول حَسْبُنَا اللَّهُ ہے ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔“ اللھم ادرکنا اتباعہ!

قضائے عمری

مروجہ مسلکی اصطلاح میں ماضی بعید کی فوت شدہ نمازوں کی قضاء ادا کرنے کو ”قضائے عمری“ کہا جاتا ہے۔ رمضان کے صوم ایمان والوں پر فرض کیے گئے ہیں۔ مگر مریضوں اور مسافروں کو اس کی قدرت حاصل ہونے تک کی رخصت دی گئی ہے۔ اگر اس کی استعداد حاصل نہ ہو سکے تو فدیہ میں مساکین کو کھانا کھلانا ضروری ہے۔ صوم کی قدرت حاصل ہو جائے تو اس کی قضاء رکھنی واجب ہے۔^(۱) زکوٰۃ ادا کرنا جس سال فرض ہو گئی اس سال اگر مستحق کی عدم دستیابی یا کسی اور وجہ سے ادا نہ کر سکے تو آئندہ سال اس کی قضاء کی جائے گی۔ یہی معاملہ حج کے ساتھ بھی ہے کہ جس سال حج کرنے کی استطاعت حاصل ہوئی اور نہ کیا تو آئندہ سال کیا جائے۔ یعنی یہ اعمال اپنے فرض ہو جانے کے کچھ عرصے بعد بھی بوجہ کیے جاسکتے ہیں۔

اس تمہید کے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تمام اعمال کی قضاء ہے مگر کسی بھی آیت یا حدیث میں یہ نہیں ملتا کہ یومیہ صلوٰۃ خمسہ کے علاوہ جو صلوات ماضی میں ادا نہ کی جاسکی ہوں ان کی بھی قضاء کرنی ہوگی۔ عورت کے حالت حیض و نفاس میں ناغہ شدہ صیام کی قضاء پوری کی جائے گی، لیکن صلوٰۃ کی نہیں۔^(۲) صیام کی قضاء پوری کرنے کے حکم کے ساتھ اللہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ^۳ (البقرہ: ۱۸۵)

”اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے، تنگی نہیں چاہتا۔“

مگر یوسف لدھیانوی صاحب اور دیگر مسلک پرست علماء فرماتے ہیں کہ جتنے بھی سالوں کی نمازیں رہ گئیں ہیں ان سب کو شمار کرے اور قضائے عمری کے طور پر اس کی ایک ایک رکعت ادا کرے، اور اگر زندگی میں پوری نہ کر سکے تو باقی کے لیے وصیت کر جائے

(۱) سورة البقرہ: ۱۸۵

(۲) صحیح مسلم: جلد ۱، کتاب الحيض، باب وجوب قضاء الصوم على الحائض دون الصلوٰۃ، صفحہ ۴۴۰

کہ فدیہ دے دیا جائے۔^(۱)

لیکن اس ساری مشقت کے بعد بھی وہ عذاب سے نہیں بچ سکے گا کیونکہ زکریا کا ندھلوی صاحب فرماتے ہیں:

(۱) روزنامہ جنگ، کراچی، مورخہ یکم مئی / ۱۹۹۲ء۔ یہ جواب ان کے ہفتہ واری کالم میں اکثر دیا جاتا رہا ہے۔ ان کے ”حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ“ نے اپنی ”امت“ اور ”ملت“ کو تلقین کی کہ:

”اگر کئی دن کی نمازیں قضاء ہو گئیں تو دن تاریخ بھی مقرر کر کے نیت کرنا چاہیے جیسے کسی کی سنچر، اتوار، پیر اور منگل چار دن کی نمازیں جاتی رہیں تو اب فقط اتنی نیت کرنا کہ میں فجر کی نماز پڑھتی ہوں درست نہیں بلکہ یوں نیت کرے کہ سنچر کی فجر کی قضا پڑھتی ہوں پھر ظہر پڑھتے وقت کہے سنچر کی ظہر کی قضا پڑھتی ہوں، اسی طرح کہتی جاوے۔ پھر جب سنچر کی سب نمازیں قضا کر چکے تو کہے کہ اتوار کی فجر کی قضا پڑھتی ہوں اسی طرح سب نمازیں پڑھے۔ اگر کئی مہینے یا کئی سال کی نمازیں قضا ہوں تو مہینے اور سال کا بھی نام لیوے اور کہے کہ فلاں سال کے فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کی فجر کی قضا پڑھتی ہوں.....“

(بہشتی زیور: حصہ ۲، باب ۵، مسئلہ ۱۶، صفحہ ۱۵)

اسی مسلک کی ”طریقہ وصیت“ نامی کتاب (مطبوعہ بیت العلم ٹرسٹ، گلشن اقبال، کراچی، صفحہ ۲۱) میں ان قضا صلوات کی ادائیگی اور وصیت کا طریقہ مفصل بیان کیا گیا ہے۔

ملت بریلویہ کے مجدد و صاحب نے جہاں اور بہت سے نئے نئے مسائل، عقائد و نظائر کو وجود بخشا، وہیں اس مشقت کو چھیلنے کا بھی نہایت آسان طریقہ وضع فرما دیا۔ حسب عادت کسی حدیث یا کسی فقہی امام کے قول کا حوالہ دیے بغیر فرماتے ہیں کہ قضا ہر روز کی ہیں رکعتیں ہوتی ہیں..... جن کی اس طرح نیت کرنی ضروری ہے..... رکوع و سجدے کی تسبیح صرف ایک بار پڑھی جائے، فرضوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں الحمد شریف کی جگہ فقط تین بار سبحان اللہ کہہ کر رکوع کرے مگر وتر کی تینوں رکعتوں میں الحمد اور سورۃ دونوں ضرور پڑھی جائیں، آخری رکعت میں التبیات کے بعد دونوں درودوں اور دعا کی جگہ صرف اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ کہہ کر سلام پھیر دیں، و ترووں میں دعائوت کی جگہ اللہ اکبر کہہ کر فقط ایک یا تین بار دُرُودِ اغفرَ لی کہے۔ (احکام شریعت: صفحہ ۱۵۸)

واضح رہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایسی کوئی صلوة ادا کرنا نہیں سکھائی بلکہ یہ طریقہ تو نبی ﷺ کی سکھائی ہوئی صلوة کے سراسر خلاف ہے جبکہ نبی ﷺ کا حکم پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ صلوة اس طرح ادا کرو جس طرح مجھے ادا کرتے دیکھتے ہو۔

”نبی ﷺ سے منقول ہے جو شخص نماز کو قضاء کر دے گو وہ بعد میں پڑھ بھی لے پھر بھی اپنے وقت پر نہ پڑھنے کی وجہ سے ایک حقب جہنم میں چلے گا اور حقب کی مقدار اسی برس کے برابر ہوتی ہے اور ایک برس تین سو ساٹھ دن کا اور قیامت کا ایک دن ایک ہزار برس کے برابر ہوگا۔ اس حساب سے ایک حقب کی مقدار دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس ہوگی۔“ [فضائل نماز: ۳۱]

یہ حدیث صحاح ستہ اور دوسری کتب احادیث میں نہیں پائی جاتی جس کا اعتراف کاندھلوی صاحب نے اس روایت کے نیچے یہ لکھ کر کیا ہے (اردو ترجمہ حسب معمول اس تبصرے کا بھی نہیں کیا):

قلت لم أجده فيما عندي من كتب الحديث الا ان مجالس الابرار

”میں نے کہا مجھے یہ روایت حدیث کی کتابوں میں نہیں ملی جو میرے پاس ہیں، سوائے مجالس الابرار کے“

واضح رہے کہ ”مجالس الابرار“ کوئی حدیث کی کتاب نہیں ہے بلکہ صوفیانہ و خطیبانہ وعظوں کی ایک کتاب ہے جس کے مصنف کا نام بھی نہیں معلوم۔ یوں ہی کسی مجہول شخص شیخ احمد رومی کے نام سے منسوب کر دی گئی ہے۔

اس روایت کا من گھڑت ہونا واقعات سے ثابت ہے۔ غزوہ خندق کے دوران مشغولیت کی وجہ سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اور نبی ﷺ کی صلوٰۃ العصر قضاء ہو گئی جو انہوں نے غروب آفتاب کے بعد ادا کی۔^(۱) اسی طرح غزوہ خیبر سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ اور بلال رضی اللہ عنہ سمیت شریک سفر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی صلوٰۃ الفجر قضاء ہو گئی جو سورج بلند ہونے کے بعد ادا کی گئی۔^(۲) احادیث میں ان کے علاوہ بھی ایسی مزید مثالیں ملتی ہیں۔ مسلم نے اپنی صحیح میں قضاء الصلوٰۃ کا ایک مستقل باب باندھا ہے اور اس میں کافی روایتیں نقل کی ہیں جن کے مطابق نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی کئی اسفار میں کئی صلوٰۃ قضاء ہوئیں۔^(۳) اب بتائیں کیا یہ مسلک پرست ”حضرات“ تبلیغی نصاب کی اس جھوٹی روایت کی وعید نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی عائد کریں گے؟

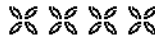
(۱) صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب المغازی، باب ۴۹۸، غزوۃ الخندق، صفحہ ۷۱۸/

جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب ۳۸۵، من صلی بالناس جماعة بعد ذهاب الوقت، صفحہ ۳۲۱

(۲) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب ۳۸۴، الاذان بعد ذهاب الوقت، صفحہ ۳۲۰

(۳) مسلم، جلد ۲، کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ، باب قضاء الصلوٰۃ الفائتة واستحباب تعجيل قضائها، صفحہ ۲۰۵

فقہی باریکیوں میں دن رات ایک کرنے والوں نے موٹگافیاں (یعنی بال میں سوراخ) کر کے ایک مسئلہ اخذ کیا ہے اور وہ یہ کہ اگر بے ہوشی میں چٹھے سے زائد نمازیں فوت ہو جائیں تو ان کی قضاء نہیں، اور یہ حکم انہوں نے اس میں ہونے والی مشقت کی علت کو حائلہ کی قضاء شدہ نمازیں (جو تقریباً ۱۵ سے ۵۰ تک ہو سکتی ہیں) ادا کرنے (اگر وہ لازمی ہوتیں) کی مشقت پر قیاس کر کے لگا یا ہے۔ چونکہ دوران حیض فوت ہو جانے والی نمازوں کی قضاء نہیں لہذا (اس میں علیہ کا) یہی حکم اشتراک علت کے سبب (مقین یعنی) بے ہوشی پر بھی لگے گا۔^(۱) حیرت ہے کہ مسلکی فقہ سے چٹے رہنے والوں کو چٹھے نمازوں کی مشقت بھاری معلوم ہوئی اور عمر بھر کی ہزار ہا نمازوں کی قضاء گرا ان نہ گزری! ایں چہ بوالعجبی است



کتاب لہذا کے اس باب کے رد میں ملا مجیب نے اپنے اکابرین کے اس قضائے عمری کے نظریے کا دفاع کرتے ہوئے ہم پر اعتراض کیا ہے کہ ایک طرف تو ہمارا کہنا یہ ہے کہ ”حدیث میں یہ نہیں ملتا کہ یومیہ نمازوں کے علاوہ جو نمازیں ماضی میں ادا نہ کی جاسکی ہوں، ان کی بھی قضاء کرنی چاہیے“ اور دوسری طرف ہم خود نقل کرتے ہیں کہ غزوہ خیبر اور غزوہ خندق اور دوسرے اسفار میں نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی کئی نمازیں قضاء ہوئیں! مولوی صاحب آپ نے غور سے پڑھا نہیں کہ ہم نے صاف لکھا ہے کہ یومیہ نمازوں کے علاوہ ماضی میں رہ جانے والی نمازوں کی قضاء ادا کرنے کے بارے میں احادیث میں کوئی ذکر نہیں ملتا یعنی روزانہ کی پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ عمر کے گزشتہ حصے میں جو پنج وقتہ نمازیں ادا نہ کی جاسکی ہوں، ان کی ادائیگی کے بارے میں احادیث خاموش ہیں۔ نبی ﷺ کی جن قضا نمازوں کا ذکر احادیث کے حوالے سے کیا گیا ہے وہ صرف ایک دو ہی تھیں، مہینوں سالوں کی نہ تھیں۔ مسلک پرستوں کا تو یہ کہنا ہے کہ ساہا سال کی رہ جانے والی تمام نمازوں کی قضاء کرنا لازمی ہے جسے وہ ”قضائے عمری“ کا نام بھی دیتے ہیں۔ اس باب میں ان کے اسی باطل نظریے کا رد کیا گیا ہے اور اسی لیے اب اس کا عنوان بھی ”قضائے عمری“ کر دیا گیا ہے۔

اگرچہ کسی ضعیف روایت میں بھی یہ نہیں ملتا کہ قضائے عمری پڑھنا لازمی ہے ورنہ ملا مجیب آس کو ضرور نقل کرتے کیونکہ ان کا مذہب تو استوار ہی اسی طرح کی روایات پر ہے! جب اپنے مطلب کی کوئی روایت نہ مل سکی (شاید ملا نسوی کو بھی نہیں مل سکی اسی لیے انہوں نے اس موضوع پر خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی) تو پھر اپنے بے مثال استدلالی گھوڑے کو دوڑایا اور ہانک لگا دی کہ نبی ﷺ کا اپنی قضاء نمازوں کا ادا کرنا یومیہ نمازوں کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ نبی ﷺ کی جتنی بھی نمازیں قضاء ہوئیں انہیں ادا کر کے امت کو تعلیم دی کہ عمر بھر میں جتنی بھی نمازیں نہ پڑھی جاسکی ہوں ان کی قضاء کر لی جائے، نبی ﷺ کی اگر یومیہ نمازوں سے زیادہ نمازیں قضاء ہوئی ہوتیں اور انہیں ادا نہ کیا جاتا تب پھر اس کی کوئی دلیل بن سکتی تھی۔

مولوی صاحب! آپ کا یہ گھوڑا دوڑنے کے قابل نہیں کیونکہ یہ لنگڑا ہے! آپ دعویٰ کرتے ہیں نبی ﷺ نے اپنی قضاء شدہ ایک دو نمازیں پڑھ کر ہی امت کو یہ طریقہ تعلیم کر دیا کہ قضاء شدہ ہر نماز پڑھی جائے..... ہم آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ پورے سرمایہ حدیث سے اپنے مطلب کی کوئی ایک ہی حدیث نکال کر دکھا دیجیے جس سے یہ پتہ چل سکے کہ خیر القرون میں سے کسی بھی صحابی، تابعی یا تبع تابعی کی ایمان قبول کرنے کے بعد برسہا برس کی نمازیں قضاء ہو گئی ہوں اور پھر عمر کے کسی حصے میں قضائے عمری کے لیے ان مسلک پرستوں کے اس خود ساختہ اصول کے مطابق ایک ایک دن شمار کر کے ایک ایک رکعت ادا کی گئی ہو؟

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ

أَعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ

ملا مجیب کا استدلالی لنگڑا گھوڑا اپنی ٹوٹی ٹانگوں کے ساتھ ایک قلائچ بھرنے کی کوشش کرتا ہے؛ موصوف فرماتے ہیں کہ:

”پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے ”مَنْ نَامَ عَنْ صَلَوةٍ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيَصِلْهَا إِذَا ذَكَرَ فَإِنَّ ذَلِكَ وَقْتُهَا“ جو شخص کسی بھی نماز سے سو جائے یا بھول جائے جب بھی یاد آجائے (چاہے دن یا ماہ یا سال بعد) اس کو پڑھ لے بس وہی اس کا وقت ہے.....

اس حدیث میں لفظ صلوٰۃ اسم جنس نکرہ ہے جو قلیل کثیر سب کو شامل ہے اور اس قسم کا مضمون کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے.....“ (صفحہ ۳۰۷)

قارئین! خط کشیدہ بولڈ الفاظ پر ذرا غور فرمائیے کہ کس طرح اپنا مطلب نکالنے کے لیے نیند یا بھول سے رہ جانے والی صلوٰۃ کا دائرہ وسیع کر کے اسے ”کسی بھی نماز“ میں تبدیل کر دیا اور ”(چاہے دن یا ماہ یا سال بعد)“ کا پیوند لگا کر، جس کا مذکورہ حدیث میں کوئی ذکر نہیں، اسے قضائے عمری بنا ڈالا اور حد تو یہ کہ اس خود کشیدہ موقف کو نیند اور بھول سے رہ جانے والی صلوٰۃ کو جاگنے اور یاد آ جانے پر ادا کر لینے کی مذکورہ روایت نقل کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم سے منسوب کر دیا! صُحْبہ دلاور است دزدے کہ چراغ بکف دارد

اپنا مطلب نکالنے کے لیے ”صلوٰۃ“ کو تو اسم جنس نکرہ کہہ کر اس میں قلیل و کثیر سب کو شامل کر دیا لیکن اسی قاعدے کے مطابق جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: مَنْ عَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ میں مذکور ”تمیمۃ“ کو ہم اسم نکرہ کہہ کر بفرمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرح کے تعویذ لگانے کو شرک قرار دیتے ہیں تو وہاں پھر یہ قاعدہ اور اصول کام نہیں کرتا اور قرآنی تعویذ کا استثنیٰ اس میں در آتا ہے بلکہ تمیمہ تعویذ ہی نہیں رہتا بلکہ کوڑی مکے بنا دیا جاتا ہے!

وَيَلْمُظَّافِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ
وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوَّزْنُوهُمْ يُخْسِرُونَ

اکابر پرستی

مسلک پرستوں کے عقائد میں کفر و شرک کی سب سے بڑی وجہ ان کی اکابر پرستی ہے۔ یہ اپنے علماء و قدماء کی مبالغہ کی حد تک تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ انہیں بقیۃ السلف، قدوة الخلف، حکیم الامت، مجدد ملت، شیخ الہند، شیخ الاسلام، شیخ الاتقیاء، امام الفضل، جامع الکمال، وغیرہ جیسے مبالغہ آمیز بڑے بڑے القابات سے نوازتے ہیں، اور ان کے فرامین پر جان چھڑکتے ہیں۔ ان کی اتباع میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ ہم نے رائے و نڈ و غیرہ میں خود پڑھے لکھے دیوبندی تبلیغ والوں کو اپنے اکابرین کی کتابوں میں استعمال کی گئی پرانی اور متروک اردو مثلاً آویں، جاویں، کھاویں، سوچ لیویں، وغیرہ بولتے سنا ہے۔ ایک مولوی صاحب سے واسکٹ کے متعلق پوچھا کہ کیا یہ سنت ہے جو تمام مولوی پہنتے ہیں؟ فرمانے لگے کہ یہ ہمارے اکابرین کی سنت ہے۔ اسی طرح قمیص کے بٹن بھی اپنے اکابر مولویوں کی طرح ایک ڈوری میں بندھے ہوئے استعمال کرتے ہیں۔ ان کے اکابرین کی تعلیم یہ ہے کہ ”مرشد کی ظاہری صورت دیکھنا اور حقیقت آب و گل کے پردے میں حق تعالیٰ سبحانہ کا مشاہدہ کرنا ہے اور خلوت میں اس کی صورت کا نمودار ہونا آب و گل کے پردے کے بغیر حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرنا ہے۔“ (۱)

”مرشد کے حکم اور ادب کو خدا اور رسول ﷺ کے حکم اور ادب کی جگہ سمجھے کیونکہ مرشدین خدا اور رسول کے نائب ہیں۔“ (۲)

(۱) رسائل شاہ ولی اللہ دہلوی (الانتباه فی سلاسل اولیاء): جلد ۱، صفحہ ۲۰۰
یہاں پر صوفی محمد یار کے وہ اشعار بھی ذہن میں دہرائیں جو انہوں نے اپنے پیر غلام فرید کی شان میں کہے جنہیں ہم نے ان کے ”دیوان محمدی“ سے عنوان ۱۵ کے تحت پچھلے صفحات میں نقل کیا ہے مثلاً:

فرید با صفا ہستی محمد مصطفیٰ ہستی چھا گویم چھا ہستی خدا ہستی خدا ہستی
چاچا و انگ مدینہ ڈسین کوٹ مٹھن بیت اللہ ظاہر دے وچ پیر فریدن باطن دے وچ اللہ

(۲) کلیات امدادیہ (ضیاء القلوب): صفحہ ۷۲

”دل کا شیخ سے ربط رکھنا اس خیال سے کہ اس سے مدد حاصل کرے اور اس اعتقاد سے کہ شیخ خدا کا مظہر ہے، خدا نے فیض پہنچانیکہ لیے میرے اوپر اس کو متعین کیا ہے اور شیخ ہی کے ذریعے سے خدا تک رسائی ہو سکتی ہے، تو ہمیشہ محبت اور انقیاد سے شیخ کی طرف متوجہ رہے۔“ (1)

[قارئین! عربی کا یہ لفظ ”مظہر“ بھی قابل غور ہے جو ترکیباً اسم ظرف ہے اور جس کے معنی ہیں ظاہر ہونے کی جگہ۔ ”خدا کا مظہر“ کے معنی ہوئے وہ جگہ یا شے جہاں اللہ ظاہر ہوتا ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ پیر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے (معاذ اللہ!)۔ ہندوؤں کے آواگون، تنازع اور صوفیوں کے نظریہ وحدت الوجود جس کی شاعت کو عنوان ۱۳ کے تحت تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے، کی اس کفریہ عقیدے میں پوری پوری ترمیمی ہو رہی ہے۔]

یہی نہیں بلکہ ان کے نزدیک

”شیخ کی بے ادبی و گستاخی اللہ کی معصیت سے بھی زیادہ مضر ہے۔“ (2)

”نیز مرید کو یقین کے ساتھ یہ جاننا چاہیے کہ شیخ کی روح کسی خاص جگہ میں مقید و محدود نہیں ہے۔ پس مرید جہاں بھی ہو گا خواہ قریب ہو یا بعید تو گویا شیخ کے جسم سے دور ہے لیکن اس کی روحانیت سے دور نہیں۔ جب اس مضمون کو پختگی سے جانے رہیگا اور ہر وقت شیخ کو یاد رکھے گا تو ربط قلب پیدا ہو جائے گا اور ہر دم استفادہ ہوتا رہے گا اور مرید کو جب کسی واقعہ کے کھولنے میں شیخ کی حاجت پیش آئے گی تو شیخ کو اپنے قلب میں حاضر مان کر بزبان حال سوال کرے گا اور ضرور شیخ کی روح باذن خداوندی اس کو القا کر دے گی۔ البتہ ربط تام شرط ہے۔“ (3)*

”حضرات صوفیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین راہ مولیٰ پر گامزن ہیں اور ان کا طریق و سلوک بارگاہ الہی تک پہنچاتا ہے۔“ (4)

(1) کلیات امدادیہ (ضیاء القلوب): صفحہ ۶۹

(2) الاشراف، نومبر ۱۹۹۱ء، صفحہ ۳

(3) امداد السلوک: صفحات ۶۸، ۶۷

★ یعنی پیر صاحب ہر جگہ حاضر بھی ہیں، ناظر بھی اور حاجت روا بھی! اب اگر دوسرے مسلک کے لوگ انبیاء و اولیاء کے لیے حاضر و ناظر، علم غیب اور استمداد و حاجت روائی کا عقیدہ رکھیں تو پھر اعتراض کیوں؟

(4) المنقذ من الضلال: صفحہ ۷۷

”واضح رہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی شخص کو ظاہر یا باطن میں شیخ کے وسیلے کے بغیر بارگاہ الہی کی راہ حاصل نہیں ہو سکتی اور خود بینی کی گمراہی سے خلاصی نہیں پاسکتا۔ پیغمبر خدا ﷺ فرماتے ہیں: شیخ اپنے مریدوں میں اس طرح ہوتا ہے جیسے امت میں نبی۔“ (۱)

ان کے اسلاف کے سیاہ کارہائے نمایاں گزشتہ صفحات میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ جب ان کے متعلق مسلک پرستوں سے پوچھا جاتا ہے تو ایمان کا تقاضا تو یہ تھا کہ فوراً ان کو رد کر دیتے اور ان سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے ان شخصیات سے اپنی بیزاری کا اعلان کرتے کیونکہ

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ط (البقرہ: ۱۶۵)

”ایمان والے اللہ کی محبت میں زیادہ شدید ہوتے ہیں۔“

اور یہ محبت اس بات کی متقاضی ہے کہ اللہ کی کتاب اور احادیث رسول ﷺ کے خلاف جو بات بھی ملے اسے رد کر دیا جائے خواہ کتنی ہی عزیز ترین ہستی یا متبحر عالم نے کہی ہو؛ مگر چوں کہ

اتَّخَذُوا أَحِبَّاءَهُمْ وَرَهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ (البقرہ: ۳۱)

”انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے مقابلے میں رب بنالیا ہے۔“

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ (البقرہ: ۱۶۵)

”اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے برابر اوروں کو بناتے ہیں اور ان سے ایسی محبت

کرتے ہیں جیسے اللہ کی محبت۔“

اس لیے ان کی محبت میں ایسا کرنے کی جرأت نہیں کرتے، اور ان باطل عقائد و نظریات کو ٹھکرانے کے بجائے الثائان پر فخر کرتے ہیں، ان کے ”علمی کارناموں“ کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں کہ حضرت تھانوی نے اٹھارہ سو کتابیں لکھیں، اعلیٰ حضرت نے اتنے سو کتابیں لکھیں، فلاں نے اتنی جلدوں میں تفسیر بے نظیر لکھی، فلاں نے اتنی جلدوں میں حدیث کی بے مثال شرح لکھی، فلاں نے قادیانیت کے خلاف یہ لکھا، فلاں نے شیعوں کے رد میں یہ لکھا، فلاں نے تجدید دین کی، فلاں نے دین کو لادینی اثرات سے پاک کیا، فلاں نے یہ کیا، فلاں نے وہ کیا ان کارناموں کو جب کارِ سیاہ ثابت کیا جاتا ہے اور ان کے

رد میں قرآنی آیات ان کے سامنے پیش کی جاتی ہیں تو یہ کہہ کر اعراض کر لیتے ہیں کہ یہ لوگ اتنے بڑے علماء تھے، کیا انہیں یہ سب کچھ معلوم نہیں تھا؟

اور یہ صرف عام لوگوں تک ہی محدود نہیں بلکہ بڑے بڑے سند یافتہ علامہ بھی اسی قسم کا طرز عمل اپناتے ہیں۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں تعویذ گنڈے کے عنوان کے تحت حاشیے میں بتایا گیا تھا کہ غوث کے معنی فریاد رس کے ہیں اور غوث الاعظم، غوث العالم، غوث الثقلین کے معنی سب سے بڑا فریاد رس، سارے عالم کا فریاد رس، آسمانوں اور زمینوں کا فریاد رس، انسانوں اور جنوں کا فریاد رس، وغیرہ مراد ہوتے ہیں جسے اللہ رب العزت کی ذات کے سوا کسی اور کو سمجھنا شرک ہے، لیکن صوفیاء کے ہاں یہ اصطلاحات اپنے پُر اسرار اور مفروضہ باطنی نظام کے سربراہ کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ اگر کسی مسلک پرست کے دل میں جذبہ توحید چمکی لے اور وہ اس غلط استعمال پر اپنے جذبہ ایمانی کا اظہار کرے تو دیکھیے اسے کس طرح سے جواب دے کر سرد کیا جاتا ہے:

”سید العلماء محدث شہید حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کی شان میں نعت کہتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں ط مستغیث است الغیث اے سرور عالی مقام چونکہ آپ کا انتساب دیوبندی مکتب فکر سے ہے اس لیے آپ کے لیے یہ بات کافی ہوگی۔ واللہ اعلم..... تعجب ہے کہ آپ نے اپنے نام کے ساتھ تو افتخارِ دیوبندی لکھا ہے اور آپ کو اکابر مسلک اور بزرگانِ دیوبند پر اتنا اعتماد بھی نہیں کہ انہوں نے توحید کو قرآن و حدیث کے مطابق بالکل صحیح سمجھا ہو۔ اگر یہ علماء امت جو اپنے اپنے مقام پر علم و فضل کے امام اور تقویٰ و عمل کے پیکر تھے توحید جیسے مسئلے کو بھی اس کے اصول و فروع کے ساتھ صحیح نہیں سمجھ سکے تو پھر آپ کا ان کے ساتھ کفر و اسلام اور شرک و توحید کا سا اختلاف ہوگا اور ظاہر ہے کہ اتنے بنیادی اختلاف کے ساتھ عقیدت مندی اور اخلاص قطعاً قائم نہیں رہ سکتا الا یہ کہ آپ حضرات کا دیوبندی کہلانا محض ایک عنوان اور صرف ایک ظاہر ہو۔

سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے لیے لفظ غوث کا استعمال حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے مواعظ میں عام ملتا ہے۔ اگر آپ کو ان اکابرِ دیوبند پر اعتماد نہیں تو کم از کم اوپر کے فقہاء احناف کے بارے میں تو آپ ابھی تک اتنے بدگمان نہیں ہوں گے۔ حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الہاری جو فقہاء حنفیہ میں نہایت محتاط بزرگ گزرے ہیں اپنی کتاب نزہۃ الخاطر الفاتر مطبوعہ مصر صفحہ ۵ پر سید حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق رقمطراز ہیں:

القطب الربانی والغوث الاعظم الصمدانی سلطان الاولیاء والعارفين

حدیث و فقہ اور علم کلام کے یہ بلند پایہ امام اسلام کے توحید جیسے بنیادی اور نازک مسئلے میں بھی ابھی تک خام ہیں؟ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اگر ان ائمہ اعلام اور فقہائے کرام پر سے اعتماد اٹھ جائے تو باقی ہمارے پہلے میں رہتا ہی کیا ہے۔ حضرت شیخ احمد رفاعی کی کتاب البیان الشہید کا اردو ترجمہ جو حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی زیر نگرانی حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ تھانوی نے کیا تھا، اس میں کئی مقام پر لفظ غوث کا یہ استعمال عام موجود ہے۔ واللہ اعلم بالصواب..... کتبہ خالد محمود وعف اللہ عنہ“ (1)

کسی بات کے رد و قبول کا معیار محض اپنے اکابرین کی تحریروں میں اخذ و انکار کو بنانے کی اور بھی بہت سی مثالیں ان مسلک پرستوں کی تحریروں میں عام ہیں۔ ان کے بڑوں نے اگر کسی غلط بات کو بھی بیان کر دیا تو یہ اس پر اَمَّشًا وَ صَدَقْنَا کہتے ہوئے اسے لے لیں گے اگرچہ دل تسلیم کرتا ہو گا کہ یہ درست نہیں ہے مگر اظہار حق کی جرأت ہو تو کہیں، اکابر پرستی جو اس سے مانع ہو جاتی ہے! اکابرین دیوبند میں سے رشید احمد گنگوہی صاحب سے سوال پوچھا گیا کہ:

”اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ اور لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتَ الْاَفْلَاكَ یہ دونوں صحیح حدیثیں ہیں یا وضعی؟ زیدان کو وضعی بتلاتا ہے“ تو جواب دیا:

”یہ حدیثیں کتب صحاح میں موجود نہیں ہیں مگر شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ کو نقل کیا ہے* اور بتایا ہے کہ اس کی کچھ اصل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم“ (2)

دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب سے پوچھا گیا:

”لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتَ الْاَفْلَاكَ، لَوْلَاكَ لَمَّا خَلَقْتَ الدُّنْيَا، ان دونوں میں سے کس کے الفاظ صحیح ہیں۔ حدیث پاک کی کس کتاب میں مذکور ہیں اور باب و صفحہ تحریر فرمائیے؟“

تو ان گنگوہی صاحب نے بھی اپنے پیش رو بڑے گنگوہی صاحب کی طرز پر جواب دیا:

(1) عیقات: صفحات ۹۸، ۹۷

★ یہ وہی روایات ہیں جو ان کی اپنی تحریروں میں بلا حوالہ استعمال ہوئی ہیں، جیسا کہ پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے۔

(2) فتاویٰ رشیدیہ: صفحہ ۹۸

”حامد أو مصلياً لولاك لما خلقت الافلاك“ کو مولانا تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ صفحہ ۹۰ میں اور مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے فتاویٰ عزیز جلد ۴ صفحہ ۲۹ میں موضوع لکھا ہے (۱)

علماء کی اہمیت اور فضیلت سے کسی کو انکار نہیں، مگر علماء تو اللہ سے ڈرنے والے ہی ہوتے ہیں :

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ط (فاطر: ۲۸)

”اصل میں اللہ سے تو اس کے بندوں میں علماء ہی ڈرتے ہیں۔“

مگر جن لوگوں کے مذکورہ کارنامے ہوں تو وہ ہر گز ہر گز علماء نہیں وہ تو:

كَمْثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَثْقَالًا ط (البقرہ: ۵)

”اس گدھے کی مانند ہیں جو کتا میں اٹھائے ہوئے ہو۔“

بلکہ

أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلَّغُ لَهُمُ الضَّلٰلُ ط أُولَئِكَ هُمُ الْغٰفِلُونَ (الاعراف: ۱۷۹)

”وہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ، اور وہی لوگ غافل ہیں۔“

اور ان کی ناسمجھی سے پیروی اور اندھی تقلید کرنے والے لوگ اللہ کے فرمان کے مقابلے میں ان کے قول کو فوقیت دے کر اللہ کے بجائے انہیں رب بنا لیتے ہیں! حاتم طائیؓ کے بیٹے عدیؓ جب اسلام قبول کرنے نبی ﷺ کے پاس آئے تو انہوں نے قرآن کی آیت :

اتَّخِذُوا أَحِبَّارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ (التوبہ: ۳۱)

”ان (اہل کتاب) لوگوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے مقابلے میں رب بنا لیا ہے۔“

کے متعلق کہا کہ ہم نے تو انہیں رب نہیں بنایا تھا۔ نبی ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم لوگ ان کے حرام کیے ہوئے کو حرام اور ان کے حلال کیے ہوئے کو حلال نہیں جانتے تھے۔ اس کا عدیؓ نے اقرار کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ان کو رب بنانے کے یہی معنی ہیں۔ (۲)

(۱) فتاویٰ محمودیہ: جلد ۱، صفحہ ۷۷

(۲) جامع ترمذی: جلد ۲، ابواب التفسیر، تفسیر سورة التوبة، صفحہ ۴۵

اللہ تعالیٰ نے ایسے مولویوں اور پیروں سے خبردار کیا کہ ان سے بچو کیونکہ
 إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ
 بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ط (البقرہ: ۳۴)

”مولویوں اور پیروں کی اکثریت لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتی ہے اور انہیں اللہ کے
 راستے سے بھی روکتی ہے۔“

مسلک پرستوں کے کفریہ اور شرکیہ عقائد و اعمال کا یہ ایک مختصر سا جائزہ تھا جو گزشتہ
 صفحات میں قارئین کی خدمت میں پیش کیا گیا، مقصود اس سے صرف خیر خواہی و اصلاح
 ہے۔ آخر میں قارئین سے گزارش ہے کہ اگر بے خبری اور لاعلمی میں آپ کے بھی یہ
 عقائد اور اعمال رہے ہیں تو اللہ ان سے توبہ کیجیے، اپنی برأت و بیزاری کا اظہار کیجیے اور جو صحیح
 صورت آپ کے سامنے قرآن اور صحیح احادیث کی روشنی میں پیش کی گئی ہے اس کی طرف
 رجوع کیجیے، اللہ کی آیتوں کا انکار نہ کیجیے کیونکہ اللہ کی آیتوں کا انکار بہت بڑے وبال کا سبب
 ہے جس کے کچھ نمونے ذیل میں دیئے جا رہے ہیں :

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا
 خَالِدُونَ (البقرہ: ۳۹)

”اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ جہنمی ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ (آل عمران: ۱۹)

”اور جو شخص اللہ کی آیتوں کا انکار کرے تو اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔“

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا ط كُلَّمَا تَضَيَّجَتْ جُلُودُهُمْ
 بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ط (النساء: ۵۶)

”جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا، اُن کو ہم عنقریب آگ میں داخل کریں گے جب ان کی
 کھالیں گل (بور جل) جائیں گی تو ہم اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ (ہمیشہ) عذاب (کا مزہ) چکھتے رہیں

ضَرَبْتَ عَلَيْهِمُ الدِّلَّةَ وَالْمُسْكِنَةَ وَبَاءَ وَبِعَضْبٍ مِّنَ اللَّهِ ط ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ
كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ (البقرة: ۶۱)

”اور (آخر کار) ذلت (ورسوائی) اور محتاجی (وبے نوائی) ان پر مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہو گئے۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے۔“

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّ بِغَيْرِ حَقٍّ
وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ
﴿٦٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ
نَّصِيرِينَ ﴿٦٣﴾ (آل عمران: ۲۱، ۲۲)

”جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں اور جو انصاف (کرنے) کا حکم دیتے ہیں انہیں بھی مار ڈالتے ہیں، ان کو دکھ دینے والے عذاب کی خبر دیدو۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت دونوں میں برباد ہیں اور ان کا کوئی مددگار نہیں (ہوگا)۔“

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّجِيمِ
”جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور انہیں جھٹلایا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں۔“

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ط إِنَّهُ لَا يُفْعِلُ
الظَّالِمُونَ ﴿٦٤﴾ (الانعام: ۲۱)

”اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ افتراء کیا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا۔ کچھ شک نہیں کہ ظالم لوگ نجات نہیں پائیں گے۔“

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمُّوْا وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ ط (الانعام: ۳۹)

”جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ بہرے اور گونگے ہیں، اندھیرے میں (پڑے ہوئے) ہیں۔“

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٦٥﴾ (الانعام: ۴۰)

”اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ان کی نافرمانیوں کے سبب انہیں عذاب ہوگا۔“

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يُلَاحَظَ فِي سِوَاهِهَا ط
وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ﴿٣٩﴾ لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ط وَكَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٤٠﴾ (الاعراف: ۳۹، ۴۰)

”جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور اُن سے سرتابی کی، اُن کے لئے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہو گئے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے نکل جائے۔ اور گنہگاروں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔“

وَإِثْلَ عَلَيْهِمْ نَبَأُ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿٤١﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَنُكَلِّمَهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحَبَّلَ عَلَيْهِ يَلْهَثُ أَوْ تَتَرَكُهُ يَلْهَثُ ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾ سَاءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَأَنْفُسُهُمْ كَانُوا بِظُلُمٍ ﴿٤٣﴾ (الاعراف: ۴۱، ۴۲، ۴۳)

”اور ان کو اُس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائی، پھر اس نے انہیں چھوڑ دیا تو شیطان اُس کے پیچھے لگ گیا سو وہ گمراہوں میں ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اُس (کے درجے) کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا تو اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے اور یوں ہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔ یہی مثال اُن لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ تو ان سے یہ قصہ بیان کرو تاکہ وہ فکر کریں۔ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اُن کی مثال بری ہے اور انھوں نے نقصان (کیا تو) اپنا ہی کیا۔“

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْقِهُ الْمُجْرِمُونَ (یونس: ۷۷)

”تو اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ افتراء کیا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا۔ کچھ شک نہیں کہ مجرم لوگ نجات نہیں پائیں گے۔“

وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا (نہی اسرائیل: ۷۲)
 ”جو کوئی یہاں (اس جہاں میں ہماری آیتوں سے) اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا، اور
 (نجات کے) راستے سے بہت دور۔“

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمِيَآ وَبُكْمًا وَصُمًّا مَّا أَوْفَعَهُمْ
 جَهَنَّمَ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا ﴿١٤﴾ ذَلِكَ جَزَاءُ هُم بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا
 بِآيَاتِنَا (نہی اسرائیل: ۹۸، ۹۷)

”اور ہم ان کو قیامت کے دن اونڈھے منہ اندھے، گونگے اور بہرے (بنا کر) اٹھائیں گے۔ اور
 ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جب (اس کی آگ) بجھنے کو ہوگی تو وہاں کو (عذاب دینے کے لیے) اور
 بھڑکا دیں گے۔ یہ ان کی سزا ہے اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔“

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٥﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي
 الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يُحْسَبُونَ أَنََّّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٦﴾ أُولَٰئِكَ
 الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاءِ يَوْمَ فَحِطَّتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ
 الْقِيَمَةِ وَزَنًا ﴿١٧﴾ ذَلِكَ جَزَاءُ هُم جَهَنَّمَ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِنَا
 دُسْمً هَٰؤُلَاءِ ﴿١٨﴾ (الکہف: ۱۰۳ تا ۱۰۶)

”(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے کہ ہم تمہیں بتائیں جو اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارے
 میں ہوں گے: وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ
 اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس کے حضور پیشی
 سے انکار کیا تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور ہم قیامت کے دن ان کے لئے کچھ بھی وزن قائم
 نہیں کریں گے۔ یہاں کی سزا ہے (یعنی) جہنم اس لئے کہ انہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں
 اور ہمارے پیغمبروں کی ہنسی اڑائی۔“

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ
 الْقِيَمَةِ أَعْمَىٰ ﴿١٩﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ﴿٢٠﴾
 ﴿٢١﴾ قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَىٰ ﴿٢٢﴾
 وَكَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِآيَاتِ رَبِّهِ ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ
 أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ ﴿٢٣﴾ (الزمر: ۱۲ تا ۱۷)

”اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا میں تو دیکھتا بھلا تھا۔ اللہ فرمائے گا کہ ایسا ہی (ہونا چاہئے تھا) تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو تو نے ان کو بھلا دیا۔ اسی طرح آج ہم تجھ کو بھلا دیں گے۔ اور جو شخص حد سے نکل جائے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لائے تو ہم اسکو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں، اور آخرت کا عذاب بہت سخت اور بہت دیر رہنے والا ہے۔“

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَئِسُوا مِنْ رَحْمَتِي وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٣٣﴾ (النکبت: ۳۳)

”اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں اور اس سے ملاقات کا انکار کیا وہ میری رحمت سے ناامید ہو گئے اور ان کو درد دینے والا عذاب ہو گا۔“

وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُخَضَّرُونَ ﴿٣٤﴾ (الرعد: ۱۶)

”اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا، تو وہ عذاب میں ڈالے جائیں گے۔“

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٣٥﴾ (الزمر: ۲۳)

”اور جنہوں نے اللہ کی آیتوں سے انکار کیا وہی خسارہ پانے والے ہیں۔“

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِنْ رَجْزِ آلِيمٍ ﴿٣٦﴾ (الحاشیہ: ۱۱)

”اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں انکو سخت قسم کا دردناک عذاب ہو گا۔“

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا ط وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٣٧﴾ (التغابن: ۱۰)

”اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی اہل دوزخ ہیں، ہمیشہ اس میں رہیں گے، اور وہ بری جگہ ہے۔“

وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْنَاهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿٣٨﴾ (الجن: ۱۷)

”اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد سے منہ پھیرے گا، وہ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا“

إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿١٦﴾ لِّلطَّاغِيْنَ مَأْبَا ﴿١٧﴾ ثُبُثِيْنَ فِيْهَا ﴿١٨﴾ أَحْقَابًا ﴿١٩﴾ لَا يَدْخُلُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ﴿٢٠﴾ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَاقًا ﴿٢١﴾ جَزَاءً وَفَاقًا ﴿٢٢﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَزْجُوْنَ حِسَابًا ﴿٢٣﴾ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَابًا ﴿٢٤﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ﴿٢٥﴾ فَذُوقُوا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ﴿٢٦﴾ (البقرہ: ۳۰-۳۲)

”بیشک جہنم گھات میں ہے (یعنی) سرکشوں کا وہی ٹھکانہ ہے، اس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے، وہاں نہ ٹھنڈک کا مزا چکھیں گے نہ (کچھ) پینا (نصیب ہوگا) مگر گرم پانی اور بہتی پیپ۔ (یہ) بدلہ ہے پورا پورا۔ یہ لوگ حساب (آخرت) کی امید ہی نہیں رکھتے تھے، اور ہماری آیتوں کو جھوٹ سمجھ کر جھٹلاتے رہتے تھے اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر ضبط کر رکھا ہے۔ سو (اب) مزا چکھو، ہم تم پر عذاب ہی بڑھاتے جائیں گے۔“

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ﴿٢٧﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤَصَّدَةٌ ﴿٢٨﴾ (البقرہ: ۲۰، ۱۹)

”اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو نہ مانا وہ بد بخت ہیں، یہ لوگ آگ میں بند کر دیئے جائیں گے“

فَأَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّى ﴿٢٩﴾ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ﴿٣٠﴾ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى ﴿٣١﴾ (الکحل: ۱۲، ۱۵، ۱۶)

”سو میں نے تم کو بھڑکتی آگ سے متنبہ کر دیا، اس میں وہی داخل ہوگا جو بڑا بد بخت ہے، جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔“

بات اب بالکل واضح ہو چکی ہے اس لیے اب بھی طرز کہن پر اڑنا ابدی خسارے کا موجب ہے کیونکہ اللہ نے اپنی کتاب میں فیصلہ کر دیا ہے:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ تُوَلِّهِ مَا تَوَلٰى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمُ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿١٥٥﴾ (النساء: ۱۵۵)

”اور جو شخص ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے پر چلے تو جہنم چلتا ہے، ہم اسے اوہری چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کر دیں گے، اور وہ بری جگہ ہے۔“

لہذا اس دعوت ایمانی کو قبول کیجیے جس کے بغیر صوم، صلوٰۃ، حج، زکوٰۃ حتیٰ کہ کوئی بھی عمل خیر قبول نہیں۔ اپنی بندگی کو اللہ کے لیے خالص کر لیجیے :

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ (بنی اسرائیل: ۲۳)

”تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم بندگی کسی کی نہ کرو مگر صرف اسی کی۔“

قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ (الزمر: ۱۱)

”(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے کہ مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ ہی کی خالص بندگی کروں۔“

اور اپنے ایمان کو شرک کی ملاوٹ سے پاک کر لیجیے۔ شرک سب سے بڑا گناہ ہے، ^(۱) اس کی قطعی مغفرت نہیں، ^(۲) اس کے کرنے والے پر جنت حرام ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ ^(۳) (اگر بغیر توبہ کیے اس دنیا سے چلے گئے)

سچ کڑوا ہوتا ہے۔ ناراض ہونے کے بجائے بات کو سمجھنے کی کوشش کیجیے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ معاملہ درپیش ہو جائے:

يَوْمَ تَقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَلَيْتَنَّا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَ ﴿٢٦﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا ﴿٢٧﴾ رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنَّهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ﴿٢٨﴾ (الحجرات: ۲۶، ۲۷، ۲۸)

”جس دن ان کے منہ آگ میں الٹائے جائیں گے (تو) کہیں گے اے کاش ہم اللہ کی فرمانبرداری کرتے اور (اس کے) رسول کی اطاعت کرتے! اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور اکابر کی اطاعت کی تو انہوں نے ہم کو راستے سے گمراہ کر دیا، اے ہمارے رب! ان کو دو گنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت کر۔“

عَامِلَةً تَأْصِبُهُ تَضَلِّي نَارًا حَامِيَةً ﴿٣٠﴾ (الغاشیہ: ۳۰، ۳۱)

(۱) لقمن: ۱۳

(۲) النساء: ۴۸، ۵۶

(۳) المائدہ: ۲

”سخت عمل کرتے کرتے تھک جانے والے ہوں گے (لیکن) جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔“

اللہ ہمیں اس انجام سے محفوظ فرمائے۔ آمین



کتابِ ہذا کے اس باب کے رد میں مَلّا مجیب اور مَلّا تونسوی نے اپنی کتابوں میں کوئی دلائل نہیں دیئے اور خاموشی اختیار کر لی گویا انہیں یہ تسلیم ہے کہ یہ مسلک پرست اُن خرابیوں میں واقعی مبتلا ہیں جن کی نشاندہی اس باب میں کی گئی ہے۔

اکابرین کا دفاع*

هَآنَتُمْ هَؤُلَاءِ جَدَنُكُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ
يَوْمَ الْقِيَمَةِ اَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿١٠٩﴾ (النساء: ۱۰۹)

”بھلا تم لوگ دنیا کی زندگی میں تو ان کی طرف سے بحث کر لیتے ہو، روز قیامت ان کی طرف سے اللہ کے ساتھ کون جھگڑا کرے گا اور کون ان کا وکیل بنے گا؟“

یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ جب بھی دعوتِ حق اٹھائی جاتی ہے تو نادان و سفہاء تو اس کی مخالفت کرتے ہی ہیں لیکن وہ لوگ کہ جنہوں نے مذہب کو کھانے کمانے کا ذریعہ بنا رکھا ہوتا ہے، وہ سب سے زیادہ مزاحم ہوتے ہیں۔ اور اس کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ اس دعوتِ حق کی اشاعت سے انہیں اپنی چودھر اہٹ ختم ہوتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے مکروہ چہروں کو بے نقاب ہونے سے بچانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں اور ہر وہ حربہ اور ہتھکنڈہ آزماتے ہیں جس سے اس دعوتِ حق میں شکوک و شبہات پیدا کیے جاسکیں۔ دشمنانِ حق کی ان ابلیسی دسیہ کاریوں سے حق تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اپنی کتابِ حق میں اس طرح خبردار کیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَا كْفُلُونَ
أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ
يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (التوبة: ۳۳)

”اے ایمان والو! (جان رکھو کہ) مولویوں اور پیروں کی اکثریت لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتی ہے اور انہیں اللہ کے راستے سے بھی روکتی ہے۔“

یہ لوگ دنیا کے چند ٹکڑوں کی خاطر اپنی اور دوسروں کی آخرت برباد کر دیتے ہیں۔ حق کو چھپا کر اللہ کے بندوں کو اللہ سے دور کر کے لوگوں سے مال اکٹھنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بھی استعجابیہ انداز میں فرمایا ہے کہ:

★ عرصہ قبل سیمٹھی کے مولوی مسکین خان نعمانی کے کتابچے کا جواب ”چوری اور سینہ زوری“ کے عنوان سے دیا گیا تھا۔ تحریکی ساتھیوں کے لیے اب اسے کچھ تہذیبی کے ساتھ کتاب ہذا کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا
 قَلِيلًا ۖ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ
 الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٤٦﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا
 الضَّلَالَةَ بِالْهَدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالتَّغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٤٧﴾
 ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۖ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ
 لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿١٤٨﴾ (البقرہ ۱۴۶ تا ۱۴۸)

”جو لوگ (اللہ کی) کتاب سے ان (آیتوں اور ہدایتوں) کو جو اس نے نازل فرمائی ہیں
 چھپاتے اور ان کے بدلے تھوڑی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں
 میں مٹھ آگ بھرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے اللہ قیامت کے دن نہ بات کرے گا اور نہ ان کو
 (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں
 جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو اور مغفرت کے بدلے عذاب کو خریدا۔ کیسے صابر ہیں
 یہ لوگ (جہنم کی) آگ پر! یہ اس لیے کہ اللہ نے کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی اور جن
 لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا وہ ضد میں آکر (حق سے) دور (ہو گئے) ہیں۔“

اپنے انہی اسلاف کی اتباع میں ایسی ہی ایک کارروائی کیاڑی کے ایک مولوی صاحب نے بھی
 کی۔ کیاڑی وہ جگہ ہے جہاں غائب شاہ نامی ایک صوفی کا مزار ہے۔ (یہ مولوی موصوف بھی
 ایک مزار کے ہی سائے میں پروان چڑھے ہیں اور ایک مزار کے ہی ٹکڑوں پر ان کی گزراوقات ہے)
 مردوں کے پجاری تو اس مقبرے کو انوار و برکات کا منبع اور مرکز تجلیات سمجھتے ہیں ورنہ
 حقیقت میں یہ کفر و شرک اور ضلالت و گمراہی کا ایک بہت بڑا اڈہ ہے جہاں کون سی برائی
 ہے جو نہیں کی جاتی! حیرت ہے کہ یہ صوفی ”غائب“ بھی ہے مگر پھر بھی اس کی قبر بندی!
 بہر حال اسی ”غائب شاہ“ کو پکارا جاتا ہے، اس سے اولاد مانگی جاتی ہے، مسئلہ حل کرنے کے
 لیے اس کی دہائی دی جاتی ہے، اس کی خوشنودی کے لیے نذرانے پیش کیے جاتے ہیں،
 سجدے ہوتے ہیں..... شعبان کے مہینے میں اس کا سالانہ عرس منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر
 کیا کیا خرافات دیکھنے میں نہیں آتیں۔ یہاں سب کچھ ہوتا ہے بس ایمان ہی نہیں ہوتا! کون
 ہے کہ جس کا دل اپنے مالک کی چادرِ توحید پر کی جانے والی ان دست درازیوں پر نہ کڑھے؟

کون ہے جو مَنْ رَاٰ مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ..... الخ* پر لیک کہتے ہوئے اس طوفانِ منکرات کی راہ میں کھڑا ہونے کی جرأت کرے اور تحریر و تقریر اور لسان و قلم کے ذریعے اس کا راستہ روکنے کی سعیِ مقدر کرے؟

اللہ رب العزت نے کیا ہی کی اسی سر زمین سے ایک مردِ مجاہد کو اٹھایا جس نے لوگوں کو لاکارا کہ اس کفر و شرک سے باز آ جاؤ اور اپنے مالک کے غضب کو دعوت نہ دو۔ ان کے سامنے وہی دعوت رکھی جو محمد عربیؐ نے مکہ کے مشرکین کے سامنے رکھی تھی کہ: اِلٰهَكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ یعنی تمہارا اللہ تو ایک ہی ہے، تمہارا داتا، دستگیر، غوث و مشکل کشا، بگڑی بنانے والا، مرادیں پوری کرنے والا بس وہی ایک اللہ ہے۔ اس مردِ مومن کی مجاہدانہ پکار پر ان ہزاروں نے لیک کہی جن کے دلوں میں اپنے مالک کا ذرا بھی وقار تھا۔ انہوں نے اس دعوتِ توحید کو قبول کیا اور اپنے ایمان کو کفر و شرک کی غلاظت سے پاک کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی ان خوش نصیبوں میں شامل ہونے کی توفیق دی۔ لیکن جہاں ہزاروں نے اس دعوتِ حق کو دل و جان سے قبول کیا وہیں لاکھوں اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر وہی قدیم روایت چلی اور اس نورِ حق کو بجھانے کی ہر کوشش کی گئی، ہر حربہ آزمایا گیا، شکوک و شبہات پھیلانے گئے، زبان و بیان کے پھاگ اڑائے گئے، قرطاس و قلم استعمال ہوئے..... لیکن یہ دعوت اس مسعود بندے کی کوئی اپنی دعوت نہ تھی، یہ تو اس کے رب کی دعوت تھی، یہ تو اس کے آخری نبیؐ کی دعوت تھی، یہ دعوت تو اللہ کا وہ نورِ ہدایت تھی جس کو مخالفین بجھانے کے درپے تھے یُرِيدُونَ اَنْ يُطْفِئُوْا نُوْرًا لِّلّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ۔* یہ دعوت تو اس کتابِ حکیم کی دعوت تھی جس کا جواب پیش کرنے سے تمام ذوی العقول عاجز ہیں:

قُلْ لِّسِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ يَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴿۱۱۱﴾ (نہ اسراء: ۸۸)

★ نبیؐ نے فرمایا کہ جو تم میں سے کسی برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اس کے خلاف زبان استعمال کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں اسے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔ (صحیح مسلم، جلد ۱، کتاب الایمان، باب کھن النہی عن المنکر من الایمان، صفحہ ۱۳۸)

* ”یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھادیں۔“ (التوبہ: ۳۲)

”(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمام جن و انس بھی مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو

ہرگز نہیں لاسکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کی کتنی ہی مدد کیوں نہ کریں۔“

تو پھر بھلا اس کا توڑ، اس کا جواب کس سے بن پڑے! اعتراضات ہوتے رہے لیکن اس مسعود بندے کی تحریروں کا جواب یہ احبار و رہبان آج تک نہ دے سکے۔ جھلا کر سب و شتم بھی کیا، زد و کوب بھی کیا گیا، پس زنداں بھی ڈالا گیا، لیکن یہ دعوت چلتی رہی، حق کا سفر جاری رہا۔ لوگ آتے رہے اور شامل سفر ہوتے رہے۔ قافلہ بڑھتا رہا۔ جن لوگوں میں اس مشکل سفر کی صعوبتیں جھیلنے کا یار نہ تھا یا جو محض دل لگی کے لیے ہمراہ ہوئے تھے، وہ یا تو واپس لوٹ گئے یا انہوں نے کوئی اور راہ اپنائی؛ جو اس مبارک مشن کے اہل نہ تھے اور جو اس کے تقاضے پورے نہ کر سکتے تھے، مالک کے تطہیری عمل نے تلچٹ کی طرح اس کھوٹ کو علیحدہ کر دیا۔ مستقیم مخلصین کا یہ سفر ایمانی بہر حال جاری رہا۔ راہ کٹھن ہے، منزل اگرچہ ابھی دور ہے تاہم منزل انہی کو ملے گی، کامیابی اسی کارواں کا مقدر بنے گی جو یہ سفر بخوبی تمام کر لیں گے: **قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ.....** ﴿اللہ تعالیٰ بس حوصلے بلند، عزم جواں اور دل مستقیم رکھے﴾۔

دوسروں کو اس مبارک سفر میں شامل کرنے کی جہد و سعی جاری ہے۔ ہماری کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ بھی ایسی ہی ایک کوشش تھی جس کے ذریعے ان لوگوں کو راہ حق دکھانے کے لیے روشنی کا اہتمام کیا گیا تھا جو دشمنان حق کی ناپاک کوششوں سے گمراہی کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ لیکن یا اسفی! جن لوگوں نے اندھیروں میں بھٹکنے کو ہی اپنا مقدر بنالیا، وہ کب اسے گوارا کر سکتے تھے؟ لہذا حق کی اس روشنی کو بجھانے کی کوشش اسی خطہ کیڑی سے مذہب کو کمائی کا ذریعہ بنانے والے ایک دریدہ دہن مولوی کی جانب سے بھی ہوئی اور قرآن و حدیث کے دلائل سے مزین اور ان مولوی صاحب کے اسلاف کی کفر و شرک پھیلانے والی تحاریر کے حوالوں سے پُر کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ کے خلاف چور قی ایک کتابچہ شائع کیا گیا جس میں بازاری انداز اور سوقیانہ زبان میں اپنے احبار و

رہبان کا دفاع کیا گیا، جنہیں ان کے ماننے والوں نے اَرْتَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰہِ * بنالیا ہے اور جو ان سے اللہ کی جیسی محبت رکھتے ہیں: (يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰہِ *)۔ پھر اس کتابچے میں پیشہ ور مولویوں ہی کے انداز میں نمک مرچ لگا کر اپنے اسی بازاری اسٹائل میں تقریریں کر کے اس نور ہدایت کو گل کرنے کے درپے ہے۔ ان پیشہ ور مولوی صاحب کے چیلے اپنے گرو کی ان تقاریر کی کیٹشیں تقسیم کرتے پھر رہے ہیں۔ ان کیٹشوں کو سن کر دکھ اور افسوس ہوتا کہ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللّٰہِ (۱) کے تحت اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُجَّةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (۲) کے حکم ربی کی تعمیل میں دی جانے والی دعوت توحید کو ان مولویوں نے اپنے بازاری انداز میں کیا رنگ دے دیا اور يَتَسَعَوْنَ فِيْ اٰیَاتِنَا مُعْجِزٰتٍ، (۳) كَانُوا يَجْعَدُوْنَ بِاٰیَاتِ اللّٰہِ (۴) اور يُرِيدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ (۵) وغیرہ آیات کا مصداق بن کر ان کا پورا پورا حق ادا کر دیا!

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ (سورہ یٰ: ۵۴) یعنی لوگوں کو قرآن کے ذریعے سے نصیحت کرو، سمجھاؤ، یاد دہانی کراؤ، حق کی طرف بلاؤ۔ لیکن جب اس حکم ربی پر عمل کیا جائے تو یہ دین فروش مولوی اس سعی مبارک کو بڑی ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی سے یُضِلُّ پلے کَثِيْرًا وَيَهْدِيْ بِہٖ كَثِيْرًا کہتے ہیں۔ ان کی دریدہ دہنی اور دیدہ دلیری دیکھیے کہ دین حق کی دعوت دینے والوں کو گمراہ بتاتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اس آیت کو پورا پڑھ لیں، جس کا ایک ٹکڑا یہ دوسروں پر چسپاں کرتے ہیں، تو انہیں پتہ چلے کہ یہ تو خود ہی اس کے مصداق ہیں! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

★ ”انہوں نے اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے مقابلے میں رب بنالیا ہے۔“ (البقرہ: ۳۰)

★ ”لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو برابر کیا ہوا ہے، وہ ان سے ایسی

محبت کرتے ہیں جیسے اللہ کی محبت، اور ایمان والے تو اللہ ہی سے شدید محبت کرتے ہیں.....“ (البقرہ: ۱۶۵)

(۱) ”اور اس شخص سے بات کا اچھا کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے۔“ (حم سجدہ: ۳۳)

(۲) ”لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اپنے رب کی طرف بلاؤ۔“ (النحل: ۱۲۵)

(۳) ”یہ ہماری آیتوں کو نپچا دکھانے کے لیے کوشش کرتے ہیں۔“ (سہا: ۳۸)

(۴) ”وہ اللہ کی آیتوں سے جھگڑتے ہیں۔“ (احقاف: ۶۲)

(۵) ”یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے (دین کے) نور کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھادیں۔“ (الصفت: ۸)

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ۖ وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٤﴾
 الَّذِينَ يَتَقَبَّضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ
 بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٢٥﴾ (البقرہ: ۲۴، ۲۵)

یعنی قرآن سے گمراہی ان ہی لوگوں کو ملتی ہے جو فاسق ہیں، جو اللہ سے عہد بندگی باندھ کر توڑ دیتے ہیں (اور اس کے بندوں کو رب بنالیتے ہیں)، اور اللہ تعالیٰ نے جن کو جوڑنے کا حکم دیا ہے ان کو توڑتے ہیں اور زمین میں کفر و شرک کا فساد پھیلاتے ہیں۔ ہر کھلی آنکھ دیکھ سکتی ہے کہ کون ان آیات کا مصداق ہے۔ یہ پیشہ ور مولوی اور ان کی ممدوح جماعت یہی کام کرتی ہے۔ یہ بستی بستی گھوم کر کفر و شرک سے بھری کتاب تبلیغی نصاب پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں، اپنے بیانون میں قبر نبوی (ﷺ کی جوتی تک) کو کعبے اور عرش و کرسی سے بھی افضل بتا کر اللہ کی توہین کرتے ہیں، تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعائیں کر کے سنت رسول ﷺ کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ تفصیل کا یہاں موقع نہیں ورنہ بتایا جاتا کہ یہ دین فروش اور ان کے اسلاف ہی اس آیت کا مصداق ہیں اور الٹا ہم پر اس آیت کو چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ ہمارا تو مشن ہی گمراہی کی بیخ کنی کرنا ہے، فالحمد لله علی ذالک۔ بڑے ہی دیدہ دلیر ہیں یہ لوگ!

قرآن وہ کتاب ہے جو زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیتا ہے جیسا کہ صحابہ کرام ﷺ کی زندگیوں میں کیا تھا۔ شرط صرف یہ ہے کہ اس پر خلوص نیت سے عمل کیا جائے۔ اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے عروج و علو ملتا ہے جیسا کہ صحابہ ﷺ کو ملا تھا۔ اس حدیث میں نبی ﷺ نے یہی بات بیان کی ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ الْآخَرِينَ
 ”اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بعض قوموں کو رفعت و بلندی عطا فرماتا ہے اور دوسروں کو
 پست کر دیتا ہے۔“ (۱)

لیکن ان لوگوں کو قرآن و حدیث کی بات بتاؤ تو یہ امام ابو حنیفہ کی تقلید کرنے پر الحمد للہ کہتے ہیں، حالانکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہ عقائد نہیں تھے جو ان لوگوں نے اپنائے ہوئے ہیں اور نہ امام ابو حنیفہ نے اپنی اندھی تقلید کرنا سکھایا چنانچہ اُن کے شاگردوں نے بھی بسا اوقات ان کی رائے سے اختلاف کیا۔ وہ کفر و شرک سے بیزار تھے جبکہ یہ تو کفر و شرک پر ہی مر مٹے ہیں۔ ہم انہیں قرآن کی طرف بلاتے ہیں تو ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ ایک انجکشن لگانے والے کے مقلد ہو حالانکہ ہم نے کبھی قرآن و حدیث کے علاوہ کسی اور کی دعوت ہی نہیں دی؛ ہمیں کسی کی تقلید کی قطعاً ضرورت نہیں، ہمارے لیے کتاب اللہ کی ہدایت اور اتباع سنت رسول ﷺ ہی کافی ہے، اور ہم قرآن و حدیث کی پیروی کو ہی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں، ہم کسی کے مقلد نہیں بلکہ ہم تو تقلید کے شدید مخالف ہیں اور صرف اور صرف اتباع رسول ﷺ ہی کو کافی سمجھتے ہیں اور اس کے ثبوت کے لیے ہماری کتابیں اور تقاریر کافی ہیں جن میں نہ کسی کا قول ملے گا اور نہ ملفوظات و مکتوبات کے اقتباسات اور ہمارے دلائل صرف اور صرف قرآن و صحیح احادیث پر ہی مبنی ہوتے ہیں: **إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ** **أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ** (سورۃ ق: ۷۷-۷۸)۔^{۸۸} اب رہی ان تقلید کے مارے اندھوں کی یہ ہر نہ سرائی کہ ایک انجکشن لگانے والے کی تقلید کرتے ہو تو یہ محض ان کے حبش باطن اور بغض و کینے کا اظہار ہے ورنہ یہ خوب جانتے ہیں کہ یہ صرف ایک انجکشن لگانے والا ڈاکٹر نہیں تھا بلکہ ان کے اپنے مفتی نے اسے علوم دینیہ کی سند الفراغ دی تھی! ہم ان کو دعوتِ فکر دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ذرا غور کر لو کہ یہ تمہارے اپنے ہی مدرسوں سے پڑھا ہوا وہ سند یافتہ عالم دین تھا جس نے تمہاری طرح دین کو پیشہ نہیں بنایا، نمازیں نہیں بیچیں، تعویذ لکھ لکھ کر، نامحرموں پر دم کی پھونکنیں مار مار کر اس کا ”نذرانہ“ نہیں وصول کیا، نکاح پڑھانے کی فیس نہیں لی، دین کی کمائی نہیں کھائی بلکہ قرآن و حدیث کے دلائل سے ان باتوں کو ناجائز ثابت کیا؛ جس کی تحریروں کا یہ مولویان و مفتیان آج تک جواب نہیں دے سکے۔

^{۸۸} ”بیشک اس میں ہر صاحب دل کے لیے عبرت ہے اور اس کے لیے جو دل سے متوجہ ہو کر کان لگائے اور وہ

حاضر بھی ہو“ (سورۃ ق: ۷۷-۷۸)

تم لوگ کہتے ہو کہ سوادِ اعظم کی پیروی کرو تو سوادِ اعظم تو اس ملک میں جہلا کا گروہ ہے۔ بریلوی فرقہ ہی اکثریت میں نظر آتا ہے جن کو تم خود بدعتی بدعتی کہتے پھرتے ہو۔ کیا ان کے کفر و شرک و بدعت سے بھرے عقائد و اعمال کی اتباع کی دعوت دیتے ہو؟ ارے نادانو! اللہ سے ڈرو اور قرآن و حدیث کی اتباع کی دعوت دو کہ اسی میں نجات و فلاح ہے۔ اور ذرا کان کھول کر سنو کہ تمہارے مروجہ سوادِ اعظم کی شان قرآن یہ بتاتا ہے کہ:

وَمَا يَؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ (یوسف: ۱۰۶)

”اور ان میں اکثر اللہ پر ایمان رکھتے ہیں مگر ساتھ ہی شرک بھی کرتے ہیں۔“

اور پھر نبی ﷺ کو اکثریت کی اتباع سے منع کر دیا گیا:

وَأَنْ تَطْعَمَ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (الانعام: ۱۱۶)

”اور اگر تم نے زمین کے اکثر لوگوں کی بات مان لی تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔“

یہ مولوی صاحب فخر یہ بتاتے ہیں کہ تبلیغی جماعت نے کروڑوں کی زندگی بدل دی۔ ہم کہتے ہیں کہ ذرا الفاظ درست کر دیں۔ یوں کہیں کہ تبلیغی جماعت نے کروڑوں کا ”دین“ بدل دیا۔ جب تک ایک آدمی ”دیوبندی تبلیغی“ نہیں بنا تھا وہ اللہ کے رسول ﷺ کو جنت الفردوس میں ہی زندہ مانتا تھا۔ جب اس نے تبلیغی جماعت میں ”چلہ“ لگا لیا تو مدینے کی قبر میں آپ ﷺ کو سلام سننے، ہاتھ ملانے والا ماننے لگا کہ اسی بات کی اسے تعلیم دی گئی۔ جب تک سہ روزہ نہ لگایا تھا، اللہ کے عرش و کرسی اور کعبے کی عزت و فضیلت اس کی نگاہ میں تھی لیکن جیسے ہی تبلیغیوں کے چھ نمبر کہنے لگا اور دیوبندیوں کی تقلید اعمیٰ اور ذہنی غلامی کا طوق پہن لیا تو مدینے کی قبر نبوی کو بلکہ نبی ﷺ کی جوتی تک کو کعبے، عرش و کرسی سے افضل کہنے لگا! غرض اس دیوبندی تبلیغی جماعت میں آکر اس کا دین بگڑ گیا۔ داڑھی رکھنا، شلوار ٹخنوں سے اونچی کرنا، صوم و صلوة کی پابندی کرنا، بیشک اچھی باتیں ہیں لیکن عقیدے کی خرابی ان سب اچھائیوں کو ختم کر دیتی ہے۔ کوئی گیارہویں کرنے والا، قبریں پوجنے والا تبلیغی جماعت میں شامل ہو تو اپنے اسی عقیدے پر مر جاتا ہے کیونکہ شرک کے خلاف زبان کھولنا ان کے یہاں ممنوع ہے! ان کے عقائد شرک سے آلودہ ہیں اور کتابیں ایسے واقعات سے بھری

پڑی ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ نبی اور ولی قبر میں زندہ ہیں، باہر آکر لوگوں کی مدد کرتے ہیں، مشکلات دور کرتے ہیں..... تبلیغی جماعت میں کوئی صحیح العقیدہ تو شامل ہی نہ ہو گا اور اگر شومی قسمت شامل ہو جائے تو پھر اس کا عقیدہ قرآن و حدیث کے مطابق نہیں رہ سکتا بلکہ دیوبندی کتابوں میں بیان کیا گیا کفریہ و شرکیہ عقیدہ ہی اس کا عقیدہ بن جاتا ہے۔ لیکن ستم ظریفی دیکھیے کہ یہ مولوی صاحب الٹا ہمارے لیے کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے توحید کو شرک اور شرک کو توحید کر دیا ہے! اللہ انہیں ہوش گوش عطا کرے اور دوسروں کو ان کے شر سے بچائے کہ اپنے احبار و رہبان کی اندھی عقیدت و محبت میں حد سے باہر ہو کر بالکل الٹی باتیں کر رہے ہیں۔ قارئین غور کریں کہ ہم نے کہاں اور کون سے شرک کو توحید بنایا ہے؟

لوگوں کو یہ دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کسی سے نہ مانگو، وہی تمہارا اکیلا الہ ہے، وہی اکیلا داتا، دستگیر، غوث، مشکل کشا، فریادرس، جھولیاں بھرنے والا، بگڑی بنانے والا ہے، کیا یہ سب شرک ہے؟

کیا فوت شدہ لوگوں کو مدد کے لیے پکارنے سے منع کرنا شرک ہے؟

یا اللہ مدد پکارنا شرک ہے؟

تعویذ گنڈے، کڑے چھلے، نقش و نگینے کو بحکم نبی ﷺ ناجائز کہنا شرک ہے؟

قبروں کو پکانے اور ان پر کوئی مزار و مقبرہ تعمیر کرنے سے بحکم رسول ﷺ منع کرنا شرک ہے؟

کیا کتاب اللہ کے مطابق عقیدہ رکھنا کہ قیامت سے پہلے روح جسدِ غصری میں نہیں آئے گی، شرک ہے؟

قرآن و حدیث کی رو سے انبیاء و شہداء کو دنیاوی قبروں کے بجائے جنت کے اعلیٰ مقامات میں زندہ ماننا شرک ہے؟

بتاؤ یہ باتیں شرک ہیں یا وہ جو تمہارے اسلاف کی کتابوں میں لکھی ہیں؟

بتاؤ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کہنا شرک ہے یا تمہارے ”عثمانی“ صاحب کی تفسیر عثمانی کے مطابق یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کے کسی نیک بندے سے غیر مستقل سمجھتے ہوئے مدد مانگنا جائز ہے؟

اب ہم مولوی موصوف سے پوچھنا چاہیں گے کہ کیا ان کے نزدیک لوگوں کو الہ واحد کی بندی کی دعوت دینا اور شرک سے باز رہنے کی تلقین کرنا شرک ہے؟ مولوی صاحب درحقیقت آپ کے دوسرے الزام کی طرح یہ الزام بھی خود آپ پر ہی صادق آتا ہے کہ آپ لوگوں نے ہی توحید کو شرک اور شرک کو توحید کر دیا ہے۔ اور دعویٰ کرتے ہیں کہ توحید سیکھنے کے لیے علماء دیوبند کی جو تیاں سیدھی کریں! جیسی توحید آپ کے یہ علماء دیوبند بیان کرتے ہیں وہ آپ ہی کو مبارک ہو۔ ہمارے لیے ہمارے رب کی کتاب توحید قرآن مجید اور نبی ﷺ کی سنت ہی کافی ہے۔ آپ کے علمائے دیوبند تو

- ﴿ نبی ﷺ کو جو کبھی صحابہ کرام ﷺ کے پاس تو وفات کے بعد نہ آ سکے، دیوبند کے مدرسے کے آڈٹ کے لیے جنت سے بلاتے ہیں،
- ﴿ شاہ ولی اللہ کے بچوں کی کفالت کی ذمہ داری لینے کے لیے بلاتے ہیں،
- ﴿ ان کے والد کی خیریت معلوم کرنے کے لیے بلاتے ہیں،
- ﴿ ان کی قرأت سننے کے لیے بلاتے ہیں،
- ﴿ امداد اللہ صاحب کے مہمانوں کا کھانا پکانے کے لیے ان کی بھانج کے گھر بلاتے ہیں،
- ﴿ یوسف بنوری کے باپ کی خدمت اور تیمارداری کے لیے بلاتے ہیں،
- ﴿ زکریا کا ندھلوی کے لیے بیماری سے شفایابی دعا کرانے کے لیے بلاتے ہیں،
- ﴿ خلیل سہارنپوری کا جنازہ پڑھانے کے لیے بلاتے ہیں،
- ﴿ اپنے مردہ بزرگوں کو آپس کے اختلاف دور کرانے کے لیے بلاتے ہیں،
- ﴿ اپنی وفات کے سات سو سال بعد چشتی پیر کو حاجی مرید کی دستگیری کے لیے مکے میں لے آتے ہیں،
- ﴿ وفات کے بیسیوں سال بعد اپنے شاگرد کے شاگرد کی مخالف مولوی سے مناظرے میں مدد کرنے کے لیے بلاتے ہیں،
- ﴿ تمہارے ”حکیم الامت“ کے دادا صاحب ڈاکوؤں کی گولی سے ہلاک ہو کر رات کو مٹھائی کا ٹوکرا گھر والوں کے پاس لیے چلے آتے ہیں،

ایسے ہی ڈاکوؤں کے مارے دوسرے ”بزرگ“ کو بیمار بیٹی سے ملانے اور اس کی تکلیف دور ہونے کی خوشخبری یعنی موت کی خبر دینے کے لیے بلاتے ہیں..... اور اللہ کی کتاب توحید کی متعدد آیات کا کھلا انکار کر دیتے ہیں۔

آپ کیا ایسی توحید سکھانا چاہتے ہیں؟ آپ ہی سیکھیں یہ ”توحید“ اور آپ ہی ان کی جوتیاں سیدھی کرتے رہیں لیکن یاد رکھیں کہ پھر آخرت میں اپنے ہی ہاتھوں کو اپنے دانتوں سے کاٹتے ہوئے یہ کہنا پڑے گا کہ

يَلِيَّتِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿١٤﴾ يُونِثِي لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ
فَلَانًا حَلِيلًا ﴿١٥﴾ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ﴿١٦﴾ (الفرقان: ۱۴-۱۶)
”اے کاش میں نے پیغمبر کے ساتھ راستہ اختیار کیا ہوتا۔ اے کاش کہ میں نے فلاں کو اپنا ساتھی نہ بنایا ہوتا۔ بے شک اس نے تو مجھے نصیحت آجانے کے بعد گمراہ کر دیا۔“

يَلِيَّتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَ ﴿٢١﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا
سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلًا ﴿٢٢﴾ رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ
الْعَذَابِ وَالْعَنُفُومُ لَعْنًا كَبِيرًا ﴿٢٣﴾ (الاحزاب: ۲۱-۲۳)

”اے کاش ہم اللہ کی فرمانبرداری کرتے اور (اس کے) رسول کی اطاعت کرتے! اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور اکابر کی اطاعت کی تو انہوں نے ہم کو راستے سے گمراہ کر دیا، اے ہمارے رب! ان کو دو گنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت کر۔“

رَبَّنَا آرِنَا الَّذِينَ أَضَلُّنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا
لِيَكُونُوا مِنَ الْأَسْفَلِينَ ﴿٢٤﴾ (حم سجدہ: ۲۹)

”اے ہمارے رب! جنوں اور انسانوں میں سے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا ان کو ہمیں دکھا دے کہ ہم ان کو اپنے پیروں تلے (روند) ڈالیں تاکہ وہ نہایت ذلیل ہوں۔“

ہوش گوش رکھنے والوں کے لیے تو ان آیات میں سبق آموز نصیحت و عبرت ہے۔

یہ بات غور طلب ہے کہ ان مولوی صاحب نے اپنا تعارف اپنے متذکرہ کتابچے کے پانچویں ورق پر خود کرا دیا کہ وہ ایک ”احقر، جاہل، اجہل اور مجہول“ آدمی ہیں۔ یہ تو بطور

انکساری کہا ہی جاتا ہے لیکن کتابچے کے مندرجات ثابت کرتے ہیں کہ یہ ازراہ انکسار و تواضع نہیں بلکہ پورے کتابچے میں انہوں نے یہی ایک صحیح بات کہدی ہے! اب بھلا ایسے بقول خود ”جاہل، اجہل اور مجہول“ شخص کی ہذیانی ہفوات کا کیا جواب دیا جائے کہ

صَّ جَوَابُ جَاهِلًا بِأَشَدِّ خُمُوشِي

اس کتابچے کا جواب دینے کے بارے میں رائے یہی تھی کہ اس ہذیان کا جواب نہ دیا جائے کیونکہ ہمارے پاس تو اس سے زیادہ اہم کام ہیں جن میں وقت صرف کرنا زیادہ بہتر و مفید ہے اور اس قسم کے شور و غوغا سے دعوت حق پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور ان سے نمٹنے کے لیے ہمارا رب ہی کافی ہے:

فَلَنَذْنِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَشْوَأَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٨٤﴾ ذَٰلِكَ جَزَاءُ أَعْدَاءِ اللَّهِ النَّارُ ۖ لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ ۖ جَزَاءُ ۖ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿٢٨٥﴾ (حم سجدہ: ۲۸۴، ۲۸۵)

”سو ہم بھی کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اور ان کے برے اعمال کی جو وہ کرتے تھے، سزا دیں گے۔ اللہ کے دشمنوں کا بدلہ یہ آگ ہے، جس میں ان کا ہمیشہ ٹھکانہ ہوگا۔ یہ ہماری آیتوں کے ساتھ جھگڑنے کی سزا ہے۔“

لیکن ان مولوی صاحب کے چیلے ہمارے ساتھیوں سے تمسخر کرتے اور اپنے گرو کے چودرتی کتابچے کے جواب کا اصرار کرتے۔ اپنے ساتھیوں کی وضاحت کے لیے اسلام یا مسلک پرستی کے چوتھے ایڈیشن میں کچھ تبدیلی کی گئی تو ان مولوی صاحب اور ان کے حاشیہ نشینوں کی معاندانہ سرگرمیوں میں بھی اضافہ ہو گیا جس پر ساتھیوں کا بھی مطالبہ ہوا کہ اس کتابچے کا جواب نہ سہی، کم از کم مسئلے کی وضاحت تو کر دی جائے۔ اس لیے بطور وضاحت یہ تحریر سپرد قلم کی گئی ہے۔

کیاڑی کے ان مولوی صاحب کی ہفوات کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

”اسلام یا مسلک پرستی نامی کتاب عثمانی فرقے کی طرف سے شائع کی گئی ہے۔“

اس جملے کے خط کشیدہ الفاظ مولوی موصوف کی بد باطنی کا کھلا اظہار ہیں۔ ان پیشہ ور مولوی صاحب اور بقول خود ”جاہل، اجہل، مجہول“ نے یہ نہ سوچا کہ یہ لفظ ”عثمانی“ کیا ہے؟ اس

ترکیب میں جس سے یہ اس قدر متنفر ہیں، کس سے نسبت ہے؟ یہ ”نعمانی“ کی طرح کوئی تقلیدی یا علاقائی نسبت نہیں جو یہ مسلک پرست اپنے نام کے ساتھ لگاتے ہیں (اور موصوف نے بھی لگا رکھی ہے) بلکہ یہ نسبی تعلق ہے۔ صحابی رسول ﷺ عثمان بن عفان ؓ کی اولاد اپنے اس نسبی تعلق کو ”عثمانی“ کے لاحقے سے ظاہر کرتی ہے* جس طرح ابو بکر صدیق ؓ، عمر فاروق ؓ اور علی مرتضیٰ ؓ کی اولاد بالترتیب ”صدیقی“، ”فاروقی“ اور ”علوی“ کی نسبتیں استعمال کرتی ہے۔ کیا صحابہ کرام ؓ کی اولاد کوئی فرقہ ہے؟ صحابہ کرام ؓ تو وہ ہستیاں تھے کہ جن کے ایمان کو رہتی دنیا تک کے لیے نمونہ و مثال بنایا گیا (البقرہ: ۳۶)۔ ان کے طریقے کو ہی نبی ﷺ نے بتایا کہ وہ نجات یافتہ ہے اور باقی جہنمی* اب ان کے طریقے میں جو لوگ تفریق کریں، فرق ڈالیں تو وہی لوگ ایک فرقہ ہیں جنہیں زبان نبوت نے جہنمی قرار دیا ورنہ جو لوگ صحابہ کرام ؓ کے طریقے پر سختی سے عمل پیرا ہوں وہ لوگ ہرگز فرقہ نہیں، وہ لوگ تو حقیقی ”اہلسنت والجماعت“ اور ناجی ہیں۔ اور الحمد للہ ہم اللہ کے فضل و کرم سے اسی جماعت مومنین و ناجیین میں شامل ہیں اور ہرگز کوئی فرقہ نہیں اور نہ ہی ہم اپنی جماعت کے ساتھ ایسا کوئی لیبیل لگاتے ہیں جبکہ یہ تمام فرقے و مسالک صحابہ کرام ؓ کے طریقے میں فرق ڈالنے کی وجہ سے فرقے ہیں اور ناری جہنمی ہیں۔ ثبوت یہ ہے کہ

نبی ﷺ و شہداء کو جنت الفردوس میں زندہ ماننا ڈاکٹر عثمانی صاحب کا اپنا کوئی خود ساختہ و مخترعہ عقیدہ تو نہ تھا، یہ تو صحابہ کرام ؓ کا عقیدہ تھا۔ جو لوگ اس پر یقین رکھیں (اور ہم الحمد للہ اسی پر ایمان رکھتے ہیں)، وہ لوگ صحابہ کرام ؓ کی جماعت میں شامل ہو کر ناجی ہیں اور جو اس کے خلاف عقیدہ رکھیں (جیسا کہ یہ مسلک پرست رکھتے ہیں)، وہ امت سے کٹ کر فرقہ بن کر جہنمیوں میں شامل ہو جاتے ہیں؛

اسی طرح اللہ تعالیٰ سے براہ راست دعا کرنے، تمام اعمال کا اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونے، قبروں سے فیض نہ پہنچنے، مردوں کو ایصالِ ثواب نہ ہونے، تعویذ گنڈوں کو شرک سمجھنے،

★ عظیم الشان سلطنت عثمانیہ کے بانی ترک فرمانروا غازی عثمان خان کی نسبت سے بھی عثمانی خاندان مشہور ہوا۔

(تاریخ ترکان عثمان: صفحہ ۲۸)

* سنن ابی داؤد: جلد ۲، کتاب السنۃ، باب ۳۸۷، فی شرح السنۃ، صفحہ ۸

اللہ کے سوا دوسروں سے غائبانہ مدد نہ مانگئے، اللہ اور اس کے رسول کو بیداری و خواب میں نہ دیکھ سکے، قبروں کو کپار کھنے، ان پر کوئی عمارت تعمیر نہ کرنے، دین کو پیشہ بنانے کے بجائے محنت مزدوری کر کے معاش کمانے کے عقائد و اعمال کوئی ڈاکٹر عثمانی صاحب نے تو ایجاد نہیں کیے کہ ان کو ”اپنا مذہب“ قرار دیا جائے اور انہیں اپنانے والوں کو ”عثمانی فرقہ“ کہا جائے۔ یہ سب تو صحابہ کرام ؓ کے عقائد و اعمال تھے بلکہ اس سے بڑھ کر قرآن میں اللہ تعالیٰ کے فرمودہ اور حدیث میں رسول ﷺ کے بیان کردہ ہیں۔

آنکھ کھول کر دیکھ لو اور کان کھول کر سن لو کہ یہ فرقہ نہیں بلکہ عین اسلام ہے اور یہی اصل دین ہے اور اس کو اپنانے والوں کی جماعت ہی اِعتِصَامُ بِحَبْلِ اللہ کرنے والی مسلم جماعت ہے۔ باقی ان کے برعکس عقائد و اعمال دین میں تفرقہ ہیں اور مستوجب جہنم ہیں۔

مولوی صاحب کا کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ کے متعلق یہ کہنا کہ

”یہ کتاب دجل، فراڈ، تلبیسات، تحریفات کا اعلیٰ شاہکار ہے“

یہ ایسا اتہام ہے جو خود ان پر پوری طرح چسپاں ہو رہا ہے۔ جن باتوں کا اس جملے میں الزام لگایا گیا ہے اس کو استعمال کرنے والوں میں ہی وہ سب باتیں پائی جاتی ہیں۔ یا تو مولوی صاحب نے کہیں سے دیکھ کر یہ الفاظ لکھ دیئے ہیں اور وہ ان کے معانی سے ناواقف ہیں جیسا کہ انہوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ وہ ایک ”جاہل، اجہل اور مجھول“ آدمی ہیں یا پھر انہوں نے اپنے باطل دیوبندی دین کی قلعی اترتے دیکھ کر غیض و غضب میں اپنے دل کے پھپھو لے پھوڑے ہیں۔ سن لیجیے کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ میں کوئی ”دجل، فراڈ، تلبیس و تحریف“ نہیں کی گئی اور بحمد استطاعت التزام صحت کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ تاہم کہیں کوئی سہو ہو گیا ہو تو یہ عین بشریت ہے۔ اس سے مبرا ہونے کا دعویٰ بھلا کون کر سکتا ہے۔ البتہ وہ بات ہر گز نہیں جس کی مولوی صاحب نے مغالطہ آرائی کی ہے۔ اس بات کی نشاندہی ضروری ہے کہ مولوی موصوف کی ساری کی ساری الزام تراشی بے بنیاد ہے، ان کا یہ کہنا کہ کتاب

”اسلام یا مسلک پرستی“ میں ”تابش مہدی، خواجہ قاسم اور ارشد قادری وغیرہ کی کتابوں سے مواد چوری کر کے اپنے الفاظ میں ملمع سازی کے ساتھ ترتیب دیا گیا ہے“

صریح الزام، قبیح بہتان اور شیخ جھوٹ ہے۔ ہاں تابش مہدی کی کتاب سے زکریا کاندھلوی صاحب کی ایک عربی عبارت کا ترجمہ ضرور نقل کیا گیا ہے (دوسرے ایڈیشن کا صفحہ ۱۴۱ اور تیسرے ایڈیشن کا صفحہ ۱۴۲) لیکن علمی ضابطہ اخلاق کے مطابق پوری دیانت کے ساتھ مصنف اور کتاب کا نام اور صفحے کا نمبر بھی دیا گیا ہے۔ پہلے ایڈیشن کے صفحہ ۸۹ پر اس عبارت کا ترجمہ ہم نے خود کیا تھا۔ بعد کے ایڈیشنز میں ان کے اپنے ہی ایک دیوبندی ہم مسلک کی کتاب کا اقتباس بمعہ حوالہ پیش کر دیا تاکہ یہ احساس دلایا جاسکے کہ تمہارے اپنے کچھ لوگ بھی اس کے باطل ہونے کا احساس و شعور رکھتے ہیں اس لیے عبرت پکڑو! پہلے ایڈیشن کے صفحہ ۳۳ پر ارشد قادری صاحب کا ذکر ضرور کیا گیا تھا لیکن جن الفاظ میں یہ ذکر کیا گیا وہ مولوی صاحب کی بہتان طرازی کا پردہ چاک کر دینے کے لیے کافی ہیں۔ لکھا گیا تھا کہ

”دیوبندیوں کے کفریہ و شرکیہ عقائد و اعمال کا یہ ایک مختصر سا جائزہ تھا جو میں نے حتی المقدور نظر قارئین کیا ہے۔ ان کے کفر و شرک سے مزید آگہی حاصل کرنے کے لیے ارشد صاحب قادری بریلوی کی ”زلزلہ“ نامی کتاب کا مطالعہ کیا جائے جسے پڑھ کر مجھے یقین ہے کہ ان کے ایوانوں میں زلزلہ آجائے گا اور ان کی نام نہاد توحید پرستی کا بت ڈھیر ہو جائے گا ورنہ وراثیں تو پڑ ہی جائیں گی۔ اس کتاب کا کوئی حوالہ اس کتابچے میں شامل نہیں کیا گیا۔ نہ ہی کوئی مدد ملی گئی۔“

لیکن اس عبارت کو قدرے سخت اور کسی قدر غیر ضروری سمجھتے ہوئے بعد کے ایڈیشنز سے نکال دیا گیا اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم نے کتاب کے اسلوب کو مہذب، نرم، شائستہ اور ناصحانہ بنانے کی پوری کوشش کی ہے اور مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ

”..... اس پمفلٹ میں اگر کوئی لفظ ناگوار لگے تو سمجھ لیں کہ یہ اسلام یا مسلک پرستی کے ناروا اور گھٹیا انداز کا ہلکارو عمل ہے“

محض ملمع سازی اور افتراء پر دازی ہے۔ مولوی صاحب کے چودرتی اشتہار اور کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ کے دو سو چالیس صفحات کا مطالعہ یہ واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ ”ناروا اور

گھٹیا انداز“ کس کا ہے۔ ہم بھی زبان و قلم رکھتے ہیں اور اللہ نے اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی صلاحیت بھی عطا کی ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے مولوی صاحب کی ہدایانی ہفوات کا ایسے انداز میں جواب دے سکتے ہیں کہ اسے پڑھ کر مولوی صاحب کو ہتھیے لگ جائیں اور حواس باختہ ہو جائیں، لیکن جامے سے باہر ہو جانے والے کے مقابلے میں جامے سے باہر ہونا دانشمندی نہیں۔ گالیوں کا جواب گالیوں سے دینا مومنوں کو زیبائیں کیونکہ انہیں تو حکم ہے کہ

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (حم سجدہ: ۳۴)

”اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی۔ تو (سخت کلامی کا) ایسے طریق سے جواب دو جو بہت اچھا ہو۔“

ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةُ (المومنون: ۹۶)

”اور بری بات کے جواب میں ایسی بات کہو جو نہایت اچھی ہو۔“

مولوی صاحب دوسرے ورق کی ابتداء ان الفاظ سے کرتے ہیں:

”ڈاکٹر عثمانی اور دیگر باطل گمراہ فرقے اربوں روپے خرچ کر کے بھی اپنے مذہب کو پھیلانے میں تقریباً ناکام و نامراد ہو کر اویٹھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں۔ اور اب ان کا واحد بنیادی مقصد عوام الناس کے ذہنوں میں علماء حق کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کر کے گمراہ کرنا رہ گیا ہے، جس کے لیے اب یہ لوگ کثرت کے ساتھ دجل، تلبیس، تحریف اور بددیانتی کا سہارا لینے لگے ہیں۔ جھوٹ اور بہتان تو ان کا خاص مذہبی اصول بن گیا ہے جو کہ ان کے قلم اور زبان سے بے ساختہ جاری رہتا ہے.....“

مسکلی عناد میں ڈوبی یہ تحریر خود محرر کے کردار و عمل کی غمازی کرتی ہے۔ ان الزامات سے تو خود یہی دین فروش مولوی اور ان کے ہم مشرب آلودہ ہیں۔ الحمد للہ ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھی ان الزامات سے بری ہیں۔ اعلاء کلمۃ الحق کے لیے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا مال خرچ کرنا تو مومن کے اوصافِ اولین میں شامل ہے۔ یہ حکم ربی ہے اور عین تقاضائے ایمانی۔ اور الحمد للہ اس حکم ربی کی تعمیل میں کلمۃ الحق کی اشاعت کے لیے حسب توفیق ہم اللہ کی راہ میں محنت سے کمایا ہوا حلال و طیب مال خرچ کرتے رہتے ہیں۔ یہ ایسی چیز نہیں جس پر طعن و تشنیع کی جائے۔ یہ تو بڑی فضیلت کی چیز ہے اور اللہ کی توفیق سے ہے: يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ

ہم ”اپنے مذہب کو پھیلانے میں تقریباً ناکام و نامراد“ ہرگز نہیں۔ نہ ہی یہ ہمارا اپنا کوئی مذہب ہے۔ یہ تو اللہ کا دین ہے جس کے لیے دامن، درمے، قدمے، سخیے کوشش کرنا ہم مومنین پر لازم ہے۔ اور ہم اپنی اس سعی و جہد میں الحمد للہ روزافزون کامیابی کی طرف گامزن ہیں۔ کیاڑی کے ساحل سے اٹھنے والی یہ دعوت نہ صرف ملک کے طول و عرض میں پھیل چکی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملک سے باہر بھی پہنچ گئی ہے۔ کیاڑی کی ایک مسجد کی دعوت اب اندرون و بیرون ملک سینکڑوں مساجد و مراکز میں پھیل چکی ہے۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کے دین کو پھیلانے میں ہماری کسی قدر کامیابی کی نشانیاں ہیں۔ یہ کوئی ڈاکٹر عثمانی کا دین تو نہیں، اور یہ دعوت کوئی مفروضہ، مختصرہ و موضوعہ دعوت تو نہیں جو محض بزرگوں کے اقوال اور قبر پرست صوفیوں کی من گھڑت و جھوٹی حکایات پر مشتمل ہو، بلکہ یہ تو قرآن و حدیث کی پکار ہے جو ان شاء اللہ ختم نہیں ہو سکتی۔ اللہ کا دین تو غالب ہو کر رہے گا۔ ولو کرہ المشرکون، ولو کرہ الکفرہون!

اور مولوی صاحب اگر آپ کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے (شاید نہیں ہے ورنہ وہ ایسا بدست بہتان نہ لگاتے) تو لہجہ بتائیے:

﴿قرآن کی آیتیں پڑھ کر سنانا،

﴿لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلانا،

﴿فرمانِ رسول ﷺ بیان کرنا،

﴿الہ واحد کی بندگی کی دعوت دینا،

﴿کفر و شرک اور اکابر پرستی سے باز رہنے اور بدعات و ضلالت سے بچنے کی تلقین کرنا کیا ”اوجھے جھکٹے“ ہیں؟ یہ تو وہ حکم ہے جو ہمارے رب اور اسکے رسول ﷺ نے دیا:

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ (ق: ۲۵) ”پس قرآن کے ذریعے نصیحت کرتے رہو۔“

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً ”لوگوں کو میری طرف سے تبلیغ کرو، خواہ ایک آیت ہی ہو۔“ (۱)

اور ہماری کیا مجال کہ ہم اولیاء اللہ کی شان میں ذرا بھی گستاخی کر کے اللہ کے غضب کو بھڑکائیں یا علماء حق کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کر کے عوام الناس کو گمراہ کریں۔ علماء حق تو اللہ کے اولیاء ہیں* اور اولیاء کی شان میں ارشاد الہی ہے کہ

مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتَهُ بِأَنْحَزِبَ

”جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی، میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔“ (۱)

اللہ کے کسی ولی کی شان میں زبان دراز کر کے اللہ سے (نعوذ باللہ) جنگ کرنے کا ہم میں یارا نہیں۔ ہم تو صرف ان خرابیوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو دین میں داخل کر دی گئی ہیں جن کے موجودہ مبلغین خواہ کتنی ہی بڑی سندوں کے حامل اور نامور مدرسوں کے استاذ ہوں، یہ لوگ ہرگز علماء حق نہیں ہو سکتے کیونکہ علماء کی شان تو اللہ نے اس طرح بیان فرمائی ہے کہ :

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر: ۲۸)

یعنی اللہ سے تو اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔ علماء تو اللہ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں۔ جو لوگ کفر و شرک کے داعی ہوں، اللہ کے دین کی خدمت کے بجائے اسے ذریعہ معاش بنالیں، اس کی شکل بگاڑ دیں تو وہ ہرگز علماء حق نہیں۔ کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ میں ایسے ہی نام نہاد علماء کے کارہائے سیاہ کو ان کی اپنی کتابوں کے اقتباسات پر بنی دلائل اور ثبوت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جس میں کسی ”دجل، تلبیس، تحریف اور بددیانتی کا سہارا“ نہیں لیا گیا۔ یہ تو وہ کام ہیں جو مولوی موصوف جیسے دین فروشوں کو بھی زیب دیتے ہیں جو آج اس مسجد کے منبر پر زورِ خطابت دکھا رہے ہوتے ہیں تو زیادہ معاوضے پر کل کسی اور مسجد میں۔ اور ”جھوٹ اور بہتان“ سے مومنین کو کیا واسطہ کیونکہ وہ جانتے

★ اور یاد رکھیں کہ اللہ کے ولی تو ایمان والے متقی و پرہیزگار لوگ ہوتے ہیں (سورۃ یونس: ۳۶) نہ کہ دین فروش،

فرقہ پرست مولوی اور ان کے شرک پھیلانے والے اکابرین!

(۱) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الرقاق، باب ۲۳۸، التواضع، صفحہ ۴۹۵

ہیں کہ ان کے کرنے والے پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ یہ تو ان مال کے بھوکے مولویوں اور پیروں کا ہی خاصہ ہے جس سے وہ برسر منبر بھی کام لیتے رہتے ہیں اور ذرا نہیں چوکتے۔ اور ہمارے لیے یہ کہنے سے پہلے کہ ”جھوٹ اور بہتان تو ان کا خاص مذہبی اصول بن گیا ہے جو کہ ان کے قلم اور زبان سے بے ساختہ جاری رہتا ہے“ مولوی صاحب ذرا اپنے گریبان میں تو منہ ڈال کر دیکھ لیں۔ یہ تو وہ شناختی علامات ہیں جو آپ کے اسلاف صوفیوں کی پہچان رہی ہیں جن کی طرف مقدمہ صحیح مسلم میں امام مسلم نے نشاندہی کی ہے۔

کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ میں بیان کردہ دین اسلام میں داخل کردہ مسلک پرستوں کی خرابیوں میں سے ایک بات کا کچھ عجیب ہی انداز میں مولوی صاحب نے جواب دیا ہے اور باقی کا جواب دینے کا عزم ظاہر کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ

”اگر اس ایک اعتراض کی صحیح حقیقت جان لیں گے تو باقی اعتراضات کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔“

مولوی صاحب نے کیا خوب کہا ہے۔ یہ کہہ کر تو جناب نے خود اپنی ہی شناخت کرادی کہ آئندہ لکھی جانے والی تحریر بھی ان کے اس چودرتی اشتہار کے انداز و اسلوب ہی کی ہوگی بلکہ شاید اس سے بھی کچھ بڑھ کر! فاتقوا اللہ، یہدیکم اللہ

اعتراض کا جواب دینے سے پہلے مولوی صاحب نے سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ کی آیتیں پیش کی ہیں۔ بیان کردہ تینوں آیات میں یہود کے اس مذموم فعل کی نشاندہی کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں اور اس کے احکامات صحیح طور پر بیان نہیں کرتے بلکہ ایک آیت کو اس کے موقع و محل سے پھیر کر دوسرے موقع پر فٹ کر دیتے ہیں جہاں اس کا محل نہیں ہوتا۔ یہ آیات بیان کر کے مولوی صاحب نے قارئین کو انہیں بار بار پڑھنے اور ان کا مفہوم ذہن میں رکھ کر ”فضائل اعمال پر اعتراض اور الزام کی حقیقت“ جاننے کی تاکید کی ہے۔ یہ آیتیں تمہید کے طور پر بیان کر کے مولوی صاحب نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ گویا ہم نے یہودیوں کی نقل کی ہے! یہ سراسر بہتان ہے کہ ہم نے کسی قسم کی تحریف کی ہے۔ الحاد اور افتراء پر دازی کا کیا خوب انداز اختیار کیا گیا ہے! اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہودی علماء کی بد اعمالیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ یہودی تو

کتاب اللہ کے الفاظ کو الٹ پلٹ دیتے تھے۔ یہ بات غور طلب ہے کہ یہ آیتیں ”فضائل اعمال“ نامی کتاب سے کیوں مسلک کر دی گئیں؟ کیا یہ اللہ کی کتاب ہے؟ توریت و زبور کا نازل کرنے والا تو حکیم و علیم رب کریم و رحیم سبحانہ و تعالیٰ شانہ و جل جلالہ ہے اور ”فضائل اعمال“ تو اس کے ایک صوفی بندے زکریا کاندھلوی نے اپنے ذہنی افتراق کے زمانے میں تصنیف کی (جس کا انہوں نے کتاب کے پیش لفظ میں خود اعتراف کیا ہے)۔ چہ نسبت خاک را بعالم پاک! الہ واحد کی نازل کردہ مضامین توحید سے پُر کتاب حکیم کو زکریا کاندھلوی کی کفر و شرک سے آلودہ کتاب ”فضائل اعمال“ سے کیا تعلق و نسبت؟ ایسا کرنا تو سراسر ظلم اور الحاد ہے۔ مولوی صاحب نے اس طرح کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ ”فضائل اعمال“ کو کتاب اللہ کا درجہ دیتے ہیں جبھی تو اس میں تحریف کے الزام کو ثابت کرنے کے لیے کتاب اللہ میں تحریف سے متعلق آیات پیش کرتے ہیں۔ اور واقعی یہ حقیقت بھی ہے کہ یہ لوگ اس کتاب کو کتاب اللہ پر فوقیت دیتے ہیں۔ آج تک انہیں یہ توفیق نہیں ہوئی کہ کبھی اللہ کی کتاب کا درس دیں۔ ہمیشہ اسی کاندھلوی تصنیف کو ہی بار بار پڑھ کر سناتے رہتے ہیں اور جب کوئی ایک ہی چیز کو بار بار پڑھنے سے متعلق کچھ کہتا ہے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ کیا قرآن بار بار نہیں پڑھتے! بلکہ ایک قدم آگے بڑھا کر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قرآن میں تو صرف قرآن ہے جبکہ ”فضائل اعمال“ میں قرآن بھی ہے، حدیث بھی، فقہ بھی، تصوف بھی..... تو مولوی صاحب بتائیے پھر کون سی کتاب اہم ہوئی؟ قرآن یا فضائل اعمال؟ اے اللہ الممشتکی!

اس کے بعد مولوی صاحب کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ کے دوسرے ایڈیشن کے صفحہ ۱۵۷ سے ایک اقتباس اس طرح نقل کرتے ہیں:

”اس (قرآن) کو سمجھنے کے لئے پندرہ علوم درکار ہیں۔“

مابعد صفحات میں مولوی صاحب نے اس بیان پر لے دے کرتے ہوئے مصنف اور اس کی جماعت کو خوب لعن طعن کیا ہے۔ مولوی صاحب نے انکشاف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ

”فضائل اعمال“ میں ایسے الفاظ پر مبنی کوئی تحریر ہی نہیں لہذا اعتراض غلط اور محض بہتان ہے۔“

دوسری جگہ خامہ فرسائی فرماتے ہیں کہ

”ہم مجبور ہو کر یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ پورا عثمانی فرقہ اور ان کے ہمنوا اگر فضا کل اعمال میں یہ اعتراض لفظ بہ لفظ ثابت کر دیں تو ہم منہ مانگا انعام دیں گے، بصورت دیگر ان کا نام ”دجالی فرقہ“ ہو گا۔ جس کا فیصلہ قارئین کرام کریں گے۔ (انشاء اللہ) نیز ثابت نہ کرنے پر ہر مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ عثمانی فرقے کے اس غلط اعتراض کو حقیقت کے خلاف اور جھوٹ قرار دے اور کم از کم ایک بار لعنت اللہ علی الکذبین ضرور پڑھیں۔“

اگر مدعا و مطمح، نکتہ نظر، مرکزی خیال و مقصد اصلی کے بیان میں الفاظ کو من و عن بیان کرنا ایسا ہی ضروری ہو کہ اس کا التزام نہ کرنے پر اس قدر لعنت ملامت کی جائے اور ”دجالی فرقہ“ بھی قرار دیا جائے تو مولوی صاحب کا وار ان ہی کی طرف لوٹتا ہے۔ مولوی صاحب کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ کے کسی بھی ایڈیشن کے کسی بھی صفحے پر اپنی لکھی ہوئی محولہ بالا عبارت ”لفظ بہ لفظ“ دکھادیں اور فَإِنْ تَمْ تَفْعَلُوا وَلَٰكِنْ تَفْعَلُوا* تو اپنی پوری تقریر بمعہ لقب اور آیت اپنے اوپر چسپاں کر لیں! لیکن تمام فرقوں اور مسلکوں سے تعلق توڑ کر صرف قرآن و حدیث سے تعلق جوڑنے اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے مساعی ہم مومن لوگ اتنے چھوٹے ظرف کے مالک نہیں کہ اتنی ذرا سی بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کریں اور اشتہاری عنوانات کی حاشیہ آرائی سے رنگ آمیزی کریں۔ ظاہر ہے کہ قوسین میں دیا گیا لفظ ”قرآن“ اگرچہ کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ کی مذکورہ عبارت میں اس کے اپنے مقام پر نہ سہی لیکن اگر صرف اتنے ہی ٹکڑے کو علیحدہ سے بیان کیا جائے تو صرف وضاحت کے لیے قوسین میں لفظ ”قرآن“ جو لفظ ”اس“ کا مُشارِ الیہ ہے، لکھ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ اس پر کوئی کھڑا کھڑا کر لیا جائے جیسا کہ مولوی صاحب نے کیا ہے۔ ان کے پاس اپنے باطل موقف اور اکابرین کے دفاع کے لیے کوئی دلیل تو ہے نہیں لہذا اس قسم کی لفاظی اور صوفیانہ دھوکا دہی کا سہارا لے کر کام چلاتے ہیں۔ بہر حال ہمارا یہ انداز نہیں کہ ایک چھوٹی سی بات ہاتھ آجانے پر انعامات کے اعلان کرتے پھریں، رائی کا پھاڑ بنا کر اس پر اشتہار بازی شروع کر دیں۔ ہم تو اپنے رب کی توفیق و

عنایت سے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور اس کی کتاب پر ایمان لانے والے ہیں..... ہمیں ان نیچ اور گھٹیا حرکتوں سے کیا کام۔ ہمیں تو ہر حال میں قرآن و حدیث سے تمسک کرنا ہے اور اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بَاتِّبَتِ هِيَ أَحْسَنُ* کے حکم الہی کی تعمیل کرنی ہے خواہ کوئی دریدہ دہن کتنی ہی لعنت ملامت اور سب و شتم کرے، ہمیں سنت رسول ﷺ کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑنا۔

کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ کی مذکورہ بالا عبارت میں ہم نے کوئی تحریف نہیں کی، نہ کوئی تہمت یا الزام عائد کیا ہے۔ بالکل وہی بات بیان کی ہے جو ہم ”فضائل اعمال“ پڑھنے والوں سے سالوں سنتے رہے ہیں۔ بات انہی کی تھی لیکن اپنے الفاظ میں بیان کی گئی اور کمپیوٹر کمپوزنگ میں بلا ضرورت ان الفاظ کے اطراف میں واوین یعنی ”inverted commas“ آگئے۔ اگر ہو بہو ”فضائل اعمال“ کے الفاظ نقل کیے جاتے یا حوالے میں اس کی پوری وضاحت کی جاتی کہ اس اس طرح کی بات کہی گئی ہے تو پھر عبارت طویل ہو جاتی۔ جس طرح کا سابق چلتا آ رہا تھا اس کے تناظر میں ایسا ہی سیاق درکار تھا۔ اس میں کوئی تحریف، تلبیس، جعل و خیانت نہیں۔ بالکل وہی مفہوم بیان کیا گیا ہے جو ”فضائل اعمال“ کے مولف نے پیش کیا ہے۔ بات قرآن کو سمجھنے کی ہو رہی تھی اور تفسیر وہی کرتا ہے جو قرآن کو سمجھتا ہے لہذا اس بات کو ان الفاظ میں بیان کیا جائے جو کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ میں لکھے گئے یا ان الفاظ میں جو ”فضائل اعمال“ میں لکھے ہوئے ہیں، دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ بات ایک ہی ہے یعنی ”قرآن کا فہم“۔ مولوی موصوف نے الفاظ کے گھوڑے دوڑا کر خواہ مخواہ اتنی زحمت کی۔ اگر مسلکی عصبیت و حمیت اور اپنے اکابرین سے وَمِنَ الثَّنَاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ* والی عقیدت کے پھندے سے ایک لمحے

★ ”لوگوں کو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے انداز سے ان سے مناظرہ کرو۔“ (النحل: ۱۲۵)

★ ”لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ کے ہمسرے ٹھہرا رکھے ہیں، وہ ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے۔“ (البقرہ: ۱۶۵)

کے لیے آزاد ہو کر کھلے ذہن سے سوچتے تو حق واضح ہو جاتا۔ پھر تفسیر کی تعریف کرنے، مختلف تفاسیر کے نام گنوانے کی ضرورت نہ پڑتی، نہ ہی **هَمْزَةٌ لَمْزَةٌ*** میں اپنا نام لکھواتے۔

کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ کی محولہ بالا عبارت نقل کر کے مولوی صاحب نے اس کے بعد کی عبارت کے جملے یعنی

”جس کے محرک یہی قال اللہ اور قال رسول اللہ ﷺ پڑھنے پڑھانے والے مسلک پرست ہوتے ہیں“ پر بھی خوب ہمزہ و لمز سے کام لیا ہے۔ خود کو قال اللہ و قال رسول اللہ کا اور مصنف کے ساتھیوں کو قال ابلیس کا مصداق ٹھہرایا ہے اور انہیں قرآن پڑھنے تک سے بھی عاجز قرار دیا ہے۔ موصوف نے مصنف کی عبارت کے خط کشیدہ الفاظ ”مسلک پرست“ کو کوئی اہمیت نہ دی اور اپنی تعریفوں کے پل باندھتے چلے گئے! ارے مولوی صاحب! قال اللہ اور قال رسول اللہ پڑھنے پڑھانے کی فضیلت سے کسی کو انکار نہیں۔ فرمان رسول ہے کہ **خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ** یعنی ”تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسرے کو سکھائے۔“ (1) یہ تو قرآن سے متعلق ہے۔ اور حدیث سے متعلق فرمایا کہ

نَصَرَ اللَّهُ أُمَّرَاءَ سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا فَحَفِظَهُ حَتَّى يَبْلُغَهُ غَيْرُهُ (2)

”اللہ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جو ہماری حدیث سنے اور اسے یاد رکھے، یہاں تک کہ دوسرے کو پہنچا دے۔“

واقعی قرآن و حدیث سیکھنے سکھانے والے لوگ بہترین لوگ ہیں اور جس جگہ یہ کام ہو وہ بہترین جگہ ہے۔ اس کا کون انکار کر سکتا ہے سوائے منکر و ملحد کے۔ لیکن مولوی صاحب آپ اور آپ کے تمام مسلک پرست اسلاف و اخلاف، اساتذہ و تلامذہ، معلمان و طالبان، مُدَرِّسین و مُکْتَسِبین کوئی بھی اس فضیلت میں داخل نہیں کیونکہ ایک طرف تو یہ اس علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنا کر نبی ﷺ کی بیان کردہ اس وعید میں داخل ہیں کہ

* **وَيَنْفُكُ هَمْزَةٌ لَمْزَةٌ** ”بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لیے جو طعن کرے اور چغلی کھائے۔“ (الهمزة: ۱)

(۱) صحیح بخاری: جلد ۳ کتاب فضائل القرآن، باب ۱۳، خیرکم من تعلم القرآن وعلمه، صفحہ ۲۸

(۲) جامع ترمذی: جلد ۱، ابواب العلم، باب فی الحث علی تبلیغ السماع، جلد ۲۲۶

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا لَيْغَيْرِ اللَّهِ أَوْ آذَا غَيْرَ اللَّهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ، مِنَ النَّارِ (1)
 ”جس نے اللہ کے سوا کسی اور چیز کے لیے کوئی علم سیکھا یا اس علم کے ذریعے اللہ کے سوا کسی اور شے کا ارادہ کیا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے“

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللَّهِ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ
 عَرَضًا مِّنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرَفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يُعْنَى رِيحُهَا (2)
 ”جو علم اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے سیکھا جانا چاہیے وہ اگر کوئی کسی دنیاوی غرض کے لیے حاصل کرے تو قیامت کے دن وہ جنت کی خوشبو تک نہ پاسکے گا“

اور دوسری طرف یہ سب کے سب قرآن و حدیث کے خلاف ایک مخصوص مسلک سے وابستہ ہیں اور جو کوئی اسلام کے خلاف کسی اور ہی دین کا حامل ہو وہ ہرگز قابل قبول نہیں بلکہ مردود ہے، کما قال اللہ عزوجل: وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ* اور رہے آپ کے مدرسے، تو وہ تو فرقہ وارانہ ذہن تیار کرنے اور مسکی مصنوعات بنانے کی فیکٹریاں ہیں جہاں پڑھ کر خالص مومن کے بجائے مدرسے کے اپنے مخصوص مسلک کے ہی لوگ نکلتے ہیں جو محراب و منبر سنبھال کر دین کے ذریعے کمائی کرنے لگتے ہیں، سوائے اُس کے جسے اللہ چاہے جیسا کہ ڈاکٹر عثمانی کو چاہا کہ وہ ان ہی مسکی مدرسوں سے پڑھ کر نکلے لیکن اس کے باوجود ان کے ایمان پر مسکی مدرسوں نے کوئی اثر نہ کیا بلکہ اور جلاوٹ کھار بخشا اور اللہ کی توفیق سے اپنے استاد یوسف بنوری دیوبندی کو بھی دعوت حق دی جسے انہوں نے قبول نہ کیا اور الٹا ضد میں آکر اپنے مسلک کی ترویج میں متشدد ہو گئے۔

اور مولوی صاحب! آپ ہمارے ساتھیوں پر طعن کرتے ہیں کہ ان کے لیے ”تجوید

(1) جامع ترمذی: جلد ۱، ابواب العلم، باب فیمن یطلب بعلمہ الدنیا، صفحہ ۲۲۶

(2) سنن ابی داؤد: جلد ۱، کتاب العلم، باب ۳۰۱، فی طلب العلم لغير الله، صفحہ ۱۲۱

★ ”اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائیگا اور ایسا شخص آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔“ (آل عمران ۸۵)

صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنا بھی ناممکن ہے!“ مولوی صاحب آپ کے اس تکبر اور شیخی کا جواب دینے کی بجائے ہم اسی بیان پر اکتفا کریں گے کہ الحمد للہ قرآن و حدیث سیکھنا اور سکھانا ہی ہمارا ذوق ہے اور ہم تو بفرمانِ رسول ﷺ بہترین لوگوں میں شامل ہیں کہ قرآن سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔ اور مہارت نہ ہونے پر بھی پڑھنا نہیں چھوڑتے، کوشش کرتے رہتے ہیں اور دوسرے اجر کے حامل ہیں جیسا کہ آپ کے کاندھلوی شیخ نے بھی ”فضائل اعمال (فضائل قرآن)“ کے صفحہ ۲۱۱ پر حدیثِ رسول ﷺ نقل کی ہے کہ جو شخص قرآن کو اٹکتا ہوا پڑھتا ہے اور اس میں دقت اٹھاتا ہے، اس کو دوسرا اجر ہے۔ اور یاد رہے کہ یہ کام ہم دنیاوی مفاد و معاوضے سے بالاتر ہو کر ہی کرتے ہیں۔

اور جناب مولوی صاحب! آپ ہم کو قال ابلیس اور خود کو قال اللہ و قال رسول اللہ والے کہتے ہیں۔ مولوی صاحب! ذرا تو اللہ سے ڈریں، اپنے گریبان میں جھانک لیں اور صرف ان چند امور پر ہی غور کر کے سوچیں کہ اگر آپ کے قول میں صداقت ہوتی تو

﴿آپ کے کاندھلوی شیخ کیوں یہ بیان کرتے کہ صحابہ ﷺ نے نبی ﷺ کا خون پیا اور ہم کیوں اسے غلط کہتے کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے تو خون حرام قرار دیا ہے خواہ کسی کا بھی ہو!﴾

﴿آپ کے لدھیانوی مفتی کیوں سود کو جائز کرنے کا حیلہ بیان کرتے اور ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کی روشنی میں کیوں اسے غلط کہتے!﴾

﴿آپ کے اکابرین کیوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے بیداری و خواب میں ملاقات کے واقعات بیان کرتے اور ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کی روشنی میں کیوں انہیں جھوٹا قرار دیتے!﴾

﴿آپ کے علماء کیوں قبر نبوی بلکہ نعل نبوی کو اللہ کے عرش و کرسی اور کعبے سے افضل قرار دیتے اور ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کی بناء پر کیوں اسے توہینِ رب قرار دیتے!﴾

آپ کے مدوح شیخ کیوں (معاذ اللہ) نبی پاک ﷺ کا ہاتھ ایک نامحرم عورت کے جسم پر پھر داتے اور ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کی روشنی میں کیوں اسے گستاخی رسول قرار دیتے!

ایسی بہت سی مثالیں کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ میں دی گئی ہیں جو یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ قال اللہ وقال رسول اللہ والے کون ہیں اور قال ابلیس والے کون؟ کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ (دوسرے ایڈیشن) کے صفحہ ۱۵۲ کے ساتھ ساتھ صفحہ ۲۲۰ پر نقل کیے گئے انڈیکس کی ایک عبارت ”پندرہ علوم کے بغیر قرآن بیان کرنا ممنوع ہے“ کو بھی مولوی موصوف نے محرف کہہ کر اپنے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا ہے۔ لگتا ہے موصوف نے مسکلی عصبيت میں ڈوب کر یہ چھہ ورق لکھے ہیں کہ انہیں کچھ نہیں سوجھ رہا ورنہ اگر وہ اپنی آنکھیں کھلی اور حواس حاضر رکھتے تو صفحہ ۲۲۰ کی عبارت ہم سے منسوب نہ کرتے کہ یہ انڈیکس ہم نے نہیں مرتب کیا بلکہ ایک کتاب سے اخذ کیا ہے اور اس بات کو پوری دیانت کے ساتھ دوسرے ایڈیشن کے صفحہ ۲۱۸ پر ان الفاظ میں نقل کر دیا تھا کہ:

”افادہ عام کے لئے ذیل میں مرکز المدعوۃ والارشاد کے شائع کردہ ”فضائل اعمال - ۱۰۰ حوالہ جات کا تحقیقی جائزہ“ نامی کتابچے سے وہ انڈیکس نقل کیا جا رہا ہے جس کے ذریعے ”تبلیغی نصاب“ کے مطبوعہ مختلف نسخوں میں قرآن و حدیث کے خلاف باتیں اور مندرجہ بالا قسم کے ”عجائبات“ ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔“

لیکن اگر مولوی صاحب اس کو ہم سے ہی منسوب کرنے پر بضد ہیں کہ یہ ہماری کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ میں نقل کیا گیا ہے اس لیے ہم نے ہی مرتب کیا ہے، تو اس اعتراض میں موجود بات کا اعتراف تو خود آپ کے کاندھلوی شیخ نے بھی کیا ہے اور جسے آپ نے بھی اگلے ورق پر نقل کیا ہے کہ

”اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث نے پندرہ علوم کی تفصیل لکھ کر پھر مزید اس کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”یہ علوم جو بیان کئے گئے مفسر کے لئے بطور آلہ کے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان علوم کی واقفیت (کے) بغیر تفسیر کرے تو وہ تفسیر بالرائے میں داخل ہے جس کی ممانعت آئی ہے۔“

اسی ورق کی دوسری جانب تفسیر کی تعریف جناب والا خود ”قرآن بیان کرنا“ لکھ چکے ہیں۔ اب بتائیے کہ زکریا کا نہ ہلوی صاحب اور آپ خود یہ لکھیں کہ پندرہ علوم کے بغیر قرآن کی تفسیر ممنوع ہے تو ”اہلسنت والجماعت“، ”حضرت شیخ الحدیثؒ“، ”خاکپائے اولیاء کرام و علمائے حق“ کہلائیں، اور یہی بات آپ کے حوالے سے اگر ہم نقل کریں کہ پندرہ علوم کے بغیر قرآن بیان کرنا ممنوع ہے تو ”دجالی فرقہ“ ٹھہرائے جائیں! کیا ”ممنوع“ اور ”ممانعت“ کوئی علیحدہ علیحدہ لفظ ہیں؟ ذرا سا بھی پڑھا لکھا شخص بر ملا کہدے گا کہ نہیں یہ تو ایک ہی لفظ ہیں، اور عربی داں بتادے گا کہ اول الذکر اسم مفعول اور دوسرا مصدر ہے۔ کیا آپ نے ساری زندگی غازی بابا کے مزار کے ٹکڑے ہی کھائے ہیں اور اتنی سی بھی علییت حاصل نہیں کی؟ کیا ساری زندگی لذت کام و دہن ہی کے لیے کوشاں رہے اور کبھی ذرا سا بھی علم حاصل نہ کیا؟ اگر آپ بقول خود واقعی ”جاہل، اجہل اور مجہول“ ہی واقع ہوئے ہیں تو آپ سے کس نے کہا تھا کہ ”مطلوبہ علوم“ کی بابت اعتراض اٹھائیں؟ کچھ کہنے سے قبل اپنے اندر اس کی اہلیت تو پیدا کر لیں ورنہ خواہ مخواہ تمسخر اڑوائیں گے۔

اس وضاحت کے بعد شاید مولوی صاحب کو احساس ہو کہ ہمیں ”تقیہ“ کرنے، ”نمود ساختہ اعتراض“ گھڑنے، ”طنز و تنقید اور الزامات لگانے کی بوچھاڑ“ کرنے اور ”باطنیہ فرقے سے نسبت“ دینا محض بے دلیل ہے اور فریب کاری کے سوا کچھ نہیں۔ اور ہم پر آخر الذکر خط کشیدہ الزام لگانے سے پہلے فضائل اعمال کے اسی زیر بحث صفحے کے یہ الفاظ دوبارہ پڑھ لیجیے گا جنہیں کاندھلوی صاحب نے بلا حوالہ بیان کیا ہے:

”قرآن شریف کے ظاہر و باطن ہونے کا مطلب ظاہر یہ ہے کہ ایک ظاہری معنی ہیں جن کو ہر شخص سمجھتا ہے اور ایک باطنی معنی ہیں جن کو ہر شخص نہیں سمجھتا۔“

مولوی صاحب سنیے! صرف و نحو ہوں یا جبر و ہندسہ، کلام ہو یا منطق، تمام ہی علوم کا فہم، علم و حکم رب تعالیٰ کی ہی طرف سے عطا کردہ ہوتا ہے، اس لیے تمام ہی علوم کے لیے لفظ ”وہی“ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہ تو صوفیوں کی اصطلاح ہے جو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ”علم لدنی“ حاصل ہوا ہے جو کتابوں سے نہیں بلکہ براہ راست رب تعالیٰ سے مکتسب ہوتا ہے! اسی

لدنی علم کی بناء پر صوفی لوگ پھر وہ شرکیہ و کفریہ ہفوات بکا کرتے ہیں جن کا کچھ بیان کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ میں کیا گیا ہے۔ شاید مولوی موصوف بھی اسی لدنی علم کی بناء پر ”اصل“ سے ”واصل“ ہو کر منصب خدائی کے طلبگار نظر آتے ہیں! تبھی تو ارشاد فرماتے ہیں:

۔ کی محمد سے تو نے وفا تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
ایسا ہی ایک شعر ہم بچپن میں ایک فقیر کی زبانی سنا کرتے تھے جو رمضان میں افطار سے پہلے
دفعہ بجا کر گایا کرتا تھا کہ
۔ گئی ہے دونوں عالم میں وہائی کملی والے کی خدا و کملی والے کا خدائی کملی والے کی
دونوں شعر باہم مماثل ہیں:

(۱) صوفی کہتا ہے کہ اللہ اور اللہ کی ساری مملکت نبی ﷺ کی ہے جبکہ قرآن نبی ﷺ سے
اعلان کروا رہا ہے کہ:

اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿۱﴾

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (الزمر: ۶۲، ۶۳)

يَلَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (الشوریٰ: ۴۹)

يَلَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (النساء: ۷۰)

يَلَهُ مِيزَانُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (آل عمران: ۱۸۰)

يَلَهُ خَزَائِنُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (المفقون: ۷)

قُلْ لَا أَقُولُ نَعْمَ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ (الانعام: ۵۰)

قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ نَعْمَ خَيْرًا وَلَا رَشَدًا (الحج: ۲۱)

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ (الاعراف: ۱۸۸)

ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ زمین اور آسمانوں پر اللہ ہی کی بادشاہت ہے، زمین و آسمان میں
جو کچھ ہے، سب کو اللہ ہی نے بنایا ہے، وہی ان کا مالک و مختار ہے، وہی ان کا نگران و نگہبان
ہے، وہ سب اللہ کی ملکیت ہیں، زمین و آسمان کے خزانوں کا بھی اللہ ہی اکیلا مالک ہے،

نبی ﷺ کے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں اور نبی ﷺ اپنے اور دوسروں کے لیے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔

(۲) مولوی صاحب کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی وفاداری کے سبب دنیا و جہاں، اللہ اور لوح و قلم سب ان کے ہیں جبکہ قرآن کہتا ہے:

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا (الاحزاب: ۱۷)

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ (النساء: ۱۳)

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءَ وَالصَّالِحِينَ (النساء: ۶۹)

یعنی نبی ﷺ کی اطاعت و پیروی پر عظیم کامیابی، ہمیشہ رہنے والی جنت ملے گی، انبیاء، صدیقین، شہداء و صلحاء کی رفاقت ملے گی (یہ مندرجہ بالا آیات کا خلاصہ ہے)، دنیا و جہاں اور لوح و قلم نہیں۔ لوح و قلم پر تو اللہ کی حکومت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قلم کو حکم دیا اور اس نے لوح پر قیامت تک ہونے والی باتیں لکھ دیں۔ اللہ کی حکومت میں اس کا کوئی حصہ دار نہیں:

لَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ (الفرقان: ۲)

لہذا یہ دونوں اشعار کفریہ و شرکیہ ہیں۔ شعراء کی انہی ہفتوات کی بناء پر اللہ نے ان کے لیے فرمایا

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿٢٣﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴿٢٤﴾

وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿٢٥﴾ (الشعر: ۲۲۳-۲۲۶)

”اور شاعروں کی پیروی تو گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یہ ہر وادی میں سمراتے پھرتے ہیں اور وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔“

مولوی صاحب نے تفسیر قرآن کو ایک ”بہت مشکل کام“ ثابت کرتے ہوئے اپنے تعارف ”جاہل، اجہل، مجہول“ کی رعایت کے انداز میں اس بات پر بہت لے دے کی ہے۔ موصوف گل افشانی فرماتے ہیں کہ

(۱) ”ڈاکٹر عثمانی صاحب تو ”روح المعانی“ معارف القرآن وغیرہ، ہا تفسیر کا زندگی بھر محتاج رہا“

(خط کشیدہ الفاظ مولوی صاحب کے خود نوشتہ تعارف کے درست ہونے کا واضح ثبوت دے رہے ہیں):

- (۲) ڈاکٹر عثمانی نے قرآن کا ترجمہ و تفسیر نہیں لکھی؛
 (۳) یہ لوگ ترجمہ پڑھ کر بھی سمجھنے سے قاصر ہیں؛
 (۴) ان میں ایک بھی ایسا نہیں جو کسی ایک علم کو بھی کامل جانتا ہو؛
 (۵) یہ لوگ تفسیر کرنے سے بالکل نابلد ہیں.....

ان مولوی صاحب کو معلوم ہو کہ

- (۱) ڈاکٹر عثمانی نے ”روح المعانی“ کا صرف ایک حوالہ اپنے کتابچے ”یہ مزار یہ میلے“ کے صفحہ ۲۳ پر دیا تھا جو مردوں کے وسیلے کے رد میں تھا (یہی موضوع ”وسیلے کا شرک“ کے عنوان سے علیحدہ بھی شائع کیا گیا) اور اس حوالے کی غرض و غایت بھی صرف یہ تھی کہ جو لوگ اپنے اسلاف کے تفسیری کارناموں کے رطب اللسان رہتے ہیں اور مردوں کو وسیلہ بناتے ہیں وہ جان لیں کہ ان کے بڑے بھی اسے ناجائز سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس مقام پر فقہ کی کتابوں کے حوالے بھی دیئے ہیں تاکہ یہ لوگ دھیان دیں کہ جن کی تقلید اور جن کے فقہ کو اپنانے کا یہ دعویٰ کرتے ہیں، وہ لوگ ان عقائد کے حامل نہ تھے جو ان کے اندھے مقلدوں نے گھڑ رکھے ہیں۔ اب کل کو مولوی موصوف یا ان کا کوئی چیلہ کہیں یہ نہ کہنے لگے کہ ڈاکٹر صاحب ساری زندگی کتب فقہ کے محتاج رہے! فیاللہ عجیب

- (۲) ڈاکٹر صاحب یا ہمیں قرآن کا ترجمہ و تفسیر لکھنے کی فوری ضرورت اس لیے محسوس نہیں ہوئی کہ تفسیر قرآن کے لیے ہمیں مفسر قرآن ﷺ کی احادیث صحیحہ ہی کافی ہیں۔ ہم ان مفسرین سے بری و بیزار ہیں جنہوں نے موضوع و من گھڑت روایات کی بنیاد پر انبیاء علیہم السلام کے نفوس قدسیہ کو بھی داغدار کرنے سے دریغ نہ کیا۔ داؤد اللہ اور نبی ﷺ کی شان میں جو تفسیری گل کھلائے گئے وہ ان مفسرین ہی کا تو کارنامہ ہیں جس کی ایک جھلک کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ میں دکھائی گئی ہے۔ ہمیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا وقار ملحوظ ہے۔ ہم ایسے مفسرین سے لا تعلق ہیں۔ اگر ڈاکٹر صاحب نے قرآن کی کوئی تفسیر لکھی ہوتی یا اس کا ترجمہ کیا ہوتا جن کے

ذریعے ہمارا کوئی ساتھی ان مسلک پرستوں کے سامنے ان کے باطل دین کی خرابیاں بیان کرتا تو یہ مسلک پرست فوراً یہ کہہ کر اسے خاموش کر دیتے کہ یہ تو تمہارا اپنا ترجمہ و تفسیر ہے۔ اس لیے ہم نے کوئی ترجمہ و تفسیر نہیں کی۔ * ہمارے لٹرچر میں تو قرآن و حدیث اور اصول حدیث پر مبنی دلائل کے ساتھ مسلک پرستوں کی کتابوں کے حوالے سے ان کے اکابرین کے عقائد میں موجود کفر و شرک کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اب اگر کوئی ”جاہل، اجہل اور مجہول“ پھر بھی ہم پر پندرہ علوم سے لاعلمی کا تیر چلائے، تو اس کا بھلا کیا شکوہ! لیکن اے مسلک پرستو! تمہارے مفسرین و مترجمین کو تو پندرہ علوم پر مہارت تھی۔ انہی کے ترجمہ و تفسیر میں دیکھ لو کہ

- ✎ اللہ کا عرش عظمت و کرامت والا ہے، تو مدینے کی قبر نبوی کو اس سے افضل قرار نہ دو؛
- ✎ خون حرام ہے خواہ کسی کا بھی ہو، تو صحابہ کو نہ پلاؤ؛
- ✎ سود حرام ہے، تو اسے حیلے سے حلال نہ ٹھہراؤ؛
- ✎ نبی ﷺ سمیت ہر ذی روح کے لیے موت ہے، تو پھر نبی ﷺ کو قبر میں زندہ درگور نہ مانو کہ وہ تو شہداء کے مقام سے اعلیٰ مقام جنت الفردوس میں ہیں؛
- ✎ مردے نہیں سن سکتے، تو انہیں اپنی پیتائیں نہ سناؤ ان سے ہاتھ تو نہ ملاؤ؛
- ✎ مردے قیامت سے پہلے زندہ نہیں ہو سکتے، ان کے اور دنیا والوں کے درمیان قیامت تک آڑ ہے، تو فوت شدہ ہستیوں کو اپنی محفلوں مدرسوں میں نہ بلاؤ؛
- ✎ تمام اعمال صرف اللہ کے پاس پیش ہوتے ہیں، تو انہیں صبح و شام نبی ﷺ کے پاس نہ لے جاؤ؛
- ✎ اللہ نے اپنی آیات فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے، تم قرآن کو تجارتی جنس تو نہ بناؤ ...

★ ویسے ہماری جماعت نے حال ہی میں ساتھیوں کے اصرار پر ان کی تربیت کے لیے دعوتی انداز میں سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کی تفسیر شائع کی ہے جبکہ سورۃ آل عمران اور سورۃ النساء کی تفسیر زیر طبع ہے؛ سورۃ مائدہ کی تفسیر ہو چکی ہے اور سورۃ انعام پر کام ہو رہا ہے۔

(۳) یہ قطعی جھوٹ اور محض بہتان طرازی ہے۔ ہم تم لوگوں کو تمہارے ہی اکابرین کے ترجمے تو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں کہ کفر و شرک سے باز آ جاؤ اور مسلک پرستی چھوڑ کر خالص مسلمان ہو جاؤ ورنہ جہنم ٹھکانہ بنے گی اور جنت حرام ہو جائے گی۔

(۴) کسی علم میں کامل ہونے کا دعویٰ تو کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ آٹھ دس سال مدرسے کی مفت روٹیاں توڑ کر سند لینے والا بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ بڑائی کے یہ دعوے تو ابلیسی تکبر کا ہی نتیجہ ہوتے ہیں جس سے اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔ ہم تو ساری زندگی طالب علم بن کر ہی گزارنا چاہتے ہیں اور اللہ سے دعاء کرتے ہیں وہ ہمارے علم میں اضافہ فرمائے۔ ہماری تو وہی دعاء ہوتی ہے جو اللہ کے نبی مانگا کرتے تھے:

رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (لا: ۱۱۴)

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا.....

”اے اللہ میں ایسے علم کا تجھ سے سوال کرتا ہوں جو فائدہ مند ہو.....“ (۱)

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ.....

”اے اللہ میں ایسے علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو فائدہ مند نہ ہو.....“ (۲)

(۵) اوپر ۲ کے ذیل میں اس کا کچھ جواب آگیا ہے۔ ہم مسجد کے محراب و منبر سے اور گلیوں چورہوں پر کتاب اللہ کی آیات اور ان کی وہ تفسیر پیش کرتے ہیں جو مفسر قرآن محمد ﷺ کی احادیث صحیحہ میں بیان کی گئی ہے۔ پندرہ علوم والی تفسیر آپ کو ہی مبارک ہو۔

ان الزمات کے بعد مولوی موصوف نے ہماری اس بات کو غلط قرار دینے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کی آیت: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّذَكِّرٍ (سورۃ القمر ۷ وغیرہ) کا ترجمہ زکریا کا ندھلوی صاحب نے غلط کیا ہے کہ

”ہم نے قرآن پاک کو حفظ کرنے کے لیے سہل کر رکھا ہے، کوئی ہے حفظ کرنے والا۔“

(۱) سنن ابن ماجہ: جلد ۱، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ والسنة فیہا، باب ۳۳، ما یقال بعد التسلیم، صفحہ ۴۶۴

(۲) صحیح مسلم، جلد ۶، کتاب الذکر والدعا والتوبۃ والاستغفار، باب فی الادعیۃ، صفحہ ۳۰۲

اور موصوف نے اسی ترجمے کے درست ہونے پر اصرار کیا ہے۔ مولوی صاحب! ہم نے یہ بات لکھ کر کوئی الزام عائد نہیں کیا بلکہ ہمارے سامنے وہ اردو تراجم تھے جو آپ کے زعم میں سارے کے سارے پندرہ علوم پر مہارت رکھنے والے علماء نے کیے تھے لیکن کسی ایک نے بھی ”حفظ کے لیے آسان ہونا“ ترجمہ نہیں کیا۔ اس وقت مارکیٹ میں متعدد ترجمے دستیاب ہیں لیکن کسی ایک میں بھی حفظ کے لیے آسان ہونے کا ترجمہ نہیں۔ لیکن آپ مُصر ہیں کہ

”حضرت شیخ نے اس آیت کے دو صحیح مفہوم میں سے اپنے موضوع کے مطابق ایک مفہوم نقل کیا ہے جو یہ ہے کہ ہم نے قرآن پاک حفظ کرنے کے لیے سہل کر رکھا ہے، کوئی ہے حفظ کرنے والا۔“

مولوی صاحب! اگر دو میں سے ایک مفہوم یہ ہے تو دوسرا کون سا مفہوم ہے؟ وہ کیوں بیان نہیں کیا؟ ظاہر ہے کہ اپنے مطلب کی بات لے لی اور دوسرے مفہوم کو چھوڑ دیا کہ وہ ان کے موقف کے خلاف تھا۔ لیکن پھر بھی آپ کا اصرار ہے کہ

”بخاری اور مسلم کی حدیث کے تحت اور اپنے موضوع اور مقام یعنی قرآن کی حفاظت اور خبر گیری کے لحاظ سے یہی مفہوم مناسب ہے جسے حضرت شیخ نے نقل کیا جبکہ یہی مفہوم ترجمان القرآن جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ثابت ہے، یہی مفہوم حضرت سعید بن جبیر، حضرت مجاہد، حضرت قتادہ اور امام جوزی، حافظ ابن کثیر سے ثابت ہے.....“

بخاری و مسلم کی مذکورہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ **تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ**۔ * لفظ **تَعَاهَدُوا** کے معنی حفاظت کرنا، دیکھ بھال کرنا، اپنے املاک کی حفاظت و اصلاح کرنا ہے۔ **تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ** کا مطلب ہو گا کہ قرآن پر نظر رکھو، اس کو پڑھتے رہو۔ اگر اس کا مطلب صرف یہ ہوتا کہ ”اس کو حفظ کرو“ تو جن اشخاص کے آپ نے نام لکھے ہیں وہ صرف اسی مفہوم کی حد تک رہتے۔ لیکن انہوں نے کئی مفہوم بیان کیے ہیں۔ اور آپ کا یہ کہنا کہ ”خصوصاً حضرت

* صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب فضائل القرآن، باب ۵۱۔ استذکار القرآن و تعاہدہ، صفحہ ۵۰/

صحیح مسلم: جلد ۲، کتاب فضائل القرآن، باب الامر بتعهد القرآن، صفحہ ۲۷۴

عبداللہ بن عباس سے یہی مفہوم ثابت ہے ”درست نہیں۔ عبداللہ بن عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے منسوب تفسیر قرآن میں سورۃ القمر کی آیت مذکورہ کے ذیل میں آپ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ

هَوْنًا الْقُرْآنَ لِلْحِفْظِ وَالْقِرَاءَةِ وَالْكِتَابَةِ وَيُقَالُ هَوْنًا قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ

یعنی ہم نے قرآن کو حفظ کرنے، پڑھنے اور لکھنے کے لیے آسان کر دیا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہم نے قرآن کی قرأت کو آسان بنا دیا ہے۔ یہ آیت جب اسی سورۃ میں تیسری مرتبہ آئی کہ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ وَلِذِكْرِكَ تَفْسِيرٌ میں آپ سے یہ قول نقل کیا گیا کہ: لِلْعِظَةِ وَالْحِفْظِ وَالْقِرَاءَةِ یعنی یہ قرآن ہم نے نصیحت کے لیے، یاد کرنے کے لیے اور پڑھنے کے لیے آسان کر دیا ہے۔ اس طرح تفسیر مذکورہ میں عبداللہ بن عباس سے للذکر کے لیے چار مفہوم منقول ہیں یعنی حفظ، قرأت، کتابت اور نصیحت۔ اب ان چار مفہوم میں سے صرف اپنے مطلب کا مفہوم لے لینا اور باقی کا ذکر تک نہ کرنا کیا ایک ”شیخ الحدیث“ کے شایاں ہے؟

یہ تو بات صرف نقل قول کی تھی ورنہ اس تفسیر کی خود اپنی حیثیت ہی غیر مستند ہے! یہ تفسیر عن علی بن عبدالحق سمرقندی عن محمد بن مروان عن محمد بن سائب کلبی عن ابی صالح بازام عن عبداللہ بن عباس کی روایت سے بیان کی جاتی ہے جس میں جھوٹے اور کذاب راوی شامل ہیں۔ معمر اپنے باپ سلیمان کا قول روایت کرتے ہیں کہ کوفہ میں دو کذاب ہیں، ایک ان میں سے کلبی ہے؛ لیث بن ابی سلیم نے بھی سلیمان کا قول نقل کیا ہے کہ کوفہ میں دو کذاب ہیں: ایک کلبی آورد و سراً السدی (یعنی محمد بن مروان) [تہذیب التہذیب: جلد 9، صفحہ 48] جریر نے ابن مروان کو کذاب کہا ہے؛ عقیلی نے ابن نمیر کا قول نقل کیا ہے کہ ابن مروان کذاب ہے؛ نسائی نے اسے متروک الحدیث کہا ہے؛ صالح نے کہا کہ وہ روایتیں گھڑتا ہے؛ ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو موضوع روایتیں بیان کرتے ہیں (باحوالہ تفصیل آگے آرہی ہے)۔ الزائدہ نے کہا کہ میں کلبی کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں بیمار ہوا اور جو کچھ مجھے یاد تھا سب بھول گیا، پس میں آل محمد کے پاس آیا، انہوں نے میرے منہ میں تھوکا اور مجھے بھولا ہوا

سب کچھ یاد آگیا، اس بات پر میں نے اسے ترک کر دیا؛ ابو جزء نے کہا کہ کلبی تکافر ہے، میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی ﷺ پر وحی کر رہے تھے کہ نبی ﷺ کسی کام سے اٹھ گئے اور علی ؑ آپ کی جگہ پر بیٹھ گئے تو جبریل علیہ السلام نے علی ؑ پر وحی نازل کر دی۔ یزید بن زریع نے کہا کہ میں نے اس سے یہ بات تو نہیں سنی لیکن میں نے اسے سینہ پیٹ کر ماتم کرتے ہوئے ضرور دیکھا ہے؛ وہ کہتا جاتا تھا کہ میں سبائی ہوں میں سبائی ہوں؛ عقلی کہتے ہیں کہ سبائی روافض کی وہ شاخ ہیں جو عبد اللہ بن سبائی پیروی کرتے ہیں؛ جو زجانی نے کہا کہ وہ کذاب ہے؛ ابن حبان کی بھی یہی رائے ہے؛ الساجی نے کہا کہ وہ غالی شیعہ تھا۔

[تہذیب التہذیب: جلد ۹، صفحہ ۱۷۹، ۱۸۰]

یہ تو محمد بن مروان اور کلبی کے متعلق دوسرے محدثین کی رائے تھی۔ اب خود ان کی اپنی بات بھی سنئے جن سے تفسیر ابن عباس روایت کی جاتی ہے؛ ابو صالح بازام نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے تفسیر میں سے کلبی کو کچھ بھی نہیں سنایا [تہذیب الکمال: جلد ۵، صفحہ ۲۵۰]۔ (اس طرح مذکورہ سند سے بیان کی جانے والی تفسیر کی اپنی صداقت ہی مشکوک ہو گئی) سفیان ثوری کہتے ہیں کہ کلبی نے ہم سے کہا کہ جو کچھ میں نے عن ابی صالح عن ابن عباس سے روایت کیا وہ جھوٹ ہے، اسے روایت نہ کرو؛ یہی سفیان ثوری کہتے ہیں کلبی نے کہا کہ ابو صالح نے مجھ سے کہا کہ میں نے جو کچھ تمہیں بتایا وہ سب جھوٹ ہے [تہذیب الکمال: جلد ۵، صفحہ ۸]۔

اب یہ مولوی بتائیں کہ اس قدر شدید مجروح راویوں کی کوئی بات مستند ہو سکتی ہے جبکہ وہ خود بھی اپنے کہے کو غلط کہتے ہوں! یہ کہنا بھی درست نہیں کہ ”یہی مفہوم حضرت مجاہد..... سے ثابت ہے۔“ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر تابعی اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگرد تھے۔ بخاری نے کتاب التفسیر میں آیت مذکورہ کے ذیل میں مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ هُوَنَا قَرَأْتَهُ یعنی ہم نے اس کا پڑھنا آسان کر دیا ہے۔

اس تشریح کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کو صرف حفظ کرنے کے لیے آسان بنائے جانے کے معنی بیان کرنا درست نہیں اور اس کی نسبت صحابہ و تابعین کی طرف کرنا سراسر غلط ہے۔

مولوی موصوف نے اس موضوع اور من گھڑت تفسیر کا صرف ایک رخ دیکھ کر ہمارے ساتھیوں پر مشین گن چلا دی کہ

”اگر عثمانی فرقے نے یہ تفاسیر دیکھی ہوتی تو شاید حضرت شیخ پر تحریف کا الزام نہ لگاتے، معلوم ہوا کہ عثمانی فرقے کے لیے قرآن کی تفسیر کرنا تو ورکنار، تفاسیر کا پڑھنا بھی مشکل ہے، یہ اندھے مقلد ہیں، تابش مہدی کی اندھی تقلید اور چوری کر کے اعتراض کر رہے ہیں، ان بے چاروں کے پاس اعتراض بھی اپنا نہیں، بلکہ چوری کیا ہوا ہے۔“

مولوی صاحب! دیکھ لیجیے ہم نے تفسیر دیکھ کر ہی تو اس کی حقیقت بیان کی ہے۔ یہ آپ ہیں جو چمکدار چیز کو سونا سمجھ بیٹھے اور قرآن کو کمائی کا ذریعہ بنا بیٹھے! اب بتائیے ان ساری مغالطات کا رخ کس کی طرف پھرتا ہے؟ اندھے مقلد ہم ہیں یا آپ کہ اپنے اکابرین کی ہر بات آنکھ بند کر کے تسلیم کرتے ہیں اور اگر کوئی بات غلط محسوس ہو بھی تو یہ کہہ کر دل میں پیدا ہونے والے اس ہلکے سے احساس کو ابدی نیند سلا دیتے ہیں کہ ”اتنے بڑے عالم نے جو یہ بات کہی ہے تو درست ہی ہوگی۔“ لیکن یاد رکھیں! جس کے دل میں اپنے مالک کا وقار ہوگا اور وہ **وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ** * میں شامل ہوگا، تو وہ اپنے مالک کی بات کے خلاف کسی کی بات ہر گز نہ مانے گا خواہ اس کا کتنا ہی بڑا نام ہو۔ اور آپ تابش مہدی کی کتاب سے ”چوری“ کی جو بات کرتے ہیں تو **يَلَهُ** کچھ تو شرم کریں! تابش مہدی کی کتاب پڑھ کر دیکھ لیں اور کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ کا بھی مطالعہ کر لیں، پتہ چل جائے گا کہ وہ کن باتوں پر آپ کے ممدوح پر ”حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ“ کہہ کر اعتراض کر رہے ہیں اور ہم نے کس طرح قرآن و حدیث کا موقف پیش کرتے ہوئے کفر و شرک کی نشاندہی کی ہے۔ عنوانات و الفاظ میں اگر کہیں کوئی مماثلت ہو تو وہ قدرتی امر ہے۔ آپ کا ضمیر گواہی دے گا کہ ہم نے تابش مہدی کی کتاب سے کچھ بھی نہیں لیا۔ اور یہ آپ کے ”اندھے مقلد“ ہونے کا قطعی ثبوت ہے کہ کاندھلوی صاحب کی بات کو بار بار بیان کرتے ہیں اور وہ بھی جلی حروف میں کہ قرآن کی تفسیر بہت مشکل اور کٹھن کام ہے جس کے لیے مدرسے

کے مولویوں کے پاس بیٹھنا ضروری ہے اور پھر ان کی اس کتاب کی تعریف میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر بہتان باندھتے ہیں کہ

”فضائل اعمال، فضائل صدقات کے جملہ مضامین قرآن و حدیث سے ثابت یا موافق یا پھر تشریحات پر مبنی ہیں اور کوئی بھی مضمون قرآن و حدیث کے ہر گز ہر گز مخالف نہیں (انشاء اللہ)۔“

اے کاش کہ مولوی موصوف یہ کہنے سے پہلے ایک مرتبہ اللہ کی کتاب کا مطالعہ تو کر لیتے! (لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتے کہ یہ ان جیسوں کے لیے شجر ممنوعہ ہے کیونکہ ان کے پاس ”پندرہ علوم“ نہیں ہیں جن کے بغیر وہ اللہ کی کتاب ہدایت کو سمجھنے کی کوشش کر کے ”گمراہ“ نہیں ہونا چاہتے کیونکہ ان کے ”ادباً من دون اللہ“ نے اس سے منع فرمایا ہے) اگر وہ ایسا کر لیتے تو انہیں حقیقت کا اندازہ ہو جاتا کہ ”فضائل اعمال، فضائل صدقات کے جملہ مضامین قرآن و حدیث سے ثابت یا موافق“ ہیں یا ان کا مذاق اڑا رہے ہیں:

- ۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نبی ﷺ کا خون پینے کا واقعہ قرآن و حدیث کے کس مضمون کا اثبات و اتفاق ہے؟
- ۲۔ آدم علیہ السلام کا نبی ﷺ کے دیلے سے توبہ کرنا؛
- ۳۔ قبر نبوی کا اللہ کے عرش و کرسی و کعبے سے افضل ہونا؛
- ۴۔ نبی ﷺ پر صبح و شام امت کے اعمال پیش ہونا؛
- ۵۔ قبر کے مردے کا لوگوں کی باتیں سننا، ان کی دعوت کرنا، باہر آکر اونٹ ذبح کرنا؛
- ۶۔ نبی ﷺ کا سود خور کے منہ پر ہاتھ پھیر کر اس کو ٹھیک کر دینا؛
- ۷۔ نبی ﷺ کا اپنی وفات کے سینکڑوں سال بعد ایک مردہ عورت کے حال سے باخبر ہو کر عالم الغیب ہو جانا، بادل میں بیٹھ کر وہاں فوراً تشریف لا کر حاضر و ناظر ہو جانا اور اس کی تکلیف دور کر کے مشکل کشا ہو جانا؛
- ۸۔ نبی ﷺ کا (معاذ اللہ) ایک غیر محرم عورت کے جسم پر ہاتھ پھیرنا؛
- ۹۔ نبی ﷺ کا اپنی قبر کے اندر سے ہی لوگوں کی ضرورتیں پوری کر دینا؛
- ۱۰۔ نبی ﷺ کی قبر کی طرف منہ کر کے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، وغیرہ، وغیرہ

ان جیسے دیگر بہت سے واقعات، جو مذکورہ کتابوں میں درج ہیں، آخر کس آیت قرآنی اور صحیح حدیث سے ثابت ہیں؟ تفصیل کا موقع نہیں ورنہ ایسی بہت سی مثالیں ان ہی کا ندھلوی صاحب کی تصانیف سے پیش کی جاسکتی ہیں جو قرآن و حدیث کے واضح احکامات کے خلاف ہیں، کفر و شرک پر مبنی ہیں اور اللہ کے غضب کو بھڑکانے، جنت کو حرام کرنے اور جہنم کو واجب کرنے والی ہیں۔ افسوس کہ طاغوت کا دفاع کرتے ہوئے مولوی صاحب ایسی مخالف قرآن و حدیث کتاب کے لیے مضر ہیں کہ اس کے ”جملہ مضامین“ قرآن و حدیث سے ثابت ہیں، ان کی موافقت کرتے ہیں اور ان کی تشریح کرتے ہیں!!!

ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَتَلْتَهُمْ
اللَّهُ أَنَّى يُوَفِّقُونَ ﴿٣٠﴾ (البقرہ: ۳۰)

”یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کہا کرتے تھے۔ یہ انہی کی بریں کرنے لگے ہیں۔ اللہ انہیں غارت کرے، یہ کیسے بھٹکائے جا رہے ہیں۔“

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٤١﴾ (الصافات: ۴۱)

”اور اس سے زیادہ ظالم کون کہ بلایا تو اسلام کی طرف جائے اور وہ اللہ پر جھوٹ باندھنے لگے! اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔“

وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ (النساء: ۷۶)
”اور کافر لوگ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔“

جن کے دل میں اپنے مالک و خالق کا ذرا بھی وقار ہے وہ کفر و شرک و گمراہی سے پُر ان کتابوں سے خود کو دور رکھیں گے اور دوسروں کو بھی ان کی خرابیوں سے آگاہ کریں گے۔ یہ نجاست اور غلاظت کی پوٹ اور وہ میٹھا زہر ہیں جن پر آیات قرآنی اور من گھڑت روایات کے ورقِ نقرہ سے آرائش کر کے ان کی حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ اپنے مومن بندوں کو اس ابلیسی سازش سے محفوظ رکھے، ایمانِ خالص اختیار کرنے کی توفیق

دے اور کفر و شرک کے داعیوں کی کوششوں کو بیکار کر دے اور راہ ہدایت کی توفیق دے۔
 آمین برحمتک یا ارحم الراحمین

کتانچے کے آخری صفحے پر کسی دوسرے مولوی صاحب نے مُردوں کا مرنے کے بعد بات کرنے کے امام بخاری کے اپنی کتب تاریخ میں نقل کردہ واقعے کی بنیاد پر مطالبہ کیا ہے کہ ”اپنے باطل نظریات سے رجوع کر کے تکفیری مہم سے باز آ جاؤ۔“

ہمارے عقائد ”باطل“ ہیں یا سراسر حق، یہ تو آپ کو سطور بالا کے مطالعے سے پتہ چل گیا ہو گا۔ سردست اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ امام بخاری نے پہلی کتابیں عام محدثین کے معیار پر ہی لکھی تھیں لیکن بعد میں الجامع الصحیح لکھی اور اس میں صرف صحیح روایتیں لکھیں۔ اور اگر امام بخاری نے مردے کے بات کرنے کے واقعے کو نقل بھی کیا ہے تو نقل کفر کفر نہ باشد۔ کیا بخاری نے یہ واقعہ نقل کر کے یہ بھی بتایا ہے کہ ان کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ مردے مرنے کے بعد بھی بات کرتے ہیں؟ جبکہ انہوں نے اپنی الجامع الصحیح میں مُردوں کے عدم کلام پر روایتیں نقل کی ہیں اور قتادہ تابعی کا قول پیش کر کے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ ان کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ جس میں روح نہیں وہ سن نہیں سکتا۔ جب سننا ہی ناممکن ہے تو بولنا ہر جہ اولیٰ ممنوع ہو گا کہ اس میں تو زبان بھی چلانا پڑتی ہے جو ایک حواس سے خالی، جان سے عاری بے روح جسم نہیں چلا سکتا۔ مزید تفصیل ان شاء اللہ کسی اور موقع پر۔ اللہ تعالیٰ ایمانِ خالص پر استقامت عطا فرمائے اور مسلک پرستی کے کفر و شرک سے بچائے۔ آمین

ان ہی دوسرے مولوی صاحب کے نام سے ڈرامائی عنوانات کے ساتھ حال ہی میں ایک اور چورتی کتابچہ شائع کیا گیا ہے جس کی پیشانی پر ”افادات“ کے پیوند میں انہی پہلے مولوی صاحب کا نام دے کر ثابت کیا گیا ہے کہ اس میں کی جانے والی ہرزہ سرائی اصل میں کس کے دریدہ دہن سے نکلی ہوئی ہے۔ اس کتابچے میں

ۛ بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ

کے مصداق ”شاگردِ رشید“ نے اپنے استاد کی چھوڑی ہوئی کسی کسر کو پورا کرنے کی نامراد کوشش کی ہے۔ اور بھرم مارا ہے کہ اسلام یا مسلک پرستی ”کے تقریباً پچاس اعتراضات

کے جوابات لکھے گئے ہیں مگر مالی کمزوری کی وجہ سے صرف ایک جھوٹے اور تحریف پر مبنی الزام کے جواب کو شائع کیا۔“ اور وہ اکلوتا جواب بھی وہی ہے جس پر ان کے استاد نے اپنے گزشتہ چودہ کتابچے میں خامہ فرسائی فرمائی ہے اور اب انہوں نے بھی وہی راگ الاپا ہے اور انہی نشان پا پر گاڑی دوڑائی ہے۔ ان صاحب نے اپنے استاد کے کتابچے کا جواب نہ لکھنے پر کافی لعن طعن کیا ہے۔ اس کافی اور وافی جواب سے شاید ان کی تسلی ہو گئی ہوگی۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، مرکز الدعوة والا رشاد کے سوتے حوالوں کے انڈیکس کی کسی عبارت پر ہمیں کوئی الزام نہ دیا جائے اس لیے کہ وہ ہماری تصنیف ہی نہیں ہے۔

کفر و شرک سے لبریز تبلیغی نصاب لکھنے والے کاندھلوی صاحب کو ”حضرت شیخ الحدیث مولانا“، ”نور اللہ مرقدہ“ اور ”قطب الاقطاب“ کی بڑھکیاں مارنے سے پہلے ان موصوف کی کتابوں کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھ کر تو دیکھ لیں، حقیقت سامنے آجائے گی۔ مزید کارناموں سے آگہی کے لیے بھجۃ القلوب نامی کتاب میں انہی موصوف کے چالیس خواب بھی پڑھ لیجیے گا جو انہوں نے اپنے مرید خاص کو خود لکھوائے تھے۔ اگر دل میں ذرا بھی اللہ کا دقار ہے اور حق کی تھوڑی سی بھی پہچان ہے تو پھر تمہاری زبانیں اس شخص کے متعلق اس طرح زمین و آسمان کے قلابے نہیں ملائیں گی کہ

”حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا نور اللہ مرقدہ تو قطب الاقطاب ہیں اور جن کے علم و تقویٰ اور ولی کامل ہونے کی شہادت عرب و عجم کے ہزاروں علماء اور لاکھوں صلحاء دیتے ہیں جن کی ساری زندگی ہی اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کی اتباع اور ان کی تلقین میں گزری اور جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی اوئی توہین کو بھی کفر سمجھتے ہوں، ایسی عظیم اور مبارک ہستی پر...“

یہ ”شاگرد رشید“ (اَلْیَسَّ مِنْكُمْ دَجَلٌ وَبَشِیْرٌ) جہالت اور بددماغی میں اپنے استاد سے بھی کئی ہاتھ آگے نکلے نظر آتے ہیں جبھی تو ہماری تحقیق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

”یہ سب کچھ کیمڑی کے ڈاکٹر واما نوئی پارٹی کی اندھی تقلید کا شاخسانہ ہے کہ جن کی بعض کتب پر خود ان کے علماء بھی بیخ پا ہیں اور لاجواب ہو کر اپنے ہی علماء کی کتب کو چوراہے میں رکھ کر آگ لگا دینے کی باتیں کرتے ہیں۔“

تقلید کی عینک تو خود ان کی آنکھوں پر لگی ہوئی ہے تبھی تو انہیں یہ تک نہیں سوچتا کہ ہمارے ساتھی اور ”خاکِ جانِ دامانوی“ دو بالکل متضاد نظریات و موقف پر ہیں اور ان دونوں میں بعد المشرقین ہے۔ اول الذکر قرآن و حدیث کے پیرو ہیں جبکہ ثانی الذکر حنبلی مسلک پرست، جن پر مفاد پرستی کا شوق جب غالب ہوا تو ہماری جماعت سے نکل کر مسلک پرستوں میں شامل ہو گئے اور ذوقِ خود نمائی کی تسکین کرتے رہے۔ الحمد للہ ہمارے ساتھیوں کے دلوں میں تو اللہ اور اس کے رسول کا دُعا و موزن ہے جس کے ہوتے ہوئے ان کے دل میں مسکئی شخصیات اور کفر و شرک بکنے والوں کا ذرہ برابر بھی کوئی احترام نہیں جبکہ دوسرا تو ان ہی پر مر مٹا ہے۔ اور رہی بات ”اپنے علماء کی کتب کو چوراہے پر آگ لگا دینے“ کی تو جان لو کہ ہمارا دامانوی سے کوئی تعلق نہیں، نہ اس کی کسی تصنیف سے ہی ہمارا کوئی تعلق ہے۔ ویسے آپ کی آنکھیں کھولنے کے لیے یہ بتادینا ضروری ہے کہ ”اپنے علماء کی کتب کو چوراہے پر آگ لگا دینے“ کے قابل سمجھنے والے کچھ سمجھدار لوگ آپ کے دیوبندی فرقے میں بھی موجود ہیں۔ ارشد قادری بریلوی نے جب ”زلزلہ“ نامی کتاب لکھ کر دیوبندیوں کی اپنی کتابوں سے تصویر کا دوسرا رخ دکھا کر ان کا یہ دوغلا انداز ثابت کیا کہ ”جو بریلویوں میں پایا جائے وہ تو کفر و شرک و بدعت ٹھہرے اور اگر اپنے اکابرین دیوبند میں پایا جائے تو اس پر سبحان اللہ کے نعرہ ہائے تحسین بلند ہوں“، تو اس پر عامر عثمانی صاحب، مدیر ”تجلی“ دیوبند نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے اس دوغلے پن پر تاسف کیا اور ایسی ہی خواہش کا اظہار کیا کہ اپنے اسلاف کی ان کتابوں [سوانح قاسمی، تذکرۃ الرشید، امداد المشتاق، ارواحِ خلاش، وغیرہ] کو چوراہے میں رکھ کر نذر آتش کر دیا جائے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

اس ناخلف ”شاگردِ رشید“ نے اپنے استاد کی چال چلتے ہوئے ایک یہ گل کھلانے کی بھی کوشش کی ہے کہ نبی ﷺ کے اپنی قبر پر پڑھے جانے والے درود کو خود سننے اور دور سے پڑھے جانے والے درود کو آپ تک پہنچا دیئے جانے کی من گھڑت روایت بیان کرنے والے کذاب راوی محمد بن مروان الکلبی الکوفی السدی الصغیر پر کی جانے والی محدثین کی شدید جرح جسے کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ میں مجملًا بیان کیا گیا ہے، اسی میزان الاعتدال میں نہ پا کر ہم پر یہ بہتان باندھا ہے کہ

”میزان الاعتدال پر محض جھوٹ منسوب کیا گیا ہے۔ یا پھر محض کسی کی اندھی تقلید کر کے لکھا گیا ہے۔“ *

”اندھی تقلید“ کا طعنہ دینا ان لوگوں کی زبان پر کچھ چٹا نہیں جو اپنے اکابر کی اندھی تقلید کو ہی راہ نجات سمجھتے ہیں! محدثین کی الکلبی پر کی جانے والی جرح کا حوالہ ڈاکٹر عثمانی صاحب کے کتابچے ”یہ مزار یہ میلے“ (صفحہ ۳۶) سے لیا گیا تھا۔ اگر کسی کی کتاب سے کوئی حوالہ نقل کرنا اس کی اندھی تقلید کے زمرے میں آتا ہے تو پھر تو شاید ہی کوئی اس سے بچا ہوا ملے۔ ڈاکٹر صاحب نے الکلبی پر محدثین کی یہ پانچ جروح نقل کی ہیں:

- ۱۔ جریر کا کہنا ہے کہ محمد بن مروان کذاب ہے۔
 - ۲۔ ابن نمیر کہتے تھے کہ محمد بن مروان الکلبی کذاب ہے۔
 - ۳۔ امام نسائی اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں۔
 - ۴۔ صالح کہتے ہیں کہ وہ روایات گھڑا کرتا ہے۔
 - ۵۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو موضوع روایات بیان کرتے ہیں۔
- ان میں سے کوئی جرح بھی ایسی نہیں جو کسی محدث نے نہ کی ہو لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس سے منسوب کر دی ہو۔ یہ تمام جروح اسماء الرجال کی کتب میں موجود ہیں۔ مثلاً:
- ۱۔ قال عبد السلام بن عاصم بن جری بن عبد المجید: کذاب^(۱)
 - ۲۔ قال عبد اللہ بن نمیر: کان السدی کذاب^(۲) (قال ابن نصیر محمد بن مروان الکلبی کذاب^(۳))
 - ۳۔ قال النسائی: محمد بن مروان الکوفی یروی عن الکلبی متروک الحدیث^(۴)
 - ۴۔ قال صالح بن محمد البغدادی الحافظ: کان ضعیفاً وکان یضع الحدیث ایضاً^(۵)
 - ۵۔ و ذکرہ ابن حبان فی ”المجروحین“ وقال: کان ممن یروی الموضوعات عن الاثبات^(۶)

★ ان استاد شاگرد کی قابلیت کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اسماء الرجال کی کتب کو انہوں نے ہاتھ بھی نہ لگایا ہوگا۔ یہ اعتراض انہوں نے ابن صفدر اوکاڑوی کی ”تجلیات صفدر“ سے دیکھ کر لکھا ہوگا کیونکہ ہمارے خلاف لکھی جانے والی تحریریں میں وہی اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں جو اوکاڑوی نے اٹھائے تھے اور ان سب میں ایک جیسے ہی مواد نظر آتا ہے۔

- (۱) تہذیب الکمال: جلد ۲۶، صفحہ ۳۹۳
- (۲) حاشیہ تہذیب الکمال: جلد ۲۶، صفحہ ۳۹۵
- (۳) ضعفاء الکبیر للعقیلی: جلد ۲، صفحہ ۱۳۶
- (۴) کتاب الضعفاء والمتروکین للنسائی: صفحہ ۲۱۹ / الکامل فی ضعفاء الرجال: جلد ۷، صفحہ ۵۱۲
- (۵) تہذیب الکمال: جلد ۲۶، صفحہ ۳۹۳
- (۶) حاشیہ تہذیب الکمال: جلد ۲۶، صفحہ ۳۹۶

جیسا کہ سطور بالا سے ثابت ہے، ڈاکٹر صاحب کی نقل کردہ الکلبی پر محدثین کی جروح کا ایک ایک لفظ اسماء الرجال کی مختلف کتابوں میں موجود ہے۔ ایک فروگزاشت البتہ یہ ہوئی کہ ان مختلف کتابوں کا حوالہ دینے کے بجائے صرف میزان الاعتدال کا حوالہ دیا گیا جو کہ غالباً مذکورہ روایت کے دوسرے راوی وہب بن وہب ابوالخثری القاضی کی میزان الاعتدال سے جرح نقل کرتے ہوئے دیا گیا۔ یہ جرح میزان الاعتدال میں موجود ہے۔ اگرچہ الکلبی پر کی جانے والی مندرجہ بالا جروح میزان الاعتدال میں ان محدثین کے حوالے سے نہیں ہیں تاہم ایسا نہیں کہ وہ اس راوی کو ثقہ سمجھتے ہوں اور ہم نے اس کے کذاب ہونے کی جرح اس سے منسوب کر دی ہو۔ انہوں نے میزان الاعتدال میں الکلبی پر بخاری، ابن معین، احمد، نصر بن مزاحم اور ابن عدی پانچ محدثین کی جروح نقل کرتے ہوئے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ: **قَوُّمُوْهُ وَ اَتَهَمْتُهُ بَعْضُهُمْ** یعنی محدثین نے اسے ترک کر دیا تھا اور بعض نے اسکو کذاب سے متہم کیا تھا۔* اور اپنی دوسری کتاب ”ترتیب الموضوعات“ میں اسے خود کذاب لکھا [صفحہ ۸۰]۔ میزان الاعتدال کے حوالے سے جھوٹ کی تہمت اسی وقت درست ثابت ہو سکتی تھی جب کہ ان کے حوالے سے بتائے جانے والے کذاب اور وضاع راوی الکلبی کو یہ ثقہ و ثابت بتاتے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، وہ تو خود بھی اسے کذاب ہی سمجھتے تھے۔ اس وضاحت سے ثابت ہوا کہ ان ناخلف شاگرد صاحب اور ان کے پشتی بان استاد صاحب کے اس کید کی حیثیت بھی پادری ہو اسے زیادہ نہیں۔ لیکن اگر اب بھی آپ مُصر ہیں تو بتائیے کیا پہلے مولوی صاحب نے جلیل القدر تابعی مجاہد سے یہ بات منسوب کر کے ان پر تہمت نہیں لگائی کہ وہ وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْفَقْرَانَ لِدَلِّكَرٍ سے قرآن کا حفظ کے لیے آسان کیا جانا بیان کرتے تھے حالانکہ ان سے ایسا ثابت نہیں جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان کیا گیا ہے۔

اس ناخلف ”شاگرد رشید“ نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھنے سے متعلق ہماری گزارشات کو بھی مطعون کیا ہے۔ اور دعویٰ کیا ہے کہ ہم لوگ نبی ﷺ کو خواب میں دیکھنے کے دعوے کو ”شُرک“ کہتے ہیں۔ نہ جانے ان صاحب نے ہمارے کس لٹریچر میں یہ لفظ ”شُرک“ پڑھ

لیا۔ شرک کی عام معروف تعریف یہی ہے کہ اللہ کی ذات و صفات، حقوق و اختیارات، احکامات و عبادات میں کسی کو شریک کرنا شرک ہے۔ نبی ﷺ کو خواب میں دیکھنے کے دعوے سے نبی ﷺ کو اللہ کے ساتھ شریک نہیں کیا جاتا۔ البتہ ایسے دعوے نص صریح کے خلاف، باطل اور ناجائز ہیں کیونکہ صحابہ ؓ نے بھی بعد از وفات نبی ﷺ کو کبھی دیکھنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ خواب میں تو درکنار، یہ دیوبندی تو بحسد عنصری نبی ﷺ کو عالم بیداری میں دیکھنے کے دعوے کرتے ہیں۔ بلکہ اس طرح دیکھنے کے لوگوں کو طریقے بھی بتاتے ہیں! [قارئین اس کی تفصیل عنوان ۱۷ میں پڑھ چکے ہیں] البتہ اگر ان کا یہ دعویٰ ہو کہ نبی ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور جب چاہیں، جس کے خواب میں چاہیں آجائیں اور اس کو ماضی اور مستقبل کی خبریں دے دیں [خواہ زبان سے یہ لوگ ایسا نہ کہتے ہوں لیکن پچھلے صفحات میں بیان کیے گئے ان لوگوں کے واقعات تو البتہ ایسا ہی ثابت کرتے ہیں]، تو یہ بات واقعی شرک کے زمرے میں آتی ہے اور اس کا دعویٰ اگر توبہ کیے بغیر مر گیا تو جہنم میں ہمیشہ رہے گا، خلاصی نہ ملے گی۔ شاگرد مولوی! بات کو سیاق و سباق سے ہٹا کر مطلب براری کے لیے بیان کرنا بڑی خیانت ہے، ایمان کا ذرہ بھی اگر باقی ہے تو اپنی حرکتوں پر اللہ سے توبہ کرو، معافی مانگو اور اللہ سے ڈرو!

آخر میں ان شاگرد صاحب نے ہم کو ”مسعود پرستی“ کا الزام دیا ہے۔ ہمارے نام کے ساتھ آپ اور آپ کے گرد کی طرح کوئی بھی تقلیدی شخصی نسبتی لاحقہ نہیں اور نہ ہم ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سمیت کسی کی بھی کوئی تقلید کرتے ہیں۔ یہ تو وہ چیزیں ہیں جو آپ لوگوں کو تقلیدی عینک کی وجہ سے نظر نہیں آتیں۔ ذرا اسے اتار کر دیکھیں تو کچھ نظر آئے گا۔ ہمارا لٹریچر پڑھ کر دیکھ لیں، ہم صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فرمان ہی بیان کرتے ہیں جبکہ مسلک پرستوں کی کتابیں اپنے اکابرین کے اقوال سے بھری نظر آئیں گی کہ ”حضرت تھانوی“ نے یہ فرمایا، ”اعلیٰ حضرت“ نے وہ فرمایا، فلاں امام نے یہ اور فلاں نے وہ..... اللہ ہمیں شخصیت پرستی، مسلک پرستی، اکابر پرستی، مقابر پرستی اور ہر قسم کے شرک سے بچا کر خالص موحد مومن بنادے اور حق کو حق مان کر اس کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین



کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ کے خلاف ویو بند یوں کے بہت بڑے مدرسے بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء سے ایک فتویٰ جاری کیا گیا جس کا جواب کافی سال پہلے دے دیا گیا تھا۔ ذیل میں افادہ عام کے لیے اس کو نقل کیا جا رہا ہے۔ اس فتوے کا آغاز بھی حسب معمول ان الفاظ سے کیا گیا تھا: ”الجواب بعون الوهاب“

”الجواب باسم منتقم المفتري والكذاب“

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على خاتم النبيين
واصحابه اجمعين والذين هم على اثارهم متبعين وجميع
عباد الله الصالحين والبراة عن المفتريين والمترين والدعاء
بأن الله العظيم ان يدخلونا في المهتدين وان لا تكن من المضلين
الذين يفسدون في الارض ويسعون ان عبادة في جهنم داخلين

من عبد الله منور سلطان الى مفتي رشيد احمد (اوکاڑوی)

السلام على من اتبع الهدى

یہ کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ جس کے خلاف مکتوب الیہ نے فتویٰ دیا ہے، خالصتاً
لوجہ اللہ لکھی گئی تھی، جس کا مقصد جیسا کہ اس کے افتتاحیے میں لکھا گیا تھا، یہ تھا کہ قرآن
مجید و احادیث کے مطالعے کے دوران اور نشست ہائے کثیرہ میں دوران گفتگو جو باتیں
مختلف مسالک کے تحریری مواد و تقاریر میں خلاف شرع نظر آئیں، انہیں اُن مخلصین کے
سامنے پیش کیا جائے جو تلاش حق کی جستجو میں رہتے ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں یہ کتاب
بلا قیمت تقسیم کی گئی اور الحمد للہ حق کے متلاشیوں کی طرف سے اس معمولی کوشش کی بے
حد پذیرائی ہوئی۔ لیکن جن لوگوں نے دین کو کھانے کمانے کا ذریعہ بنایا ہوا ہے، وہ یہ کب
گوارا کر سکتے تھے کہ ان کی سیادت میں کمی آئے۔ لہذا انہوں نے اس مخلصانہ کوشش کے
لیے وہی انداز اختیار کیا جو ان کے متبوع نے اختیار کیا تھا:

ابی واستکبر و کان من الکفرین^(۱)

اور حق سن کر انہوں نے وہی کیا جو اس کے متبعین کرتے ہیں، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح کیا ہے کہ
قد بدت البغضاء من افواههم وما تخفي صدورهم اکبر^(۲)

ان لوگوں نے موکف کتاب کو لعن طعن کر کے گمراہ اور گمراہ کن قرار دیا اور جس طرح یہود و نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ

کونوا هودا و نصارى تهتدوا^(۳)

اور

لن يدخل الجنة الا من كان هودا او نصارى^(۴)

اسی طرح انہوں نے خود کو ”اہل السنۃ والجماعۃ“ کا نام دے کر ہدایت و نجات یافتہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ جو بات یہود و نصاریٰ کے مذکورہ عبث دعویٰ کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمائی ہے، وہی ان کے اس باطل دعوے کا جواب ہے کہ تلك امانیہم^(۵)۔

کاش اوکاڑوی صاحب ان نجات یافتہ لوگوں کی نشاندہی کرنے کے لیے درمنثور، ابن کثیر اور ابن اثیر کے تفسیری و تاریخی حوالوں کے بجائے کوئی مستند حدیث پیش کرتے! سنن ابی داؤد کی کتاب السنۃ کی پہلی و دوسری روایت کے مطابق نبی ﷺ نے ان ”نجات یافتہ“ لوگوں کی پہچان ”ما انا علیہ و اصحابی“^(۶) کہہ کر کرائی۔ یعنی یہ وہ لوگ ہونگے جو اس راہ پر ہوں گے جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔ اور اوکاڑوی کے مزعومہ ”اہل السنۃ والجماعۃ“ تو اس راہ سے کوسوں دور ہیں! قبروں سے ”فیض“ حاصل کرنے، تعویذ

(۱) ”اس (شیطان) نے (اللہ کا حکم ماننے سے) انکار کر دیا اور غرور میں آکر کافروں میں سے ہو گیا۔“ (البقرہ: ۳۳)

(۲) ”ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہوئی تھی ہے اور جو (کہنے) ان کے سینے میں مخفی ہیں، وہ کہیں زیادہ ہیں“ (آل عمران: ۱۱۸)

(۳) ”تم یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو ہدایت پا لو گے۔“ (البقرہ: ۱۳۵)

(۴) ”جنت میں ہرگز کوئی داخل نہیں ہو گا مگر وہ جو یہودی ہیں یا عیسائی۔“ (البقرہ: ۱۱۱)

(۵) ”یہ محض ان کے باطل خیالات [اور نری خوش فہمیاں] ہیں۔“ (البقرہ: ۱۱۱)

(۶) سنن ابی داؤد: جلد ۳، کتاب السنۃ، باب ۳۸۷، فی شرح السنۃ، صفحہ ۸

گنڈوں، کڑوں چھلوں، نقشوں گلیوں میں نفع نقصان سمجھنے، غیر اللہ سے مدد کو جائز سمجھنے، خود کو اللہ کے بجائے اس کے بندوں کا بندہ کہنے، اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حیلے سے حلال کرنے، قبروں پر مزارات تعمیر کرنے، ان کی پوجا پاٹ کرنے، اللہ کی آیات میں تحریف کرنے، غیب جاننے کے دعوے کرنے، انبیاء علیہم السلام پر تہمت لگانے، حق کو چھپانے، دین کو کھانے کمانے کا ذریعہ بنانے، ”طریقت“ کے موجدین و متبعین سے والہانہ وابستگی قائم رکھنے، کی راہ نبی ﷺ کی راہ ہرگز نہ تھی (مفتی بہ کتاب میں ان سب موضوعات کی باحوالہ مثالیں دی گئی ہیں)۔ نیز نبی ﷺ کی قبر (بلکہ جوتی تک) کو اللہ کے عرش و کرسی و کعبے سے افضل قرار دے کر اللہ کی توہین و تحقیر کرنے، مردہ ہستیوں کو وسیلہ بنانے، نبی ﷺ کو ہر جگہ حاضر و ناظر جاننے، نبی ﷺ کو قبر میں زندہ ماننے، آپ ﷺ کو سلام کر کے جواب سننے اور ان کا ہاتھ باہر نکلوا کر نوے ہزار افراد کی موجودگی میں مصافحہ کرنے کے دعوے کرنے، مردہ لوگوں کو ایصال ثواب کرنے، ہر صلوٰۃ کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کر کے بدعات کو فروغ دینے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو (نبی ﷺ کی وفات کے بعد بھی) خواب میں اور بیداری میں دیکھنے، انہیں اپنے گھر بلانے کے دعوے کرنے، نبی ﷺ کے واضح احکامات کے خلاف کسی مخصوص مسلک کی ہی پیروی کرنے، نبی ﷺ کے اعلان کردہ مغفورین کو سب و شتم کرنے، سنت رسول ﷺ کی اتباع کے بجائے اکابر پرستی کرنے، وغیرہ کی راہ صحابہ ﷺ کی راہ تو نہ تھی (ان کی مثالیں بھی مفتی بہ کتاب میں موجود ہیں)۔ یہ راہ تو انہی مشرک مسلک پرستوں کی راہ ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی ﷺ کی مخالفت کی اور سبیل المؤمنین چھوڑ کر جہنم واجب کر لی۔ قرآن کی یہ آیت انہی لوگوں پر صادق آتی ہے:

وَمَن يَشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنۢ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (۱)

(۱) ”اور جو شخص ہدایت واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے پر چلے تو جہنم رہ جاتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کر دیں گے، اور وہ بری جگہ ہے۔“ (النساء: ۱۱۵)

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی ﷺ کی راہ چھوڑ کر جنت میں جانے سے خود انکار کر دیا کیونکہ حدیث میں فرمان رسول ﷺ ہے:

كل امتي يدخلون الجنة الا من ابى قالوا يا رسول الله ومن يابى
قال من اطعنى دخل الجنة ومن عصاني فقد ابى⁽¹⁾

نبی ﷺ اور صحابہؓ کی راہ چھوڑ کر جنہیںوں کے زمرے میں داخل ہونے والے کس منہ سے خود کو ”مسلمان“، ”نجات پانے والے“ اور ”جنتی گروہ“ شہار کرتے ہیں! ذلک قولہم بافواہم ادا کاڑی صاحب نے جن فرقوں کا نام لے کر راقم پر طنز کیا ہے، ہمارا ان میں کسی سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم مسلم ہیں اور ہمارا تعلق قرآن و حدیث سے ہے، اور قرآن و صحیح احادیث میں بیان کردہ باتوں ہی کی ہم اتباع و پیروی کرتے ہیں۔ شخصیات سابقوں لاحقوں سے ہماری پہچان نہیں جیسا کہ صحابہ، تابعین و تبع تابعین کی بھی نہ تھی، وہ سارے کے سارے فقط مسلم تھے۔ ان سے تعلق کے دعویدار دیوبندیوں، بریلویوں، اہلحدیثوں، قادیانیوں، شیعوں وغیرہ کو ان سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ انہوں نے تو خیر القرون کی راہ چھوڑ کر اپنے ”جد اعلیٰ“ کی راہ اپنا کر اس کی ”فرمانبردار ذریت“ ہونے کا ثبوت دیا ہے۔

لوگ تہتر فرقوں میں سے صرف ایک کے جنتی ہونے کی بات سن کر یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ مسلمان خود ایک فرقہ ہیں۔ یہ خیال بالکل لغو اور باطل ہے۔ اس روایت نے تو تفرقہ بازی کی سختی سے مذمت کی ہے اور راہ اصل سے واصل رہنے کی تاکید کی ہے۔ اس ”ما انا علیہ واصحابی“ کی راہ سے جو جدا ہو جائے وہ ”فرقہ“ ہوتا ہے اور جو اس راہ اصل پر

(۱) ”میری ساری امت جنت میں جائے گی مگر وہ (نہیں) جو انکار کر دے۔ پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کون انکار کرے گا؟ فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے انکار کر دیا۔“ (صحیح بخاری، جلد ۳، کتاب الاعتصام، باب ۱۲۰۹، الاقتداء سنن رسول اللہ ﷺ، صفحہ ۹۱)

اس باب میں دوسری حدیث ہے کہ

فَمِنْ أَهْلَاءِ مُحَمَّدٍ أَفْقَدَ أَهْلَاءَ اللَّهِ وَمَنْ عَصَى مُحَمَّدًا أَفْقَدَ عَصَى اللَّهِ وَحَسَدَ فَرَّقَ بَيْنَ النَّاسِ
 ”جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی تو اس نے اللہ کی نافرمانی
 کی اور محمد ﷺ (کی اطاعت ہی) لوگوں کے درمیان فرق (یعنی وجہ امتیاز) ہے۔“ (البیہق: صفحہ ۹۱۸)

قائم رہے وہ فرقہ نہیں۔ اس طرح اسلامی تعلیمات سے انحراف کر کے، قرآن و حدیث کے خلاف عقائد و اعمال اختیار کرنے والوں کی جمعیت ایک ”فرقہ“ ہوتی ہے؛ یعنی اصل سے تفریق کر کے جدا ہونے والی۔ نبی ﷺ کے الفاظ ”ما انا علیہ و اصحابی“ اس بات کی توثیق کرتے ہیں۔ اب جو نبی ﷺ اور صحابہ ﷺ کے راستے پر ہے تو وہ اصل راہ پر قائم ہونے کی وجہ سے تفرقہ بازی سے دور ہے اور جو اس اصل راہ سے ہٹا ہوا ہے، وہ بے شک تفرقہ بازی میں پڑا ہوا ہے۔ دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث، قادیانی و شیعہ وغیرہ اصل راہ سے منحرف و مختلف ہونے کی وجہ سے فرقے ہیں، جبکہ ہم مسلم لوگ اسی ”ما انا علیہ و اصحابی“ کی اصل و قدیم راہ پر ہونے کی وجہ سے فرقہ نہیں ہیں۔ ہمارا کوئی عقیدہ و عمل نبی ﷺ و صحابہ ﷺ کے عقیدہ و عمل کے خلاف نہیں جو ہمارے فرقہ نہ ہونے کی واضح دلیل ہے جبکہ ان مذکورہ فرقوں کے عقائد و اعمال نبی ﷺ و صحابہ ﷺ کے عقائد و اعمال کے یکسر خلاف ہیں (جن کا ذکر مفتی بہ کتاب میں کیا گیا ہے) جو اس بات کا یقین ثبوت ہے کہ یہ لوگ ایک فرقہ ہیں۔

راہ اصل کو پہچان لینے اور اس پر گامزن ہو جانے والوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں قوم یعلمون، قوم یعقلون، قوم یتفکرون، قوم یذکرون، اولوالالباب، اولوالنہی* وغیرہ کہا ہے، خواہ وہ بکریاں چرانے والے بدو گڈر سیئے یا لکڑہارے دھقان ہوں؛ جبکہ ان کے مقابلے میں اس کے برعکس معاملہ اختیار کر کے راہ اصل سے دور ہونے والوں کو باوجود اپنے تبحر علمی، انبہ اسناد، کثرت مطالعہ، کثیر تحریر و تقریر و قول و فکر کے کمثل الحمار، کمثل الکلب، کالانعام، لایعلمون، لایعقلون، ضالون، جھلون، صم، بکم، عمی* وغیرہ کہا گیا ہے۔

ہمارے لیے قرآن میں بیان کردہ اللہ کا فرمان اور اس کو سمجھنے کے لیے اس کے رسول ﷺ کی احادیث ہی کافی ہیں، اور ہمیں کسی مرقاتی ملا کے قول و تشریح کی حاجت نہیں۔ ہمارے نزدیک قرآن کی رو سے اللہ کے مقام و مرتبے کو پہچان کر اصل راہ سے

* علم والے، عقل والے، فکر والے، سمجھ بوجھ والے، اہل دانش و بینش.....

* گدھوں کی مثل، کتے کی مانند، جانوروں کی طرح، بے علم، بے عقل، گمراہ، جاہل، بہرے، گونگے، اندھے۔

متمسک رہ کر اس کے تقاضے پورے کرنے والے ہی فقیہ و اہل علم کی جماعت ہیں خواہ انہوں نے کسی مدرسے سے ”پندرہ علوم“ حاصل نہ کیے ہوں۔ جبکہ اس راہِ اصل سے بھٹک کر تفرقہ بازی میں پڑ کر شرک و کفر کی روش اپنانے والے ہمارے نزدیک قرآن کی رو سے لایعلمون و کمثل الحماد ہیں خواہ انہوں نے مدرسائی پندرہ علوم میں کتنی ہی مہارت کیوں نہ حاصل کر لی ہو، کیونکہ علم تو وہی ہے جس سے حق کی معرفت حاصل ہو، جس سے بندہ اپنے رب کو پہچان لے اور پھر صحیح معنوں میں اس سے ڈرے جیسا کہ فرمایا:

انما يخشى الله من عباده العلماء (۱)

اوکاڑوی صاحب نے مرقاة المفاتیح کی عبارت کا غلط مفہوم لیا ہے۔ ملا علی قاری نے لکھا ہے:

وهي الجماعة اي اهل العلم والفقه الذين اجتمعوا على اتباع
آثاره عليه الصلوة والسلام في النقيذ والقطمير ولم يبتدعوا
بالتحريف والتغير.....

اس میں غائب واحد مذکر کی ضمیر متصل فقہاء اہل علم کی طرف نہیں بلکہ نبی ﷺ کی طرف راجع ہے* یعنی نجات یافتہ جماعت سے مراد وہ اہل علم و فقه (سمجھ بوجھ والے) ہیں جو نبی ﷺ کے آثار کی ذرا ذرا سی بات کی اتباع پر مجتمع رہتے ہیں اور اس میں اپنی طرف سے کچھ شامل کر کے اس کی شکل نہیں بدلتے۔ اگر اس بات پر غور کیا جائے تو اس کے مصداق بھی ہم مسلم لوگ ہی نظر آئیں گے کہ ہم نے آثار نبوی ﷺ سے بال برابر بھی انحراف نہیں کیا، ہم سختی سے ان ہی عقائد و اعمال پر عمل پیرا ہیں جو صحیح احادیث میں نبی ﷺ سے منسوب ملتے ہیں۔ جبکہ اس میں تحریف و تغیر کرنے والے یہی لوگ ہیں جنہوں نے مختلف فرقے بنا رکھے ہیں۔

(۱) ”اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔“ (فاطر: ۲۸)

★ تب ہی تو صلوٰۃ و سلام بھی لکھا ہے، ورنہ اگر اس کا مرجع اہل فقه کی جماعت ہی ہوتی تو مومنٹ کی ضمیر کے ساتھ آثارہا لکھا ہوتا اور واحد کے صیغے میں صلوٰۃ و سلام بھی نہ ہوتا۔

او کاڑوی صاحب اگر اس کا وہی مفہوم لیتے ہیں جو انہوں نے فتوے میں لکھا ہے تو پھر ان کے یہ الفاظ ان ہی پر صادق آتے ہیں کہ:

”فقہاء اور اہل علم سے منقول تفسیر کے خلاف تحریف کرنے والا (بزعم خود تفسیر کرنے والا) گمراہ اور جہنمی ہے۔“

کیونکہ ان ہی لوگوں نے فقہاء و اہل علم سے منقول تفسیر کے خلاف عقیدہ و عمل اختیار کیا ہوا ہے جبکہ ہم تحریف کے اس شنیع فعل سے پاک ہیں۔ صحابہ ؓ سے بڑھ کر کون فقہ و اہل علم ہو سکتا ہے۔ تمام صحابہ ؓ نے قرآنی آیت

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله المرسل..... الہ (1)

سے یہی سمجھا کہ نبی ؐ وفات پا گئے اور اب قیامت تک دوبارہ کبھی دنیا میں نہیں آئیں گے۔ تمام صحابہ ؓ کا اس پر اجماع تھا۔ آیت مذکورہ کی ان سے یہی تفسیر منقول تھی۔ لیکن اس کے خلاف ان فرقوں کا یہ عقیدہ ہے کہ

”نبی ؐ اپنی قبر کے اندر بالکل دنیا کی طرح سے زندہ ہیں، اور ان کی یہ زندگی برزخی نہیں بلکہ دنیاوی ہے۔“ (2)

صحابہ کرام ؓ نے کبھی ایسا عقیدہ نہیں رکھا کہ نبی ؐ ان کے حالات سے باخبر ہیں اور بعد از وفات بھی ان کی مشکلات میں مدد کے لیے دنیا میں آتے رہتے ہیں۔ لیکن ان فرقہ پرستوں کی کتابوں میں اس کے برعکس معاملہ ملے گا۔ کسی حدیث میں صحابہ کرام ؓ نے یہ بیان نہیں کیا کہ زخمی عمرو علی ؓ اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے نبی ؐ دنیا میں تشریف لائے۔ لیکن زکریا کا ندھلوی کے تبلیغی نصاب کے مطابق سود خور کا منہ درست کرنے دنیا میں آگئے! مکر کر پیٹ چھول جانے والی گناہگار عورت کے جسم پر ہاتھ پھیر کر اسے ٹھیک کرنے آگئے!

(1) ”محمد ؐ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزرے ہیں،

تو کیا اگر یہ مرجائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو تم اٹے پیروں پھر جاؤ گے؟“ (آل عمران: 143)

(2) حوالوں اور تفصیل کے لیے کتاب ہذا کا عنوان ملاحظہ فرمائیے۔

(استغفر اللہ! نقل کفر کفر نہ باشد) کسی صحیح حدیث کے مطابق نبی ﷺ کر بلا میں شہید کیے جانے والے اپنے عزیز از جان نواسے کے بچوں کے یتیم ہو جانے پر انہیں دلاسا دینے کے لیے تشریف نہ لائے مگر اشرف علی تھانوی کی حکایات اولیاء کے مطابق شاہ ولی اللہ کی وفات کے وقت ان کے بچوں کے یتیم ہو جانے کی فکر پر انہیں تسلی دینے چلے آئے! (ایسی متعدد مثالیں مفتی بہ کتاب میں دی گئی ہیں) بتائیے اہل علم سے اختلاف کس نے کیا ہے: ہم مسلمانوں نے یا فرقہ پرستوں نے؟

نبی ﷺ کے فرمان

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها و
عضوا عليها بالنواجذ⁽¹⁾

میں نبی ﷺ کی اپنی اور اپنے صحابہ ﷺ کی سنت سے مضبوطی سے چٹے رہنے کی تاکید سے یہ کہنا کھلی جہالت کا ثبوت اور نبی ﷺ پر صریح اتہام ہے کہ

”خاتم المعصومین نے خود مسلک پرستی سکھائی اور اس کی تعلیم دی۔“

قرآن و حدیث پر نظر رکھنے والوں سے ہرگز اس قول کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ایسی بات تو وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کی آنکھوں پر تفرقہ بازی کا پردہ پڑا ہو اور وہ اس دبیز پردے کے پار دیکھنے سے معذور ہو۔ نبی ﷺ نے تو اللہ کے حکم کے مطابق تفرقہ بازی کی شدت سے مخالفت کی۔ اصل راہ میں اختلاف ڈال کر اپنا کوئی مسلک بنانے سے یہ کہہ کر روکا کہ تم سے پہلے کی قومیں اللہ کی کتاب میں اختلاف ڈالنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں۔⁽²⁾ نبی ﷺ پر مسلک پرستی سکھانے کی تہمت لگانے والوں کے سامنے نبی ﷺ کا ارشاد گرامی بھی رہے کہ

مَنْ يَقُلْ عَلَى مَائِمَةٍ أَقْلٌ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ⁽³⁾

(1) ”تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے؛ اس سے چٹے رہو اور راتوں سے مضبوط تھام لو۔“

(سنن ابی داؤد: جلد ۳، کتاب السنۃ، باب ۳۹۶، فی یوم السنۃ، صفحہ ۳۵۸)

(2) صحیح مسلم: جلد ۶ کتاب العلم، باب النہی عن اتباع متشابہ القرآن، صفحہ ۲۶۹

(3) ”جو کوئی مجھ سے وہ بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“

(صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب العلم، باب ۱۰۸، ثم من کذب علی النبی ﷺ، صفحہ ۱۵۶، ۱۵۳)

لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ^(۱)

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ^(۲)

نبی ﷺ نے تلقین کی تھی اپنی اور خلفاء راشدین کی سنت سے تمسک کی نہ کہ کسی مروجہ مسلک کی۔ یہ تمام مسلک صراط نبوی کے مخالف ہیں (مفتی بہ کتاب میں اس کی تفصیل دی گئی ہے)۔ نیز نبی ﷺ کس طرح مسلک پرستی کی تعلیم دے سکتے تھے جبکہ دور نبوی میں تو ایسے کسی مسلک کا وجود ہی نہ تھا! سارے صحابہ ﷺ صرف مسلم تھے۔ ان کے عقائد و اعمال قرآن و حدیث کے مطابق ہی تھے، نہ کہ ان مسلک پرستوں کی طرح قرآن و حدیث کے خلاف۔ صحابہ کرام کے نزدیک دین نبی ﷺ کے قول و فعل و تقریر کا نام تھا جس سے انہوں نے تمسک کیا ہوا تھا جبکہ یہ مسلک پرست تو اپنے اکابرین کے ملفوظات سے چٹے ہوئے ہیں!

اور یہ بات تو جیسے جہالت میں ڈوب کر لکھی گئی ہے کہ

”دین کی بنیاد اور نجات کا دار و مدار ہی مسلک پرستی پر ہے۔“ (زیر جواب فتوے کا صفحہ ۲)

دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے * اور اسلام کے لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے:

شهادة أن لا إله إلا الله و أن محمداً رسول الله و إقامة الصلاة و

إيتاء الزكاة والحج و صوم رمضان^(۳)

بتائیے اس میں کہاں بتایا گیا ہے کہ مسلک پرستی اختیار کرو؟ کہاں بتایا گیا ہے کہ دین کی بنیاد مسلک پرستی پر ہے؟ نبی ﷺ نے تو شہادتین، صوم و صلوة، حج و زکوٰۃ صرف پانچ چیزوں کو ہی

(۱) ”مجھ پر جھوٹ نہ باندھنا کیونکہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا، وہ جہنم میں جائے گا۔“

(صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب العلم، باب ۱۰۸، ثم من كذب على النبي ﷺ، صفحہ ۱۵۶، ۱۵۳)

(۲) ”جس نے مجھ پر کوئی جھوٹ باندھا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“ (ایضاً)

★ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (آل عمران: ۱۹)

(۳) ”اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؛ صلوة قائم کرنا؛ زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے صوم رکھنا۔“

(صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الایمان، باب ۲ قول النبی ﷺ بِنِيَّ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ ...، صفحہ ۱۱۱)

دین کی بنیاد قرار دیا ہے۔ مسلک پرستی کو دین کی بنیاد قرار دینا افتراء پر دازی کے سوا اور کیا ہے؟ صحیحین کی اگلی روایتوں میں اس دیہاتی کا ذکر ہے جس نے نبی ﷺ سے دین کی بابت پوچھا تو نبی ﷺ نے اسے انہی پانچ باتوں کو پورا کرنے کی تلقین کی جو اسے کفایت کرتیں۔ جواب سن کر وہ دیہاتی یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ میں ان میں نہ کچھ اضافہ کروں گا نہ ان میں سے کچھ کم کروں گا۔ نبی ﷺ نے اس کی بات سن کر فرمایا کہ یہ نجات پا گیا اگر اس نے سچ کہا۔ بتائیے! زبان نبوت سے نجات یافتہ قرار پانے والے دیہاتی نے کس مسلک کی پیروی کی؟ تصوف کے کون سے سلسلے سے بیعت ہوا؟ کس بزرگ کی صحبت میں رہا؟ وہ تو نبی ﷺ کی صحبت میں بھی نہیں رہا بلکہ یہی پانچ باتیں لے کر اپنے قبیلے میں چلا گیا۔

جہاں تک اوکاڑوی صاحب کے اس قول کا تعلق ہے کہ

”نبی ﷺ کا یہ ارشاد مبارک کہ تہتر فرقے ہوں (گے) * صرف ایک ان میں سے جنتی ہوگا کیا یہ فرقہ پرستی اور مسلک پرستی نہیں۔ اور اگر یہ فرقہ پرستی غلط ہے تو نبی آخر الزمان رحمۃ اللعالمین ﷺ پر جناب منور سلطان صاحب کیا حکم اور فتویٰ لکھیں گے کہ جنہوں نے خود مسلک پرستی کی تعلیم دی ہے؟“

اس کا کچھ جواب تو پیچھے لکھ دیا گیا ہے کہ یہ نبی ﷺ پر ہی نہیں اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشی ہے کیونکہ نبی ﷺ تو دین کی پر بات وحی الہی کے مطابق ہی بتاتے تھے۔ مختلف مسالک کے مولوی صاحبان اپنی اہمیت جتانے کے لیے اکثر روایت بیان کرتے ہیں کہ اس امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں (جس کو ثابت کرنے کے لیے ایک ”ولچسپ“ حکایت اشرف علی تھانوی نے اپنے پیر صاحب حاجی امداد اللہ مہاجر کی کی زبانی ان کی سوانح میں نقل کی ہے کہ معراج کی رات آسمان میں موسیٰ علیہ السلام نے نبی ﷺ سے اس روایت کے متعلق استفسار کیا تو چھ سو سال بعد پیدا ہونے والے امام غزالی صاحب فوراً وہاں آگئے اور اس روایت کی وضاحت کر دی۔ امداد المشتاق میں یہ واقعہ بالتفصیل موجود ہے) نبی ﷺ پر فرقہ و مسلک پرستی کی تہمت لگا کر مفتی صاحب نے

* قوسین کا لفظ ”گے“ ہم نے بڑھایا ہے ورنہ اوکاڑوی صاحب کے قلم سے نبی ﷺ پر تہمت لگ جاتی کہ معاذ اللہ تہتر فرقے بنانے کا امر خود نبی ﷺ نے ہی دیا!

یہودیوں کے کسی نبی کا نہیں بلکہ خود یہودی علماء کا ہی انداز اپنایا ہے جو اپنے باطل اعمال کو جائز ٹھہرانے کے لیے اپنے معصوم انبیاء کو ہی اس سے متہم کر دیتے تھے۔ اوکاڑوی صاحب نے اپنی فرقہ پرستی کی مشرکانہ روش کو درست ثابت کرنے کے لیے الثانی ؑ پر فرقہ پرستی کی تعلیم دینے کی تہمت عائد کر دی! سُبْحٰنَكَ هٰذَا بَهْتَانٌ عَظِيْمٌ - يٰضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلِ قَاتِلِهِمُ اللّٰهَ اِنِّىْ يُوْفِكُوْنَ

﴿ چہ دلاور است دزدے کہ چرائ غبف دارد ﴾

تفرقہ بازی سے تو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے (آل عمران: ۱۰۳، ۱۰۵) اور اسے شرک قرار دیتے ہوئے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مشرکین کی طرح نہ ہوں جنہوں نے دین میں تفرقہ ڈالا اور گروہ در گروہ ہو گئے (الروم: ۳۲) اور اپنے نبی کو تاکید کی کہ دین میں تفرقہ بازی کر کے الگ الگ مسلک بنانے والوں سے آپ کا کوئی تعلق نہیں (الانعام: ۱۶۰)۔ اس حکم ربانی کی تعمیل میں نبی ؐ فرقہ پرستی اور فرقہ پرستوں سے سخت بیزار اور متنفر تھے۔ تہتر فرقوں والی مذکورہ حدیث میں نبی ؐ نے فرقہ پرستوں کو ہی تو جہنمی قرار دیا ہے اور ان سے علیحدہ رہنے والوں کو ہی جنتی اور نجات یافتہ بتایا ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا گیا، فرقے تو بنتے ہی اس وقت ہیں جب اصل میں فرق ڈال دیا جائے۔ دین کو اس کی اصل حالت میں اختیار کرنا تفرقہ بازی و مسلک پرستی نہیں۔ اس حالت میں فرق پیدا کر کے کوئی راہ اختیار کرنا فرقہ پرستی ہوتی ہے جس کی تعلیم نبی ؐ، صحابہ ؓ، تابعین و تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی نے بھی نہیں دی۔ جو کوئی بھی فرقہ و مسلک پرستی کو ان ہستیوں سے منسوب کرتا ہے، وہ ان نفوس قدسیہ پر بہتان باندھتا ہے جس سے ہم بری و بیزار ہیں۔

مفتی صاحب نے راقم پر طنز کیا ہے کہ

”موصوف نے تحقیق کے نام پر تحریف اور الحاد کا حق ادا کر دیا ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان اور فقہاء کرام رحمہم اللہ کی تشریح و تعبیر کو..... اپنی ذہنی سوچ کے مطابق غلط اور ان کے پیروکاروں کو اکابر پرستی کا طعنہ دے کر اکابر پرستی کو خوب طعن و تشنیع سے مطعون کیا ہے کہ اکابر پرستی بری ہے حالانکہ اکابر پرستی خود اللہ تعالیٰ نے سکھائی ہے.....“

حیرت ہوتی ہے کہ یہ باتیں اس شخص کے قلم سے نکلی ہیں جو اپنی عمر کا ایک طویل عرصہ قال اللہ وقال الرسول پڑھ کر ایک بہت بڑے مدرسے کے دارالافتاء میں بیٹھ کر فتوے صادر کر رہا ہے! اس سے زیادہ لائق تعجب وہ صاحب ہیں جو اس پر ”الجواب الصحیح“ لکھ کر اس کی توثیق فرما رہے ہیں! سچ تو یہ ہے کہ مفتی صاحب نے کذب و افتراء کی حدوں کو پار کر کے نبی ﷺ کی اس حدیث کی تصدیق کر دی کہ یہ امت یہود و نصاریٰ کے نقش قدم کی بالشت بہ بالشت پیروی کرے گی، یہاں تک کہ اگر انہوں نے گوہ کے بل میں پیر داخل کیا ہو گا تو یہ بھی کرے گی..... (۱) اُن یہودیوں نے اگر اپنے نبی داؤد علیہ السلام کو اُوریا حتی کے واقعے میں متہم کیا (تفصیل مفتی بہ کتاب میں دے دی گئی ہے) تو ان مفتی صاحب نے نبی آخر الزماں ﷺ پر فرقہ و مسلک پرستی سکھانے کی تہمت عائد کر دی! غور کیجیے، کس قدر بے باک اور اللہ کے عذاب سے بے خوف ہیں یہ پیشہ ور مولوی! انہوں نے اگر یہ اللہ مغلوثہ* کہہ کر اللہ کو متہم کیا تو ان صاحب نے بھی اللہ تعالیٰ پر اکابر پرستی سکھانے کا طوفان باندھ دیا!! فمن اظلم ممن افترى على الله الكذب او كذب بايتله انه لا يفلح المجرمون..... اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آیا یہ اس زمرے کی بات ہے جس کے لیے مالک الملک نے انما يخشى الله من عباده العلنوء فرمایا ہے یا پھر یہ ید اللہ مغلوثہ کہنے والوں کی قبیل کی ہفوات ہیں! فاعتبروا یا اولی الابصار

صحابہ کرام ﷺ کی تشریح کو غلط کہنے اور ان کے پیروکاروں کو اکابر پرستی سے مطعون کرنے کا راقم پر یہ ایک اور قبیح الزام ہے۔ حاشا للہ! ہم صحابہ کرام ﷺ کی تشریح کو ہرگز غلط نہیں کہتے۔ نہ ہی صحابہ کرام کے متبعین کو اکابر پرست کہتے ہیں۔ ہم تو خود انہی مبارک ہستیوں کے متبع ہیں۔ یہ صحابہ کرام ﷺ کی اتباع اور ان کی تشریح کو درست سمجھنا ہی تو ہے جو ہم نبی ﷺ کو جنت الفردوس میں زندہ مانتے ہیں، دنیا کی قبر میں نہیں کیونکہ صحابہ ﷺ کا بھی

(۱) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الاعتصام، باب ۱۲۲۱۔ قول النبی ﷺ لتتبعن سنن من کان

قبلکم..... صفحہ ۹۳۷

★ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يُدُلُّهُمُ اللَّهُ مَغْلُوثَةً (المائدہ: ۴۶) ”اور یہود کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ تو بندھا ہوا ہے۔“

یہی عقیدہ تھا اور اسی کی انہوں نے تشریح بھی کی تھی۔ ابو بکرؓ نے نبیؐ کی وفات کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

من کان منکم یعبد محمدًا فان محمدًا قدامت ومن کان یعبد
اللہ فان اللہ حی لا یموت^(۱)

اور سارے صحابہؓ نے اس پر اجماع کرتے ہوئے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ نبیؐ کو موت آگئی۔ تب ہی تو انہوں نے نبیؐ کا خلیفہ منتخب کیا، تب ہی انہوں نے آپؐ کو دفن کیا ورنہ نبیؐ کو زندہ درگور کرنے کا تو کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ صحابہؓ کی تشریح کو درست سمجھنا اور ان کی اتباع کرنا ہی تو ہے جو ہم دین کے کاموں: امامت، موکئی، تعلیم قرآن، نکاح خوانی، وغیرہ پر اجرت لینا حرام سمجھتے ہیں، تعویذ گنڈوں کو شرک کہتے ہیں کیونکہ یہی ان کا عقیدہ و عمل تھا (تفصیل مفتی بہ کتاب میں دے دی گئی ہے)۔ جبکہ ان کے مزعومہ پیروکار مسلک پرستوں کا طرز عمل دیکھیے کہ نبیؐ کو قبر میں زندہ مانتے ہیں، اپنے مدرسوں میں آپؐ کے تشریف لانے کے دعوے کرتے ہیں، آپؐ کی قبر پر سلام کر کے اس کا جواب سننے اور ہاتھ ملانے کا دعویٰ کرتے ہیں، دین کو روٹی کمانے کا ذریعہ انہوں نے بنایا ہوا ہے، تعویذ گنڈوں کے یہ بیوپاری ہیں (مزید تضادات مفتی بہ کتاب میں لکھے گئے ہیں)۔ آخر کس صحابی اور فقیہ نے ان عقائد و اعمال کی تعلیم دی ہے؟ کسی صحابی و فقیہ نے ان کفریہ و شرکیہ عقائد و اعمال کی تعلیم نہیں دی، بلکہ انہوں نے تو ان کا رد کیا ہے (تفصیل مفتی بہ کتاب میں ہے)۔ اور ہم بھی ان کی اتباع میں ان باتوں کا رد کرتے ہیں۔ کیا یہ صحابہ و فقہاء کی تشریح و تعبیر کو غلط قرار دینا ہے؟ ان باطل کاموں میں مبتلا رہنے اور پھر بھی خود کو صحابہ و فقہاء کا پیروکار ہونے کا دعویٰ کرنے والے بتائیں کہ یہ غلط عقائد و اعمال کس صحابی و فقیہ کے تھے؟ کون سے صحابی دوسروں کی جان نکالنے اور لوٹانے، زمین کی سب سے نچلی تہہ میں

(۱) ”سن لو! (تم میں سے) جو محمدؐ کی ہندگی کرتا تھا، وہ جان لے کہ محمدؐ کو موت آگئی اور (تم میں سے) جو اللہ کی ہندگی کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے، اسے موت نہیں.....“ [صحیح بخاری: جلد ۲، کتاب المناقب، باب ۳۸۶، قول النبی ﷺ لو كنت متخذًا خليلاً..... صفحہ ۳۲۷] (تفصیل کے لیے کتاب ہذا کا عنوان ملاحظہ کیجیے)

رہنے والی چوٹی کے دل کے خیالات جاننے کے دعوے کرتے تھے؟ کون سے صحابی ولادت میں آسانی کے لیے قرآن کی آیت لکھ کر زچہ کی ناف کے نیچے باندھنے کا عمل بتاتے تھے؟ ان سوالوں کا جواب نفی میں ملے گا۔ کوئی بھی صحابی یہ شنیع اور حیا وغیرت سے عاری کام نہیں کرتا تھا۔ لیکن ان مسلک پرستوں کے اکابرین کے یہی دعوے و اعمال رہے ہیں (تفصیل مفتی بہ کتاب میں دی گئی ہے) اور موجودہ لوگ انہیں دانتوں سے پکڑے ہوئے ہیں۔ پھر کس منہ سے یہ خود کو صحابہ کا پیروکار کہتے ہیں؟ یہ تو صحابہ ؓ کے مخالفین ہیں۔ اگر ان کے پیرو ہونے کا دعویٰ ہے تو پھر اس کے ثبوت میں ان کا عقیدہ و عمل بھی اختیار کریں ورنہ یہ دعویٰ بلا دلیل و ثبوت اور باطل ٹھہرے گا۔

سورة التوبة، سورة النساء وغیرہ کی آیات اور ابوداؤد و مشکوٰۃ کی احادیث، جن میں ”اتباع“ اور ”پیروی“ کا حکم ہے، وہ مفتی صاحب نے اکابر پرستی کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ثابت کرتے ہوئے بیان کی ہیں۔ مفتی صاحب کی محولہ کسی بھی آیت یا حدیث میں اکابر پرستی کی کوئی بات نہیں بیان کی گئی، صرف اللہ تعالیٰ، رسول ﷺ اور اولوالامر کی اطاعت و فرمانبرداری کو بیان کیا گیا۔ دراصل یہ مفتی موصوف کی جہالت و کم علمی کا ثبوت ہے جو وہ ”تعبد و تتبع“ یا ”پرستش و پیروی“ میں فرق نہیں کر سکتے۔ ”تعبد یا پرستش“ کے معنی عبادت و بندگی کے ہیں جو اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کی جائز نہیں، جبکہ ”تتبع یا پیروی“ اطاعت و فرمانبرداری کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں جو کہ بحکم الہی نبی ﷺ اور صالحین مومنین کی نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کا حکم بھی ہے۔ اتباع و پیروی جب تک اپنی متعینہ حدود میں رہے تو اطاعت و فرمانبرداری رہتی ہے (جو کہ محمود و مطلوب ہے) لیکن جب یہ اپنی حدود سے تجاوز کرتی ہے تو پھر تعبد و پرستش بن جاتی ہے (جو کہ مردود و ممنوع ہے) * جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء و مشائخ کے ساتھ کیا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس طرح کیا:

★ احادیث میں حکم رسول ﷺ ہے کہ: لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ إِمَامٍ إِلَّا طَاعَةً فِي الشَّرْعِ وَفِي

”معصیت میں کسی کی کوئی اطاعت نہیں، اطاعت تو بیشک معروف (یعنی نیکی کے کام) میں ہے۔“

(متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ: جلد ۲، کتاب الامارۃ والقضاء، صفحہ ۱۸۴)

اتخذوا احبارهم و رهبانهم ارباباً من دون الله^(۱)

عدی بن حاتم نے عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کیا تو نبی ﷺ سے اس آیت کے متعلق کہا کہ ہم نے تو اپنے علماء و مشائخ کو رب نہیں بنایا تھا۔ نبی ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم ان کے حرام کیے ہوئے کو حرام اور حلال کیے ہوئے کو حلال نہیں جانتے تھے؟ جواب دیا ہاں۔ فرمایا کہ یہی انہیں رب بنانا ہے۔^(۲) دوسرے الفاظ میں یہی ان کی بندگی ہے۔ اسی کا نام پرستش ہے کہ اگر ناجائز کو جائز کہا جائے تو بھی اور جائز کو ناجائز کہا جائے تو بھی، ہر حال میں سر تسلیم خم کر دیا جائے۔* یہ معاملہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونا چاہیے تھا کہ وہی سارے جہانوں کا آقا ہے اور سب اسی کے غلام۔ آقا جو حکم دے غلام کو ماننا ہوتا ہے۔ تحلیل و تحریم کے اختیارات بلا شرکت غیرے صرف اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ لیکن یہودیوں نے جب یہ اختیارات اپنے علماء اور پیروں کو دے دیئے تو انہوں نے انہیں مقام ربوبیت بھی دے دیا! اسی بات کو آیت مذکورہ میں بیان کیا گیا اور حدیث میں نبی ﷺ نے اسی کی وضاحت فرمائی۔ لیکن افسوس کہ یہود و نصاریٰ کی پیروی میں آج اس امت کے مسلک پرست بھی اپنے اکابرین کی پرستش میں مبتلا ہیں۔ تحلیل و تحریم کے اختیارات انہیں سونپ رکھے ہیں! اللہ تعالیٰ نے تعویذ گنڈوں کو حرام قرار دیا ہے لیکن ان مسلک پرستوں کے اکابرین نے اس کو حلال کر دیا۔* اب ان کے ماننے والے اسے حرام جاننے کا تصور بھی نہیں کر سکتے بلکہ ایک گونہ عقیدت کے ساتھ کرتے ہیں۔ کیا یہ اکابر پرستی نہیں؟ اللہ نے سود کو حرام قرار

(۱) ”انہوں نے اپنے علماء و پیروں کو اللہ کے مقابلے میں رب بنا لیا ہے۔“ (التوبہ: ۳۱)

(۲) جامع قرمذی: ابواب التفسیر

* جیسا کہ یہ مسلک پرست کرتے ہیں کہ ان کے اکابرین کی کتابوں میں موجود کفر و شرک جب انہیں دکھایا جائے تو کہتے ہیں کہ اتنے بڑے عالم نے ایسا لکھا ہے تو پھر شک ہی لکھا ہوگا!

* نبی ﷺ نے تعویذ گنڈے..... کو شرک قرار دیا۔ (سنن ابی داؤد: جلد ۳، کتاب الطب، باب ۱۹۸، تعلیق التمام، صفحہ ۱۹۳) اس فعل حرام کی ممانعت نبی ﷺ نے اللہ کے حکم سے ہی کی کیونکہ نبی ﷺ اپنی طرف سے کوئی حکم نہیں لگاتے تھے بلکہ وحی الہی کی روشنی میں تحلیل و تحریم نافذ کی جاتی تھی۔ (سورۃ النجم آیت ۳، ۴)

دیا۔ مسلک پرستوں کے اکابرین نے اس کو اس طرح حلال کر دیا کہ کسی کافر سے قرض لے کر اپنا کام چلایا جائے اور سودی رقم سے اس قرض کو ادا کر دیا جائے۔ اب ان کے معتقدین ایسا ہی کرتے ہیں۔ کیا یہ اکابر پرستی نہیں؟ (مزید مثالیں مفتی بہ کتاب میں دیکھی جاسکتی ہیں)

مفتی موصوف نے علمی تحقیق کے خلاف بہت کچھ کہنے کے بعد راقم پر اس طرح تان

ٹوڑی کہ

”علم کے حروف ابجد سے بھی واقف نہیں کیونکہ رضا و مغفرت، عادت و خرق عادت، قدرت و کرامت، سنت و بدعت، معجزہ و استدراج، تعاون و استمداد، کشف و الہام و علم، احاطہ عقل و ماوراء عقل، طاقت و قدرت، مافوق الاسباب و ماتحت الاسباب، اصول تفسیر و اصول حدیث، اصول فقہ وغیرہ وغیرہ کو جانتا ہی نہیں۔ اسی لیے جہالت کی بناء پر گمراہی کے گہرے گڑھے میں جا گرا ہے۔“

واللہ راقم کو عالم ہونے کا دعویٰ کبھی بھی نہیں رہا۔ اس نے اسکول سے یونیورسٹی تک خود کو ہمیشہ ادنیٰ طالب علم ہی جانتا ہے۔ قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا ہے اور ان لوگوں سے اصلاح لی ہے جو علیت کے گھمنڈ سے دور، بڑائی کے تکبر سے نفور اور فی الحقیقت اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ کا مصداق ہیں۔ چنانچہ جو بات قرآن و صحیح حدیث سے ثابت ہے، اس پر راقم کا ایمان راسخ اور یقین واثق ہے جس سے انحراف کو وہ کفر سمجھتا ہے۔ بغیر کسی تعلیٰ و مبالغے کہ، راقم کو سنت سے محبت اور بدعت سے نفرت ہے کہ یہ ایمان کا تقاضہ ہے؛ تصوف سے انتہائی درجے کا بغض ہے کہ ساری خرابی اسی اُمّ الخبیثات کی پھیلائی ہوئی ہے۔ مفتی صاحب کی بیان کردہ اصطلاحات میں سے خرق عادت، کرامت، استدراج، کشف وغیرہ کو ان کے مروجہ اصطلاحی معنوں میں راقم واقعی نہیں جانتا کیونکہ قرآن و حدیث میں ان کا کہیں ذکر ہی نہیں۔ البتہ ویدانی تصوف کی دنیائے کفر میں ان اصطلاحات کا استعمال ایک عام سی بات ہے جس میں قدم رکھنا خود کو جہنم کے راستے پر ڈالنا ہے۔ وہ ان پڑھ اور سادہ لوح دیہاتی بھی ان اصطلاحات میں سے کسی سے بھی واقف نہ تھا لیکن اُس کے لیے نبی ﷺ نے نجات یافتہ اور جنتی ہونے کی بشارت دی کہ اُس نے اُن پانچ چیزوں کو پہلے باندھ لیا تھا جو دین اسلام کی بنیاد ہیں۔ اور ان پانچ باتوں میں مفتی صاحب کی بیان کردہ کوئی بھی

بات شامل نہیں۔ مفتی صاحب اپنی بیان کردہ اصطلاحات سے لاعلم رہنے والے کو جاہل اور گمراہی کے گہرے گڑھے میں گر اہوا قرار دیتے ہیں، جبکہ نبی ﷺ ان الفاظ سے نا آشنا شخص کو ”مفلح“ اور ”اہل الجہنہ“ فرماتے ہیں۔ اے کاش کہ یہ راقم بھی اسی خوش نصیب بدوحیسا ہو جائے! بلکہ اے کاش کہ بڑی بڑی سندوں، جُبوں اور دستاروں والے یہ سارے مولوی، مفتی، لمبے چوڑے القابات والے یہ علامہ، صوفی، پیر بھی سب کے سب اُس اُن پڑھ عرب دیہاتی کی طرح ہو جائیں تاکہ جہنم سے بچ جائیں!

مفتی صاحب نے راقم کو ان لوگوں میں شامل کر کے ایک اور حملہ کیا ہے جن کے لیے قرآن یضِل بہ کثیراً ﴿۱﴾..... کہتا ہے۔ قرآن کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانے کے دعویدار! صبح و شام اللہ کے کلام سے اپنی زبانیں تر رکھنے والو! قَالَ اللّٰهُ وَقَالَ الْمُرْسُوْنَ پڑھنے پڑھانے میں عمریں بتانے والو! اللہ بتاؤ کہ

﴿۱﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاَنھُمْ مَيِّتُوْنَ ﴿۱﴾ کا حکم بیان کرنا یضِل بہ کثیراً ہے؟

﴿۱﴾ سورہ بقرہ کی اس آیت کو مسلک پرست ایسے موقعوں پر خوب استعمال کرتے ہیں جب کوئی قرآن سے ان کے باطل عقائد کا رد کرے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ مجمعو وغیرہ جیسی مثالیں ایمان والے جانتے ہیں کہ اُن کے رب کی طرف سے برحق ہیں جبکہ کافر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ مثالیں بیان کر کے اللہ کیا چاہتا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیُھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا یعنی اس طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کی آزمائش کرتا ہے اور اس سے بہت سے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں اور بہت سے راہ ہدایت پالیتے ہیں۔ اور اگلی آیت میں وضاحت فرمادی ہے کہ گمراہ کون لوگ ہوتے ہیں:

وَمَا یُضِلُّ بِہٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲﴾ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِہٖ
وَیَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَّیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳﴾

”..... اور گمراہ بھی کرتا تو نافرمانوں ہی کو جو اللہ کے اقرار کو مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس چیز (یعنی رشتہ قربت) کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اس کو قطع کئے ڈالتے ہیں اور

زمین میں خرابی کرتے ہیں یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔“ [ترجمہ محمد جالندھری دیوبند]

(۱) ”(اے نبی!) آپ کو بھی موت آئے گی اور یہ سب بھی مرنے والے ہیں۔“ (الزمر: ۳۰) یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ بھی وفات پا چکے ہیں اور ان مسلک پرستوں کے عقیدے کے خلاف مدینے والی قبر میں زندہ نہیں ہیں۔

- ﴿کل نفس ذائقة الموت﴾^(۱) بیان کرنا یضل بہ کثیرا ہے؟
- ﴿لا تشتروا بآیتی ثمناً قليلاً﴾^(۲) بیان کرنا یضل بہ کثیرا ہے؟
- ﴿وما أتکم الرسول فخذوه وما نہکم عنہ فانتہوا﴾^(۳) کا حکم بیان کرنا یضل بہ کثیرا ہے؟
- ﴿وما النصر الا من عند اللہ العزیز الحکیم﴾^(۴) بیان کرنا یضل بہ کثیرا ہے؟
- ﴿وان یمسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا هو﴾^(۵) بیان کرنا یضل بہ کثیرا ہے؟
- ﴿ایاک نعبد وایاک نستعین﴾^(۶) کی تعلیم دینا یضل بہ کثیرا ہے؟

(1) ”ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔“ (آل عمران: ۱۸۵، الانبیاء: ۳۴) اس آیت سے نبی، ولی، کسی کا موت سے انشئی ثابت نہیں ہوتا، جو زندہ ہے، اس نے مرنا بھی ہے، جو اس دنیا میں آیا ہے، وہ ایک دن یہاں سے جائے گا بھی ضرور، ہمیشہ کی زندگی کسی کو بھی نہیں ملی۔ اس سے ان مسلک پرستوں کے اس عقیدے کا رد ہوتا ہے کہ نبی ﷺ دنیاوی زندگی کی طرح زندہ ہیں!

(2) ”اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) حاصل نہ کرو۔“ (البقرہ: ۴۱) یہ آیت دینی امور پر معاوضہ لینا ناجائز ٹھہراتی ہے جس کے برخلاف ان مسلک پرستوں نے دین کو کھانے کمانے بلکہ مال بٹھانے کا ذریعہ بنایا ہوا ہے!

(3) ”رسول ﷺ جو کچھ تمہیں دیں، اس کو لے لو اور جس سے روک دیں، اس سے رک جاؤ۔“ (الحشر: ۷) اس آیت سے سنت رسول سے ثابتہ اعمال کی پیروی اور غیر ثابتہ اعمال سے اجتناب کی تاکید ثابت ہوتی ہے جو کسی اور کی جانب سے نہیں بلکہ خود رب العالمین کی طرف سے دی گئی ہے، جس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلک پرستوں نے بہت سے اعمال اختیار کیے ہوئے ہیں!

(4) ”مدد اللہ کے سوا کسی کی جانب سے نہیں، جو بہت زور آور اور حکمت والا ہے۔“ (آل عمران: ۱۲۶، الانفال: ۱۰) اس آیت سے استعانت غیر اللہ کی حرمت کا ثبوت ملتا ہے جس کے خلاف یہ مسلک پرست غیر اللہ سے استعانت علائقہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اس پر تکبر کرنے والوں کو گستاخ وغیرہ کہتے ہیں!

(5) ”اور اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کو کوئی نہیں ہٹا سکتا، اور اگر وہ تم کو کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے فائدہ پہنچاتا ہے، اور وہ بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“ (یونس: ۱۰۷) یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ نفع نقصان پہنچانے والی ذات اللہ کے سوا کوئی نہیں، مشکل کشائی اللہ کے سوا کسی کا کام نہیں، جھولیوں بھرنے والے اللہ کے سوا کسی کا منصب نہیں۔ مگر مسلک پرست پھر بھی یہ کام غیر اللہ سے کراتے نظر آتے ہیں اور اسے شرک سمجھنا تو کجا، عین ثواب سمجھتے ہیں!

(6) ”(اے اللہ!) ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔“ (الفاتحہ: ۳) یہ آیت غیر اللہ کی بندگی اور استمداد کا انکار کرتی ہے، جس کو روزانہ پانچ نمازوں میں چالیس مرتبہ تک پڑھنے کے باوجود یہ مسلک پرست مدد کے لیے غیر اللہ کو فخریہ پکارتے نظر آتے ہیں!

واللہ نہیں، ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ تو اللہ رب العزت کے حکم: **والتکن منکم امت یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر** (۱) کی بجا آوری اور رسول ﷺ کے حکم: **بلغوا عنی ولو آية** (۲) کی عین اطاعت اور فرمانبرداری ہی میں کیا جا رہا ہے اور رسول ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے کما قال عز وجل **ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ**۔ (۳)

قرآن کی دعوت سے دراصل وہی لوگ روکتے ہیں جن کے مفادات پر زور پڑے اور جنہیں اس دعوت کے پھیلنے سے اپنی چودھر اہٹ میں کمی آنے اور اپنی گدی جانے کا خوف ہو۔ ایسے لوگ یہی یضیل بہ کثیرا والی آیت کا صرف اتنا سا ٹکڑا بیان کر کے لوگوں کو دعوت قرآن قبول کرنے سے روکتے ہیں کہ دیکھو اللہ فرماتا ہے کہ قرآن کے ذریعے اللہ بہتوں کو ہدایت دیتا ہے اور بہتوں کو گمراہ کر دیتا ہے۔ اگر یہ لوگ خالی لاتھربوا الصلوة نہ پڑھیں بلکہ اس کے ساتھ وانتم سکاڑی بھی پڑھ دیں تو لوگوں کو حقیقت کا علم ہو جائے۔ (۴) اگر یہ پوری آیت بیان کیا کریں تو سامعین کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو کتاب ہدایت قرآن مجید کے ذریعے گمراہ کرتا ہے:

..... **يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ۖ وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿١٠٣﴾**
الَّذِينَ يَتَقَطُّونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ
أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٠٤﴾ (البقرة: ۲۶، ۲۷)

(۱) ”اور تم میں ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور بُرے کاموں سے منع کرے۔“ (آل عمران: ۱۰۳)

(۲) ”لوگوں کو میری طرف سے (دین کی باتیں) پہنچاؤ، خواہ ایک آیت ہی ہو۔“ (صحیح بخاری، جلد ۲، کتاب الانبیاء، باب ۵۰، ما ذکر عن اسرائیل، صفحہ ۳۵۱)

(۳) ”جو شخص رسول کی اطاعت کرے گا تو بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“ (النساء: ۸۰)

(۴) قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ جو شراب کی حرمت سے پہلے نازل ہوئی تھی کہ: **لَا تَقْرُبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ** (النساء: ۴۳) ”تم صلوٰۃ کے نزدیک نہ جاؤ، جب تم نشے کی حالت میں ہو۔“ مکمل آیت کے بجائے صرف اس کے اگلے حصے کو بیان کر دینے سے فریضہ صلوٰۃ کی ہی نفی ہو جائے گی کہ اس میں صلوٰۃ کے نزدیک جانے سے منع فرمایا گیا ہے۔

یعنی اس سے گمراہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو نافرمان ہیں، جو اللہ سے بندگی کا پختہ عہد کر کے توڑ دیتے ہیں (اور دوسروں کی بندگی کرنے لگتے ہیں)، اور رشتے داروں سے تعلقات منقطع کر لیتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلا کر خسارے سے دوچار ہوتے ہیں۔ حاشا للہ! ہم ان میں سے کوئی کام نہیں کرتے۔ اللہ کی نافرمانی سے حتی المقدور احتراز کرتے ہیں، اللہ سے عہدِ اَنَسْت (۱) باندھ کر اس کے سوا کسی بھی معنی میں کسی اور کی بندگی کر کے اس عہد کو نہیں توڑتے (البتہ ہمیں پارسائی کا دعویٰ نہیں کہ بشری تقاضے کے تحت کسی تقصیر کا ارتکاب محال نہیں)، نہ ہی اللہ کے احکامات کو علانیہ توڑتے ہیں اور نہ ہی زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو یہ مسلک پرست لوگ ہی اس آیت کا مصداق ہیں جو اللہ کے مقابلے میں اپنے مولویوں اور پیروں کی بات مان کر عہدِ اَنَسْت کو توڑتے ہیں اور زمین میں کفر و شرک پھیلا کر فساد برپا کر دیتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

مفتی صاحب نے راقم کو مرزا قادیانی سے تشبیہ دیتے ہوئے لکھا کہ

”اکابر کو رہنما تسلیم کرتا تو گمراہ نہ ہوتا اور اسے تمام باتیں درست اور صحیح نظر آتیں یا کم از کم رحمۃ اللعالمین ﷺ کو دل سے نبی اور رسول تسلیم کرتا تو کبھی اس طرح رائے زنی اور من پسند تشریحات نہ کرتا۔۔۔۔۔“

حاشا للہ! ہمارا مرزا قادیانی سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم اسے اور اس کی ساری جماعت کو اور ان جیسے اُن تمام لوگوں کو غیر مسلم اور کافر سمجھتے ہیں جو محمد عربی ﷺ کو آخری نبی نہ مانے اور

(۱) ابتدائے آفرینش میں ہونے والا وہ عہد و پیمان مراد ہے جس کا ذکر قرآن میں اس طرح ہے:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ ۖ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ
طَقُلُوا بَلَىٰ ۚ شَهِدْنَا ۖ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ (الاعراف: ۱۷۲)

”اور جب تمہارے رب نے بنی آدم سے ان کی بیٹیوں سے اُن کی اولاد نکالی تو ان سے خود ان کے

مقابلے میں اقرار کرایا (ان سے پوچھا کہ) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے کیوں نہیں۔

ہم گواہ ہیں (کہ تو ہی ہمارا رب ہے)۔ یہ اقرار اس لیے کرایا تھا کہ قیامت کے دن (کہیں یوں نہ)

کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔“

آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کو کسی بھی معنی میں نبی و رسول مانے۔ ہم دل کی گہرائیوں سے محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (الف مرة بعد وکل ذرة وقطرة) کو اللہ کا آخری نبی اور رسول برحق جانتے ومانتے ہیں۔ نبوت کے سلسلے کو ہر لحاظ سے ہم آپ ﷺ پر ہی ختم اور تمام سمجھتے ہیں۔ یہ مسلک پرست ہی ہیں جو ابھی بھی اسے جاری سمجھتے ہیں (حالیہ مفتی بہ کتاب میں دی گئی ہیں)۔

یہ بات بار بار بیان کی گئی ہے کہ ہم ما انا علیہ و اصحابی والی راہ کے ہی راہی ہیں۔ اصحابی کالنجوم فباہم اقتدیتم اہتدیتم^(۱) کی رو سے ہم اصحاب رسول ﷺ کو ہی اپنا رہبر و رہنما، امام و مقتداء اور اکابر مانتے ہیں؛ نیز تابعین و تبع تابعین اور ان کی پیروی کرنے والے بزرگ علماء و فقہاء ہمارے قابل احترام اکابرین ہیں۔ یہ ان سلف صالحین کی اتباع ہی کا نتیجہ ہے کہ الحمد للہ ہم خلاف اسلام ہر بات کو بے دھڑک رد کر دیتے ہیں، خواہ کتنے بڑے علامہ صاحب نے ہی کیوں نہ لکھی ہو۔ یہ اپنے اکابرین صحابہ کرام کی پیروی ہی ہے جو ہم حکایات اولیاء، امداد المشتاق، اشرف السوانح، تذکرۃ الرشید، سوانح قاسمی، تذکرۃ الخلیل، فضائل صدقات وغیرہ جیسی کفر و شرک سے لبریز کتابوں کو بلا جھجک ٹھکرا دیتے ہیں کیونکہ حاجی امداد اللہ، اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی، عبدالرشید گنگوہی، خلیل سہارنپوری، زکریا کاندھلوی وغیرہ ہمارے اکابر نہیں ہیں۔ اس لیے مسلک پرستوں کی طرح ہم یہ کہہ کر ان کا دفاع نہیں کرتے کہ ”اتنے بڑے علماء نے یہ کتابیں لکھی ہیں تو تھیک ہی لکھی ہوں گی“ کیونکہ ہمیں اللہ کا وقار عزیز ہے۔ ہمارے اور ان کے درمیان قرآن کی یہ آیت فیصلہ ہے:

ومن الناس من يتخذ من دون الله اندادا يحبونهم كحب الله والذين آمنوا اشد حباً لله^(۲)

(۱) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے،

ہدایت پاجاؤ گے۔ (مشکوٰۃ، جلد ۳، باب مناقب الصحابہ، صفحہ ۲۲۳)

(۲) ”اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں

جیسی اللہ سے محبت۔ لیکن جو ایمان والے ہیں، وہ تو اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔“ (البقرہ ۱۶۵)

یہ قرآن و سنت کے متبع اپنے اکابرین کی اتباع ہی تو ہے جو ہمیں یہ تمام باتیں درست اور صحیح نظر نہیں آتیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور اپنی مرضی سے جب چاہے روح کھینچ کر موت دیدے اور جب چاہے روح لوٹا کر زندگی بخش دے، دوسروں کے دلوں کا حال جان لے، غیب پر مطلع ہو جائے، اپنی وفات کے سینکڑوں سال بعد آکر مرید کی دستگیری کر کے اس کے اخراجات کا بندوبست کر دے، مرنے کے بعد جسد غصری کے ساتھ دنیا میں آکر اپنے شاگرد مولوی کو تنبیہ کرے، دادا جان اپنی وفات کے بعد دادی کے لیے مٹھائی کا ٹوکرا لیے چلے آئیں (یہ اور ان جیسی متعدد مثالیں مفتی بہ کتاب میں دی گئی ہیں)۔

اور حاشا اللہ یہ بھی راقم پر الزام ہے کہ اس نے قرآن میں رائے زنی کی ہے اور اس کی من پسند تشریح کی ہے۔ راقم نے صرف قرآن و حدیث کو بیان کیا ہے کیونکہ ان دونوں کو ہی وہ دین میں حجت سمجھتا ہے۔ ان دو کے علاوہ کسی تیسری چیز کو نہیں بیان کیا۔ آثار صحابہ ﷺ بھی حدیث ہی کی تعریف میں آتے ہیں۔

راقم پر مفتی صاحب کا یہ ایک اور الزام ہے کہ

”یہی تمام باتیں منور صاحب میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں کہ انہوں نے قرآن مجید کو آڑ بنا کر اکابرین پر خوب طعن و تشنیع کی ہے۔“

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، صحابہ کرام ﷺ ہی ہمارے اکابرین ہیں اور اپنے اکابرین کے خلاف زبان کھولنے کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مایکون لنا ان نتکلم بہذا! راقم نے تو صرف مسلک پرستوں کی کتابوں میں پائے جانے والے کفر و شرک کی مہذب انداز میں نشاندہی کی ہے تاکہ لوگ سبق حاصل کر کے ان کے دام فریب سے چھٹکار پائیں اور راہ حق اختیار کر لیں۔ طعن و تشنیع سے وہاں بھی حتی الوسع پرہیز کیا گیا ہے۔ مفتی صاحب کو یہ حق گوئی شاید اس لیے ناگوار گزری کہ جن لوگوں کی بے دینی کی طرف توجہ مبذول کروائی گئی تھی، انہی کو انہوں نے رب بنا رکھا ہے؛ ان کو یہ برا تو لگنا ہی تھا کہ ان کے قلب و ذہن میں اللہ رب العزت کے وقار کی جگہ ان اکابرین ہی کا وقار چاہا تھا! انہی کا وقار ملحوظ تھا!

ما لکم لا ترجون لله وقاراً وقد خلقكم اطواراً،
وما قدره الله حق قدره

مفتی صاحب نے مسلم کی حدیث:

يكون في آخر الزمان دجالون كذابون يأتونكم من الاحاديث بما لم
تسعوا انتم ولا اباؤكم فاياكم ولا يضلونكم ولا يفتنونكم

بیان کر کے اپنے زعم میں ”منقول و معمول بہا اور عملاً متواتر و مسلسل دین اسلام کے خلاف قرآن و حدیث کی آڑ لے کر نئی نئی باتیں پھیلانے“ کے الزام میں راقم کو گمراہ، ضال، مضل، دجال، کذاب اور فتنہ باز ٹھہراتے ہوئے خوب سب و شتم کیا ہے اور دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ ذرا غور کریں اس حدیث میں تو ان ”دجالوں و کذابوں“ (جھوٹے مفتی لوگوں) کا ذکر ہے جو ”موضوعات“ یعنی گھڑی ہوئی گمراہ کن روایات کو بنیاد بنا کر لوگوں کے ایمان کو شرک سے آلودہ کریں گے اور بدعات و خرافات کو دین بنا کر لوگوں پر مسلط کر دیں گے جبکہ راقم نے ایسی کوئی روایت پیش نہیں کی بلکہ قرآنی آیات کے ساتھ صحاح ستہ ہی کی مستند صحیح احادیث مع مکمل حوالہ بیان کی ہیں۔ ٹک ہے ان پیشہ وروں پر کہ قرآن و صحیح احادیث پر مشتمل دعوت حق دینے والوں کو یہ ان القابات سے نوازا رہے ہیں؛ کیا مقام ہے ان کی نظر میں قرآن و حدیث کا! آج یہ مسلک پرستی میں اندھے ہو کر اس طرح پھپھولے پھوڑ رہے ہیں لیکن عنقریب ان پر حق واضح ہو جائے گا۔ فستذکرون ما قول نکم و افوض امری الی اللہ! قرآن و حدیث کے خلاف نئے نئے زوالے عقائد و اعمال اختیار کر کے درحقیقت یہ مسلک پرست خود ہی اس حدیث کا مصداق بنے ہوئے ہیں اپنے کفر و شرک سے آلودہ عقائد و اعمال کو ”منقول و معمول بہا اور عملاً متواتر و مسلسل“ ہونے کا دعویٰ کرنے والو! ذرا بتاؤ کہ جو بات خیر القرون میں منقول و معمول بہانہ ہو تو کیا اسے ”عملاً متواتر و مسلسل“ کا درجہ مل سکتا ہے خواہ بعد کی صدیوں سے اس پر عمل کیوں نہ ہو رہا ہو؟ مثلاً

☞ قبر نبوی پر گنبد نبی ﷺ اور صحابہ ﷺ کے سینکڑوں سال بعد ساتویں صدی ہجری میں تعمیر ہوا، اور سبز رنگ تو اسے آج سے صرف ڈھائی سو سال پہلے ترکوں نے دیا۔ تو کیا

فرمانِ رسول ﷺ کے خلاف قبر پر بنائی جانے والی اس عمارت کا وجود ”عملاً متواتر و مسلسل“ کے زمرے میں آئے گا اور جو اس کے خلاف حکمِ رسول ﷺ بیان کرے گا تو کیا وہ کوئی نئی بات کرے گا جو نہ آج کے لوگوں نے سنی اور نہ ان کے باپ داداؤں نے؟ کیا اس حکمِ رسول ﷺ کا بیان کرنے والا دجال و کذاب، مضل و مفتن ٹھہرایا جائے گا؟

✍ خیر القرون یعنی دورِ صحابہ، تابعین و تبع تابعین کے بعد بھی سات صدیوں تک کسی ”عید میلاد“ کا وجود نہ تھا جسے آج بڑے جوش و خروش اور عقیدت و احترام سے منایا جاتا ہے، مگر قرآن و حدیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اگر آج ہم اس کے خلاف قرآن و حدیث کا حکم بتائیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اسوہ اپنانے کی تلقین کریں تو کیا یہ کوئی نئی بات ہوگی اور اس کو بیان کرنے والا دجال و کذاب، مضل و مفتن ٹھہرایا جائے گا؟ اسی طرح پچھلے اوراق میں بیان کردہ

- قبر نبوی بلکہ نعل نبوی کو عرش و کرسی اور بیت اللہ سے افضل قرار دینے،
- مردوں کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانے،
- قبر کے مردوں کو زندہ دیکھنے، سننے، بولنے، اور ہاتھ ملانے والا ماننے،
- قبروں سے فیض پہنچنے،
- مردوں پر اعمال پیش ہونے،
- تعویذ گنڈے کرنے،
- غیر اللہ سے مدد مانگنے،
- حرام کو حلال کرنے کے حیلے کرنے،
- اللہ تعالیٰ کو دنیا ہی میں دیکھ لینے،
- بعد از وفات نبی ﷺ کا ملاقات کے لیے چلے آنے،
- علیین و سحیین کو عالم برزخ کے طبقات قرار دینے،
- علماء دین کو مولانا کہنے،
- کائنات کی تخلیق کا سبب ذات محمدی گمراہی،
- نبی ﷺ کو بشریت سے ماوراء، نور من نور اللہ قرار دینے،

- ❖ قرآن وحدیث کے بجائے کسی مخصوص مسلک کی پیروی کرنے،
- ❖ نبی ﷺ کے بعد بھی کسی اور نبی کے آنے کی گنجائش رکھنے،

وغیرہ جیسے مسلک پرستانہ عقائد و اعمال خیر القرون میں بالکل مفقود تھے۔ ان کے خلاف قرآن وحدیث کا موقف بیان کرنا کیا ”منقول و معمول بہا اور عملاً متواتر دین اسلام“ کی خلاف ورزی کے زمرے میں آئے گا؟ اور کیا ان کفریہ و شرکیہ و بدعیہ عقائد و اعمال کے خلاف قرآن وحدیث سے ثابتہ حق بیان کر کے اپنے ایمان کا ثبوت دینے والا دجال و کذاب، مضل و مفتن ٹھہرایا جائے گا؟

مفتی بہ کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ میں جو احادیث بیان کی گئی ہیں وہ سب تیسری صدی ہجری کی مدونہ صحاح ستہ کی احادیث ہیں۔ ان گیارہ سو سال قدیم مجامع سے جن میں محدثین مذکور نے اپنے اکابرین سے متواتر اور مسلسل سندوں سے روایات جمع کیں، اگر آج انہی احادیث صحیحہ میں سے کوئی ایسی حدیث بیان کی جائے جس کو بیان نہ کیا جاتا ہو، یا جس سے لوگ لاعلم ہوں، تو کیا وہ کوئی نئی بات ہوگی؟ اگر مسلک پرستوں نے اپنے مسلک پر ضرب لگانے والی احادیث کو بیان نہ کیا ہو اور آج حدیث سے تمسک کرنے والا کوئی شخص انہیں بیان کرے جو کہ چودہ سو سال پہلے نبی ﷺ نے بیان فرمائی ہو اور صحابہ ﷺ نے دوسروں کو روایت کی ہو، اور وہ مذکورہ مجامع میں تواتر سے لکھی آج بھی موجود ہوں، تو کیا وہ نئی باتیں کہلائی جائیں گی؟ کیا اس طرح بیان کیے جانے والے احکام رسول ﷺ سے لوگوں کو یہ سمجھ کر بچتا ہوگا کہ یہ تو نئے احکام ہیں، جو ہم نے پہلے کبھی نہیں سنے؟ ان سب سوالوں کا جواب نفی میں ہو گا کیونکہ بلغوا عنی ولو آیتہ کے حکم کا اطلاق تا قیامت رہے گا۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا، زیر جواب حدیث بھی ان مسلک پرستوں کے خلاف ہے اور اس کی ضرب بھی انہی پر پڑے گی اور ان کے القابات انہی پر لوٹیں گے کیونکہ یہی لوگ ایسی باتیں پھیلاتے ہیں جو خیر القرون میں مفقود تھیں مثلاً یہی سبز گنبد جو نبی ﷺ کی تعلیمات کے خلاف آپ ﷺ کی قبر پر آپ ﷺ کی وفات کے ساڑھے چھ سو سال بعد تعمیر کیا گیا، آج منہج رحمت الہی قرار دیا جا رہا ہے۔ نبی ﷺ تو صحابہ ﷺ کو قبریں زمین کے برابر کرنے کے لیے

بھیجا کرتے تھے، لیکن اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ صحابہ و تابعین نے برابر گنبد کی حفاظت کی ہے (تفصیل مفتی بہ کتاب میں دی گئی ہے)۔ ہے نایہ نئی بات! جنگ موتہ میں مسلمان عیسائی فوج کے نزعے میں آ گئے۔ نبی ﷺ وحی کے ذریعے مسجد نبوی میں صحابہ ﷺ کو وہاں کے حالات بتا رہے تھے۔ مگر ہزاروں میل دور وہاں جا موجود نہ ہوئے کہ حاضر و ناظر ہونا صرف اللہ ہی کی صفت ہے۔ بیعت رضوان میں بھی یہی ہوا۔ عثمان ﷺ کی بخیریت واپسی تک نبی ﷺ انہیں مقتول ہی سمجھتے رہے (تب ہی تو ان کے قصاص کی بیعت لی تھی) لیکن حدیبیہ سے ڈیڑھ دو میل آگے خانہ کعبہ میں موجود صحیح سلامت موجود عثمان ﷺ کے صحیح حالات نہ بتائے کیونکہ معلوم نہ تھے۔ واقعہ افک میں کم و بیش ایک مہینے تک نبی ﷺ اذیت میں رہے اور آیات برأت نازل ہونے تک حقیقت حال نہ جان سکے کہ اس کی قدرت نہ تھی۔ حدیث جمیم میں عائشہ ﷺ کے گمشدہ ہار کی تلاش کا تذکرہ ہے۔ ہار نہ ملنے کی وجہ سے پڑاؤ نہ اٹھایا گیا۔ قافلے میں پانی موجود نہ تھا اور صلوٰۃ کا وقت تنگ ہو رہا تھا۔ معاً تیمم کے احکامات نازل ہوئے۔ صلوٰۃ کے بعد جب پڑاؤ اٹھایا گیا تو ہار اونٹ کے نیچے دبایا۔ نبی ﷺ اس سے لاعلم رہے۔ اس تفصیل کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جب تک وحی نازل نہ ہوتی، نبی ﷺ کو کسی پوشیدہ امر کی اطلاع نہ ہوتی یعنی آپ ﷺ غیب کے جاننے والے نہ تھے۔ نہ ہی آپ ﷺ متصرف فی الامور اور ہر جگہ حاضر و ناظر تھے۔ جب زندگی میں ایسا تھا تو وفات کے بعد کا کیا کہنا۔ لیکن تبلیغی نصاب میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی وفات کے طویل عرصے بعد دنیا میں آکر ایک مردہ عورت کے چہرے اور پیٹ پر ہاتھ پھیر کر انہیں درست کر دیا۔ ہے نا یہ نئی بات! کیا خیر القرون میں ایسا ہوا تھا؟ کیا ایسا کہنا ”منقول و معمول بہا اور عملاً متواتر و مسلسل دین اسلام“ کہلائے گا؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔

اب بتائیے دین کے نام پر نئی باتیں کون پھیلا رہا ہے؟ قرآن و حدیث سے تمسک کرنے والے ہم مسلمین یا ان دونوں کے خلاف اپنے اکابرین کے اقوال سے چٹے رہنے والے یہ مسلک پرست؟ یہ تو صرف چند مثالیں ہیں ورنہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

کفر و شرک سے لبریز تبلیغی نصاب ”فضائل اعمال“ کا موازنہ اللہ کی سچی کتاب قرآن مجید سے کرنا مسلک پرستی کی انتہا ہے اور اس بات کا ثبوت بھی کہ یہ مسلک پرست لوگ اس کفریہ کتاب کو قرآن کا درجہ دیتے ہیں ورنہ چہ نسبت خاک را بعالم پاک! فضائل اعمال نامی کتاب میں شامل کفر و شرک کو ”کرامات“ کا نام دے کر اسے اس وجہ سے درست قرار دینا کہ ان کے زعم میں یہ باتیں قرآن مجید میں بھی پائی جاتی ہیں، جہالت اور ہٹ دھرمی کی تمام حدود کو پار کر جاتا ہے۔ قرآن تو کرامت کے معنی عزت و بزرگی، شرافت و نجابت بتاتا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (1)

هَذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلٰی (2)

اِنْ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (3)

فَاَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّيْ اَكْرَمَنِيْ (4)

قرآن و حدیث میں لفظ ”کرامت“ ان ہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور خرق عادت افعال کا نام ”کرامت“ دیا جانا قرآن و حدیث میں کہیں نہیں۔ ہاں ان مسلک پرستوں اور ان کے پیشوا ویدانی صوفیوں کی کتابوں میں ہر جگہ معجزے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، البتہ اس اصطلاحی فرق کے ساتھ کہ اگر یہ خرق عادت فعل کسی نبی سے سرزد ہو تو معجزہ ہے اور غیر نبی سے ہو تو کرامت ہے۔ لطف یہ ہے کہ اس ”کرامت“ کا ظہور غیر مسلموں سے ہونا بھی مانا جاتا ہے، لیکن اس وقت اس کا نام ”کرامت“ کے بجائے ”استدراج“ رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن میں بھی استدراج کا لفظ آیا ہے، مگر بالکل برعکس معنوں میں:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ (5)

(1) ”اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی۔“ (بنی اسرائیل: ۷۰)

(2) ”یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے؟“ (بنی اسرائیل: ۶۲)

(3) ”اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہے۔“ (الحجرات: ۱۳)

(4) ”جب وہ عزت دیتا اور نعمت بخشتا ہے تو یہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت بخشی۔“ (الفجر: ۱۵)

(5) ”اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ان کو ہم بتدریج اس طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو معلوم نہ

فذرني ومن يكذب بهذا الحديث سنستدرجهم من حيث لا يعلمون⁽¹⁾
 جن باتوں کو معجزہ کہا جاتا ہے وہ بھی خود انبیاء علیہم السلام سے نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مرضی و مشیت کے تحت ہی صادر ہوتے ہیں۔ اس میں نبی و غیر نبی کی مرضی کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہ سب ان مسلک پرستوں کی اپنی اختراع ہے۔ چنانچہ مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم کے پھلوں کا آنا اور ان کے بیٹے عیسیٰ ل کا مردوں کو زندہ کر دینا، ہر دو افعال معجزہ ہیں اور یہ معجزے صرف اللہ ہی کی اجازت سے ہوتے ہیں کما قال سبحانہ و تعالیٰ:

وما كان لرسول ان ياتي باية الا باذن الله⁽²⁾

قل انما الايت عند الله وانما انا نذير مبين⁽³⁾

قل ان الله قادر على ان ينزل اية اكثرهم لا يعلمون⁽⁴⁾

وما كان لنا ان ناتيكم بسلطان الا باذن الله⁽⁵⁾

لیکن ”کرامت“ کے نام پر معجزے دکھانے والے تو اپنی مرضی سے یہ کام کرتے ہیں: شاہ اسماعیل دہلوی سے لوگوں نے دہلی کے پل پر فرمائش کی کہ پورا قرآن عصر و مغرب کے درمیانی ایک ڈیڑھ گھنٹے کے وقفے میں سنائیے۔ موصوف نے اسی وقت وہیں کھڑے کھڑے پورا قرآن حسب فرمائش سنا دیا (حکایت اولیاء)۔ ان کے دادا ابو الرضا صاحب جب چاہتے موت

(1) ”تو پھر مجھ کو اس کلام کے جھٹلانے والوں سے سمجھ لینے دو۔ ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسے طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔“ (الہم: ۳۳)

(2) ”اور کسی رسول کا کام نہیں کہ کوئی نشانی بغیر اللہ کی مرضی کے لے آئے۔ ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔“ (العنکبوت: ۵۰)

(3) ”(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے کہ نشانیاں (معجزے) تو اللہ ہی کے اختیار میں ہیں اور میں تو بس کھلم کھلا ڈرنا دینے والا ہوں۔“ (العنکبوت: ۵۰)

(4) ”(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے کہ اس بات پر اللہ ہی کو قدرت ہے کہ کوئی نشانی (معجزہ) اتارے، لیکن ان لوگوں کی اکثریت کو علم نہیں۔“ (الانعام: ۳)

(5) ”اور ہمارا اختیار نہیں کہ ہم اللہ کے حکم کے بغیر تم کو (تمہاری فرمائش کے مطابق) معجزہ دکھائیں۔“ (ابراہیم: ۱۱)

دیدیتے اور جب چاہتے زندگی لوٹا دیتے (انفاس العارفین)۔ عبدالحق ”محدث“ دہلوی بیان کرتے ہیں عبد القادر جیلانی صاحب اپنے ارادے سے کرامتیں دکھاتے تھے۔ (اخیر الاخیل) قطب الدین بختیار کاکی صاحب نے اپنے پیر معین الدین چشتی اجمیری صاحب کا فرمان نقل کرتے ہوئے ان کا اپنے ارادے سے کرامت دکھانا روایت کیا۔ ان ہذا الافک افتراہ

اور یہ کرامات تو معجزات سے بھی بڑھ کر ہیں: کسی نبی نے موت و حیات دینے کے دعوے نہیں کیے۔ لیکن شاہ ولی اللہ کے تایا کا یہ دعویٰ تھا جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ کسی نبی نے غیب دانی کا دعویٰ نہیں کیا۔ وہ تو یہی کہتے رہے کہ واللہ اعلم الغیب۔ لیکن موت و زندگی دینے کے دعویدار یہی تایا صاحب دعویٰ کرتے تھے کہ زمین کی سب سے ٹپلی تہہ میں رہنے والی چوٹی کے دل میں آنے والے سونے میں سے ننانوے خیالات کو وہ جان لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ پورے سو خیالات جانتا تھا (یعنی صرف ایک فیصد کی کمی رہ گئی!)، مرید کے دل کے حالات کا جاننا کیا بڑی بات تھی (انفاس العارفین)۔ اب بتائیے کہ ان کرامات کو معجزات سے کیا نسبت؟

مفتی صاحب نے قرآن میں مذکور کچھ معجزات کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ النمل کی آیت ۴۲ کے حوالے سے لکھا ہے کہ

”آصف کا پلک جھپکنے سے پہلے بلقیس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا حاضر کرنا۔“

اس سے مفتی صاحب کی قرآن دانی اور دینی فہم کا اندازہ ہو گیا۔ آیت مذکورہ میں کسی آصف اور بلقیس کا ذکر نہیں۔ وہاں تو اللہ ہی عندہ علم من اللہ (۱) کا ذکر ہے جس کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی تذکرہ نہیں کہ وہ کون شخص تھا اور اس کے علم کی کیا نوعیت تھی۔ یہ اسرائیلی روایات کا شاخسانہ ہے جن کو درست مان کر بنی اسرائیل کے انبیاء

(۱) ”وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا، کہنے لگا۔“ (النمل: ۴۰)

★ سیاق میں اس عورت کے تحت لانے کا ذکر چل رہا ہے جو سورج کو پوجنے والی قوم پر حکومت کر رہی تھی، نہ کہ خود اسی عورت کے لانے کا! اور یہ عورت بعد میں خود ہی سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پہنچی، نہ کہ اسے کسی

کی مانند ہونے کے دعویدار مسلکی مولوی یہ گوہر افشائیاں فرماتے ہیں۔ ولاتقف مائیس
لک بہ من علم (۱) کے حکم الہی کی تعمیل میں مومنین کا طرز عمل یہ ہونا چاہیے کہ جتنا بتا دیا
گیا اتنا مان لیا جائے اور زیادہ کی کھوج کرید میں نہ پڑا جائے کہ متشابہات کے پیچھے پڑنا ان
لوگوں کا کام ہے جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فاما للذين في قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء

الفتنة وابتغاء تاويله وما يعلم تاويله الا الله (۲)

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر فضائل اعمال کی کرامتوں سے شرک پھیلے گا تو قرآن بھی
چھوڑ دیں کہ اس کے معجزات سے بھی یہ کام ہوگا۔ مفتی صاحب! قرآن میں بیان کردہ
معجزات سے ہرگز شرک نہیں پھیلے گا کیونکہ قرآن کا فہم رکھنے والا قاری مذکورہ بالا سورۃ
الرعد، العنکبوت وغیرہ کی آیات کی رو سے یقین کامل رکھے گا کہ ان معجزات میں شخصیات کا
کوئی دخل نہیں تھا اور یہ سب فقط اللہ کی مرضی سے واقع ہوئے۔ البتہ جو آدمی قرآن و
حدیث کی راہ چھوڑ کر کسی بھی مسلک سے وابستہ ہو گا وہ انہیں آپ کی طرح شخصیات کا کمال
بتائے گا کہ انگلی کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا، آصف بر خیا نامی صوفی وزیر نے
علم لدنی کے ذریعے پلک جھپکنے سے پہلے ملکہ سبا کا تخت لا حاضر کیا.....

معجزات اور کرامات کو ایک دوسرے کی مثل کہتے ہوئے مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ
یہ توحید کے دلائل ہیں اور ان سے اللہ کی وحدانیت کا اظہار ہوتا ہے۔ معجزات میں واقعی
اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل ہیں کہ وہ اعلیٰ و ارفع ذات ہر وہ کام کرنے پر مکمل قدرت

نے پہنچایا! وہ مفتی صاحب! یہ ہے آپ کی قرآن دانی! برسوں کیا پڑھتے رہے مدرسے میں؟ قرآن کی یہ
معنوی تحریف!

(۱) ”جس چیز کا تجھے علم نہیں، اس کے پیچھے نہ پڑ.....“ (بنی اسرائیل: ۳۶)

(۲) ”تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور ان کی تاویل
کریں حالانکہ ان کی تاویل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“ (آل عمران: ۷)

رکھتی جس کو کرنے سے لوگوں کے قویٰ عاجز ہوں، جس کے سمجھنے سے عقلیں عاجز ہوں۔ ”معجزہ“ اسی عاجز کر دینے والے فعل کا مصدر میسی ہے۔ لیکن قرآن میں مذکور نشانہائے توحید ان معجزوں کو فضائل اعمال میں منقول کفر و شرک پر مبنی من گھڑت قصوں کی مانند کہنا انتہائی درجے کی ضلالت ہے۔ ان قصوں کو توحید کے دلائل سے مزین کہنا باطل پرستی ہے۔ اللہ کے زندہ نبی عیسیٰ ﷺ کے باذن اللہ مردوں کو زندہ کرنے کے معجزے سے اللہ کی توحید کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ چاہے تو مردوں کو زندہ کر دے، اور یوم آخرت اسی طرح تمام مردے دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ لیکن فضائل اعمال میں منقول نبی ﷺ کا اپنی وفات کے سالوں بعد آکر ایک مردہ سودخور کے چہرے پر ہاتھ پھیرنے، مردہ عورت کے پیٹ پر ہاتھ پھیرنے کے جھوٹے واقعے سے کون سی توحید کے دلائل ظاہر ہوتے ہیں؟ نبی ﷺ پر تہمت لگانے والا یہ حیا سوز من گھڑت واقعہ توحید کے کن دلائل سے مزین ہے؟ قرآن میں مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم کے میوؤں کے آنے کے معجزے سے اللہ کی توحید ظاہر ہوتی ہے کہ وہ چاہے تو اپنے بندوں کو ایسے پھل کھلائے جن کا موسم بھی نہ ہو یعنی ایسا رزق عطا کرنے کی اسے پوری قدرت ہے جس کا نام و نشان بھی نہ ہو۔ لیکن اللہ کے اپنی کتاب میں چار جگہ حرام کیے جانے والے خون کو پینے کے فضائل اعمال میں دو صحابہ سے منسوب جھوٹے واقعے میں توحید کے کون سے دلائل نظر آتے ہیں؟ قرآن کا بیان ہے کہ

الا الی اللہ تصدیر الامور^(۱)، والی اللہ ترجع الامور^(۲)، الیہ یرجع الامر کلہ^(۳)

یعنی بندوں کے تمام قسم کے اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں تاکہ وہ انہیں اس کا بدلہ دے۔ اور یہ کہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ اس کا کوئی پوشیدہ فعل اللہ سے چھپا رہ جائے گا۔ فضائل اعمال میں ایک صوفی لڑکے کا قصہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اور اس کے ساتھی لڑکے ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے اور رات بھر نماز پڑھتے (نبی ﷺ کے چند صحابہ نے بھی ایسا کرنا چاہا تھا

(۱) ”من رکھو! تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔“ (اشوری: ۵۳)

(۲) ”سارے کام اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔“ (کُلج: ۷۲، وغیرہ)

(۳) ”ہر کام اسی کی طرف لوٹتا ہے۔“ (ہود: ۱۲۳)

تو نبی ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرما کر انہیں منع کر دیا تھا اور میانہ روی کی تعلیم دی تھی۔ (۱) اس کے ساتھ ہی اس مجاہدے میں مر گئے اور وہ خود سوکھ کر کاٹھا رہ گیا۔ ایک بزرگ نے اسے سمجھا کر مشقت میں کمی کرنے کو کہا تو اس لڑکے نے کہا کہ میرا عمل میرے ساتھیوں پر دن میں دو مرتبہ پیش ہوتا ہو گا، وہ کیا کہیں گے جب وہ اس میں کوتاہی پائیں گے..... بتائیے خلاف قرآن اس شرکیہ واقعے سے کون سی توحید کے دلائل ظاہر ہو رہے ہیں؟ قرآن کا انکار کرنے والا یہ واقعہ کون سے دلائل توحید سے مزین ہے؟

راقم نے پانچ سال تبلیغی جماعت میں رہ کر اس کتاب ”فضائل اعمال“ کی تعلیم دی ہے۔ پانچ سالوں میں سینکڑوں مرتبہ اسے سنا اور پڑھا ہے۔ کثرت سماع سے یہ کتاب از برسی ہو گئی تھی۔ سن کر پتا چل جاتا تھا کہ قاری اگلا لفظ کیا پڑھے گا۔ جب تک آنکھوں پر مسلک پرستی کا پردہ تھا، حق کی کرن اندر نہ پہنچی کہ یہ مسلک پرستی اس راہ میں مانع تھی۔ مالک کا ہزار احسان ہے کہ اس نے مسلک پرستی سے بچایا اور راہ حق پر چلایا۔ مسلک پرستی سے جان چھوٹنے کے بعد قرآن و حدیث سے اس کتاب کا موازنہ کیا اور پھر یہ کتاب ”اسلام یا مسلک پرستی“ لکھی۔ شاید مفتی صاحب نے یہ کتاب پڑھے بغیر ہی اس کے خلاف فتویٰ دے دیا ورنہ اس میں ایسی کئی مثالیں دی گئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب ”فضائل اعمال“ کفر و شرک سے لبریز اور انتہائی گمراہ کن کتاب ہے جس سے ان لوگوں کو دور رہنا چاہیے جو اپنے ایمان و عمل کی سلامتی چاہتے ہیں۔ اگرچہ اس میں قرآن کی آیات اور کچھ احادیث صحیحہ بھی بیان کی گئی ہیں تاہم ان کی حیثیت اس قدر کی سی ہے جو زہر کی گولی پر چڑھا دی گئی ہو۔ شکر کا شوقین جب اسے میٹھی گولی سمجھ کر ٹنگے گا تو اس کا اندرونی زہر اسے ہلاک کر دے گا۔ اسی طرح اس کتاب میں بیان کردہ فضائل کی آیات و روایات سے بظاہر قاری و سامع کو اعمال کی طرف رغبت تو ہو جاتی ہے، تاہم ایمان و عقیدے کا ستیاناس ہو جاتا ہے اور سارے اعمالِ صالحہ کا رت چلے جاتے ہیں۔ ایمان کی ذرا سی بھی خرابی ناقابل

(۱) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب النکاح، باب ۳۰، الترغیب فی النکاح، صفحہ ۶

قبول ہے اگرچہ اس کے ساتھ نیک اعمال کا ڈھیر کیوں نہ موجود ہو۔ اس وضاحت کی روشنی میں رافتم ہرگز ہرگز ”گمراہ، کذاب اور فتنہ باز“ نہیں (جس کا زیر جواب فتوے میں الزام لگایا گیا ہے) بلکہ یہ ”اوصاف“ تو ان کی مدوحہ ”فضائل اعمال“، فرقہ پرستی، مسلک پرستی و اکابر پرستی کے ہیں۔ اللہ ان سے بچائے۔ آمین

آخر میں مفتی صاحب کے لیے اس حقیر فقیر کا مخلصانہ مشورہ ہے کہ اللہ مسکلی عصیت سے آزاد ہو کر قرآن و سنت کے سچے پیروکار بن جائیے؛ کفر و شرک پھیلانے والی کتابوں سے قطع تعلق کر لیجیے اور ان کے لکھنے والوں کو اپنا اکابر نہ مانیے بلکہ ان سے اپنی برأت و بیزاری کا اظہار بھی اسی دنیا میں ہی آنکھ بند ہونے سے پہلے ہی کر جائیے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت میں ان کے لیے کہتے ہوں:

ربنا انا اطعننا سادتنا وکبراءنا فاضلونا السبیلاربنا اتهم
ضعفین من العذاب والعنهم لعناً کبیراً*

اللہ حق سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

اللهم انا نعوذ بک ان نضل او نضل او نزل او نزل او نضل او نضل
او نجھل او یجھل علینا

* ”اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور اکابر کی اطاعت کی تو انہوں نے ہم کو راستے سے گمراہ کر دیا؛ اے ہمارے رب! ان کو گنا عذاب دے اور ان پر بہت بری لعنت کر۔“ (الاحزاب: ۶۷، ۶۸)

يُخٰدِعُوْنَ

”وہ دھوکہ دیتے ہیں“

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ
بِمُؤْمِنِينَ ﴿١﴾ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يُخٰدِعُوْنَ اِلَّا
اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢﴾ فِي قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيمٌ ﴿٣﴾ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُوْنَ ﴿٤﴾ (البقرة: ۸-۱۰)

”اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائے حالانکہ وہ ایمان والے نہیں۔ وہ اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اور (حقیقت میں) اپنے سوا کسی کو دھوکہ نہیں دیتے اور انہیں اس کا شعور بھی نہیں۔ ان کے دلوں میں (کفر کا) مرض تھا۔ پھر اللہ نے ان کا مرض اور بڑھا دیا۔ اور (حق کو) جھٹلانے کی وجہ سے ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

اَتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُوْنِهٖ
اَوْلِيَاءَ ﴿١﴾ (الاعراف: ۳)

”(لو گوا!) جو کچھ تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کی اتباع کرو اور اس کے سوا اولیاء کی پیروی نہ کرو“

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن و سنت کے ذریعے رہتی دنیا تک کے انسانوں کی ہدایت کا ایک جامع اور بے نظیر انتظام فرمادیا ہے اور درج بالا آیت اور اس جیسی دیگر متعدد آیات میں اس نازل شدہ وحی کی اتباع کا بصراحت حکم دیا ہے۔ اور اس آیت میں تو حصر فرمادیا کہ اس منزل من اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی ہرگز پیروی نہ کی جائے۔ مالک کی طرف سے

نازل شدہ آیات میں سراسر ہدایت ہے، رحمت ہے، خوشخبری ہے۔^(۱) یہی سلامتی اور نجات کی راہ ہے^(۲) جس کی اتباع گمراہ نہ ہونے کی ضمانت ہے:

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ﴿١٣﴾ (طہ: ۱۳)

”جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ اس پر کوئی تنگی ہوگی۔“

اللہ کے آخری رسول ﷺ نے اس بات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ كُنْ تَصِلُوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابُ اللَّهِ وَ سُنَّتُ رَسُولِهِ

”میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک ان سے چپے رہو گے ہر گز گمراہ نہ ہو گے: (وہ ہیں) اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔“^(۳)

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنْ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابُ اللَّهِ وَ أَنْتُمْ مَسْئُولُونَ عَنِّي فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ قَدْ بَلَغْتَ وَ أَدَيْتَ وَ نَصَحْتَ

”میں تم میں وہ چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر اس کو پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ ہے اللہ کی کتاب؛ اور تم سے میرے متعلق سوال کیا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ صحابہ نے کہا کہ ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے بیشک پیغام پہنچا دیا اور اسے ادا کر دیا اور نصیحت کر دی۔“^(۴)

لیکن بڑے دکھ کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ جو طرزِ عمل گزشتہ امتوں کا ہوتا تھا کہ

وَ إِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا (وَجَدْنَا) عَلَيْهِ آبَاءَنَا^ط (البقرہ: ۱۷۰۔ لقمن: ۲۱)

(۱) النمل: ۲، ۷۷/ لقمن: ۳، وغیرہ

(۲) المائدہ: ۱۶

(۳) مؤطا امام مالک: کتاب الجامع، باب النهی عن القول فی القدر، صفحہ ۶۲۷

(۴) سنن ابن ماجہ: جلد ۲، کتاب المناسک، باب ۸۴، حجة رسول اللہ ﷺ، صفحات ۶۶۳-۶۶۸

/ سنن ابی داؤد: جلد ۲، کتاب المناسک، باب ۸۳، صفة حجة النبی ﷺ، صفحہ ۷۷-۷۳

”جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اس کی اتباع کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے کہ (نہیں) بلکہ ہم تو اس کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔“

إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَرِهِمْ مُّقْتَدُونَ ﴿٢٣﴾ (الزمر: ۲۳)
 ”ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم (قدم بقدم) انہی کے اثرات کی پیروی کر رہے ہیں۔“

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَىٰ الرَّسُولِ قَالُوا احْسَبْنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ^ط (المائدہ: ۱۰۳)

”جب ان سے کہا جاتا تھا کہ آؤ اس کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور (آؤ) رسول کی طرف تو کہتے کہ (نہیں) بلکہ (ہمارے لیے تو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔“

موجودہ امت بھی ان سے کسی طرح پیچھے نہیں۔ اپنے باپ دادا کی روش پر چلنے میں جس طرح وہ خود کو گمراہ نہ سمجھتے تھے اسی طرح یہ بھی اپنے آپ کو ہدایت و نجات یافتہ سمجھتے ہیں۔ اور اس طرح سے منجر صادق ﷺ کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوتی ہے کہ:

لَتَتَّبِعَنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِيرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتَّىٰ تَوَدَّحَلُّوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبْعَتُمُوْهُمْ

”تم لوگ ضرور اتباع کرو گے ان طریقوں کی جو تم سے پہلوں کا تھا، بالشت بہ بالشت اور ایک ایک ہاتھ، یہاں تک کہ اگر وہ داخل ہوئے ہوں گوہ کے ٹیل میں تو (اس میں بھی) تم ان کی اتباع کرو گے۔“ (۱)

گزشتہ امتوں کی کون سی صفت ہے جو اس آخری امت میں نہیں پائی جاتی: قوم شعیب علیہ السلام کی تجارت میں دھوکہ دہی، کم تولنا، ملاوٹ اور ذخیرہ اندوزی کرنا؛ قوم لوط علیہ السلام کا غیر فطری سدومی فعل؛ قوم ہود علیہ السلام کا عبث محلات اور یادگاریں تعمیر کرنا، زمین میں فساد پھیلانا اور راہزنی کرنا؛ قوم صالح علیہ السلام کا عالیشان مکانات بنانا، کھیتی اور تجارت میں غرق ہو کر آخرت

(۱) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الاعتصام، باب ۱۲۲۱۔ قول النبی ﷺ لَتَتَّبِعَنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ،

سے غافل رہنا؛ قوم نوح علیہ السلام کا اپنے اولیاء کو پوجنا، ان کی قبروں پر مزارات بنانا اور وہاں مراسم عبودیت بجالانا، دنیاوی لحاظ سے کمزوروں کو حقیر سمجھنا؛ قوم ابراہیم علیہ السلام کی اصنام اور مظاہر پرستی کی طرح مقدس مقامات کی پوجا پاٹ، کفریہ شرکیہ افعال، ضلالت و بدعات؛ یہودیوں کا دین کو پیشہ بنانا، اللہ کی آیات کو بچپنا، اللہ کی آیات میں تحریف کرنا، رشوت خواری، پیسہ لے کر احکام دین بدل دینا، حق کو چھپانا، دین میں فرقے بنانا؛ نصاریٰ کی رہبانیت، خانقاہیں و درگاہیں، عبادت گاہوں میں بدکاری، اپنے مشائخ کو رب بنادینا، ان کے جائز کیے ہوئے کو ناجائز اور ناجائز کیے ہوئے کو ناجائز تسلیم کرنا، دین میں غلو کرنا، حق میں باطل کی آمیزش کرنا، وغیرہ وغیرہ..... یہ تمام خرابیاں اس آخری امت میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ مگرستم یہ کہ ہر فرقہ و مسلک، تنظیم و جماعت، حزب و گروہ، اور ہر مکتبہ فکر خود کو ہی نجات و فلاح یافتہ گردانتا ہے! ان کے زعم میں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے نبی ﷺ نے لا یزال طائفة من امتی ظاہرین علی الحق فرمایا (1) اور جن کے بارے میں بتایا کہ وہ ایک جماعت ہوں گے۔ (2) جس کی صفت ما انا علیہ واصحابی ؑ بتائی جاتی ہے۔ ہمارے لڑیچر میں احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے اس امت کے مختلف مسالک اور مکاتب فکر کے عقائد میں کفر و شرک کی آمیزش کی نشاندہی کی جاتی رہی ہے تاکہ

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيِيَ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (انفال: ۲۲)

”جو مرے وہ حق جان کر مرے اور جو جیے وہ حق جان کر جیے۔“

اس مضمون میں آپ کے سامنے دو ایسے فرقوں کی حقیقت بیان کی جا رہی ہے جو اپنے دعوئے نجات و فلاح میں دوسروں کی نسبت شدید تر ہیں۔ کچھ فرقے اور مسلک تو نبی ﷺ اور خانوادہ علی علیہ السلام کی جھوٹی محبت کے دعویدار ہیں اور کچھ اپنے اکابرین کی اتباع و پیروی کے۔

(1) ”میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا۔“

(صحیح مسلم: جلد ۵، کتاب الامارات، باب قوله ﷺ لا تزال طائفة..... صفحہ ۱۸۶)

(2) سنن ابی داؤد: جلد ۳، کتاب السنۃ، باب ۳۸۷، فی شرح السنۃ، صفحہ ۸ [تہذیب فرقوں سے متعلق حدیث کا آخری حصہ]

یعنی وہ لوگ جو کہ اُس راستے پر چلنے والے ہیں جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

لیکن ان میں سے جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ اور المحدثین کا دعویٰ قرآن و حدیث کی پیروی کا ہے، تو قرآن و حدیث ہی کی روشنی میں ان کی اپنی تحریروں سے ان کے دعوؤں کی سچائی کا جائزہ لیتے ہیں۔

جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ

اس تنظیم سے وابستہ افراد پنجاب میں ”اشاعتی“ و ”ممانی“ اور صوبہ سرحد میں ”پنج پیری“ کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ انہی دو علاقوں میں ان کے پیروکار زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اس تنظیم نے اپنا ایک تحریری دستور بنا رکھا ہے جس کی دفعات و شقات میں اس تنظیم کے اغراض و مقاصد، طریقہ کار وغیرہ وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ دستور کی ابتداء میں سورۃ یوسف کی آیت ۴۰، النساء: ۵۹، الاحزاب: ۴۰ اور البقرۃ: ۱۳۷ کو نمایاں طور پر لکھا گیا ہے جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ان آیات کے مطابق یہ لوگ صرف اللہ کے حکم کو ہی حرفِ آخر سمجھتے ہیں، اسی کی بندگی کرتے ہیں، متنازعہ امور میں صرف قرآن و حدیث سے رجوع کرتے ہیں، محمد ﷺ کو آخری نبی سمجھتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان کو نمونہ و مثال مانتے ہیں۔ لیکن پہلی ہی دفعہ میں جماعت کا مسلک بیان کرتے ہوئے اسکی دوسری شق میں اصل حقیقت بیان کر دیتے ہیں کہ مولوی حسین علی الوانی، جو دیوبندی عالم رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد تھے، ان کے مسلک سے تمسک ان کی جماعت کی شرطِ لازم ہے۔ اس طرح انہوں نے اپنے کیے ہوئے دعوے کی خود ہی تردید فرمادی۔ اگرچہ انہوں نے علمائے دیوبند کے متفقہ عقیدے ”قبر میں حیات النبی“ سے بظاہر اختلاف کیا ہے جس کی وجہ سے آج کے علماء دیوبند انہیں گمراہ قرار دیتے ہیں * تاہم وہ خود کو دیوبندی مسلک کا پیرو ہی مانتے ہیں،

★ دارالعلوم کراچی کے چار مفتیوں کے دستخط سے جاری ہونے والے فتوے مؤرخہ ۲۹ ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ میں اشاعت التوحید والسنۃ کے ”شیخ القرآن“ غلام اللہ صاحب کی تفسیر جو اہر القرآن کی اشاعت اور مطالعے کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ اشاعت التوحید کے محمد حسین نیلوی صاحب نے ”عقد العقیان فی عنق جو اہر القرآن“ کے عنوان سے اس فتوے کا بڑی سختی سے جواب دیا جو

دیوبندی مسلک کو ”حق“ گردانتے ہیں اور اسی کی ترویج و اشاعت کرتے ہیں۔ ان کی تحریریں اور تقریریں اس پر شاہد ہیں۔ گجرات سے (جو اس تنظیم کا ہیڈ کوارٹر ہے) شائع ہونے والا ماہنامہ ”نغمہ توحید“ اور سرگودھا سے چھپنے والا ماہنامہ ”گلستان“ اور ماہنامہ ”عارفین“ اس تنظیم کے داعی و مبلغ جرائد ہیں۔ نومبر ۱۹۹۲ء کے نغمہ توحید میں رسالے کے مدیر اعلیٰ اور جمعیت کے اس وقت کے ناظم اعلیٰ ضیاء اللہ شاہ بخاری کی ایک تقریر شائع ہوئی جو انہوں نے پنج پیر صوبہ سرحد میں کی۔ اس تقریر میں انہوں نے فرمایا:

”نوجوانو! دیوبندیت کا قافلہ قافلہ حق تھا۔“ (صفحہ ۳۲)

”لوگو سنو، آج اگر اشاعت التوحید والسنۃ نہ ہوتی تو دیوبندیت نام کی کوئی حقیقت نہ ہوتی لہاؤے چاہے جتنے ہوتے..... رنگ چاہے جتنے ہوتے..... حق نہ ہوتا..... جہاں نہ ہوتا..... اسلام نہ ہوتا..... مجھے کہنے دو..... مانوانو، جیسے کل مکہ میں اللہ کے دین کی آبرو تھی، میرے محمدؐ کی تحریک..... آج اس ملک میں دیوبندیت اور حق کی آبرو ہے اشاعت التوحید والسنۃ کا قافلہ۔“ (صفحہ ۳۳)

یہی شاہ صاحب اس سے پہلے جون ۱۹۹۲ء کے نغمہ توحید میں جمعیت کے اس دیوبندی تعلق کو ان الفاظ میں بصراحت واضح کر چکے ہیں:

”رہ گئے بانیان دیوبندر رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، ان کی عقیدت تو ہم اپنے لیے باعث عزت و فخر سمجھتے ہیں۔ ان کی توہین کا تصور بھی ہم نہیں کر سکتے۔ اپنے زمانے کے قطب

جنوری ۱۹۹۳ء کے نغمہ توحید میں شائع ہوا اور یہ اب اسی عنوان سے علیحدہ کتابی صورت میں دستیاب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اشاعتی بھی اپنے دیوبندی اسلاف کی طرح نبی ﷺ کو قبر میں زندہ ہی مانتے ہیں، جیسی تو لکھتے ہیں کہ

”اب بھی رسول اللہ ﷺ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ مبارکہ میں تشریف فرما ہیں۔ اب بھی کسی کے لیے یہ گنجائش نہیں کہ حجرے سے باہر کھڑے ہو کر آوازیں دینے لگے۔“

(نغمہ توحید، فروری و مارچ / ۱۹۹۸ء، صفحہ ۱۰) [گلے صفحہ پر جاری ہے]

..... ”اس وقت مزاج اقدس پر ضعف اس قدر ہو گیا تھا کہ خود قدم مبارک سے چل کر حجرہ عائشہؓ تک تشریف نہیں لے جاسکے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں نے آپ کے بازو تھامے اور بڑی مشکل سے حجرہ صدیقہؓ میں رونق افروز ہوئے۔ اللہ کو یہی منظور تھا کہ قیامت تک یہاں ہی جلوہ افروز ہوں۔“ *

(نغمہ توحید، اگست / ۱۹۹۶ء، صفحہ ۲۸)

* قبر کو میت کی ”آخری آرامگاہ“ قرار دی جانے والی مروجہ غلط اصطلاح اور عقیدہ یہاں پوری طرح کار فرما ہے!

الارشاد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ الف الف رحمۃ تو ہمارے لیے علاقائی مینارہ نور ہیں۔ ہمارا مشن اور ہماری تفسیر قرآنی ان کے واسطے سے سید الانبیاء ﷺ تک پہنچتی ہے۔ اکابرین دیوبندی اشاعۃ التوحید والسنۃ کے علاقائی اکابر ہیں۔“ (صفحہ ۶)

جون ۱۹۹۷ء کے نغمہ توحید میں اسی جماعت کے ایک دوسرے عہدیدار کی تقریر کے یہ الفاظ بھی ملاحظہ ہوں:

”..... جو مقام اسلام کی خادم دارالعلوم دیوبند کی واحد نمائندہ جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کو حاصل ہے، بفضل ایزدی وہ کسی اور تنظیم کو نصیب نہیں ہوا۔“ (صفحہ ۵۳)

بخاری صاحب نے دیوبندیوں کی ایک ذیلی تنظیم تبلیغی جماعت کے لیے لکھا:

”سن لو! آج نوجوان اکٹھے ہیں، دل کی بات کہنا چاہتا ہوں، کان کھول کر سنو..... تبلیغی جماعت کے چلوں میں ثواب ہے.....“ (نغمہ توحید، نومبر/۱۹۹۴ء، صفحہ ۳۴)

قرآن و حدیث کی خدمت کی دعویدار جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ جس فرقہ و مسلک سے تعلق پر نازاں و شاداں اور جس کی تعریف میں غلو کی حد تک رطب اللسان ہے، وہ وہی گروہ ہے جس کے قرآن و حدیث کے خلاف عقائد کی نشاندہی گزشتہ صفحات میں اچھی طرح کر دی گئی ہے۔ یہاں ان کے بالتفصیل اعادے کی ضرورت نہیں۔ تاہم ان عقائد کا ایک اجمالی خاکہ پیش کر دینا مناسب ہو گا تاکہ قارئین کے ذہن میں بات تازہ ہو جائے۔

اشاعتیوں کی مدوح ”دیوبندی جماعت“ وہی گروہ ہے جو نبی ﷺ کی قبر کو عرش و کرسی اور کعبۃ اللہ سے بھی افضل قرار دیتا ہے؛ (۱) دعاؤں میں مردہ ہستیوں سے توسل کرتا ہے؛ (۲) اللہ کے رسول ﷺ کو قبر میں زندہ، دیکھنے، سننے، سنانے، اعمال سے باخبر ہونے والا مانتا ہے؛ (۳) قبروں سے فیض پہنچنے کا اس کا عقیدہ ہے؛ (۴) نیک اعمال کر کے اس کا ثواب مردہ ہستیوں

(۱) عقائد علمائے دیوبند اور حسام الحرمین: صفحہ ۲۱۹

(۲) عقائد علمائے دیوبند اور حسام الحرمین: صفحہ ۲۲۰

(۳) فضائل حج از زکریا کاندھلوی: صفحات ۱۴۰ تا ۱۵۰ / اختلاف امت اور صراط مستقیم، حصہ

دوم: صفحہ ۸۹ / تذکرۃ الخلیل: صفحہ ۳۷۰ / تفسیر عثمانی: حاشیہ سورۃ البقرۃ، آیت ۳۳

(۴) عقائد علمائے دیوبند: صفحہ ۲۲۷

کو بخشے کو یہ مانتے ہیں؛ (1) غیر اللہ سے مدد مانگنا ان کے نزدیک جائز ہے جبکہ انہیں غیر مستقل سمجھے؛ (2) عبدیت کی نسبت اللہ کے سوا بندوں سے کرنا ان کے نزدیک روا ہے؛ (3) حرام سود کو حیلے سے یہ لوگ حلال کر لیتے ہیں؛ (4) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دنیا ہی میں بحالت بیداری دیکھنے کے ان کے دعوے ہیں؛ (5) قبر کو پکا کرنے اور اس پر گنبد وغیرہ بنانے کو جائز ٹھہراتے ہیں بلکہ قبر پرستی کا جواز فراہم کرنے والا گنبد خضر ان کے نزدیک اللہ کی رحمت کا منبع ہے؛ (6) قرآن و حدیث کے خلاف علین و سحین ان کے نزدیک نیک و بد روحوں کے رہنے کی جگہیں ہیں؛ (7) اللہ کے رسول ﷺ کی محبت میں غلو کرتے ہوئے نبی ﷺ کے خون، پیشاب اور دیگر فضلات کو یہ پاک سمجھتے ہیں؛ (8) نبی ﷺ کی جوتی کو وسیلہ بناتے ہیں؛ (9) ان کے نزدیک آدم ﷺ کی توبہ بھی نبی ﷺ کے وسیلے سے ہی قبول ہوئی؛ (10) اس گروہ کے اکابرین ندا کے صیغے کے ساتھ کھڑے ہو کر نبی ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا جائز سمجھتے تھے؛ (11) تعویذ لکھنا لکھانا، اس میں اثر ماننا، ان کا متواتر و متواتر فعل ہے؛ (12) کائنات کی تخلیق کی وجہ ان کے نزدیک نبی ﷺ کی ذات ہے؛ (13) ان کے نزدیک نبی ﷺ کو اولین و آخرین سب کا علم تھا؛ (14) اللہ کے رسول ﷺ کو یہ ”نور“ کہتے ہیں؛ (15)

- (1) تفسیر عثمانی: حاشیہ سورة البقرة آیت ۱۷۳
- (2) تفسیر عثمانی: حاشیہ سورة الفاتحة آیت ۴
- (3) امداد المشتاق: صفحہ ۹۳
- (4) آپ کے مسائل اور ان کا حل: یوسف لدھیانوی، روزنامہ جنگ، یکم مئی ۱۹۹۲ء وغیرہ
- (5) فضائل اعمال: صفحہ ۲۳۶/ البینات، اگست ۱۹۷۵ء/ اخبار الاخیار: صفحہ ۳۲/ حکایات اولیاء: حکایات نمبر ۶، صفحہ ۱۸/ وغیرہ
- (6) جامعہ خیر المدارس ملتان کا مجلہ الخیر: اگست ۱۹۹۱ء، صفحہ ۳۰ تا ۴۷
- (7) معارف القرآن از مفتی شفیع عثمانی: تفسیر سورة تطفیف، آیات مذکورہ
- (8) حکایات صحابہ: صفحہ ۱۸۶
- (9) زاد السعید: صفحہ ۴۸، وغیرہ
- (10) فضائل ذکر: صفحہ ۱۱۱
- (11) کلیات امدادیہ (فیصلہ ہفت مسئلہ): صفحہ ۸۴
- (12) اعمال قرآنی / بہشتی زیور از اشرف علی تھانوی/ تذکرۃ الرشید، وغیرہ
- (13) فضائل ذکر: صفحہ ۱۱۱
- (14) عقائد علمائے دیوبند: صفحہ ۲۳۸
- (15) نشر الطیب: صفحہ ۵۶

تکمیل دین کے باوجود کسی مہدی کے آنے کے منتظر ہیں؛^(۱) دین کو انہوں نے تجارت بنایا ہوا ہے؛ تصوف کے بغیر دین کو نامکمل سمجھتے ہیں..... غرضیکہ یہ گروہ بہت سی ایسی باتوں کا قائل و فاعل ہے جو قرآن و حدیث کے خلاف ہیں۔ حیرت ہے کہ اشاعت التوحید والسنۃ والے قرآن و حدیث سے تمسک کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن خود کو انہی لوگوں کا پیر و کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں جو قرآن و حدیث کے خلاف عقائد و اعمال کے حامل تھے!

اور جس جماعت کے چلوں میں ثواب کا یہ لوگ بھانگ دہل اعلان کر رہے ہیں، اس جماعت کے تبلیغی نصاب میں ایسی چیزیں شامل ہیں جو جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے دستوری و مبالغہ عقائد و اعمال کے خلاف ہیں مثلاً اولیاء اللہ کا نہ مرنا بلکہ محض ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال کر جانا؛^(۲) مرنے کے بعد بھی حواس قائم رہنا؛^(۳) بلکہ ان میں یک گونہ اضافہ ہو جانا؛^(۴) مرنے کے بعد بھی ملاقاتیں کرتے رہنا، رابطہ رکھنا، دعوتیں ضیافتیں کرنا؛^(۵) غیب کی خبریں دینا؛^(۶) اولیاء کا غیب پر مطلع ہو جانا؛^(۷) نبی ﷺ کا غیب پر مطلع ہو جانا، بادل میں بیٹھ کر حاضر ہو جانا اور عاصیہ متوفیہ کے جسم پر ہاتھ پھیر کر اس کی مشکل کشائی کرنا؛^(۸) کائنات کی تخلیق کا سبب نبی ﷺ کی ذات کو قرار دینا؛^(۹) قرآن کے ایک ظاہری اور ایک باطنی معنی ہونا؛^(۱۰) اولیاء کے پاس جنت کا مزین ہو کر تیس سال تک آتے رہنا اور ان کا ایک دفعہ بھی اس پر نظر نہ ڈالنا؛^(۱۱) نبی ﷺ کا اپنی قبر میں شاعر کا کلام سننا، سمجھنا اور اس کی

(۱) آپ کے مسائل اور ان کا حل: روزنامہ جنگ کراچی ۲۳ اپریل ۱۹۹۲ء، نیز تذکرۃ الرشید: جلد ۲، صفحہ ۲۵۱

(۲) فضائل صدقات: صفحہ ۶۶۰-۶۶۹

(۳) فضائل صدقات: صفحہ ۶۶۰-۶۶۹

(۴) فضائل صدقات: صفحہ ۶۶۰-۶۶۹

(۵) فضائل صدقات: صفحہ ۱۱۷

(۶) فضائل صدقات: صفحہ ۱۱۹

(۷) فضائل صدقات: صفحہ ۱۱۹

(۸) فضائل درود: صفحات ۱۱۶، ۱۱۷

(۹) فضائل ذکر: صفحہ ۱۱۱

(۱۰) فضائل قرآن: صفحہ ۱۸

(۱۱) فضائل صدقات: صفحات ۶۵۸، ۶۵۷

درخواست پر ہاتھ باہر نکال کر اس سے مصافحہ کرنا؛^(۱) اپنی قبر میں سے سلام سن کر آدمی کو پہچان لینا اور پھر جواب بھی دینا؛^(۲) بھوکوں اور ضرور تمندوں کی فریاد سن کر اپنی قبر میں سے ہی ان کی دستگیری فرمانا اور اپنی سید اولاد میں سے کسی کو ان کی خدمت پر مامور کر دینا؛^(۳) فجر مکہ میں، ظہر مدینہ میں، عصر بیت المقدس میں، مغرب طور سینا پر اور عشاء حد سکندری پر پڑھنا؛^(۴) وغیرہ۔

بدعات سے اجتناب جمعیت کے دستور کی پہلی دفعہ میں شامل ہے۔ جمعیت کا نقیب رسالہ نغمہ توحید اپنی تشہیر ان الفاظ میں کرتا ہے: *

ماہنامہ نغمہ توحید گجرات کا روبر نہیں بلکہ ایک دعوت ہے	
☆ توحید و سنت کی اشاعت کے لیے	
☆ شرک و بدعات کے خاتمے کے لیے	
☆ پیران ”سیاہ کار“ کو بے نقاب کرنے کے لیے	
☆ اسلاف امت کے سنہری کارناموں کو منظر عام پر لانے کے لیے	

اس اشتہار کے پچھلے صفحے پر ”بدعات صوفیاء کرام کی نظر میں“ کی سرخی کے تحت آٹھ صوفیوں کے تیرہ اقوال بدعات کے رد میں تحریر کیے ہیں جن میں بدعتی کو سلام نہ کرنا، اس کا جنازہ نہ پڑھنا، اس کو دشمن، جھوٹا، ذلیل سمجھنا، اس سے دوستی رکھنے پر اعمال کا ضائع ہونا اور ہمیشہ اللہ کے غضب کا شکار رہنا وغیرہ شامل ہیں۔^[۱] لیکن حیرت ہے کہ جمعیت ان ہی لوگوں کو اپنا اکابر سمجھتی ہے اور ان سے تعلق پر ناز کرتی ہے جن کے اعمال بدعات سے بھی آلودہ ہیں! ذیل میں اس کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) فضائل حج: صفحات ۱۶۶، ۱۶۷

(۲) فضائل حج: صفحہ ۱۶۷

(۳) فضائل حج: صفحہ ۱۶۱-۱۶۳

(۴) فضائل حج: صفحہ ۲۷۹

☆ نغمہ توحید: جون ۱۹۹۲ء، صفحہ ۶۵

☐ جمعیت کے متوفی سربراہ عنایت اللہ بخاری صاحب نے توبہ بدعتی کو دائرۃ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

(شجرہ بدعات مطبوعہ المكتبة الحسينية، سرگودھا، صفحہ ۹)

کسی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرض صلوٰۃ کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی یا انفرادی دعاء کرتے ہوں۔ لیکن دیوبندی مسلک اور اس سے تعلق پر نازاں اشاعت التوحید والسنة والوں کی مساجد میں ہر فرض صلوٰۃ کے بعد امام اور مقتدی ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعاء کرتے ہیں۔ خیر القرون میں علمائے دین کے لیے کبھی بھی لفظ ”مولانا“ استعمال نہیں ہوا۔ آج کے عرب ممالک میں بھی یہی رواج ہے، لیکن تمام دیوبندی اور ان کے تعلق دار اشاعتی اس لفظ کا لازمی استعمال کرتے ہیں بلکہ اس کے بغیر علماء کو خطاب کرنا سوئے ادب سمجھتے ہیں۔ مولوی طیب بیچ پیری تو قرآن و حدیث کے کسی حوالے کے بغیر یہاں تک فرماتے ہیں کہ

”ہم ہر اس شخص کو مولانا کہنے اور سمجھنے لگتے ہیں جس کے چہرے پر داڑھی اور سر پر پگڑی ہو حالانکہ وہ ”مولانا“ نہیں ہوتا۔

مولانا وہ ہوتا ہے جس نے اپنی تصانیف قلم بند کی ہوں، جس نے باقاعدہ درس دیا ہو، جس کے شاگرد ہوں.....“ (نفع توحید: جنوری ۱۹۹۶ء، صفحہ ۲۱)

صحیح احادیث میں عورت اور مرد دونوں کے لیے نبی ﷺ کا ایک ہی حکم ہے کہ

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أَصَلُّ

”صلوٰۃ اس طرح ادا کرو جس طرح مجھے ادا کرتے دیکھتے ہو۔“ (۱)

یعنی عورت اور مرد دونوں ایک ہی طریقے سے صلوٰۃ ادا کریں۔ لیکن ضعیف روایات کی بنیاد پر یہ مسلک پرست لوگ عورت کی صلوٰۃ کا طریقہ مردوں سے مختلف بیان کرتے ہیں۔ خیر القرون میں مردوں کو ثواب ایصال کرنے کے لیے قرآن خوانی کا رواج نہ تھا۔ لیکن دیوبندی مساجد میں کسی کے مرنے پر قرآن خوانی کر کے میت کو ثواب ایصال کیا جاتا ہے*۔ خیر القرون اور بعد کے ادوار میں بھی قبروں پر کتبے نہیں لگائے جاتے تھے۔ دیوبندیوں میں

(۱) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الاذان، باب ۴۰۸، الاذان للمسافر، صفحہ ۳۳۳

★ جب ان کا کوئی بڑا مولوی مار دیا جاتا ہے تو اس کے لیے کی جانے والی قرآن خوانیوں کی تصاویر اخبار میں چھپوائی جاتی ہیں۔

اس کا رواج عام ہے۔ ان کے علماء و مفتیوں کی قبریں تک ان کتبوں سے خالی نہیں۔ کیا یہ سارے کام بدعات کے زمرے میں نہیں آتے؟ ان کی اپنی پیش کردہ حدیث کے مطابق نبی ﷺ نے تو بدعتی کی تعظیم سے منع فرمایا، (1) بدعتی عمل کو مردود، (2) مگر ابی (3) اور جہنم کی آگ کا سبب قرار دیا (4) اور آخرت میں نبی ﷺ ان کو خود سے دور کر دینے کا حکم دیں گے۔ (5) ایسے بدعتی لوگوں کے ساتھ تعلق اور اس پر فخر کرنا کون سی کتب و سنت کی تعلیم ہے؟ یہ کونسی ”اشاعت السنۃ“ ہے؟ ان کے دعوے کے علی الرغم یہ بدعات کا خاتمہ ہے یا ان کا احیاء و ترویج؟

جب یہ لوگ اپنی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم دیوبندی مسلک کے پیرو ہیں (ان کی مساجد کے باہر بطور شناخت مسجد کے نام کے ساتھ بھی لکھا ہوتا ہے کہ ”مسلک دیوبند“) تو پھر انہیں ”اشاعت التوحید والسنۃ“ کا لیل لگانے کی کیا ضرورت تھی؟ ان کے اور دیوبندیوں کے عقائد میں بھی یکسانیت پائی جاتی ہے (فرق صرف نام کا ہے: یہ لوگ توحید و سنت کا نام دے کر وہو کہہ دیتے ہیں جبکہ وہ لوگ دیوبند کی ہی علاقائی نسبت استعمال کرتے ہیں) مثلاً

☆ دیوبندیوں کی طرح یہ بھی نبی ﷺ کو قبر میں زندہ مانتے ہیں (6)

☆ دیوبندیوں کی طرح ان کا بھی عقیدہ ہے کہ انبیاء کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی چنانچہ اپنے اکابرین کے عقائد کی حمایت میں لکھتے ہیں کہ

”..... مٹی پر حرام کر دیا گیا ہے اجساد انبیاء کو کھانا، ایسے ہی آگ پر حرام کر دیا گیا ہے اجساد انبیاء کو جلانا، ایسے ہی مچھلیوں پر حرام کر دیا گیا ہے اجساد انبیاء کو کھانا.....“ (7)

☆ جو بات ”عقائد علمائے دیوبند“ میں بیان کی گئی ہے، یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ

(1) بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ: باب اعتصام بالکُتُب والسنۃ

(2) متفق علیہ: بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب الاعتصام

(3) مسلم: بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب الاعتصام

(4) نسائی: کتاب صلوٰۃ العیدین، باب کیف الخطبۃ

(5) صحیح بخاری: کتاب الفتن کی پہلی تین احادیث

(6) نغمہ توحید: اگست ۱۹۹۲ء، صفحہ ۸/۴ فروری و مارچ ۱۹۹۸ء، صفحہ ۱۰

(7) عقائد علمائے دیوبند اور مسئلہ حیات الانبیاء مطبوعہ جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ، کراچی ٹویژن، صفحہ ۹

”آپ کے جسد اطہر سے لگی ہوئی مٹی باتفاق علماء عرش بریں سے افضل ہے۔“ (۱)

☆ المہند (صفحہ ۲۲۰) میں دیوبندی علماء لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک دعاؤں میں بزرگوں کا تو سہل جائز ہے، ان کی زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی۔ اسی طرح یہ اشاعتی بھی کہتے ہیں کہ (۲)

”..... بحر مت فلاں وعالمات گنے میں کوئی کلام نہیں۔ یہ سب کے نزدیک جائز ہے۔“ *

غلام اللہ خان صاحب جنہوں نے مذکورہ بات لکھی ہے، اپنی دوسری کتاب ”جواہر التوحید“ (صفحہ ۳۵) میں عبد القادر جیلانی کے قول

”إِنْ وَقَعْتَ فِي شِدَّةٍ فَتَنَادِنِي فَإِنَّهَا تُكْشَفُ عَنْكَ“
(اگر تو کسی سختی میں گھر جائے تو مجھے پکار، وہ سختی ہٹ جائے گی)

کے بارے میں فرماتے ہیں کہ بعض راویوں نے اپنے فہم کے مطابق روایت بالمعنی کر کے ”فَتَنَادِنِي“ کہہ دیا ورنہ درست ”فَتَنَادِنِي“ ہے یعنی میری حرمت سے اللہ کو پکارو۔ اس طرح خان صاحب نے شیخ عبد القادر جیلانی کے وسیلے سے دعاء کرنے کو جائز قرار دے دیا (اور یوں اپنے ”شیخ القرآن“ یعنی قرآن کا ”ماہر استاد“ ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا)۔

صریح کلمہ کفر کو جائز و مباح ٹھہرانے کے اس تاویلی حیلے کو خان صاحب نے اپنے پیر حسین الوانی صاحب کی ”تحقیق“ قرار دیا ہے جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۷۷ کے لفظ ”وسیلہ“ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا:

(۱) جمعیت اشاعت التوحید والسنن کا تعارف اور اس کی دعوت، مطبوعہ جمعیت اشاعت التوحید والسنن، کراچی ڈویژن، صفحہ ۶

(۲) تفسیر جواہر القرآن از غلام اللہ خان، تفسیر سورۃ بنی اسرائیل: آیت ۵۶

* نہ جانے یہ ”سب“ کون لوگ ہیں؟ جس فقہ کی پیروی کا یہ دعویٰ کرتے ہیں اس کے امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد، تینوں نے اس طرح وسیلہ پکڑنے کو ناجائز اور حرام بتایا ہے جیسا کہ ہدایہ، فتح القدیر اور قدوری وغیرہ میں ہے۔ تفصیل عنوان ۱۲ کے تحت گزر چکی ہے۔

”..... اگر بجز مت فلاں کہنے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ اولیاء کرام یا انبیاء علیہم السلام پکاریں سنتے ہیں اور حاجت روائی کر سکتے ہیں تو اس عقیدے والے کا یہ کہنا شرک ہے، جائز نہیں۔ اور اگر اس کا عقیدہ شرکیہ نہ ہو اور اس کی تمام کتابیں تردید شرک و بدعت سے چرہوں اور اس کی کسی کتاب میں یہ کلمات آگئے ہوں تو ان کی توجیہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق کرنا ضروری ہے۔ بعض لوگ یہ توجیہ کرتے ہیں اے اللہ میں گنہگار ہوں فلاں پیغمبر یا ولی تیرا پیارا ہے۔ مجھے اس کی وجہ سے معاف کر دے۔ یہ بالکل بے معنی ہے کیونکہ فلاں پیغمبر یا ولی تو اللہ کے مقبول ہیں خدا مجرم کو کیوں معاف کر دے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی قاتل سیشن جج سے کہہ دے میں مجرم ہوں اور یہ آپ کا پیارا بیٹا ہے مجھے آپ معاف کر دیں۔ یہ توجیہ بالکل لغو ہے۔ اس کی توجیہ صحیح یہ ہے۔ اے اللہ مجھے فلاں پیغمبر یا ولی سے محبت ہے اور میں اس کی اتباع کرتا ہوں۔ یہ محبت فعل قلبی ہے اور اتباع فعل جوارج ہے۔ گویا اپنے فعل قلب یا فعل اعضاء کو اللہ تعالیٰ کے آگے بطور وسیلہ پیش کرنا اپنے اعمال صالحہ کا وسیلہ ہونا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے صاف ثابت ہے۔ سورۃ آل عمران میں واتبعنا الرسول فاكتبنا مع الشاهدين اور سورہ انعام میں پارہ ساتواں پہلے صفحے میں ہے یقولون ربنا امننا فاكتبنا مع الشاهدين ان دونوں آیتوں میں اتباع اور ایمان کو وسیلہ بنایا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ اتباع پیغمبر وسیلہ ہے اور اس طرح غار والی حدیث صحیح سے اعمال صالحہ کا وسیلہ بنانا معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ قائل اس کا توحید و سنت پر پختہ ہو، شرک اور بدعت سے بیزار ہو جیسا کہ شاہ ولی اللہ اور مولانا اسماعیل شہید اور مجدد الف ثانی وغیرہم۔ پس ایسے بزرگان دین سے جو ایسے کلمات منقول ہیں ان کی توجیہ کر دی گئی ہے۔ لہذا ان بزرگوں پر جو طعن دیتے ہیں کہ انہوں نے یہ کیوں لکھا ہے بالکل غلط ہے۔ جب ان کی عبارت کی توجیہ قرآن و سنت صحیحہ کے مطابق ہو سکتی ہے تو طعن کرنا بے معنی ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ عوام الناس کو اس قسم کی عبارت کا سبق دینا بہتر نہیں ہے کیونکہ یہ دور عام شرک و بدعت کا ہے۔ اس سے لوگ غلط فائدہ اٹھاتے ہیں نیز قرآن مجید کی تمام دعائیں اور احادیث صحیحہ کی دعائیں ایسی عبارت سے خالی ہیں۔“ ہذا تحقیق حقیقی و مستدی مولانا حسین علی مرحوم (جواہر القرآن: جلد ۲، صفحہ ۲۶۰)

یہ حیلہ تراشنے والے پیر حسین علی الوانی صاحب خود بھی اس سے کام لیا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی املائی تفسیر میں فرمایا:

”و حل مشکل از حق تعالی طلب نمودن بتوجہ بزرگان بجا است و عین رضا است الی ان قال بداں اے برادر گفتن یا رسول اللہ بطریق تعشق و توسل خارج از محبت است الی ان قال نواب صدیق حسن خاں گفتہ ط شیخ سنت مدوی قاضی شوکاں مدوی بمعنی دعا باشد چنانچہ در ہندی گویند شالا مدو ہووے پیر جیلانی۔“ (بلغۃ الحیران ۳۵۴)

ترجمہ: کسی مشکل کا حل اللہ تعالیٰ سے بزرگوں کے توسل سے طلب کرنا بجا اور عین رضا ہے (پھر آگے فرمایا) اے بھائی تو جان لے کہ یا رسول اللہ بطور محبت اور توسل کے کہنا اختلاقی بحث سے خارج ہے (کیونکہ وہ جائز ہے)۔ پھر آگے فرمایا کہ اسی توسل اور محبت کے طور پر ہے جو نواب صدیق حسن خاںؒ نے فرمایا کہ اے سنت کے شیخ مدد کر اور اے قاضی شوکاں مدد کر جو محض (بطور توسل) فرمایا ہے۔ چنانچہ پنجابی میں لوگ کہتے ہیں: شالا مدو ہووے پیر جیلانی۔“ (1)

☆ جس طرح دیوبندیوں کا عقیدہ ہے کہ سچین بد روحوں کا اور علیین نیک روحوں کا مسکن ہے، اسی طرح یہ بھی کہتے ہیں کہ

”علیین اور سچین دوا ایسے مقام ہیں جو قبروں کے پاس نہیں ہیں بلکہ ان سے بہت دور ہیں۔۔۔“ (2)

☆ جس طرح دیوبندی اپنے خوابوں میں نبی ﷺ اور دوسرے فوت شدہ بزرگوں کی زیارت کرتے رہتے ہیں تو اس معاملے میں بھی اشاعتی ان سے پیچھے نہیں۔ جمعیت کے بانی حسین علی صاحب نے نبی ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام کو دیکھا۔ (3) جمعیت کے سربراہ طاہر بیچ پیری صاحب نے ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام اور نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ (4) غلام اللہ خان صاحب نے اپنی کتاب جو اہر التوحید (صفحہ ۳۲) میں لکھا کہ خلیفہ منصور نے ملک الموت کو خواب میں دیکھا اور اس سے اپنی بقیہ عمر دریافت کی۔

(1) بحوالہ تسکین الصدور: صفحہ ۴۰۲

(2) تفسیر جواہر القرآن: سورۃ الروم، آیت ۵۳، صفحہ ۹۰۴

(3) بلغۃ الحیران: تفصیل آگے آرہی ہے۔

(4) یہ واقعہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ ان کے مرید مولوی بادشاہ خان فرماتے ہیں:

”حضرت مرشدی و مرشد العلماء جب مبتدیین کی اذیتوں اور بہتانوں اور افتراؤں سے تنگ ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور انہوں نے فرمایا کہ ”تقریر کرو“ تو آنجناب نے ایک صاف میدان

☆ دیوبند یوں کی طرح ان اشاعتیوں نے بھی دین کو ذریعہٴ معاش بنا رکھا ہے۔ امامت، اذان، تعلیم قرآن، نکاح خوانی، وغیرہ جیسے دینی امور پر اجرت و معاوضہ بلا خوف و خطر وصول کرتے ہیں، بلکہ اس کو دین کی خدمت سمجھتے ہیں گویا:

ع رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

اشاعتیوں کے مفتی نیلوی صاحب کا تو یہ وطیرہ بن گیا ہے کہ جہاں ان کے مسلکی عقیدہ و عمل کے خلاف کوئی تحریر سامنے آئی وہیں ان کا قلم فوراً حرکت میں آگیا۔ چنانچہ کچھ عرصہ قبل قرآن و حدیث کے دلائل سے مزین ایک کتابچہ ”دین داری یا دکانداری“ کے عنوان سے لکھا گیا تھا جس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین کی روشنی میں دین کو کھانے کمانے کا ذریعہ بنانے کی ممانعت بیان کی گئی تھی۔ موصوف نے مولویانہ انداز میں اس کتاب کا رد لکھ کر اپنے ہم پیشہ لوگوں کو دلا سہ دیا کہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں، دین کی کمائی کھانا ہرگز ممنوع نہیں بلکہ کارِ ثواب ہے! فکلوه ہنیئاً مریئاً، فکلوا منها حیث شئتم رغداً

(جس میں ہزاروں لوگ موجود تھے) حم السجدة پڑھ کر تقریر شروع کی تو چار آدمی کھڑے ہو کر انجناب کو روکنے لگے کہ تقریر نہ کرو۔ اور یہ چار آدمی توحید کے سخت دشمن تھے جو اس وقت زندہ تھے تو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: هُوَلَاءِ عَاد قَوْمِكْ وَثَمُود قَوْمِكْ - یعنی یہ تیری قوم کی عاد اور ثمود ہیں اور تقریر کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ یہی ہمارا کام ہے اگر ہم سے ملنا ہے تو جاری رکھو۔ (انجمنی مختصر) (تسکین خاطر: صفحہ ۳۶، ۳۷)

حضرات آدمیوں میں ایک اور متعلقہ بالعمرات ایک واقعہ برائے عبرت تم کو سناتا ہوں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ پل صراط پر جا رہے تھے تو مرشدی و مرشد العلماء نے یہ خیال کیا کہ سید المرسلین کا دامن پکڑ کر آپ ﷺ کے ساتھ پل صراط پر گزر جاؤں تو اچانک دیکھا کہ سید المرسلین کے ہمراہ پار چلے گئے۔ توجہ مرشدی نے اوپر دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام زور شور سے بات چیت کرتے ہوئے ہاتھ ہلاتے ہوئے تشریف لارہے ہیں۔ پھر حضرت سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور چند صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور شیخ القرآن صاحب مرشدی بھی تمام ایک جگہ بیٹھ گئے اور مرشد العلماء نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ.....“ (ایضاً صفحہ ۳۸)

☆ دیوبندیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ امت کے اعمال صبح شام نبی ﷺ پر پیش ہوتے ہیں۔ اسی طرح عرض اعمال کا ان کا بھی عقیدہ ہے۔ غلام اللہ خان صاحب نے رسول اللہ ﷺ سے متعلق علم الغیب کے عقیدے کو رد کرتے ہوئے فتویٰ نقل کیا کہ ”جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ کو علم غیب نہیں تو یا رسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا۔ اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں بسبب علم غیب کے تو وہ خود کفر ہے۔ اور جو یہ عقیدہ نہیں تو کفر نہیں مگر کلمہ بمشابہ کفر ہے۔ البتہ اگر اس کلمے کو درود شریف کے ضمن میں کہے اور یہ عقیدہ کرے کہ ملائکہ اس درود شریف کو آپ کے پیش عرض کرتے ہیں تو درست ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ ملائکہ درود بندہ مومن کا آپ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں اور ایک صنف ملائکہ اسی خدمت پر ہیں۔“ (جواہر التوحید: صفحہ ۲۹۱)

لیکن حیرت ہے کہ عقائد و اعمال کی اس یکسانیت کے باوجود اشاعتی لوگ آج کے دیوبندیوں کو گمراہ لیکن سابقین کو ہدایت یافتہ سمجھتے ہیں جیسا کہ ضیاء اللہ صاحب نے اپنی تقریر میں واضح فرمایا:

”نوجوانو! دیوبندیت کا قافلہ قافلہ حق تھا لیکن آج کے دیوبندی دیوبندیت کی پیشانی پر بد نما داغ بن چکے ہیں..... آج کل کے دیوبندی دیوبندیت کے لیے گالی بن چکے ہیں..... آج کل کے دیوبندی دیوبندیت کی عزت مٹانے پر تلے ہوئے ہیں..... آج کل کے دیوبندی اس قابل نہیں کہ انہیں دیوبندی کہا جائے..... نوجوانو! کان کھول کر سنو، اشاعت التوحید والسنۃ کا قافلہ اس ملک میں دیوبندی آبرو کو سنبھال کر چل رہا ہے..... میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں..... اگر اس ملک میں اشاعت التوحید والسنۃ کے یہ بزرگ مجاہد نہ ہوتے..... دین کا صاف اور سچا کام نہ کرتے تو آج دیوبندیت کے پلے کچھ نہ رہتا..... کچھ نہ رہتا..... کچھ نہ رہتا.....“

(لغۃ توحید: نومبر ۱۹۹۳ء، صفحہ ۳۲)

اور مولوی طاہر بیچ پیری صاحب نے آج کے دیوبندیوں پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا:

”اکابرین دیوبند رحمہم اللہ نے جن چیزوں کو بدعات فرمایا مثلاً حیلے، دائرہ اسقاط، عرس اور مولود، تخصیص ایام، وغیرہ یہی نام نہاد دیوبندی ان بدعات کی سرپرستی کرتے ہیں اور ان کی نشر و اشاعت میں مصروف ہیں۔“ (لغۃ توحید: مارچ ۱۹۹۳ء، صفحہ ۲۶)

لیکن لطیفہ یہ ہے کہ آج کے دیوبندی جن کفریہ شرکیہ عقائد کو اختیار کیے ہوئے ہیں، وہ آج کی پیداوار نہیں بلکہ انہی ”سابقون الاولون“ کے عطا کردہ ہیں جن کو یہ اشاعتی ”حق“ پر کہتے ہیں! دیوبندی مسلک کے عقائد جن پر اس مسلک کے تمام لوگوں کا اتفاق ہے، ان کی مشہور کتاب ”المہند علی المفند“ میں بصراحت بیان کر دیئے گئے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جو رضا خان بریلوی کی کتاب ”حسام الحرمین“ کے جواب میں لکھی گئی جس میں فاضل بریلوی کے علمائے دیوبند سے منسوب کردہ عقائد کی تردید کرتے ہوئے اپنے عقائد واضح کیے گئے۔ کتاب کے مصنف مولوی غلیل احمد سہارنپوری ہیں جو رشید احمد گنگوہی کے شاگرد تھے، جن کو نام نہاد اشاعت التوحید والے اپنا مقتداء مانتے ہیں جیسا کہ انکے دستوری حوالے میں ذکر ہوا۔ اس کتاب میں مذکور عقائد کی تصدیق اُس وقت کے درج ذیل تقریباً دو درجن علماء نے کی :

﴿ محمود حسن ﴾

﴿ میر احمد حسن ﴾

﴿ عزیز الرحمن ﴾

﴿ اشرف علی تھانوی ﴾

﴿ شاہ عبد الرحیم رائے پوری ﴾ خام گنگوہی

﴿ محمد حسن ﴾

﴿ قدرت اللہ ﴾

﴿ حبیب الرحمن ﴾

﴿ محمد احمد ﴾

﴿ غلام رسول ﴾

﴿ محمد افضل سہول ﴾

﴿ عبد الصمد بجنوری ﴾

﴿ محمد اسحق ٹھٹھوری ﴾

﴿ ریاض الدین ﴾

﴿ مفتی کفایت اللہ ﴾

﴿ محمد قاسم ﴾

﴿ ضیاء الحق ﴾

﴿ محمد عاشق الہی میرٹھی ﴾

﴿ محمد مصطفیٰ بجنوری ﴾

﴿ محمد مسعود احمد بن رشید احمد گنگوہی ﴾

﴿ محمد یحییٰ سہرانی ﴾

﴿ کفایت اللہ ﴾

یہ بائیس علماء کوئی مجہول و غیر معروف قسم کے ”دور کعتی علماء“ نہ تھے۔ ان کے مقام و مرتبے کا اندازہ ان کے ناموں کے ساتھ استعمال کیے جانے والے القابات سے کیا جاسکتا ہے جو اس کتاب کے اردو ترجمے میں لکھے گئے ہیں:

- قدوة العارفين زبدة المحدثين
- سيد العلماء صفوة الصلحاء
- عمدة الفقهاء واسوة الاصفياء
- طبيب الملة حكيم الامة حضرت مولانا الحاج الحافظ
- شيخ الاتقياء وسند الابرار
- رئيس الحكماء امام الفضلاء
- جامع الكمال صادق الاحوال
- بقية السلف قدوة الخلف
- حاوی الفروع والاصول جامع المعقول والمنقول
- شمس فلک الشريعة البيضاء و بدر السماء لطريقة الغزاء
- ذروة سنام الدين و عروة الحب المتين
- ربيع رياض الاسلام مقتدائے انام
- جامع العلوم النقلية والفنون العقلية
- ذوالفضل والفضائل عمدة الاقران والامائل
- ذوالمجد الفاخر والعلم الذاهر والفهم الباهر والراشد الزاهر
- معدن معاضم الاشفاق و مخزن محاسن الاخلاق
- عين الانسان الكامل و انسان عيون الافاضل
- منطقة بروج الفضائل مطرح انظار الساوة والافاضل

- ناشر العلوم العربیة وماہر الفنون الادبیة

کیا ان مبالغہ آمیز القابات کے حامل ”معزز علماء کرام“ کی مصدقہ بات ایسی ہو سکتی ہے کہ اسے ”آج کے دیوبندی“ کہہ کر کوئی اشاعتی نظر انداز کر دے۔ اگر گراں نہ گزرے تو مزید تائید کے لیے قارئین ایک نظر ان کے لیے استعمال کیے جانے والے دعائیہ کلمات پر بھی ڈال لیں جس سے ان کی ”صداقت“ مزید دوچند ہو جاتی ہے! مترجم کتاب ان کے لیے کہتا ہے:

- دامت فضائلہم
- قدس اللہ سرہ
- مدت برکاتہم
- دام اللہ فیوضہم
- عمت مکارمہم
- زیدت محاسنہم
- بورک فی احوالہ
- اناء اللہ پرہانہ
- طاب اللہ ثراہ
- اطل اللہ بقاہ
- زید فضلہ العمیم
- کثر اللہ امثالہ
- نصر اللہ بمنہ
- اید اللہ بروح القدس

لیکن ہٹ دھرمی اور دور خی دیکھیے کہ ایک طرف تو ان ”سابقون الاولون“ علمائے دیوبند کو ”قافلہ حق“ گردانا جاتا ہے اور ان سے تعلق پر فخر کیا جاتا ہے جبکہ انہی کے مصدقہ عقائد سے تمسک کرنیوالے دیوبندیوں کو ”دیوبندیت کی پیشانی پر بدنماداغ“ اور ”گالی“ وغیرہ کہا جاتا ہے۔ اس کتاب الہند میں مذکور عقائد کی تصدیق کرنے والے ایک عالم اشرف علی تھانوی صاحب جن کے کارناموں کا ہر دیوبندی معترف ہوتا ہے، ان کے متعلق عنایت اللہ بخاری صاحب کہتے ہیں کہ انہوں نے دوسرے علماء کے علم و عمل پر اعتماد کرتے ہوئے

تائیدی دستخط کیے ورنہ ان کے اپنے یہ عقائد نہ تھے۔ [نغمہ توحید: جون ۱۹۹۲ء، صفحہ ۱۲-۱۳]
 حالانکہ درحقیقت انہوں نے صرف ”تائیدی دستخط“ نہیں کیے بلکہ ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ:
 ”نقر بہ و نعتقدہ وکل امر المفترین الی اللہ وانا اشرف علی التہانوی
 الحنفی الجشتی ختم اللہ تعالیٰ لہ بالخیر“
 ”میں اس کا مقرر اور معتقد ہوں اور افتراء کرنے والوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا
 ہوں۔ میں اشرف علی تھانوی حنفی چشتی، اللہ تعالیٰ اس کا خاتمہ بخیر فرمائے۔“ (۱)

اور حقیقت یہ ہے کہ تھانوی صاحب نے جن عقائد کی تصدیق کی، خود ان کے بھی یہی عقائد
 تھے۔ ان کی اپنی تحریریں اس پر گواہ ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب ”امداد المشتاق“ میں اپنے
 پیر امداد اللہ مہاجر کی کی معین الدین چشتی اجیرتی اور ”حکایات اولیاء“ میں شاہ ولی اللہ کی
 رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں استعانت کے واقعات نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ مردہ ہستیاں
 اپنے متعلقین کے حالات سے پوری طرح باخبر ہوتی ہیں اور دنیا میں آکر ان کی دستگیری بھی
 کرتی ہیں۔ ان کی اسی کتاب ”حکایات اولیاء“ میں تو ایسے ایسے واقعات ہیں جن میں بتایا گیا
 ہے کہ مردہ سنتا ہے، دیکھتا ہے، بولتا ہے، کام کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

تھانوی صاحب کی تصدیق کے متعلق تو پیر بخاری صاحب نے یہ خامہ فرسائی فرمائی
 کہ انہوں نے دوسرے علماء کے علم و عمل پر اعتماد کرتے ہوئے تائیدی دستخط کیے (حالانکہ
 حقیقت میں ایسا نہ تھا جیسا کہ ابھی ثابت کیا گیا)، لیکن اسی المہند پر تصدیق کرنے والے ایک
 دوسرے عالم نے کسی دوسرے کے علم و عمل پر اعتماد نہیں کیا کیونکہ وہ ”مفتی اعظم ہند“ تھے
 بلکہ انہوں نے اچھی طرح پڑھ سمجھ کر دستخط کیے اور درج ذیل نوٹ لکھ کر اس بات کی کوئی
 گنجائش ہی نہیں چھوڑی کہ بعد میں کوئی انہیں ”اہل حق“ گرداننے والا ”معتقد“ ان
 عقائد سے ان کو بری الذمہ قرار دینے کی اس طرح کی کوشش کرے:

”رایت الاجوبہ کلہا فوجدتہا حقہ صریحہ لا یحوم حول سرادقاتہا شک ولا ریب - و هو معتقدی و معتقد مشائخی رحمہم اللہ تعالیٰ - وانا العبد الضعیف الراجی رحمۃ مولانا الموعود بکفایت اللہ الشاہ جانفوری الحنفی المدرس فی المدرسۃ الامینیۃ الدہلویۃ“

”میں نے تمام جوابات دیکھے، پس سب کو ایسا حق و صریح پایا کہ اس کے ارد گرد بھی شک و ریب نہیں گھوم سکتا اور یہی میرا عقیدہ ہے اور میرے شیخ رحمہم اللہ کا عقیدہ ہے۔ میں ہوں بندہ ضعیف امیدوار رحمت خداوندی محمد کفایت اللہ شاہ جہانپوری حنفی مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔“ (1)

یہ وہی مفتی کفایت اللہ ہیں جن کے لیے ان کے شاگرد خاص، اشاعت التوحید والسنۃ کے ”شیخ الحدیث والتفسیر حضرة مولانا سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی“ لکھتے ہیں:

”حضرت مفتی اعظم ہند استاذی المکرم الشیخ المفخم سیدی و سندی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃ واسعۃ وافرۃ کاملۃ“ (2)

”حضرت شیخ المشائخ نعمان الوقت فقیہ النفس المحقق الدقق رئیس المحدثین والمفسرین ماهر المعقول والمنقول استاذی و مولائی* العلامة الفہامۃ القمطام الطمطم الہمام العریف الغطریف النقاد الکامل و مفتی اعظم ہند محمد کفایت اللہ علیہ رحمۃ اللہ“ (3)

جن صاحب کو نیلوی صاحب اپنی ”سند“ قرار دے رہے ہیں وہ ”بقلم خود“ فرماتے ہیں کہ نہ صرف میرے بلکہ مجھ سے پہلے گزرنے والے سارے علمائے دیوبند کے بغیر کسی شک شبہ کے یہی عقائد تھے جو اس کتاب میں بیان کیے گئے ہیں۔ کیا اس ”سند“ کی خود اپنی سند پر ان لوگوں کے لیے یہ تسلیم کر لینا کافی نہیں کہ الہند میں بیان کردہ تمام عقائد بلا استثناء تمام علمائے دیوبند کے متفقہ عقائد ہیں جن کو آج کے دیوبندی بھی اسی طرح بلا شک و شبہ مانتے ہیں؟ تو ایک ہی

(1) عقائد علمائے دیوبند اور حسام الحرمین: صفحہ ۲۸۱

(2) نغمہ توحید، فروری ۱۹۹۳ء، صفحہ ۴۳

★ حالانکہ نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی تم میں سے کسی کو یوں نہ کہے: ”مولائی“ یعنی میرے آقا۔

(مسلم: کتاب الافاظ من الادب وغیرہا، باب حکم اطلاق لفظۃ العبد والامۃ والمولیٰ والسید)

(3) شفاء الصدور: صفحہ آخر

عقیدہ رکھنے پر پہلے والے ”اہل حق“ اور بعد والے ”گمراہ، بد نما داغ، گالی“ کیسے بن گئے! اشاعتی اور دیوبندی دونوں فقہ حنفی کے پیرو ہیں۔ فقہی موثقات فیاں کرنے والوں کے نزدیک ایک متفقہ اصول ہے کہ اشتراک علت کے سبب حکم بھی مشترک ہو گا۔ اگر باطل عقائد کے سبب آج کے دیوبندی گمراہ ہیں، حق سے دور ہیں، بھٹکے ہوئے ہیں، تو یہی عقائد رکھنے کی بناء پر ان کے ساتھی بھی اس اصول کی رو سے کیا حق سے دور اور گمراہ نہیں ٹھہریں گے؟

اپنے اکابرین کے لیے مندرجہ بالا قسم کے مبالغہ آمیز خطابات کا استعمال ان اشاعتیوں کی اکابر پرستانہ ذہنیت کی غمازی کرتا ہے۔ ان کے جلسوں کے اشتہارات، ان جلسوں میں کسی خطیب کی آمد پر اس کے تعارف کے لیے استعمال کیے جانے والے الفاظ اور سب سے بڑھ کر ان کی تحریریں اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ اپنے بانی جماعت کو یہ کہیں ”مجدد مائتہ حاضرہ“ کہتے ہیں، (1) کہیں ”قدوة المحدثین، زبدة العارفین، مجدد دوراں“ کہتے ہیں، (2) کہیں ”امام الموحدين“ کہتے ہیں، (3) تو کہیں ان کا تعارف اس طرح کرتے ہیں:

”بانی جماعت اشاعة التوحيد و السنة رئيس المفسرين، سند المحدثين، قدوة الفقهاء، سلطان العارفین، الامام العلامة، حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمہ اللہ رحمة واسعة“ (4)

احادیث کا مطالعہ کریں تو یہ چیز مفقود نظر آتی ہے۔ بلکہ نبی ﷺ نے تو خود اپنی تعریف میں بھی کسی قسم کے مبالغے سے منع فرمایا ہے۔ (5) چنانچہ خیر القرون میں نہ نبی ﷺ کے لیے صحابہ کرام نے، نہ تابعین نے اپنے اکابرین صحابہ کے لیے اور نہ ہی تبع تابعین نے اپنے اکابر تابعین کے لیے اس طرح کے مبالغہ آمیز القابات استعمال کیے۔ ”اشاعة التوحيد والسنة“ والے اس طرح کا انداز اپنا کر نہ جانے کس کی ”سنت“ کی اشاعت کر رہے ہیں؟

(1) نغمہ توحید: جنوری ۱۹۹۳ء، صفحہ ۶۹

(2) نغمہ توحید: مئی ۱۹۹۵ء، صفحہ ۱۹

(3) نغمہ توحید: جولائی ۱۹۹۶ء، صفحہ ۲۵

(4) نغمہ توحید: اپریل ۱۹۹۶ء، صفحہ ۲۲

(5) بخاری: کتاب بدء الخلق، احادیث الانبیاء، باب واذا کرفی الکتاب مریم.....

جن صاحب کے لیے یہ طول طویل القابات کا طومار باندھا جاتا ہے، ذرا ان کے کمالات تو ملاحظہ فرمائیے۔ یہی بانی جماعت مولوی الوانی صاحب اپنی کتاب ”بلغة الحیران“ میں لکھتے ہیں:

”مبشرات: رائیت سیدی محمد عثمان اعطانی تفسیر القرآن صغیر الحجم فقلت اهو تفسیر جمیع القرآن قال نعم ورائیت انی اعطیت التفسیر من الرب تعالیٰ ورائیت انه علیه الصلوٰۃ والسلام اخذنی فی حجره وادخل لسانه المبارک فی فمی والقی لعابه فی فمی ورائیت ان علیاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا مرنی بتصنیف تفسیر القرآن ورائیت ان اللہ تبارک و تعالیٰ یقول لی غفرت لك و لمن اتبعك رائیت ان رسول اللہ ﷺ عانقنی وذهب بی فی معانقته علی الصراط ای پل صراط رائیت ان رسول اللہ ﷺ کتب لی ضنیة..... ختم علیه بیده المبارک وکان معه اکثر الاکابر دعوت عند بیت اللہ الحرام ثم جئت عند رسول اللہ ﷺ فقلت الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ فعانقنی ﷺ وعلنی اللطائف والاذکار ورائیت انه یسقط فامسکته و اعصمته عن السقوط فعبرت فی ذلك الوقت ان المراد اقامة دینه و محو الشریک قیل لی من یخالفک فی التوحید هم دجالون کذابون وقعدت عند مزار الامام الربانی فقال لی فی المکاشفة بیان مسئلة التوحید اعلى درجة عن السلوک ورائیت الانبیاء کلهم من آدم الی نبینا ﷺ کلهم ینادون باعلی نداء ان من دعا غیر اللہ تعالیٰ معتقداً انه یعلم ویسمع فهو کافر“ (صفحہ ۸)

”حسین علی بن محمد بن عبد اللہ کہتا ہے کہ..... میں نے اپنے آقا محمد عثمان کو دیکھا کہ انہوں نے مجھے تفسیر قرآن عطا کی جو حجم میں چھوٹی تھی۔ تو میں نے پوچھا کہ کیا یہ سارے قرآن کی تفسیر ہے۔ آپ نے کہاں ہاں۔ اور میں نے دیکھا کہ مجھے رب تعالیٰ کی طرف سے تفسیر عطا کی گئی۔ اور میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ مجھے اپنے حجرے میں لے گئے اور اپنی زبان میرے منہ میں داخل کی اور اپنا لعاب میرے منہ میں ڈالا۔ اور میں نے دیکھا کہ علیؑ مجھے حکم دیتے ہیں کہ تفسیر قرآن تصنیف کروں۔ اور میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میں نے تجھے بخش دیا اور اسے بھی جو تیری اتباع کرے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے گلے سے لگایا اور اپنی آغوش میں ہی مجھے پل صراط پر لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے ضمانت لکھی.... اور اپنے دست مبارک سے اس پر مہر لگائی اور اکثر اکابرین اس وقت آپ کے

ساتھ تھے۔ میں نے بیت اللہ کے پاس دعاء کی اور پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور پھر کہا الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے گلے لگا لیا مجھے لطائف و اذکار سکھائے۔ اور میں نے دیکھا کہ آپؐ گرنے لگے۔ پس میں نے آپؐ کو تھام لیا اور گرنے سے بچایا۔ اس وقت میں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ اس سے مراد آپؐ کے دین کو قائم کرنا اور شرک کو مٹانا ہے۔ مجھ سے کہا گیا کہ توحید میں جو تیری مخالفت کرے گا وہ دجال و کذاب ہے۔ اور میں امام ربانی کے مزار پر بیٹھا تو امام نے مکاشفے میں مجھے مسئلہ توحید اور اعلیٰ مدارج سلوک بیان کیے۔ اور میں نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک تمام نبیوں کو دیکھا جو سب کے سب بلند آواز سے نداء لگا رہے تھے کہ جس نے اس اعتقاد کے ساتھ غیر اللہ کو پکارا کہ وہ جانتا ہے اور سنتا ہے تو وہ شخص کافر ہے۔“

الوانی صاحب کہہ رہے ہیں کہ نبی ﷺ گرنے لگے تو میں نے انہیں گرنے سے بچایا..... یہ تو ویسی ہی بات ہے جو عبدالقادر جیلانی کی کرامات میں بیان کی جاتی ہے کہ جب سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ کر جبرئیل امین نے مزید آگے جانے سے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ ان کے پر جل جائیں گے تو وہاں شیخ جیلانی نمودار ہوئے جن کے کاندھے پر سوار ہو کر نبی ﷺ مقام قاب قوسین اور ادنیٰ عرش پر پہنچے اور ان سے فرمایا کہ میرے یہ قدم تیری گردن پر اور تیرے قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہوں گے!! (1)

گزشتہ صفحات میں ”زیارت رسول ﷺ“ کے تحت انہی جیلانی صاحب کا قول بتایا گیا تھا کہ علیؑ نے ان کے پاس آکر وعظ کہنے کی تلقین فرمائی اور ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اسی طرح الوانی صاحب کو بھی تفسیر قرآن کی تلقین فرمائی اور خود نبی ﷺ نے اپنی زبان اور لعاب دہن ان کے منہ میں ڈال دیئے! جس طرح جیلانی صاحب کو اللہ نے ان کے اور ان کے مریدوں کے لیے بخشش نامہ عطا فرمایا، اسی طرح الوانی صاحب اور ان کے متبعین کے لیے بھی اللہ نے بخشش عطا فرمادی! کتنی مماثلت ہے ان واقعات میں! لگتا ہے کہ ایک دوسرے کو دیکھ کر لکھے گئے ہیں۔ صوفیوں کے واقعات میں اس طرح کی مماثلت عام ہے۔

جو لوگ ایسے ”ممالات“ کے حامل ہوں تو پھر ان کے لیے جو کچھ بھی کہا جائے وہ کم ہوگا۔ بلکہ ایسے پہنچے ہوئے کو تو ”بندوں“ کی فہرست میں رکھنا ان کے شایانِ شان نہ ہوگا!

ان کا تو کوئی اور ہی ”مقام“ ہونا چاہیے۔ اور ایسوں کے لیے یہ کہنا کہاں درست ہے کہ ان ”کا مسلک یقیناً قرآن کریم اور سنت صحیحہ کے عین مطابق ہے“^(۱) کیونکہ ان کے یہ ”کارنامے“ تو قرآن کریم اور سنت صحیحہ کا کھلا انکار کرتے ہیں۔

اس اکابر پرستی کی جھلکیاں ان کی تحریروں میں نظر آتی رہتی ہیں۔ کبھی تو یہ اس میں اتنے مست ہو جاتے ہیں کہ ان کی زبان و قلم سے ”عقیدت دے پھل“ برسنے لگتے ہیں جیسے ان کے ایک حافظ صاحب نے عنایت اللہ بخاری کے لیے عنوان مذکورہ سے اپنے سرانیکی قصیدوں میں برسائے جن کا ایک شعر ہے:

شہنشاہ علمی دنیا دامری طرفوں سلام ہووی

رسول اللہ و عاشق ہیں سدا دنیا غلام ہووی

(دنیا علم کے بادشاہوں کے بادشاہ! میری طرف سے تجھ پر سلام ہو۔ تو رسول اللہ کا عاشق ہے، دنیا ہمیشہ تیری غلام رہے)^(۲)

اگر یہاں الوانی صاحب کے استاد

”عارف باللہ قدوة السالکین حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ“^(۳)

جن کے الوانی صاحب

”شاگرد خاص اور ان کے طرز عمل کے داعی تھے“^(۴)

ان کا مقام بھی بیان کر دیا جائے تو دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، جن کے لیے اشاعتیوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ ”اپنے زمانے کے قطب الارشاد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ الف الف رحمتہ تو ہمارے لیے علاقائی مینارہ نور ہیں۔ ہمارا مشن اور ہماری تفسیر قرآنی ان کے واسطے سے سید الانبیاء ﷺ پہنچتی ہے۔“^(۵)

موصوف کے ”خلیفہ خاص“ عاشق الہی میرٹھی صاحب نے ”تذکرۃ الرشید“ کے نام سے ان کی سوانح حیات لکھی ہے جس کی پیشانی پر یہ قرآنی آیت لکھی ہے:

(۱) شق ۲، دفعہ ۱، دستور اشاعت التوحید والسنۃ

(۲) نغمہ توحید: فروری ۱۹۹۳ء، صفحہ ۵۲

(۳) شق ۲، دفعہ ۱، دستور اشاعت التوحید والسنۃ (۴) ایضاً (۵) نغمہ توحید: جون ۱۹۹۲ء، صفحہ ۶

إِنَّ هَذِهِ تَذَكُّرَةٌ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ

”یہ ایک یاد دہانی ہے پس جو چاہے اس سے نصیحت پکڑے۔“

چھ سو بڑے صفحات کی اس کتاب میں مؤلف نے اپنے ممدوح کے ایسے ایسے کارنامے بیان کیے ہیں کہ عقل حیران و پریشان ہو جائے کہ ایک بندے میں وہ سب ”کمالات“ کیسے جمع ہو گئے جن سے جلیل القدر تابعین رحمہم اللہ، عالی مقام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین بلکہ افضل الخلائق انبیاء علیہم السلام بھی محروم رہے! فرماتے ہیں کہ

”حضرت امام ربانی قدس سرہ کی مقبولیت کمال اتباع سنت کے سبب اس درجہ واضح ہو چکی تھی کہ اگر من اجلی البدیہات نکلیں تو زیبا اور کائنات فی نصف النہار کہیں تو بجا ہے مگر جب محروم القسمہ اصحاب کی ظلمت باطنی و قساوتہ قلبی نے خاتم النبیین ﷺ کی نبوتہ باہرہ کے فیوضات ظاہرہ کا اعتراف نہ کیا تو نائب رسول قطب وقت پادشاہ ولایت یا قطبیت کے انکار کرنے والوں پر کیا افسوس کیا جائے۔ اگر کسی کو حق تعالیٰ بصیرت عطا فرمائیں تو معلوم ہو جائے کہ آپ کی ولایت پر زمین و آسمان اور اشجار و اجار تک گواہ بنے ہوئے ہیں۔ تمام ذی روح مخلوق حتیٰ کہ چوہنیاں اپنے بھٹوں میں اور مچھلیاں سمندر و آب دریا میں آپ کی ترقی عمر آپ پر بے پایاں رحمت کے نازل ہونے کی دعائیں مانگتی تھیں۔ آپ کی بابرکت ذات اور مورور رحمت خاصہ وجود باوجود سے صرف نوع انسانی ہی متمتع نہیں ہوئے بلکہ خوشحالی و فارغ البالی اور کسی درجہ میں اطمینان و رحمت کے ساتھ گذران کا نفع ہر جاندار مخلوق کو پہنچا بلکہ سرسبز و شادابی کی منفعت سے زمین کی ہر گیہاں اور درختوں کے پتے بھی محروم نہ رہے۔ جس قلب کو خالق سبحانہ نے اور اک اور حس عطا فرمایا ہے وہ دیکھ رہا ہے کہ جو نزول سکینہ آج سے تین برس پہلے عالم آشکارا تھی اب اس کا وجود نہیں اس لیے کہ جس فرشتہ خصلت سرپرست محبوب کے طفیل میں عالم کو نوازا جا رہا تھا وہ دنیا سے سدھار چکا اور عالم فانی سے رخصت بعالم جاودانی ہوا۔“

(تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحات ۳۳۴، ۳۳۵)

”منشی رحمت علی صاحب موضع رائے پور گوجران ضلع جالندھر کے سرکاری مدرسے میں مدرس ہیں، ابتداء میں بدعات سنہ و رسومات مختصرہ میں بدرجہ غایت منہک تھے۔ حضرت حافظ محمد صالح دام مجہد کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ پڑھا اور مسائل شرعیہ سے واقفیت پر عقائد کی فی الجملہ اصلاح کی چونکہ منشی صاحب کو ابتداء سے حضرت پیران پیر عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے ساتھ خاص محبت و عقیدت تھی اسکی بدولت ان کو شیخ کے ساتھ ایما تعلق ہو گیا

تھا کہ اکثر مہمات کے وقت حضرت شیخ خواب میں تشریف لاتے اور رہبری فرمایا کرتے تھے نیز اسی محبت کا ثمرہ تھا کہ زمانہ ناواقفیت ہی میں اس کی تمنا تھی کہ کسی شیخ کا دامن پکڑوں اور اللہ کا نام سیکھوں۔ حافظ محمد صالح صاحب دام مجہد کی شاگردی کے زمانے میں اکثر حضرت مولانا قدس سرہ کے حامد و مناقب ان کے کان میں پڑتے مگر یہ متاثر نہ ہوئے اور یوں خیال کیے ہوئے تھے کہ جب تک حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ خواب میں تشریف لا کر خود ارشاد نفرماویں گے کہ فلاں شخص سے بیعت ہو، اس وقت تک بطور خود کسی سے بیعت نہ کرونگا۔ اسی حالت میں ایک مدت گزر گئی کہ یہ اپنے خیال پر جے رہے آخر ایک شب حضرت پیران پیر قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت شیخ نے یوں ارشاد فرمایا کہ اس زمانہ میں مولانا رشید احمد گنگوہی کو حق تعالیٰ نے وہ علم دیا ہے کہ جب کوئی حاضر ہونے والا السلام علیکم کہتا ہے تو آپ اس کے ارادے سے واقف ہو جاتے ہیں..... چند روز بعد حضرت پیران پیر کی زیارت سے دوبارہ مشرف ہوئے اور پھر سہ بارہ اور چوتھی مرتبہ غرض متواتر کئی بار یہی خواب نظر آیا کہ حضرت پیران پیر ارشاد فرماتے ہیں کہ مولانا رشید احمد صاحب کو حق تعالیٰ نے دونوں علم پورے عطا فرمائے ہیں۔ نیز خواب ہی میں حضرت امام ربانی قدس سرہ کی ان کو زیارت کرائی گئی اور دکھایا گیا کہ یہ شخص ہیں جن کی خدمت کا بار بار تم کو حکم دیا جاتا ہے..... (1) *

(1) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحات (۳۱۱، ۳۱۲)

★ اپنی وفات کے سینکڑوں سال بعد ایک بدعتی کے دل میں موجود خیالات سے واقف ہو کر اس کے پاس بکثرت آکر اس کو اپنی زیارت سے بار بار ”مشرف“ کر کے اس پر ”الطاف واکرام“ فرمانے والے عبدالقادر جیلانی صاحب کے بدعت اور بدعتیوں کے متعلق ارشادات بھی ملاحظہ فرمائیے جن میں سے کچھ کو خود ان لوگوں نے بھی دسمبر ۱۹۹۴ء کے نمبر (صفحہ ۵۵) میں بیان کیا ہے کہ ”بدعتیوں سے بہت زیادہ بحث و مباحثہ نہ کرو اور ان کے منہ نہ لگو اور گھٹانا ماننا تو رہا اور کنار ان کے پاس بھی نہ جاؤ اور نہ انہیں سلام کرو کیونکہ ہمارے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: جس نے بدعتی کو سلام کیا اس نے اس سے محبت کی کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے آپس میں سلام عام کرو اس سے ایک دوسرے میں محبت پیدا ہوگی، اور نہ ان کے ساتھ اٹھو بیٹھو اور نہ ان سے ملو جلو اور عید و تقریبات مسرت کے موقعوں پر انہیں مبارکباد نہ دو اور نہ ان کے جنازوں کی نماز پڑھو اور نہ ان کا ذکر آنے پر اظہارِ ترم کرو (یعنی رحمۃ اللہ علیہ نہ کہو) بلکہ ان سے دور دور رہو اور اللہ کی رضا کی خاطر ان کو اپنا دشمن ہی تصور کرو اور بدعتیوں کے مذاہب کے باطل ہونے پر یقین رکھو اور یہ نیت کر لو کہ اس پر عظیم ثواب اور بڑا اجر انشاء اللہ ملے والا ہے۔ نبی ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص بدعتی کو اللہ کے لیے اپنا دشمن تصور کرے اللہ اس کا دل امن و امان سے بھر دے گا اور جو بدعتی کو اس سے بغض رکھ کر ڈانٹے

”حضرت مولانا شرف علی صاحب دَام مجدہ فرماتے تھے ایک مرتبہ مجھے خیال ہوا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ کی ولایت تو ظاہر ہے مگر اولیاء اللہ کے مراتب مختلف ہیں خدا جانے حضرت کا مرتبہ کیا ہے؟ ایک دن کچھ سوتا کچھ جاگتا تھا دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت قدس سرہ مسجد میں تشریف فرما ہیں اور میں سامنے بیٹھا ہوں۔ ایک بزرگ عصا ہاتھ میں لیے تشریف لائے اور حضرت کی طرف اشارہ فرما کر مجھ سے مخاطب ہو کر یوں ارشاد فرمایا کہ ”دیکھو یہ قطب الارشاد ہیں۔“ اس کے بعد فوراً آنکھ کھل گئی اور دل کو اطمینان ہو گیا۔“ (۱)

”حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب مجددی دَام مجدہ ایک بار حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مزار پر انوار پر سرہند شریف حاضر ہوئے تو آپ کو معلوم کرایا گیا کہ امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب قطب الارشاد ہیں۔ حضرت مولانا صدیق احمد صاحب انبہوی مدت فیوضہ جو حضرت امام ربانی قدس سرہ کے خلفاء کا ملین میں صاحب حالات عجیبہ و واردات غریبہ ہیں، تحریر فرماتے ہیں کہ اس عاجز کو جو معلوم کرایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے قدس سرہ اس زمانے کے قطب الارشاد تھے۔ آپ کا لقب عالم بالا میں مخدوم العالم ہے۔ آپ ولایۃ النبوة و مقام محمدی میں نہایت راسخ القندم ہیں۔ اولیاء امت محمدیہ میں بہت کم ایسے ہوئے ہیں کہ اس مقام عالی میں اس قدر رسوخ رکھتے ہیں۔ یہ مقام حضرت فخر عالم رسول اکرم ﷺ کے زیر قدم ہے۔“ (۲)

حق تعالیٰ اسے قیامت کے دن امن و سلامتی عطا فرمائے گا، اور جو بدعتی کو حقیر سمجھے اللہ جنت میں اس کے سو درجے بلند فرمائے گا اور جو اس سے خندہ پیشانی یا اس طرح ملے کہ وہ خوش ہو جائے تو اس نے وہ کلام پاک حقیر سمجھا جو حق تعالیٰ جل مجدہ نے اپنے نبی پر اتارا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق تعالیٰ بدعتی کا کوئی عمل قبول نہیں فرماتا جب تک وہ بدعت نہ چھوڑے۔ فضیل بن عیاض: جو کسی بدعتی سے محبت کرے اللہ تعالیٰ اس کے عمل غارت فرما دیتا ہے اور اس کے دل سے نور ایمان نکال دیتا ہے اور جب اللہ کے علم میں کوئی شخص بدعتی سے بغض رکھنے والا ہوتا ہے تو مجھے امید ہے کہ حق تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دے گا۔ گو اس کے عمل تھوڑے ہوں۔ اگر تم راہ میں بدعتی کو دیکھو تو دوسری راہ اختیار کرو۔ فضیل بن عیاض، سیاح ابن عیینہ: اگر کوئی بدعتی کے جنازے کے ساتھ گیا تو جب تک واپس نہیں آئے گا اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب میں رہے گا۔ نبی ﷺ نے بدعتی پر لعنت فرمائی ہے، فرمایا: جس نے بدعت ایجاد کی یا بدعتی کو پناہ دی اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے فرائض و نوافل قبول نہیں فرماتا۔“ (غنیۃ الطالبین: حصہ اول، صفحات ۱۸۸، ۱۸۹)

(۱) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحہ ۳۰۶

(۲) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحہ ۳۰۷

”حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ“ جو اپنے ”مزار پر انوار“ سے زائر کو ”معلوم“ کر رہے ہیں کہ ”امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب قطب الارشاد ہیں“، خود اپنی کتاب مبداء و معاد میں اس منصب ”قطب الارشاد“ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”قطب ارشاد جس میں فرویت کے محال کمالات بھی پائے جاتے ہیں نہایت قلیل الوجود ہوتا ہے۔ کئی صدیوں بلکہ بے شمار زمانہ کے بعد اس قسم کا موتی ظاہر ہوتا ہے جس کے نورِ ظہور سے تاریک دنیا روشن ہو جاتی ہے۔ اس کی ہدایت و ارشاد محیط عرش سے لے کر مرکز زمین تک تمام جہاں کو حاصل ہوتا ہے۔ جس شخص کو رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت حاصل ہوتے ہیں اسی کی وساطت سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے وسیلے کے بغیر براہ راست کسی کو یہ نعمت حاصل نہیں ہو سکتی گویا اس کا نور ہدایت سمندر کی طرح تمام جہاں کو گھیرے ہوتا ہے اور وہ ایک مخمد سمندر ہے جو بالکل حرکت نہیں کرتا۔ جو شخص اس بزرگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور اس کا مخلص ہوتا ہے یا وہ بزرگ کسی طالب کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو توجہ کی وقت طالب کے دل میں گویا ایک سورخ کھل جاتا ہے جس کی راہ اس دریا سے توجہ اور اخلاص کے موافق سیر آب ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شخص ذکر الہی میں مشغول ہے لیکن اس بزرگ (قطب ارشاد) کی طرف متوجہ نہیں مگر انکار کی وجہ سے نہیں بلکہ اس واسطے کہ وہ اسے جانتا نہیں، تو بھی اسے اس قسم کا فائدہ پہنچتا ہے مگر پہلی صورت میں بہ نسبت دوسرے کے زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص قطب ارشاد کا منکر ہے یا وہ بزرگ اس سے ناراض ہے، خواہ وہ کتنا ہی ذکر الہی میں مشغول رہے پھر بھی رشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم رہتا ہے، وہی اس کا انکار اس کے فیض کا سد راہ ہوتا ہے خواہ قطب ارشاد اسے فائدہ نہ پہنچانے کے لیے یا نقصان پہنچانے کے لیے توجہ نہ ہی کرے۔ ایسے شخص کو ہدایت کی حقیقت میسر نہیں ہو سکتی۔ گو اسے رشد کی صورت حاصل ہوتی ہے، لیکن محض صورت سے کیا کام نکل سکتا ہے۔ صورت بے معنی سے بہت تھوڑا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ جو لوگ قطب ارشاد کے محب و مخلص ہوتے ہیں، گو وہ ذکر الہی اور توجہ مذکور سے خالی ہی ہوں تو بھی محض محبت کی وجہ سے رشد و ہدایت کا نور پہنچتا ہے۔ والسلام علی من اتبع الهدی“ (مبداء و معاد: [ملحق بمکتوبات: جلد ۲] صفحات ۵، ۶)

واہ واہ! کوئی انتہا ہے اس مقام کی! اس طرح مجدد صاحب نے قطب ارشاد کا مقام واضح کر کے دیوبندیوں اور ان کے طفیلی اشاعتیوں کی نجات اور ان کے حریف بریلویوں کی بربادی کا سامان کر دیا کیونکہ دیوبندی اور اشاعتی اپنے گنگوہی قطب ارشاد سے غایت درجہ عقیدت

رکتے ہیں اگرچہ بریلویوں کے بزعم ان کے اعمال برباد ہی کیوں نہ ہوں؛ اور تمام بریلوی بشمول اپنے رضا خانی امام کے خائب و خاسر ہیں خواہ وہ نبی ﷺ سے کتنی ہی محبت اور عشق کے دعوے کیوں نہ کریں کیونکہ وہ اس گنگوہی قطب ارشاد سے ان کے ”امکان کذب“ کے مسئلے میں انہیں خارج از اسلام سمجھتے ہوئے حد درجہ بغض رکھتے ہیں۔

”امکان کذب“ (یعنی ذات باری تعالیٰ کے لیے جھوٹ کا امکان) ان گنگوہی قطب ارشاد کا چھوڑا ہوا ایک مشہور شوشہ ہے جس پر ان کے زمانے میں بہت لے دے ہوئی تھی، اور ان کے مخالف مسلک والے آج تک اس لکیر کو پیٹ رہے ہیں۔ گنگوہی صاحب نے فتویٰ صادر کیا تھا کہ (نقل کفر کفر باشد) نعوذ باللہ اللہ سے کذب بیان کا صدور ممکن ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے ورنہ نقص لازم آئے گا۔ تعجب ہے کہ جب ان کے علماء کی تحریروں میں قرآن و حدیث کے خلاف کفریہ شریہ جھوٹی باتوں کی نشاندہی کی جائے تو یہ لوگ ان کا دفاع کرتے ہوئے کہنے لگتے ہیں کہ یہ لوگ اتنے بڑے عالم تھے ایسی بات لکھ ہی نہیں سکتے، ان سے ایسی باتوں کا صدور ہو ہی نہیں سکتا..... لیکن تعجب ہے کہ اللہ رب العزت کی ذات سے جھوٹ کا صدور انہیں ممکن نظر آتا ہے!! شاید ایسے ہی مواقع پر اللہ شکوہ کرتا ہے کہ مائیکم لا ترجون للہ وقاراً! (۱) یہ فتویٰ قرآن و حدیث کے صریحاً خلاف ہے؛ اصدق القول (۲) اور اصدق الحدیث (۳) رب سے کذب کے صدور کا امکان بھی محال ہے اور ایسا سوچنا بھی سلب ایمان کے لیے کافی ہے جو وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ (۴) کے زمرے میں آتا ہے۔ لیکن تذکرۃ الرشید کا مصنف اس معاملے میں لکھتا ہے کہ:

”جس زمانہ میں مسئلہ امکان کذب پر آپ کے مخالفین نے شور مچایا اور تکفیر کا فتویٰ شائع کیا ہے سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی کی مجلس میں کسی مولوی نے حضرت امام ربانی قدس سرہ کا ذکر کیا اور کہا کہ امکان کذب باری کے قائل ہیں۔ یہ سن کر سائیں توکل شاہ صاحب نے گردن

(۱) ”تمہیں کیا ہو گیا ہے، تمہاری نظروں میں اللہ کا کوئی وقار نہیں۔“ (نوح: ۱۳)

(۲) وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ”اور اللہ سے بڑھ کر قول کا سچا کون ہے“ (النساء: ۱۲۲)

(۳) وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ”اور اللہ سے بڑھ کر بات میں سچا کون ہے“ (النساء: ۸۷)

(۴) ”اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔“ (الصافات: ۷۵)

جھکا لی اور تھوڑی دیر مر اقب رہ کر منہ اوپر اٹھا کر اپنی پنجابی زبان میں الفاظ ادا فرمائے: لوگو! تم کیا کہتے ہو، میں مولانا رشید احمد صاحب کا قلم عرش کے پرے چلتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔“ (1)

عرش کے پرے گنگوہی صاحب کے قلم چلنے سے کئی معنی نکل سکتے ہیں: ایک تو یہ ان کے لکھے کو تائید الہی حاصل ہے، دوسرے یہ کہ ان کی عرش تک پہنچ ہے، تیسرے یہ کہ وہ عرش پر متمکن ہیں، چوتھے یہ کہ ان کا حکم عرش پر بھی چلتا ہے..... یہ البتہ قابل غور ہے کہ عرش پر رب تعالیٰ کے سوا کون ہے جس پر ان کا حکم چلتا ہو! تو کیا نعوذ باللہ رب تعالیٰ بھی ان کے تابع فرمان ہو گیا!

شاید نیلوی صاحب کی نظر سے ان کے دادا استاد کا یہ جھوٹ والا فتویٰ نہیں گزر اور نہ پھر ان میں یہ کہنے کا یارا نہ ہو تاکہ:

فَيَقُولُ الْمَلْعُودُ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَكْذِبُ لَأَنَّ الْكَذِبَ مِنْهُ

ممكن والامكان يستلزم الوقوع معاذ الله من هذه الهفوات (2)

”پس لعنہ ایسا کہتا ہے کہ معاذ اللہ اللہ جھوٹ بولتا ہے کیونکہ اس سے جھوٹ ممکن ہے اور کسی

چیز کے امکان سے اس کا واقع ہونا لازم آتا ہے۔ اللہ کی پناہ ان ہفوات سے۔“

بہر حال حقیقت کچھ بھی ہو، ان دیوبندیوں اور ان کے طفیلی اشاعتیوں کو کسی خوش فہمی میں نہ رہنا چاہیے کیونکہ یہ ”قطب ارشاد“ کا منصب محض مزعومہ اور مختصرہ ہے اور قرآن و حدیث اس معاملے میں بالکل خاموش ہیں یعنی کتاب و سنت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا بلکہ یہ قرآن و حدیث کا صریح انکار و استہزاء ہے۔ پھر یہ لوگ اپنے بانی جماعت کے استاد کو ”قطب ارشاد“ مان کر کون سی سنت کی اشاعت کر رہے ہیں؟

اور ان ”قطب ارشاد“ صاحب کے کارنامے تو ملاحظہ فرمائیے۔ جن صاحب کے لیے، بقول ان کے، شیخ عبدالقادر جیلانی صاحب نے فرمایا [جس کا پچھلے صفحات میں حوالہ دیا جا چکا ہے] کہ ”مولانا رشید احمد صاحب کو حق تعالیٰ نے دونوں علم پورے عطا فرمائے ہیں“ (3)

وہ صاحب کس طرح قرآن و حدیث کا مذاق اڑا رہے ہیں، مثلاً

(1) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحہ ۳۲۲

(2) شفاء الصدور: صفحہ ۹

(3) یعنی ایک تو شریعت کا علم جس کی بنیاد قرآن و حدیث ہوتی ہے اور دوسرا ان صوفیوں کا خود ساختہ طریقت کا علم

﴿ تذکرۃ الرشید کے مصنف لکھتے ہیں:

”احقر نے وفات قدس سرہ سے کچھ پہلے غالباً اسی مرتبہ جبکہ درود شریف موصوف حضرت سے سنا یہ عرض کیا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات خصوصاً سرور انبیاء خاتم الرسل صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ کا حیات النبی ہونا مسلم ہے اور آیہ کریمہ اُنْکَ مِیّتٌ وَاَنْھُمْ مِیّتُوْنَ سے سب کا میت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں کچھ ایسی پر تاثیر تقریر فرمائی کہ جو مشاہدہ و سماع پر موقوف ہے۔ الفاظ اور مطلب بسبب وقت پوری طرح محفوظ نہیں رہا مگر خلاصہ اس کا کچھ ایسا تھا کہ موت سب کو شامل ہے مگر انبیاء کی ارواح مشاہدہ جمال و جلال حق تعالیٰ و تقابل آفتاب وجود باری تعالیٰ سے اس درجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ اجزاء بدن پر ان کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکم روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عین اور اک اور عین حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہے۔ اس تحقیق سے نکتہ ان اللہ حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبیاء* ظاہر ہوتا ہے۔“ (1)

﴿ ”انا الحق“ کا نعرہ لگا کر دعوائے خدائی کرنے والا حسین بن منصور حلاج ان کے نزدیک کافر نہ تھا (2) بلکہ ولی اللہ تھا۔ (3)

﴿ یہ تو صوفیوں کے عقیدہ حلول کی حمایت تھی۔ تصوف کے دوسرے عقیدے وحدت الوجود کے بھی یہ قائل تھے۔ چنانچہ پیر ضامن جس نے اپنی ایک پیشہ ورد بدکارہ مرید عورت کو جو احساس گناہ کے سبب اپنے پیر صاحب کی زیارت کے لیے نہیں آئی تھی، یہ کہہ کر تسلی دی تھی کہ (نعوذ باللہ) ”بی تم شرماتی کیوں ہو، کرنے والا کون اور کرانے والا کون، وہ تو وہی ہے“ اُن کے لیے یہ ”قطب“ صاحب فرماتے تھے کہ ”ضامن علی جلال آبادی تو توحید ہی میں غرق تھے۔“ (4)

★ یعنی اللہ نے زمین پر نبیوں کے جسم کھانا حرام کر دیا ہے۔ یہ ایک ضعیف روایت ہے جس کی تفصیل ہمارے کتابچے ایمان خالص قسط دوم میں دیکھی جاسکتی ہے۔

(1) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحہ ۲۸، ۲۹

(2) تذکرۃ الرشید: حصہ اول، صفحہ ۱۷۷

(3) فتاویٰ رشیدیہ: صفحہ ۲۲۶

(4) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحہ ۲۲۲

مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں اور تقسیم ہند کے موقع پر کلمہ پڑھنے والوں پر ناقابل بیان ظلم و استبداد کا بازار گرم کرنے والے دشمن اسلام سکھ مذہب کا بانی گورو نانک ان کے نزدیک مسلمان تھا! (1)

حج کرنے کے لیے جب جہاز میں سفر کرنے لگے تو سمندر میں طوفان آگیا، جہاز ہچکولے کھانے لگا تو انکے پیر صاحب حاجی امداد اللہ اور حافظ ضامن صاحب نے (بعد از وفات) عالم واقعہ میں آکر جہاز کو اپنے کاندھوں پر رکھ کر طوفان سے پار لگایا۔ (2)

(نہ جانے حج کرنے کے لیے سفر کس وجہ سے کیا کیونکہ یہ تو مسلسل) بارہ سال تک روزانہ فجر کی نماز گنگوہ (ہندوستان) سے جا کر مکہ معظمہ میں پڑھتے رہے! (3)

فرمایا کہ: ”حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور زندگی سے یاس ہوئی تو بمقتضائے بشریت بچوں کی صغر سنی کا تردد تھا، اُسی وقت جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ تشریف لائے اور فرماتے ہیں ”تو کا ہے کا فکر کرے ہے، جیسے تیری اولاد ویسی ہی میری۔“ آپ کو اطمینان ہو گیا۔ شاہ صاحب کی اولاد سب عالم ہوئی اور بڑے مرتبوں پر پہنچی۔“ (4) ”(اسی وقت“ کے الفاظ توجہ طلب ہیں جو نبی ﷺ کو عالم الغیب ثابت کرتے ہیں) پھر یہی شاہ ولی اللہ صاحب اپنی وفات کے مدت دراز بعد گنگوہی صاحب کے ایک مرید کے پاس آکر تلقین کرنے لگے کہ

”دیکھو جو کچھ چاہو حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے چاہنا“ (5)

تجھے پیالی چائے سے بیس پچیس آدمیوں کی ضیافت کر دی۔ سب نے چائے پی لیکن پھر بھی بچ رہی۔ ایک رکابی چاول سے چار آدمیوں کو ”خوب ہی شکم سیر ہو کر“ کھلایا پھر بھی آدھی بچ گئی۔ (1)

(1) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحہ ۲۳۸

(2) تذکرۃ الرشید: حصہ اول، صفحات ۲۰۵، ۲۰۶

(3) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحہ ۲۱۲

(4) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحات ۲۶۶، ۲۶۷

(5) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحہ ۳۰۹ [حالانکہ نبی ﷺ کا فرمان پیچھے گزر چکا ہے کہ جو کچھ بھی چاہو اللہ ہی سے چاہو]

مولوی ولایت حسین صاحب نے ایک دن دریافت کیا کہ حضرت قلندر صاحب کا مزار کرناں اور پانی پت دونوں جگہ کیوں ہے؟ حضرت نے فرمایا اصل قبر پانی پت میں ہے۔ بات یہ ہوئی کہ جب قلندر صاحب پانی پت میں بہت بیمار ہوئے تو کرناں کے معتقدین لانے کو گئے۔ وہاں حضرت کا انتقال بھی ہو چکا تھا۔ پانی پت والوں نے نعش جانے نہ دی تب یہ لوگ شرم مٹانے کو ایک خالی نعش کی صورت بنا کر لے چلے اور کرناں میں آکر پردہ کر کے دفن کر دیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ابتدائی زمانہ میں ہمارے حضرت حاجی صاحب کو وحشت طاری ہوئی۔ تین دن تک حضرت قلندر صاحب کی قبر پر مراقب رہے مگر کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔ آخر حضرت میانجی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ تشریف لائے اور فرمایا: امداد اللہ یہاں کیا بیٹھے ہو؟ پھر قبر کھود کر دکھلا دیا کہ کچھ نہیں ہے۔ (۲)

مسلک پرستوں کے سامنے جب دلائل سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ عذاب و راحت اس دنیاوی قبر میں نہیں ہوتا جو سب کو ملتی بھی نہیں بلکہ یہ برزخ میں سب کو ملنے والی قبر میں ہوتا ہے تو یہ اصرار کرتے ہیں کہ نہیں اسی دنیاوی قبر میں ہی سب کچھ ہوتا ہے، یہی برزخ ہے۔ حالانکہ برزخ کے لیے تو اللہ کا ارشاد ہے کہ وہ قیامت تک کے لیے ایک آڑ ہے [سورۃ المومنون: ۱۰۰] لیکن ان کے لیے یہ آڑ عبور کرنا کوئی مسئلہ ہی نہیں:

فرماتے تھے کہ ”جو لوگ علماء دین کی توہین اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، قبر کے اندر ان کا منہ قبلے سے پھر جاتا ہے، بلکہ یہ فرمایا کہ جس کا جی چاہے دیکھ لے۔“ (۳)

مزار پر شیرینی لیجانا اور بزرگ کی فاتحہ دے کر بغرض ایصالِ ثواب تقسیم کر دینا ان کے نزدیک جائز ہے۔ (۴)

(۱) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحات ۲۰۶، ۲۰۷

(۲) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحہ ۲۳۷

(۳) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحہ ۲۸۲

(۴) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحہ ۱۹۲

صحابہ کرام ﷺ سے بڑھ کر نبی ﷺ سے محبت و عقیدت، ادب و احترام، تعظیم و تکریم کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ انہوں نے نبی ﷺ کے فرمان عَلَیْكُمْ بِسُنَّتِي * کی تعمیل میں خود پر سنت رسول کو لازم کر لیا تھا اور مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ کی رو سے اس کو اسی انداز میں کرنے کا التزام کرتے تھے جس طرح نبی ﷺ نے فرمایا۔ دراصل صحابہ ﷺ کے نزدیک دین ان تین چیزوں کا نام تھا کہ نبی ﷺ نے کوئی کام کیا یا نہیں کیا، کسی کام کے کرنے کا حکم دیا یا منع فرمادیا، کوئی کام آپ کے سامنے کیا گیا تو آپ نے اس کو پسند فرمایا یا ناپسند۔ صحابہ کرام ﷺ انہی تین نصوص کی متعین کردہ حدود کے اندر رہتے تھے اور ان سے باہر نکلنے کو بے دینی تصور فرماتے۔ صحابہ ﷺ کی اس معاملے میں احتیاط کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے کہ ایک آدمی نے جب عبد اللہ بن عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا کے سامنے چھینک آنے پر کہا: اَتَحْتَمِلُهُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ تو آپ نے فرمایا کہ میں بھی یہی کہتا ہوں لیکن اس موقع پر نہیں کیونکہ ہمیں نبی ﷺ نے اس طرح نہیں بتایا، ہمیں تو آپ نے یہ بتایا ہے کہ جب کسی کو چھینک آئے تو وہ یوں کہے: اَتَحْتَمِلُهُ عَلَى كُلِّ حَالٍ (۱) [یعنی نبی ﷺ کے سکھائے ہوئے طریقے سے سر موخراں بھی صحابہ کرام ﷺ کو گوارا نہ تھا خواہ وہ صلوات و سلام پڑھنے جیسا نیک عمل کیوں نہ ہو] نبی ﷺ نے درود کے جو الفاظ سکھائے صحابہ کرام ﷺ بلا کسی کمی و بیشی ساری زندگی اسی طرح پڑھتے رہے۔ لیکن ”قطب ارشاد“ صاحب اسے کافی نہیں سمجھتے:

✎ ایک مرتبہ مولانا ولایت حسین صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت نماز میں درود شریف کے اندر لفظ سیدنا ملانا چاہیے یا نہیں؟ حضرت نے فرمایا ”ہاں“۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ کسی روایت میں لفظ سیدنا پایا نہیں گیا۔ حضرت امام ربانی نے

* ”تم پر میری سنت لازم ہے“ (ترمذی وغیرہ بحوالہ مشکوٰۃ: باب الاعتصاب بالکتاب والسنۃ، فصل ثانی)
✎ ”جس نے وہ کام کیا جس کا ہم نے حکم نہ دیا ہو تو وہ عمل مردود ہے۔“

(مسلم: کتاب الاقضیہ، باب نقض الاحکام الباطلہ)

✎ یہ تینوں باتیں آج اصول حدیث میں بالترتیب فعلی، قولی اور تقریری حدیث کے تحت مشہور ہیں۔

(۱) ترمذی: ابواب الاستیذان والادب، باب ما یقول العاطس اذا عطس

فرمایا اگرچہ جناب رسول اللہ ﷺ نے لفظ سیدنا فرمایا ہو مگر ہمیں یہ لائق ہے کہ ملائیں۔ اس کی مثال اس سے سمجھو کہ جب میں حضرت سے بیعت ہوا تو بیعت کے وقت حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہو ہم نے امداد اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ میں نے کہا جناب حاجی امداد اللہ صاحب کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اس وقت جناب مولوی شیخ محمد صاحب بھی موجود تھے۔ فرمانے لگے آج سمجھدار شخص آیا ہے نہیں تو لوگ یونہی کہہ دیا کرتے تھے ہم نے امداد اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔⁽¹⁾

لیکن پھر بھی ”مجمع کثیر“ میں دعویٰ کرتے ہیں کہ

”... یہ جو میرا طریقہ ہے بعینہ یہی صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریق ہے، اس پر ثابت قدم رہنا۔۔۔“⁽²⁾

اللہ کے رسول ﷺ اپنی تلقین کردہ دعاؤں کو بالکل اسی طرح لفظ بہ لفظ پڑھنے کا جس طرح التزام فرمایا کرتے تھے، اس کا اندازہ اس حدیث سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو سوتے وقت کی دعاء سکھائی جس کے آخر میں یہ الفاظ بھی تھے:

أَمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِرَسُولِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ

جسے یاد کرتے ہوئے براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا:

أَمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِرَسُولِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ

(یعنی اَزَسَلْتُ کی مناسبت سے ”نبی“ کی جگہ ”رسول“ کہہ دیا) مگر نبی ﷺ نے اس سے منع فرما کر اپنے سکھائے ہوئے الفاظ ہی پڑھنے کی تاکید فرمائی۔⁽³⁾

احادیث صحیحہ میں جھڑ پھونک، دم (سوائے اس کے جس میں شرکیہ کلمات نہ ہوں)، تَوَلَّہ (یعنی محبت پیدا کرنے کا ٹوٹکا) اور تعویذ کی ممانعت آئی ہے اور ان عملیات کو شرک کہا گیا ہے⁽⁴⁾ لیکن ”حضرت قطب ارشاد“ کے ایک سے بڑھ کر ایک عملیات اسی کتاب

(1) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحہ ۲۹۱

(2) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحہ ۳۲

(3) صحیح بخاری: جلد ۱ کتاب الوضوء، باب ۱۷۳، فضل من بات علی الوضوء، صفحہ ۱۹۸

(4) مسند احمد، سنن ابی داؤد، وغیرہ۔ تفصیل ہمارے کتابچے ”تعویذات اور شرک“ میں دیکھیے۔

”تذکرۃ الرشید“ میں نقل کیے گئے ہیں۔ درودِ زہ، قرارِ حمل، حصولِ مقصد، بد چلنی، آسیب، جملہ امراض، محبت، اصحابِ کھف، وغیرہ وغیرہ کے تعویذ دینے کا ”حضرت“ کا عام معمول تھا۔ (1) بعض دفعہ تو سو سو تعویذ روز لکھ کر دیتے۔ (2)

غیب دانی کے تو ”حضرت قطب ارشاد“ کے اتنے واقعات اس کتاب میں بیان کیے گئے ہیں کہ ان کا ذکر ہی کیا۔ ایسا لگتا ہے کہ غیب تو ان کے لیے غیب ہی نہیں بلکہ مکمل شہود ہی شہود ہے! ہر شے اُن پر عیاں ہے! کچھ بھی پوشیدہ نہیں!

کیا ان ”کارناموں“ کو قرآن و حدیث کے مطابق کہا جاسکتا ہے؟ کیا یہی کتاب و سنت کا مسلک ہے؟ کیا اس طرزِ عمل کی دعوت دینا ”اشاعت التوحید والنسۃ“ ہے؟ وہ الفاظ دوبارہ پڑھ لیے جائیں جو جمعیت کے دستور کی شق ۲ دفعہ ۱ میں تحریر ہیں کہ

”بانی جماعت، مجددِ دوراں، سندِ مفسرین، قدوۃُ المحرّثین، سلطانِ العارفین، اہل السنۃ والجماعت کے بطلِ جلیل، الامام، العلامہ حضرت مولانا حسین علی الوائلی (واں پھروٹی) رحمۃ اللہ جو عارف باللہ قدوۃُ السالکین حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد و خاص اور ان کے طرزِ عمل کے دائی تھے، کا مسلک یقیناً قرآن کریم اور سنتِ صحیحہ کے عین مطابق ہے۔“

سنت کی اشاعت کے دعویداروں کا خلافِ سنت ایک اور طرزِ عمل پیری مریدی ہے۔ قرآن و حدیث سے تعلق کے یہ دعویدار بھی قرآن و حدیث کے منافی اس دینِ طریقت اور دنیائے تصوف پر فریفتہ نظر آتے ہیں۔ قرونِ اولیٰ میں تصوف کا کوئی نام بھی نہ جانتا تھا۔ تصوف کی اصطلاحات غوث، وحدت الوجود، وحدت الشہود، حلول، معرفت، طریقت، حقیقت، قطب، قیوم، ابدال، قلندر، اوتاد، کشف و کرامات، خانقاہ، تکیہ وغیرہ کے الفاظ قرآن میں کہیں نہیں ملتے اور احادیث بھی ان کے ذکر سے خالی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے نہ دم کشی ثابت ہے نہ قلب پر ضربات لگانے کا کہیں ذکر، نہ پاسِ انفاس نہ نفی اثبات، نہ شغل اسم ذات، نہ بیعت و سلوک، نہ صوفیانہ مجاہدے، نہ چلے نہ مراقبے؛ سب مفقود۔ یہ علم صاف طور پر غیر اسلامی ہے اور اسلام میں دوسری صدی ہجری کی پیداوار ہے۔ جب

(1) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحہ ۲۹۲ وغیرہ

(2) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحہ ۳۰۳

مسلمان یونانی اور ہندوستانی فلسفہ مذہب سے متاثر ہوئے تو انہوں نے تصوف کا پیوند اسلام میں لگا دیا۔ ایسی غیر اسلامی اور خلاف دین چیز کے لیے جب ”حکیم الامت“ یہ تجویز فرمائیں کہ ”تصوف کے بغیر کام نہیں چل سکتا“^(۱) تو پھر ان کا کوئی پیروکار اس سے بھلا کیوں کر لا تعلق رہے! چنانچہ بانی جمعیت اشاعت التوحید الوانی صاحب کے پوتے صفی الرحمن کے بقول

”مولانا حسین علی جب ہندوستان سے واپس تشریف لائے تو کسی ایسے ولی کامل کی تلاش کرنے لگے جس سے مدارج سلوک و معرفت حاصل کر سکیں۔ چنانچہ علاقہ موسیٰ زئی شریف کے پیر طریقت، ماہر شریعت، زاہد و عابد خواجہ محمد عثمان صاحب نقشبندی مجددی جو مشہور و معروف ولی تھے، کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ خواجہ صاحب حاجی دوست محمد قندھاری کے خلفاء میں سے تھے۔ خواجہ صاحب معروف عالم دین بھی تھے اور کثیر تعداد میں سند یافتہ علماء آپ کے پاس رہتے تھے۔ موسم گرما میں خواجہ صاحب سون سکیمس تشریف لاتے تھے۔ ایسے ہی ایک موقع پر مولانا حسین علی سون سکیمس (ڈیپ) گئے اور خواجہ صاحب سے ملاقات کی۔ خواجہ صاحب نے پوچھا ”کہاں سے آئے ہو؟“ آپ نے کہا ”واں بھجراں“ سے۔ فرمایا مولوی حسین علی کا کچھ حال معلوم ہے؟ عرض کیا خیریت سے ہے اور آپ کے سامنے موجود ہے۔ خواجہ صاحب ان کو لے گئے اور نہایت عزت سے بٹھایا۔ حضرت مولانا حسین علی نے اس موقع پر خواجہ صاحب سے بیعت کی۔“^(۲)

عنایت اللہ شاہ بخاری صاحب جو اپنی وفات سے پہلے جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے سربراہ تھے، ان کے لیے تو جمعیت کا نقیب مجلہ اپنی ہر تحریر میں ”پیر طریقت“ ہی کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ حد یہ ہے کہ محمد حسین نیلوی صاحب بھی شاہ صاحب کے لیے ”پیر طریقت حضرت مولانا“ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں^(۳) جن کے نام کے ساتھ ان کی معارف قرآن و علوم حدیث میں مہارت کو ظاہر کرنے کے لیے ”شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مولانا مفتی“ کا سابقہ بھی ہوتا ہے۔ نہ جانے یہ مذکورہ اصطلاح کس آیت کی تفسیر اور کس حدیث کی شرح ہے جبکہ طریقت تو شریعت اسلامی کے خلاف اختراع کردہ دین ہے!

(1) الافاضة الیومیہ: جلد ۱۰، صفحہ ۸۱

(2) نغمہ توحید: اپریل ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۷

(3) نغمہ توحید: جنوری ۱۹۹۳ء، صفحہ ۳۷

اکابرین سے محبت میں غلو

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ اللہ کی محبت میں شدید ہوتے ہیں* یعنی اللہ سے محبت ہر محبت پر فائق وغالب، اللہ سے وفاداری ہر وفاداری سے برتر و بالا، اللہ سے تعلق ہر تعلق سے اولیٰ و اعلیٰ، اللہ سے نسبت ہر نسبت پر حاوی لیکن ”لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ کے ہمسرہ ٹھہرا رکھے ہیں، وہ ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے“* یہی وجہ ہے کہ جب اس قسم کے لوگوں کے سامنے ان کے اکابرین کی کھلے شرک و کفر پر مبنی تحریریں پیش کی جاتی ہیں تو یہ ایمان کے دعویدار لوگ ایمان والوں کا طرز اختیار کر کے وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ کا حق ادا کرتے ہوئے ان اکابرین سے برأت و بیزاری ظاہر نہیں کرتے بلکہ آیت کے پہلے حصے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے انہی سے چٹے رہتے ہیں؛ پھر ان کی تحریروں میں اس طرح کے رنگ نظر آتے ہیں جیسے اشاعتیوں کی تحریروں میں نظر آتے ہیں:

(1) مجلس مقننہ اشاعۃ التوحید والسنۃ پاکستان کا فیصلہ

الف: اشاعۃ التوحید والسنۃ کا مسلک عدم سماع موتی ہے

ب: سماع موتی عند القبور کے قائلین کو ہم کافر نہیں کہتے

ج: سماع موتی عند القبور کے قائلین میں سے کوئی بھی ہماری جماعت کا رکن نہیں بن سکتا

د: سماع موتی عند القبور کے قائلین کو کافر کہنے والا بھی ہماری جماعت کا رکن نہیں بن سکتا^(۱)

(2) مجلس مقننہ اشاعۃ التوحید والسنۃ پاکستان کا فیصلہ

”سماع موتی کا عقیدہ قرآن کریم کے خلاف ہے، قرآن کریم میں سماع موتی ثابت نہیں ہے۔

جو لوگ ہمیشہ اللہ خرقاً للعادۃ عند القبور سماع کے قائل ہیں وہ کافر

* وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (البقرہ: ۱۶۵)

* وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ (البقرہ: ۱۶۵)

(۱) ۶ اکتوبر ۱۹۸۵ء کو جاری کیا جانے والا متفقہ فیصلہ

نہیں ہیں، اور جو لوگ سماعِ موتیٰ ہر وقت دو روزوں کے قائل ہیں وہ ہمارے نزدیک دائرۃ اسلام سے خارج ہیں۔“ (1)

(3) مجلس متقنہ اشاعت التوحید والسنۃ پاکستان کا فیصلہ

”چونکہ سماعِ موتیٰ کا نظریہ ظاہر قرآن کے خلاف ہے، اس لیے اشاعت التوحید والسنۃ کے ارکان اس کے علی الاطلاق قائل نہیں البتہ جو احادیث صحیحہ اس سلسلے میں وارد ہیں ہم ان میں تاویل کو مناسب سمجھتے ہیں۔ البتہ ہم ایسے الفاظ کی اجازت نہیں دیتے جن سے سلفِ صالحین میں سے کسی کی تکفیر لازم آتی ہو۔ ہاں جو دو روزوں کے سماعِ موتیٰ کے سننے کا قائل ہو تو وہ شرک فی السمع کا مرتکب ہو کر مشرک قرار پائے گا۔“ (2)

یہ بھی خوب رہی کہ ایک عقیدہ خلاف قرآن ہو، سراسر ”کفر“ ہو لیکن اس عقیدے کے ماننے والے کو ”کافر“ نہ کہا جائے۔ اگر ظاہر میں مبادیاتِ دین یا ارکانِ اسلام میں سے کسی کا قولی انکار نہ کرنے کے سبب اصطلاحی معنوں میں ان پر کفر کا اطلاق نہ بھی ہو تو بھی لغوی معنوں میں تو یہ بہر حال کافر ہو ہی گئے؛ جیسے کہ احادیثِ رسول ﷺ کی رو سے تارکِ صلوٰۃ کا کافر ہے، (3) دھوکہ دینے والا، (4) عصیت کی طرف بلانے والا، اس پر لڑنے، اس پر جان دینے والا، (5) مرنے والے کے غم میں رخسار پیٹنے، گریبان چاک کرنے، بین کرنے (یعنی ماتم کرنے کی مختلف صورتیں اختیار کرنے) والا مسلمانوں میں سے نہیں۔ (6) یہ تو وہ بات ہوئی کہ قتل کرنے والے کو ”قاتل“ اور چوری کرنے والے کو ”چور“ نہ کہا جائے۔ دراصل یہ معاملہ وقار اور محبت کا ہے۔ جس کا وقار نظروں میں ہو گا اسی کی بات کو فوقیت دی جائے گی۔ مالک کائنات اپنے لیے اس طرح کے وقار کی کمی کا شکوہ اپنی کتاب میں اس طرح کرتا ہے:

(1) نغمہ توحید، جون ۱۹۹۲ء، صفحہ ۵۲

(2) نغمہ توحید، فروری ۱۹۹۲ء، صفحہ ۱۲

(3) صحیح مسلم: جلد ۱، کتاب الایمان، باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلوٰۃ، صفحہ ۱۷۵

(4) صحیح مسلم: جلد ۱، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ من غشنا فلیس منا، صفحہ ۱۹۵

(5) سنن ابی داؤد: جلد ۳، کتاب الادب، باب ۵۳۷ فی العصیۃ، صفحہ ۲۳۲

(6) صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب الجنائز، باب ۸۲۲۔ لیس منا من ضرب الخدود، صفحہ ۵۶۵

مَا أَتَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا (لوح: ۱۳)
 ”تمہیں کیا ہوا گیا ہے کہ تم اللہ کے وقار کو ملحوظ نہیں رکھتے۔“

مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ (الحج: ۷۴)

”(افسوس!) ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسا کہ اس کا حق ہے۔“

ورنہ جس کے دل میں اللہ کی عظمت و جلالت اور اس کے وقار کا احساس ہو، اور جو اس کی کتاب میں دیئے گئے حکم کو ماننا ہو کہ

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (المائدہ: ۴۴)

”اور جو اللہ کے نازل کردہ (قرآن) کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہ سب کافر ہیں۔“

تو اس کی زبان اُن واقعات کو پڑھ کر خاموش کیسے رہ سکتی ہے جن سے ان کے ممدوح اسلاف و اکابرین کی کتابیں مزین ہیں! ان میں سے کچھ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) حکایت ۴: خانصاحب نے فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحب جب بطن مادر میں تھے کہ ان کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب ایکدن خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے اور مراقب ہوئے اور اوراک بہت تیز تھا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ تمہاری زوجہ حاملہ ہے اور اس کے پیٹ میں قطب الاقطاب ہے۔ اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ اقرار و تسلیم فرمایا اور آکر بھول گئے۔ ایک روز شاہ صاحب کی زوجہ نماز میں تھیں۔ جب انہوں نے وعاما لگی تو ان کے ہاتھوں میں دو چھوٹے چھوٹے ہاتھ نمودار ہو گئے۔ وہ ڈر گئیں اور گھبرا کر شاہ صاحب سے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے؟ فرمایا ڈرو مت، تمہارے پیٹ میں ولی اللہ ہے۔ پس اسی لیے اصل نام تو قطب الدین احمد رکھا گیا۔ اور اکثر تحریرات میں اس نام کو حضرت شاہ صاحب لکھتے بھی تھے، اور مشہور ولی اللہ ہوا۔ (۱)

(۲) حکایت ۲۰۲: فرمایا کہ ایک صاحب کشف حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گئے۔ بعد فاتحہ کہنے لگے کہ بھائی یہ کون بزرگ ہیں بڑے دل لگی باز ہیں۔ جب میں فاتحہ پڑھنے لگا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ جاؤ کسی مردہ پر پڑھیو یہاں زندوں پر فاتحہ پڑھنے آئے ہو۔ یہ کیا بات ہے۔ جب لوگوں نے بتایا کہ یہ شہید ہیں۔ (۲)

(۱) حکایات اولیاء: صفحہ ۷۸

(۲) حکایات اولیاء: صفحہ ۷۸

(3) **حکایت ۲۳۶:** حضرت عم محترم مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولوی احمد حسن صاحب امر وہی اور مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی میں باہم معاصرانہ چشمک تھی اور اس نے بعض حالات کی بنا پر ایک محاصرت اور منازعت کی صورت اختیار کر لی اور مولوی محمود الحسن گو اصل جھگڑے میں نہ شریک نہ انہیں اس قسم کے امور سے دلچسپی تھی مگر صورتحال ایسی پیش آئی کہ مولانا بھی بجائے غیر جانبدار رہنے کے کسی ایک جانب جھک گئے۔ اور یہ واقعہ طول پکڑ گیا۔ اسی دوران میں ایک دن علی الصبح بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمود الحسن صاحب کو اپنے حجرہ میں بلایا (جو دارالعلوم دیوبند میں ہے)۔ مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرہ کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ موسم سخت سردی کا تھا۔ مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے یہ میرا روٹی کا لبادہ دیکھ لو۔ مولانا نے دیکھا تو تر تھا اور خوب بھیگ رہا تھا۔ فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی مولانا نوٹوی رحمۃ اللہ علیہ جسدِ عنصری کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے جس سے میں ایکدم پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرا لبادہ تر بتر ہو گیا۔ اور فرمایا کہ محمود حسن کو کہو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے۔ بس میں نے یہ کہنے کے لیے بلایا ہے۔ مولانا محمود حسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اس قصے میں کچھ نہ بولوں گا۔ (1)

(4) **حکایت ۲۳۷:** ایک طویل حکایت کا خلاصہ ہے کہ عبدالقدوس گنگوہی کا ایک پوتا بیعت کے لیے اپنے دادا کے ایک خلیفہ نظام الدین کے پاس بلج آتا ہے۔ وہ جب اس سے سخت مشقت کا کام لیتے ہیں تو عرصہ دراز پہلے فوت ہو جانے والے گنگوہی صاحب اپنے خلیفہ کے خواب میں آکر سرزنش کرتے ہیں کہ: ”نظام الدین میں نے تو تجھ سے اتنی کڑی محنت نہ لی تھی جتنی تو نے میری اولاد سے لی۔“ (2)

(5) **شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبد الرحیم صاحب**

”فرماتے تھے: میں خواجہ قطب الدین قدس سرہ کے مزار کی زیارت کے لیے گیا تھا۔ اس خیال سے کہ مجھے اپنی گنہگار آنکھوں اور آلودہ جسم کو اس پاک جگہ میں نہیں لے جانا چاہیے، ان کے مزار کے قریب چبوترے پر کھڑا ہو گیا۔ اس جگہ ان کی روح ظاہر ہوئی اور فرمایا آگے آؤ۔ میں دو تین قدم آگے چلا گیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ چار فرشتوں نے ان کی قبر کے نزدیک ایک تخت اتارا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس تخت پر خواجہ نقش بند تھے۔ دونوں بزرگوں نے آپس

(1) حکایات اولیاء: صفحات ۲۲۲-۲۲۳

(2) حکایات اولیاء: صفحات ۲۸۵-۲۸۶ نیز تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحات ۲۵۴-۲۵۶

میں راز و نیاز کی باتیں کہیں جو سنائی نہیں دیتی تھیں۔ پھر تخت فرشتے اٹھا کر لے گئے۔ فرماتے تھے: دوسری مرتبہ ان کے مزار کی زیارت کے لیے گیا، ان کی روح ظاہر ہوئی، اور فرمایا: تمہارے ہاں ایک فرزند ہوگا، اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ چونکہ میری بیوی سن ایاس کو بچتی ہوئی تھی۔ مجھے خیال گذرا کہ اس سے مراد بیٹے کا بیٹا یعنی پوتا ہے۔ وہ خیال سے آگاہ ہو گئے۔ فرمایا میرا یہ مقصد نہیں ہے، یہ فرزند تیری پشت سے پیدا ہوگا۔ ایک مدت کے بعد دوسری شادی کا خیال پیدا ہوا۔ راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) پیدا ہوا۔ میری پیدائش کے وقت یہ واقعہ ان کے ذہن سے اتر گیا۔ میرا نام انہوں نے ولی اللہ رکھ دیا۔ پھر عرصہ کے بعد یاد آیا تو دوسرا نام قطب الدین احمد رکھا۔“ (1)

(6) ”اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے ان احباب سے جو اس واقعہ کے عینی شاہد تھے سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت والد ماجد مخدوم شیخ اللہویہ کے مزار کی زیارت کے لیے ڈاسنہ میں گئے تھے۔ رات کا وقت تھا۔ اسی جگہ آپ نے فرمایا: مخدوم صاحب ہماری دعوت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کچھ کھا کر جائیں۔“ (2)

(7) ”...ہم ایک سایہ دار درخت کے نیچے اترے۔ تمام احباب سو گئے۔ میں ان کے کپڑوں کی حفاظت کے لیے جاگتا رہا۔ اسی اثناء میں میں نے چند سورتیں تلاوت کیں۔ وہاں چند قبریں تھیں۔ صاحب قبر باتیں کرنے لگا۔ اس نے کہا: عرصہ ہوا قرآن نہیں سنا اور میں اس کے سننے کا بڑا مشتاق ہوں اگر کچھ اور تلاوت کریں تو بڑا احسان ہوگا، میں نے کچھ اور پڑھا۔ جب میں خاموش ہوا، اس نے پھر درخواست کی۔ تیسری بار بھی پڑھا۔ پھر وہ مخدومی برادر گرامی جو پاس ہی سو رہے تھے کو خواب میں ظاہر ہوا اور کہا میں نے انہیں بار بار تلاوت کے لیے کہا، انہوں نے قبول کیا۔ اب مجھے انہیں کہتے ہوئے شرم آتی ہے اور میرا شوق باقی ہے۔ آپ ان سے کہیں کہ کچھ زیادہ پڑھیں۔ وہ بیدار ہوئے اور مجھے کہا میں نے زیادہ تلاوت کیا۔ یہاں تک کہ میں نے اس صاحب قبر کو بہت خوش پایا۔ اس نے کہا جزاک اللہ عنی خیر الجزاء۔ پھر میں نے اس سے عالم برزخ کے حالات پوچھے۔ اس نے کہا مجھے ان قبور میں سے کسی کا حال معلوم نہیں، لیکن اپنا حال بیان کرتا ہوں.....“ (3)

(1) انفاس العارفين: صفحات ۸۷-۸۹

(2) انفاس العارفين: صفحات ۸۰-۸۱

(3) انفاس العارفين: صفحات ۸۱-۸۲

(8) ”فرماتے تھے کہ میرے والد شہید ہوئے تھے۔ بعض اوقات میرے لیے مشکل ہو جاتے تھے اور موجودہ اور آئندہ کی خبریں دیتے تھے۔“ (1)

(9) ”حضرت والد ماجد پھلت میں تھے، عرس کا دن تھا۔ ایک بزرگ تشریف لائے تو انہوں نے نغمہ شروع کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا کہ شیخ ابوالفتح کی روح ظاہر ہو کر رقص کر رہی ہے۔“ (2)

(10) ”حضرت والد ماجد جب مخدومی شیخ محمد قدس سرہ کی قبر کے نزدیک بیٹھتے تو فرماتے کہ ان کی روح نماز میں میری اقتدا کرتی ہے اور مجھ سے علوم و معارف سنتی ہے۔ ایک مرتبہ اس فقیر کی طرف متوجہ ہوئے اور بعض معارف بیان فرمائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان کی روح نے کہا فلاں کو معرفت کی کچھ تعلیم دو۔ لامحالہ یہ بیان کیا گیا۔“ (3)

یہ ان بے شمار واقعات میں سے صرف دس واقعات ہیں جو ان لوگوں کی کتابوں میں بھرے ہوئے ہیں جنہیں یہ اشاعتی اپنے ”اسلاف“ شمار کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ واقعات ”آج کل کے دیوبندیوں“ کے لکھے ہوئے نہیں ہیں جنہیں اشاعتی لوگ ”دیوبندیت کی پیشانی پر بد نما داغ“ اور ”دیوبندیت کے لیے گالی“ کہتے ہیں (4) بلکہ ان میں سے شروع کے چار واقعات تو ان کے مددوح حکیم الامت کے بیان کردہ ہیں جن کے متعلق اشاعتیوں کے پیر طریقت کا کہنا ہے کہ

”حضرت تھانویؒ کا عقیدہ عدم سماع موتی کا تھا“ (5)

اور چوتھا واقعہ تو ان کی جمعیت کے بانی کے استاد نے بھی بیان کیا ہے جن کے مسلک کی یہ لوگ دعوت دیتے ہیں۔ آخر کے چھ واقعات اس ”ذات شریف“ کے بیان کردہ ہیں جس کا تعارف اس جمعیت کے ”حضرت مولانا سید محمد حسین نیلوی مدظلہ“ نے ان الفاظ سے کرایا ہے:

”حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز“ (6)

(1) انفاس العارفین: صفحات ۸۲-۸۳

(2) انفاس العارفین: صفحہ ۸۳

(3) انفاس العارفین: صفحہ ۸۳

(4) نغمہ توحید: نومبر ۱۹۹۲ء، صفحہ ۳۲

(5) نغمہ توحید: جون ۱۹۹۲ء، صفحہ ۱۲-۱۳

(6) نغمہ توحید: اپریل ۱۹۹۲ء، صفحہ ۳

اور یاد رکھیے یہ وہی ”حضرت“ ہیں جن کے متعلق بانی جمعیت کے استاد ”حضرت گنگوہی“ (جن کے مسلک کے داعی ہونے کا ان لوگوں کو دعویٰ ہے) کا کہنا ہے کہ ”بندہ خاندان حضرت شاہ ولی اللہ صاحب میں بیعت ہے اور اسی خاندان کا شاگرد ہے گو ان کے عقائد کو حق اور تحقیقات کو صحیح جانتا ہے.....“ (1)

جمعیت کے اوپر بیان کردہ اپنے پہلے فیصلے میں انہوں نے کہا کہ:

”سمع موتیٰ عند القبور کے قائلین کو ہم کافر نہیں کہتے۔“

دوسرے فیصلے میں ”بمشیتہ اللہ خرقا للعادة“ کا استثنیٰ شامل کر دیا جبکہ تیسرے فیصلے میں یہ اضافہ کیا کہ

”ہاں جو دور و نزدیک سے مطلقاً موتیٰ کے سننے کا قائل ہو تو وہ شرک فی السمع کا مرتکب ہو کر مشرک قرار پائے گا“

مذکورہ بالا دس واقعات ثابت کرتے ہیں کہ ان کے بیان کرنے والوں کا عقیدہ ”سمع موتیٰ عند القبور“ کا ہے، نہ صرف سماع کا بلکہ اسماع یعنی اپنا کلام سنانے کا بھی عقیدہ ہے۔ اور واضح رہے کہ مذکورہ کسی بھی واقعے میں بمشیتہ اللہ خرقا للعادة کا کوئی استثنیٰ نہیں ہے بلکہ یہ سماع اور اسماع مطلق ہے۔ تو کیا اشاعت التوحید والے اپنے بانی جماعت کے استاد ”قطب ارشاد“ رشید احمد گنگوہی، ان کے ”خليفة خاص حکیم الامت“ اشرف علی تھانوی اور ان سب کے مقتداء ”حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز“ کو اپنے اس فیصلے کی رو سے مشرک قرار دیں گے؟ ہر گز نہیں، کیونکہ وہ ساتھ ہی یہ بھی فیصلہ کر چکے ہیں کہ ”ہم ایسے الفاظ کی اجازت نہیں دیتے جن سے سلف صالحین میں سے کسی کی تکفیر لازم آتی ہو۔“

ستم ظریفی تو یہ ہے کہ وہ مسلک و اکابر پرستی کے دفاع میں یہ ”داؤ پیچ“ لگاتے ہیں کہ یہ عبارات، جن سے کفر و شرک لازم آتا ہے، ان لوگوں کی اپنی تحریریں ہیں ہی نہیں بلکہ یہ ”ادخال الباغیین“ ہیں۔ (2) یہ بالکل وہی بات ہے جو بریلوی مکتب فکر شاہ ولی اللہ کی

(1) فتاویٰ رشیدیہ: صفحہ ۶۸

(2) جولائی ۱۹۹۲ء کے مجلے نغمہ توحید میں ”ادخال الباغیین“ (یعنی باغیوں کی شامل کردہ) کے عنوان سے ایک طویل مضمون چھپا ہے جس میں عنایت اللہ بخاری سے ایک انٹرویو کی صورت میں چند مثالیں دیکر یہ

ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلاف کی کتب میں قابل تکفیر مواد ان کی اپنی تحریر نہیں بلکہ بعد کے لوگوں کی تحریف ہے، اور ڈاکٹر عثمانی کی تحریک کو موضوع سخن بناتے ہوئے اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ان قابل اعتراض تحریروں کی بنیاد پر اسلاف پر کوئی فتویٰ نہ لگایا جائے بلکہ ”ان علماء سوء کا محاسبہ کریں جو محرف اور ترمیم شدہ مشرکانہ عقائد سے لبریز کتب کو محض اسلاف کے ناموں کی نسبت سے حرف آخر قرار دے رہے ہیں“ اور ”وہ حضرات جن کے بارے میں امت کی رائے عامہ اچھی ہے، ان کی تصانیف میں سے جو مواد قرآن و سنت کی تعلیمات کے منافی ہو، اسے ادخال الباغیین قرار دیا جائے۔“ (صفحہ ۴۰) لطیفہ یہ کہ واقعہ اٹک میں عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائی جانے والی تہمت کی برأت میں نازل ہونے والی سورۃ النور کی اس آیت کو: ”اور جب تم نے یہ بات سنی تو اہل ایمان مردوں اور عورتوں نے ایک دوسرے کے متعلق بہتر گمان کیوں نہ کیا اور یہ کیوں نہ کہا کہ یہ کھلا جھوٹ ہے“ ایسی صورت حال کے لیے ”اصول“ قرار دیا ہے! (حوالہ ایضاً) سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ اصول موضوعہ بریلوی مکتب فکر کے بالکل معکوس طرز کے لیے بھی قابل عمل ہوگا جو انہی مذکورہ اسلاف کی تحریروں میں موجود بریلویوں کے اختیار کردہ کفر و شرک و بدعات کے روئیں موجود مواد کو ان اسلاف کی اپنی تحریر نہیں بلکہ بعد کے لوگوں کی کار فرمائی قرار دیتے ہیں؟

اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ”ادخال الباغیین“ کی یہ پندرہ مثالیں بھی غیر متعلقہ ہیں۔ مثال ۱۲ کے تحت شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ

جب اشرف علی تھانوی صاحب نے زاد السعید میں ”لعین مبارک“ کا نقشہ بنا کر اس سے توسل کے فضائل بیان کیے تو مفتی کفایت اللہ صاحب نے ان سے بذریعہ خط و کتابت اس کے مضر اثرات بتا کر تھانوی صاحب کو رجوع کرنے پر مجبور کر دیا۔ ”آپ نے پھر ایک رسالہ تصنیف فرمایا جس میں لعین مبارک سے متعلق نقشے اور اس کے فضائل سے واضح کاف الفاظ میں رجوع فرمایا۔ آپ نے اپنے ذاتی خرچ پر اسکی طباعت کرائی اور اس کی مفت تقسیم کا اہتمام فرمایا۔ اب کتنا ظلم ہے کہ حضرت تھانوی نے جو کتاب بعد میں تصنیف فرمائی اسے تو کوئی شائع نہیں کرتا جو معتقدین کا اصل فریضہ تھا، اس کے برعکس عوام اور مبتدعین کو خوش کرنے کے لیے مرجوع عنہ ”زاد السعید“ شائع کر کے تقسیم کی جا رہی ہے اور جس میں حضرت نے اس نقشہ سے رجوع فرمایا تھا بالکل ناپید ہو گئی ہے۔“

شاہ صاحب کی یہ تقریر محل نظر ہے ورنہ تھانوی صاحب کے یہ راجع اور مرجوع دونوں رسالے ”زاد السعید“ کے نام سے یکجا دستیاب ہیں اور خود تھانوی صاحب کے ”خلفہ خاص“ مفتی شفیع عثمانی صاحب کا دارالاشاعت ہی برابر اس کی اشاعت کرتا ہے۔ اور لطیفہ یہ ہے کہ جن مفتی کفایت اللہ کی تحریک پر تھانوی صاحب نے ”محدود و مشروط رجوع“ کیا تھا، ”ضروری توضیح“ کے عنوان سے ان کی یہ تحریر بھی اس رسالے کے آخر میں شامل ہوتی ہے:

”حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی مدظلہ کے رسالے نیل الشفاء سے اس اعلان رجوع کا مطلب یہ ہے کہ رسالہ نیل الشفاء سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ نقشہ نعل شریف سے استبراک و توسل کی مسلمانوں کو تلقین و ترغیب اور نقشہ کی تشہیر و اشاعت کی تحریریں مقصود ہے۔ اب حضرت مولانا دام

کتاب ”البلاغ المبين“ کو ان کی اپنی کتاب ہی تسلیم نہیں کرتا (۱) کیونکہ اس کتاب میں توحید کے مضامین بیان کیے گئے ہیں جن سے بریلویوں کے اُن عقائد کی نفی ہوتی ہے جن کی پوری پوری تائید و تصدیق بلکہ تبلیغ و تشہیر بھی فاضل مصنف کی ہی دوسری تصانیف مثلاً ”انفاس العارفین“، ”فیوض الحرمین“، ”درّ ثمنین“ وغیرہ سے ہوتی ہے۔ یہ تو بالکل یہودیوں والا معاملہ ہے کہ ! فتوٰ منون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض * یعنی اپنے مطلب کی بات ہو تو اَمَنَّا وَ صَدَقْنَا ورنہ پھر سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا : ان کتابوں کا جو مواد اپنے مزعومہ عقائد کی تائید کرے وہ تو لکھنے والوں کی اپنی تحریر، اور جو مواد ان کا رد کرے اسے ”ادخال الباغیین“ کے کھاتے میں ڈال دیا جائے! اچہ خوب! اسکو کہتے ہیں

صَ مِٹھا مِٹھا ہپ ہپ، کڑوا کڑوا تھو

فیوضم نے عوام کے تجاوز عن الحد اور غلو کو مد نظر رکھ کر استبراک و توسل کی ترغیب اور تشہیر و اشاعت کی تلقین سے رجوع فرمایا ہے۔ رہا کسی عاشق صادق اور مجذوب محبت کا والہانہ طرز عمل تو وہ بجائے خود مذموم نہیں بلکہ مسکوت عنہ ہے۔ اسی طرح نفس مسئلہ میں تردید پیدا ہوجانے کا جو ذکر ہے اس کا حاصل بھی بجائے جزم جواز سابق کے عدم جزم جواز ہے نہ کہ جزم عدم جواز، پس عشاق پر طعن نہ کیا جائے۔ حضرت مولانا کے اعلان رجوع سے کوئی غلط فہمی نہ ہو۔ اس نظریہ سے یہ ضروری تو صحیح کر دی گئی اور حضرت مولانا کی اجازت سے شائع کی گئی۔“

بتائیے اس میں کس باغی نے کیا دخل اندازی کی ہے؟ بات وہیں کی وہیں ہے جہاں سے شروع ہوئی، صرف لفاظی کا جامہ پہنا کر ”عوام“ کو ”رجوع“ کا تاثر دیا گیا ہے ورنہ ”خواص“ کے لیے، جنہیں موصوف نے عاشق صادق اور مجذوب محبت قرار دیا ہے، یہ راہ اب بھی اسی طرح کھلی ہے! البتہ ایک بات اور واضح ہوگئی کہ بریلویوں کی، جو خود کو عاشقان رسول کہتے ہیں، اس نقش نعل کی بڑے پیمانے پر اشاعت و تشہیر پر دیوبندیوں کو طعن نہیں کرنا چاہیے کہ ان کے اکابرین کا یہی حکم ہے اور یہ راہ تو خود انہی کی دکھائی ہوئی ہے۔ اسی رسالے میں مندرجہ بالا جواز کے ساتھ ساتھ اس نعل کا بچیدہ وہی نقشہ دیا گیا ہے جو آج بریلویوں کے جھنڈوں وغیرہ میں نظر آتا ہے۔ مزید یہ کہ اس ”نقشہ نعل شریف“ پر درود کے علاوہ یہ فارسی شعر بھی لکھا ہوا ہے

بہقائے نشان کف پائے تو بود..... سالہا سجدہ صاحب نظر اہل خواہ بود
(یعنی جس جگہ تیرے پیر کا نشان ہو تو صاحب نظر وہاں کئی سال سجدے کرے گا)

(۱) ملاحظہ فرمائیے انفاس العارفین پر مترجم صاحب کا مقدمہ۔ لطیفہ یہ ہے کہ اشاعتیوں کے نزدیک بھی اس کتاب کی نسبت شاہ ولی اللہ کی طرف کرنا محل نظر ہے، جیسا کہ حاشیہ بر صفحہ ۳۵۰، جو اہر التوحید میں لکھا گیا ہے۔

* ”یہی ہم کتاب کی بعض باتوں کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو؟“ (البقرہ: ۸۵)

ہمیں کسی سے خواہ مخواہ کوئی بیر، کینہ و حسد نہیں، بلاوجہ بغض و عداوت بھی نہیں۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ کے لیے محبت ہو اور اللہ ہی کے لیے بغض۔ * اگر واقعی ”سلف صالحین“ کی کتابوں میں یہ کفر و شرک کو لازم کرنے والی عبارات بعد کے باغی لوگوں کی داخل کی ہوئی ہیں تو اس کو ثابت کیا جائے اور پھر ان کی اشاعت بند کر دی جائے۔ لیکن لطیفہ یہ ہے کہ یہ کتابیں انہی عبارات کے ساتھ برابر من و عن شائع ہو رہی ہیں اور انہیں خارج از متن کرنے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی جاتی۔ تبلیغی جماعت میں قرآن و حدیث کا علم رکھنے کے بڑے بڑے دعویدار موجود ہیں۔ لیکن تبلیغی نصاب میں موجود کفر و شرک پر مبنی مواد کی طرف بہتیرے لوگوں نے تحریر و تقریر کے ذریعے نشاندہی کی لیکن آج تک اس کتاب میں سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا گیا بلکہ جس طرح مؤلف زکریا کاندھلوی صاحب نے قلمبند کیا اسی طرح لفظ بہ لفظ چھپ رہا ہے۔ صرف اتنا کیا جاتا ہے کہ لوگوں کے اعتراض سے بچنے کے لیے تبلیغ والوں کو ”پرانوں کے جوڑ“ یعنی اُن لوگوں کے اجتماع میں جنہوں نے تبلیغ میں تین چلے یعنی چار مہینے لگائے ہوں، خصوصی ہدایات دیتے ہوئے ان کے ”اکابرین“ یہ واقعات عام مجمع میں بیان کرنے سے منع کر دیتے ہیں۔ تاہم انہیں درست ہی جانتے ہیں! اور ایسا بھی نہیں کہ یہ کتابیں کوئی اور چھاپتا ہو اور اپنی طرف سے یہ عبارتیں داخل کر دیتا ہو، بلکہ تصنیف، تالیف، کتابت، طباعت، اشاعت ہر کام ان کے اپنے اداروں میں ہوتا ہے۔ تو پھر اس میں ادخال الباغیین کا کہاں دخل ہوا؟ سب کرنے کرانے والے اپنے ہی تو ہیں! کیا خود ان کے اپنے ادارے بھی ان ”باغیوں“ میں شامل ہیں! تو پھر شکوہ کیسا؟

آج کی سرکردہ ہستیوں کے عقائد میں بھی یہ سب باتیں پائی جاتی ہیں۔ ”مفتی اعظم پاکستان“ نے خود اپنی تحریر میں بیان کیا کہ ایک افریقی نے نبی ﷺ کی قبر پر آکر السلام علیکم کہا تو قبر سے جواب آیا وعلیکم السلام؛ قوالی سننے والے ایک پیر صاحب

★ مَنْ أَحَبَّ إِلَهٍ وَأَبْغَضَ إِلَهٍ وَأَعْطَى إِلَهٍ وَمَنَعَ إِلَهٍ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ :

”جس نے اللہ کے لیے محبت رکھی اور اللہ کے لیے بغض رکھا، اور اللہ کے لیے دیا اور اللہ ہی کے لیے

(دینے سے) منع کر دیا، پس اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔“

(سنن ابی داؤد: جلد ۳، کتاب السنۃ، باب ۴۰۲، الدلیل علی زیادة الایمان و نقصانہ)

کے مرید نے نبی ﷺ کی قبر پر اپنے پیر صاحب کا سلام کہا تو نبی ﷺ نے فرمایا: اپنے بدعتی پیر کو بھی ہمارا سلام کہہ دینا۔^(۱) واضح رہے کہ یہ کوئی ”دیوبندیت کے نام پر بد نما داغ“ اور ”دیوبندیت کے لیے گالی“ والے دیوبندی نہیں ہیں بلکہ یہ ہیں آپ کے ”حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب“ جن کی تعریفی رائے بحق بانی جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ اپریل ۱۹۹۲ء کے نغمہ توحید کی بایں الفاظ زینت بن چکی ہے:

”مولوی حسین علی، مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد ہیں۔ حنفی بزرگ، متبع شریعت، بدعت و ضلالت کو مٹانے والے ہیں۔ اسی وجہ سے بدعتی لوگ ان کے مخالف اور دشمن ہیں۔ بدعتیوں کے اقوال ان کے بارے میں غلط ہیں۔ مسلمانوں کو ان سے بد ظن نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ حضرت سے بیعت کرنی چاہیے جو موجب برکت ہے۔“ (صفحہ ۳۵)

ان کے مفتی بیٹے اسی رسالے ”البلاغ“ میں اس قسم کی تحریریں آج بھی لکھتے ہیں، جنہیں کسی طرح بھی ”ادخال الباغیین“ کی نذر نہیں کیا جاسکتا کہ لکھنے اور چھاپنے والے دونوں زندہ اور زمانہ حال ہی میں موجود ہیں، ہم مسلک ہیں اور ان کے اپنے مدرسے اور اشاعتی اداروں سے ایسا ہو رہا ہے۔ لیکن اگر بایں ہمہ ان تمام تحریروں کو بیک جنبش قلم رد بھی کر دیا جائے تو کیا پیچھے مذکور ”بلغة الحیدران“ کی وہ تحریر بھی ”ادخال الباغیین“ ہے جس میں حسین علی الوانی نے اپنے ”مبشرات“ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو گرتے دیکھا تو آگے بڑھ کر آپ کو تھام لیا، نبی ﷺ نے انہیں گلے سے لگایا، ضمانت لکھ کر دی، انہوں نے تمام انبیاء علیہم السلام کو دیکھا، ”امام ربانی“ نے اپنے مزار کی مجاورت کرنے پر انہیں توحید کے ”معارف“ عطا فرمائے.....؟ اس پر مستزاد یہ کہ اپنے اسلاف کے زیر نظر ”کارناموں“ کو دوسروں کی دسیہ کاری کا نتیجہ قرار دینے کے لیے ”ادخال الباغیین“ کی دفاعی اصطلاح بھی انہی الوانی صاحب کی اپنی ایجاد ہے۔^(۲)

(۱) ماہنامہ البلاغ: صفر المظفر ۱۳۹۲ھ، صفحہ ۱۰۰

(۲) نغمہ توحید: جولائی ۱۹۹۶ء، صفحہ ۴۰

الوانی صاحب کے معتقدین اشاعتی بتائیں کہ خود الوانی صاحب کی کتاب میں مذکورہ بالا تحریر بھی ”ادخال الباغیین“ کا نتیجہ ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر اس تحریر کو اس کتاب سے نکال کیوں نہیں دیا جاتا؟ اگر اس کے درست ہونے پر اصرار ہے تو پھر بریلو پوں، شیعوں اور دیوبندیوں نے کیا تصور کیا ہے۔ ان کے لٹریچر میں موجود قرآن و سنت کے منافی مواد کو بھی درست مانا جائے اور کسی ”ادخال الباغیین“ کی کارروائی نہ سمجھا جائے بلکہ کتاب و سنت کے ماننے والے ایک سچے مومن کا جو طرز عمل ہوتا ہے وہ اختیار کیا جائے؛ وہی طرز عمل جو ابراہیم علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھیوں نے اپنی قوم کی کفریہ شرکیہ روش کو دیکھ کر اختیار کیا تھا اور جسے اللہ نے بعد کے ایمان والوں کے لیے اسوہ حسنہ ٹھہرایا ہے کہ یوں کہیں:

إِنَّا بَرَاءُؤُا مِّنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا
وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدَّهُ (المسححة: ۴)

”ہم تم سے بری و بیزار ہیں اور اُن سے بھی جن کو تم اللہ کے علاوہ پوج رہے ہو۔ ہم تمہارا کفر کرتے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی رہے گی جب تک کہ تم اکیلے اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔“

لیکن اسلاف پرستی کے شکار ان اشاعتیوں میں اتنی جرأت نہیں۔ توحید اور اکابر پرستی کبھی ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ اگر توحید کو اپناتے ہیں تو کفر باطاغوت لازم ہو گا اور نتیجتاً ان کے سارے اکابرین اپنی ان کفریہ شرکیہ عبارتوں کی وجہ سے کافر ٹھہریں گے۔ یہ تو توحید کا مذاق اڑانا ہے کہ ایک طرف کفر و شرک کا رد کیا جائے اور دوسری طرف اسی کفر و شرک کے محرکین کو موحدِ اعظم قرار دیا جائے! انہیں دین اسلام کا خادم اور امام گردانا جائے، انہیں بڑے بڑے القابات سے نوازا جائے! ان کے خلاف زبان کھولنا گناہ تصور کیا جائے! انہی کی تقلید و پیروی کی دعوت دی جائے۔ دراصل دونوں کشتیوں میں ایک ساتھ سواری کے لیے یہ ”ادخال الباغیین“ کی حیلہ سازی اختراع کی گئی ہے۔ اور اپنے الوانی استاد کی اسی نرالی اختراع کی بنیاد پر ان کے شیخ القرآن نے اس سلسلے میں ایک خود ساختہ نرالا قاعدہ مقرر کر لیا کہ

”بزرگان دین کی وہ عبارتیں جو کتاب و سنت کے خلاف ہوں، ان کے رد و قبول کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر واقعی وہ اللہ کا نیک بندہ اور ولی ہے تو یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ اللہ کے اس نیک بندے نے کوئی بات توحید کے خلاف کہی ہو جیسا کہ اللہ نے عیسائیوں کے اس قول کے جواب میں کہ حضرت عیسیٰ ﷺ ہمیں فرما گئے ہیں کہ مجھے پکارا کرو فرمایا یہ غلط ہے: مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُوتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ (الآیۃ) بلکہ وہ مشرکوں کی طرف سے افتراء ہوگا جیسا کہ یہودیوں نے حضرت سلیمانؑ کے ذمہ غیر اللہ کی پکار لگا دی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مَا كَفَرَ سُلَيْمَنُ وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ كَفَرُوا (الآیۃ) اور اگر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ وہ قول واقعی اس بزرگ کا ہے تو پھر اس قول کی توجیہ کی جائے گی اور اس کا ایسا مطلب بیان کیا جائے گا جو کتاب و سنت کے عین مطابق ہو۔ لیکن اگر وہ قول ناقابل توجیہ ہو اور کتاب و سنت کی تعلیم کے مطابق اس کا کوئی مطلب نہ بن سکے تو صاف کہہ دیا جائے گا کہ وہ بزرگ صاحب حال ہے۔ معلوم نہیں کس حال میں اس سے یہ قول سرزد ہوا ہے۔ لہذا انصوص کتاب و سنت کے مقابلے میں ان کا قول قابل رد ہے۔“ (1)

اپنی دوسری تصنیف میں اس بات کو اس طرح بیان کیا:

”.....شرکیہ عبارت قرآن یا آسمانی کتاب کے علاوہ کسی دوسری کتاب میں منسوب کی جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ جس نیک بندے کی طرف وہ عبارت منسوب کی گئی ہے حقیقت میں وہ نیک ہے ہی نہیں اس لیے وہ عبارت مردود ہے۔ دوم یہ کہ وہ بندہ تو واقعی بزرگ اور نیک ہے۔ اس لیے اب یا تو یہ کہا جائے گا کہ اس شرکیہ عبارت کی نسبت اس نیک بندے کی طرف صحیح نہیں۔ شرک پسند لوگوں نے اس پر افتراء کیا ہے لہذا وہ عبارت قابل رد ہے۔ جس طرح حضرت سید عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایک شرکیہ قصیدہ منسوب کر دیا گیا ہے جو قطعاً حضرت شیخ کا نہیں ہے اور اگر اس عبارت کی نسبت اس بزرگ کی طرف صحت سے ثابت ہو جائے تو اس عبارت میں مناسب تاویل کر کے کتاب و سنت کے مطابق

اس کا مطلب بیان کیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ عبارت قابل تاویل بھی نہ ہو اور اس کا کوئی صحیح مطلب نہ نکل سکتا ہو تو اس عبارت کو بھی رد کر دیا جائے گا اور سمجھا جائیگا کہ یہ بات اس بزرگ کی زبان سے غلبہ حال میں صادر ہوئی ہوگی جو احکام شرعیہ میں حجت نہیں۔“ (1)

یہ ”غلبہ حال“ کیا چیز ہوتی ہے؟ کیا یہ ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ جب بندہ اپنے ہوش و حواس سے بیگانہ ہو جاتا ہے اور باوجودیکہ قرآن و حدیث کا جاننے والا ہے، قرآن و حدیث کا درس دینے والا ہے، ہزاروں اس کے شاگرد ہیں، مشکل سے مشکل موضوع پر اس کی بہتری تصانیف موجود ہیں، اس کیفیت میں صریح کفر و شرک کرنے لگتا ہے! تو پھر تو ایسا شخص عقل سے عاری، دیوانہ و مجنون ٹھہرے گا۔ پھر تو ایسے صریح کفر و شرک کہنے والے کے لیے یہ کہنا کسی طرح بھی درست نہیں کہ ان کا راستہ بعینہ قرآن و حدیث، نبی ﷺ اور صحابہ کا راستہ ہے، انہوں نے ہی دین کو بچایا؛ قرآن و حدیث کی بے مثال خدمت کی؛ ان کی محفل و عظ میں تمام انبیاء و اولیاء، جن و انس شرکت کرتے ہیں اور خضر علیہ السلام ہر ملے والے سے کہتے ہیں کہ اگر نجات چاہیے تو ان کے وعظ میں شرکت کرو! وغیرہ.....

بعض اوقات یہ لوگ جوش خطابت میں خود اپنے وضع کردہ مذکورہ قاعدے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس قسم کی باتیں کہہ جاتے ہیں:

”.....انسان کامل مومن تب بتا ہے جب وہ ہر ایک طاقت کا مالک صرف ایک اللہ کو مانے۔ اور اس کے مقابل جن جن کو لوگوں نے حاجت روا اور مشکل کشا بنا رکھا ہے، ان سب کی نفی کرے۔ یہ بات ہمیں قرآن بتاتا ہے۔ لوگوں نے قرآن کو بس چومنے اور چاٹنے تک محدود کر رکھا ہے اور ایمان سارے کا سارا بزرگوں کی کتابوں پر رکھا ہوا ہے۔ قرآن سے پوچھتا ہی نہیں کہ تو ہی بتا سچا ایمان کیا ہے۔ مولوی تو کہتے ہیں کہ مروے سنتے ہیں۔ اس زمانے کی کتابوں کے مصنف کہتے ہیں کہ قبر کے اندر نبی سنتے ہیں۔ تو بھی تو بتا۔* بس قرآن سے پوچھتا ہی نہیں

(1) تفسیر جواہر القرآن، تفسیر سورۃ آل عمران، حاشیہ ۱۱۵، آیت ۸۰، صفحہ ۱۶۴

★ مقرر شاہ صاحب خواہ نواہ سماع موتی کے روپر اتنا زور صرف کر رہے ہیں کیونکہ ان کے اکابرین کے نزدیک یہ کوئی ایسا خاص مسئلہ نہیں ہے! ان کے شیخ القرآن صاحب کا فرمان ہے کہ ”سماع موتی کا مسئلہ

اور بزرگوں کی کتابوں اور قولوں سے مست ہوا رہتا ہے۔ جس بندے کا ایمان بزرگوں کی قولوں اور قولیوں تک وقف ہو وہ کھوٹا ایمان ہے۔ کھرا اور خالص اس دن ہوتا ہے جس دن اس ایمان کو قرآن سے وصول کرے..... سب سے خطرناک بت ہر زمانے کے بزرگ ہوتے ہیں۔ یہ کیا ہوا کہ جو چیز بزرگ کے منہ سے نکلے وہ قرآن سے بھی بڑھ جائے۔ ہر گز نہیں۔ سن لو توحید یو! اگر عنایت اللہ شاہ وہ بات کہے جو قرآن کے خلاف ہو تو اشاعت التوحید والے آنکھ بند کر کے کہیں کہ جو عنایت اللہ شاہ نے کہا ٹھیک ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اشاعت التوحید والوں نے عنایت اللہ کو بت بنالیا ہے.....“ (1)

بزرگوں کی باتوں پر آنکھ بند کر کے ایمان لانا اور ان میں موجود صریح کفر و شرک کی تاویل کر لینا اور اگر کفر و شرک اس قدر صریح اور واضح ہو کہ اس کی تاویل بھی ممکن نہ ہو تو اس کو ”غلبہ حال“ پر محمول کر لینا کیا بزرگوں کو بت بنانے کے مترادف نہیں؟ ضیاء اللہ صاحب جواب دیں کہ دیوبندی بزرگوں کی مذکورہ بالا شرکیہ کفریہ عبارتوں سے صرف نظر اور ان کی تاویل کر کے کیا اشاعتی ان بزرگوں کو ”بت“ نہیں بنارہے؟

جمعیت اشاعت التوحید کے مفتی محمد حسین نیلوی نے ہمارے ایک ساتھی کے سوال:

”جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں شرکیہ عبارتیں لکھی ہیں ان کو کافر کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟“

کے جواب میں لکھا:

”اگر دلائل سے قطعی طور پر ثابت ہو جائے کہ واقعی صاحب کتاب کی اپنی عبارت

ہے تو اس کو کافر کہہ سکتے ہیں ورنہ اجتناب کرے۔“

[فتوے کا کس اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیے]

زمان صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے۔ یہ مسئلہ اعتقادات ضروریہ میں سے نہیں جس کی نفی یا اثبات پر کفر و اسلام کا مدار ہے بلکہ یہ ایک علمی اور تحقیقی بحث ہے۔ جس میں بحث و تحقیق اور نظر و تحقیق کی گنجائش ہے۔“ (تفسیر جواہر القرآن: سورۃ الروم، آیت ۵۲، صفحہ ۹۰۲)

(1) ضیاء اللہ شاہ صاحب کی تقریر، نفع توحید: نومبر ۱۹۹۸ء، صفحہ ۵۵-۵۶

نیروی صاحب کے فتویٰ کا عکس

نور محمد 2/17

بسم اللہ الرحمن الرحیم

- 1۔ کیا موجودہ دور کے اہل کتاب کا ذبح حلال ہے؟
- 2۔ جو لوگ سداغ کے قائل ہیں، ان کو کافر کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟
- 3۔ اہل کتاب کی ضرورت درپیش ہارڈ ڈسک سے وفات فرما کیس؟
- 4۔ کیا دین پر اور پرہیزگارتی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟
- 5۔ جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں شرعیہ عبارتیں لکھی ہیں ان کو کافر کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟
- 6۔ احمدیہ خاندان طحانہ صاحب تعویذ کا وٹس ایپ پیغام کیا ہے؟



الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایضاً 587۔ اہل کتاب کی سب سے بڑی

الجواب: بعض علماء اس دور کے اس کو حلال سمجھتے ہیں مگر کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ یہ دور وہاں اہل کتاب موجود ہیں اس سے انکار ہے۔

۱۔ ساری مملکت کے قائلین کو کافر کہنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ان کو نہیں جانتے کہ وہ کافر ہیں۔

۲۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی روایت کا کافی کتبہ ہے کہ وہ حلال کا جواب پہنچ سکتا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روایت میں وہ کفار ہیں۔

۳۔ معتدین میں اعتدال میں کہتے تھے اور تازیانی حدیث شافعیہ میں کہتے تھے۔

۴۔ اگر دین پرستی فعلی طور پر نہیں ہو جائے کہ رافضی صاحب کتاب کی اپنی عبادت ہے تو اس کو کافر کہہ سکتے ہیں۔

۵۔ اگر دین پرستی فعلی طور پر نہیں ہو جائے کہ رافضی صاحب کتاب کی اپنی عبادت ہے تو اس کو کافر کہہ سکتے ہیں۔

۶۔ احمدیہ خاندان طحانہ صاحب تعویذ کا وٹس ایپ پیغام کیا ہے؟

۷۔ احمدیہ خاندان طحانہ صاحب تعویذ کا وٹس ایپ پیغام کیا ہے؟

۸۔ احمدیہ خاندان طحانہ صاحب تعویذ کا وٹس ایپ پیغام کیا ہے؟

۹۔ احمدیہ خاندان طحانہ صاحب تعویذ کا وٹس ایپ پیغام کیا ہے؟

۱۰۔ احمدیہ خاندان طحانہ صاحب تعویذ کا وٹس ایپ پیغام کیا ہے؟

آپ کے اپنے جید اور مستند علماء کی زیر سرپرستی آپ کے اپنے مسلک کے اشاعتی ادارے ان کتابوں کو شائع کرتے ہیں اور آپ کے محراب و منبر سے انہیں بیان بھی کیا جاتا ہے؛ ان باتوں میں کوئی ترمیم و تبدیلی بھی نہیں کی جاتی بلکہ انہیں فاضل مصنف کی اپنی تحریر کی حیثیت سے درست تسلیم کیا جاتا ہے، تو پھر اور کون سے دلائل کی ضرورت ہے جو ثابت کر سکیں کہ یہ واقعی ”حضرت صاحب“ ہی کی تحریر ہے!

توحید الہی اور سنتِ رسول ﷺ کی اشاعت اور قرآن و حدیث سے تمسک کے دعویداروں کا توحید و سنت کے منافی اعمال کی ترویج اور قرآن و حدیث سے دوری کی مزید مثالوں میں ایصالِ ثواب، تعویذات اور دعاء بعد الفرائض بھی شامل ہیں۔

ایصالِ ثواب

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ

وَمَا تَجْزُونَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (طہ: ۳۹)

”تمہیں جزا نہیں ملے گی مگر انہی اعمال کی جو تم نے کیے۔“

اور

أَلَّا تَذَرُوا زِرَةً وَزِرَةً أُخْرَىٰ ۚ وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۚ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ۚ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ۚ (النجم: ۳۸-۴۱)

”یہ کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے، اور یہ کہ اس کی کوشش عقرب و بکھی جائے گی، پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔“

اور یہ کہ

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا (الحج: ۱۵)

”جو کوئی نیک عمل کرے گا تو اپنے لیے، اور جو برے کام کرے گا تو اپنے لیے۔“

متعدد آیات اس بات پر شاہد ہیں کہ ایک انسان کے اعمال کا بدلہ اسی کو ملتا ہے۔ اعمالِ صالحہ کا ثواب کسی دوسرے کو منتقل نہیں کیا جاسکتا (تفصیل کے لیے کتاب ہذا کا عنوان^۳ ملاحظہ کیا جائے)۔ احادیثِ صحیحہ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ ایک آدمی اگر کسی کے لیے دعائے خیر کرتا ہے (مثلاً قعدے میں پڑھی جانے والی دعائے تشہد) تو اس کا فائدہ مدعو کو بھی پہنچتا ہے۔ وہ روایات جن میں میت کی طرف سے صدقہ کرنے، حج ادا کرنے، روزہ رکھنے وغیرہ کا ذکر ہے، ان کا تعلق نذر سے ہے، جو بمنزلہ قرض ہوتی ہے۔ چونکہ میت کا قرض ادا کرنا فرض ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء کے دوسرے رکوع میں اتنی تاکید کی ہے کہ میت کے ترکے کی تقسیم سے پہلے اس کی وصیت پورا کرنے اور قرض ادا کرنے کو بار بار بیان کیا ہے، اس لیے میت کی اپنی زندگی میں مانی ہوئی نذروں کو ان کے ورثاء کی طرف سے پورا کرنا ضروری ہے۔ تاہم یہ ایصالِ ثواب والا معاملہ نہیں ہوتا۔ بہر حال احادیثِ صحیحہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایک آدمی کوئی اچھا عمل کرے اور اس کا ثواب کسی میت کو ”ایصال“ کر دے۔ مُردوں کو ایصالِ ثواب کی اصطلاح اور اس کی نیت کے ساتھ، قرآن خوانی کرنا، کھانا پکانا اور کھانا، اس کی قرآن و سنت سے کوئی دلیل نہیں ملتی لہذا یہ بدعت ہے، مگر اشاعت التوحید والسنۃ والے اور ان کے ممدوح ”اصل اکابرین دیوبند“ ایصالِ ثواب کے قائل و فاعل ہیں۔ رشید احمد گنگوہی صاحب جو بانی جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ حسین علی الوانی کے استاد تھے اور جن کے ”طرز عمل“ کی یہ لوگ دعوت دیتے ہیں، جیسا کہ ان کے دستور کی دفعہ ۱ شق ۲ میں درج ہے، ان سے

”مولوی ولایت حسین صاحب نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت جس طور پر مبتدعین فاتحہ اور ایصالِ ثواب کرتے ہیں کیا اس کا ثواب مُردوں کو پہنچتا ہے؟ معاً ارشاد فرمایا: اصل قرأت قرآن کا ثواب کیوں نہ پہنچے گا اگرچہ اور زاید امور کا گناہ بھی ہو۔

فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره... الآية“ (۱)

”ایکبار کسی شخص نے سوال کیا کہ کسی قبر پر شیرینی لیجانا اور کسی بزرگ کی فاتحہ و یکر تقسیم کرنا جایز ہے یا ناجایز؟ آپ نے ارشاد فرمایا اگر بنام خدا ہے اور ایصالِ ثواب ہی مقصود ہے تو کچھ

قباحت نہیں۔ اور اگر پیر کے نام ہے جیسا کہ اکثر جہال کرتے ہیں، وہ حرام ہے۔ اسپر ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت اگر ایصالِ ثواب ہی مقصود ہو تو ہر جگہ سے ممکن ہے قبر ہی پر کون ضرورت ہے کہ کوئی چیز بھیجی جاوے۔ آپ نے فرمایا: ”خیر وہاں خادم رہتے ہیں اچھا ہے انکو ہی دیدیا جائے اسمیں کیا قباحت ہے؟“ یہ جواب دیکر ارشاد فرمایا کہ ایک بار ایک شخص حضرت شاہ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر کچھ شیرینی لایا اور مجھ سے فاتحہ کے واسطے کہا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ مٹھائی اللہ کے نام کی ہے، اس نے کھانا صاحب، پیر کے نام کی ہے۔ میں نے کہا جامر وود چلا جا۔^(۱)

اس فتوے کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی ایصالِ ثواب کا اہتمام فرماتے تھے:

”ایک بار ارشاد فرمایا کہ ایک روز میں نے حضرت شیخ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ کے ایصالِ ثواب کو کھانا پکوا یا تھا۔ اس روز حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ میں ان کے پاس بیٹھا ہوں۔ دیکھ کر آنکھ کھل گئی۔ اس کے بعد آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس وقت سے مجھے حنفی مذہب کے ساتھ محبت ہو گئی۔ شیخ کے ایصالِ ثواب کے موقع پر حضرت عبد اللہ بن مسعود کی زیارت کا تناسب حضرت سے کسی نے دریافت نہیں کیا ورنہ کیا عجب تھا کہ کوئی جدید فائدہ حاصل ہوتا“^(۲)

شکر ہے کہ اپنے کو فی حنفی مذہب کو حق ثابت کرنے کے لیے گنگوہی صاحب نے کوفے کے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زیارت پر ہی اکتفا فرمایا ورنہ جس ہستی کو ”شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ مولانا مفتی سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی مدظلہ العالی“ نے ”حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز“ لکھا ہے، اور جن کی بیعت و شاگردی کا اقرار کرتے ہوئے ان کے عقائد و تحقیقات کو ان گنگوہی قطب صاحب نے ”حق“ قرار دیا ہے، وہ تو اپنے والد کو ایصالِ ثواب میں بہت آگے لے گئے۔ لکھا ہے:

”فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے وفات کے دنوں میں مجھے کوئی چیز دستیاب نہ ہو سکی کہ آنحضرت ﷺ کی نیاز پکائی جاسکے۔ کچھ بھنے ہوئے چنے اور گڑ بطور نیاز تقسیم کیے۔ خواب میں میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے انواع و اقسام کے کھانے پیش کیے جاتے

(۱) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحہ ۲۹۱

(۲) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحہ ۳۱۷

ہیں۔ وہ چنے اور گڑ بھی پیش کیا گیا۔ بڑی خوشی و مسرت سے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہیں طلب فرمایا۔ ان میں سے کچھ لے کر تناول فرمائے اور باقی ساتھیوں میں تقسیم کر دیے۔ راقم الحروف (ولی اللہ) کہتا ہے کہ اسی قصہ کی مانند پہلے بزرگوں سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ لیکن یہ قصہ بلاشبہ حضرت والد ماجد کا ہے۔ عجب نہیں کہ توار و ہوا ہو۔“ (1)

نیلوی صاحب کہتے ہیں کہ

”قبر کے گرد کھڑے ہو کر دعا و استغفار للمیت میں اتنی دیر مشغول رہیں جتنی دیر ایک اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کرنے میں لگتی ہے۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ ہو گا کہ قرآن قرآن مجید اور دعا و استغفار سے اللہ تعالیٰ میت کو ثواب دے گا اور دوسرا یہ کہ یہ وقت عالم برزخ میں اس میت کی روح سے منکر کبیر کے سوال و جواب کا ہوتا ہے۔ اس وقت اگر ایصالِ ثواب کے لیے آپ تلاوت قرآن مجید اور میت کے لیے دعا و استغفار کریں گے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر شفقت فرمائیں گے تو اس میت کی روح خوش ہوگی اور وہ سوالوں کے جواب خوشی خوشی دے سکے گا۔“ (2)

”بہر حال اگر میت کو سنت کے مطابق بروقت دفن کر دیا جائے تو یہی وقت عالم برزخ میں میت سے سوال و جواب کا ہوتا ہے، اس لیے اس وقت میت کے لیے استغفار کریں اور کچھ قرآن مجید پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بخش دیں۔ اگر اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں تو اس میت کو سوالوں کا جواب دینے میں آسانی ہوگی۔“ (3)

پھر ایک بے سند و حوالہ روایت بیان کرتے ہیں کہ

”حضرت امیر المومنین سیدنا علیؑ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص قبرستان میں جا کر سورۃ اخلاص گیارہ بار پڑھ کر اس کا ثواب مئروں کو بخش دے تو جس قدر مئروں اس قبرستان میں دفن ہیں، اتنا ہی ثواب اسے بھی ملے گا۔“ (4)

نغمہ توحید کے مدیر نے ثواب کی اس منتقلی میں کافی دریا دلی اور سخاوت کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ اپنے ایک مضمون میں جو ایصالِ ثواب کے اثبات میں لکھا گیا، فرماتے ہیں:

(1) انفاس العارفین: صفحہ ۷۲

(2) عارفین: اپریل و مئی ۱۹۹۴ء، صفحہ ۶۹

(3) عارفین: ستمبر ۱۹۹۴ء، صفحہ ۳۲

(4) عارفین: اپریل و مئی ۱۹۹۴ء، صفحہ ۶۹/نغمہ توحید: مئی ۱۹۹۵ء، صفحہ ۴۹

”صدقہ کرتے وقت عام طور پر اولیاء عظام رحمہم اللہ میں سے کسی ایک کی روح کو ثواب پہنچانے کی نیت کی جاتی ہے۔ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ اولیاء کرامؑ کے ایصالِ ثواب کے لیے صدقہ نہ کیا جائے۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اولیاء کرامؑ تو نیک لوگ تھے، ان سے کہیں زیادہ مغفرت کی ضرورت عام رشتہ داروں اور دوستوں کو ہے۔ انہیں یکسر نظر انداز کر دینا کسی طور مناسب نہیں۔ اس لیے اگر صدقہ کرتے وقت یہ نیت کر لی جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کا اجر و ثواب آدم (ؑ) سے امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ (ﷺ) تک تمام انبیاء کرام اور ان کے امتیوں اور رسول اللہ کے قیامت تک آنے والے امتیوں کو پہنچائے تو سب اس ثواب میں شریک ہونگے۔ یہ خیال نہیں آنا چاہیے کہ ثواب تقسیم ہوگا۔ اللہ کے خزانوں میں کمی نہیں، وہ ہر ایک کو اجر عظیم سے نواز سکتا ہے۔ جیسے روزہ دار کا روزہ افطار کرانے والے کو بھی روزہ دار کے روزے جتنے ثواب کی بشارت دی گئی ہے۔ اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔“ (1)

تعویذات

تعویذ گندوں سے متعلق احادیث صحیحہ میں نبی ﷺ کے واضح ارشادات موجود ہیں کہ

- 1- ”دم، تعویذ، ٹونکے سب شرک ہیں۔“ (2)
- 2- ”جس نے تعویذ لکھا یا اس نے شرک کیا۔“ (3)
- 3- ”جس نے کوئی چیز بھی لکائی وہ اسی چیز کے سپرد کر دیا جائے گا۔“ (4)
- 4- ”نشرہ (آسیب اتارنا) ایک شیطانی عمل ہے۔“ (5)

اللہ نے اپنی کتاب مقدس میں ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر: ۱)

”اور جو چیز تم کو رسول دیں وہ لے لو اور جس سے وہ منع کرویں (اس سے) باز رہو۔“

(1) نغمہ توحید: جون ۱۹۹۷ء، صفحہ ۱۰

(2) ابوداؤد: کتاب الطب، باب تعلیق التماثم

(3) مسند احمد: جلد ۴ صفحہ ۱۵۶

(4) ترمذی: ابواب الطب، باب کراہیۃ التعلیق

(5) ابوداؤد: کتاب الطب، باب النشرۃ

اتباع و اطاعتِ رسول ﷺ پر قرآن کی متعدد آیات میں بتا کید حکم دیا گیا ہے اور اس کے کرنے پر ملنے والے انعامات اور نہ کرنے پر ملنے والی سزا بھی وضاحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے۔ یہ ایمان والوں کی صفات میں شامل ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے متعین کردہ فیصلے سے انحراف نہیں کرتے۔ یہ تو کفار و منافقین کی روش ہے کہ وہ فیصلہ رسول کو کافی نہیں سمجھتے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْ
أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾ (النساء: ٦٥)

”آپ کے رب کی قسم، یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے معاملات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مانیں اور پھر جو فیصلہ آپ کر دیں اس سے اپنے دل میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ اسے بخوشی مان لیں۔“

ایمان والوں کو تو فیصلہ رسول ﷺ کے مقابلے میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کا ذرا بھی اختیار نہیں:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ
لَهُمْ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا
مُّبِينًا ﴿٣٦﴾ (الأحزاب: ٣٦)

”اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہ ہو گیا۔“

تعویذ گنڈوں، جھاڑ پھونک، ٹونوں ٹوکلوں کی حرمت سے متعلق مذکورہ بالا ارشادات نبوی کے بعد بھلا کسی مومن کی یہ ہمت ہو سکتی ہے کہ وہ کچھ کہے۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کو عام کرنے، توحید و سنت کی اشاعت کے دعویدار ان مہماتوں کی جرأت رندانہ دیکھیے کہ انہوں نے کس طرح اس حرام کو حلال ٹھہرا دیا ہے! ان کے ”شیخ التفسیر و شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا مفتی سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی مدظلہ العالی“ فرماتے ہیں:

”..... ایسے تعویذات جن میں مشرکانہ الفاظ ہوں، یا نداء غیر اللہ ہو، اور ایسے تعویذات جن کے معنی سمجھ میں نہ آئیں، یہ تو مطلقاً حرام ہیں۔ اور ان کا مفت لینا دینا بھی حرام ہے اور ان پر

اجرت لینا دینا بھی حرام ہے اور یہ کاروبار کرنا بھی حرام ہے..... اور ایسے تعویذات جن میں مشرکانہ الفاظ نہ ہوں، بلکہ قرآنی الفاظ ہوں یا احادیث سے ثابت شدہ دعائیں ہوں تو اگر وہ شخص جس کے گلے میں ایسے تعویذ ہیں ان تعویذات کو موثر سمجھتا ہے اور اس کا عقیدہ یہ ہو کہ ان تعویذات سے مجھے شفا ہوتی ہے تو اس عقیدہ کے ساتھ تعویذ تو کیا، دوا بھی اگر استعمال کرے اور یہ سمجھے کہ یہ دوا موثر ہے تو جیسے اس عقیدہ کے ساتھ تعویذ باندھنا حرام ہے ایسے ہی اس عقیدہ کے ساتھ دوا لینا بھی حرام ہے کہ اس نے دوا اور تعویذ کو موثر سمجھا۔ حالانکہ دوا یا تعویذ میں اثر ڈالنا یا نہ ڈالنا صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ اس لیے دوا یا تعویذ کو موثر سمجھنا شرک و حرام ہے۔ اور اگر اس کا عقیدہ یہ ہو کہ موثر تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ دوا اور تعویذ محض سبب کے درجے میں ہیں، اور شفا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتی ہے، تب تو دوا لینا بھی جائز ہے اور تعویذ لینا بھی۔ اسی طرح قرآنی آیت یا حدیث کی دعا پڑھ کر دم کرنا بھی جائز ہے۔ البتہ تعویذ لکھنا حضرت نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں، لیکن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تعویذ لکھنا ثابت ہے مگر یہ ان کا معمول اور کاروبار نہیں تھا جیسا کہ آج کل عام رواج ہو گیا ہے اور حدیث شریف سے مسنون دعا لکھ کر اپنے بچے کے گلے میں ڈال دینا سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے *..... اور یہ بھی یاد رکھیں کہ چونکہ تعویذ لکھنے والا اپنا وقت اور کاغذ سیاہی یا زعفران وغیرہ صرف کرتا ہے اس لیے تعویذ لکھنے کی اجرت لینا بھی جائز ہے۔“ (1)

اس کے ساتھ ساتھ وہ الفاظ بھی مد نظر رہیں جو مفتی موصوف نے پچھلے صفحات میں نقل کردہ فتوے کے سوال کے جواب میں لکھے یعنی:

”جن تعویذات میں مشرکانہ عبارت ہو یا مجہول المعنی تو وہ شرک اور حرام ہے اور جن تعویذات میں قرآن کی آیت ہو یا حدیث شریف کی دعاء ہو تو وہ نہ شرک ہے نہ حرام بشرطیکہ تعویذ لکھنے والا اس کو محض برکت سمجھے اور نہ سمجھے کہ یہ تعویذ میرے لیے شافی ہے ورنہ شرک ہو گا۔ مطلق فتویٰ لگانا صحیح نہیں۔“

یہ تو ان کے صرف ایک مفتی کا فتویٰ تھا جس میں تعویذ اور اس کی کمائی کو جائز قرار دیا گیا۔ جمعیت کے دس بڑے آدمیوں کی مجلس مقننہ نے اپنے ۲ جولائی ۱۹۹۶ء کے اجلاس میں اپنے دستخطوں سے یہ فیصلہ جاری کیا کہ

★ نبی ﷺ کے صحابی پر اس تہمت کی حقیقت ہمارے کتابچے ”تعویذات اور شرک“ میں ملاحظہ فرمائیے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ اتہام محض افتراء پر دازی ہے۔

(1) عارفین: اپریل ۱۹۹۳ء، صفحات ۹۲-۹۴

”قرآن مقدس اور احادیثِ نبویہ کے کلمات اور اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کو لکھ کر بطور تعویذ استعمال کرنا شرعاً جائز ہے بشرطیکہ کلمات مہملہ اور شرکیہ، کفریہ نہ ہوں۔ اس کے علاوہ تعویذ کے نام پر جو مروجہ طریقہ جاری ہے وہ ناجائز ہے۔“ (۱)

تعویذ کو شرک قرار دینے والی مسند احمد کی مذکورہ بالا روایت میں لفظ ”تَمِیْمَةُ“ آیا ہے جو کہ اسمِ نکرہ ہے جس میں عموم ہے چنانچہ اس سے ہر قسم کا تعویذ مراد ہے کیونکہ کسی اشٹنی کا صحیح احادیث سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ لہذا اس حدیث میں نبی ﷺ نے ہر قسم کے تعویذ کو شرک قرار دیا ہے اور اس میں قرآنی غیر قرآنی، عربی غیر عربی، لفظی، ہندی، خطی، شکی، زبانی، تحریری، واضح، مہمل، مبہم، مفسر..... کسی کی کوئی تخصیص نہیں۔ یہ اشاعتیوں کے ان دس بڑوں کا تصرف ذاتی بلکہ شریعت سازی ہے کہ قرآن و حدیث کے الفاظ پر مشتمل تعویذ کو ”شرعاً جائز“ قرار دے دیا۔ انہیں یہ اختیار کس نے دیا کہ جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ناجائز ٹھہرایا ہو یہ اسے جائز قرار دیں؟ یہ لوگ ”شارح“ سے ”شارع“ کب سے بن گئے؟ کیا ان لوگوں پر یہ آیت صادق نہیں آتی کہ:

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ (الشوری: ۲۱)

”کیا ان (مشرکوں) کے کچھ شرکاء ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین تجویز کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی؟“

تعویذات کے معاملے میں اشاعتی مولویوں نے اُس دریا دلی کا مظاہرہ نہیں کیا جو انہوں نے ایصالِ ثواب کے معاملے میں کیا ہے جس کا گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا، اور ان تعویذات کو جائز ہونے سے مستثنیٰ رکھا ہے جن میں ”کلمات مہملہ اور شرکیہ کفریہ“ ہوں۔ اور نیلوی صاحب نے مزید وضاحت کر دی کہ ”مجمول المعانی یا ایسے تعویذات جن کے معنی سمجھ میں نہ آئیں تو یہ مطلقاً حرام ہیں اور ان کا مفت لینا دینا بھی حرام ہے اور ان پر اجرت لینا دینا بھی حرام ہے اور یہ کاروبار کرنا بھی حرام ہے۔“ اب ذرا یہ بتائیے کہ درج ذیل تعویذ کس زمرے میں آتے ہیں:

(۱) تعویذ برائے حفاظتِ ہیضہ: اس تعویذ کو لکھ کر بازو پر باندھ دے اور تعویذ

باندھنے والے کی طرف سے پانچ دمڑی یا کوڑی خیرات کر دے۔ تعویذ یہ ہے:

۷۸۶

الہی بحر مت حضرت شیخ محمد صادق اکابر اولیاء
حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہما
از شربائے وبانگہدار اللہ شافی اللہ کافی (۱)

(۲) سہولت ولادت تعویذ مجرب: از ایک درویش باشرع برائے درونہ اس نقش کو لکھ کر عورت کے دہانے ہاتھ پر رکھ دے اور عورت اس کو غور سے دیکھے جلد لڑکا پیدا ہوگا انشاء اللہ۔ نقش یہ ہے:

۷۸۶

ج ر ح خ ط ظ ع غ ق ی ک ل م
اششم ۱۵۵۵ سوکل و (۲)

(۳) ایک بے اولاد ہندو کو یہ تعویذ دیا اور بتایا کہ فرزند پیدا ہوگا: ”اڑری بھنیری ساون آیا“ (۳)
(۴) ”خُب کے لیے ایک بار آپ نے یہ عمل ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ پسر محمد ہاتھ تیل منہ چیکنا بیٹھوں سر ڈھاؤ تھک باندھوں ٹھاکر باندھوں سگرگانوں میرا جن جتی یوں کہیں من موہن میرا ناؤں بحق لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ۔ آتالیس بار پڑھ کر عطر پروم کرے اور اس عطر کو دونوں انگوٹھوں کے ناخن پر لگا کر اپنی ابروؤں پر پھیر لے اور مطلوب کے سامنے جائے۔ انشاء اللہ اس کے قلب میں محبت پیدا ہوگی۔“ (۴)

(۵) ”ایک بار آپ نے درو کی داڑھ کا جھاڑن ایک شخص کو بتایا:

ہم ایک تم بتیں ہماری تری کیساریں

بتیں کی پاء کو آپ نے مجھول پڑھا اور فرمایا کہ بزرگوں کی زبان سے جس طرح پر الفاظ نکلتے ہیں خدا تعالیٰ اسی میں اثر دیتا ہے۔“ (۵)

کیا یہ تعویذ آیات قرآنی، احادیث میں منقول دعاؤں یا اسماء حسنیٰ پر مشتمل ہیں کہ انہیں اشاعتی علماء کے فتوے کی رو سے ”شرعاً جائز“ کہا جائے؟ یا پھر بے معنی و مہمل کلمات پر مشتمل ہونے

(۱) اعمال قرآنی: مطبوعہ کتب خانہ شان اسلام، اردو بازار لاہور، صفحہ ۲۴

(۲) اعمال قرآنی: صفحہ ۲۵

(۳) امداد المشتاق: صفحہ ۱۱۸

(۴) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحہ ۱۰۳

(۵) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، صفحہ ۳۰۳

کی وجہ سے اشاعتی علماء انہیں ”ناجائز اور حرام“، ”ان کا مفت لینا دینا بھی حرام“، ”ان پر اجرت لینا دینا بھی حرام“، ان کا ”کاروبار کرنا بھی حرام“ کہیں گے؟ اور ان کے لکھنے والے کو حرام کاری یعنی حرام کام کرنے والا اور حرام کاموں کی اشاعت کرنے والا کہیں گے؟ اور اس حرام کاری کے سبب انہیں بے دین قرار دیں گے؟ اگر کوئی ایراغیر ایسے تعویذ لکھے تو شاید ان سوالات کے جواب اثبات میں دے دیں لیکن اپنے پہلے بیان کردہ اصول کی روشنی میں ان کی رائے فوراً بدل جائے گی جس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ ان میں سے پہلے دو تعویذ ان صاحب کے نقل کردہ ہیں جو ان کے ”حکیم الامت“ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے بانی جمعیت کے استاد ”قطب ارشاد“ رشید احمد گنگوہی صاحب کے پیر بھائی بھی تھے؛ آخری دو تعویذ تو خود انہی گنگوہی صاحب کے ہی بتائے ہوئے ہیں۔ تیسرا تعویذ بھی ان ”حکیم الامت“ صاحب نے اس وضاحت کے ساتھ کہ ”اس میں خلاف شرع تو کوئی بات ہے نہیں“، اپنے پیر امداد اللہ صاحب مہاجرگی سے نقل کیا ہے جو ان اشاعتیوں کے ”قطب ارشاد“ صاحب کے بھی پیر یعنی دادا، پردادا پیر تھے۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا، ان گنگوہی ”قطب ارشاد“ کے متعلق اشاعتیوں کا دعویٰ ہے کہ ”ان کا مسلک یقیناً قرآن و حدیث کے مطابق تھا“ اور انہی کے طرز عمل کے یہ اشاعتی داعی ہیں۔ غور کیجیے! یہ اشاعتی کیا ”توحید والسنۃ“ کے داعی ہیں یا اُس چیز کے جس کو وہ خود ”حرام و ناجائز“ کہتے ہیں؟ کیا ”حرام اور ناجائز“ کی اشاعت کرنے والوں کا مسلک ”قرآن و حدیث کے مطابق“ ہو سکتا ہے؟ کیا ان حرام کاموں کی اشاعت کا نام ”اشاعت التوحید والسنۃ“ ہو سکتا ہے؟ کیا جمعیت والے تضاد کا شکار نہیں کہ ایک طرف کسی چیز کو ”حرام و ناجائز“ کہیں اور دوسری طرف اسی ”حرام و ناجائز“ کے موجد کے مسلک کو ”حق“ اور ”قرآن و حدیث کے مطابق“ قرار دے کر اس کی طرف دعوت دیں؟ کیا اُسی طرح کا تضاد نہیں جس کا ان کے ”دیوبندیت“ کے نام پر بد نما داغ“ قرار دیئے جانے والے مسلک پرست شکار ہیں کہ ایک طرف توحید و سنت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور دوسری طرف اکابر پرستی کے شرک میں مبتلا ہو کر اپنے اکابرین کو اُلویٰ صفات سے متصف کر کے اللہ کے مقابلے میں رب بنا لیتے ہیں؟

اپنے اکابرین کی غلط باتوں کو درست قرار دینے میں ان لوگوں کو ملکہ حاصل ہے (اس سلسلے میں ان کے خود ساختہ اصول پہلے بیان کر دیئے گئے ہیں)۔ رحیم یار خاں کے عبدالغنی گاگڑوٹی

کی وفات پر یادگاری مضمون میں ان کے کارنامے بیان کرتے ہوئے لکھا گیا کہ:

”اشاعت التوحید والسنۃ سے تعلق کا سبب جہاں حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاںؒ کی شاگردی اور خطیب اسلام حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری مدظلہ سے عقیدت تھی، وہاں ایک سبب اور بھی تھا۔ فرماتے تھے:

’مجھے خواب میں حضرت رئیس المفسرین مولانا حسین علیؒ کی زیارت ہوئی اور میں نے خواب میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پورے قرآن پاک کا ترجمہ پڑھا۔‘

اور اصل سبب تو یہ تھا کہ مولانا جاجرویؒ دیانتداری سے سمجھتے تھے کہ حق وہی ہے جو اشاعت التوحید والسنۃ بیان کر رہی ہے۔“ (1)

لیکن جب ان کے اپنے ایک مولوی نے اس ”خوابی شاگردی“ پر اعتراض کیا تو گول مول جواب دیکر خواب پر کچھ تبصرہ نہ کیا بلکہ اس پر زور دیا کہ جاجروی صاحب جمعیت اشاعت التوحید کو حق جانتے تھے۔ (2)

یہ تو تحریر کا معاملہ ہے ورنہ تقریر میں تو یہ لوگ بہت کچھ کہہ جاتے ہیں؛ مثلاً جب کسی نے پوچھا کہ خواب میں پورے قرآن کا ترجمہ کیسے پڑھا جاسکتا ہے* تو بتایا گیا کہ ”شیخ کی بات ہے اور اپنے آدمی ہیں..... ان کے استاد عبد اللہ درخو استی اور پیر حماد اللہ ہیں۔“ جبکہ ان

(1) نغمہ توحید: مارچ ۱۹۹۱ء، صفحہ ۱۸

(2) نغمہ توحید: مئی ۱۹۹۱ء، صفحہ ۴۸

★ الوابی صاحب کی وفات کے بیس تیس سال بعد ہی گاگڑوٹی صاحب نے جمعیت کی رکنیت لی ہوگی اور جب ہی بقول خود ان سے خواب میں پورا قرآن پڑھا ہوگا جس پر کسی اشاعتی بچے نے اعتراض جڑ دیا ورنہ ان کے ”شیخ التفسیر و شیخ الحدیث حضرت مفتی یوسف بنوریؒ“ صاحب کے بقول ان کے والد تو قرآن سے کہیں زیادہ ضخیم پوری صحیح بخاری خود امام بخاری سے، جو ایک ہزار سال سے بھی پہلے فوت ہو چکے تھے، اور صحیح بخاری سے دسیوں گنا زیادہ ضخیم اس کی شرحیں فتح الباری اور عدۃ القاری خود ان کے شارحین، امام حجر عسقلانی اور امام بدر الدین عینی، جو تقریباً پانچ سو سال قبل فوت ہو چکے تھے، سے خواب میں پڑھنے کا دعویٰ کرتے تھے جس کی ان کے اس مفتی بیٹے نے خوب تشہیر کی اور کسی دیوبندی یا اشاعتی عالم یا غیر عالم کو اس پر انکار کی جرأت نہ ہوئی، سب نے اسے درست جانا (تفصیل ہماری کتاب ”ایمان خالص قسط اول“ میں دیکھیے)۔ کسی نے آج تک اسے ”ادخال البیاعیین“ بھی نہیں قرار دیا۔ بلکہ جب ڈاکٹر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس دعوے کے غلط ہونے کی نشاندہی کی تو مفتی موصوف نے ضد میں آکر اسے بار بار شائع کیا یعنی کہ اس کے درست ہی ہونے پر اصرار کیا گیا اور الٹا اسے غلط کہنے والوں کو ہی غلط گردانا گیا!

کے یہ استاد تعویذات اور مردوں کے زندہ ہونے کے قائل تھے۔ (مرنے کے بعد ان کے ہاتھ کفن سے باہر کر دیئے گئے تاکہ فرشتے مصافحہ کریں تو تکلیف نہ ہو!) پیر صاحب کا یہ حال تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری طیب صاحب کو پاکستان بلا کر غلام اللہ خاں کو فہمائش کرائی کہ آئندہ سماعِ موتی اور وفات النبی کے مسئلے کو بیان نہ کیا جائے ورنہ قاسم نانوتوی سے لے کر قاری طیب تک سب کا فرٹھریں گے۔ شاید تب ہی غلام اللہ خاں صاحب نے اپنی تفسیر قرآن میں سماعِ موتی کے مسئلے کو فروعی قرار دیا اور اکابرین کی خلاف قرآن باتوں کو درست ماننے کا حیلہ وضع کیا جس کا پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اپنے استاد اور پیر صاحب کے لیے جاجروی صاحب کہا کرتے تھے کہ

”میرا عقیدہ ہے کہ ان دو ہستیوں کی نظیر دنیا پیش نہیں کر سکتی۔ اپنے مرشد جیسا پیر نہ دیکھا اور شیخ القرآن جیسا استاذ نہ دیکھا۔“ (1)

”میرے شیخ کی جوتی کی مٹی میری آنکھوں کا سرمہ ہے لیکن ہم اپنے پیر کو مشکل کشا نہیں سمجھتے۔“ (2)

”خداوند کریم کی طرف پہنچنے کے دو اسباب ہیں، ایک سچا استاد دوسرا سچا مرشد۔ جن خوش نصیبوں کو دو چیزیں مل گئیں سچا استاد اور سچا مرشد وہ خداوند کریم کو مل گئے۔“ (3)

مضمون بہت طویل ہو جائے گا ورنہ ان

”مرشد الموحدين خاتم المحدثين بقية السلف حجة الخلف وارث انبياء عارف بالله شيخ التفسير مرشد العلماء قدوة الاتقياء.....“

حضرت العلامة الشیخ عبدالغنی جاجروی نور اللہ مرقدہ“ (4)

کے ”قرآن و سنت سے لبریز خطابات“ کے کچھ نمونے پیش کیے جاتے جن سے معلوم ہوتا کہ یہ قرآن و سنت سے کتنے ”لبریز“ ہیں۔ جسے اس کی خواہش ہو وہ ان کے صاحبزادے

(1) خطبات جاجروی: جلد ۲، صفحہ ۱۷۷

(2) خطبات جاجروی: جلد ۲، صفحہ ۲۳۷

(3) خطبات جاجروی: جلد ۲، صفحہ ۲۳۰

(4) خطبات جاجروی پران کے بیٹے اسماعیل جاجروی کا پیش لفظ

کے مرتبہ ان ضخیم ”خطبات جاجروی“ کا مطالعہ کرے۔ اسی طرح ان کے پیر صاحب ”شیخ المشائخ، عارف باللہ، قطب الارشاد حضرت مولانا شیخ حماد اللہ ہالیجی قدس سرہ“ کے ”ایمان افروز“ تذکرے کا بھی یہاں موقعہ نہیں۔ خواہشمند ان ”تحفۃ السالکین“، ”تذکرہ صوفیائے سندھ“، ”تذکرہ اولیائے سندھ“، ”تجلیات شیخ ہالیجی“، ”تذکرۃ الشیخ ہالیجی“ وغیرہ کتابوں میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ آخر الذکر دو کتابیں حال ہی میں جامعہ حمادیہ، ملیر کراچی نے شائع کی ہیں۔

دعاء بعد الفرائض

توحید والسنۃ کی اشاعت کے دعویداروں کا سنت کے خلاف کاموں میں ایک عمل ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا بھی ہے۔ جس طرح دیوبندیوں کی ہر مسجد اور محفل میں ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعاء کی جاتی ہے، اسی طرح دیوبندیوں کی طفیلی جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کا بھی عمل ہے، اور یہ بھی صرف فرائض کے بعد ہی ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعاء نہیں کرتے بلکہ ان کے ہر اجتماع میں بھی اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعاء کی جاتی ہے۔^(۱) بلکہ یہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ میت کو دفن کرنے کے بعد ”قبر کے گرد کھڑے ہو کر دعاء کریں۔“^(۲)

اس معاملے میں جب ان کے سامنے نبی ﷺ کا طرز عمل پیش کیا جاتا ہے جو صحیح احادیث میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ سوائے بارش کی دعاء کے کسی دعاء میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے (سوائے چند مخصوص مواقع کے اور وہ بھی صلوٰۃ کے علاوہ، جیسا کہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے) تو ان کے متضاد جوابات سامنے آتے ہیں، مثلاً:

- (۱) ”فرائض کے بعد دعا مانگنا مستحب ہے، اور وہ وقت دعا کی مقبولیت کا ہے اور خود حضرت رسول اللہ ﷺ نے اس وقت کی دعائیں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم فرمائی ہیں، لیکن اجتماعی صورت میں دعا کا حکم نہیں دیا، البتہ نماز باجماعت کے لیے چونکہ خود ہی پہلے سے اجتماع ہوتا ہے اس لیے وہ دعا اجتماع کی صورت میں ہو جاتی ہے مگر اس کے

(۱) نغمہ توحید: مارچ ۱۹۹۳ء، صفحہ ۵۴

(۲) نغمہ توحید: مئی ۱۹۹۵ء، صفحہ ۴۹ / عارفین: اپریل و مئی ۱۹۹۴ء، صفحہ ۶۹

علاوہ سنن، نوافل، تراویح اور ترووں کے بعد اجتماعی وعاسنت تو کیا ہوتی سرے سے اس کا ثبوت ہی نہیں ملتا۔ البتہ لوگ اکیلے اکیلے دعا مانگ کر چلے جائیں اور اجتماع کی صورت نہ ہو تو منع بھی نہیں ہے۔“ (1)

(2) ”دعا بعد الفرائض ہیئت اجتماعیہ نہ سنت ہے اور نہ ہی مستحب، صرف جائز ہے۔ اسے بدعت بھی نہیں کہا جاسکتا بشرطیکہ کرنے والا اسے لازمی نہ سمجھے۔“ (2)

(3) ”سوال: میت والے گھر میں دو تین دن تک لوگ آتے رہتے ہیں اور آتے ہی کہتے ہیں ”دعائے خیر“ (دعائے خیر کریں) اور پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں۔ کیا یہ عمل جائز ہے؟ نیز فاتحہ خوانی کا صحیح طریقہ تحریر فرمائیں۔

جواب: یہ طریقہ جو آج کل رواج پا چکا ہے نہ عہد نبوی میں تھا نہ خیر القرون میں۔ اس رسمی صورت کے بغیر اپنے اپنے گھروں میں میت کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کریں تو جائز ہے اور تعزیت کے لیے اہل میت کے ہاں جانا بھی چاہیے لیکن قصد اجتماع کی شکل پیدا کرنا مکروہ ہے۔ اہل میت کے ہاں تعزیت کے لیے جانا تین دن تک جائز ہے اور اتفاقاً وہاں چند آدمی جمع ہو جائیں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ تعزیت کے لیے اہل میت کو صبر کی تلقین اور میت کے لیے مغفرت کی دعا کرنی چاہیے۔“ (3)

(4) ”فرض نماز کا سلام پھیرنے کے بعد دعاء مانگنے کا حکم امام کو بھی ہے اور مقتدی و منفرد کو بھی ہے مگر ہر ایک اپنی اپنی دعاء مانگے۔ نہ کسی کی انتظار کرے اور نہ اونچی اونچی مانگے اور نہ امام کی دعاء کے ساتھ آمین آمین کہے کہ یہ طریقہ نہ نبی کا تھا اور نہ کسی صحابی۔“ (4)

نمبر 1 کے تحت نیلوی صاحب کسی چیز کی عدم نفی سے اس کے ممنوع نہ ہونے پر استدلال فرما رہے ہیں۔ یہ تو وہی دلیل ہے جو اپنے بدعی اعمال کے لیے بریلوی مسلک کے پیرو پیش کرتے ہیں کہ بتاؤ منع کہاں لکھا ہے؟ ان کا یہ استدلال قطعاً باطل ہے کیونکہ اس طرح تو انہوں نے سنت کے اصول ہی کو بدل ڈالا۔ اتباع سنت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اگر کوئی کام نہیں کیا تو اس کا نہ کرنا ہی سنت یعنی ”جائز“ ہو گا اور اس کا کرنا

(1) نیلوی صاحب کا فتویٰ، مجلہ گلستان، جنوری فروری ۱۹۹۶ء، صفحہ ۷۵-۷۶

(2) جمعیت کی مجلس مشنہ کا منفقہ فیصلہ، نغمہ توحید، اگست ۱۹۹۶ء، صفحہ ۲۹

(3) نیلوی صاحب کا فتویٰ، نغمہ توحید، فروری ۱۹۹۳ء، صفحہ ۳۸

(4) نیلوی صاحب کا مخطوطہ فتویٰ جس کا عکس کتاب ہذا کے صفحہ ۷۷ پر دیا گیا ہے۔

بدعت یعنی ”ناجائز“ ٹھہرے گا۔ لیکن یہ اس کو جائز قرار دے کر بدعت کی راہ ہموار کر رہے ہیں! ان کی دو عملی دیکھیے کہ جناب کے اسی طرز استدلال سے جب صلوٰۃ المیت کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعاء کرنے کے قائلین اپنے اس فعل کی نفی کے عدم ذکر کو اس کی عدم ممانعت پر دلیل بناتے ہیں تو یہی نیلوتی صاحب اس استدلال کو رد فرمادیتے ہیں اور دلائل کا انبار لگاتے ہوئے قعدہ اولیٰ میں درود کے بعد دعاء نہ کرنے، اذان کے آخر میں صرف لا الہ الا اللہ پڑھنے اور محمد رسول اللہ نہ پڑھنے، حی علی الفلاح کے بعد حی علی خیر العمل نہ پڑھنے، نماز کے اختتام پر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے بعد وبرکاتہ نہ پڑھنے، عیدین و جنازے کی نماز سے پہلے اذان و اقامت نہ کہنے، فقہ حنفی کے مطابق نماز میں تکبیر تحریمہ کے سوا باقی تکبیرات میں رفع یدین نہ کرنے، اختتام فاتحہ پر آمین بالجہر نہ کہنے کی مثالیں دیتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ ان چیزوں کا عدم ذکر ان کی عدم ممانعت پر دال نہیں۔ چونکہ معاملہ اپنے مسلک کی فوقیت کو اجاگر کرنا تھا لہذا یہاں یہ اتباع سنت کا درست موقف اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

”اتباع سنت جس طرح کوئی کام کرنے میں ہوتی ہے، ایسے ہی کام کے ترک کرنے میں بھی اتباع سنت ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔ جو کام حضرت نبی کریم ﷺ نے کیا ہے اس کا کرنا سنت ہے، ایسے ہی جو کام سبب کے ہوتے ہوئے کوئی امر مانع نہ ہونے کے باوجود آپ نے ترک فرمایا ہو تو اس کا ترک کرنا ہی سنت ہے۔“ (1)

کیا ان کا اپنا یہ استدلال انہی پر لوٹ کر ان کے پہلے موقف کو باطل نہیں ٹھہراتا کہ جس عمل کو نبی ﷺ نے کبھی نہیں کیا تو وہ کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اگر مغرب کی تین رکعات کے بجائے چار پڑھ لی جائیں کہ اس کی ممانعت مذکور نہیں، تو کیا یہ عمل جائز ہوگا؟ غور کیجیے کیا یہ لوگ

الَّذِينَ إِذَا اكْتَأَلُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَانُوا لَهُمْ أَوْ وَزَنُوا لَهُمْ يُخْسِرُونَ* کے زمرے میں شامل نہیں؟ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ* کے فرمان

(1) عارفین: اپریل ۱۹۹۳ء، صفحہ ۶۰-۶۱

★ ”جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔“ (تطبیق: ۲، ۳)

★ ”جو کوئی ایسا کام کرے جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ قابل رد ہے۔“

رسول ﷺ کا اطلاق آخر کس قسم کے اعمال پر ہوتا ہے؟ بہر کیف، یہ تو نبیوں کی صاحب کافوتی تھا جو قرآن و سنت کے خلاف خود ان کے دور نے موقف کا بین ثبوت تھا لیکن جمعیت کی مجلس متقنہ کا متفقہ فیصلہ تو ان کے فتوے سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ انہوں نے تو صاف کہہ دیا کہ اجتماعی دعاء سنت یا مستحب نہ ہوتے ہوئے بھی جائز ہے، اور بدعت بھی نہیں!!

مارچ ۱۹۹۳ء کے نغمہ توحید میں جمعیت نے ایک طویل مضمون شائع کیا جس میں فرض نمازوں کے بعد دعاء مانگنے کو جائز ٹھہرایا ہے۔ مضمون کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ کس طرح منہ بھر کر توحید و سنت کی اشاعت کے دعوے کرتے ہیں جب کہ خود اس کے خلاف نہ صرف کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو دعوت بھی دیتے ہیں! یہ مضمون اس طرح شروع ہوتا ہے:

”جب باجماعت فرض نماز پڑھی جائے تو سلام پھیرنے کے بعد امام صاحب کو چاہیے کہ دائیں یا بائیں طرف سے مڑ کر مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے جیسے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا دستور اور معمول تھا بشرطیکہ امام صاحب کے سامنے کوئی لائق یا مسبوق نماز ادا نہ کر رہا ہو، ورنہ دائیں یا بائیں طرف کو منہ کر کے بیٹھے اور پھر امام و مقتدی سب ہاتھ اٹھا کر دعا کر لیں۔ یہ کام بدعت نہیں بلکہ مستحب ہے اور حضور ﷺ سے ثابت ہے اور یہ متواتر چلا آ رہا ہے اور فقہا کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اس کے جواز پر متفق ہیں اور بعض نے اسے مستحب فرمایا ہے اور بعض نے مسنون اور کسی عالم نے اس دعا کو بدعت نہیں کہا۔“ (صفحہ ۲۷)

اس کے بعد ضعیف روایات اور ان صحیح روایات کی بنیاد پر، جن میں سلام پھیر کر نبی ﷺ کا مختلف اذکار کرنا بیان کیا گیا ہے، یہ مضمون نگار دعویٰ کرتے ہیں کہ

”حضرت ﷺ فرائض کے بعد دعا مانگتے تھے..... اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ جب وہ دعا کرتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی دعا کرتے تھے..... عقل سلیم اس بات کو ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں کہ سید عالم نبی مکرم ﷺ تو دعا مانگ رہے ہوں اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم صرف یہ بات سوچ کر اٹھ کھڑے ہوں یا وہیں اپنی اپنی جگہ چپکے سے بیٹھے رہیں کہ فرائض کے بعد مل کر دعا مانگنا منع ہے۔ پس عہد نبوی میں اور خیر القرون میں امام اور مقتدیوں کا اجتماعی

طور پر وعاماگنا عبارتہ النص کے طریق سے ثابت ہوا اور اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ جو حکم عبارتہ النص کے طریق سے ثابت ہو وہ قطعی ہوتا ہے۔ (صفحات ۳۴، ۳۵)

لیکن افسوس کہ انہوں نے اپنی خود کشیدہ ”نص قطعی“ کے ثبوت میں سوائے فقہی مود کا گمانہ کھینچ تان کے، ایک بھی صحیح روایت پیش نہیں کی! فرائض کے بعد اجتماعی دعاء پر نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا متواتر عمل تھا تو صحاح میں کم از کم ایک تو ایسی روایت ہوتی جس سے پتہ چلتا کہ نبی ﷺ نے صلوٰۃ کا سلام پھیرا، مقتدیوں کی طرف رخ کیا اور سب نے مل کر ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کی..... صحیح روایات تو یہی بتاتی ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ نبی ﷺ صلوٰۃ کے بعد دعاء میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے بارش کی صلوٰۃ میں بھی پہلے دعاء کی بعد میں صلوٰۃ ادا کی۔ (بخاری: کتاب الاستسقاء)

جہاں اذکار کی روایات کو اپنے غلط موقف کے لیے مشق ستم بنایا گیا وہیں اپنی استدلالی خرا د پر اس آیت قرآنی کو چڑھاتے ہوئے کہ

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ
وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا (البقرہ: ۱۰)

”پس جب صلوٰۃ ختم ہو جائے تو پھر تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا خوب ذکر کرو۔“

نیلوی صاحب کے ہی مذکورہ بالا باہم متضاد استدلال کی بنیاد پر انہوں نے فرمایا :

”(۱) کسی مقام پر ایک چیز کا ذکر نہ ہونا اس کی نفی کی دلیل نہیں ہوتی۔

(۲) وعاماگنا ہے اور اہل لسان تو اہل کا ذکر متروک کر دیتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی وعاماگنا ترک کر دیا گیا ہے۔ جس طرح نماز جمعہ کے بعد واپسی سنتوں کا ذکر ترک کر دیا گیا کہ یہاں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ فرض نماز جمعہ سے فارغ ہوتے ہی زمین میں پھیل جاؤ اور رزق کی تلاش میں لگے رہو اور سنتیں اور نوافل چھوڑ دو؟ نہیں بالکل نہیں، بس اسی طرح اس آیت کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ نماز جمعہ (فرض کی دور کعت) کے بعد وعاماگنا۔

(۳) ’ف جزائیہ کے بعد تین جملے ہیں جن کے درمیان ’واو‘ عاطفہ ہے جو ترتیب کو نہیں چاہتی بلکہ مطلق جمع کے لیے ہوتی ہے، تو اس صورت میں آیت کریمہ کا مطلب ہو گا کہ نماز جمعہ کے بعد تمہیں تین کام کرنے ہوں گے:

۱۔ زمین میں پھیلنا

۲۔ اللہ کا فضل تلاش کرنا اور حلال کی روزی ڈھونڈنا

۳۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرنا

ان تینوں امور کا بالترتیب ذکر کرنا ضروری نہیں جس کا ذکر سب سے آخر میں ہے اس کی تعمیل اگر پہلے ہو جائے اور جس کا ذکر پہلے ہے اس کی تعمیل بعد میں ہو جائے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ نص (آیت کریمہ) کی خلاف ورزی ہو گئی ہے۔ اس صورت میں یوں کہا جائے گا کہ ”اَذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا“ میں دعا آجاتی ہے جس کا ذکر آیت کریمہ میں آخر میں ہے۔ مگر اس کی تعمیل زمین میں پھیلنے سے پہلے کی جاتی ہے تاکہ حلال کا رزق تلاش کرنے میں مدد و معاون ثابت ہو۔“

(صفحات ۲۸، ۲۹)

ان کا یہ استدلال دیکھ کر معاً ہمارا ذہن قرآن کی اس آیت کی طرف چلا گیا جس میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَجْزَلِكُمْ إِلَى الْكُعْبَتَيْنِ (المائدہ: ۶)

”اے ایمان والو! جب تم صلوٰۃ کے لیے اٹھو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں (دھو لیا کرو)۔“

مذکورہ استدلال کی روشنی میں فقہی موشگافیاں کرنے والے بتائیں کہ مذکورہ بالا آیت میں اللہ کی بتائی ہوئی وضو کی اس ترتیب کو اگر ملحوظ نہ رکھا جائے اور موخر کو مقدم کر لیا جائے یعنی آخر والے کام کو پہلے کر لیا جائے مثلاً پہلے پیر دھو لیے جائیں تو کیا نص قطعی کی مخالفت نہ ہوگی اور یہ عمل بہر حال ”مسنون اور مستحب“ ہی رہے گا؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر شیعوں پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے کہ وہ وضو میں پہلے پیر دھوتے ہیں جس پر ان کے مخالفین انہیں بہت لعن طعن کرتے ہیں؛ اور اگر نفی میں جواب ہے تو پھر دعاء بعد الفرائض کا استدلال باطل ٹھہرے گا ورنہ پھر ذوالوجہین بنا قبول فرمائیے گا جس کا کام وہی ہوتا ہے جس کو سورۃ تطفیف کی آیت ۲ اور ۳ میں پیچھے بیان کیا گیا۔

اور ”شیخ التفسیر و شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوئی مدظلہ العالی“ نے تو کمال ہی کر دیا۔ موصوف نے ”الفائض فی الدعاء بعد الفرائض“ کے نام سے اس

موضوع پر ایک مستقل کتاب ہی لکھ ڈالی جس میں نغمہ توحید کے مذکورہ مضمون کی طرح غیر صحیح روایات بیان کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ فرض نماز کا سلام پھیر کر ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے!!

ان سے پہلے طاہر بیچ پیری صاحب کے یہاں سے بھی اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا گیا۔ مولوی غرغشتوی کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے لکھا:

خلاصہ کلام

- ۱۔ دعاء بعد الفرض ثابت ہے باحادیث کثیرہ جیسا کہ ذکر کیا گیا*
- ۲۔ دعائیں دیر کرنا بعد الفرض تھوڑا اور زیادہ ثابت ہے خواہ اذکار مسنونہ تمام پڑھے یا کم اور دعاء بعد الفرض کو مکروہ کہنا جیسا کہ ہمارے مخالفین کہتے ہیں خلاف شرع و سنت کے ہیں۔ اور یہ ان کی جہل باحکام الشرع ہے۔ بعض تو جہل میں مبتلا ہیں اور بعض عناد و حسد کداء والیہود علیہم دائرة السوء و غضب اللہ علیہم
- ۳۔ جب دعاء بعد الفرض ثابت بالسنت ہے تو اس کو چھوڑنا امتی کے لیے زیان نہیں۔
- ۴۔ شوق رکھ سنت گرائی سے..... ہے شرف آپ کی غلامی سے
- ۵۔ دعائیں ہاتھ اٹھانا ثابت بالا حادیث و روایات نقیہ ہے کما مر*
- ۵۔ دعاء بعد السنن منفرد اکیلا اکیلا مرغوب ہے مگر جمع کے ساتھ ثابت نہیں.....^(۱)

لیکن انہی بیچ پیری صاحب کا مرید خان بادشاہ جو اپنی کتاب ”تسکین الخاطر لذكر اعمال مرشدی مولینا محمد طاہر“ میں اپنے پیر صاحب کے کارناموں کو دل کا سکون قرار دیتا ہے جس کے دو حوالے پیچھے بیان کیے گئے ہیں، اپنی دوسری کتاب ”المسامیر النار“ میں لکھتا ہے:

”..... میں کہتا ہوں کہ جو فرائض اور سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرتے ہیں تو وہ بدعت کے مرتکب ہوتے ہیں۔“ (صفحہ ۷۰)

انہی طاہر بیچ پیری صاحب کے ایک دوسرے معتقد حکیم عماد الدین صاحب، رکن اشاعت التوحید والسنۃ، ثوب، بلوچستان، نے ”دعاء بعد الفرائض والسنن“ کی نفی میں ڈھائی

* یہ سب وہی روایتیں ہیں جنہیں نیلوی صاحب اور مذکورہ مضمون نگار نے بھی بیان کیا ہے۔

(۱) الانتصار لسنۃ سید الابران صفحہ ۴۸-۴۹

سوصفحات کی ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے جس میں ایک مقام پر احادیث و آثار بیان کر کے فرماتے ہیں:

”توان تصریحات سے حاصل یہ نکلا کہ جس عمل کا مقتضی اور موجب و سبب رسول کریم ﷺ اور خیر القرون کے عہد مبارک میں موجود ہو اور مانع کوئی نہ ہو پھر بھی انہوں نے وہ عمل اس مخصوص کیفیت کے ساتھ نہ کیا ہو تو وہ عمل جو بعد میں اس مخصوص کیفیت کے ساتھ ہو رہا ہو تو یہ عمل بدعت، ناجائز اور حرام ہے، موجب گرفت و عذاب ہے مثلاً یہ مروجہ اجتماعی وعاء جو فرض نماز کے سلام کے بعد سنن و نوافل کے بعد اور طعام و ضیافت کھانے کے بعد اور وعظ و نصیحت اور تعلیم و گشت اور نماز چناڑہ اور وفن میت اور ختم قرآن کے بعد تعزیہ کے موقع، حاجی لوگوں کے حج جانے کے موقع اور آنے کے موقع اور مجاہدین کو رخصت کرنے کے موقع اور تبلیغی جماعت کے الوداع کے موقع اور شادیوں اور غموں اور ولیمہ کے دعوت کھانے کے موقع پر اور مربیوں کے عیادت کے موقع، نکاح بندی کے موقع اور صلح بین الخوصوم کے موقع پر، خیرات صدقات، مساکین کو دینے کے موقع پر جو سب مل کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں جس کو ایک ایسا طریقہ بنایا ہے گویا شریعت کا ایک منصوص حکم ہے اور نہ کرنے والے کو مستحق ملامت سمجھتے ہیں یہ طریقہ اس کیفیت و اجتماعیت کے ساتھ خصوصاً علی الدوام نہ نبی اکرم ﷺ اور نہ صحابہ کرامؓ نہ تابعین اور تبع تابعین سے ثابت ہے، نہ انہوں نے کسی کو اس کی ترغیب دی ہے حالانکہ یہ سارے مواقع ان کے زندگی میں بار بار پیش آتے تھے۔ کسی بھی موقع پر نہ وہ دعا کے لیے کھٹے ہوئے ہیں اور نہ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعائیں کی ہیں نہ کہیں اجتماعیت کی ادنیٰ سا اشارہ ملتا ہے..... یہ اجتماعی بدعی دعائیں نہ دین ہیں نہ موجب ثواب ہیں۔ بلکہ خلاف سنت اور بدعت و ناجائز اور واجب التکرار ہیں۔ بلکہ دین میں زیادتی ہے اور شریعت کاملہ میں نیا اضافہ ہے۔

أَمَرَهُمْ شَرْعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْخُذْ بِهِ اللَّهُ* کے قبیل سے ہیں اور خاتم النبیین ﷺ پر ایک گونہ اعتراض ہے کہ نعوذ باللہ اس نے فریضہ رسالت میں غفلت یا کوتاہی، لاپرواہی برت لی ہے کہ جو چیز دین میں مطلوب اور کار ثواب تھی اس کو نہ بیان کیا نہ کبھی ساری زندگی اس پر عمل کیا۔ نعوذ باللہ من هذا الاعتقاد“ (1)

جون ۱۹۹۲ء کے نغمہ توحید (صفحہ ۷، ۸) میں اشاعت التوحید والوں کا ایک ۲۳ نکاتی منشور شائع کیا گیا جس میں بہت سے بلند بانگ دعوے کیے گئے مثلاً

★ درست آیت یہ ہے: أَمَرَهُمْ شَرْعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْخُذْ بِهِ اللَّهُ* (الشوری: ۲۱)

”کیا ان (مشرکوں) کے کچھ شرکاء ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین تجویز کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی؟“

(1) التحقيق الحسن في نفی دعاء الاجتماعی بعد الفرائض والسنن: صفحات ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴

”ہم عہد کرتے ہیں اور بآنگ وبل اعلان کرتے ہیں کہ ہم

۱۔ اللہ کی توحید کا ڈنکا بجاتے رہیں گے

۲۔ سید الانبیاءؐ کی سنت کا بول بالا کرتے رہیں گے

۳۔ شرک و بدعات کے قلعے مسمار کرنے کے لیے تن، من، وھن کی بازی لگاتے رہیں گے

۴۔ ہر مشرک سے ہماری دشمنی اور ہر موحد سے ہماری دوستی ہوگی

۵۔ ہر بدعتی سے ہماری لڑائی اور ہر سنی سے ہماری شناسائی ہوگی۔“

قارئین بتائیں کہ اب تک جمعیت اشاعت التوحید و السنۃ کے جو کارنامے بتائے گئے ہیں، کیا ان سے اللہ کی توحید کا ڈنکا بجاتا ہے؟ کیا سنت کا بول بالا ہوتا ہے؟ کیا شرک و بدعت مٹانے کی سعی ہوتی ہے؟ کیا مشرکوں سے دشمنی اور مبتدعیوں سے لڑائی کی اس میں کوئی جھلک نظر آتی ہے؟ حقیقی صورتحال تو اس کے بالکل برعکس ہے۔ سنت کا بول بالا کرنے کے دعوے دار بدعات کو فروغ دے رہے ہیں (جس کا کچھ نمونہ پچھلے صفحات میں آپ نے ملاحظہ کیا) مشرکوں سے دشمنی کے مدعی ان کی محبت، عقیدت اور اطاعت کا دم بھر رہے ہیں! اور اس طرح سے ان کا توحید و سنت کی اشاعت کا دعویٰ باطل ثابت ہو جاتا ہے اور ان کا کفریہ، شرکیہ، مبتدعہ دیوبندی مسلک کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ دراصل یہ وہی صورتحال ہے جس کی پیشین گوئی نبی ﷺ نے پہلے ہی فرمادی تھی کہ

لَتَشْبَعَنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شَبْرًا بِشَبْرٍ وَ ذَرَاْعًا بِذَرَاْعٍ حَتَّىٰ تَوْ
دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ تَبَعْتُمُوهُمْ

”تم لوگ ضرور اپنے سے پہلے والوں کی ایک ایک بالشت اور ایک ایک ہاتھ پیروی کرو گے،

حتیٰ کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گئے ہوں گے تو تم بھی جاؤ گے۔“ (۱)

یہ بات یاد رہے کہ اکابر پرستی کی بنیاد پر اٹھنے والے مسکی شجر خبیثہ کی جو شاخ نکلے گی وہ کفر و شرک کے جراثیم سے پاک کیسے ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ ان کی آنکھ بند ہونے سے پہلے انہیں آنکھیں کھول کر دیکھ لینے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین



(۱) صحیح بخاری: جلد ۳، کتاب الاعتصام، باب ۲۲۱ اقوال النبی ﷺ لَتَشْبَعَنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ

اہل حدیث

اب توحید و سنت کے دعویدار اس دوسرے گروہ یعنی نام نہاد اہل حدیثوں کے عقائد و اعمال کا مختصر جائزہ ان کی اپنی کتابوں اور رسالوں کے حوالے سے پیش کیا جائے گا۔

الحدیث مسلک کی حامل مختلف جماعتیں مثلاً مرکزی جمعیت الحدیث پاکستان، جمعیت الحدیث سندھ، جمعیت غرباء الحدیث پاکستان، مرکز الدعوة والارشاد مرید کے (الشکر طیبہ) وغیرہ کے نام سے یہاں پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ ان سب کا دعویٰ ہے کہ یہ سب قرآن و حدیث کی پیروی کرتے ہیں لیکن آئندہ صفحات کے مندرجات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے عقائد و اعمال میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی عمل کو ایک فریق شرک کہتا ہے تو دوسرا عین سنت! ایک کے نزدیک کوئی عمل باعث رحمت ہے تو دوسرے کے نزدیک جہنم میں جانے کا سبب! نیز اخذ حدیث میں بھی یہ لوگ دوہرے معیار اور دو عملی میں بری طرح ملوث ہیں۔

لفظ ”الحدیث“ کا مطلب ہے حدیث والے، جس طرح ”اہل ایمان“ کا مطلب ہوتا ہے ایمان والے۔ یعنی ”اہل“ کا سابقہ اپنے مابعد سے نسبت و تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح بظاہر معنی کے اعتبار سے الحدیث وہ شخص ہو گا جس کا تعلق حدیث سے ہو، جو حدیث پر عمل کرنے والا ہو۔ اور یہی ان نام نہاد اہل حدیثوں کا دعویٰ بھی ہے کہ وہ سختی کے ساتھ احادیث پر عمل کرتے ہیں۔ ذرا ان کے دعاوی کی جولانیاں تو ملاحظہ فرمائیے:

..... اہل الرائے کے مقابلے میں الحدیث جماعت نے عہد رسول ﷺ سے لے کر آج تک حدیث کا دامن پکڑے رکھا اور اس کی حفاظت میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ دنیا کی عقل و نگ رہ جاتی ہے۔ ایک ایک حدیث کی طلب اور جستجو کے لیے سینکڑوں اور ہزاروں میلوں کے سفر کیے اور ایک ایک محمدی موتی کو تحریر کی لڑی میں پرو دیا۔ یہ وہی لوگ تھے جو مائنا علیہ و اصحابی کی متشکل تصویر تھے۔ یہ اتنے ہی قدیم ہیں جتنا خود قرآن اور حدیث قدیم ہے۔ جب سے قرآن کا نزول اور حدیث کا وجود ہے اس وقت سے الحمد للہ الحدیث کا وجود ہے کیونکہ الحدیث کے نظریات یعنی قرآن اور حدیث کے بیان کردہ ہیں۔ الحدیث نے اپنی طرف سے کوئی عقیدہ ایجاد

کیا ہے نہ کوئی عمل۔ قرآن و حدیث پر عمل کرنے پر تمام صحابہ کرام کا اتفاق تھا اور اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ وہ تو قرآن اور صاحب قرآن سے ایک قدم بھی اوہر اوہر نہیں ہوتے تھے یعنی وہ عالمین قرآن و حدیث تھے اور بحمد اللہ الحمدیث کا بھی قرآن و حدیث پر عمل کرنے کا وہی عقیدہ اور منہج ہے جو رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ اصحاب کا تھا۔“ (1)

”الہدایت ہی سب سے قدیم مذہب ہے جو یحییٰ اصحابہ کرام کا مذہب ہے۔“ (2)

”ان حقائق کا انکار کرنا آسان بات نہیں ہے کہ الہدایت اہل اسلام کا سب سے قدیم اور صحیح مذہب ہے اور اصول اور فروع میں منہج صحابہ پر گامزن ہے۔“ (3)

”یہ (الہدایت) گروہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جن کی زبان اور بیان پر ہمیشہ حق غالب رہا، جن کا ظاہر و باطن پاک ہے، جن کے عقائد بدعات، باطل اور خواہش پرستی سے پاک ہیں۔“ (4)

”اہل حدیث ہی وہ جماعت المسلمین ہے جس کا ذکر بخاری و مسلم میں ہے کیونکہ الہدایت ہی وہ جماعت ہے جو قدیم سے ہے۔ جس کی ایک زبردست تاریخ ہے جس کا شاندار ماضی ہے اور ور خشاں مستقبل ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی جب آئیں گے تو اسی مذہب الہدایت پر ہوں گے۔ کیونکہ یہی اصل اسلام ہے۔“ (5)

”اہلسنت صرف الہدایت ہیں باقی زبردستی کے دعویدار ہیں۔۔۔۔۔ جب ناجی فرقتہ اہلسنت ہیں اور اہلسنت صرف الہدایت ہیں اور ولی کا ناجی ہونا ضروری ہے تو ثابت ہوا کہ ولی صرف اہل حدیث ہی ہو سکتا ہے۔“ (6)

”اہل حدیث ہی صحیح معنوں میں موحد اور قبیح کتاب و سنت ہوتے ہیں۔“ (7)

”الہدایت کا یہ خاصہ ہے حق کہنا، حق سننا، حق سمجھنا اور پھر حق کو ماننا۔“ (8)

(1) عقیدہ الہدایت: صفحہ ۴۲، ۴۱

(2) عقیدہ الہدایت: صفحہ ۴۵

(3) عقیدہ الہدایت: صفحہ ۴۵

(4) عقیدہ الہدایت: صفحہ ۴۶

(5) مسعودی ایس سی کی جماعت المسلمین پر ایک نظر۔ ایک محقق کے قلم سے: صفحہ ۷، اگرچہ اس ”محقق“ نے اپنا نام نہیں لکھا مگر ناشر سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ جناب عبد اللہ بہاولپوری صاحب کی تحریر ہے۔

(6) کیا نبی مقرر تھے از طالب الرحمن: صفحہ ۲

(7) کراچی کا عثمانی مذہب: صفحہ ۶۸

(8) کیا مردے سنتے ہیں؟: صفحہ ۹

”الحدیث کسی غیر کی نہیں، بلکہ رسول کریم کی محبت میں آپ کے اقوال و افعال پر عمل کرنے کی ہر ممکن صورت کو اپناتے ہیں اور یہی ان کا اصلی وصف اور امتیاز ہے۔“ (1)

”صراطِ مستقیم پر چلنے والے اور تہتر فرقوں میں ناجی یعنی نجات یافتہ فرقے والے وہی ہیں جو اہل حدیث کے طریقے پر چلنے والے ہیں۔ یہی مسلک حق اور باطل کا معیار ہے..... رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ قریب جماعت اہل حدیث ہے کیونکہ ان سے بڑھ کر کوئی اور قوم رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے درود پڑھنے والی نہیں ہے..... اہل حدیث ہی دراصل نبی کریم ﷺ کے اہل ہیں..... جس حدیث پر دین کا دار و مدار ہے اس کی معرفت اہل حدیث سے ہی حاصل ہو سکتی ہے باقی سب ان کے خوشہ چیں ہیں..... الحدیث کی ایک چھوٹی سی خصلت یہ ہے کہ انہیں قرآن و حدیث، ان کی تفہیم اور ان پر عمل پیرا ہونے کی بے پناہ محبت ہے۔ ان کے فقہاء دوسرے فقہاء کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کی شان اور حال سے زیادہ باخبر ہیں، اگر ان میں کوئی صوفی ہے بھی تو دوسرے صوفیوں کی بنسبت زیادہ متبع سنت ہے۔ ان کے امراء دوسرے امراء کے بنسبت سیاست نبوی ﷺ کے زیادہ ماہر اور حقدار ہیں اور عوام الناس اہل حدیث آپ ﷺ سے موالات و دوستی میں سب سے سبقت لے گئے ہیں.....“

”الحمد للہ! اہل حدیث ایسے مشکوک مذہب سے دور ہیں۔ وہ براہ راست رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کرتے ہیں، اور ان کی لائی ہوئی شریعت (قرآن و حدیث) پر عمل کرتے ہیں (جس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اور غلطی کا کوئی امکان بھی نہیں ہے)، مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، حدیث کے مقابلے میں کسی امتی کی تاویل و تشریح کو قبول نہیں کرتے، اس لیے ان کا یہ امتیازی شان ہے کہ وہ ہر جگہ اس طرح پہچانے جاتے ہیں کہ وہ کسی امتی کی پیروی نہیں کرتے بلکہ امام الانبیاء رسول رب العالمین ﷺ کے تابعدار ہیں۔

پیری مریدی سے بیزاری: اس جماعت کی دوسری نشانی یہ ہے کہ وہ کسی بزرگ یا پیر کے متبع نہیں ہیں اور نہ ہی ان سے کوئی من گھڑت ذکر یا وظیفہ سیکھتے ہیں اور نہ ہی ان سے کسی سورۃ یا وظیفہ کی اجازت یا اذن طلب کرتے ہیں۔ ان کے لیے تربیت و تہذیب تو وہی ہے جو قرآن و حدیث میں مذکور ہے۔ وہ اسی (قرآن و حدیث) کے مطالعے سے تزکیہ نفس جیسی نعمت حاصل کرتے ہیں۔ پیروں کے وظائف اور طریقوں میں پھنس کر بیشمار بدعات میں مبتلا ہونے کے بجائے نبوی طریقے کو اپنا معمول بناتے ہیں۔ اس لیے ان کا یہ عمل بھی ان کی شناخت ہے کہ جماعت اہل حدیث کسی پیر کی مرید نہیں اور نہ ہی پیری مریدی کے کسی سلسلے سے منسلک ہے.....“ *

(1) صراطِ مستقیم اور اختلاف امت: صفحہ ۱۵۶

★ یہ ایک لطیفہ ہے کہ یہ بلند بانگ دعویٰ کرنے والے بدیع الدین راشدی صاحب خود پیری مریدی کے ایک سلسلے سے وابستہ تھے اور ”ساتویں پیر جہنڈہ“ کہلاتے تھے۔ ان کے بڑے بھائی محب اللہ راشدی صاحب ”چھٹے پیر جہنڈہ“ کہلاتے

”جو جماعت قول اور رائے و قیاس وغیرہ کو دین تسلیم نہیں کرتی اور صرف قرآن و حدیث کو ہی دین اور حجت جانتی ہے، اسے سلف سے خلف تک ”اہل حدیث“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔“ (1) *

اس طرح کے دعوے ان کی متعدد کتابوں میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں اور آئے دن چھپنے والی کتابیں ان تعلیموں میں روز بروز اضافہ کر رہی ہیں۔ ذَلِکَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ! یہ محض ان کے منہ کی باتیں ہیں ورنہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہ اپنے زعم میں کہتے پھرتے ہیں کہ ان لوگوں کے وہی عقائد و اعمال ہیں جو صحابہ کرام ؓ کے تھے لیکن اگر ان کی تحریروں کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہیں۔ انہوں نے نماز میں ٹانگوں کو چیر کر کھڑا ہونا، زور دار آواز سے آمین کہنا، امام کے پیچھے جہری قرأت میں بھی سورۃ فاتحہ پڑھنا، رکوع سے پہلے اور بعد رفع یدین کو لازمی قرار دینا، وغیرہ جیسے مخصوص مسائل کو دانتوں سے پکڑ رکھا ہے اور انہی پر ان کا سارا زور صرف ہوتا ہے۔ انہیں ثابت کرنے کے لیے وہ بازاری انداز اپناتے ہوئے چیخیں اور خطیر رقموں کا اعلان بھی کرتے پھرتے ہیں، رنگین اشتہار بازی اور بلند بانگ نعرہ بازی کرتے ہیں، مگر دعویٰ پھر بھی ما اَنَا عَلَیْهِ وَاصْحَابِی ہونے کا کرتے ہیں! ان کی حقیقت ان کے اپنے ہی مسلک کے آدمی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

”غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہل حدیث کہتے ہیں، انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماع کی بھی پرواہ نہیں کرتے نہ سلف صالحین صحابہ اور تابعین کی، قرآن کی تفسیر صرف لغت سے من مانی کر لیتے ہیں۔ حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی ہے اس کو بھی نہیں سنتے، بعضے عوام اہل حدیث کا یہ حال ہے کہ انہوں نے صرف رفع یدین اور آمین بالجہر کو اہل حدیث ہونے کے لیے کافی سمجھا ہے، باقی اور آداب و سنن اور اخلاق نبوی سے کچھ مطلب نہیں، غیبت، جھوٹ، افتراء سے پاک نہیں کرتے۔“ (2)

تھے اور جماعت اہل حدیث کی سرکردہ شخصیت تھے۔ اسی طرح مشہور اہل حدیث عالم عبداللہ غفرلہ صاحب بھی پیری مریدی کرتے تھے۔ دیگر پیروں کے مذکورہ مابعد واقعات مندرجہ بالا دعویٰ کو جھٹلانے کے لیے کافی ہیں۔

★ بعد کے واقعات ان دعویٰ کو بھی جھٹلاتے ہیں۔

(1) خطبات راشدیہ: جلد ۱، صفحات ۱۵۸، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۷۷، ۱۹۶، ۲۵۵

(2) لغات الحدیث از نواب وحید الزماں، جلد ۲، صفحہ ۹۱، کتاب ش: بحوالہ حدیث اور اہل حدیث، صفحہ ۱۰۳

یاد رہے کہ یہ بات کہنے والی اہلحدیثوں کی وہی سرکردہ و معتبر ہستی ہے جسے اہلحدیث علماء اس طرح خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

”نواب عالی جناب، عالم باعمل فقیہ وقت محب السنہ و حید الزماں بن مسیح الزماں المدکنی۔“ (1)

اپنے ہم مذہبوں کی ”غیبت، جھوٹ، افتراء“ سے بے باکی کا رونا رونے والے نواب صاحب بھی ان ”اوصاف“ سے خالی نہیں! چنانچہ جس جلیل القدر تابعی کو نبوی زبان صدق ارشاد ”مغفور“ قرار دیتی ہے، (2) ان کی ”نوابی زبان گہر بار“ اسے، لعنتی، ملعون، مردود اور ”یزید پلید“ کہتی ہے۔ (3)

اہلحدیث مکتبہ فکر کی تحریروں کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث سے تمسک کرنے کے ان کے دعوے باطل ہیں اور یہ بھی اُن خرابیوں میں ملوث اور آلودگیوں سے لٹھڑے ہوئے ہیں جن میں دیگر فرقے و مسالک مبتلا ہیں، اور اس لحاظ سے ان کی آلودگی شدید تر ہے کیونکہ دوسرے فرقے و مسالک کا قرآن و حدیث سے تعلق کا دعویٰ کسی شخصیت کے تقلیدی تعلق سے مسلک ہے جب کہ یہ ایسے تمام تعلقات کو شرک قرار دیتے ہیں اور قرآن و حدیث سے براہ راست تمسک کے دعویدار ہیں۔ لیکن یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے ان کے پاس بھی ان شخصی تعلقات کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ البتہ یہ مزید افسوسناک بات ہے کہ اس سلسلے میں وہ دورخی پالیسی اور دوغلے پن سے بھی گریز نہیں کرتے! اگر کوئی بات حنفی مسلک میں ہونے کی وجہ سے ان کے نزدیک قابل نفیرین اور لائق ملامت ہے تو اُن شخصیات کے لیے البتہ پسندیدہ ٹھہرتی ہے جو ان کے مشہور متنازعہ مسائل کی کسی طرح تائید کرتی ہیں، مثلاً تقلید ان

(1) بداية المستفید از دبیع الدین شاہ راشدی: جلد ۱، صفحہ ۱۴۴: بحوالہ حدیث اور اہلحدیث، صفحہ ۱۳۵

(2) صحیح بخاری: کتاب الجہاد، باب ۱۳۷، ما قبل فی قتال الروم، صفحہ ۱۱۸ / کتاب التہجد، باب ۵۰، صلوة النوافل بالجماعة، صفحہ ۵۲۶

(3) تیسر الباری شرح صحیح بخاری: جلد ۴ صفحہ ۵، ۱۲۶، جلد ۵ صفحہ ۱۳۵، جلد ۹ صفحہ ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۹۵، وغیرہ

کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ اور قابل نفرت چیز ہے؛ ان کا ہر آدمی بڑی دریدہ دہنی سے اس پر اپنی ”عالمانہ رائے“ کا اظہار کرتا رہتا ہے اور اس کے رد و قدح میں پورا زور صرف کر دیتا ہے۔ کوئی تو اس حد تک چلا جاتا ہے کہ کہنے لگتا ہے:

”ہر مشرک پہلے مقلد ہوتا ہے پھر مشرک..... عبادت کہتے ہیں

دوسرے کو بڑے سے بڑا جان کر اپنے آپ کو اس کے مقابلے میں چھوٹے سے چھوٹا سمجھنا، یہی کچھ مقلد اپنے امام سے کرتا ہے۔ وہ اپنے امام کو اتنا بڑا سمجھتا ہے کہ خود کو اس کے سامنے جانور سمجھتا ہے اور جانوروں کی طرح سے اس کا قلاوہ گلے میں ڈالنے کو اپنی سعادت خیال کرتا ہے، پھر آہستہ آہستہ اسے اللہ کا شریک ٹھہرا لیتا ہے۔“ (1)

لیکن تقلید کا یہی ”شرک“ جب ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر، عبدالقادر جیلانی، اور دیگر حنبلی و شافعی سرکردہ شخصیات میں پایا جائے تو انہیں ”شیخ الاسلام“، ”الامام“، ”الشیخ“ وغیرہ جیسے بلند مقام پر بٹھادیا جاتا ہے اور وہ زبانیں جو تقلید کی مذمت و ملامت کرتے نہیں تھکتیں، ان مذکورہ شخصیات کے گن گانے لگتی ہیں! صرف اس وجہ سے کہ وہ ان کے مخصوص مسائل کی تائید کرتے تھے: رفع یدین کرتے تھے، زور سے آمین پکارتے تھے، تین طلاقوں کو ایک کہتے تھے، امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۔ تقلید کی مذمت کرنے اور مذکورہ شخصیات کی تعریف میں زبانیں تر کرنے سے پہلے ان مزرعومہ المحدثوں کو اپنے ”شیخ الاسلام“ کا یہ فتویٰ بھی سامنے رکھنا چاہیے:

”کبھی شریعت سے ابوحنیفہؒ، ثوری، مالک بن انس، اوزاعی، لیث بن سعد، شافعی، احمد، اسحاق، داؤد وغیرہ ائمہ فقہ کا قول مراد ہوتا ہے۔ سو یہ لوگ اپنے اقوال کے لیے کتاب و سنت سے دلیل لاتے ہیں۔ جب کوئی مقلد ان میں سے کسی کی تقلید حسب گنجائش کرے تو جائز ہے اور اس کی تقلید نہ کرے تو کسی اور کی تقلید بشرط گنجائش کرے تو جائز ہے۔“ (2)

(1) اصلی اہلسنت از عبداللہ بنہا ولہ پوری: صفحہ ۳۲ بحوالہ حدیث اور اہلحدیث، صفحہ ۸۵

(2) الفرقان بین اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطن: صفحہ ۱۳۹

مسلک الحمدیث کی تحریریں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ انداز شاید حنفیوں سے بغض رکھنے کے سبب اپنایا ہے ورنہ قرآن و حدیث پر ایمان رکھنے والوں کا دوا ہر معیار نہیں ہو سکتا۔ ان کا مدار الہام ہی یہ ہے کہ ہر طرح حنفیت کی مخالفت کی جائے، بس! (یہاں کوئی حنفیت کی وکالت نہیں کی جا رہی کہ ہمارا حنفیت اور الحمدیثیت دونوں سے کوئی تعلق نہیں) حدیث سے تو یہ اصول ملتا ہے کہ اشتر اک علت کے سبب حکم عام ہو گا اور کسی کا اس میں کوئی استثنیٰ نہ ہو گا، خواہ کوئی بھی ہو، مثلاً ”چوری کا فعل خواہ مخزومی فاطمہ بنت اسود سے ہو یا قریشی فاطمہ بنت محمدؐ سے“، زبان نبوت کہتی ہے کہ دونوں کے لیے ایک ہی فیصلہ ہے، دونوں کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔⁽¹⁾

لطیفہ دیکھیے کہ یہ الحمدیث بھی آپس میں ایک دوسرے سے تقلید کے شاک ہیں یعنی تقلید کے خلاف اتنا کچھ کہنے کے باوجود یہ خود بھی تقلید سے بچے ہوئے نہیں ہیں! الحمدیثوں کے پیر جہنڈہ بدیع الدین راشدی کی جماعت اپنے پیر صاحب کی تحقیق کے مطابق رکوع سے اٹھ کر دوبارہ ہاتھ باندھ لیتی ہے۔ ایسا کرنے کو وہ سنت سمجھتے ہیں۔ لیکن ان کے بڑے بھائی پیر محب اللہ راشدی صاحب اس عمل کو بالکل ناجائز، مفروضہ مسلک اور خواہش نفس کی پیروی، دین میں احداث، اختراع، بدعت و گمراہی قرار دیتے ہیں اور ان کی جماعت کو ”مقلد حواری“ کہتے ہیں۔⁽²⁾

اور جنہیں ”شیخ الاسلام“ کہہ کر ان پر اللہ کی رحمت کے ڈونگرے برسائے جا رہے ہیں، ان کے کارنامے بھی تو دیکھیے، انہوں نے قرآن و حدیث کی کیسی ”خدمت“ کی۔ قرآن کہتا ہے کہ جو ایک دفعہ مر گیا، قیامت تک مردہ ہے، اس میں قیامت سے پہلے روح نہیں لوٹ سکتی،⁽³⁾ وہ شعور، ادراک، فہم، تمام حواس سے عاری ہے،⁽⁴⁾ کچھ بھی نہیں سن

(1) متفق علیہ، کتاب الحدود، ابواب السرقة

(2) فیل الامانی: صفحہ ۱۰، ۱۵، ۱۷، ۱۸، ۲۲، ۲۳

(3) المومنون ۱۵، ۱۶

(4) النحل: ۲۰، ۲۱

سکتا، (۱) اس کے اور دنیا والوں کے درمیان قیامت تک ناقابل عبور رکاوٹ حائل ہے۔ (۲)
لیکن اہلحدیثوں کے ”شیخ الاسلام“ فتویٰ دیتے ہیں کہ

”مشہور اور مستفیض احادیث سے ثابت ہے کہ مردہ اپنے اہل و عیال اور دوستوں کے اعمال کو جانتا ہے جو ان کو دنیا میں پیش آتے ہیں اور یہ حالات اس پر پیش کیے جاتے ہیں اور احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ دیکھتا بھی ہے اور جو کچھ اس کے پاس کیا جاتا ہے اس کو جانتا بھی ہے۔ اگر وہ کاروائی اچھی ہو تو اس سے وہ خوش ہوتا ہے اور اگر وہ بری ہو تو اس کو اس سے رنج پہنچتا ہے اور مردوں کی رو میں اجتماعات بھی کرتی ہیں۔ لیکن صرف اعلیٰ روحیں ادنیٰ کی طرف نازل ہوتی ہیں اس کے برعکس نہیں۔“ (۳)

وَسَمَاءُ الْمَيِّتِ لِلْأَصْوَاتِ مِنَ السَّلَامِ وَالْقِرَاءَةِ حَقٌّ

”مردہ کا سلام و قرأت کی آوازوں کو سنا حق ہے۔“ (۴)

”شیخ الاسلام“ موصوف نے زائرین قبر پر ایک کتاب ”الجواب الباہر“ لکھی ہے۔ اس کتاب میں موضوع روایات کی بھرمار کر کے اور بے سند باتیں بیان کر کے ”شیخ“ گویا ”الاسلام“ سے بالکل ”باہر“ ہو گئے ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ فرمائیے:

✍ جب کوئی نبی ﷺ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ نبی ﷺ کی روح لوٹا دیتا ہے اور آپ اس سلام کا جواب دیتے ہیں (صفحہ ۱۹، ۲۳، ۱۱۸، ۱۶۲)

✍ حجرہ مبارک میں داخل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپ پر سلام کہے اور یہی وہ قریب والا سلام ہے جس کا جواب رسول ﷺ دیتے ہیں (صفحہ ۲۳)

✍ قبر مکرم کی زیارت افضل ترین عمل ہے (صفحہ ۳۱) *

(۱) النمل: ۸۰/ فاطر: ۲۲

(۲) المومنون: ۱۰۰

(۳) الفتاویٰ الکبریٰ: ابن تیمیہ، جلد ۴، صفحہ ۴۴۶، ۴۴۷

(۴) اقتضاء الصراط المستقیم صفحہ ۱۸۱ طبع مصر بحوالہ تسکین الصدور: صفحہ ۳۸۴

★ نبی ﷺ نے بتایا کہ افضل ترین عمل اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان، اللہ کی راہ میں جہاد اور حج مبرور ہے۔ (بخاری: کتاب الایمان، باب من قال ان الایمان هو العمل) دیگر روایات میں اللہ کی محبت اور وقت پر صلوٰۃ ادا کرنے کو افضل ترین عمل بتایا گیا ہے۔

✍ اگر کسی قبر کی زیارت کی نیت سے سفر کیا جائے تو لاعلمی کی وجہ سے اجر بھی ملے گا اور جہالت کی وجہ سے معاف بھی کر دیا جائے گا (صفحہ ۵۴)

✍ قبر نبویؐ کے مسجد نبویؐ میں شامل ہو جانے کے بعد بھی اس مسجد میں نماز ادا کرنے کی فضیلت و عظمت باقی ہے (صفحہ ۵۵)

✍ ”امام احمد بن حنبل سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ آنحضرتؐ کی قسم کھائی جاسکتی ہے“ (صفحہ ۵۶) *

✍ آپؐ قریب سے سلام سن لیتے ہیں اور جو شخص دور ہو اس کا سلام آپؐ تک بذر یعد ملا نہ پہنچا دیا جاتا ہے (صفحہ ۱۲۰)

✍ عبداللہ بن عمرؓ قبر مکرم پر آتے تو کہتے: السلام علیک یا رسول اللہ، اے ابو بکر آپؓ پر سلام ہو، اے ابان آپؓ پر سلام ہو (صفحہ ۱۲۱، ۱۲۲)

✍ آپؐ کی عادت مبارکہ تھی کہ جو شخص سلام کہتا آپؐ اس کا جواب دیتے۔ اور اب بھی جو شخص قبر مکرم کے قریب جاکر سلام عرض کرتا ہے آپؐ اس کا جواب دیتے ہیں (صفحہ ۱۳۵)

✍ جو شخص ایسے انسان کی قبر کے پاس آتا ہے جسے وہ زندگی میں جانتا تھا اور اس کو سلام کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ مرنے والے کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیتا ہے جس سے وہ سلام کہنے والے کو جواب دیتا ہے (صفحہ ۱۳۵، ۱۳۶)

✍ سلام کہنے کا اجر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے وہ میت کے جواب دینے سے ہزار بار درجہ افضل و اعلیٰ ہے (صفحہ ۱۳۶)

✍ دور کا سلام قریب والے سلام سے افضل ہے۔ قریب سے سلام پڑھنے میں مومنین خواہ زندہ ہوں یا فوت شدہ برابر ہیں (صفحہ ۱۵۱)

✍ صحابہ کرام جب ام المومنین عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کوئی سوال پوچھتے تو حجرہ مبارک میں چلے جاتے اور نبیؐ کو اسی طرح سلام کرتے جس طرح آپؐ کی زندگی میں کیا کرتے تھے (صفحہ ۱۳۵، ۱۵۱)

✍ سلام کرنا ہر مسلمان کے حق میں ضروری ہے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ کیونکہ ہر مومن سلام کا جواب دیتا ہے۔ (صفحہ ۱۵۹)

ابن تیمیہ صاحب کی دکھائی ہوئی راہ پر چلتے ہوئے ان کے شاگرد ابن قیم صاحب نے بھی اس موضوع پر ”مکتاب الروح“ کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب لکھی اور اس میں ”ہو نہار شاگرد“ نے وہ ساری کسریں بھی پوری کر دیں جو ”استاذ محترم“ نے چھوڑ دی تھیں!

* اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ خبردار اللہ کے سو کسی کی قسم نہ کھاؤ (بخاری: کتاب مناقب الانصاف باب ایام الجاہلیہ) جس نے اللہ کے سو کسی اور کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ (ابوداؤد: کتاب الایمان والنذور، باب فی کراہیۃ الحلف بالاباء)

خوف طوالت سے اقتباس نہیں دیئے جارہے ورنہ اس کتاب کا ایک ایک صفحہ گزشتہ سطور میں مذکور ان تمام قرآنی آیات کی تکذیب کرتا ہے جو بتاتی ہیں کہ مردے میں کوئی شعور اور حس نہیں، وہ دیکھنے سننے، بولنے حرکت کرنے کے تمام حواس سے عاری ہے اور قیامت سے پہلے زندہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ کتاب ثابت کرتی ہے کہ

- ☞ مردے کو جب سلام کیا جائے تو اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے (صفحہ ۱۷)
- ☞ وہ اپنے کانوں سے اس سلام کو سنتا ہے (صفحہ ۱۸)
- ☞ وہ قبر کی زیارت کرنے والے کو پہچانتا ہے (صفحہ ۱۷)
- ☞ اس کے آنے سے خوش ہوتا ہے (صفحہ ۱۸)
- ☞ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے (صفحہ ۱۷)
- ☞ اگر کوئی اس کے نزدیک نماز پڑھتا ہے تو وہ اس کو دیکھتا ہے (صفحہ ۱۸)
- ☞ اسے نماز کی خبر ہو جاتی ہے (صفحہ ۱۸)
- ☞ وہ اس زائر پر نماز کی وجہ سے رشک کرتا ہے (صفحہ ۱۸)
- ☞ یہ قبر سے ٹیک لگانے والے کو پکار کر کہتا ہے کہ یہاں سے ہٹ جاؤ مجھے تکلیف نہ دو، اور وہ سن لیتا ہے (صفحہ ۱۸)

- ☞ قبر والے کو زائر کے سلام کرنے کی اور اس کی دعا کا علم ہو جاتا ہے (صفحہ ۱۹)
- ☞ بلکہ اسے لوگوں کے دل کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے (صفحہ ۲۵)
- ☞ وہ اپنی اولاد کو بہت دور سے آتا دیکھ لیتا ہے (صفحہ ۲۶)
- ☞ اور جب وہ آنے میں مانع کرے تو خواب میں آکر شکوہ کرتا ہے (صفحہ ۲۵)
- ☞ اپنے اہل و عیال کے حالات سے باخبر رہتا ہے (صفحہ ۲۶)
- ☞ اپنی اولاد کی نیکیوں سے خوش ہوتا ہے (صفحہ ۲۶)
- ☞ مردے خواب میں آکر غیب کی خبریں دیتے ہیں (صفحہ ۳۲ وغیرہ)
- ☞ مردے ایک دوسرے کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے درختوں پر پرندے پہچانے جاتے ہیں۔
- ☞ اگر کوئی کسی مردے سے کہے کہ فلاں مردے کو میرا سلام کہدینا تو وہ کہدیتا ہے۔ (صفحہ ۳۸)

اپنی انہی باتوں کو ثابت کرنے کے لیے قصیدہ نونیہ میں یوں سخن طرازی فرماتے ہیں:

هَذَا وَرَدٌ نَبِينَا تَسْلِيمٌ مِّنْ يَّاقِي بِتَسْلِيمٍ مَّعَ الْإِحْسَانِ

مَا ذَاكَ مُخْتَصًّا بِهِ، أَيْضًا كَمَا قَدْ قَالَهُ الْمَبْعُوثُ بِالْقُرْآنِ
مَنْ زَارَ قَبْرَ آخِرٍ لَهُ فَأَتَى بِتَسْلِيمٍ عَلَيْهِ وَهُوَ ذُو إِيْمَانٍ
رَدَّ اللَّهُ عَلَيْهِ حَقًّا رُوحَهُ حَتَّى يُرَدَّ عَلَيْهِ رَدًّا بَيِّنًا

”اور یہ امر صحیح ہے کہ ہمارے نبی ﷺ عمدہ طریقے سے اس شخص کے سلام کا جواب دیتے ہیں جو آپ کو سلام کہتا ہے۔ یہ بھی آپ کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جیسا کہ خود اس ذات گرامی نے فرمایا جس کو قرآن وے کر بھیجا گیا، جس شخص نے اپنے کسی مومن بھائی کی قبر کی زیارت کی اور اس نے سلام کہا تو پروردگار یقینی طور سے اس پر اس کی روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کا جواب واضح بیان سے لوٹاتا ہے۔“ (1)

”حیات النبیؐ کے متعلق ان کے استاد کا کہنا تھا کہ:

”انبیاء کے گوشت کو زمین سڑاتی نہیں، نہ ہی اسے درندے کھاتے ہیں۔“ (2)

”حضورؐ نے فرمایا کہ میری قبر پر میلے نہ رچانا، جہاں کہیں تم ہو مجھ پر درود بھیجتے رہنا۔ تمہارا درود مجھے ضرور پہنچے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ روح کو میری طرف لوٹاتا ہے۔ میں اس شخص کو سلام کا جواب دیتا ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر فرشتے تعینات کر دیے ہیں جو کہ میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچا دیا کریں گے..... تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جائے گا.....“ (3)

(1) القصيدة النونية: فصل حياة الرسل في القبور، صفحہ ۱۳۴/ ترجمہ بحوالہ تسکین الصدور، صفحہ ۳۸۵

(2) اقتضاء الصراط المستقیم: صفحہ ۱۶۶

★ ان روایات کی حقیقت ہمارے کتابوں ”یہ حزار یہ میلے“ اور ”ایمان خالص قطر دوم“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اہلحدیثوں کے ان ”شعین“ کی بیان کردہ انہی ضعیف و موضوع روایات کی بنیاد پر آج ان نام نہاد اہلحدیثوں کا یہ عقیدہ بنا ہوا ہے کہ مردہ اسی دنیاوی قبر میں زندہ ہو جاتا ہے، اس کی روح لوٹ آتی ہے، وہ سلام سنتا ہے، اس کا جواب دیتا ہے، اس پر زندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں اہلحدیث مسلک کے بانی میاں نذیر دہلوی، نواب صدیق الحسن خان، نواب وحید الزماں، پیر جھنڈا بدیع الدین راشدی، وغیرہ ان باتوں پر قرآن و حدیث کے خلاف فتویٰ دیتے رہے جس کی تفصیل ہمارے کتابچے ”عذاب برزخ“ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ زائد حال کے اہلحدیث بھی خود کو ان اسلاف کا پیرو ثابت کرتے ہوئے ایسے ہی خلاف قرآن و حدیث فتوے دیتے ہیں۔

(3) الفرقان بین اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطن: صفحہ ۱۷۲

”شیخ الاسلام“ کے اس ”علامہ حافظ“ شاگرد نے اپنی دوسری کتابوں میں قرآن و حدیث کی مزید ”خدمت“ فرمائی ہے۔ نبی ﷺ نے تعویذ گنڈوں کو شرک قرار دیا ہے (تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہے) لیکن جب علامہ صاحب نے ”زاد المعاد“ کے نام سے نبی ﷺ کی سیرت پر ایک ضخیم کتاب لکھی تو اس میں اپنے مسکئی امام احمد بن حنبل اور استاد ابن تیمیہ سے بخار، ولادت میں آسانی، نکسیر اور گنج پن کے تعویذ بھی لکھ دیئے۔^(۱) یہودیوں کی بد اعمالیوں میں ایک بدترین حرکت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے محسن انبیاء علیہم السلام پر طرح طرح کے جھوٹے الزامات لگا کر ان کے کردار کو داغدار کرنے کی مذموم کوشش کرتے تھے۔ بائبل کی کتاب پیدائش کے مختلف ابواب ان کی اس قبیح حرکت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اللہ کے جلیل القدر نبی داؤد علیہ السلام پر انہوں نے تہمت لگائی۔^(۲) مدینے کے منافقوں نے بھی اسی طرح کی حرکت کی اور رسول اللہ ﷺ کی زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کو بھی یہی رنگ دیا۔^(۳) یہ دونوں واقعات بالکل جھوٹے ہیں اور ان پر یقین کرنا عصمت انبیاء پر حملہ اور توہین رسالت کا ارتکاب ہے اور نتیجتاً ایمان کھودینے کی جسارت ہے۔ یہاں صرف اس لیے بیان کیے گئے ہیں کہ اپنے مسلک کو مانا علیہ واصحابی قرار دینے والوں اور ان کے ممدوحین کی جرأت ظاہر ہو کہ انہوں نے کس طرح رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ﷺ کے منہج کے خلاف راہ اپنائی ہے! ابن قیم نے اپنی کتاب ”الجواب الکافی“ میں غیر عورتوں سے عشق و محبت ہو جانے کے ثبوت میں یہ دونوں واقعات بطور دلیل پیش کیے ہیں۔^(۴)

ابن تیمیہ اور ابن قیم صاحبان کے معتقدین میں ان کے ہم مذہب سعودی حنابلہ بھی ہیں جن کی خدمات کا الحمد للہ دل سے اعتراف کرتے ہیں۔ ہر چند کہ یہ تقلید سے نفرت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن احمد بن حنبل کے ان مقلدین سے ان کو قلبی لگاؤ ہے! یہ نام نہاد اہلحدیث ان

(۱) زاد المعاد: جلد ۳، صفحہ ۳۶۸

(۲) تفصیل کے لیے بائبل کی کتاب سموئیل دوم، باب ۱۱ اور ۱۲ پڑھیے۔

(۳) تفصیل کے لیے تاریخ طبری اور تاریخ ابن اثیر میں پانچ بجری کے واقعات پڑھیے۔

(۴) الجواب الکافی: صفحہ ۳۵۲، ۳۵۳۔ مترجم صاحب کے تصرف سے متعلق وضاحت کتاب ہذا کے صفحہ ۳۶۷ پر ملاحظہ فرمائیے۔

حنبلی علماء کو بڑی عقیدت اور شوق سے پاکستان بلاتے ہیں، ان کی خوب آؤ بھگت کرتے ہیں، ان سے جلسوں میں تقریریں کراتے ہیں جن کی خوب تشہیر کی جاتی ہے۔ تقلید کو شرک کہتے ہیں لیکن ان مقلد حنبلیوں کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے لیے بڑے بڑے اجتماعات کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان حنبلیوں کے تحقیقی و اشاعتی اداروں میں یہی اہلحدیث نظر آتے ہیں، ان کی تالیفات کے تراجم شائع کرنے والے یہی اہلحدیث ہیں، ان کی یونیورسٹیوں میں سعودی و ظیفوں پر ”علم و فضل“ حاصل کرنے والے یہی اہلحدیث ہیں۔ ان حنبلیوں کے قرآن و حدیث کے خلاف اور قبر پرستی کی بنیاد فراہم کرنے والے عودِ روح یعنی قبر میں مردے کے زندہ ہو جانے کے کفریہ عقیدے کی گرفت کی جائے تو ان ہستیوں کا دفاع کرنے والے بھی یہی اہلحدیث ہوتے ہیں! ان کے سامنے جب یہ ثابت کیا جائے کہ احمد بن حنبل نے اپنے اہل تعلق کو قرآن و حدیث کے خلاف اس بات پر ایمان لانے کی تلقین کی کہ قبر کے اندر مردے میں روح واپس لوٹ آتی ہے، تو اس پر یہ لوگ ان کے مناقب بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں! ان کی زبانیں ان کے ایک اور مقلد محمد بن عبد الوہاب نجدی کی تعریف و توصیف سے بھی تر رہتی ہیں جو توحید کے بیان میں اتنا آگے بڑھ گئے کہ مسند احمد میں اپنے امام کی بیان کردہ غلط روایت کو بنیاد بنا کر آدم و حوا علیہما السلام کو شرک سے متہم کر دیا! (۱) یہ نجدی صاحب احمد بن حنبل کے اس قدر غالی مقلد و معتقد تھے کہ اکثر کہا کرتے تھے:

يَا أَيُّ لِسَانٍ أَشْكُرُ اللَّهَ أَنَّهُ ... لَذُو نِعْمَةٍ قَدْ أَحْجَزَتْ كُلُّ شَاكِرٍ
حَبَابِي يَا لِإِسْلَامٍ فَضْلًا وَ نِعْمَةً ... عَلَيَّ وَ بِالْقُرْآنِ نُورَ الْبَصَائِرِ
وَبِالنَّبِيِّ الْعَظِيمِ اعْتِقَادُ ابْنِ حَنْبَلٍ ... عَلَيْهَا اِعْتِقَادِي يَوْمَ كَشَفَ السَّرَائِرِ

”میں کس زبان سے اللہ کا شکر کروں کہ وہ ایسا صاحبِ نعمت ہے کہ ہر شکر کرنے والا اس کے شکر سے عاجز ہے؛ اس نے مجھ پر فضل و نعمت فرماتے ہوئے اسلام بخشا اور قرآن کا علم دیا جو آنکھوں کا نور ہے، اور سب سے بڑی نعمت یہ کہ ابن حنبل کا عقیدہ دیا؛ یہی میرا عقیدہ اس دن ہو گا جب راز کھل جائیں گے“ (۲)

(۱) کتاب التوحید: صفحہ ۱۲۵

(۲) مقدمہ کتاب التوحید: صفحہ ۱۹

الحدیث ان نجدی صاحب کے کارناموں کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں اور انہیں ”وقت کا عظیم مصلح اور مجدد شیخ الاسلام“ گردانتے ہیں (1)

”جس کے جذبہ توحید اور ایمانی خلوص نے محمد بن سعود کو شرک و بدعت کے لیے شمشیر بے نیام بنادیا اور یوں رحمت رحمان سے انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں جزیرہ نمائے عرب کا بہت بڑا حصہ شرک و بدعات کی ظلمتوں سے نکل کر پھر خالص قرآن و سنت کے نور سے جگمگا اٹھا۔“ (2)

ان کا یہ کارنامہ واقعی لائق تحسین ہے کہ انہوں نے اونچی قبریں زمین کے برابر کر دیں اور ان پر تعمیر قبے ڈھادیئے۔ تَسْوِيَةُ الْقُبُورِ بیشک حکم رسول ﷺ ہے (3) جس کی تعمیل بفرمان الہی لازم ہے، (4) لیکن جب یہی نجدی صاحب قبے ڈھاتے ہوئے گنبد خضراء پر پہنچے جو کہ نبی ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی میں آپ ﷺ کی وفات کے تقریباً سات سو سال بعد آپ ﷺ ہی کی قبر پر تعمیر کیا گیا، تو موصوف پکار اٹھے کہ فِدَاكَ اَبِي وَ اُمِّي (یعنی میرے ماں باپ آپ پر قربان)۔ اس کے بعد سے آج تک سعودی عرب کی حنبلی حکومت اس گنبد کی خادم ہے اور اس کے تحفظ اور بقاء پر لاکھوں ریال خرچ کرتی ہے۔ اور وہ ایسا کیوں نہ کریں جب کہ ان کے باپ عبدالعزیز آل سعود نے اس کا عزم بالجزم کیا تھا! الحمدیشوں کے ایک بڑے عالم اور مصنف صلاح الدین یوسف نے ”قبر پرستی“ کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف کی جس میں قبروں کو پختہ کرنے، ان پر عمارات تعمیر کرنے، ان کی پرستش کرنے وغیرہ کی ممانعت کو بڑی تفصیل سے بیان کیا۔ لیکن کتاب کی ابتداء ہی میں بڑے نمایاں طور پر گنبد خضراء کے متعلق وضاحت بیان کرتے ہوئے سلطان عبدالعزیز کا یہ فرمان نقل کیا کہ

”روضۃ الرسول کے متعلق کسی بحث کی ضرورت نہیں۔ اس کا تحفظ اور بقاء ہر مسلمان کے لیے فرض ہے اور جس کی حفاظت کے لیے یہ اعلان کرتا ہوں کہ اپنی جان اور تمام خاندان کو اس پر قربان کر دوں گا۔“ (5)

(1) آسمانی جنت اور دریاری جہنم: صفحہ ۱۵۶

(2) آسمانی جنت اور دریاری جہنم: صفحہ ۱۵۷

(3) مسلم: کتاب الجنائز وغیرہ

(4) الحشر: ۷، النساء: ۶۵

(5) قبر پرستی: صفحہ اول اور ۱۹۴

قرآن و حدیث کی تعلیمات کے خلاف تعمیر کیے جانے والے اس گنبد کی ان نام نہاد اہلحدیثوں کے نزدیک کیا حیثیت ہے، اس کا اندازہ ان کے سلف امجد ثناء اللہ امرتسری صاحب کے فتوے سے ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

”ہم آپ کے روضہ مبارک کی زیارت کو مسنون اور کارِ ثواب جانتے ہیں۔“ (1)

حالانکہ یہی امرتسری صاحب اپنے فتوؤں میں ایک دوسری جگہ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ

”۸۷: تک تو آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک پر کوئی قبہ نہ تھا۔ اس کے بعد ملک منصور صالحی کے زمانے میں قبہ بنا۔“ (2)

یہ بات قابل غور ہے کہ جس گنبد کا وجود نبی ﷺ کی وفات کے بعد سات صدیوں تک نہ تھا اور جس کی تعمیر سے نبی ﷺ نے اپنی حیات میں منع بھی فرمایا تھا لیکن حکم رسول ﷺ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پھر بھی بنادیا گیا تو اس کا دیکھنا کیسے ثواب ہو سکتا ہے؟ نبی ﷺ نے توقبور کو آراستہ و مزین کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

احمد بن حنبل کی تقلید کرنے والی اسی حنبلی سعودی حکومت کے مفتی اعظم عبدالعزیز بن عبد اللہ بن باز تھے جن کے فتاویٰ کا اہلحدیثوں نے اردو ترجمہ کر کے شائع کیا ہے۔ یہ اپنے فتاویٰ میں قرآن پڑھنے کی اجرت لینے کو جائز کہتے تھے (3) حالانکہ نبی ﷺ نے اس کو ناجائز قرار دیا۔ (4) یہ مفتی صاحب میت کے لیے کیے جانے والے صدقہ خیرات کا ان کو فائدہ ہونے یعنی ایصالِ ثواب کے درست ہونے پر بھی فتویٰ دیتے تھے۔ (5) یہ ابن باز

(1) فتاویٰ ثنائیہ: جلد ۱، صفحہ ۸۹

(2) فتاویٰ ثنائیہ: ۳۸۶

(3) فتاویٰ عبدالعزیز بن عبد اللہ بن باز: جلد ۱، صفحہ ۲۱۵

(4) تفصیل ہمارے کتابچے ”وین داری یاد کانداری“ میں ملاحظہ فرمائیے۔

(5) صفحہ ۲۱۷۔ اہلحدیثوں کے عقائد بیان کرتے ہوئے ان کی ایک بڑی سرکردہ شخصیت ثناء اللہ امرتسری صاحب بھی ایصالِ ثواب کا فتویٰ دیتے ہیں۔ نذر نیاز کے متعلق فرماتے ہیں: ”ان صدقات و نذرات کا دینے والا اگر اس خیال سے دیتا ہے کہ یہ بزرگ مجھے کچھ فائدہ پہنچائیں گے۔ یا میری کوئی بلا ٹال دیں گے تو ایسے صدقات کھانا حرام ہے اور اگر ان صدقات کا قبول کرنے والا خدا کو جانے اور یہ نیت کرے کہ یہ کام فلاں بزرگ کی طرف سے کرتا ہوں تاکہ اس کا ثواب اس بزرگ کو پہنچے تو یہ جائز ہے۔“ (الحدیث کا مذہب: صفحہ ۳۰)

صاحب اپنے امام احمد بن حنبل، ابن تیمیہ اور ابن قیم کی گزشتہ صفحات میں درج کردہ خلافِ قرآن و حدیث باتیں بیان کرنے سے بھی باز نہ آئے۔ حج و عمرے کے مسائل پر مشتمل ان مفتی صاحب کی مؤلفہ ایک پاکٹ بک سعودی حکومت حاجیوں کو مفت تقسیم کرتی ہے۔ اس کتاب میں اپنے ان ”ائمہ ثلاثہ“ کی بیان کردہ موضوع روایات کی بنیاد پر نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے موقع پر کھڑے ہو کر ادب کے ساتھ خطاب کے صیغے میں سلام کرنا، وہاں مناجات کرنا، نبی ﷺ کی روح کا لوٹا دیا جانا، سلام کا سننا، وغیرہ بیان کیا^(۱) اور بتایا کہ نبی ﷺ کی قبر کے پاس زور سے بات نہ کی جائے کیونکہ اللہ نے سورۃ الحجرات میں نبی ﷺ کے سامنے آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے۔^(۲) اور یہ بھی فرمایا کہ ”اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں برزخی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں۔“^(۳) اور مزید یہ کہ:

”نبی اپنی قبر میں آرام فرما رہیں اور آپ کی روح مبارک اللہ تعالیٰ کے پاس عزت و کرامت کے اعلیٰ مقام علین میں ہے۔“^(۴)

جب اتنی بڑی بادشاہت کا سرکاری مفتی، نبی ﷺ کا اپنی دنیاوی قبر میں زندہ ہونے کا فتویٰ دے تو پھر جب بریلوی لوگ قرآن کی آیت

اسی وجہ سے اپنے مدرسے کی تعمیر کے لیے چندہ مانگتے ہوئے لوگوں کو یہ کہہ کر تحریص دلائی جاتی ہے کہ ”اپنے مرحومین کی طرف سے صدقہ جاریہ کا بہترین موقع۔“ (صحیفہ احمدیت، کراچی، یکم تا ۱۶ ستمبر ۱۹۹۸ء، ایک ناسط)

(۱) پاکٹ بک کا صفحہ ۱۵۰، ۱۵۱

(۲) پاکٹ بک کا صفحہ ۱۶۳، ۱۶۲۔ تب ہی تو نبی ﷺ کی قبر کی جالیوں کے اوپر یہ آیات نمایاں طور پر آویزاں کی گئی ہیں کہ ”اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو۔ اور ان سے اس طرح زور سے نہ بولو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے بولتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں اس کا شعور بھی نہ ہو۔ جو لوگ اللہ کے رسول کے سامنے اپنی آواز کو نیچا رکھتے ہیں، ان کے قلوب کو اللہ نے تقویٰ کے لیے آزمایا ہے۔ ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے“ (الحجرات: ۲، ۳)

(۳) پاکٹ بک کا صفحہ ۱۶۰

(۴) بدعات مروجہ: صفحہ ۱۸۔ گزشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ علیین کسی مقام کا نہیں بلکہ لکھے ہوئے اعمال نامے کا نام ہے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ
الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (النساء: ۶۴)

”اور جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا تو اگر وہ آپ کے پاس آتے اور اللہ سے مغفرت چاہتے
اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت چاہتا تو وہ ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے“

سے غلط استدلال کرتے ہوئے اپنے گناہوں کی مغفرت کے لیے قبر نبوی پر آہ و زاری کرتے
ہیں تو ان کا شرطہ پھر کیوں انہیں منع کرتا ہے؟ ایک غلط فعل کی بنیاد تو خود ہی فراہم کرتے
ہیں پھر جب لوگ اس کی بنیاد پر وہ عمل کرنے لگتے ہیں تو اسے غلط سمجھ کر اس سے روکتے
ہیں! غلط عمل روکنے سے پہلے اس کی بنیاد پر روک لگائی جائے۔

حنبلی مسلک کی ایک اور مقتدرہ شخصیت عبد القادر جیلانی صاحب بھی ہیں جن کی کتاب
غنیۃ الطالبین وغیرہا کے یہ الہمدیث لوگ اپنے فاتحہ خلف الامام، رفع الیدین وغیرہ جیسے مخصوص
واتیازی مسائل کے لیے حوالے دیا کرتے ہیں۔^(۱) ایک الہمدیث عالم تو یہاں تک لکھتے ہیں:

”حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ عظیم المرتبت بزرگ ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت امام ابن
تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو کثیر انکرامت ولی اللہ لکھا ہے۔ آپ کی سب سے بڑی کرامت یہی ہے
کہ آپ نے اپنی پوری زندگی شریعت اسلامیہ کے مطابق گزاری ہے اور آپ نے شرک و بدعت کا
قلع قمع کیا ہے اور توحید و سنت کی دعوت دی ہے اور مردہ سنتوں کو زندہ کیا ہے۔ اسی لئے آپ کا لقب
”محي الدين“ ہے۔ یہ بھی آپ کی زندہ کرامت ہے کہ جو شخص آج بھی آپ کی کتابیں (غنیۃ
الطالبین، فتوح الغیب، الفتح الربانی) پڑھتا ہے اسے سیدھا راستہ مل جاتا ہے اور موجودہ مروجہ شرک و
بدعت سے تائب ہو کر قرب الہی پالیتا ہے۔ مؤلف کتاب ہذا اس کرامت کی زندہ دلیل ہے۔“^(۲)

قرآن و حدیث کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے یہ لوگ ذرا بتائیں کہ ان کے ممدوح ”حضرت
پیر ابن پیر شیخ عبد القادر جیلانی“^(۳) کی درج ذیل باتیں قرآن و حدیث کے کن احکامات کے
مطابق ہیں:

(۱) فاتحہ خلف الامام: صفحہ ۱۳/ صلوٰۃ الرسول: صفحات ۲۰۵، ۲۳۵، ۲۳۶

(۲) مرشد جیلانی کے ارشادات: صفحہ ۹۲

(۳) صلوٰۃ الرسول: صفحہ ۲۳۵

”جو ان عورت کو مرد کا سلام کرنا مکروہ ہے۔ ہاں اگر وہ بے پردہ منہ کھول کر باہر نکلتی ہو تو کوئی حرج نہیں۔“ (1)

”کھلے منہ بوڑھی عورت کی چھینک کا جواب دینا مرد کے لیے جائز ہے اور نقاب پوش جو ان عورت کی چھینک کا جواب دینا مرد کے لیے ناجائز ہے۔“ (2)

”روضہ مبارک کی زیارت کے آداب:

”وَعَاكَرَ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتُوْجِّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ عَلَیْهِ سَلَامٌ كَ نَبِیِّ اُمِّ حَمْتٍ یَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَتُوْجِّهُ بِكَ اِلَی رَّبِّی“ (ترجمہ: اے اللہ میں تیرے نبی کے طفیل جن پر تیرا سلام ہو اور جو نبی رحمت ہیں، تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ یا رسول اللہ! میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں) (3)

بخار، نکیر، ولادت میں آسانی، وغیرہ کے تعویذ۔ (4)

نبی ﷺ نے اپنے رب کا گیارہ مرتبہ دیدار کیا۔ (5)

”ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ مردے کے پاس جب کوئی زیارت کو آتا ہے تو وہ اس کو پہچانتا ہے۔ جمعہ کے دن طلوع فجر کے بعد سورج نکلنے سے پہلے یہ شناخت زیادہ قوی ہوتی ہے۔“ (6)

”روح کو دوبارہ جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے۔“ (7)

”گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ وغیرہ پڑھ کر صاحب قبر کو بطور ہدیہ بھیجے اور اللہ سے عرض کرے: الٰہی اس سورت کو پڑھنے کا ثواب اگر تو نے میرے لیے مقرر کیا ہے تو میں وہ ثواب اس قبر والے کے لیے ہدیہ کرتا ہوں۔“ (8)

ایک فاحشہ و بدکار عورت جو سارا دن بدکاری کراتی، توبہ کے بعد بنی اسرائیل کے سات نبیوں کی ماں بنی۔ (9) (معاذ اللہ)

(1) غنیۃ الطالبین: باب اسلامی اخلاق و تہذیب، صفحہ ۳۶

(2) غنیۃ الطالبین: صفحہ ۳۷

(3) غنیۃ الطالبین: صفحہ ۶۹

(4) غنیۃ الطالبین: صفحہ ۶۸

(5) غنیۃ الطالبین: باب مدینے شریف کی زیارت، صفحہ ۳۲

(6) غنیۃ الطالبین: باب اللہ کی معرفت اور اس کے دلائل، صفحہ ۱۰۱

(7) غنیۃ الطالبین: باب اللہ کی معرفت اور اس کے دلائل، صفحہ ۱۰۱

(8) غنیۃ الطالبین: صفحہ ۱۰۳

(9) غنیۃ الطالبین: توبہ کا بیان، صفحہ ۱۹۰

﴿پندرہویں شعبان کی بے پناہ فضیلت۔ (1)﴾

﴿پندرہویں شعبان کی عبادت: سور کعتوں میں ایک ہزار بار سورۃ اخلاص یعنی ہر رکعت میں دس مرتبہ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ کی قرأت کی جائے۔ اس نماز کا نام صلوٰۃ خیر ہے، اس کی برکتیں پھیلتی ہیں۔

﴿سلف صالحین یہ نماز جماعت سے پڑھتے تھے۔ اس نماز کی بڑی فضیلت اور کثیر ثواب ہے۔﴾ (2)

﴿جب حضرت حوا کو اللہ نے حضرت آدمؑ کی بائیں چھوٹی پٹلی سے سوتے میں پیدا کیا اور حضرت آدم نے بیدار ہو کر حوا کو پاس بیٹھی ہوئی دیکھا تو پوچھا تو کس کے لیے ہے۔ حوا نے کہا آپ کے لیے۔

حضرت آدم نے ان کو چھونا چاہا۔ حکم ہوا بغیر مہر ادا کیے ہوئے اس کو ہاتھ نہ لگانا۔ آدمؑ نے عرض کیا الہی اس کا مہر کیا ہے۔ اللہ نے فرمایا نبی آخر الزماں ﷺ پر دس بار درود پڑھنا اس کا مہر ہے۔﴾ (3)

آخری باب سے پہلے کے دو باب تصوف پر مشتمل ہیں جن میں صوفیوں کی تمام اصطلاحات درج کی گئی ہیں۔ سلوک و ریاضت، مرید و شیخ کے تعلقات، پیری مریدی کے آداب سبھی کچھ موجود ہے۔ اس کے بعد مختلف آداب بیان کرتے ہوئے قوالی سننے کے آداب بھی بیان کیے ہیں۔ ابراہیم ادھم، جنید بغدادی، سری سقطی، بایزید بسطامی وغیرہ صوفیوں کے اقوال اور ان کے واقعات بھی بیان کیے ہیں۔ بایزید صاحب کا درج ذیل یہ واقعہ پڑھ کر اندازہ کیجیے کہ قرآن و حدیث کی کون سی خدمت ہو رہی ہے؟ کیا یہ وہی شخصیت ہے جس کے درس میں جن وانس، ملائک اور تمام انبیاء شرکت کرتے تھے اور بقول حضرت ﷺ نجات، فلاح و کامیابی ان کی محفل میں شرکت پر ہی موقوف تھی؟ (4)

﴿ابوموسیٰ دہلی نے کہا میں نے عبدالرحمن بن یحییٰ سے توکل کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ تو اڑدھسے کے منہ میں پنچے تک بھی ہاتھ ڈال دے تو خدا کی معیت کی وجہ سے کسی سے ہرگز نہ خوف کھائے (اس کو توکل کہتے ہیں)۔ اس کے بعد ابوموسیٰ نے کہا کہ میں ابویزید بسطامی کی جانب توکل کی حقیقت دریافت کرنے نکلا۔ چنانچہ شہر بسطام میں داخل ہوا اور ان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ (اندر سے) انہوں نے کہا:

(1) غنیۃ الطالبین: چھٹے باب کا آخر

(2) غنیۃ الطالبین: صفحہ ۲۵۶

(3) غنیۃ الطالبین: باب ۱۱ برکتوں والے مہینوں اور دنوں کے فضائل: پانچ پیغمبروں کے لیے

دس خاص چیزیں، صفحہ ۲۸۴

(4) اخبار الاخیار: صفحہ ۳۲ وغیرہ

ابوموسیٰ کیا تمہارے لیے عبد الرحمن کا جواب کافی نہیں کہ میرے پاس آئے ہو اور مجھ سے پوچھتے ہو۔ میں نے عرض کیا: اے آقا! دروازہ کھول دیجیے۔ جواب دیا اگر تم ملاقاتی کی حیثیت سے آئے ہوتے تو میں ضرور دروازہ کھول دیتا۔ تم دروازے پر ہی جواب لے لو اور لوٹ جاؤ (توکل یہ ہے کہ) اگر وہ سانپ جو عرش کو حلقہ کیے ہوئے ہے تیری جانب بڑھے تو خدا کی معیت کی بناء پر ذرا بھی خوف نہ کھانا۔ ابوموسیٰ نے بیان کیا کہ اس کے بعد میں لوٹ آیا۔ دہلی پہنچا۔ وہاں ایک سال ٹھہرا۔ پھر میں نے ملاقات کا ارادہ کیا۔ اور حضرت ابویزیدؓ کی جانب چل نکلا۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو مجھ سے فرمایا خوش آمدید۔ آداب تم میرے پاس ملاقاتی کی حیثیت سے آئے ہو۔ اس کے بعد میں ان کے پاس ایک ماہ تک ٹھہرا۔ اس عرصے میں کوئی ایسی بات پیش نہیں آئی جس کی انہوں نے میرے سوال سے قبل خبر نہ دے دی ہو۔ آخر میں نے ان سے کہا: ابویزید! میں جانا چاہتا ہوں اور آپ سے کوئی فائدہ بھی ملنا چاہیے۔ فرمایا جان لو مخلوقات کا فائدہ کوئی فائدہ نہیں لہذا جاؤ۔ میں نے اسی قول کو فائدہ بنالیا اور لوٹ آیا۔“ (1)

یہ حنا بلہ قرآن و حدیث کے خلاف کتنی ہی وہی تباہی باتیں کیوں نہ بنائیں لیکن ستم ظریفی دیکھیے کہ یہ الحدیث جو اپنے مسلک کو ”ما انا علیہ واصحابی“ اور ”عین منہج صحابہ“ قرار دیتے ہیں، ان لوگوں کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا تے رہتے ہیں، صرف اس وجہ سے کہ وہ ان کے مشہور مسائل آمین بالجہر، رفع الیدین وغیرہ کے قائل تھے! اور جو ان کے پسندیدہ مخصوص مسائل پر عمل نہ کرتا ہو تو یہ اس سے سخت بغض رکھتے ہیں خواہ وہ جلیل القدر صحابہ ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسے عبد اللہ بن مسعودؓ سے انہیں خاص عناد ہے کیونکہ وہ رکوع سے پہلے اور بعد رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان لوگوں کی جرأت دیکھیے کہ یہ انتہائی بے باکی سے اس عظیم المرتبت صحابی کی شان میں دریدہ دہنی کرتے ہوئے اُسے قرآن سے بے بہرہ اور غافل بتاتے ہیں جس کے علوم قرآن میں بڑھا ہوا ہونے کی خود معلم قرآن ﷺ نے گواہی دی۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ قرآن سیکھنا ہو تو چار صحابیوں سے سیکھو۔ اور ان میں سب سے پہلے انہی عبد اللہ بن مسعودؓ کا نام لیا۔ (2) تعجب ہوتا ہے کہ حدیث پر عمل کرنے کے بلند بانگ دعوے کرتے ہوئے انہوں نے مناقب

(1) غنیۃ الطالبین: صفحہ ۴۸۸

(2) بخاری: کتاب المناقب، باب مناقب سالم مولیٰ ابو حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما.....

صحابہ کی وہ حدیثیں کیوں نہ پڑھیں جن میں نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض کو نبی سے بغض بتایا اور سخت وعیدیں ارشاد فرمائیں! مشکوٰۃ میں مناقب صحابہ کے باب میں ایسی متعدد روایتیں موجود ہیں۔ آخر یہ کس منہ سے خود کہ ما انا علیہ و اصحابی کا مصداق گردانتے ہیں؟ مذکورہ صدران کے سارے دعوے کیا پادہ ہوا نہیں ثابت ہوتے؟

الہدیتوں کی تحریریں پڑھنے سے ایک اور بات جو سامنے آتی ہے، وہ ہے ان کا دورِ خاپن اور تضاد بیانی۔ ان کا ایک عالم ایک بات بیان کرتا ہے اور دوسرا اس کے بالکل برعکس! لیکن اس تضاد بیانی پر بھی یہ اس کے ایسے ہی مداح و معتقد رہتے ہیں جیسے اس کے برعکس بیان کرنے والے کے! ایک آدمی ایسی بات کہتا ہے جس کو یہ لوگ کھلی گمراہی، بدعت، مسلک و نفس کی پیروی، سنت کا انکار وغیرہ کہتے ہیں (جیسا کہ پچھلے صفحات میں محب اللہ راشدی صاحب کے اقوال نقل کیے گئے جو انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی پیر جھنڈہ کی جماعت کے رکوع سے کھڑے ہو کر دوبارہ ہاتھ باندھ لینے کے عمل سے متعلق کہے)، لیکن اس کے باوجود یہ لوگ اسے اللہ کی رحمت کا مستحق سمجھتے ہیں کہ ”اپنا ہی آدمی ہے“! اس کے لیے گزشتہ صفحات میں مذکور اشاعتیوں کی طرح ایک حیلہ تراشہ گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”جب کوئی مجتہد جس کے دل میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا خوف، لوگوں کی خیر خواہی ہو، دین دار ہے، ہمدردی ہے اور خالص اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا کے لیے اجتہاد کرتا ہے، پھر اس کا اجتہاد اگر صحیح بیٹھتا ہے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کو اس اخلاص کی وجہ سے اور اس کے صحیح اجتہاد کی وجہ سے دو اجر دیتا ہے، اور اگر وہ اجتہاد غلط بیٹھتا ہے، بشری تقاضے سے، سمجھ کے فرق سے، اس کا وہ اجتہاد غلط بیٹھ گیا تو پھر بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کے اخلاص کے سبب اسے ایک اجر عطا کرتا ہے۔“ (۱)

چہ خوب! فہم حدیث سے عاری اور ظاہر حدیث پر زور دینے والے یہ غیر مقلدین کب سے اہل الرائے جیسی باتیں کرنے لگے؟ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن و حدیث کے واضح و صریح نصوص کی موجودگی میں اجتہاد نہیں ہوتا۔ دورِ جدید کی سہولتوں کے پیش نظر ذرائع

رسل و رسائل کی کمی اور کتابوں کی عدم دستیابی کا بہانہ بھی نہیں چل سکتا۔ ہر طرح کی احادیث کے مجموعوں سے لائبریریاں بھری ہوئی ہیں جو کہ اب ایک چھوٹی سی ڈسک میں بھی آجاتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا ایک عالم کسی بات کو باطل ٹھہراتا ہے تو دوسرا اس کو حق قرار دیتا ہے، کسی بات کو ایک صاحب جائز کہتے ہیں تو دوسرے صاحب اسی بات کو ناجائز گردانتے ہیں! یہ باعث اجر اجتہاد کی کون سی نئی قسم وجود میں آگئی؟ ذیل میں اس تضاد کی چند مثالیں دی جاتی ہیں:

ابن تیمیہ اور ابن قیم جن کے سماع موتی کے حق میں دیئے جانے والے فتوے جو ہماری کتابوں ”عذاب برزخ“، ”وفات ختم الرسل“ وغیرہ کے آخر میں دیکھے جاسکتے ہیں، ان فتوؤں کے بارے میں قاسم گر جا کھی صاحب لکھتے ہیں:

”یہ استاذ شاگرد ایک حد تک سماع موتی کے قائل تھے مگر جس طرح وہ علم کے پہاڑ تھے، دلائل کی رو سے ان کی یہ بات اتنی وزنی اور مضبوط نہیں۔ یہ ان کی اجتہادی خطا ہے۔ گو ان کا یہ عقیدہ تھا کہ میت سلام اور تلاوت سن لیتی ہے، مگر وہ ان سے کسی قسم کے استمداد کو جائز نہیں رکھتے تھے۔“ (1)

مگر پھر بھی قاری خلیل صاحب کے موضوعہ مذکورہ صدر حیلے کی رو سے سماع موتی کے اس خلاف قرآن و حدیث غلط عقیدے پر وہ ایک اجر کے مستحق ٹھہرتے ہیں! لیکن امام ابو حنیفہ جواز روئے قرآن، سماع موتی کا شدت سے انکار بھی کرتے تھے، انہیں بجائے کسی اجر کے مستحق ٹھہرانے کے جس شدید تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے، وہ مسائل فقہ و تقلید کے خلاف لکھی جانے والی الہدایوں کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ وہاں آخر یہ اصول موضوعہ کیوں کام نہیں کرتا؟ اسے مسلکی عصیت نہ کہا جائے تو پھر کیا کہا جائے؟

واضح رہے کہ ہم کسی فقہی مسلک کی پیروی نہیں کرتے بلکہ ہمارا تو ان نام نہاد حنفیوں سے بھی یہی کہنا ہوتا ہے کہ اگر ان کے دعوے کے مطابق فقہ حنفی کے تمام مسائل واقعتاً قرآن و حدیث اور اقوال و آثار صحابہ سے ہی مانوڑ اور ثابت شدہ ہیں (کیونکہ فی الحقیقت ایسا

نہیں ہے) تو پھر ان پر یہ کہہ کر عمل کریں کہ ہم قرآن و حدیث کی پیروی کرتے ہیں، یہ نہ کہیں کہ امام ابو حنیفہ کی تقلید کرتے ہیں؛ یہ طریقے پھر حنفی نہیں بلکہ نبوی کہے جائیں ورنہ پھر یہ مان لیں کہ یہ نبی کے طریقے نہیں بلکہ مذہبِ احناف کے خود وضع کردہ ہیں۔

تصوف اور اہل تصوف کی مذمت میں اہلحدیثوں کا ہر مقرر اور محرر، عالم و مبتدی کو شاں نظر آتا ہے۔ اس کے رد میں ان کی مستقل تصنیفات ہیں۔ ”اصحاب صفہ“ کے نام سے ابن تیمیہ نے، ”تلبیس ابلیس“ کے نام سے عبدالرحمن ابن جوزی نے اور زمانہ حال میں عبدالرحمن کیلانی نے ”شریعت و طریقت“ اور یحییٰ گوندلوی نے ”دین تصوف“، وغیرہ نامی کتب میں بڑی شد و مد کے ساتھ اس ”شجر خبیثہ“ پر تیشہ زنی کی جس کا خلاصہ مؤخر الذکر کے الفاظ میں یہ ہے کہ:

”تصوف کی بنیاد جھوٹی حکایات و روایات پر مبنی ہے۔ ان لوگوں نے دل کھول کر آنحضرت ﷺ کی طرف جھوٹی روایات منسوب کیں۔ محدثین کرام نے ان کے اس جھوٹ کی وجہ سے ان سے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ ان کی مشہور کتب موضوع روایات سے بھری ہوتی ہیں..... آپ اندازہ کیجیے جو لوگ خدا اور رسول پر جھوٹ باندھنے سے گریز نہیں کرتے وہ لوگوں سے کیسے حق و صداقت کے ساتھ پیش آسکتے ہیں۔ جس کی بنیاد جھوٹ پر ہو ان سے خیر و برکت کی امید کیسے رکھی جاسکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوف دین اسلام کے مقابلے میں ایک الگ دین ہے جس کے عقائد اسلام کے عقائد سے مختلف ہیں۔“ (1)*

(1) دین تصوف: صفحہ ۱۳۵

★ اہلحدیثوں کے لٹریچر کے مطالعے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ یہ لوگ صرف انہی صوفیوں اور ان کی صوفیانہ سرگرمیوں کی مخالفت کرتے ہیں جو خود کو حنفی وغیرہ کہتے تھے، ورنہ یہی ”شجر ممنوعہ“ جب اپنے گھر میں بہار دکھائے تو پھر اس سے پھول جھڑنے لگتے ہیں۔ ہفت روزہ اہلحدیث، لاہور (۲۷ نومبر ۱۹۸۷ء صفحہ ۳) نے ”اکابر اہلحدیث کا سلسلہ بیعت و ارشاد“ کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا جس میں مضمون نگار نے لکھا کہ ”جماعت اہلحدیث کے بعض ممتاز اکابر اور نامور علماء کے تصوف و سلوک کے سلسلے جاری تھے اور انہوں نے شریعت و طریقت کے ڈانڈے باہم ملا دیے تھے۔ باقاعدہ لوگ ان کے حلقہ بیعت میں داخل ہوتے تھے اور لوگوں کو دعوتِ رشد و ہدایت دیتے تھے۔ بڑے بڑے فضلاء و اساتذہ کی مسانید بیعتِ آراستہ تھیں اور

مشاہیر علماء حصول فیض کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور نہایت ادب و احترام کے ساتھ روزانو ہو کر ان کے سامنے بیٹھتے تھے۔ ”پھر اس کے بعد عبداللہ غزنوی سے بیعت کرنے کے لیے عبدالرحمن لکھوی کاغزی جانے کا قصہ بیان کیا ہے۔ لکھا ہے کہ مرشد صاحب کو اللہ نے اطلاع کر دی اور وہ گھر والوں کو یہ کہہ کر کہ ”ایک بہت بڑے بزرگ تشریف لارہے ہیں، ان کے لیے اچھا کھانا تیار کرو“، ان کے استقبال کے لیے راستے میں جا کر بیٹھ گئے۔ (وحی آنا شاید اسی کو کہتے ہیں! اس سے پہلے چلا کہ وحی کا سلسلہ وفات النبی ﷺ کے بعد موقوف نہیں ہوا بلکہ هنوز جاری و ساری ہے!) اور جب یہ لکھوی صاحب راستے میں اپنے ہونے والے پیر غزنوی صاحب کے متعلق مخالفانہ کلمات سنتے ہیں تو اسی رات انہیں الہام ہوتا ہے کہ:

فَوَدَّ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ إِنَّهُ لَتَحَقُّ مِثْلَ مَا أَنْتُمْ تَنْطِقُونَ (الذاریت: ۲۳)

”سو قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کی، وہ برحق ہے، اسی طرح جیسے تم بات چیت کرتے ہو۔“

دوسری باریہ الہام ہوا:

وَأَنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ (سورہ ص: ۴)

”اور بے شک یہ لوگ ہمارے ہاں منتخب اور سب سے اچھے لوگ ہیں۔“

تیسری باریہ الہام ہوا:

إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ (الزخرف: ۵۹)

”وہ تو بس ہمارے ایک بندے ہیں جن پر ہم نے فضل کیا۔“

(ہفت روزہ الحمدیث، لاہور، ۲ نومبر ۱۹۹۷ء: صفحہ ۱۸)

حیرت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور انبیاء علیہم السلام سے متعلق نازل شدہ آیات سے انہوں نے اپنے پیر صاحب کا مقام کیسے پہچان لیا! الہام تو ان کے پیر صاحب کو بھی ہوتا تھا۔ یہی عبداللہ غزنوی صاحب جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے مرید لکھوی صاحب کے آنے کی براہ راست اطلاع دیدی تھی، فرماتے تھے کہ ”کئی بار مجھے یہ الہام ہوا: هَذَا كِتَابِي وَ هَذَا عَبْدِي فَأَقْرَأْ كِتَابِي عَنْ عَبْدِ كِتَابِي“ یہ میری کتاب ہے اور یہ میرے بندے ہیں، پس پڑھ میری کتاب اوپر میرے بندوں کے..... اس الہام سے مجھے روحانی زندگی مل جاتی اور تمام قسم کے غم و اندوہ دور ہو جاتے اور طبیعت میں فرحت و سرور آ جاتا۔“

(صحیفہ الحمدیث، یکم تا ۱۶ ستمبر ۱۹۹۸ء، صفحہ ۲۳)

تب ہی تو ان کے متعلق اس طرح کے قلابے ملائے جاتے ہیں کہ

”آسمان اگر ہزار بار بھی گردش کرے تو مشکل ہے کہ اب ایسی جامع کمالات ہستی معرض وجود

میں آئے۔ وہ محدث بھی تھے اور اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف بھی انہیں حاصل تھا۔“

(نواب صدیق حسن خاں: بحوالہ اہل حدیث کے چار مراکز: صفحہ ۷۷)

لیکن ”اسلام کے اس مخالف دین“ کے ائمہ ابن عربی، بایزید بسطامی، جنید بغدادی، عبدالقادر جیلانی، خاندان ولی اللہی، خانوادہ چشت، وغیرہ ان کے نزدیک پھر بھی اللہ کی رحمت کے مستحق ٹھہرتے ہیں، جن کے لیے اپنی کتابوں میں یہ لوگ ”رحمۃ اللہ علیہ“ وغیرہ کالاحقہ استعمال کرتے ہیں، جبکہ قرآن میں اللہ نے واضح کر دیا ہے کہ اسلام کے سوا کسی اور دین کی چاہ رکھنے والا مردود اور آخرت میں خائب و خاسر ہے۔^(۱)

ذرا تصوف کے ایک مخالف اہلحدیث کی یہ عبارت بھی دیکھیے جس میں یہی دوزخا اور متضاد انداز اختیار کیا گیا ہے:

”خیال رہے تصوف ایسی مہلک بیماری ہے جس نے امت مسلمہ میں افتراق کی خلیج کو وسیع کیا۔ اس کی ترویج و اشاعت سے بدعات کو فروغ حاصل ہوا۔ تاریخ شاہد ہے کہ صوفیہ کی جانب سے ہر دور میں توحید و سنت کے روشن چہرے کو مسخ کرنے کی بھرپور کوششیں کی گئیں۔ اباحت کے دروازوں کو کھولا گیا۔ چنانچہ تصوف کے حلقوں میں اس شعر کو کتنی شہرت حاصل ہے:

بے سجادہ گئیں کن گرت پیر مغال گوید۔ کہ سالک بے خبر نہ بود در راہ درسم منزل ہا *

.....“ مرد کامل اور یکتائے روزگار تھے۔ اللہ کی طرف سے الہام اور خطاب سے نوازے جاتے

تھے اور اس سے ہمکلامی کا شرف انہیں حاصل ہوتا تھا.....“ (ایضاً: صفحہ ۷۹)

اور نبی ﷺ سے آپ کے تعلق کا یہ عالم تھا کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ ”حضرت کیا آپ کو کبھی آنحضرت ﷺ کی زیارت بھی ہوئی ہے؟“ آپ نے فرمایا: کیا پوچھتے ہو، بخدا اگر کسی ہفتے یہ نعمت عظمیٰ نصیب نہ ہو تو میں بے قرار ہو جاتا ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ مجھے ہفتے میں ایک بار ضرور آنحضرت ﷺ کی زیارت نصیب ہو جاتی ہے۔“ (کرامات الہدیہ از مولوی عبدالمجید سوہدروی، صفحہ ۲۵) انہی غزنوی اور لکھنوی صاحب کے ساتھ قلعوی، قاضی اور روپڑی تین اور اہلحدیث صوفیوں کے اسی ”کرامات الہدیہ“ نامی کتاب میں پچاس سے زیادہ ایسے واقعات بیان کیے گئے ہیں جن کے سامنے دیوبندی بریلوی حنفی وغیرہ صوفیوں کے واقعات بھی بچ نظر آتے ہیں۔ یاد رہے کہ ان کے بدیع الدین راشدی صاحب جو کہ خود ”ساتویں پیر جہنڈہ“ ہیں، ان کا یہ دعویٰ پیچھے نقل کیا جا چکا ہے کہ اہلحدیث پیری مریدی کو نہیں مانتے اور اس سے بیزار ہیں!

(خطبات راشدیہ: صفحہ ۱۷۷)

(۱) وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ (آل عمران: ۸۵) ★ یعنی اگر پیر کہتا ہے کہ اپنے مصلے کو شراب سے رنگ تو رنگ لینا چاہیے اس لیے کہ پیر منزل کی راہ و رسم سے بے خبر نہیں ہوتا (یعنی جو کچھ وہ کہتا ہے حق ہوتا ہے) [دیوان حافظ شیرازی]

تصوف کو خوشنما انداز میں پیش کیا گیا۔ اس طرح سادہ لوح عوام کو فریب میں مبتلا رکھا گیا۔ اس کی قیاحتوں کو نظر سے اوجھل رکھنے کے لیے اس کا نام زہد عبادت ذکر و فکر طریقت رکھا گیا۔ حالانکہ الحاد و زندقہ وحدت الوجود جیسے مشرکانہ نظریات کے پھیلنے کا سبب تصوف ہی ہے۔۔۔۔۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادیؒ اور ان کے ہم مشرب بزرگان دین صالح قسم کے تصوف پر فائز تھے جسے اسلامی شریعت میں زہد کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انہوں نے بھی اصلاحی کوششیں کیں۔ وہ کتاب وسنت کی رہنمائی میں آگے بڑھتے رہے۔ وہ برابر صراط مستقیم پر گامزن رہے۔۔۔۔۔ (1)

یعنی تصوف ان کے نزدیک فریب، دھوکہ اور مہلک بیماری ہے، اس سے افتراق پیدا ہوتا ہے، الحاد و زندقہ، شرک و بدعت کو فروغ ملتا ہے اور توحید وسنت مسخ ہو جاتی ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ انہی ”اوصاف“ کے حامل دین تصوف کے علمبردار ”جنید بغدادی اور ان کے ہم مشرب بزرگان دین“ پھر بھی ”کتاب وسنت کی رہنمائی میں آگے بڑھتے رہے۔۔۔۔۔ برابر صراط مستقیم پر گامزن رہے“! نہ جانے کس بنا پر یہ استثنیٰ روا رکھا گیا ورنہ یہی مصنف موصوف آگے چل کر جب تصوف کو کتاب وسنت سے الگ تھلگ اور صوفیاء کو قرآن وحدیث سے لاپرواہ اور بیزار ثابت کرنے پر آتے ہیں تو انہی بغدادی صاحب کے یہ اقوال بھی بطور ثبوت نقل کرتے ہیں کہ ”علم تصوف کا ماخذ قیل و قال نہیں یعنی قیل و قال شریعت میں ہے۔۔۔۔۔ مبتدی کے لیے مستحب ہے کہ اس کا دل تین چیزوں کی آلائش سے بچا رہے ورنہ حالت دگرگوں ہو جائے گی: نہ تو وہ کسی کام میں مشغولیت اختیار کرے، نہ وہ علم حدیث کی طلب کرے، نہ وہ نکاح کرے اور صوفی کے دل کو اس سے بہت زیادہ سکون حاصل ہو گا کہ وہ پڑھنا لکھنا چھوڑ دے۔“ (2)

”کتاب وسنت کی رہنمائی میں آگے بڑھتے“ رہنے والی شخصیت کے ان ”عالمانہ“ اقوال کے بعد، کتاب وسنت سے ان لوگوں کے تعلق کی حقیقت جاننے کے لیے ذہن میں ان احادیث کو دہرایا جائے جن میں اللہ کے رسول ﷺ نے

ہاتھ سے کما کر حاصل کی جانے والی روزی کو بہترین قرار دیا: (3)

(1) افکار صوفیہ: صفحہ ۶، ۷

(2) افکار صوفیہ، صفحہ ۷۲، ۷۳

(3) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ

حدیث سنئے، اسے یاد رکھئے اور دوسروں تک پہنچانے والے کے لیے خوش و خرم رہنے کی دعاء فرمائی؛ (1)

علم کی فضیلت بیان فرمائی؛ (2)

نکاح کی سنت سے بے رغبتی رکھنے والے کے لیے فرمایا کہ وہ مجھ سے نہیں۔ (3)

اہلحدیثوں کے نامور عالم عبدالرحمن کیلانی صاحب خاصے معقول قسم کے آدمی تھے۔ ان کی تحریروں کا انداز سم آلود اور نیش و نشتر زنی والا مناظرانہ و مجادلانہ انداز نہیں ہوتا جو ان کے ہم مسلکوں کا خاصہ ہے۔ جناب نے ”شریعت و طریقت“ کے عنوان سے تصوف پر ایک کافی مبسوط کتاب تصنیف کی جس میں اتحادی دین کے ایک ایک گوشے کو خوب اچھی طرح واضح کیا۔ تصوف کا شاید ہی کوئی ایسا پہلو باقی رہا ہو جس پر انہوں نے اس کتاب میں کلام نہ کیا ہو۔ کتاب کے آخر میں انہوں نے فیصلہ فرمایا کہ:

”طریقت اور شریعت آپس میں متصادم ہیں۔“ (صفحہ ۵۱۹)

اور اس کے ثبوت میں دو درجن مثالیں بھی دیں۔ اسی کتاب میں ایک جگہ یہ بھی لکھا کہ ”پھر کئی تذکروں میں اولیاء اللہ ایسے بھی ملتے ہیں جو فی الواقعہ اور علی الاعلان شراب پیا کرتے تھے اور شیخ حسین لاہوری تو اس وقت تک کسی کو مرید بھی نہ بناتے تھے جب تک وہ ان کے ہاتھوں شراب کا جام نوش نہ فرمالے۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ طریقت کو شریعت سے ماخوذ بنانے والے صوفیاء نے بھی ایسے لوگوں کو دنیاۓ ولایت سے خارج نہیں کیا۔ ان کے نام بدستور تذکروں میں عزت و تکریم سے لیے جاتے۔ انہیں قدس سرہ، لکھا جاتا ہے اور پوری عقیدت سے ان کا ذکر خیر کیا جاتا ہے۔“ (صفحہ ۲۲۵)

اور کتاب کے آخر میں مشائخ عظام سے چند سوالات کرتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ ”جن اولیاء اللہ کے متعلق تذکرہ نگاروں کی یہ شہادت موجود ہے کہ وہ خلاف شریعت کام کیا کرتے تھے، ان کو عزت و تکریم کا مستحق کیوں سمجھا جاتا ہے؟ ان کو قدس سرہ، کیوں لکھا جاتا ہے؟ اور انہیں اولیاء اللہ کی فہرست سے خارج کیوں نہیں کیا جاتا؟“ (صفحہ ۵۲۶)

اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ

- (1) جامع ترمذی: کتاب العلم، باب ماجآ فی الحث علی تبلیغ السماع
- (2) صحیح بخاری: کتاب العلم، باب العلم... جامع ترمذی: کتاب العلم، باب ماجآ فی فضل الفقه علی العبادۃ
- (3) صحیح بخاری: کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح

”ہم حیران ہیں کہ جب مترجم نے مصنف کے اس فعل کو غلط اور توحید و جود پر فریفتگی پر محمول کیا ہے تو اس مصنف کو عارفین موحدین کے زمرے میں شامل کرنے کے کیا معنی ہیں اور انہیں علیہ الرحمۃ کے الفاظ سے یاد کرنے کے کیا معنی ہیں؟ کیا اس طرح وہ زمرہ عارفین موحدین کی توہین تو نہیں کر رہے؟ کیا ایسے لوگوں کو عارف موحد کہنا درست ہے؟“ (صفحہ ۲۶۵)

لیکن ہم خود حیران ہیں کہ یہ خود بھی اس تضاد سے نہ بچ سکے۔ پانچ سو سے زیادہ صفحات کی اس ضخیم کتاب میں صوفیوں کے ان کی اپنی کتابوں سے ماخوذ سینکڑوں واقعات بیان کیے ہیں۔ تقریباً ہر واقعے کے آخر میں تبصرہ کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز سے ہٹ کر طعن و طنز کے خوب ہی تیر چلائے ہیں اور ان واقعات کے حوالے سے دنیائے تصوف کی تقریباً تمام ہی مقتدر ہستیوں پر خوب تنقید کی ہے مثلاً

✍ خدا کے بھیجے ہوئے پیغام ہدایت اور ضابطہ حیات کی انہی بزرگان دین کے ہاتھوں بیخ کنی ہوئی۔ (صفحہ ۴۳)

✍ گدھوں اور گھوڑوں کی ہڈیوں اور عام لکڑیوں پر مزارات تعمیر ہوئے، تو وہ بھی مرجع خاص و عام بن گئے، وہاں سے بھی لوگوں کی حاجتیں پوری ہونا شروع ہو گئیں، وہاں بھی وہ سب کچھ ہونے لگا جو ایک بزرگ کی قبر پر ہوتا ہے..... کیا اس سے بھی زیادہ انسانیت کی تذلیل ہو سکتی ہے؟ (صفحہ ۷۷)

✍ سکر کی آڑ میں آپ نے حضور اکرم ﷺ کی عصمت کو داغدار فرمایا اور ایک ایسے الزام کی تائید و توثیق کر دی جسے اسلام و دشمن مصنفین اکثر اچھالتے رہتے ہیں..... ان سب باتوں کے باوجود تجویزی صاحب سکر و صحو دونوں حالتوں کو جائز اور درست کہتے ہیں اور ان واقعات اور حالات کو بھی جن پر آپ نے صحو اور سکر کا حکم لگا کر عصمت انبیاء کو داغدار فرمایا ہے۔ (صفحہ ۷۷)

✍ آپ بھی یقیناً ایسی معرکہ الآراء کتاب کے مندرجات سے مستفید ہونا پسند فرمائیں گے۔ اس کتاب میں ابن عربی نے قرآن کی تعلیمات کی تحریف کر کے اس کا علیہ بگاڑ رکھ دیا۔ (صفحہ ۸۵)

✍ وحدت الشہود خالصتاً دین طریقت کا جزو ہے اور بموجب آیات بالا صریح کفر ہے تو آخر کفر اور شریعت الہی کا اتحاد کیسے ممکن ہو؟ (صفحہ ۱۰۱)

✍ ملاحظہ فرمائیے! اپنے مسلک کی تائید میں آیت کے ترجمہ کا کیسا ستیاناس کیا گیا ہے (صفحہ ۱۰۵)

✍ وحدت روح اور اس کو لازوال سمجھنے کے نظریہ نے بت پرستی اور قبر پرستی کی صورت اختیار کر لی اور اس طرح دنیا طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہو گئی۔ عالم حادث کے بجائے قدیم بنا گیا اور اللہ تعالیٰ کو معطل کر دیا گیا۔ (صفحہ ۱۱۱)

✍ آپ تصوف کی کوئی معتبر کتاب لے کر اس میں مبداء اور معاد کی بحث پڑھ لیجیے۔ اس کے اور ہندوؤں کے نظریات بالکل ملتے جلتے نظر آئیں گے۔ (صفحہ ۱۱۱)

✍ یہ وقوف عدوی کیا بلا ہوتے ہیں؟ (صفحہ ۱۴۱)

✍ اب فرمائیے ایسا اعتقاد رکھنے والے حضرات کو شرعی علوم بھلا کیسے ہضم ہو سکتے ہیں؟ (صفحہ ۱۴۳)

✍ علم طریقت کے حصول کے لیے جاہل لوگ زیادہ موزوں ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ دین طریقت جہلا کے طبقوں میں خوب پینتا ہے کیونکہ یہی اس کا صحیح میدان ہے۔ (صفحہ ۱۴۹)

✍ اگر کوئی ابدال مر جائے تو ان ۵۰۰ میں سے کوئی ایک ترقی کر کے ویکسٹی کو پر کر دیتا ہے۔ (صفحہ ۱۶۱)

✍ یہ غوث پچارے آخر کس باغ کی مولیٰ ہیں؟ (صفحہ ۱۶۶)

✍ دیکھا آپ نے حضور ﷺ کو کس گھٹیا مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ (صفحہ ۱۶۷)

✍ پھر اس کے بعد ان اولیاء اللہ کے مناصب اور اسمائیں مقرر کی گئیں۔ (صفحہ ۱۹۱)

✍ متبع سنت اور مشرکانہ عقائد سے میرا اولیائے کرام کی اگر چھان بین کی جائے تو شاید وہ پانچ فیصد بھی نہ نکلے۔ (صفحہ ۱۹۳)

✍ عشق کے لفظ سے غیر شعوری طور پر طبعیت فاشی اور بھیمیت کی طرف مائل ہو جاتی ہے، لیکن دین طریقت کا مدار ہی عشق پر ہے اور اس لفظ کو بڑے فخر یہ انداز میں استعمال کیا جاتا ہے۔ (صفحہ ۱۹۸)

✍ اس سے پہلے ہم حکیم سرمد دہلوی کا ذکر پہلے باب میں کر چکے ہیں کہ وہ کس طرح ایک ہندو لونڈے پر عاشق ہوئے۔ اس کے عشق میں دیوانہ ہو گئے تو انہیں مجذوب کا مقدس لقب مل گیا تھا۔ (صفحہ ۲۰۳)

✍ اگرچہ ان واقعات سے آپ کو یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ اولیاء اللہ غیر محرم عورتوں سے بھی عشق فرماتے ہیں تاہم لونڈوں کو زیادہ پسند فرماتے ہیں اور اگر کوئی لڑکا ہندو بھی ہو تو پھر عشق مجازی اپنی پوری بہار دکھاتا ہے۔ اور یہ سب کام متبرک اس لیے ہے کہ یہ عقیدہ بنا کر پیش کیا گیا ہے کہ عشق مجازی ہی عشق حقیقی یا معرفت کا پہلا زینہ ہے۔ پھر ان لوگوں نے عشق مجازی کی آڑ میں حیوانات کو بھی نہ چھوڑا۔ (صفحہ ۲۰۷)

✍ صوفیہ کے اس گوشہ نشینی کے نظریہ نے مسلمانوں کو جتنا نقصان پہنچایا شاید ہی کسی اور وجہ سے پہنچا ہو۔ اس نظریہ نے مسلمانوں سے جہاد کی روح کو ختم کر کے دنیا میں ذلیل اور رسوا قوم بنا دیا اور ایسے افعال سے مجاہدہ نفس شروع کیا جس سے انسانیت کو بھی شرم آنے لگے اور ان کی یہ تعلیم پوری قوم کے لیے مافیاء کے انجمن کی حیثیت رکھتی ہے۔ (صفحہ ۲۱۲)

- ☞ صوفیوں میں ایک طبقہ عیاش طبقہ ہے جو عشق بازی، کانوں کی عیاشی اور ہوس رانی کے لیے تقدس کے پردوں میں یہ محفلیں رچاتا ہے۔ (صفحہ ۲۱۷)
- ☞ دیکھ لیجیے دوسرے لوگوں کو اپنے شعبہ کے دام میں پھنسا کر ان اولیاء اللہ کو اپنی حیوانی خواہشات کو پورا کرنے کا کیسا فن آتا ہے۔ (صفحہ ۲۲۱)
- ☞ یہ ہیں اس تصور شیخ جیسی بدعت اور لعنت کے کرشمے۔ (صفحہ ۲۲۸)
- ☞ دیکھا آپ نے سید عبدالقادر جیلانی نے کتنی زبردست دلیل سے اللہ کو قائل کر لیا.....
- ☞ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ہی سید عبدالقادر جیلانی کے سوالوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ (صفحہ ۲۵۹)
- ☞ سچ فرمائیے الف لیلہ کی داستانیں اچھی ہیں یا اولیاء اللہ کی کرامات کے یہ قصے؟ (صفحہ ۲۶۹)
- ☞ یہ ہے ہمارے راہبوں اور پیروں کی تعلیم جس نے انسان کو قسم قسم کے شرک میں مبتلا کر کے اتنا ذلیل کر دیا۔ (صفحہ ۲۸۴)
- ☞ اب دیکھیے اقتباس بالا میں پیران پیر نے بعض کتب انبیائے سابقین پر انحصار فرمایا۔ کتاب وسنت کو کافی نہ سمجھا۔ شاید اس لیے کہ کتاب وسنت سے ایسی بات کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ پھر آپ نے ان بعض کتب انبیائے سابقین کا حوالہ دینا بھی گوارا نہیں کیا۔ اس سے آپ کے ارشاد کی ثقاہت کا پتہ چل جاتا ہے اور اس طرح آپ نے اپنے سمیت اللہ تعالیٰ کے کئی شریکوں کا جواز پیدا کر دیا۔ (صفحہ ۳۰۲)
- ☞ لیجیے اب کتے بھی صاحب کمال و صاحب حال ہونے لگے۔ یہ مخلوق تو غیر مکلف ہے۔ اس بچارے کو خواہ مخواہ ہی صاحب حال بنا دیا اور لطف یہ کہ نگاہ اتفاقاً پڑ گئی۔ اگر باقاعدہ توجہ فرماتے تو نہ معلوم وہ کتنا کتنے بلند مقام پر فائز ہوتا۔ اگر اتفاقاً نگاہ پڑ جانے کا اتنا ہی اثر ہے تو پھر تو اس دور کے انسان، جن پر آپ کی نظر پڑی، سب اولیاء اللہ ہو گئے ہو گئے؟ (صفحات ۳۰۳، ۳۰۴)
- ☞ اب خدائی کا ایک کارنامہ باقی رہ جاتا ہے وہ ہے اخروی نجات۔ اس بارے میں اولیاء اللہ خدا سے بہت زیادہ فیاض ثابت ہوئے ہیں۔ (صفحہ ۳۰۵)
- ☞ دیکھا آپ نے پیران پیر کی شفاعت کا دائرہ کتنا وسیع ہے۔ (صفحہ ۳۰۸)
- ☞ دیکھا آپ نے، ادھر اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ میں اتنا لمبا چوڑا کاغذ تھماتا ہے اور ابھی آپ اسے ملاحظہ فرمائی رہے ہوتے ہیں ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی مغفرت کا اعلان عام ہو جاتا ہے۔ اسے ہی کہتے ہیں جھٹ مگنی پٹ بیاہ۔ (صفحہ ۳۰۹)
- ☞ آپ چونکہ اپنے بدکردار مریدوں کی بخشش کا بھی ذمہ لے رہے ہیں، اس لیے کہ آپ خود تو اچھے ہیں، تو اس طرح تو اللہ کا قانون غیر موثر ہو کر رہ جاتا ہے۔ پھر خدائی آپ کی ہوئی یا اللہ کی؟ مالک یوم الدین کون ہوا؟ (صفحہ ۳۱۰)

- ✍ اکثر صوفیاء و اہل سنت دروغ گوئی نہ کرنے کے باوجود گمراہ ہوتے ہیں۔ (صفحہ ۳۲۲)
- ✍ جو اولیاء دوسرے اولیاء اللہ کے مزارات پر معتکف ہوتے، مراقبہ کرتے یا چلہ کشی کرتے ہیں وہ متبع سنت کہلا سکتے ہیں؟ (صفحہ ۳۳۱)
- ✍ مروجہ ولایت اس طرح کی تفسیر رجال الغیب اور شعبہ بازیوں کا مقدس نام ہے اور اس کا شریعت محمدی کی اتباع سے کوئی تعلق نہیں۔ (صفحہ ۳۴۳)
- ✍ ہمارے اولیاء اللہ اپنی نمود و نمائش کے بڑے حریص واقع ہوئے ہیں۔ (صفحہ ۳۴۴)
- ✍ ندائے غیب کی باتیں تو خیر صوفیاء کے تذکروں میں اکثر ملتی ہی رہتی ہیں البتہ ہاتھ کے برآمد ہونے اور اس ہاتھ میں چمچے اور اس چمچے میں لپلی ٹوٹنے کے علاج والا لطیفہ بھی خوب ہے اور اچھے مقام پر فٹ کیا گیا ہے۔ (صفحہ ۳۵۷)
- ✍ لیکن اجیری صاحب کے ثابت قدم مریدوں کی شان یہ ہے پھر اجیری صاحب کی اپنی شان تو بہر حال ان سے بھی بلند ہی ہونی چاہیے۔ (صفحہ ۳۶۶)
- ✍ اللہ کے حرف چار ہیں لیکن نہریں آپ نے صرف تین جاری کیں۔ ایک اور بھی کر دیتے تو کیا مضائقہ تھا۔ (صفحہ ۳۷۰)
- ✍ جو کچھ بھی ہوا بہر حال سینکڑوں کافر ضرور مسلمان ہو گئے تھے اور یہ ایسی سعادت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی نصیب نہ ہوئی۔ (صفحہ ۳۷۳)
- ✍ کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بہتر نہ ہو گا کہ ہمارے اولیاء اللہ اور پیر ہندوؤں کو مسلمان نہیں بناتے تھے بلکہ خود بھی ہندو بن جاتے تھے۔ (صفحہ ۳۹۰)
- ✍ پھر یہ بھی دیکھ لیجیے کہ مندرجہ بالا امور میں سے کوئی بات بھی تعلیمات اسلامیہ سے مطابقت نہیں رکھتی اور ایسا ہی اسلام ہمارے صوفیائے کرام نے برصغیر پاک و ہند - اور اسی طرح بعض دوسرے ممالک - میں پھیلا یا تھا۔ (صفحہ ۳۹۴)
- ✍ لیکن اکثر پیر اپنی بزرگی کو جتانے کے لیے یا مریدوں کو مطمئن کرنے یا اپنی دکان چکانے کے لیے شیطانیاں راستوں پر پڑ کر کرامات کے حصول ہی کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں اور مرید بھی یہی کچھ سیکھنے کے لیے آستانہ عالیہ پر تشریف لاتے ہیں اور جب ایسے شیطان کے جال میں پھنس گئے تو سمجھتے ہیں کہ ہم کامل ہو گئے۔ (صفحہ ۴۰۷)
- ✍ حضرت مجلس سے اٹھے اور ایک گاؤں میں کے کان میں جو اس وقت گھر میں بندھی تھی لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہا۔ وہ فی الفور گر پڑی اور مر گئی۔ پھر دوسرے کان میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا لفظ کہانی الفور گاؤں میں جی اٹھی اور

چارہ چرنے لگی۔ اسے کہتے ہیں تھیلی پر سرسوں جمادینا۔ کیا جاو کی اس سے بڑھ کر تاثیر ہو سکتی ہے۔
(صفحہ ۴۱۰)

✍ پیران پیر کی کرامت حضرت علیؑ کے معجزہ سے بدرجہا بڑھیا ہے۔ (صفحہ ۴۱۲)
✍ اب بتائیے کہ انبیاء کے معجزات ہمارے ان اولیاء اللہ کی کرامات کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟
(صفحہ ۴۱۵)

✍ حضرت نوحؑ کے زمانے میں سیلاب آیا تھا۔ پانی جمع تو چالیس دن میں ہوا مگر اترنے میں چھ ماہ لگ گئے۔ مگر پیران پیر پل بھر میں اتنا کثیر پانی غائب فرما دیتے ہیں۔ آخر پیران پیر جو ہوئے۔
(صفحہ ۴۲۲)

✍ شریعت اور طریقت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ اگر شریعت کا رنگ غالب ہو تو صوفیانہ نظریات کا انکار ناگزیر ہے اور صوفیانہ رنگ غالب ہو تو ایسی باتوں کا اقرار کر کے شریعت کو اس کے تابع بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اور تاویلات اور حیلوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ پھر بعض بے باک صوفیاء تو شریعت کو درخور اعتناء سمجھتے ہی نہیں۔ (صفحہ ۴۴۴)

✍ ہمارے صوفیاء کرام میں سے بیشتر کی ولایت اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہے۔ وہی پرانی کہانت اور ساحری تقدس کا روپ اوڑھ کر ولایت کی صورت میں ہمارے سامنے جلوہ گر نظر آتی ہے۔ (صفحہ ۴۴۶)
✍ گویا طریقت کا دین اپنے نظریات کی اتباع چاہتا ہے۔ اسے دین اسلام یا دوسرے ادیان سے کوئی سروکار نہیں۔ (صفحہ ۴۷۷)

✍ دراصل یہ لوگ جب اپنے مشاہدات و نظریات کی سان پر قرآن کو چڑھاتے ہیں اور یہ ان کے معیار پر پورا نہیں اترتا تو انہیں کتاب اللہ میں بھی شک پیدا ہو جاتا ہے۔ (صفحہ ۴۸۴)
✍ دیکھ لیا آپ نے ان لوگوں کے مشاہدات و مکاشفات کس قدر وحی الہی سے متصادم ہوتے ہیں۔
(صفحہ ۴۸۶)

✍ دیکھا آپ نے تبریزی صاحب نے کیا دو ٹوک فیصلہ فرمایا کہ عارفین شریعت اسلام کے احکام کے قوانین کے مطابق نہیں ہوتے۔ ان کا مذہب جداگانہ ہے۔ اور یہی کچھ ہم کہتے ہیں۔ (صفحہ ۵۰۷)
✍ سو یہ ہے ان کوششوں کا خلاصہ اور مختلف تدابیر، جن کے ذریعہ شریعت اور طریقت کو متحد کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مگر ہمارے خیال میں یہ مشرق و مغرب کو اکٹھا کرنے والی بات ہے۔
(صفحہ ۵۰۹) (ان جیسی اور بہت سی مثالیں اس کتاب میں موجود ہیں)

لیکن جس دین طریقت کے لیے عبدالرحمن کیلانی صاحب نے یہ سب کچھ فرما کر طعن و طنز کے تیر بر سائے ہیں، اسی دین طریقت کی علمبردار آفتاب و ماہتاب مذکورہ ہستیوں کے لیے انہوں نے بڑے ہی احترام کے ساتھ سابقے میں ”حضرت“ اور لاحقے میں ”رحمۃ اللہ علیہ“، ”رحمہ اللہ“ لکھ کر ان کو واجب التکریم اور اللہ کی رحمت کا مستحق بھی گردانا ہے! واعجبہ!

ایک دوسرے کیلانی صاحب بھی ہیں جو اپنے ہم مسلک اہل حدیثوں کی طرح اپنے مخصوص پسندیدہ مسائل پر کتابوں پر کتابیں تصنیف کرتے چلے جا رہے ہیں (بلکہ یہ ایک طرح کا فیشن بن گیا ہے کہ ہر مکتب فکر اور مسلک کا لکھنے والا تقریباً ہر عالم اپنے مخصوص مسائل پر کتابیں اور کتابچے ضرور تصنیف کرتا ہے)۔ بڑے کیلانی صاحب کی طرح انہوں نے بھی تصوف پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں دین طریقت کی خرابیاں خوب خوب بیان کی ہیں اور یہاں تک لکھ دیا ہے کہ ”اسلام کے نام پر دین خانقاہی در حقیقت ایک کھلی بغاوت ہے، دین محمد ﷺ کے خلاف، عقائد و افکار میں بھی اور اعمال و افعال میں بھی.....“ (1)

لیکن تجاہل عارفانہ دیکھیے کہ بڑے کیلانی صاحب کی طرح اسی دین کے کرتادھر تاؤں کا نام کس ادب سے لیتے ہیں کہ ابتداء میں ”حضرت“ اور آخر میں ”رحمہ اللہ“ لکھنا نہیں بھولتے:

”صوفیاء کے سرخیل جناب حسین بن منصور حلاج (ایران) نے سب سے پہلے کھلم کھلا یہ دعویٰ کیا کہ خدا اس کے اندر حلول کر گیا ہے اور **أَنَا الْحَقُّ** (میں اللہ ہوں) کا نعرہ لگایا۔ منصور بن حلاج کے دعویٰ خدائی کی تائید و توصیف کرنے والوں میں **حضرت علی ہجویری رحمہ اللہ**، **پیران پیر* شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ** اور سلطان الاولیاء خواجہ نظام الدین **اولیاء رحمہ اللہ** جیسے کبار اولیاء کرام* شامل ہیں۔“ (1)

(1) توحید کے مسائل از محمد اقبال کیلانی: صفحہ ۷۵

- ★ الحمدیث تو عیسیٰ مریدی کو نہیں مانتے جیسا کہ خود پیر جمنڈہ دعویٰ کر گئے، تو پھر ان موصوف کو ”پیروں کا پیر“ کیوں مانتے ہیں؟ بر سیمیل تذکرہ عرض ہے کہ ”پیروں کا پیر“ کا فارسی ترجمہ ”پیر پیراں“ ہوگا: اس کے لیے ”پیراں پیر“ کی مراد اصطلاح کے معنی تو یہ ہیں: پیر کے بہت سے پیر۔
- ★ یہ بھی خوب رہی! کیا کفر کی تائید و توصیف کر کے کوئی شخص اللہ کی رحمت کا مستحق اور ”کبار اولیاء کرام“ میں شامل رہ سکتا ہے؟ یہ کون سے قرآن و حدیث کی ترجمانی ہو رہی ہے؟ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن

قاسم خواجہ الحمدیث نے قبر پرستی کے خلاف ”قبر پرستی اور سماع موتی“ کے نام سے ایک کتاب لکھی اور اس کی ابتداء ان صوفیوں کے لیے ان تعریفی الفاظ سے کی:

”حضرت عبدالقادر جیلانی، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت معین الدین اجمیری، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر اور حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہم اجمعین.....“

یہی گوند لوی صاحب نے ”دین تصوف“ نامی کتاب میں دوسرے الحمدیث مصنفین کی طرح مذکورہ بالا شخصیتوں کی کتب سے خلاف قرآن و حدیث عبارتیں نقل کر کے تصوف پر خوب چوٹ کی؛ جبکہ ان کے سلف امجد نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے:

”سوال: حضرت سید عبدالقادر جیلانی، حضرت فرید الدین عطار، بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہ جو مشہور اولیاء گزرے ہیں، انہوں نے اپنی کسی تصنیف کی ہوئی کتاب میں کوئی مضمون شریعت کے باہر لکھا ہے؟

جواب: یہ لوگ بڑے پابند شریعت اور متبع سنت تھے۔ یہ کیوں شریعت سے باہر لکھتے۔“ (2)

یعنی کہ ان کی تحریروں میں جو کچھ خلاف شریعت لکھا موجود ہے وہ ان کی اپنی تحریر ہی نہیں بلکہ بعد کے لوگوں کا اضافہ کردہ ہے جیسا کہ دیوبندیوں کی ”اشاعتی“ شاخ دعویٰ کرتی ہے جس کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ مذکورہ بالا مصنفین جب ایسا ہی سمجھتے ہیں تو انہیں یک قلم مسترد کر دیتے، انہیں خرافات کہہ کر پچھارے لے لے کر فردا فردا بیان کر کے ان پر مسالے دار تبصرہ کیوں کرتے ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ باتیں غلط ہیں تو کسی صوفی نے آج تک ان سے برأت کا اظہار کیوں نہیں کیا؟ ان باتوں کو ان کتابوں سے نکال باہر کیوں نہیں کیا؟ کیوں آج تک برابر چھاپتے چلے آرہے ہیں؟ کیوں ان کے اشاعتی ادارے بلا کسی رد و بدل کے مسلسل ان کی اشاعت دینی خدمت اور اجر و ثواب سمجھ کر کیے

میں تو کفار کا ساتھ دینے والا انہی میں شمار ہوتا ہے کما قال: وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَاِنَّهُ مِنْهُمْ

(المائدہ: ۵۱) کیا یہ اپنے دعووں کی نفی نہیں؟

(1) توحید کے مسائل: صفحہ ۶۳، وغیرہ

(2) فتاویٰ ثنائیہ: جلد ۱، صفحہ ۳۶۶

چلے جا رہے ہیں؟ * یہ لوگ الحمد للہ کی طرح جری نہیں کہ اپنے اکابرین کے لکھے ہوئے کو بدل دیں! * قدیم و جدید تمام صوفیاء کا انہی پر ایمان تھا اور ہے۔ ان کتابوں کا قدیم سے قدیم نسخہ تلاش کر کے دیکھ لیجیے، ان شاء اللہ یہ سب باتیں بعینہ موجود ہوں گی جو اس بات کا ثبوت ہوگی کہ انہیں مصنف نے بقلم خود لکھا ہے اور یہ ”ادخال الباعثین“ کی کوئی کارروائی نہیں ہے۔

تصوف کے سلسلے میں اہل حدیثوں کی دورخی اور دوغلی پالیسی کی ایک اور مثال قاسم خواجہ صاحب کی کتاب ”کراچی کا عثمانی مذہب“ ہے۔ موصوف صوفیوں سے حسن عقیدت رکھتے ہوئے انہیں اولیاء اللہ ٹھہرا کر ان کی کتابوں میں موجود کفر و شرک کو بعد کے گدی نشینوں کا کیا دھرا قرار دیتے ہیں (شاید اپنے نام کے ساتھ لگے لائحے ”خواجہ“، جو کہ دین تصوف کا ہی ایک ممتاز منصب ہے، اس کی رعایت رکھتے ہوئے ایسا لکھ دیا ہو گا ورنہ تو خود اپنے آپ پر بھی فتویٰ جاتا) لیکن بریلوی مسلک کے رضا خاں صاحب کو اس سے مستثنیٰ رکھتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ

”جناب خان صاحب ماضی قریب میں گزرے ہیں ان کے نظریات سے ہم بخوبی آگاہ ہیں۔ ان کے بارے میں ہم یہ تاویل نہیں کر سکتے کہ یہ ملفوظات یہ فتاویٰ اور یہ احکام خواہ خواہ کسی نے ان کے ذمے لگا دیئے ہوں گے۔ وہ یقیناً ایسے ہی تھے جیسے وہ اپنی کتابوں میں نظر آتے ہیں۔ کفر و شرک ہمیں پسند نہیں۔ نہ قدیم نہ جدید، نہ تھوڑا نہ زیادہ۔ البتہ پہلے لوگوں کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہو سکتا ہے وہ ان پر الزام ہو اور ان کا دامن اس سے پاک ہو جب کہ احمد رضا خان جیسے قبیل کے لوگوں کے بارے میں ہم ایسا نہیں کہہ سکتے..... مزید وضاحت مطلوب ہو تو ان کی ذریت جیتی جاگتی ہے ان سے پوچھ لیجیے وہ آپ کی اچھی طرح تسلی فرمادیں گے۔“ (1)

★ چند سال پہلے ہی لاہور میں ایک ”تصوف فاؤنڈیشن“ قائم ہوئی جس کے قیام کا مقصد ہی تصوف کی کتابوں کی اشاعت ہے۔ اس ادارے نے تھوڑے ہی عرصے میں تصوف کی بیسیوں قدیم اور نایاب کتابیں ترجمہ کروا کر بغیر کسی تبدیلی کے نئے انداز سے شائع کی ہیں۔ ابن عربی کی تصوف پر تقریباً پانچ سو تصانیف کی فہرست بھی شائع کی ہے جنہیں چھاپنے کا عزم ظاہر کیا ہے۔

★ جیسا کہ شاہ اسماعیل صاحب کی ”تقویۃ الایمان“ کے قدیم نسخوں میں موجود وسیلے کے شرکیہ الفاظ نے ایڈیشن سے نکال دیئے (جس کا ثبوت آگے آ رہا ہے) یا جیسا کہ کتاب ہذا کے عنوان میں بتایا گیا، ابن قیم کی ”الہدایہ“ الکافی“ کا ترجمہ کرتے ہوئے صریح توہین رسالت پر مبنی منفی مواد کو تحریف کر کے مثبت کر دیا!

یہی بات تو ہم ان سے کہتے ہیں کہ ان سابقہ صوفیوں کی ذریت موجود ہے ان سے پوچھ دیکھیے، یہ اپنے اسلاف کی زیر بحث ایک ایک بات کی بلا کسی رجوع کے فخریہ تصدیق کریں گے اور ان کے کسی ظاہری ابہام کو دور کرنے کے لیے دورِ جدید کی اصطلاحات و ایجادات کو بھی بطور استدلال پیش کریں گے۔ نہ صرف یہ بلکہ ان کی کتابوں میں موجود اگر کوئی ایمان افروز موحدانہ قول مل جائے جو دینِ طریقت کے خلاف ہو تو یہ الٹا اسے ہی بعد کے لوگوں کا اضافہ قرار دے دیں گے بلکہ اسے ”حضرت“ کی تحریر ہی تسلیم نہ کریں گے جیسا کہ شاہ ولی اللہ کی ”انفاس العارفين“ وغیرہ جیسی صوفیانہ تصانیف سے تمسک کرنے والے لوگ ”البلایع المبین“ کو ان کی تصنیف ہی نہیں مانتے کیونکہ اس میں توحید کا بیان اور ان باتوں کا رد ہے جو تصوف کی مذکورہ صدر کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ ہمیں کسی کو کافر و مشرک قرار دینے کا شوق نہیں اور نہ ہی ہمیں اس سے کوئی خوشی ہوتی ہے۔ ہمیں تو ان کفریہ شرکیہ باتوں سے بہت تکلیف اور ان کے طرزِ عمل سے انتہائی دکھ ہوتا ہے کہ بجائے اس کی تردید کے یہ الٹا اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ایک بات ذہن میں رہے کہ تصوف کے سلسلے متصل اور غیر منقطع ہوتے ہیں جس کا ثبوت ان کے ”شجرے شریف“ ہیں جن میں یہ لوگ نام بنام اپنے پیروں کا سلسلہ شروع سے آخر تک جوڑتے چلے جاتے ہیں۔ صوفیوں کی اس باہمی نسبت کے تسلسل کو ایک صوفی بزرگ اس طرح بیان کرتے ہیں:

”یہی وہ نسبتِ مسلسلہ ہے جو رسول اللہ ﷺ سے بواسطہ مشائخ متوارث چلی آرہی ہے جس میں کوئی شک نہیں۔“ *

یعنی جو کچھ تصوف کے حوالے سے آج بیان کیا اور لکھا جاتا ہے وہ اسی طرح انہی پیر و مرید کے واسطوں سے سلسلہ بسلسلہ سفر کرتے ہوئے آیا ہے لہذا بعد کے لوگوں کا اس میں ہرگز کوئی اضافہ نہیں۔ یہ صوفی اپنے پیر کی شان میں کتابیں اور ان کے ملفوظات و ارشادات لکھتے

★ اشرف علی تھانوی صاحب کے رسالے ”تحفۃ الشیوخ“ کا ضمیمہ: صفحہ ۵۱ - یاد رہے کہ تصوف کا کوئی سلسلہ نبی ﷺ سے متصل نہیں جیسا کہ مقدمہ صحیح مسلم کے حوالے سے کتاب ہذا کے صفحہ ۱۸۳ پر بیان ہوا۔ لہذا یہ دعویٰ باطل ہے۔ البتہ آج تک کے صوفیاء کا تیسری صدی کے صوفیاء تک اتصال ممکن ہے رہا ہو۔

رہے ہیں۔ مزید برآں ان نامی گرامی صوفیوں کی تصوف کے موضوع پر خود اپنی بھی متعدد تصانیف موجود ہیں۔ ان کتابوں میں جو کچھ آج پایا جاتا ہے وہی کچھ انہوں نے اپنے پیروں سے سنا تھا اور لکھا تھا۔ یہ ایک بالکل حقیقی بات ہے جس میں سوئے ظن اور حسن ظن والی کوئی تفسیمی بات نہیں۔ ان کتابوں کے قدیم نسخے تلاش کر کے دیکھ لیں، ہمارے دعوے کی صداقت کا ثبوت مل جائے گا۔

شرک و کفر بننے والے صوفیوں کو اولیاء اللہ قرار دیتے دیتے توحید کی دعوت دینے والوں پر طنز کرتے ہوئے اسی کتاب میں کہتے ہیں کہ انہیں :

﴿ توحید کا ہیضہ ہو گیا۔ (صفحہ ۳۸) ﴾

﴿ انہیں شرک کا مالنہولیا ہو گیا ہے۔ (صفحہ ۱۰۴) ﴾

﴿ یہ سوتے میں بھی بڑبڑاٹھتے ہوں گے مشرک مشرک۔ (صفحہ ۴۰) ﴾

﴿ ایک آرمیشن لگا رکھی ہے جس سے مشرک مشرک مشرک کی آواز پیدا ہوتی رہتی ہے۔ (صفحہ ۱۷) ﴾ ہم کہتے ہیں کہ یہ ساری باتیں خود انہی پر صادق آتی ہیں، بس ذرا لفظ ”شرک“ کی جگہ ”تقلید“ لکھ دیں۔ قارئین اگر اس کی صداقت کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہوں تو کسی الہمدیث سے گفتگو کر کے دیکھ لیں، اپنے علاقے کی الہمدیث مسجد کے مولوی کی تقریر سن لیں، ثبوت مل جائیگا۔ اپنے اس پسندیدہ موضوع کی طرف آتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں کہ :

﴿ بحمد اللہ اہل حدیث تقلید جامد کو بھی خالص شرک خیال کرتے ہیں۔ (صفحہ ۷۴) ﴾

﴿ قرآن و حدیث کی رو سے بلاشبک و شبہ یہ بھی شرک ہے۔ (صفحہ ۷۴) ﴾

﴿ ہم اتنی بات جانتے ہیں کہ جو شخص بھی (اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں ذرہ برابر بھی شریک بنانا ہے یا مڑروں سے مدد مانگتا ہے یا) اللہ اور اس کے رسول کی بات کو چھوڑ کر غیر کی بات کو حجت مانتا ہے وہ گمراہ اور مشرک ہے۔ (صفحہ ۹۰) ﴾

﴿ جیسے کسی مقلد جامد کا حنفی، شافعی، * جعفری وغیرہ ہونا تو یہ بیشک مضرب ہے۔ (صفحہ ۱۲۴) ﴾

* آخر حنبلی کیوں چھوڑ دیا؟ ۵ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

لیکن لطیفہ دیکھیے کہ جن صوفیوں کو ”بزرگانِ دین“ ثابت کرنے کا انہوں نے بیڑا اٹھایا ہے، وہ سارے کے سارے اس ”تقلید کے شرک“ میں ملوث تھے! احمد سرہندی المعروف بمجدد الف ثانی کے مکتوبات پڑھیے، پتہ چلے گا کیسے کٹر حنفی تھے اور کس طرح حنفیت کی زبردست تبلیغ کرتے تھے۔ اپنی اسی کتاب میں احمد بن حنبل، ابن تیمیہ، ابن قیم، محمد بن عبد الوہاب نجدی کو اولیاء اللہ ثابت کر رہے ہیں جبکہ یہ سب فقہ حنبلی کے مقلد تھے اور مقلد کو ”گمراہ“ اور ”مشرک“ خود لکھ چکے ہیں۔* اگر بہانہ بنا لیں (جیسا کہ یہ لوگ بناتے ہیں) کہ یہ ”جامد مقلد“ نہ تھے، اور صرف فقہ حنفی والوں کو جامد مقلد کہیں تو شاہ ولی اللہ کا سارا خاندان، سارا خانوادہ چشت اور برصغیر کے تمام ہی صوفی، جن کے مذکورہ کفریہ شرکیہ واقعات کو آپ نے بعد والوں کا کیا دھرا قرار دیا ہے، سارے کے سارے ہی حنفی فقہ کے مقلد تھے۔ جن لوگوں کو بر بنائے تقلید (خواہ تقلید جامد ہی سہی)، آپ نے گمراہ اور مشرک قرار دیا ہے، کیا بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ ہو سکتے ہیں؟ اور ان کے نام کے شروع میں ”حضرت“ اور آخر میں ”رحمۃ اللہ علیہ“ لکھا جاسکتا ہے؟

الہمدیشوں کے ایک دوسرے عالم نے دیوبندی اور بریلوی کتب، شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات اور ابن عربی کی فتوحات مکیہ و فصوص الحکم کی عبارتوں میں موجود کسی نئے نبی کے آنے کے امکانات سے متعلق حوالے نقل کرتے ہوئے حنفیوں اور قادیانیوں کو ایک ہی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔^(۱) یعنی قادیانیوں کو اپنے کفر کی بنیاد مذکورہ شخصیات نے ہی فراہم کی ہے، دوسرے الفاظ میں یہی لوگ قادیانیت کے حقیقی موجد تھے اور قادیانیت ان کے نزدیک کوئی جرم نہیں بلکہ ایک عظیم کارِ ثواب ہے۔ مگر ”مسلک الہمدیث پر ایک نظر“ کا مصنف ان مجدد صاحب کو الہمدیث قرار دیتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

★ بات دراصل یہ ہے کہ اسی فقہ حنبلی کی مقلد سعودی حکومت کے وظائف پر یہ لوگ وہاں کی یونیورسٹیوں سے سندیں حاصل کرتے ہیں، ان کے ضخیم مشاہروں پر اشاعتی ادارے چلاتے ہیں، ان کے خطیر چندوں پر اپنی مسجدیں اور مدرسے بناتے ہیں، تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھتے ہیں۔.....

(۱) حنفیت اور مرذابیت: صفحہ ۱۳۲ وغیرہ

”..... اسی طرح شیخ علی مہائمی اور شیخ علی متقی جو پوری اصلاً و برہان پوری مولداً صاحب کثرالعمال (حدیث کی مشہور کتاب ہے)، شیخ محمد طاہر شہید گجراتی صاحب مجمع البحار فی لغۃ الحدیث و تذکرۃ الموضوعات و شیخ وجیہ الدین گجراتی شارح نخبہ اور شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) اور ان کے شیخ الشیخ عبدالرحمن بن فہد قد کان من کبراء المحدثین بالہند *.....“ (1)

اور ان کے سلف امجد ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر اللہ کی نذر و نیاز کی حرمت کا فتویٰ دیتے ہوئے ان مجدد صاحب کے اقوال بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ (2)

دنیاۓ تصوف کی سرکردہ شخصیت محی الدین ابن عربی کی ہے جسے اہل تصوف شیخ اکبر کہتے ہیں۔ ہر صوفی اس سے دلی انسیت بلکہ عقیدت رکھتا ہے۔ اس نے اپنی کتابوں ”فصوص الحکم“ اور ”فتوحات مکیہ“ میں صریح کفر و شرک پر مبنی عبارتیں لکھی ہیں، مثلاً: میں خاتم الاولیاء ہوں، اولیاء کا مقام انبیاء سے بلند ہے، میں اپنے رب سے دو سال چھوٹا ہوں۔ (3) یہی وہ شخصیت ہے جس نے تصوف کا نظریہ وحدۃ الوجود اس امت میں رائج کیا جو کہ توحید کی ضد ہے! الحمد للہ عالم یکجا گوند لوتی لکھتے ہیں:

”اسلام سے پہلے یہ نظریہ دنیا کے عام مذاہب میں پایا جاتا تھا مگر اسلام میں اس کی آبیاری کرنے والا ابن عربی الاندلسی ہے جو چھٹی صدی ہجری کا آدمی ہے۔ اس نے افلاطون اور دیگر فلاسفہ متقدمین کے جملہ کفریات کو اسلام میں داخل کیا اور اسی صلے میں وہ اپنے حلقے میں شیخ اکبر کے لقب سے موسوم ہوا اور اس کی اتنی شہرت ہوئی کہ بعض موحّد بھی اس کے نام سے متاثر ہوئے بغیر نہ سکے۔ درحقیقت یہ بہت بڑا زندقہ، لحد بلکہ کفر کے آخری درجے کا حامل تھا جس کی وجہ سے اسلام میں ایک ایسے نظریے کی اشاعت ہوئی جس سے خالق و مخلوق کے درمیان فرق ختم کرنے کی سعی ہوئی۔“ (4)

☆ ترجمہ: یہ ہندوستان کے بڑے محدثوں میں سے تھے۔ حالانکہ پچھلے صفحات میں ان کی حدیث کے مقابلے میں اپنے امام کے قول کی تقلید کا بیان اس دعوے کو غلط ثابت کرتا ہے۔

(1) مسلک اہلحدیث پر ایک نظر: صفحہ ۳۳

(2) فتاویٰ ثنائیہ: جلد ۱، صفحہ ۱۸۳

(3) مطالعہ تصوف: صفحہ ۴۲۹

(4) عقیدہ اہلحدیث: صفحہ ۲۰۸

لیکن کفر والحاد و زندقہ کے اس فتوے کے علی الرغم ثناء اللہ امر تسری فتویٰ دیتے ہیں :

”مسئلہ تکفیر شیخ ابن عربی بہت نازک ہے۔ مولانا نواب صاحب بھوپال مرحوم ”نکھار“ میں علامہ شوکانی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے چالیس سال تک شیخ کی تکفیر کی۔ آخر میری رائے غلط معلوم ہوئی تو میں نے رجوع کیا۔ نواب صاحب مرحوم شیخ مدوح کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور مولانا نذیر حسین المعروف حضرت میاں صاحب دہلوی شیخ مدوح کو ”شیخ اکبر“ لکھتے ہیں۔

حضرت مجدد و سرہندی بھی شیخ موصوف کو مقربان الہی سے لکھتے ہیں۔ بڑی وجہ آپ کی مخالفت کی مسئلہ وحدت الوجود ہے۔ سو دراصل اس کی تفسیر پر مدار ہے۔ جیسی اس کی تفسیر کی جائے ویسا ہی اس کا اثر ہوگا۔ خاکسار کے نزدیک اس کی صحیح تفسیر بھی ہو سکتی ہے جس کا ذکر کبھی کبھی اہل حدیث میں کیا گیا ہے۔ دوسری وجہ خفگی کی ایمان فرعون ہے۔ مگر شیخ کا قول مندرجہ ”فتوحات“ اس خفگی کا ازالہ کرتا ہے۔ شیخ موصوف نے فتوحات میں فرعون کو مدعی الوہیت لکھ کر ابدی جہنمی لکھا ہے اور کسی مقام پر اس کے خلاف ملتا ہے تو وہ متروک ہے یا ماہول۔ اس لیے خاکسار کی ناقص رائے میں بھی شیخ مدوح قابل عزت لوگوں میں ہے۔ رحمہ اللہ“ (1)

ایک دوسرے اہلحدیث عالم نے ان صریح کفریات سے صرف نظر کرنے کے لیے بالکل اشاعتیوں کے انداز میں حیلہ سازی کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

”بزرگوں کے بارے میں جو غیر بزرگانہ حوالے پائے جاتے ہیں، ان کے متعلق ہمارا رویہ نہ تو اُمنّا و صدقنا ہونا چاہیے نہ اُمنّا و کذبنا ہونا چاہیے۔ یعنی نہ تو ان پر ایمان لا کر عمل کریں اور نہ انہیں صحیح تسلیم کر کے بزرگوں کے دشمن بن جائیں بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی۔ مگر صورت حال یہ ہے کہ بریلویوں کے نزدیک یہ طلسماتی

(1) فتاویٰ ثنائیہ: جلد ۱، صفحہ ۱۸۳۔ واضح رہے کہ ان کے مدوح ”شیخ اکبر“ نے اپنی ”معرکہ الزما“ تصنیف میں ”سب سے بڑا رب“ ہونے کے دعویدار فرعون کے لیے لکھا ہے کہ وہ مومن مرا، سب گناہوں سے پاک صاف ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوا، قبولیت اسلام نے اس کی پچھلی تمام خباثتوں کو زائل کر دیا اور وہ اللہ کی رحمت کی نشانی اور دلیل بن گیا۔ (حوالے کے لیے دیکھیے فصوص الحکم: فص موسوی، مطبوعہ پروگریسو بکس، اردو بازار، لاہور، صفحہ ۲۱۳ / مطبوعہ تصوف فاؤنڈیشن، صفحہ ۲۵۹)

حوالے بھی صحیح ہیں اور بزرگ بھی صحیح ہیں بلکہ بہت اونچی شے ہیں۔ عثمانیوں کے نزدیک حوالے صحیح ہیں بزرگ غلط ہیں۔ ہمارے نزدیک حوالے غلط ہیں بزرگ صحیح ہیں یا یوں سمجھ لیجیے قبوریوں نے بزرگوں کو خدا مانا، عثمانیوں نے بزرگوں کو بزرگ بھی نہ مانا بلکہ مشرک مانا اور ہم نے بزرگوں کو صرف بزرگ مانا جیسا کہ وہ فی الواقع ہیں.....“ (1)

ایک طرف تو خفیوں اور قادیانیوں کو ایک ثابت کیا جاتا ہے اور اس پر ایسا زور صرف کیا جاتا ہے کہ ایک ضخیم کتاب ہی تصنیف کر دی جاتی ہے؛ (2) بعض شدت پسند تو اس مماثلت میں شیعوں کو بھی شامل کر کے تینوں کو خونی بھائی بنا دیتے ہیں؛ (3) لیکن دوسری طرف انہیں اور خود کو ایک ہی تحریک کا ترجمان بتا کر ایک ہی ثابت کیا جاتا ہے! (4)

الہدیت پروفیسر طالب الرحمن صاحب نے ”دیوبندیت“ نامی کتاب میں دیوبندیوں کے عقائد پر تفصیلی بحث کر کے انہیں کفریہ شرکیہ ثابت کیا ہے جبکہ اپنی دوسری کتاب میں جس کا عنوان ہے: ”بریلوی - دیوبندی اصل میں دونوں ایک ہیں“، اس کے مقدمے میں ان کی قدر مشترک بیان کرتے ہوئے فتویٰ صادر کرتے ہیں :

”لہذا اگر ان عقائد کی وجہ سے بریلویوں کے پیچھے نماز پڑھنا اور رشتے ناطے کرنا صحیح نہیں تو دیوبندیوں کے پیچھے نماز پڑھنا اور ان سے رشتے داریاں گانٹھنا کہاں کا انصاف ہے۔ ذرا سوچ کر قدم اٹھائیے۔ آپ کا اٹھایا ہوا قدم جنت کے بجائے جہنم کی طرف بھی اٹھ سکتا ہے۔“ (صفحہ 1)

فاضل مصنف نے اپنی ایک اور کتاب ”تبلیغی جماعت کا اسلام“ میں تفصیل سے ان کے کفر و شرک کو بیان کیا ہے۔ محمد قاسم خواجہ نے ”تبلیغی جماعت اپنے نصاب کے آئینے میں“ اور مرکز الدعوۃ والارشاد نے بھی اپنی کتاب ”تبلیغی جماعت“ میں ان پر خوب خوب تنقید کی ہے۔ بدیع الدین راشدی نے تو ”امام صحیح العقیدہ ہونا چاہیے“ نامی کتاب میں

(1) کراچی کا عثمانی مذہب: صفحہ ۱

(2) حنفیت اور مرزائیت از عبدالغفور اثری

(3) تین خونی رشتے: مطبوعہ انجمن تحفظ اہل حدیث، پاکستان

(4) حیات النبی از اسماعیل سلفی: مطبوعہ اسلامک پبلشنگ ہاؤس، لاہور، صفحہ ۱۰

دو ٹوک الفاظ میں فرمادیا کہ حنفی مذہب رکھنے والوں کی اقتدا میں نماز نہیں ہوتی کیونکہ ان کے عقائد میں کفر و شرک ہے۔ (۱) لیکن ان کے ”الامام الہام“ ثناء اللہ امرتسری صاحب سے جب ان خفیوں کے متعلق پوچھا گیا کہ آیا وہ کافر ہیں یا نہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ

”مجھے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے شرم آتی ہے کہ یہ سوال مجھ جیسے شخص سے کیوں پوچھا گیا جس نے کبھی کسی کے فتویٰ کفر پر دستخط نہیں کیے۔ کیونکہ میرا اس باب میں وہی مسلک ہے جو امام الحنطین امام ابو حنیفہؒ * وغیرہ کا ہے لانکفر اهل القبلة۔“ (۲)

یہ موصوف تقلید کو شرک بھی کہتے تھے (۳) لیکن ساتھ ہی مقلد خفیوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھتے تھے (۴) بلکہ وہ تو اس معاملے میں اتنے فیاض تھے کہ ایک سوال کے جواب میں لکھا:

”سوال: جو شخص اس قسم کا عقیدہ رکھتا ہو کہ امام مہدی اور عیسیٰؑ کا آنا غیر ممکن ہے۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں اور شہادت امام حسینؑ کا بھی قائل نہیں ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا یا ایسے شخص کو مولوی خیال کرنا اور بزرگ سمجھنا کیسا ہے؟

جواب: جو شخص امام مہدیؑ حضرت عیسیٰؑ یا امام حسینؑ کی شہادت نہیں مانتا وہ بدعتی ہے۔ اس کو امام نہیں بنانا چاہیے۔ اگر پڑھا رہا ہو تو بتکم وارکعوا مع الراکعین پیچھے پڑھ لینا چاہیے۔“ (۵)

جب ان موصوف سے پوچھا جاتا کہ نبی ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں یا نہیں تو فرماتے کہ ”ایک روایت میں ایسا آیا ہے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کی حقیقت ہم نہیں جانتے۔ اور یہ دنیاوی حیات نہیں ہے۔“ (۶)

(۱) مطبوعہ جمعیت اہلحدیث، سندھ، صفحہ ۳
★ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر طعن و تشنیع کرنے والے اہلحدیث اپنے امام کی جانب سے ان کے لیے یہ تعزلی کلمات اور وعائے رحمت پر نظر کر کے فیصلہ کریں کہ ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ امرتسری صاحب ایسا کہہ کر اللہ کی رحمت کے مستحق ہوئے یا اس کے برعکس؟

(۲) فتاویٰ ثنائیہ: جلد ۱، صفحہ ۳۶۳

(۳) فتاویٰ ثنائیہ: صفحہ ۳۸۷

(۴) فتاویٰ ثنائیہ: صفحہ ۲۲۲، ۲۲۸

(۵) فتاویٰ ثنائیہ: ۳۹۶

(۶) فتاویٰ ثنائیہ: صفحہ ۱۸۶

ہاروت و ماروت کو یہ صاحب شیطان بتاتے تھے۔^(۱) جبکہ دوسرے اہلحدیث عالم انہیں فرشتہ مانتے ہیں، مثلاً محمد جونا گڑھی اور صلاح الدین یوسف وغیرہ۔^(۲) قرآن خوانی کو یہ موصوف جازز کہتے ہیں۔^(۳) جبکہ دوسرا اہلحدیث عالم اسے بدعت بتاتا ہے۔^(۴) ایک صاحب دانے دار تسبیح وغیرہ پر ذکر اللہ کو بلا کر اہت جازز کہتے ہیں۔^(۵) جبکہ دوسرے صاحب اسے بدعت کہتے ہیں۔^(۶) نبی ﷺ پر صلوٰۃ وسلام سے متعلق ایک صاحب لکھتے ہیں کہ

”الصلوة والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھنا صحابہ سے ثابت ہے۔“^(۷)

دوسرے صاحب لکھتے ہیں:

”یہ الفاظ کسی صحابی نے ادا نہیں کیے۔ اس لحاظ سے یہ بدعت ہے۔“^(۸)

برزخ، عذاب قبر، سماع موتی ایسے موضوع ہیں جنہیں اہلحدیثوں نے بازپچہ اطفال بنا دیا ہے۔ ان مضامین پر اس مکتبہ فکر کی ڈھیروں تصانیف دستیاب ہیں جن میں کوئی ایک موضوع بھی متفق علیہ نہیں ہے۔ روز بروز نئی نئی کتابیں ”نئی تحقیق“ کے ساتھ سامنے آرہی ہیں اور ایک دوسرے کو جھٹلا رہی ہیں۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا، اپنے ”شیخین“ ابن تیمیہ وابن قیم کی بیان کردہ ضعیف و موضوع روایات* کی بنیاد پر اہلحدیثوں کے ”شیخ الکمل“ میاں نذیر دہلوی، نواب

(۱) فتاویٰ ثنائیہ: صفحہ ۳۶۰

(۲) محمد جونا گڑھی کا ترجمہ القرآن: تفسیر احسن البیان، البقرة: ۱۰۲

(۳) فتاویٰ ثنائیہ: جلد ۲، صفحہ ۳۳۷، ۵۳

(۴) بدعات اور ان کا تعارف از سعید بن یوسف زئی: صفحہ ۴۲

(۵) شرف الدین دہلوی فتاویٰ ثنائیہ، جلد ۱، صفحہ ۵۷۴

(۶) سعید بن یوسف زئی: بدعات اور ان کا تعارف، صفحہ ۱۱۱

(۷) قبر پرستی از صلاح الدین یوسف، صفحہ ۱۸۶

(۸) تفہیم سنت از اکرم نسیم ججہ، صفحہ ۵۱۶

★ البتہ یہ ایک لطیفہ ہے کہ ان روایات سے متعلق بھی ان اہلحدیثوں میں تضاد پایا جاتا ہے۔ بعض اہلحدیث انہیں درست اور بعض ضعیف قرار دیتے ہیں مثلاً:

﴿ فتاویٰ نذیریہ میں مَنْ صَلَّی عَلَیْ جَنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهُ ... ﴾ (جو میری قبر پر درود پڑھتا ہے تو میں اسے سنتا ہوں...) والی روایت سے استدلال کرتے ہوئے میاں نذیر دہلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ہر جگہ حاضر و ناظر ماننے کے عقیدے کا رد کرتے ہوئے رحمۃ اللہ علیہ کو صرف قبر نبوی میں موجود ثابت کرتے ہیں (فتوے کا عکس ہماری کتابوں ”عذاب برزخ“، ”وفات ختم الرسل“ وغیرہ کے آخر میں دیا ہوا ہے)۔ لیکن مقصود الحسن فیضی صاحب اسے من گھڑت روایت بتاتے ہیں۔ (حقیقت وسیلہ: صفحہ ۳۶)

﴿ خلیل الرحمن صاحب کہتے ہیں کہ یہ ایک جھوٹی روایت ہے، یہ روایت مردود ہے۔ (کیا مردے سنتے ہیں؟ صفحات ۳۱، ۴۹) ﴾

﴿ اور ”ہم اہلحدیثوں کا یہ عقیدہ و منہج نہیں کہ رسول اکرمؐ کے روئے پر درود و سلام پڑھو تو آپ سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں“۔ (پہلا زینہ: صفحہ ۱۶۹) ﴾

﴿ روح مردے میں نہیں لوٹتی، اس سلسلے میں کوئی روایت صحیح نہیں، روح کے لوٹنے کا عقیدہ باطل ہے، اس کے ماننے والے سخت غلطی پر ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلام نہیں سنتے، جواب بھی نہیں دیتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھی پیش نہیں ہوتا، ایسا عقیدہ خلاف عقل ہے، درود و سلام پہنچانے والے ملائکہ سیاحین والی روایت ضعیف ہے۔ (پہلا زینہ، صفحات ۵۹، ۷۱، ۷۲، ۱۰۲) ﴾

﴿ جبکہ مدینہ یونیورسٹی سے سند یافتہ اہلحدیث اسکالر رانا اسحاق صاحب کہتے ہیں کہ مَنْ صَلَّی عَلَیْ جَنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهُ..... ملائکہ سیاحین اور روح کے لوٹنے جانے کی روایات صحیح ہیں، انہیں موضوع کہنا حق کا انکار ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم درود سنتے ہیں۔ (قبر اور عذاب قبر: صفحات ۱۲، ۳۲، ۳۵) ﴾

﴿ ایک دوسرے فاضل مدنی اقبال کیلانی صاحب لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر سے سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں، فرشتے سلام پہنچاتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اپنی قبر میں موجود رہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح لوٹائی جاتی ہے اور پھر آپ سلام کا جواب دیتے ہیں، درود کے اعمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہوتے ہیں، درود و سلام پہنچانے والے ملائکہ سیاحین والی روایت درست ہے، ایک فرشتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر مقرر ہے جو لوگوں کا پڑھا ہوا درود اس کا نام، والد کا نام اور پڑھنے کا وقت، سب کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتا ہے۔ (درود شریف کے مسائل: صفحات ۱۶-۱۸، ۲۳، ۴۷، ۴۸) ﴾

﴿ مقصود الحسن فیضی صاحب بھی ان سب روایات کو درست مانتے ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعمال پیش ہونے کی روایات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”حق یہ ہے کہ وہ تمام حدیثیں ضعیف اور موضوع ہیں۔“ (حقیقت وسیلہ: صفحہ ۳۶)

﴿ البتہ یہ مانتے ہیں کہ ”امت محمدیہ کا درود و سلام آپ پر پیش ہوتا ہے۔“ (ایضاً، صفحہ ۲۵)

- ان لوگوں کے ”شیخ الاسلام حافظ عبد اللہ محدث روپڑی“ بھی فرماتے تھے کہ نبی ﷺ پر امت کا درود پڑھنا ہے خواہ جہاں سے بھی پڑھا جائے۔ (سماع موتی: صفحہ ۵۸)
- ابحدیث مکتب فکر کی ”وسیلہ انبیاء و اولیاء“ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ پر اعمال پیش ہونے والی روایت شدید ضعیف ہے۔ (مطبوعہ طارق اکیڈمی، فیصل آباد، صفحہ ۸۰)
- مذکورہ روپڑی صاحب لکھتے ہیں کہ روح کا بدن کے ساتھ کچھ تعلق رہتا ہے۔ (سماع موتی: صفحہ ۵۸)
- جبکہ قاری خلیل الرحمن صاحب لکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد قیامت تک اس جسم سے روح کا کوئی تعلق قائم نہیں کیا جاتا۔ (پہلا زینہ: صفحہ ۵۹)
- روپڑی صاحب لکھتے ہیں کہ مردہ اپنی قبر کی زیارت کے لیے آنے والے کو پہچانتا ہے۔ (سماع موتی: صفحہ ۷۳)
- جبکہ قاری صاحب اسے گمراہ کن عقیدہ قرار دیتے ہیں (کیا مردے سنتے ہیں؟ صفحہ ۷۰)
- پیر جھنڈہ بلع الدین راشدی صاحب کہتے ہیں کہ مرجانے کے بعد اس میت کا دنیا سے کوئی تعلق نہیں رہتا، نہ کسی کی پکار سنتا ہے نہ حالت دیکھ سکتا ہے۔ (عذاب قبر کی حقیقت: صفحہ ۴۹)
- لیکن ایک صفحہ پہلے خود ہی لکھ ڈالا کہ دفن کے بعد مردے میں روح لوٹا جاتی ہے! روح کے قبر میں لوٹانے جانے سے متعلق انہی پیر صاحب کی ”کتاب التوحید“ کے حوالے سے فتوے کا عکس ہماری مذکورہ بالا کتابوں کے آخر میں دیا ہوا ہے۔
- ابحدیث عالم صفی الرحمن مبارکپوری کے ترجمے سے چھپنے والی کتاب ”قبر اور مزارات کی تعمیر“ میں یہ بات اس طرح لکھی ہوئی ہے کہ ”جاننا چاہیے کہ اہل قبور انبیاء و صالحین جو مدفون ہیں، ان کے پاس جو کچھ کیا جاتا ہے اس سے وہ پوری پوری کراہت کرتے ہیں۔“ (مطبوعہ دار السلام، صفحہ ۸۵)
- قاری خلیل صاحب فرماتے ہیں کہ یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ مردہ سنے، کیونکہ کسی کو مردہ سمجھنا اور پھر اس کے لیے سننے کا عقیدہ رکھنا دونوں باہم متضاد ہیں۔ اگر وہ سن رہا ہے تو پھر مردہ کیسا؟..... اور اگر مر گیا ہے تو پھر سننا کیسا؟..... مردے کے لیے ضروری ہے کہ بے جان ہو، سن نہ سکتا ہو..... جو دیکھے، بولے، سنے، حرکت کرے وہ میت نہیں، اسے مردہ کہنا غلط ہے..... اور جو مردہ ہے وہ بولے، دیکھے، سن اور چل نہیں سکتا (پہلا زینہ: صفحات ۱۰۹، ۱۰۹، ۱۰۹، ۱۹۶)
- جبکہ مقصود الحسن فیضی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ مردے زندوں کی کوئی بات نہیں سنتے..... سلام وغیرہ سن لیتے ہیں۔ (حقیقت و سیلہ: صفحات ۲۹، ۳۰)
- روپڑی صاحب بھی فرماتے تھے کہ دفن کے بعد مردے کی روح لوٹا جاتی ہے اور وہ جو تئیں کی آواز سنتا ہے..... مردہ ہر وقت نہیں سنتا بلکہ جب اسے سلام کیا جاتا ہے تو اس کی روح لوٹا جاتی ہے اور وہ جواب دیتا ہے۔ (سماع موتی: صفحات ۲۲، ۲۵)

صدیق الحسن خاں، نواب وحید الزماں، وغیرہ اپنے فتوؤں میں مردے کو قبر میں زندہ، سننے، دیکھنے، بولنے والا اور زندوں کے اعمال سے واقف قرار دیتے تھے۔ پروفیسر عبد اللہ بہادر پوری نے اپنے کتابچے ”کیا مردے سنتے ہیں؟“ میں مکالمے کی شکل میں سماع موتی کا رد کرنے کی کوشش کی لیکن ”سلفی“ ہونے کی وجہ سے اپنے ان اسلاف کے عقائد کی تائید ان الفاظ میں کی:

”ہم کہتے ہیں کہ حضور پر جتنے سلام پڑھے جاتے ہیں وہ سب سلام دعا ہوتے ہیں۔ ان کا سنا اور اسی وقت جواب دینا ضروری نہیں بلکہ اللہ کے مقرر کردہ فرشتے ان تمام سلاموں کو جمع کر کے کسی خاص وقت میں جب اللہ کو منظور ہوتا ہے حضور کو پہنچا دیتے ہیں اور پھر آپ سب کے حق میں جوابی دعا دیتے ہیں..... سلام کا جواب دینے کے لیے نبی کی روح لوٹائی جاتی ہے۔“ (1)

الشکر طیبہ والے بھی مردے کی روح دنیا میں لوٹا کر قبر میں اسے زندہ کر دیتے ہیں۔ (2)

الحدیثوں کے عقائد بیان کرتے ہوئے کئی گوند لوتی صاحب اپنے اسلاف کے ارشاد سے بھلا کیسے انحراف کر سکتے تھے، لہذا وہ بھی اس کو بیان کرتے ہیں (3) لیکن وہ اس میں مزید پیش قدمی کرتے ہوئے نبی ﷺ کے ایک قبر پر ٹھہنی گاڑنے کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ

”رسول اللہ ﷺ کا یہ مشاہدہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ جو قبروں میں دفن ہوتے ہیں ان کا معاملہ اسی قبر میں ہوتا ہے جس میں وہ دفن ہوئے ہوتے ہیں۔“ (4)

”البتہ یہ عذاب روح مع الجسد ہوتا ہے۔ جسم کسی بھی حالت میں ہو، گل سڑ جائے، کسی کا لقمہ بن جائے تب بھی۔ اللہ اس کے زندہ کرنے پر قادر ہے.....“ (5)

اقبال کیلانی صاحب فرماتے ہیں کہ قبر میں سوال جواب کے وقت روح لوٹا دی جاتی ہے۔ مردے بولتے، سنتے، دیکھتے، بولتے، پہچانتے، کھاتے، پیتے، اٹھتے، بیٹھتے، تکلیف و راحت محسوس کرتے، خواہش و تمنا کرتے ہیں..... (قبر کا بیان: صفحات ۵۲، ۵۳، ۱۲۹)

(1) کیا مردے سنتے ہیں؟ صفحہ ۴۴

(2) آسمانی جنت اور درباری جہنم: صفحہ ۷۳

(3) عقیدہ اہل حدیث: صفحہ ۳۴۱

(4) عقیدہ اہل حدیث: صفحہ ۳۴۳

(5) عقیدہ اہل حدیث: صفحہ ۳۴۴

عبدالرحمن کیلانی صاحب نے ”روح، سماع موتی اور عذاب قبر“ کے موضوع پر ایک کتاب لکھی اور یہی باتیں بیان کیں۔ البتہ دنیاوی قبر میں روح مع الجسد پر عذاب ہونے کی کیفیت کو انہوں نے خواب کی مثال سے تشبیہ دی کہ جس طرح خواب میں کسی تکلیف کا احساس سوئے ہوئے شخص کو ہوتا ہے اسی طرح مردے کو بھی ہوتا ہے۔^(۱) دور حاضر کے اہلحدیث عالم قاری خلیل الرحمن جاوید صاحب بیان کرتے ہیں کہ عذاب تو قبر میں ہی ہوتا ہے لیکن یہ عذاب روح کے بغیر ہوتا ہے۔^(۲)

اقبال کیلانی صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کے مطابق شہداء، اولیاء اور صلحا کی ارواح قبروں میں نہیں ہیں بلکہ جنت میں یا علیین میں ہیں۔^(۳) جبکہ مذکورہ قاری خلیل صاحب فرماتے ہیں کہ یہ علیین و سحین کوئی جہان نہیں ہیں بلکہ دو ایسے رجسٹر ہیں جن میں اچھے اور برے لوگوں کے اعمال کا اندراج ہوتا ہے۔^(۴)

اہلحدیثوں کے ”تبلیغی نصاب“ میں مصنف خالد سلفی گر جا کھی لکھتے ہیں:

”قبر سے کیا مراد ہے: قبر سے مراد عالم برزخ ہے۔ مٹی کا گڑھا مراد نہیں۔ کئی آدمی جل جاتے ہیں، کئی ڈوب جاتے ہیں، کئی لوگوں کو درندے کھا جاتے ہیں۔ وہ جہاں بھی ہوں وہی ان کی قبر ہے۔“ [صفحہ ۴۲]

(۱) صفحہ ۴۰: دوران گفتگو دیکھا گیا کہ اکثر اہلحدیث یہی استدلال اختیار کرتے ہوئے دنیاوی قبر میں ہی عذاب و راحت ہونے پر اصرار کرتے ہیں حالانکہ سوئے ہوئے شخص پر خواب میں گزرنے والے حالات کو عالم برزخ میں ویسے جانے والے عذاب وغیرہ سے تشبیہ محل نظر ہے کیونکہ اوّل الذکر حقیقت نہیں ہوتے جبکہ مؤخر الذکر تو اٹل اور ناقابل انکار حقیقت ہوتے ہیں۔ اس کا عام مشاہدہ تو روزمرہ کی زندگی میں کیا جاسکتا ہے جیسے خواب میں کیے گئے قتل، چوری، ڈاکے وغیرہ کے جرم پر کوئی حد و تعزیر نہیں لگتی، خواب کی دی گئی طلاق نافذ نہیں ہوتی، خواب میں ادا کیا گیا قرض ادا نہیں ہوتا پہلے کی طرح واجب الادا رہتا ہے، خواب میں کیے گئے گناہ پر کوئی مواخذہ نہیں ہوتا، وغیرہ۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس طرح کی مثالوں کی کوئی حد نہیں۔

(۲) پہلا زینہ: صفحہ ۸۷

(۳) قبر کا بیان: صفحہ ۶۱

(۴) پہلا زینہ: صفحہ ۱۷۱

ان کے مسکلی بھائی قاسم گر جا کھی کہتے ہیں:

”جہاں تک قبر میں فرشتوں کے آنے، روح کو لوٹانے، میت کو بٹھانے، سوال و جواب کرنے، قبر کو کشادہ یا تنگ کرنے یا عذاب و ثواب کا تعلق ہے تو گزارش ہے کہ یہاں قبر سے مراد یہ مٹی کی کچی قبر نہیں۔ یہ کوئی اور جہاں ہے جسے آپ عالم ارواح یا عالم مثال یا عالم برزخ کہہ سکتے ہیں۔ کئی قومیں دفناتی ہی نہیں۔ ہندو سکھ اپنے مرنے والے کو آتش کر دیتے ہیں۔ کئی ایک کو جانور کھا جاتے ہیں۔ کچھ مچھلیوں کی خوراک بن جاتے ہیں۔“ (1)

لیکن اس کے برعکس یحییٰ گوندلوی کہتے ہیں:

”جو قبروں میں دفن ہوتے ہیں ان کا معاملہ اسی قبر میں ہی ہوتا ہے جس میں وہ دفن ہوتے ہیں..... مرنے والا قبر میں دفن ہو یا نہ ہو، درندے کھا جائیں یا سمندری جانوروں کا لقمہ بن جائے، جو بھی عذاب کا مستحق ہو گا وہ ضرور اس میں مبتلا ہو گا.....“ (2)

رانا اسحاق صاحب فرماتے ہیں کہ انسان جلے، اسے درندے کھائیں، لاش بچے نہ بچے، قبر یہی زمین ہے۔ (3) اور بڑے کیلانی صاحب بھی یہی کہتے ہیں کہ قبر سے مراد یہی زمینی گڑھا ہے۔ (4) اور ذرا توحید کے ان دعویداروں کی یہ عبارت بھی ملاحظہ فرمائیے اور بتائیے کہ یہ قرآن و حدیث ماننے والے کسی موحّد کی لکھی ہوئی ہے یا.....

”کسی قبر پر جا کر یا کسی بزرگ کا نام لے کر اس طرح دعا کرنا کہ بحر مت فلاں یا فلاں کے صدقے یا اللہ میرا فلاں کام کر دے، میری حجت پوری فرما دے، فلاں مشکل سے نجات عطا فرما دے۔ یہ صورت مشرکانہ تو نہیں، البتہ مبتدعانہ ضرور ہے یعنی غیر مسنون طریقہ دعا ہے۔“ (5)

شاہ ولی اللہ کو یہ لوگ ہندوستان میں مسلک احمدیہ کا مجدد گردانتے ہیں، جس کا اظہار ان الفاظ میں کیا جاتا ہے:

(1) قبر پرستی اور سماع موتی: صفحہ ۸۷

(2) عقیدہ احمدیہ: صفحہ ۳۴۳

(3) قبر اور عذاب قبر: صفحہ ۴۱

(4) روح، عذاب قبر اور سماع موتی: صفحہ ۹۴

(5) قبر پرستی: صفحہ ۱۷۹

”مغلیہ دور کی آخری دھائی میں اللہ تعالیٰ نے امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو پیدا کیا جنہوں نے حدیث رسول کی اشاعت پر کمر باندھی اور تقلید و جمود کے خلاف جہاد کا آغاز کیا جس سے سرزمین ہند میں قرآن و حدیث کی تعلیم و اشاعت کا ایک دروازہ کھل گیا۔ حضرت شاہ صاحب کے بعد ان کے صاحبزادوں اور شاگردوں نے ان کے مشن کو آگے بڑھایا حتیٰ کہ شیخ اکمل امام السید میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ولی اللہی مسند علمی کے وارث بنے جنہوں نے کتب و سنت کی تعلیم و اشاعت کے مشن کو اورج شریا تک پہنچایا۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے برصغیر میں علم حدیث کا شہرہ بلند ہوا اور خوب ڈنکا بجا۔“ (1)

حنفی عالم یوسف لدھیانوی صاحب کی کتاب ”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ کا جواب دیتے ہوئے ”صراط مستقیم اور اختلاف امت“ نامی کتاب کے سترہ صفحات میں اہل حدیث علماء نے شاہ ولی اللہ کے الہدایت ہونے پر طویل بحث کی ہے اور ان کی کتابوں کے اقتباس نقل کر کے ان کا غیر مقلد ہونا ثابت کیا ہے حالانکہ وہ اپنی زبان سے خود کو مقلد کہتے تھے اور بیان کرتے تھے کہ تقلید اختیار کرنے اور اس کے دائرے سے نہ نکلنے کا حکم انہیں براہ راست خود رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ سے ہوا۔ (2) یہی وجہ ہے کہ بریلوی اور دیوبندی شاہ ولی اللہ کو اپنا ہم مسلک مانتے ہیں۔ شاہ صاحب تقلید کی تاکید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

باب تاکید الاخذ بهذه
المذاهب الاربعة والتشديد
في تركها والخروج عنها

اعلم ان في الاخذ بهذه المذاهب
الاربعة مصلحة عظيمة وفي الاعراض
عنها كلها مفسدة كبيرة

جان لینا چاہیے کہ ان مذاہب کے اختیار میں ایک
عظیم الشان مصلحت اور ان کے چھوڑنے میں ایک
بڑا فساد ہے۔“ (3)

ولی اللہی کارناموں کے لیے الہدایتوں کا کہنا ہے کہ

(1) عقیدہ اہل حدیث: صفحہ ۱۳

(2) فیوض الحرمین: تینتیسواں مشاہدہ، صفحہ ۲۲۷

(3) عقد الجید: صفحہ ۵۳

”واقعہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ نے اسلام کی وہ خدمت کی ہے جو سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔“ (1)

اگر شاہ صاحب کی صرف ایک کتاب ”انفاس العارفین“ پڑھ لی جائے تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ انہوں نے اسلام کی کیا ”خدمت“ کی ہے۔ اس کتاب میں قرآن وحدیث کا کھلا انکار کیا گیا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔ تصوف کے متعلق اوپر بیان کردہ نیچی گوند لوتی صاحب کی رائے اس کتاب میں پوری طرح کارفرما نظر آتی ہے۔ لیکن شاہ موصوف کو دین کا مجدد بنانے والوں کا تجاہل عارفانہ ملاحظہ فرمائیے، کہتے ہیں:

”آپ نے سفر حجاز کے دوران وہاں کے شیخ ابو طاہر سے علم حدیث حاصل کیا اور ہندوستان میں اس نور کو عام کیا، اسلام کا پر حکمت اور انقلابی تصور پیش کیا، لیکن شاہ صاحب جیسا عظیم مصلح جو حقیقتاً حکیم الامت تھا، تصوف سے اپنا پیچھا وہ بھی نہ چھڑا سکے اور ”انفاس العارفین“ جیسی متصوفانہ کتابیں بھی ان کے نام سے ہمیں ملتی ہیں جن کے بارے میں اغلب گمان یہی ہے کہ وہ پہلے کی لکھی ہوئی ہیں۔“ (2)

حالانکہ شَہِدٌ شَہِیدٌ مِّنْ اٰہِلِہَا کے مصداق ان کا اپنا ایک آدمی یہ شہادت دیتا ہے کہ اس کتاب کے مندرجات ”کو شاہ صاحب کے فلسفہ اور تصوف کی روح کہنا چاہیے۔“ (3) اور شاہ صاحب کے نزدیک تصوف کی کس قدر اہمیت تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحب اس شخص کو اپنے گروہ سے خارج کہتے تھے جو صوفی علماء کی صحبت ترک کر دے اور اہل تصوف سے کنارہ کش ہو جائے۔ (4) ایسے شخص کو اپنے گروہ میں نہ سمجھنے سے نہ معلوم شاہ صاحب اسے دائرۃ اسلام سے خارج سمجھتے تھے یا کچھ اور! یہ بات بہر حال طے ہے کہ شاہ صاحب نے تصوف کے حق میں کتابیں لکھیں، صوفیانہ مسائل کی تائید کی

(1) آسمانی جنت اور درباری جہنم: صفحہ ۱۵۶۔ ”سنہرے حروف سے لکھی جانے کے قابل“ ان کی ”خدمات“ کے کچھ نمونے ہماری کتاب ”ایمان خالص قسط اول“ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہاں طوالت سے بچنے کے لیے نہیں دیئے جا رہے۔

(2) آسمانی جنت اور درباری جہنم: صفحہ ۱۵۶

(3) عبید اللہ سندھی: شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ: صفحہ ۱۹۴

(4) شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ: صفحہ ۲۰۰

اور کسی بات کی تردید آخر تک نہیں کی۔ ان کی ایسی کوئی تحریر بھی نظر سے نہیں گزری جس میں انہوں نے اپنے کسی صوفیانہ قول سے رجوع کیا ہو۔ لہذا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ان کا خاتمہ انہی عقائد پر ہوا۔ لیکن بایں ہمہ جب یہ لوگ اپنے پسندیدہ مسئلے فاتحہ خلف الامام کا ثبوت دینے کے لیے اسی کتاب ”انفاس العارفین“ کا حوالہ دیتے ہیں^(۱) تو پھر انہیں اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی!

انہی شاہ صاحب کے ایک بیٹے کے مرید سید احمد بریلوی اور ایک پوتے شاہ اسماعیل دہلوی کی سکھوں کے خلاف جہادی سرگرمیوں کا حوالہ دیتے ہوئے آج کل اہلحدیث حلقوں میں جہاد کا بہت غلغلہ ہے۔ ان کا ”مرید کے“ کا ”لشکر طیبہ“ تو اس معاملے میں بہت سرگرم ہے۔ یہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں جہاد سے متعلق آیات و احادیث استعمال کر کے اور شاہ اسماعیل اور ان کے پیروں اور رفقاء مولوی ولایت علی، عنایت علی* کے واقعات بیان کر کے نوجوانوں کو کشمیر آزاد کرانے کی تحریص دلاتے ہیں۔ جہاد کی فضیلت سے کسی کو انکار نہیں۔ لیکن جہاد سمیت ہر حکم الہی ایمان خالص کے ساتھ مشروط ہے۔ قرآن وحدیث کے خلاف عقائد و اعمال اختیار کرنے والوں پر جہاد تو کیا کوئی بھی دینی حکم لازم نہیں۔ اور جہاد تو اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لیے کیا جاتا ہے، مزاروں کی بازیابی کے لیے نہیں؛ کفر و شرک کی نشانیں کو مٹانے کے لیے کیا جاتا ہے، انہیں آباد کرنے کے لیے نہیں؛ دین اسلام کی ترویج کے لیے کیا جاتا ہے، مسکئی دعوت پھیلانے کے لیے نہیں!

اس ”لشکر طیبہ“ کے نقیب رسالے ”الدعوة“ کے مدیر امیر حمزہ صاحب، ان پیرومرید صاحبان کے کارنامے بیان کرتے ہوئے اس طرح رنگ آمیزی کرتے ہیں:

”ادھر روح جہاد سے عاری برصغیر کے اکثر علماء جنہوں نے حج کے پرخطر راستوں کا خوف دکھا کر فریضہ حج موقوف کر رکھا تھا، اسے زندہ کرنے کے لیے شاہ ولی اللہ کے پوتے شاہ اسماعیل بن شاہ عبداللہ سید احمد شہید کی امارت میں ایک عظیم الشان قافلہ کو لے کر 1237ء میں حجاز

(۱) فاتحہ خلف الامام از خالد گرجا کھی: صفحہ ۱۳

* یہ شرکیہ نام ہے۔ [تفصیل عنوان میں پڑھیے] قرآن وسنت کا قبیح ایک موحد مجاہد یہ نام کیسے رکھ سکتا ہے!

روانہ ہوئے اور فریضہ حج ادا کیا۔ وہاں چودہ ماہ قیام کیا..... یہ قافلہ جب واپس ہندوستان لوٹا تو شرک کے خلاف توحید کی دعوت کا کام پہلے سے زیادہ سرگرمی کے ساتھ شروع کر دیا گیا۔ شاہ صاحب دہلی شہر کی مساجد، چوراہوں اور گھروں میں جا کر توحید کی دعوت دینے لگے..... شاہ صاحب نے ”تقویۃ الایمان“ جیسی ایمان افروز کتاب بھی لکھی جس نے لاکھوں لوگوں کو شرک و بدعت کی دلدل سے نکال کر توحید و سنت کے لہلہاتے باغ میں لا کھڑا کیا۔ شاہ صاحب نے جب پنجاب میں مسلمانوں پر سکھوں کے مظالم سنے تو پورے پنجاب کا دورہ کیا اور پھر وہ لوگ کہ جو اہل توحید بن چکے تھے ان کا ایک لشکر بنایا اور سکھوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ”سرحد“ کو اپنا ٹھکانہ بنایا..... کچھ دیر بعد معرکہ حق و باطل ٹھن چکا تھا۔ شاہ شہید کی پیشانی جو ہر روز اپنے مالک کے حضور کئی بار سر بسجود ہوا کرتی تھی آج حق کی شہادت کے لیے گولیوں کا سامنا کر رہی تھی۔ داڑھی خون سے رنگین تھی اور شاہ شہید یہ کہتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے کہ میں تو وہیں جاتا ہوں جہاں امیر المومنین ہیں اور اوہر عرش عظیم کا مالک اپنے ان مجاہدوں کے استقبال کے لیے اپنے فرشتے بھیج رہا ہوگا، حوریں آیا ہی چاہتی ہوں گی اور یہ لوگ تھوڑی دیر بعد بالا کوٹ سے اپنے اللہ کے بالا خانوں میں آرام فرما ہوں گے۔ (انشاء اللہ) (1)

کاش یہ لوگ یہ قلابے ملانے سے پہلے ان ”شاہ شہید“ کی دوسری کتابیں بھی پڑھ لیتے۔ ان کی ایک کتاب ”عقبات“ ہے جو صوفیانہ عقائد کے اثبات میں ہے۔ یہ کتاب شروع سے آخر تک اسلامی عقائد کی نفی کرتی ہے، جس طرح ان کے دادا کی کتابیں انفاس العارفین، فیوض الحرمین، در ثمنین وغیرہ کرتی ہیں۔ ان کی دوسری کتاب ”صراط مستقیم“ ہے جس میں انہوں نے اپنے پیر سید احمد صاحب کے ملفوظات نقل کیے ہیں اور جو الوہیت کا مقام حاصل کرنے کے عملی طریقوں کی تعلیم سے پُر ہے۔ اور یہ کتاب ”تقویۃ الایمان“ بھی، جسے یہ ”ایمان افروز“ (یعنی ایمان بڑھانے والی) کہتے ہیں، توحید کے بیان کے ساتھ شرک سے خالی نہیں۔ ویلے کا شرک اس میں بھی موجود ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”یہ جو لوگوں میں ایک ختم مشہور ہے کہ اس میں یوں پڑھتے ہیں یا عبد اللہ القادر شیعاً دِلّہ یعنی اے شیخ عبدالقادر دو تم اللہ کے واسطے، یہ لفظ نہ کہا چاہیے ہاں اگر یوں کہے کہ یا اللہ کچھ

وے شیخ عبدالقادر کے واسطے تو بچا ہے۔“ (1)

اس تو سئل کا ایک دوسرا طریقہ اس طرح بتایا:

”طالب کو چاہیے کہ پہلے باوضو ووزانو بطور نماز بیٹھ کر اس (یعنی چشتی) طریقے کے بزرگوں یعنی حضرت معین الدین سنہری اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ حضرات کے نام کا فاتحہ پڑھ کر بارگاہ خداوندی میں ان بزرگوں کے توسط اور وسیلہ سے التجا کرے اور نیاز بے انداز اور زاری بے شماری کے ساتھ اپنے کام کے فتح یاب کے لیے دعا کر کے دوضرب شروع کرے..... (یعنی وائیں بائیں گردن گھمائے)“ (2)

شاہ ولی اللہ کی ”خدمات“ کو سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل سمجھنے والے ان کی کتاب ”القول الجلیل“ بھی ضرور پڑھیں جس میں انہوں نے طرح طرح کے تعویذ گنڈوں، جھاڑ پھونک کے ساتھ ساتھ صوفیانہ چلے، مراقبے، وظیفے، تصور شیخ، پاس انفاس، کشف قبور، ہر قسم کی حاجت براری کے لیے نماز کن فیسموں، وغیرہ کے طریقے بھی بتائے ہیں جبکہ قرآن و حدیث ان باتوں کی نفی کرتے ہیں۔ اپنی دوسری کتاب ”خیر کثیر“ میں تصوف کے فلسفیانہ دقائق بیان کرتے ہوئے انہوں نے حروف مقطعات کے معنی بھی بتادیئے جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ پیغمبر آخر الزماں ﷺ کو بھی نہیں دیا تھا ورنہ کسی حدیث میں اس کا ضرور بیان ہوتا! انہی موصوف کی ”سلاسل اولیا“ نامی کتاب میں تصوف کے سلسلہ ہائے کثیرہ کے لیے انواع و اقسام کے عملیات تجویز فرماتے ہوئے کشف قبور اور زیارت رسول ﷺ کے بھی طریقے تعلیم فرمائے ہیں! فیاللعجب

(1) تقویۃ الایمان: مطبوعہ مرکناٹل پرنٹنگ پریس، بازار فچپوری، دہلی (۱۳۴۱ھ) حسب فرمائش آل انڈیا الہدایت کانسٹریٹس، دہلی / مطبوعہ ملک سراج الدین اینڈ سنز، لاہور (۱۹۵۶ء) / مطبوعہ مکتبۃ السلفیہ، لاہور، صفحہ ۸۱ / مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، صفحہ ۵۴ / مطبوعہ مکتبہ ثنائیہ، سرگودھا، صفحہ ۹۳ [دیوبندیوں کے ساتھ ساتھ الہدایوں نے بھی کتاب مذکورہ سے یہ عبارت بلا کسی وضاحت کے حذف کر دی ہے جو کہ ایک خالص علمی خیانت ہے۔ ثبوت کے لیے ان مسلکوں کے نمائندہ ناشرین دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی اور نعمانی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور کی مطبوعہ تقویۃ الایمان ملاحظہ فرمائیے] جس کتاب میں اس شرکیہ عقیدے کی تشہیر کر کے لوگوں کے ایمان کو بر باد کیا گیا ہو، اس کی تعریف میں رطب اللسان رہنا ہر کو قدر کہنے کے مترادف ہے!

(2) صراط مستقیم: صفحہ ۱۵۳

تعویذات کی حلت و حرمت سے متعلق بھی اہلحدیثوں میں تضاد بیانی پائی جاتی ہے۔
 پروفیسر اکرم نسیم حجہ نے اپنی کتاب ”تفہیم سنت“ میں تعویذ کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔⁽¹⁾
 جماعت اہلحدیث کے شہید احمد سلفی صاحب تعویذات کی حرمت میں احادیث بیان کر کے
 ایک عمومی اصول بیان کرتے ہیں:

”ان نصوص سے یہ بات واضح طور سے ثابت ہوتی ہے کہ تعویذ گنڈے، کوڑی و گھونگھے
 وغیرہ لٹکانا حرام ہے اور یہ نصوص عام ہیں، ہر طرح کی تعویذ گنڈے وغیرہ کو شامل ہیں۔ خواہ
 قرآنی آیات اور اذکارِ مسنونہ پر مشتمل ہوں یا دوسرے کلمات۔ خواہ ان گروہوں میں قرآن
 پڑھ کر چھونکا گیا ہو یا غیر قرآن کو..... رسول اللہ نے تعویذ لٹکانے کی عام ممانعت فرمائی ہے۔
 قرآن اور غیر قرآن کی کوئی تخصیص وارد نہیں۔ اگر قرآنی تعویذ لٹکانا جائز ہوتا تو آپ اس کی
 تخصیص ضرور فرماتے.....“⁽²⁾

”اگرچہ تعویذ قرآنی آیات اور وعاءِ ماثورہ پر ہی کیوں نہ مشتمل ہو پھر بھی جائز نہیں۔“⁽³⁾

”آپ سے کوئی ایسا استثناء ثابت نہیں کہ قرآنی تعویذ جائز اور غیر قرآنی تعویذ ناجائز بلکہ
 آپ کا ارشاد بالکل واضح اور عام ہے۔ قرآنی و غیر قرآنی تعویذ سب کو شامل ہے۔ یہ شرکیہ
 اعمال ہیں۔ ان کو لٹکانے والا شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔“⁽⁴⁾

لیکن دراست اسلامیہ، راولپنڈی کے پروفیسر طالب الرحمن صاحب تعویذ کو نہ صرف جائز
 بلکہ رسول اللہ ﷺ کا حکم قرار دیتے ہیں۔⁽⁵⁾ *

(1) صفحہ ۵۰۶ وغیرہ

(2) تعویذ گنڈہ کی حقیقت: صفحات ۱۵، ۱۴

(3) تعویذ گنڈہ کی حقیقت: صفحہ ۲۷

(4) تعویذ گنڈہ کی حقیقت: صفحہ ۲۹

(5) تعویذ کی شریعی حیثیت: صفحہ ۱۰

★ پروفیسر صاحب جن احادیث سے استدلال کر کے تعویذ کو حکم رسول قرار دیتے ہیں ان میں ”تَعَوُّذُ“ یعنی
 اللہ سے پناہ چاہنے کا ذکر ہے نہ کہ تسمیۃ کا جس کو نبی ﷺ نے شرک قرار دیا ہے۔ لیکن پروفیسر صاحب
 تسمیۃ کا مطلب تعویذ نہیں بلکہ کوڑیاں منگے کرتے ہیں۔ اور اس طرح کوڑیاں لٹکانے کو شرک سمجھتے ہیں
 لیکن تعویذ لٹکانے کو جائز بلکہ حکم رسول کہتے ہیں!

قرآن و حدیث کی دعوت کو عام کرنے اور جہاد کرنے کا غلغلہ مچانے والے ”مرکز الدعوة والارشاد“ نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے اور یہ لوگ بھی ”تمیمة“ کا مطلب دوسرے المحدثوں کی طرح ”مکے“ ہی لیتے ہیں۔ البتہ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ

”رہا تعویذ یعنی کاغذ پر کچھ لکھ کر گلے میں ڈالنا تو اس کا وجود رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں معلوم نہیں۔ یہ چیز بعد میں شروع ہوئی ہے۔“ (1)

تاہم ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ

”البتہ اگر کوئی شخص اللہ کا نام یا قرآن مجید کی آیت لکھ کر گلے میں لٹکائے تو اسے شرک کہنا درست نہیں، کیونکہ اس میں اس نے کسی غیر سے مدد نہیں مانگی..... جو لوگ اسے شرک قرار دیتے ہیں، ان کی بات بالکل بے دلیل ہے اور وہ غلو کا ارتکاب کر رہے ہیں۔“

ستم ظریفی دیکھیے کہ تعویذ کے شرک ہونے کے فرمان رسول ﷺ کو بیان کرنا ان کے نزدیک ”غلو“ ہے لیکن حدیث پر عمل کرنے کا دعویٰ کر کے نبی ﷺ کے لیے حضور، آنحضور، حضرت، آنحضرت، سرور کونین، سرور کائنات، وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کرنا جو کسی حدیث میں نہیں آئے، انہیں ”غلو“ نہیں نظر آتے جبکہ نبی ﷺ نے اپنی تعظیم میں مبالغہ کرنے سے منع بھی فرمایا ہے۔ (2) اور تو اور اپنے علماء کو ”مولانا“ (آقا و مالک، وغیرہ) کہنے کے ساتھ ساتھ * اس قسم کے مبالغہ آمیز القابات بھی دیتے ہیں جو کہ ان کے مخالف مقلد بریلویوں، دیوبندیوں کی تحریروں میں نظر آتے ہیں، مثلاً

ناصر السنة النبوية، ناصر العقيدة السلفية، قاعم البدعة، المجاهد لاعلاء كلمة الله، الصلب في النسبة، الملازم للعبادة، العالم الفاضل، المحدث الفقيه، رئيس المحققين، العلامة الشیخ السید بدیع الدین الشاہ السندی المراثدی.....

(1) الدعوة، اگست ۱۹۹۵ء، صفحہ ۴۱

(2) بخاری: کتاب بدء الخلق، احادیث الانبیاء، باب وافر فی الکتاب مریم

★ جبکہ یہ بھی خلاف حدیث ہے مگر اس کے بھی جائز ہونے پر ان کی باقاعدہ تحریریں موجود ہیں۔ ادارہ اشاعت اسلام، لاہور نے رانا اسحاق صاحب کا ایک کتابچہ شائع کیا ہے جس میں مولانا، مولائی، سیدی، حضور وغیرہ الفاظ کے استعمال کو جائز قرار دیا گیا ہے!

شیخ النکل، امام المتقین، سید المحدثین، تاج الفقهاء، علم العلماء، جامع العلوم النقلیة والعقلیة، ناصر السنة النبویة، عمدة العاملين، زبدة الكاملین، حجة الله على الخلق، مجدد القرن، الامام، المحدث الفقیة الاصولی الشیخ شیخنا السید نذیر حسین.....

رئیس المفسرین، شیخ المحدثین، امام المناظرین، ابن تیسمة زمان، شوکانی دوران، سردار اہل حدیث فی الہند، شیخنا الشیخ، الامام المتقی النقی العامل الورع الکامل، محب السنة، محسود اہل البدعة، بقیة السلف، عمدة الخلف، مجدد القرن، ابو الوفاء ثناء الله بن محمد بن خضر انکشمیری الاصل ثم الامر تسری.....

نواب معلى القاب، مرجع العلماء و عمدة الکماء و منبع الفیوض الرحمانیة، ناشر السنة النبویة، المحدث الفقیة، العلامة السید صدیق بن حسن بن علی الحسینی البغاری القنوجی البوفالی.....

شیخنا العلامة المحدث، استاذ العلماء، افضل الفضلاء، الصابر، الصائم، الشیخ، الحافظ عبد الله بن روشن دین الروبری الامر تسری اللاهوری.....^(۱)

تعویذ کے شرک ہونے کے مطلق فرمان رسول ﷺ میں قرآنی تعویذات کو شامل کرنے کو ”غلو“ کہنے والے ”لشکر طیبہ“ کا یہ عمل بھی دیکھیے اور بتائیے کہ یہ مال بٹورنے میں ”غلو“ ہے یا کسی حدیث رسول ﷺ کی اتباع و پیروی: یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے اور مال خرچ کرنے کے فضائل بیان کر کے ہر فرقہ و مسلک کے لوگوں سے زکوٰۃ، صدقات، چندہ، خیرات لے کر انہیں ثواب اور جنت کی خوشخبری دیدیتے ہیں خواہ وہ ان کے اپنے بیان کردہ ”تقلید کے شرک“ سے آلودہ دیوبندی ہوں یا بریلوی، شیعہ ہوں یا قادیانی؛ انہیں اس سے غرض نہیں۔ بس مال آنا چاہیے خواہ کہیں سے بھی آئے! رمضان کے مہینے میں تو زکوٰۃ و فطرہ اور بقر عید میں جہاد کے نام پر کھالیں جمع کرنے کے لیے تو ایک ”جہاد“ برپا ہوتا ہے۔ یعنی جن پر بدعتیہ کی وجہ سے زکوٰۃ و قربانی فرض نہیں (کیونکہ تمام احکامات اسلامی قرآن و

(۱) بدایۃ المستفید، ج ۱، صفحہ ۳۴، ۱۰۰، ۱۰۵ بحوالہ حدیث اور اہل حدیث: صفحہ ۱۳۵، ۱۳۵

حدیث سے ثابتہ صحیح عقائد رکھنے والے خالص مومنوں پر ہی فرض ہوتے ہیں، مشرکوں پر نہیں؛ اور مقلدوں کا مشرک ہونا ان کی تحریروں سے ثابت ہے جن کا حوالہ پیچھے دیا جا چکا ہے، ان سے زکوٰۃ اور قربانی کی کھالیں وصول کی جاتی ہیں!

پیری مریدی کا کوئی تصور قرآن و حدیث میں موجود نہیں۔ لیکن پھر بھی ان کے یہاں ”پیر جھنڈا“ کا وجود ہے جو خود اس بات کے مدعی ہیں کہ الہمدیثوں میں پیری مریدی نہیں ہوتی، جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے! ”پیر جھنڈا“ بدیع الدین راشدی صاحب رکوع سے کھڑے ہو کر قومہ میں دوبارہ ہاتھ باندھ لینے کو ”سنت“ کہتے تھے جس پر ان کی تحریریں موجود ہیں۔ جبکہ ”چھٹے پیر آف جھنڈا“ محب اللہ راشدی صاحب اپنی کتاب ”رکوع کے بعد قیام میں ہاتھوں کا چھوڑنا ہی مسنون ہے“ میں اس کے بالکل الٹ بات کہتے ہوئے اسے بدعت، گمراہی و نفس پرستی قرار دیتے ہیں!

نبی ﷺ کی خواب میں زیارت کرنے سے متعلق شبان غریاء الہمدیث کے ناظم اعلیٰ علامہ سعید احمد یوسف زئی فرماتے ہیں:

”میرا یہ ایمان ہے کہ اوّل تو نبی کے خوابوں کے دعویدار جھوٹے، کذاب، مغتری، وچال کی اولاد اور شیطان کی ذریت ہیں۔ انہوں نے نبی کی ذات پر تمہتیں باندھی ہیں۔ نبی ﷺ نہ تو کسی کے خواب میں آتے ہیں اور نہ ہی آسکتے ہیں، ان افتراء پردازوں کے خوابوں میں اگر کوئی آیا ہے تو وہ ابلیس لعین کے علاوہ کوئی نہیں۔* اس لیے افتراق امت، انتشار امت اور اختلاف امت اسی کے مشاغل ہیں۔ تمام فرقوں کا بانی و مہمانی وہی ہے۔ وہی ان فرقوں کو قائم و آباد رکھنے کے لیے اور قرآن و حدیث سے لوگوں کو دور رکھنے میں کوشاں ہے۔ وہی وحدت امت کا دشمن ہے اور وہی یہ چاہتا ہے کہ امت مسلمہ کا افتراق کبھی ختم نہ ہو، چنانچہ اس مقصد کے لیے وہ دیوبندی کے خواب میں آکر اسے دیوبندیت پر پختہ کرتا ہے اور بریلوی کے خواب میں آکر

★ الہمدیثوں کے ایک قاری صاحب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی شکل و صورت شیطان نہیں دھار سکتا، رسول اکرم کا خواب میں آنا بھی حقیقت ہے۔ (پہلا زینہ: صفحہ ۱۹۹) ایک دوسرے صاحب اس طرح لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کا خواب میں آنا برحق ہے کیونکہ شیطان آپ کی شکل میں نہیں آسکتا اور یہ ایک مسلمہ امر ہے۔ (حقیقت و میلہ: صفحہ ۱۳۸)

اسے بریلویت پر پختہ کرتا ہے۔ پھر اس کے یہ متبعین بیدار ہو کر اس کی تابعداری کرتے ہوئے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے خواب میں جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں اور انہوں نے فلاں فلاں تعلیم دی۔ پھر ان خوابوں کو یہ لوگ ”مسلمانوں کے لیے ایک اہم انتباہ“ یا اس جیسے دوسرے ناموں سے شائع کراتے ہیں۔“ (1)

لیکن ایک دوسرے علامہ صاحب (فضل الرحمن کلیم) نے اس معاملے میں دوسرے اہلحدیثوں کی طرح اپنے اسلاف کی طرف سے صرف نظر کر لیا! جس ذات کے متعلق علامہ یوسف زئی ارشاد فرما رہے ہیں کہ وہ لعین بریلویوں اور دیوبندیوں کے خوابوں میں آکر انہیں باور کراتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی اور یہ یہ تعلیم دی، وہ ”ذات شریف“ ان اہلحدیثوں کے گھر بھی تو تشریف لاتی ہے! لیکن اس وقت یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ لوگ ”جھوٹے، کذاب، مفتری، دجال کی اولاد اور شیطان کی ذریت ہیں“ اور انہوں نے شیطان کو خواب میں دیکھا، بلکہ اس وقت کلیم صاحب اس طرح کلام فرماتے ہیں کہ

”اگر کوئی خواب کتاب و سنت کے مطابق ہے تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے حضور کی زیارت نصیب کی لیکن اگر وہ اس کے خلاف ہے تو اس کو رد کر دینا چاہیے..... اور اگر مطابقت پائی جاتی ہو تو پھر زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ انہوں نے خواب میں حضورؐ ہی کی زیارت کی ہے اور بڑے ہی خوش نصیب ہیں۔“ (2)

قادیانیوں کے خلاف کتاب لکھنے پر ایک تیسرے علامہ (احسان الہی ظہیر) صاحب کے اپنے تاثرات ملاحظہ ہوں: پڑھ کر اندازہ لگائیے کہ یہ کسی مقلد جامد بریلوی دیوبندی کی غلو آمیز تحریر ہے یا حدیث کے ایک عالم کی:

”اور شاید اس سے بھی خوشنودی رب کا وہ پروانہ مل جائے جو مرزائیت پر عربی مقالات کو جمع کرنے کے بعد ملا تھا، کہ جب ۱۹۶۷ء کے رمضان مبارک کی ستائیسویں شب مسجد نبویؐ کے پڑوس میں اپنی کتاب ”القادیانیہ“ کو مکمل کر کے سویا تو کیا دیکھتا ہوں، سحر گاہ وعائے نیم شبی لبوں پر لیے، باب جبرئیلؑ کے راستے (کہ دیار حبیب میں میرا مکان اسی جانب تھا) مسجد نبویؐ کے

(1) خوابوں میں دیدار رسول اللہ ﷺ کی حقیقت: صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷

(2) دعا کرنے کا اسلامی تصور: صفحہ ۲۰۳

اندر داخل ہوتا ہوں، لیکن روضہ اطہر کے سامنے پہنچ کر ٹھٹک جاتا ہوں کہ آج خلاف معمول روضہ معلیٰ کے دروازے وا ہیں اور پہرے دار خندہ رو، استقبالیہ انداز میں منتظر ہیں، میں اندر بڑھ جاتا ہوں کہ سامنے سرور کوئین، رحمت عالم محمد اکرم ﷺ رعنائیوں اور زیبائیوں کے جہر مٹ میں صدیق اکبرؑ اور فاروق اعظمؓ کی معیت میں نماز ادا فرما رہے ہیں۔ دل خوشیوں سے لبریز اور دماغ مسرتوں سے معمور ہو جاتا ہے اور جب میں دیر کیے باہر نکلتا ہوں تو دربان سے سوال کرتا ہوں، یہ دروازے تم روزانہ کیوں نہیں کھولتے؟ اور جواب ملتا ہے:

”یہ دروازے روزانہ نہیں کھلا کرتے۔“ ”یہ دروازے روزانہ نہیں کھلا کرتے۔“

اور آنکھ کھلی تو مسجد نبویؐ کے میناروں سے یہ دلکش ترانے گونج رہے تھے:

اشھد ان محمد ارسول اللہ..... اشھد ان محمد ارسول اللہ

اور صبح جب میں نے مدینہ یونیورسٹی کے چانسلر کو ماجرا سنایا تو انہوں نے فرمایا تمہیں مبارک ہو کہ ختم نبوت کی چوکھٹ کی چوکیداری میں خاتم النبیین کے رب نے تمہاری کاوش کو پسند فرمالیا ہے اور کون جانے میرا رب اسے بھی رسالت مآب ﷺ کی خدمت شمار فرمائے۔“ (1)

یہ تو ان علامہ صاحب کا اپنا واقعہ تھا۔ الحمد للہ ان کی نام نہاد قربانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے جناب نے ”امیر المجاہدین مولانا یحییٰ علیؒ“ کا واقعہ بیان کیا کہ انگریزوں نے ان کے مکانات مسمار کر دیئے اور ان کے بزرگوں کی قبریں بھی کھدوا ڈالیں..... یحییٰ علیؒ کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو گھر والوں کو لکھا:

”آج شب سرور کائنات ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپؐ نے تبسم فرماتے ہوئے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی:

وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ ○
أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَواتٌ مِن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ۔“ (2)

(1) مرزائیت اور اسلام: صفحہ ۲۴، ۲۵

(2) مرزائیت اور اسلام: صفحہ ۶۶۸، ۶۶۹ - آیت کا ترجمہ: تو صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سناؤ۔ ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی سیدھے راستے پر ہیں۔“

(البقرہ: ۱۵۵-۱۵۷)

ان کے اسلاف میں سے ابراہیم سیالکوٹی صاحب نے بھی قادیانیوں کے خلاف ”شہادت القرآن“ نامی کتاب لکھی تھی جس میں رفع عیسیٰ علیہ السلام کو ثابت کرتے ہوئے قرآن و حدیث کے دلائل کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ انہیں خواب میں نبی ﷺ کی طرف سے ایک کاغذ عنایت کیا گیا جس پر لکھا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام بے شک آسمان میں زندہ موجود ہیں اور وہ قیامت کے قریب ضرور اتریں گے۔ صرف یہی نہیں بلکہ عیسیٰ علیہ السلام بھی ان کے خواب میں آکر مرزا قادیانی کے متعلق فرماتے ہیں کہ

”کوئی خطرے کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو جلد ہلاک کرے گا۔“ (صفحہ ۱۰، ۱۱)

الہمدیوں کی تضاد بیانی و تضاد عملی کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ہفت روزہ ”الہمدیث“، لاہور اپنے ۷ فروری ۱۹۸۹ء کے شمارے میں ”سعودی علماء کبار کا متفقہ فتویٰ“ شائع کرتا ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد امام کا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور اس کے پیچھے مقتدیوں کا بھی ہاتھ اٹھا کر آمین آمین کہنا کتاب و سنت سے ثابت نہیں، لہذا

”اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ وہ ناقابل قبول اور مردود ہے۔“ (صفحہ ۲)

لیکن یہ خلاف سنت ”ناقابل قبول اور مردود“ عمل الہمدیوں کی مسجدوں میں کثرت سے دیکھنے میں آتا ہے۔ جس کے لیے وہ کہتے ہیں کہ

”فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے۔“ (۱)

فتاویٰ نذیریہ کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ

”..... معلوم ہوا کہ امام کا سلام پھیر کر مقتدیوں کی طرف منہ کر کے دعا مانگنا درست ہے۔“ (۲)

”نماز کے بعد دعا مانگنا سنت ہے۔ ہاتھ اٹھانا اس کے آداب میں شامل ہے۔ تاہم یہ نمازیوں کی مرضی ہے کہ وہ ہاتھ اٹھا کر مانگیں یا بغیر ہاتھ اٹھائے مانگیں۔ فردا فردا مانگیں یا مل کر مانگیں سب جائز ہے۔ صحیح اور خصوصی ثبوت کے بغیر ہر قسم کی پابندی سے گریز کرنا چاہیے۔ اسے ضروری سمجھنا اتنا ہی غلط ہے جتنا اس سے منع کرنا۔ اس مسئلہ میں تشدد اور تفریق بین المسلمین روا نہیں۔ علامہ عبد الرحمن مبارکپوری فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے اور کوئی حرج نہیں ہے۔“ (۳)

(۱) صلوٰۃ الرسول: صفحہ ۳۱۱ (۲) صلوٰۃ الرسول: صفحہ ۳۱۲

(۳) کراچی کا عثمانی منہب: صفحہ ۱۵

- ”ہاتھ اٹھا کر بعد نماز فرض کے دعا مانگنا درست ہے۔“ (1)
- ”احادیث سے صرف فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جلدی یا دیر سے جائز ہے۔“ (2)
- ”اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا سنت ہے۔“ (3)
- ”فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے۔“ (4)

جبکہ کچھ اہلحدیثوں نے یہ انداز اپنایا ہے:

فرض نماز کے بعد دعا کا مسئلہ: ہر فرض نماز کے بعد نبی ﷺ سے منقول مذکورہ دعائیں، اس بات کا ثبوت ہیں کہ نبی ﷺ نماز کے بعد دعا مانگا کرتے تھے۔ لیکن یہ دعا کس طرح ہوتی تھی؟ بس یہی نکتہ سمجھنے والا ہے جس سے یہ مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ نماز سے فراغت یا ضروری ذکر اذکار کے بعد یا پہلے نبی ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں مانگی، بلکہ بغیر ہاتھ اٹھائے مذکورہ دعائیں پڑھیں، اور صحابہ کرام کو بھی اسی طرح پڑھنے کا حکم دیا۔ اس سے یہ بات واضح ہے کہ مقتدی اور امام دونوں کا باہم مل کر مروجہ طریقے سے دعا مانگنا نبیؐ اور صحابہ کرام کا معمول نہیں تھا، اسی لیے کسی بھی صحیح حدیث میں یہ مروجہ طریقہ بیان نہیں کیا گیا۔ البتہ انفرادی طور پر ہر شخص جب چاہے دعا مانگ سکتا ہے، اس میں نماز کے بعد کا وقت بھی شامل ہے۔ لیکن اجتماعی دعا کو معمول بتالینا یا اسے ضروری سمجھنا، دونوں باتیں ہی بلا دلیل ہیں۔ ہمیں نبیؐ کی مذکورہ دعائیں یا دکرنی چاہئیں اور ہر فرض نماز کے بعد اپنی دعاؤں اور تسبیحات کو معمول بنانا چاہیے، نہ کہ ان کو نظر انداز کر کے اپنے مروجہ طریقوں کو اپنانے پر اصرار کریں۔ البتہ اگر ضرورت داعی ہو تو کبھی کبھی حسب ضرورت نماز کے بعد اجتماعی دعا کی جاسکتی ہے۔ جیسے نماز کے بعد کوئی نمازی کہے کہ فلاں شخص بیمار ہے، یا میری فلاں حاجت ہے، اس کے لیے دعا فرمائیں۔ اس قسم کی صورتوں میں اپنے کسی مسلمان بھائی کی حاجت یا تکلیف کے ازالے کے لیے سب مسلمانوں کا مل کر دعا کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔“ (5) *

(1) فتاویٰ ثنائیہ: جلد ۱، صفحہ ۵۰۶

(2) فتاویٰ ثنائیہ: جلد ۱، صفحہ ۵۱۸

(3) فتاویٰ ثنائیہ: جلد ۱، صفحہ ۵۱۸

(4) دستورالمتقی فی احکام النبی: صفحہ ۷۳

(5) مسنون نماز: صفحات ۶۸، ۶۹

”..... کسی بھی حدیث سے اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ رسول اللہ ﷺ فرض یا سنت کسی بھی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے، اس لیے ہر فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا التزام کرنا درست نہیں ہے۔ ہاں اگر کبھی کبھار ایسا کرے تو درست ہے کیونکہ عام اوقات میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا ثابت ہے اور دعا مانگنے کے بعد ہاتھ کا چہرہ پر پھیرنا درست ہے، گو اس سلسلے کی وارو حدیثیں بعض ضعیف اور بعض بہت ضعیف ہیں.....“ (1)

جبکہ ان کے اپنے کچھ علماء اور ان کے مدد و مددگار علماء بھی اس کو بدعت قرار دیتے ہیں:

”بلاشبہ ہر فرض نماز کے بعد بلا استقرا اور بالمشہد واجتماعی دعا کرنا صریح بدعت ہے۔“ (2)

”ہر نماز کے بعد دعوت بنا کر اجتماعی دعا مردوجہ طریقے سے کرنا صریح بدعت ہے۔“ (3)

”بعض لوگ فرض نماز کے بعد اپنے ہاتھ اٹھاتے ہیں یہ بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔“ (4)

راتا اسحاق صاحب نے تو اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد اجتماعی دعا زیادتی ہے..... بدعت ہے۔ (5) مگر دعائے قنوت کے متعلق بغیر کسی حوالے کے بیان فرماتے ہیں کہ

★ اے کاش کہ اس عمل کو جائز بلکہ مستحب قرار دینے والے علامہ صاحب اس کے ثبوت میں کوئی حدیث تو پیش کرتے! آئندہ صفحات میں منقول ان کے اپنے عالم کے بقول کسی عمل کو مستحب سمجھنا کہ شرعی احکام میں سے ہے، محتاج ثبوت ہے اور جو کسی صحیح حدیث سے ہی ہو سکتا ہے۔ ”اور اگر تم ایہانہ کر سکو، اور البتہ تم ہرگز ایہانہ کر سکو گے“ تو گزشتہ صفحات میں منقول احادیث میں سے صرف ایک حدیث ہم یہاں پیش کر دیتے ہیں جس سے علامہ موصوف کے مجوزہ ”جائز بلکہ مستحب“ عمل کی حیثیت واضح ہو جائے گی: نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی ایسا کام کرے جس کا ہم نے حکم نہیں دیا، تو وہ عمل مردود ہے۔“

[صحیح بخاری: جلد ۱، کتاب البیوع، باب ۱۳۳۶، النجش، صفحہ ۸۵۸]

صحیح مسلم: جلد ۴، کتاب الاقضية، باب نقض الاحکام الباطلہ، صفحہ ۳۲۸]

(1) دعائیں: صفحہ ۲۶

(2) تفہیم سنت: صفحہ ۵۱۳

(3) بدعات اور ان کا تعارف: صفحات ۱۱۱، ۱۱۲

(4) فتاویٰ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز، جلد ۱، صفحہ ۸۱

(5) نماز کے بعد اجتماعی دعا کی شرعی حیثیت: صفحات ۴۰، ۱۵۵، ۱۶۶

”وتروں میں ہاتھ اٹھا کر روایتی طور پر اجتماعی دعا حضرت محمد مصطفیٰ کی سنت سے کرنا ثابت ہے۔ لہذا امام دعا کے الفاظ پڑھتا جائے اور مقتدی حضرات مع امام کے ہاتھ اٹھائے ہوئے آئین آئین کہتے جائیں۔“ (1)

جبکہ اگر جاگہی صاحب فرماتے ہیں کہ

”اصل مسئلہ جو قابل غور ہے وہ وتروں میں ہاتھ اٹھا کر دعائے قنوت پڑھنے کا ہے۔ باوجود تلاش بسیار کے کم از کم میرے ناقص علم میں ابھی تک کوئی صحیح حدیث نہیں آئی البتہ اس مسئلہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب قنوت نازلہ میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے (مسند احمد) تو اسے بھی اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے کیونکہ فرض اور نفلی نمازوں کے مابین شرائط و آداب کا فرق نہیں۔“ (2)

اذان کے بعد کی دعا کے لیے رانا صاحب بغیر کسی حوالے کے فرماتے ہیں کہ اذان کی دعا آپ ہاتھ اٹھا کر روایتی طریقے سے اور بغیر ہاتھ اٹھائے مانگ سکتے ہیں، دونوں جائز ہیں۔ (3)

ایک دوسرے صاحب اس طرح فرماتے ہیں:

”قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانا اور نہ اٹھانا دونوں جائز ہیں: دعائے قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانے کی صراحت، نبی سے منقول نہیں۔ تاہم قنوت نازلہ پر قیاس کر کے ہاتھ اٹھائے جاسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں متعدد صحابہ سے ہاتھ اٹھانا ثابت ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص بغیر ہاتھ اٹھائے دعائے قنوت پڑھ لے، تب بھی جائز ہے۔ لیکن اس کے لیے دوبارہ تکبیر کہہ کر ہاتھ اٹھانا اور پھر باندھ کر دعائے قنوت پڑھنا، بلا ثبوت ہے۔“ (4)

یہ دونوں صاحبان قنوت نازلہ پر قیاس کر کے قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانے کا جواز نکال رہے ہیں جبکہ ان کے نزدیک تو

”احکام شرعیہ میں رائے اور قیاس سے استثناء جائز نہیں، ورنہ شریعت سے مان اٹھ جائے گا۔“ (5)

(1) صفحات ۱۱۵، ۱۱۶

(2) کراچی کا عثمانی مذہب: صفحہ ۱۱۷

(3) نماز کے بعد اجتماعی دعا کی شرعی حیثیت: صفحہ ۱۱۲

(4) مسنون نماز: صفحہ ۸۴

(5) صلوٰۃ النبی: صفحہ ۱۰۲

فقہ حنفی کے مقلدوں پر ان کی شدید تنقید کا ایک سبب فقہ حنفی میں قیاس کا استعمال بھی ہے۔ اگر یہ اُن کے لیے شجر ممنوعہ ہے تو پھر آپ کے لیے من و سلویٰ کیسے؟ سورۃ تطفیف کی ابتدائی آیات پر ذرا غور فرمائیں!

حدیث پر عمل کرنے کے دعویداروں کا ایک رخ یہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ یہ اپنے عقیدے و عمل کے ثبوت کے لیے من گھڑت اور ضعیف روایت سے استدلال کرنے میں بھی نہیں چوکتے۔ ان کے اکثر مشہور مسائل کی بنیاد اسی قسم کی روایات پر ہے۔*

★ اس میں بھی ان کے یہاں دو آراء پائی جاتی ہیں:

”نواب صدیق حسن خاں صاحب دلیل الطالب ارنج المطالب صفحہ ۸۸۹ میں لکھتے ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کے حجت ہونے پر اتفاق علماء ہے۔ غیر مقلدین حضرات کے شیخ النکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی فتاویٰ نذیریہ جلد ۱، صفحہ ۲۶۵ میں لکھتے ہیں کہ ضعیف حدیث جو موضوع نہ ہو اس سے استنباط اور جواز ثابت ہو سکتا ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری اپنے اخبار المحدثین ۱۵/ شوال ۱۳۴۶ء کے پرچے میں لکھتے ہیں کہ ”ضعیف حدیث مثبت استنباط ہے۔“ حافظ محمد لکھوی احوال الآخر صفحہ ۶ میں اور مولانا عبد اللہ صاحب روپڑی فتاویٰ میں لکھتے ہیں فضائل اعمال میں ضعیف حدیث معتبر ہے۔ (فتاویٰ المحدثین: جلد ۲، صفحہ ۴۳۷)۔“ (بحوالہ خزائن السنن: جلد ۱، صفحہ ۱۰۷)

ان کے ”امام العصر حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی“ صلوٰۃ العیدین کے بارے میں اپنی کتاب صلوٰۃ النبی میں لکھتے ہیں کہ

”امام ترمذی کی بارہ والی روایت میں ایک راوی کثیر بن عبد اللہ مجروح ہے۔ باوجود اس کے محدثین نے اسے ترجیح دی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بعض وقت ضعیف راوی کی تائید و شہادت دوسری روایتوں سے ہو جاتی ہے تو اس کی وہ خاص روایت نقاد محدثین کی شہادت سے قبول کر لی جاتی ہے۔ امام ترمذی نے باوجود کثیر کے مجروح ہونے کے اس کی تحسین کی ہے۔“ (صفحہ ۱۱۹)

یہاں اپنا مطلب نکل رہا ہے تو ترمذی کی تحسین سے ایک ضعیف روایت لے لی اور جب ترمذی ہی کی کوئی تحسین شدہ روایت ان کے مسلک کے خلاف پڑتی ہے تو پھر یہی ترمذی ”متساہل“ ٹھہرائے جاتے ہیں اور ان کی تحسین کسی قابل نہیں رہتی۔ (مثلاً ان کے لیے دیکھیے انوار المصانع: صفحہ ۳۲۲/ نماز کے بعد اجتماعی دعا کی شرعی حیثیت: صفحہ ۲۳۸/ صراط مستقیم اور اختلاف امت: صفحات ۱۸۵، ۲۹۰)

رانا اسحاق صاحب ترمذی کو متساہل ثابت کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ

”اگر حدیث حسن موجود نہ ہو تو پھر حدیث ضعیف پر صرف فضائل اعمال کے لیے عمل کیا جاتا ہے، اعتقادات، عبادات اور جملہ شرعی امور میں عمل نہیں کیا جاسکتا۔ مگر حدیث صحیح یا حسن کی موجودگی میں ضعیف پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔“ (نماز کے بعد اجتماعی دعا کی شرعی حیثیت: صفحات ۲۳۸، ۲۵۹)

ان کے دنیاوی قبر میں مردے کی روح کے لوٹ آنے، زندہ ہو کر زائرین کا سلام سن کر جواب دینے کے عقائد کا پیچھے ذکر ہو چکا ہے جن کی بنیاد ابن حنبل، ابن تیمیہ، ابن قیم وغیرہ کی بیان کردہ ضعیف اور موضوع روایات ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا، نبی ﷺ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے اور آپ کی روح کے گشت کرنے کے بریلوی عقیدے کو رد کرتے ہوئے ہندوستان میں مسلک احمدیہ کو رواج دینے والے میاں نذیر دہلوی صاحب ملائکہ سیاحین اور قبر میں درود سننے کی موضوع روایات سے استدلال کرتے ہوئے ثابت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہر جگہ نہیں بلکہ اپنی قبر میں حاضر و ناظر ہیں اور یہیں زائرین کا درود و سلام سنتے ہیں۔ * اسی حاضر و ناظر کے مسئلے کے رد میں ”حضرت العلام محمد ثریٰ“ یا ساریۃ الجہنم والی موضوع روایت سے استدلال کرتے ہوئے ثابت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ پر

صغیر بہاری صاحب فرماتے ہیں کہ ضعیف روایت کا متابعت میں ذکر کرنا صحیح ہے..... شواہد میں بیان کرنا

جائز ہے۔ (صراط مستقیم اور اختلاف امت: صفحات ۱۸۹، ۲۷۷)

ایک دوسرے احمدیہ بدالزمان نیپالی صاحب اپنی دعاؤں کی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ”اس مجموعے میں کوئی دعا اس وقت تک شامل نہیں کی گئی ہے جب تک اس کے صحیح یا حسن ہونے کے متعلق اطمینان نہیں کر لیا گیا ہے۔ نتیجتاً ضعیف سند سے منقول دعا کو شامل کرنے سے حتی المقدور پرہیز کیا گیا ہے، کیونکہ دعا کا پڑھنا کم از کم مستحب سمجھا جائے گا اور اس کے پڑھنے پر ثواب کی توقع رکھی جائے گی۔ اور مستحب سمجھنا اور ثواب پانے کا اعتقاد کھنا شرعی احکام میں سے ہے جس کا اثبات ضعیف حدیث سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔“ (دعائیں مطبوعہ مکتبۃ السنۃ، سولجر بازار، کراچی، صفحہ ۱۲)

ان سب کے برعکس جو ناگزیر صاحب کا تفتہ ملاحظہ فرمائیے کہ حنفیوں کے مسائل کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تیمم میں دمرتہ ہاتھ مارنے کا حکم ایک ضعیف روایت میں آیا ہے۔ اگر اس پر عمل کر لیا جائے تو صحیح ہے کیونکہ ہم احمدیوں کا یہ اصول ہے کہ اگر کسی طریقے میں دو حکم موجود ہوں تو ہم سب طریقوں کو ماننے نہیں اور سب پر عمل کرتے ہیں۔ (فتح محمدی: صفحہ ۵۶) اگر ایسا ہے تو پھر رفع یدین نہ کرنے، آمین آہستہ کہنے، نف کے نیچے ہاتھ باندھنے، امام کے پیچھے کچھ نہ پڑھنے وغیرہ جیسے مسائل میں آمدہ روایات پر کیوں عمل نہیں کیا جاتا اور پھر کیوں اس کے خلاف کرنے پر نزع کیا جاتا ہے، مناظرے کیے جاتے ہیں، چیلنج کیے جاتے ہیں، انعامات کے اشتہار لگائے جاتے ہیں.....

★ تفصیل ہمارے کتابچے عذاب برزخ میں دیکھیے۔

دروود پہنچا دیتا ہے جس طرح عمرؓ کی آواز ساریہؓ کو پہنچادی۔^(۱) اندازہ یہ ہوتا ہے کہ یہ ساریہؓ والی موضوع روایت سے استدلال بھی صرف اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے ”شیخ الاسلام“ ابن تیمیہ صاحب نے بھی اپنے رسالے ”الفرقان بین اولیاء الرحمن واولیاء الشیطن“ میں صحابہ کرام و دیگر کی کرامات کے من گھڑت واقعات بیان کرتے ہوئے اسے بھی لکھا ہے۔ [صفحہ ۱۶۰] اور تو اور ناصر الدین البانی صاحب، جنہیں یہ اہلحدیث آج کا مجدد، محدث العصر اور نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں، اور جنہوں نے صحاح ستہ کی کتب میں سے بھی صحیح اور ضعیف روایات کے علاحدہ علاحدہ مجموعے مرتب کیے، وہ بھی اس جھوٹے قصے کو درست قرار دیتے تھے۔^(۲)

لیکن قیاس کو ”شجر ممنوعہ“ سمجھنے والے یہ لوگ، بعض باتیں تو ایسی بیان کر دیتے ہیں جس کے ثبوت میں کوئی موضوع روایت بھی نہیں ہوتی، مثال کے طور پر صادق سیالکوٹی صاحب کی کتاب ”صلوٰۃ الرسول“ میں بیان کردہ وظائف! حالانکہ یہ وہ کتاب ہے جس کے سرورق پر یہ لفاظی کی گئی ہے:

”جس کے نورانی اوراق میں وہ درآبدار منتشر ہیں جو وحی الہی کے یم ہدیٰ سے رسالت کی غواصی نے پائے ہیں اور جن کی تابانی اور درخشانی کا نور جو یان خدا کو خبیث و عصیان کی ظلمت سے نکال کر بارگاہ ایزدی میں پہنچاتا ہے۔“

اور اس کے اگلے صفحے پر اس طرح دعویٰ کیا گیا ہے:

”کتاب ہذا کا یہ ایڈیشن بڑی چھان بین، تحقیق اور حک و اضافہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ جو صحت، استدلال اور دیگر خوبیوں کے لحاظ سے ہر طرح تکمیل بروش ہے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین“

اور جس کے متعدد تبصرہ نگاروں میں اہلحدیثوں کا نقیب مجلہ ”الاعتصام“ لاہور کا بھی یہ تبصرہ دیا گیا ہے:

(۱) ہفت روزہ تنظیم الحدیث، لاہور: ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۱ء، صفحہ ۹

(۲) قبر پرستی، ایک حقیقت پسندانہ جائزہ: صفحہ ۵۴

”..... سب سے خوشی کی بات یہ ہے کہ مسائل میں احادیث سے استنبہاد کیا گیا ہے۔ سنت

صحیحہ سے اس باب میں جو چیزیں ثابت ہیں، قاری کو اس کتاب میں مل سکتی ہیں۔“ (صفحہ ۱۱)

لیکن ان سب مبالغہ آرائیوں کے باوجود، بغیر کسی سند و حوالے، ثبوت و دلیل کے، قرآنی آیت لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَنَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ کے متعلق فرماتے ہیں :

تمام مطالب و حوائج کے لیے ایک مجرب تاثیر و وظیفہ

دعائے یونس علیہ السلام:..... پس قرآن و حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ یہ دعا بڑا بھاری وظیفہ ہے۔ ہر قسم کی تکلیفوں، مصیبتوں، دکھوں، دروہوں اور اندوہوں سے نجات پانے کے لیے بڑا کامیاب وظیفہ ہے۔ نہایت مجرب تاثیر اور نہایت سریع الاثر دعوت ہے۔ تمام اولیاء اللہ اور صلحاء امت کا اس کی سرعت تاثیر اور عدم تخلف پر اجماع اور اتفاق ہے۔

پڑھنے کا طریقہ: اس کے پڑھنے کے طریقہ اپنے اپنے احوال و اشغال کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ ایک طریق تو یہ ہے کہ ہر روز رات کو بعد نماز عشاء ایک ہزار بار پڑھیں، اول آخر تین بار درود شریف بھی (قعدہ تشہد والا) ضرور پڑھیں۔ بارہ روز تک پڑھیں۔ انشاء اللہ اکل حلال اور صدق مقال کی پابندی سے پڑھنے پر کام ہو جائے گا۔ ورنہ چالیس روز تک پڑھیں، لیلائے مرام سے ہم آغوش ہو جائیں گے۔

دوسرا طریق یہ ہے کہ اس دعا کو چالیس روز میں سو الاکھ بار کریں جس کی صورت یہ ہے کہ ہر روز تین ہزار ایک سو پچیس (۳۱۲۵) بار پڑھیں۔ اول آخر چند بار درود شریف ضرور ہو۔ خدا کے فضل سے شب غم کی تاریکیوں سے صبح فرح کے انوار ضیاء بار ہوں گے۔

تیسرا طریق اس کے پڑھنے کا یہ ہے کہ نماز عشاء کے بعد تاریک مکان میں بیٹھ کر ایک پانی کا پیالہ بھر کر آگے رکھ لیں۔ اس طرح حضرت یونسؑ کے مچھلی کے پیٹ کے اندر ہرے اور دریا کے پانی کا نقشہ کھینچ جائے گا۔ اور بدن اور کپڑوں کی طہارت کے ساتھ با وضو قبلہ رخ بیٹھ کر نہایت عاجزی، زاری، خضوع اور استحضار کے ساتھ یہ دعائیں سو بار پڑھیں۔ اور پڑھنے کے دوران میں ہر سو بار کے خاتمے پر پانی میں ہاتھ ڈال کر منہ اور بدن پر پھیرتے رہیں۔ جب پڑھ چکیں تو اکتالیس بار درود شریف بھی پڑھیں۔ اسی طرح اکتالیس روز تک یہ عمل جاری رکھیں۔ خدا کی مہربانی سے مہوم و غموم کے بادل چھٹ کر مطلع امید نظر آجائے گا اور کوئی مشکل اور مصیبت ایسی نہیں جو دور نہ ہو۔ انشاء اللہ الغفار۔“ (صفحات: ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱)

اس کے بعد ”مخلوق کے شر سے بچنے کا حصار“ اور ”فراخی رزق کے اعمال“ کے اسی طرح کے بلاحوالہ خود ساختہ عملیات بھی بیان کیے ہیں۔

الحدیثوں کے نزدیک حنیفوں کی نماز ہی نہیں ہوتی کیونکہ وہ لوگ ان کے مشہور مسائل فاتحہ خلف الامام، رفع الیدین، آمین بالجہر وغیرہ پر عمل نہیں کرتے۔ لیکن نماز کا یہ موضوع بھی جس پر یہ سب سے زیادہ باتیں بناتے ہیں، ان کی دورویں اور تضاد بیانی سے خالی نہیں، مثلاً

ابراہیم سیالکوٹی صاحب سجدے میں جانے کا طریقہ اس طرح بتاتے ہیں کہ پہلے گھٹنے زمین پر رکھیں، پھر ہاتھ اور ہاتھوں کے درمیان پیشانی۔⁽¹⁾ جبکہ صلاح الدین یوسف صاحب اس طرح بیٹھنے سے منع کرتے ہیں اور اس کے الٹ یعنی پہلے ہاتھ اور پھر گھٹنے رکھنے کو صحیح طریقہ بتاتے ہیں۔⁽²⁾

صادق سیالکوٹی صاحب تشہد کے کلمات السَّلَامُ عَلَیْكَ أَيُّهَا النَّبِیُّ..... نقل فرماتے ہیں⁽³⁾ جبکہ نیپالی صاحب اسے نبی ﷺ کی حین حیات سے مخصوص کہتے ہوئے..... السَّلَامُ عَلَى النَّبِیِّ..... پڑھنے کی تلقین کرتے ہیں۔⁽⁴⁾

صادق سیالکوٹی صاحب تشہد میں انگلی اٹھانے سے متعلق فرماتے ہیں کہ اَشْهَدُ کہتے ہی اٹھائیں اور اَللّٰهُ ختم کر کے گرا دیں۔⁽⁵⁾ صلاح الدین یوسف صاحب اس کو بلا دلیل کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ پہلے اور دوسرے دونوں قعدوں میں بیٹھتے ہی سبابہ (انگوٹھے کے ساتھ والی) انگلی تربین کا حلقہ بنا کر اٹھالی جائے اور آخر تک اٹھا کر رکھی جائے۔⁽⁶⁾

(1) صلوٰۃ النبی: صفحہ ۳۹

(2) مسنون نماز: صفحہ ۵۲

(3) صلوٰۃ الرسول: صفحہ ۲۶۵

(4) دعائیں: صفحہ ۵۲

(5) صلوٰۃ الرسول: صفحہ ۲۶۹

(6) مسنون نماز: صفحہ ۵۷

یہی صاحب تشہد میں انگلی کو مسلسل حرکت دیتے رہنے سے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کا کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔^(۱) جبکہ صادق سیالکوٹی صاحب فرماتے ہیں کہ انگلی کو رفع کے دوران ہلانا بھی درست ہے اور نہ ہلانا بھی درست ہے۔^(۲)

دیگر مسائل کے تضاد میں یہ مثالیں بھی ہیں کہ صادق سیالکوٹی صاحب فرماتے ہیں کہ اقامت کے الفاظ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ کے جواب میں أَقَامَهَا اللَّهُ وَآدَامَهَا كَهَاجَأَ^(۳) جبکہ صلاح الدین یوسف صاحب اس کو غیر صحیح قرار دیتے ہیں۔^(۴)

تکبیر تشریق کے الفاظ شَفِيعَ نِيْپَالِي صاحب یہ لکھتے ہیں:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ^(۵)

یاد رہے کہ یہ وہی نیپالی صاحب ہیں جن کا دعویٰ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے اپنی اس کتاب میں ضعیف روایت نقل کرنے سے پرہیز کیا ہے کیونکہ شرعی احکام میں ضعیف روایت ناقابل قبول ہے۔ لیکن صلاح الدین یوسف صاحب فرماتے ہیں کہ مندرجہ بالا الفاظ کی تکبیر تشریق کی روایت سخت ضعیف ہے اور سند اثابت نہیں۔^(۶)

صادق سیالکوٹی صاحب قضائے حاجت کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ الْعُورَ کے لیے فرماتے ہیں کہ اس دعا کا پڑھنا ”حدیث شریف میں حضورؐ سے ثابت ہے۔“^(۷) جبکہ نیپالی صاحب فرماتے ہیں کہ ثابت نہیں ہے۔^(۸)

(۱) مسنون نماز: صفحہ ۵۷

(۲) صلوٰۃ الرسول: صفحہ ۲۷

(۳) صلوٰۃ الرسول: صفحہ ۱۲۰

(۴) مسنون نماز: صفحہ ۳۴

(۵) دعائیں: صفحہ ۷

(۶) مسنون نماز: صفحہ ۱۱۰

(۷) صلوٰۃ الرسول: صفحہ ۵۵

(۸) دعائیں: صفحہ ۴۳

گھر میں داخل ہونے کی دعا صلاح الدین یوسف اور صادق سیالکوٹی صاحبان اَللّٰهُمَّ
اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حَیْزَ الْمَوْجِ..... اللہ بیان کرتے ہیں، ^(۱) لیکن نیپالی صاحب اسے ضعیف
کہتے ہیں۔ ^(۲)

افطار کی دعا صادق سیالکوٹی صاحب اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ..... اللہ بتاتے ہیں ^(۳) جبکہ
نیپالی صاحب اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ ^(۴)

غرض اس طرح کی تضاد بیانی کی مثالوں کی ایک طویل فہرست ہے جو روز بروز نئی نئی
کتابوں کی تصنیف سے طویل سے طویل تر ہوتی جا رہی ہے۔

فقہ حنفی کے قیاسی مسئلوں کا تسخر کرتے ہوئے یہ لوگ دلیل، ثبوت اور حدیث
حدیث کی رٹ لگا دیتے ہیں، جبکہ خود بھی اس روش سے بچے ہوئے نہیں ہیں (قیاس کے
استعمال کی دو مثالیں پیچھے دی جا چکی ہیں)۔ بغیر کسی ثبوت اور نقلی دلیل کے یہ لوگ بہت سے
مسائل بیان کر دیتے ہیں۔ صادق سیالکوٹی صاحب کے ”مغرب نسخے“ پیچھے بیان کیے جا چکے
ہیں۔ نماز جنازہ میں طاق صفیں رکھنا، ^(۵) صلوٰۃ کی حالت میں ہی دائیں بائیں چل کر صف کے
خلا کو پڑھ کر لینا جو کسی وجہ سے پیدا ہو گیا ہوا، ^(۶) جہری نماز میں مقتدی کا صرف سورۃ فاتحہ
پڑھنا اور سری میں فاتحہ کے بعد کوئی دوسری سورۃ بھی پڑھنا، ^(۷) چار رکعات والی نماز کی ہر
رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ بھی پڑھنا، ^(۸) خطبہ جمعہ اپنی زبان میں پڑھنا، ^(۹) وغیرہ ایسے
مسائل ہیں جن کا احادیث سے کوئی ثبوت نہیں ملتا مگر حدیث پر عمل کے دعویدار اسی کی
تلقین کرتے ہیں۔ ان کے اسلاف میں نواب صدیق حسن خاں، وحید الزماں وغیرہ کی

(۱) مسنون نماز: صفحہ ۱۲۶/صلوٰۃ الرسول: صفحہ ۴۶۰

(۲) دعائیں: صفحہ ۱۲۲

(۳) صلوٰۃ الرسول: صفحہ ۴۶۵

(۴) دعائیں: صفحہ ۶۷

(۵) صلوٰۃ الرسول: صفحہ ۴۳۳

(۶) صلوٰۃ الرسول: صفحہ ۳۳۴

(۷) مسنون نماز: صفحہ ۳۷

(۸) مسنون نماز: صفحہ ۳۷

(۹) مسنون نماز: صفحہ ۱۰۷

کتابوں میں تو ڈھیروں بے سند مسائل بیان کیے ہوئے ہیں۔ احناف جب اپنے مسلکی مسائل کے ثبوت میں مصنف ابن ابی شیبہ، ابن عساکر، طحاوی وغیرہ کی احادیث پیش کرتے ہیں تو انہیں ”درجہ سوم کی کتابوں سے ضعیف اور منقطع روایتیں“ کہہ کر ہیک جنبش قلم رد کر دیتے ہیں^(۱) اور طنز کرتے ہیں کہ ”صحاح ستہ میں مروی احادیث نبوی کے مقابلے میں درجہ سوم کی کتابوں کی حقیقت ہی کیا ہے؟“^(۲) لیکن اپنے مخصوص مسائل کے ثبوت میں انہی ”درجہ سوم کی کتابوں کی روایتوں“ میں کوئی سقم نظر نہیں آتا! بلکہ اگر صحاح ستہ کی کوئی روایت ان کے خلاف پڑے تو اس کے برعکس بیہقی وغیرہ کی روایت پر اصرار کرتے ہیں^(۳) اور ان کے صحاح ستہ میں نہ ہونے کی دوزکار تاویلیں کر لیتے ہیں۔^(۴) حنفی اگر دعائے قنوت کے لیے تکبیر کہنے اور ہاتھ اٹھانے کے ثبوت میں اگر آثار صحابہ پیش کریں تو انہیں یہ کہہ کر رد کر دیں کہ ان آثار کی کوئی حیثیت نہیں^(۵) لیکن خود تکبیرات جنازہ میں رفع یدین کے لیے آثار ہی سے استدلال فرمائیں۔^(۶) واضح رہے کہ یہاں احناف کی وکالت نہیں بلکہ صرف حدیث پر عمل کرنے کے دعویداروں کی دورخی اور تضاد بیانی ظاہر کرنا مقصود ہے ورنہ موجودہ مزمومہ احناف کے مشرکانہ عقائد اور بدعات و خرافات سے تو ہم خود بری و بیزار ہیں۔

حدیث پر عمل کرنے کے دعویداروں کا خلاف حدیث ایک عمل ان کا خود کو ”الحدیث“ کہلاتا بھی ہے۔ ان کے علماء اپنی تحریروں اور تقریروں میں اس بات کو درست ثابت کرنے پر پورا زور صرف کر دیتے ہیں۔ یہ ان تمام آیات جن میں لفظ ”حدیث“ آیا ہے، اور نبی ﷺ کے وہ فرامین جن میں لفظ ”حدیث“ استعمال ہوا ہے، اس سے استدلال

(۱) حدیث اور غیر اہلحدیث : صفحہ ۵۹

(۲) حدیث اور غیر اہلحدیث : صفحہ ۶۳

(۳) صراط مستقیم اور اختلاف امت: صفحہ ۲۱۳

(۴) صراط مستقیم اور اختلاف امت: صفحہ ۲۲۲ (اپنے مخصوص مسائل کو ثابت کرنے کے لیے ”الظفر البین فی رد مغالطات المقلدین“ نامی کتاب میں بکثرت ضعیف روایات سے استدلال کیا گیا ہے)

(۵) حدیث اور غیر اہلحدیث : صفحہ ۹۱

(۶) حدیث اور غیر اہلحدیث: صفحات ۸۴

کرتے ہوئے خود کو ”الحدیث“ کہلاتا درست جانتے ہیں اور ان کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہوئے اپنے مسلک کو منزل من اللہ (یعنی اللہ کی طرف سے نازل شدہ) بتاتے ہیں۔^(۱) اور یہ کہ

”قرآن کا نام بھی حدیث ہے اور اللہ کے رسول کی زبان مبارک سے نکلے ہوئی بات کا نام بھی حدیث ہے تو اہل حدیث کی نسبت ہوئی اس سرچشمے کی طرف جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے پھوٹا ہے اور انہی سرچشموں کے اثرات اہل حدیث حضرات میں پائے جاتے ہیں۔“^(۲)

”الحدیث کا نام رکھنے کی معقول وجہ یہ تھی کہ حدیث کا لفظ قرآن و حدیث پر مشترک بولا جاتا ہے۔“^(۳)

نیز

”یہ نام من جانب اللہ ہمیں دربار رسالت سے ملا ہے۔ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین سب اہل حدیث کہلاتے تھے۔“^(۴)

لیکن افسوس کہ یہ ”معقول وجہ“ صحابہ ﷺ کی سمجھ میں نہ آئی جو ان دونوں قسم کی حدیثوں (یعنی فرمان الہی و فرمان رسول ﷺ) پر ساری زندگی عمل کرتے رہے، انہوں نے کبھی خود کو الحدیث نہیں کہلوا یا۔ وہ اسی نام پر قانع رہے جو اللہ نے انکے لیے تجویز کیا یعنی ”مسلم“ * جو لوگ صحابہ کا طریقہ چھوڑ دیں، غیر سبیل المومنین کی اتباع کریں * تو کیا ان کا ماننا علیہ و اصحابی ہونے اور منہج صحابہ پر ہونے کا دعویٰ درست ہو سکتا ہے؟ نیز کلام الہی میں قرآن کے لیے آنے والے لفظ ”حدیث“ سے استدلال کرتے ہوئے خود کو الحدیث کہلانے والے بتائیں کہ قرآن مجید میں اللہ نے قرآن کو ”الذکر“،

(۱) صادق سیالکوٹی: صحیفہ الحدیث، کراچی، ۱-۱۲ ستمبر ۱۹۹۸ء، صفحہ ۱۷

(۲) آسمانی جنت اور درباری جہنم: صفحہ ۱۷۰

(۳) عقیدہ اہل حدیث: صفحہ ۲۸

(۴) ہفت روزہ الاعتصام مؤرخہ ۵ / محرم ۱۴۰۱ھ صفحہ ۱۰

★ الحج: ۷۸ ★ النساء: ۱۱۴

”الکتاب“، ”الفرقان“ اور ”النور“ بھی کہا ہے تو کیا قرآن کو ماننے کا دعویٰ کرنے والا اپنا نام ”اہل ذکر“، ”اہل کتاب“، ”اہل نور“ وغیرہ بھی رکھ سکتا ہے؟

قرآن و حدیث پر عمل کرنے کے دعویداروں کا قرآن و حدیث کے ہی خلاف ایک اور عمل دین کو پیشہ بنانا بھی ہے۔ شاید ہی کوئی اہل حدیث امام و مؤذن، معلم و مدرس اور نکاح خواں ایسا ہو جو نماز پڑھانے، اذان دینے، قرآن پڑھانے، دین کی تعلیم دینے اور نکاح پڑھانے کی اجرت نہ وصول کرتا ہو حالانکہ قرآن و حدیث کی رو سے ایسا کرنا ناجائز اور حرام ہے۔^(۱) اور ہٹ دھرمی کا یہ عالم ہے کہ جب قرآن و حدیث کے صحیح پیرو ہونے کے دعویداروں کی اس طرف توجہ دلائی جائے تو ممانعت کی احادیث کو ضعیف قرار دیدیتے ہیں اور اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ کا ترجمہ ”تم کتاب اللہ پر مزدوری بخوبی لے سکتے ہو“ کر کے اپنی مولوی برادری کو اجازت دیدیتے ہیں کہ فُكُلُوْهُ هٰذَا مَرِيًّا! حیرت ہوتی ہے کہ حدیث حدیث کہتے ان کی زبانیں نہیں سو سکتیں، کتب و سنت کی اتباع کے دعوے کرتے کرتے ان کے منہ نہیں تھکتے، وہ وہ بلند بانگ بول بولتے ہیں کہ مبالغہ کی حد نہ رہے (کچھ نمونے پچھلے صفحات میں گزر چکے ہیں)، لیکن جب نبی ﷺ کی ہی حدیث پیش کی جائے کہ نبی ﷺ نے واضح طور پر ممانعت فرمادی کہ

”مؤذن ایسا رکھنا جو اذان پر اجرت نہ لے“^(۲)

تو چالبازی دکھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ

”یہ حکم استنباب کے لیے ہے۔“^(۳)

[قارئین! عنوان ۲ کے تحت آپ پڑھ چکے ہیں کہ ان اہل حدیثوں کے حریف حنفی مولویوں نے دین کو پیشہ بنانے کے لیے بالکل سہی حیلہ تراش رکھا ہے اور وہ بھی سہی کہتے ہیں۔ یہ پیشہ ورانہ مماثلت بھی حیرت انگیز ہے!]

(۱) تفصیل ہمارے کتابچے ”دین داری یا دکان داری“ میں دیکھیے۔

(۲) جامع ترمذی: جلد ۱، ابواب الصلوٰۃ، باب کراہیۃ ان یاخذ المؤذن علی الاذان اجرا، صفحہ ۱۲۱/سنن ابی داؤد: جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۹۰، اخذ الاجر علی التاذین، صفحہ ۲۲۹، وغیرہ

(۳) کراچی کا عثمانی مذہب: صفحہ ۱۱۸، ۱۱۹

آخر میں ان الٰہد بیٹوں کی دوغلی پالیسی کی ایک مثال اور دی جاتی ہے۔ پیر جھنڈہ محب اللہ راشدی صاحب اپنے بھائی پیر جھنڈہ بدیع الدین راشدی کے اختیار کردہ رکوع سے اٹھ کر دوبارہ ہاتھ باندھ لینے کے مسئلے کے دلائل کو بیان کر کے اس طرح سے اس کا رد کرتے ہیں:

”امام احمد کی مسند میں یہ روایت ہے:

عن وائل قال قال صلى بن رسول الله ﷺ فلما قراء غير المغضوب عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قال آمين واخفى بها صوته ووضع يده اليمنى على يده اليسرى وسلم عن يمينه وعن يساره (مسند احمد، صفحہ ۳۱۶ جلد ۴)

حضرت وائل ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی پھر جب غیر المغضوب عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پڑھا تو آمین کہا اور آواز کو مخفی کیا اور اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں پر رکھا اور دائیں بائیں سلام پھیرا۔

ملاحظہ فرمائیے! یہاں وضع الیدین کا ذکر آمین کے بعد آیا ہے۔ تو کیا اس کا مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فاتحہ پڑھ کر آمین بھی کہی اور بعد میں ہاتھ باندھے۔ ہرگز نہیں۔ یہ مطلب قطعاً نہیں ہے، لیکن یہاں بھی راوی نے آنحضرت ﷺ کی نماز کی چند باتیں بلا قصد ترتیب ذکر کر دی ہیں۔ اس کا مقصد صرف یہ بیان کرنا تھا کہ یہ باتیں بھی نماز میں ہیں۔ ان کی ترتیب دوسری مفصل احادیث سے معلوم ہوتی ہے۔ اس میں کیا خرابی؟“ (1)

جب ہم بخاری کی ابو حمید ساعدی ؓ کی عدم رفع والی وہ روایت بیان کرتے ہیں جس میں وہ بیان فرماتے ہیں کہ میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ نبی ﷺ کی صلوٰۃ کی کیفیت کو یاد رکھنے والا ہوں۔ پھر انہوں نے صلوٰۃ پڑھ کر دکھائی: رفع یدین کر کے ہاتھ باندھے، بغیر رفع یدین کے رکوع و سجدے کیے اور قعدے میں بیٹھے؛ تو الٰہد بیٹ فوراً کہہ دیتے ہیں کہ اس میں تو قرأت، رکوع و سجدہ کی تسبیحات، تشہد، وغیرہ پڑھنے کا بھی ذکر نہیں تو پھر وہ بھی نہیں کرنا چاہیے! * اس موقع پر ہمارا وہی جواب ہوتا ہے جو اوپر پیر صاحب نے اپنے چھوٹے پیر

(1) ذیل الامانی و حصول الامال: صفحات ۵۴، ۵۵

★ حوالے کے لیے دیکھیے صراطِ مستقیم اور اختلاف امت: صفحہ ۲۰۱

بھائی کو دیا ہے: یعنی ابو حمید ساعدی رحمہ اللہ نے صلوٰۃ کا ایک ایک جزء تفصیلاً نہیں بتایا بلکہ صلوٰۃ کی ایک شکل واضح کر دی۔ اب جو باتیں اس روایت میں بیان نہیں ہوئیں تو کیا ہوا؟ وہ دوسری متعدد روایات میں تو بیان ہوئی ہیں۔ پورے ذخیرہ احادیث میں ایسی کون سی حدیث ہے جس میں صلوٰۃ کی تمام جزئیات، تمام تفصیلات از تکبیر تحریرہ تا سلام مکمل طور سے بیان ہوئی ہوں؟ مگر اس وقت ہمارا استدلال قبول نہیں کیا جاتا اور یہاں ہمارا والا ہی ”ناقابل قبول“ استدلال پیش کیا جاتا ہے! چہ خوب

ویل للمطففین الذین اذا کتالوا علی الناس یستوفون و اذا کالوہم او وزنوہم یخسرون

اسی طرح رفع یدین وعدم رفع، آمین میں جہر و اخفا، جلسہ استراحت وعدمہ وغیرہ کی ہر دو طرح سے مروی احادیث کے متعلق جب ہم یہ کہتے ہیں کہ دونوں سنتوں پر عمل کیا جائے یعنی کبھی پہلا تو کبھی دوسرا طریقہ؛ تو فوراً ہمارے علم کی مقدار ناپتے ہوئے دعویٰ کیا جانے لگتا ہے کہ نبی ﷺ نے صرف ایک ہی طریقہ پر صلوٰۃ ادا کی اور سکھائی۔ لیکن جب ان کی باری آتی ہے تو پھر وہی کہنے لگتے ہیں جو ہم کہتے ہیں۔ قرأت کے بیان میں صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں:

”..... اگر جہری نمازوں میں کوئی امام بسم اللہ پکار کر پڑھے تو انکار نہ کریں اور نہ ہی اس چیز کو بحث کا موضوع بنائیں۔ بسم اللہ آہستہ پڑھنے کی بھی کئی صحیح حدیثیں ہیں۔ تو دونوں طرح جائز ہوا۔ آہستہ بھی اور پکار کر بھی۔“ (1)

تشہد میں انگلی اٹھانے سے متعلق لکھتے ہیں:

”مشکوٰۃ شریف میں ابو داؤد اور دارمی کے حوالے سے حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث میں یُحْذَرُ کُھَا بھی آیا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے انگلی اٹھائی۔ اور اس کو ہلاتے رہے۔ اور اس حدیث کے آگے ہی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت میں ہے کہ تشہد پڑھتے وقت حضورؐ انگلی سے اشارہ کرتے۔ وَلَا یُحْذَرُ کُھَا اور اسے ہلاتے نہ تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انگلی کو رفع کے دوران ہلانا بھی درست ہے اور نہ ہلانا بھی درست ہے۔ جس نے انگلی کبھی نہیں ہلائی، اس کو

کبھی کبھی ہلائی بھی چاہیے تاکہ حضور پر نور ﷺ کی ہلانے کی سنت پاک پر بھی عمل ہو تا رہے۔ اور سنت زندہ رہے۔“ (1)

ہر دو مسنون طریق پر عمل کرنے کی ترغیب میں صغیر بہاری صاحب اس طرح اپنا حصہ ڈالتے ہیں:

”قوت وتر قبل ال رکوع و بعد ال رکوع دونوں ثابت ہیں، لہذا کوئی قبل ال رکوع پڑھے یا بعد ال رکوع، دونوں میں سے کسی میں حرج نہیں۔ البتہ کسی ایک ہی طریقے پر ضد اور ہٹ دھرمی قابل گرفت ہے۔“ (2)

ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ صحیح روایات سے رکوع میں جانے سے پہلے اور اٹھ کر دونوں ہاتھوں کو کاندھوں تک اٹھانا اور نہ اٹھانا دونوں طرح سے مروی ہے، لہذا دونوں طریقوں پر عمل کیا جائے تاکہ دونوں سنتوں پر عمل کی سعادت نصیب ہو اور ان کے بقول ”تاکہ حضور پر نور ﷺ کی سنت پاک پر بھی عمل ہو تا رہے اور سنت زندہ رہے“ اور یہ کہ ”دونوں میں سے کسی میں حرج نہیں؛ البتہ کسی ایک ہی طریقے پر ضد اور ہٹ دھرمی قابل گرفت ہے“ لیکن یہاں وہ اپنے قول سے پھر کر ہزاروں روپے کے انعام کے اشتہاری پوسٹر لگانے شروع کر دیتے ہیں کہ عدم رفع ثابت کرنے والے کو اتنا اتنا انعام دائے مسلک پرستی !

یہ تحریر اس وقت تک نامکمل رہے گی جب تک کہ اس میں الہدیتوں کی کرامات کا ذکر نہ کیا جائے۔ ایک الہدیت عالم عبد المجید سوہدروی جو الہدیتوں کے سابقون الاولون میں سے مولوی ابراہیم سیالکوٹی کے شاگرد ہیں، اپنی کتاب ”کرامات الہدیت“ کے پہلے صفحے پر لکھتے ہیں:

”چونکہ کرامات کا ظہور عام طور پر اولیاء اللہ ہی سے ظہور پذیر ہوتا ہے، اس لیے عوام میں یہ مشہور ہو گیا ہے کہ جماعت الہدیت میں کوئی ولی نہیں ہوا، اسی لیے تو نہ وہ کرامات کو ماننے ہیں اور نہ ان میں کوئی اہل کرامت ہوا ہے۔ الہدیت چونکہ عام طور پر جھوٹے ولیوں کی کرامت کا انکار کرتے ہیں اور ان کی استدراجی و شیطانی حرکات کو کرامت قرار نہیں دیتے، اس لیے عوام

(1) صلوٰۃ الرسول :: صفحات ۲۷، ۲۸

(2) صراط مستقیم اور اختلاف امت: صفحہ ۲۷۳

بھی ان سے بدظن ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اولیاء اللہ ہی کے منکر ہیں اور ان کی کرامات کے بھی قائل نہیں ہیں..... بفضلہ جماعت الہمدیث میں بے شمار افراد اہل کرامت ہوئے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جتنے حضرات الہمدیث میں اہل کرامت ہوئے ہیں، اتنے کسی اور جماعت میں نہیں ہوئے۔“

ابن تیمیہ کی کتاب ”عقیدۃ الواسطیہ“ جس کا ترجمہ و شرح ادارہ احیاء السنۃ، گھر جاکھ، گوجرانوالہ نے ”عقیدۃ السلفیہ“ کے نام سے کیا ہے اور جو الہمدیثوں کے مدارس میں پڑھائی بھی جاتی ہے، اس میں لکھا ہے کہ

”اور اہل سنت کے اصولوں میں سے ہے کہ وہ اولیاء کی کرامات اور جو اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں پر خارق عادت ظاہر کرتے ہیں، وہ ان سب کی تصدیق کرتے ہیں۔ وہ کرامات علوم اور مکاشف کی قسم سے ہوں یا قدرت کے اور تاثرات کی قسم سے، اور ان پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو پہلی امتوں کے متعلق سورۃ کہف وغیرہ میں مذکور ہیں یا اس امت کے پہلے لوگوں صحابہ اور تابعین سے اور ان کے بعد امت کے مختلف افراد سے صادر ہوتی ہوں اور وہ اس امت میں قیامت تک باقی رہیں گی۔ (صفحات ۲۰۳، ۲۰۴)

”مرشد جیلانی کے ارشادات حقانی“ کے مصنف الہمدیث عالم حنیف یزدانی صاحب معجزے اور کرامت کو حق، البتہ عبدالقادر جیلانی سے منسوب کرامات کو من گھڑت کہتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”معجزہ اور کرامت معاذ اللہ کوئی شعبہ بازی نہیں کہ جب کسی نے کہا فوراً پٹاری کھول کے بیٹھ گئے اور تماشا دکھا دیا۔“ (صفحہ ۹۳)

یہی گوند لوی صاحب کہتے ہیں:

”ہم بلاشبہ اولیاء اللہ سے سرزد ایسی کرامات کو جو صحیح نقل کے ساتھ ثابت ہوں تسلیم کرتے ہیں، مگر کرامات کو کتاب و سنت کے ترازو میں تولتے ہیں۔ اگر وہ عقیدہ اسلام کے موافق ہیں تو قابل قبول ورنہ ہم اسے شعبہ بازی یا پھر کذب پر محمول کر کے ترک کرنا ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ قرآن و حدیث کے میزان کے جو خلاف ہے وہ کرامت نہیں۔“

(عقیدہ الہمدیث: صفحہ ۳۱۰)

ذرا گوند لوی صاحب اور ان کے متعلقین اپنی اس ترازو میں تول کر بتائیں کہ الہدایت ”اولیاء“ کی درج ذیل کرامات قرآن کی کس آیت اور رسول ﷺ کی کس حدیث کے مضمون کی موافقت کر رہی ہیں:

1- مولوی عبد الرحمن لکھوی صاحب حج کے لیے روانہ ہوئے اور جہاز کا ٹکٹ خرید لیا۔ جہاز چلنے لگا تو تھا کہ آپ نے منع کر دیا اور ٹکٹ واپس کروا دیا۔ ایک ہفتے بعد دوسرے جہاز کا ٹکٹ خریدا اور اس کے چلنے سے پہلے اس کا ٹکٹ بھی واپس کر دیا۔ پھر تیسرے جہاز پر سوار ہو کر جدہ پہنچے۔ وہاں جا کر ہمراہیوں کو معلوم ہوا کہ پہلے دونوں جہازوں میں بیماری پھیل گئی اور حکومت نے دوسری جگہ انہیں روک دیا۔ (کرامات الہدایت: صفحہ ۱۲)

2- مولوی غلام رسول قلعوٹی صاحب قلعہ مہیاں سنگھ میں ایک حجام سے حجامت بنوا رہے تھے۔ اس نے شکایت کی حضور میر ایٹا کئی سال سے باہر گیا ہوا ہے جس کا ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ کہاں ہے، زندہ ہے یا مر گیا ہے، بس ایک ہی بیٹا تھا۔ اس کے فکر میں ہم تو مرے جا رہے ہیں۔ آپ تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا، میاں وہ تو گھر بیٹھا ہے اور روٹی کھا رہا ہے، جاؤ بیشک جا کر دیکھ لو۔ حجام گھر گیا تو بچ بیٹا آیا ہوا تھا اور کھانا کھا رہا تھا۔ بیٹے سے ماجر ا پوچھا تو اس نے کہا کہ ابھی ابھی میں سکھر سندھ میں تھا۔ معلوم نہیں مجھے کیا ہوا اور کیونکر طرفۃ العین میں یہاں پہنچ گیا۔ (ایضاً: صفحات ۱۲، ۱۳)

3- ”صوفی حبیب الرحمن صاحب کا بیان ہے کہ ۱۹۱۰ء میں جب حضرت ضیاء معصوم صاحب مرشد امیر حبیب اللہ خان شاہ کابل پٹیا لہ تشریف لائے تو سر ہند جانے کے لیے قاضی محمد سلیمان کو اپنے ساتھ لے لیا۔ حضرت ضیاء معصوم جب روضہ حضرت مجدد الف ثانی پر مراقبہ کے لیے بیٹھے تو قاضی جی نے دل میں کہا کہ شاید ان بزرگوں نے آپس میں کوئی راز کی بات کہنی ہو، ان سے الگ ہو جانا چاہیے۔ ابھی آپ اپنے جی میں یہ خیال کر کے اٹھے ہی تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے آپ کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور فرمایا کہ سلیمان بیٹھے رہو، ہم کوئی بات تجھ سے راز میں رکھنا چاہتے۔ صوفی صاحب کا بیان ہے کہ قاضی صاحب نے بعض دوستوں سے ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ واقعہ مراقبہ یا مکاشفہ کا نہیں بلکہ بیداری کا ہے۔“ (کرامات الہدایت: صفحہ ۱۹)

4۔ مولانا عبد اللہ المعروف غلام نبی الربانی سوہدروی کا بیان ہے کہ ایک بار ایک شخص..... نے عبد اللہ غزنوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور میں نے مجاہدین کو ایک چٹھی بھیجی تھی جو راستے میں پکڑ لی گئی، چونکہ میں سرکاری ملازم ہوں اور وہ چٹھی میرے افسروں کے پاس پہنچ گئی ہے اس لیے اب مجھ پر مقدمہ چلے گا اور نہ صرف ملازمت ہی سے برطرف کر دیا جائوں گا بلکہ سخت سزا بھی دی جائیگی، خدا کے لیے دعا کیجیے اور مجھے اس مصیبت سے بچائیے۔ راوی کا بیان ہے کہ میرے سامنے عبد اللہ صاحب نے مراقبہ کیا اور کچھ عرصے کے بعد سر اٹھایا اور اپنی بغل سے وہ چٹھی نکال کر اس شخص کو دی اور پوچھا کہ کیا یہی ہے؟ اس نے کہا ہاں حضور یہی ہے جس کی بنا پر مقدمہ چل سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا جلد اواب مقدمہ نہیں چل سکے گا۔ چنانچہ جب مقدمہ پیش ہوا اور وہ افسر میری چٹھی پیش نہیں کر سکا تو مجھے بری کر دیا گیا۔“ (ایضاً: صفحات ۲۶، ۲۷)

5۔ ایک نواب صاحب کی بیٹی سخت بیمار تھی، اس نے مولوی محمد سلیمان روڑی سے دم کرانے کے لیے آدمی بھیجا۔ مولوی صاحب جانے کے لیے تیار ہوئے، سواری منگوائی گئی۔ معاف فرمایا اب جانا فضول ہے، لڑکی کا انتقال ہو گیا ہے۔ چنانچہ آدمی جب واپس گیا تو معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی وقت جب مولوی صاحب نے فرمایا تھا، اس کی روح قفسِ غصری سے پرواز کر گئی تھی۔ (ایضاً: صفحہ ۲۸)

یہ صرف پانچ ”کرامات“ ہیں ورنہ اس کتاب میں ان ”پنج تن“ کے ایسے پچاس سے زیادہ واقعات ہیں۔ مزید یہ کہ مؤلف صاحب کتاب کی آخری سطر میں لکھتے ہیں:

”اگرچہ کرامات الہدیث کے ضمن میں بہت سے بزرگوں کی کرامات میرے پاس جمع ہو گئی ہیں، مگر فی الحال انہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ یار زندہ صحبت باقی۔“

اے کاش کہ بڑے کیلانی صاحب زندہ ہوتے تو ہم ان سے مطالبہ کرتے کہ ذرا ان کرامات پر بھی تبصرہ فرمائیں جیسا کہ آپ نے ”شریعت و طریقت“ میں ان سے بہت ہلکی سیکنکڑوں کرامات پر فرمایا تھا! البتہ چھوٹے کیلانی صاحب، کوئی گوند لوی، کوئی گر جاکھی وغیرہ اپنے مخصوص انداز میں ان پر کچھ ارشاد فرما سکتے ہیں کہ یہ لوگ تو ماشاء اللہ ابھی بقید حیات ہیں اور شاید ان کے حواس بھی بحال ہوں۔

اپنے مسلک کو منزل من اللہ اور منہج صحابہ قرار دینے، خود کو ما انا علیہ و اصحابی کا مصداق سمجھنے اور اپنی جماعت کو نجات یافتہ ماننے کے دعویدار بتائیں کہ گزشتہ صفحات کے مرقومات ان کے دعوے کو سچ ثابت کرتے ہیں یا باطل ٹھہراتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ گروہی و مسلکی تعصبات کی عینک اتار کر، صریح فریب کاری اور تضادات پر مبنی اس صورت حال پر سنجیدگی و ہوشمندی کے ساتھ غور و فکر کر کے کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنے اور ان کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے عقائد کی اصلاح کر کے درست راہ عمل اختیار کرنے کی ہمت و توفیق سے نوازے! آمین

